اصلی وارث

ایم اے راحت

1

اصلی وارث

ایم ۔ اے راحت

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

مطلق صاحب کا کلیجہ خون ہوگیا۔ دادا کی ایک آواز بھی نہیں ابھری تھی اور مطلع پڑھتے ہی انھیں مستقبل تاریک معلوم ہونے لگا تھا۔ انھوں نے ہمت کر کے دوبارہ مطلع پڑھا اور پھر دوسرے شعر پر آ گئے۔ لوگوں کی بڑبڑاہٹ اُبھری تھی لیکن ان میں داد کی کوئی آواز نہ تھی ان کے ہاتھوں میں ان کی تازہ غزل کانپنے لگی۔ الفاظ دھندلے ہو گئے۔ اتنے دھندلے کہ انھیں چشمہ اتار کر صاف کرنا پڑا۔ تب انھوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

تب ہی سامنے سے ایک آواز ابھری۔ "لوٹ لیا جناب مطلق۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ حضور دوبارہ۔ خدا کے واسطے دوبارہ۔ اس اکیلے نوجوان نے خاصی ہنگامہ آرائی کر دی تھی۔ لوگ اسے ناپسندہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن مطلق صاحب کی عزت بچ گئی تھی۔ انھوں نے ممنون نگاہوں سے اس سخن فہم فرشتے کو دیکھا اور دوبارہ شعر پڑھا۔ جس پر اس نے اتنا ہی واویلا کیا تھا اور مطلق صاحب نے اس کی داد کے سہارے پوری غزل ختم کر لی۔ اس نوجوان کے علاوہ کسی بدذوق کو اتنی توفیق نہیں ہوئی تھی کہ ایک لفظ کہہ ڈالتا۔ بہر حال وہ تہہ دل سے اس کے ممنون تھے۔ باقی کسی کی طرف انھوں نے آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ سامعین کی آٹھویں رو میں بیگم صاحبہ تشریف فرما تھیں لیکن اس وقت مطلق صاحب نے ان کی شکل بھی نہیں دیکھی اور خاموشی سے شاعروں کی صف میں بیٹھ گئے۔ اناؤنسر نے دوسرے شاعر کا نام پکار دیا تھا۔

بڑی سفارش کے بعد مطلق صاحب کو اس مشاعرے میں پڑھنے کا موقع ملا تھا۔ اس سے قبل وہ دفتر کے لوگوں کو اپنی غزلیں سناتے رہے تھے یا پھر دوسرے شناساؤں کو جنھوں نے کبھی ان کی پزیرائی نہیں کی تھی اور مطلق صاحب یہی سوچتے رہے تھے کہ ابھی انھیں وہ حلقہ نہیں ملا جو شعروشاعری کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے' نہ جانے کس کس طرح کوشش کر کے وہ اس مشاعرے میں پڑھنے کا اجازت نامہ حاصل کر سکے تھے۔ آنکھوں میں سنہرے مستقبل کے خواب سجائے وہ مسند پر آئے تھے۔ بیگم لاکھ بدذوق سہی لیکن مطلق صاحب نے ان کے لیے بھی نشست حاصل کر لی تھی اور وہ آٹھویں رو میں مع پانوں کی ڈبیہ کے بیٹھی تھیں جو چاندی کی تھی اور جس میں قوام' تمباکو اور چھالیہ الگ الگ رکھنے کے خانے بنے ہوئے تھے۔

مطلق صاحب نے آج سارا دن 'یاحق' کا وظیفہ پڑھا تھا' جو انھیں کسی بزرگ نے ہر جائز حاجت پوری ہونے کے لیے بتایا تھا۔ آج ان کی خواہش یہی تھی کہ وہ مشاعرہ لوٹ لیں اور کل کے اخبار ان کی تصاویر سے سجے ہوئے ہوں۔ بس یہاں سے ان کی شاعری کا آغاز ہو جائے اور وہ مستقبل کے شاعرِ اعظم کہلانے لگیں۔ لیکن شاید وظیفہ مکمل نہیں ہوا تھا۔ آغاز ہی انجام ہو گیا تھا۔ مستقبل کی تصویر نمایاں ہو گئی تھی' اگر وہ نوجوان نہ ہوتا۔ تو شاید زندگی بھر طعنے برداشت کرنے پڑتے۔ لیکن اس فرشتہ رو نے لاج رکھ لی تھی۔

نہ جانے کیوں وہ اس قدر مہربان تھا کہ وہیں بس نہ ہوئی۔ مشاعرے کے اختتام پر جب لوگوں کا ہجوم اپنے پسندیدہ شعرا کی مدح سرائی کر رہا تھا اس نے ایک آٹو گراف بک ان کی طرف بڑھا دی۔

''حضور مطلق صاحب' آٹو گراف۔'' اس نے قلم صاحب کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

مطلق صاحب نے کنکھیوں سے بیگم صاحبہ کی طرف دیکھا' جو ہجوم سے بچنے کے لیے ان کے نزدیک آ کھڑی ہوئی تھیں' اور قلم لے کر آٹو گراف دے دیے۔ لیکن دوسرا منظر بھی انھوں نے دیکھ

لیا تھا۔ ایک نوجوان لڑکی نے نہایت غصے کے عالم میں آٹو گراف بک اس نوجوان سے چھینتے ہوئے کہا تھا۔

''کیا بدتمیزی ہے۔ تم نے میری آٹو گراف بک کیوں اچک لی تھی۔''

''پیشِ خدمت ہے۔'' نوجوان نے نہایت اخلاق سے آٹو گراف بک اس لڑکی کے حوالے کر دی' اور وہ بڑبڑاتی چلی گئی۔

مطلق صاحب بیگم صاحبہ کے ساتھ دروازے تک بھی نہ پہنچے تھے کہ ایک بار پھر وہ دوڑتا ہوا ان کے پاس آیا اور ایک آٹو گراف بک ان کے سامنے کرتا ہوا بولا۔ ''براہ کرم آٹو گراف۔'' مطلق صاحب نے بھی نہایت پھرتی سے دوبارہ دستخط کر دیے کیونکہ اس نوجوان کے پیچھے وہ ایک دوسرے نوجوان کو لپکتے دیکھ رہے تھے۔ ان کی بیگم تو شاید نہ دیکھ سکیں لیکن مطلق صاحب نے بخوبی دیکھا تھا کہ نوجوان نے دوسری آٹو گراف بک بھی پیچھے آنے والے نوجوان کے حوالے کر دی تھی۔ مشاعرہ گاہ کے آخری دروازے سے نکلتے ہوئے اس نے تیسری بار بھی وہی حرکت دہرائی تھی۔

اور مطلق صاحب گھر پہنچنے کے بعد بھی اس کی اس حرکت پر غور کر رہے تھے۔ نہ جانے وہ کون تھا اور ان پر اس قدر مہربان کیوں تھا۔ بیگم صاحبہ چالیس سے نیچے ہوتیں تو شاید وہ نوجوان کی بدتمیزی کو برداشت نہ کر پاتے۔ لیکن ایسی کوئی بات بھی نہیں تھی۔ بہرحال' اس نے لاج رکھ لی تھی۔ بیگم صاحبہ نے مشاعرے پر کوئی خاص تبصرہ نہ کیا۔ وہ اس ذوق سے عاری تھیں اور انھیں اس بات کی چنداں فکر نہیں تھی کہ کسی نے شوہر کو داد دی یا نہیں۔ بہرحال ان کی یہ بے نیازی مطلق صاحب کو گراں نہیں گزری تھی۔ ہاں اگر مشاعرے میں بھرپور داد ملتی اور بیگم صاحبہ پھر بھی ٹس سے مس رہتیں تو شاید وہ برداشت نہ کر پاتے۔

مطلق صاحب سیدھے سادے شریف انسان تھے۔ ایک بینک میں اکاؤنٹنٹ تھے

اور پچھلے بیس سال اسی بنک میں گزار چکے تھے۔ اولاد نہ تھی اور شادی کے ابتدائی دنوں میں دونوں میاں بیوی حسب روایت اولاد کے منتظر رہے تھے۔ پھر یہ انتظار پریشانی بنا اور پھر یہ پریشانی حسرت بن گئی۔ آہستہ آہستہ یہ حسرت بھی فنا ہو گئی اور اب وہ قانع ہو گئے تھے مشیت پر' جو خدا کی مرضی' انسان بیچارہ کیا کر سکتا ہے۔ چنانچہ اب کوئی فکر نہیں تھی۔ خاصی عمر ہو چکی تھی۔ لیکن تندرست اور چاق وچوبند تھے۔ آمدنی معقول تھی اور دونوں میاں بیوی خوشی خوشی بسر کر رہے تھے۔ بینک کی طرف سے قرض ملا تو مکان بنوالیا جو ان کی ضرورت سے کہیں زیادہ تھا۔ صرف چند کمرے ان کے استعمال میں رہتے تھے۔ باقی خالی پڑے ہوئے تھے ان کا اور کوئی مصرف ہی نہیں تھا۔ مزید آمدنی کا کوئی شوق تھا نہ ضرورت' اس لیے یہ کمرے خالی پڑے رہے۔

ہاں ابھی چند روز قبل اچانک خیال آیا تھا کہ اگر بیرونی کمروں میں سے ایک کمرہ کسی کو کرائے پر دے دیا جائے تو تھوڑی سی رونق ہو جائے گی۔ باہر کا حصہ بھی محفوظ ہو جائے گا کیونکہ حالات ان دنوں بہت خراب تھے اور محلے میں کئی چوریاں ہو چکی تھیں جن کی وجہ سے بیگم صاحبہ خوفزدہ رہتی تھیں۔

خاصا بحث ومباحثہ ہو رہا تھا اور دونوں اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اگر کوئی شریف مل جائے تو کمرہ کرائے پر دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ پچھلے دن اخبار میں اشتہار دیا تھا۔ اور دفتر میں کئی فون موصول ہوئے تھے۔ ایک دو حضرات شام میں گھر پر ملنے بھی آئے تھے لیکن مشاعرہ سوار تھا اس لیے ان سے کوئی مفصل گفتگو نہ ہو سکی۔ مطلق صاحب نے انھیں دوسرے دن بلایا تھا۔

شعروشاعری کا شوق تو پرانا تھا لیکن بس مشاعرے سننے تک۔ خود بھی کہتے تھے لیکن چوری چھپے اور ایسے مرنجان مرنج لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے جو خاموشی سے ان کے اشعار برداشت کر لیں۔ بڑی ہمت کر کے انھوں نے اس مشاعرے تک رسائی حاصل کی تھی اور ایک شاعر کی حیثیت سے کوئی مقام حاصل کرنا چاہا تھا لیکن تقدیر نے یاوری نہ کی اور ناکامی ہوئی تھی۔

بہر حال رات کو بستر پر لیٹ کر انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ کسی مشاعرے میں شرکت نہیں کریں گے۔ دوسری صبح حسب معمول تھی۔ ناشتا کر کے دفتر جانے کے لیے تیار ہو گئے اور بیگم کی انگلیاں چوم کر چل پڑے۔

بس اسٹاپ کے ہنگامے جوں کے توں تھے۔ لیکن دفعتاً ان کی نگاہ تھوڑے فاصلے پر کھڑے اسی نوجوان پر پڑی جس نے رات کو ان کی بحالی عزت کے لیے نمایاں طور پر کام کیا تھا' تو وہ اچھل پڑے۔ دوسرے لمحے وہ اس کی طرف لپکے تھے۔ اور میں نے اس کے قریب پہنچ کر ایک بھاری بھرکم سلام داغ دیا۔

نوجوان نے چونک کر انھیں دیکھا اور دوسرے لمحے اس کی بغل سے فائل نکل گیا۔ اس کے چہرے پر عقیدت پھیل گئی اور اس نے فائل کی طرف توجہ دیے بغیر بڑے احترام سے مطلق صاحب سے مصافحہ کیا۔ "واہ حضرت مطلق! آپ یہاں؟" اس نے کہا۔

"جی میاں' میں اسی محلے میں رہتا ہوں۔" مطلق صاحب نے جواب دیا۔

"عجیب اتفاق ہے لیکن میں اسے اپنی خوش بختی ہی کہوں گا۔ بڑا خوشگوار دن ہے۔ صبح ہی صبح آپ کی زیارت ہوئی ہے۔ یقیناً آج میرے سارے کام بنیں گے۔" نوجوان مسرت سے بولا۔

مطلق صاحب نے خود جھک کر اس کا فائل اٹھایا تھا اور پھر وہ نیاز مندی سے بولے۔"

میاں کیوں کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہو' میں کیا اور میری بساط کیا۔"

"ایسا نہ فرمائیں مطلق صاحب۔ زبان پر یہ قدرت' میر ومومن کے دور کو تازہ کر گئی۔ دکھ اس بدذوق اور قدر ناشناس زمانے کا ہے جو بے بصیرت ہے اور شعر کی بینائی کھو بیٹھا ہے۔ آپ یقین فرمائیے رات بڑی کٹھن گزری مجھ پر۔"

"کیوں میاں کیوں؟" مطلق صاحب موم کی طرح بہہ رہے تھے۔

اور پچھلے بیس سال اسی بنک میں گزار چکے تھے۔ اولاد نہ تھی اور شادی کے ابتدائی دنوں میں دونوں میاں بیوی حسب روایت اولاد کے منتظر رہے تھے۔ پھر یہ انتظار پریشانی بنا اور پھر یہ پریشانی حسرت بن گئی۔ آہستہ آہستہ یہ حسرت بھی فنا ہو گئی اور اب وہ قانع ہو گئے تھے مشیت پر' جو خدا کی مرضی' انسان بیچارہ کیا کر سکتا ہے۔ چنانچہ اب کوئی فکر نہیں تھی۔ خاصی عمر ہو چکی تھی۔ لیکن تندرست اور چاق وچوبند تھے۔ آمدنی معقول تھی اور دونوں میاں بیوی خوشی خوشی بسر کر رہے تھے۔ بینک کی طرف سے قرض ملا تو مکان بنوالیا جو ان کی ضرورت سے کہیں زیادہ تھا۔ صرف چند کمرے ان کے استعمال میں رہتے تھے۔ باقی خالی پڑے ہوئے تھے ان کا اور کوئی مصرف ہی نہیں تھا۔ مزید آمدنی کا کوئی شوق تھا نہ ضرورت' اس لیے یہ کمرے خالی پڑے رہے۔

ہاں ابھی چند روز قبل اچانک خیال آیا تھا کہ اگر بیرونی کمروں میں سے ایک کمرہ کسی کو کرائے پر دے دیا جائے تو تھوڑی سی رونق ہو جائے گی۔ باہر کا حصہ بھی محفوظ ہو جائے گا کیونکہ حالات ان دنوں بہت خراب تھے اور محلے میں کئی چوریاں ہو چکی تھیں جن کی وجہ سے بیگم صاحبہ خوفزدہ رہتی تھیں۔

خاصا بحث ومباحثہ ہوا تھا اور دونوں اس بات پر متفق ہو گئے تھے کہ اگر کوئی شریف مل جائے تو کمرہ کرائے پر دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ پچھلے دن اخبار میں اشتہار دیا تھا۔ اور دفتر میں کئی فون موصول ہوئے تھے۔ ایک دو حضرات شام میں گھر پر ملنے بھی آئے تھے لیکن مشاعرہ سوار تھا اس لیے ان سے کوئی مفصل گفتگو نہ ہو سکی۔ مطلق صاحب نے انھیں دوسرے دن بلایا تھا۔

شعر وشاعری کا شوق تو پرانا تھا لیکن بس مشاعرے سننے تک۔ خود بھی کہتے تھے لیکن چوری چھپے اور ایسے مرنجان مرنج لوگوں کی تلاش میں رہتے تھے جو خاموشی سے ان کے اشعار برداشت کر لیں۔ بڑی ہمت کر کے انھوں نے اس مشاعرے تک رسائی حاصل کی تھی اور ایک شاعر کی حیثیت سے کوئی مقام حاصل کرنا چاہا تھا لیکن تقدیر نے یاوری نہ کی اور ناکامی ہوئی تھی۔

بہرحال رات کو بستر پر لیٹ کر انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ کسی مشاعرے میں شرکت نہیں کریں گے۔ دوسری صبح حسب معمول تھی۔ ناشتا کر کے دفتر جانے کے لیے تیار ہو گئے اور بیگم کی انگلیاں چوم کر چل پڑے۔

بس اسٹاپ کے ہنگامے جوں کے توں تھے۔ لیکن دفعتاً ان کی نگاہ تھوڑے فاصلے پر کھڑے اسی نوجوان پر پڑی جس نے رات کو ان کی بحالی عزت کے لیے نمایاں طور پر کام کیا تھا' تو وہ اچھل پڑے۔ دوسرے لمحے وہ اس کی طرف لپکے تھے۔ اور میں نے اس کے قریب پہنچ کر ایک بھاری بھرکم سلام داغ دیا۔

نوجوان نے چونک کر انھیں دیکھا اور دوسرے لمحے اس کی بغل سے فائل نکل گیا۔ اس کے چہرے پر عقیدت پھیل گئی اور اس نے فائل کی طرف توجہ دیے بغیر بڑے احترام سے مطلق صاحب سے مصافحہ کیا۔ "واہ حضرت مطلق! آپ یہاں؟" اس نے کہا۔

"جی میاں' میں اسی محلے میں رہتا ہوں۔" مطلق صاحب نے جواب دیا۔

"عجیب اتفاق ہے لیکن میں اسے اپنی خوش بختی ہی کہوں گا۔ بڑا خوشگوار دن ہے۔ صبح ہی صبح آپ کی زیارت ہوئی ہے۔ یقیناً آج میرے سارے کام بنیں گے۔" نوجوان مسرت سے بولا۔

مطلق صاحب نے خود جھک کر اس کا فائل اٹھایا تھا اور پھر وہ نیازمندی سے بولے۔"
میاں کیوں کانٹوں میں گھسیٹ رہے ہو۔ میں کیا اور میری بساط کیا۔"

"ایسا نہ فرمائیں مطلق صاحب۔ زبان پر یہ قدرت' میر ومومن کے دور کو تازہ کر گئی۔ دکھ اس بدذوق اور قدرناشناس زمانے کا ہے جو بے بصیرت ہے اور شعر کی بینائی کھو بیٹھا ہے۔ آپ یقین فرمائیے رات بڑی کٹھن گزری مجھ پر۔"

"کیوں میاں کیوں؟" مطلق صاحب موم کی طرح بہہ رہے تھے۔

"بس منہ سے کچھ نہ کہہ سکوں گا' کچھ بھی نہ کہوں گا۔" نوجوان افسردگی سے بولا۔

مطلق صاحب نے ادھر ادھر دیکھا اور ہوٹل مہرافروز پر نگاہ تھم گئی جو آدھے فرلانگ سے زیادہ دور نہ تھا۔ پھر وہ بولے۔ "جلدی میں ہو صاحبزادے!"

"قطعی نہیں۔ حکم فرمایئے۔"

"ایک پیالی چائے ہو جائے۔ وہ سامنے مہرافروز ہے۔"

"سرآنکھوں پر۔ بشرطیکہ آپ کے قیمتی وقت میں دخل اندازی نہ ہو۔" نوجوان نے کہا۔

"آؤ میاں۔ ساری زندگی نوکری کی ہے۔ ہمیشہ چھٹیاں بیکار گئی ہیں۔ ایک دن دیر سے گئے تو کون پوچھے گا۔ آؤ بھئی۔" مطلق صاحب نے بے تکلفی سے اس کے ہاتھ کی انگلیوں میں انگلیاں پھنسائیں اور ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ راستے میں تعارف مکمل ہو گیا۔ نوجوان کا نام سعید ظفری تھا۔ چائے کے ساتھ مطلق صاحب نے کچھ اور لوازمات بھی منگوائے تھے۔ سعید ظفری طالب علم تھا اور بقول اس کے معاشیات میں ایم۔ اے کر رہا تھا۔

"شعر و شاعری کا خاصا ذوق معلوم ہوتا ہے۔" مطلق صاحب نے کہا۔

"اچھا شعر روح کا سرور ہوتا ہے۔ لیکن مطلق صاحب یہ دور شعر کی رسوائی کا دور ہے۔ دوشیزۂ غزل کی پاکیزگی آلودہ ہو گئی ہے۔ مسند شاعری اب کسی طوائف کے کوٹھے کی چاندنی کی مانند ہے جس پر ہرا ایرا غیرا آ بیٹھتا ہے اور جیب میں موجود کرنسی کے بل پر میر مجلس بن جاتا ہے۔ شاعر اور میراثی میں کوئی فرق نہ رہا۔ بہتر تو یہ ہے کہ اپنے حسین خیالات حسین اشعار میں ڈھال کر ان پر ایک دبیز پردہ ڈال لیا جائے اور یہ پردہ ہرایرے غیرے کے سامنے نہ اٹھے۔ شعر کو رونما کرنے کے لیے محرم شعر کا ہونا ضروری ہے۔ اعضا کی شعلگی سے سلگتے ہوئے پیراہن کی نمائش صاحب ظرف کے لیے ہو۔ نہ کہ ان کے لیے جو اس شعلگی سے متاثر ہونے کے بجائے ان اعضاء کو ہی گھورنے لگیں۔

"سبحان اللہ' سبحان اللہ۔ کیا درجہ دیا ہے تم نے شعر کو۔ تم نے تو شعر کی عظمت کو دو چند کر دیا۔ اس چھوٹی سی عمر میں یہ ذوق۔ میاں مار دیا صاحبزادے تم نے تو۔ رہتے کہاں ہو؟ کیا تم سے روزانہ ملاقات ہو سکتی ہے؟" مطلق صاحب مسرت سے بولے۔ اور نوجوان کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"زمانے کا ساتھ نہ دینے والے فٹ پاتھ کے علاوہ اور کہاں رہ سکتے ہیں۔ جب ملنے کو جی چاہے مطلق صاحب تو کسی فٹ پاتھ پر تلاش کر لیں' نظر آ جاؤں گا۔"

"نہیں' اماں نہیں واللہ۔ مذاق نہ کرو۔"

"حقیقت واقعی ایک مذاق ہے مطلق صاحب۔ میں آپ سے جھوٹ بولنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔"

"یعنی کہ' یعنی کہ؟"

"جی ہاں میں بے گھر ہوں۔ زمانے کے عذاب کا شکار ہوں۔ خود کو آزما رہا ہوں۔ دیکھتا ہوں زمانہ مجھ پر حاوی ہوتا ہے یا میں زمانے پر۔"

"ناممکن۔ قادر مطلق ذات ایزدی ہے لیکن یہ خادم مطلق تمھیں زمانے کی ٹھوکروں میں نہ جانے دے گا۔ تم جیسے ہیرے بالآخر اپنی جگہ ضرور پا لیتے ہیں۔ چائے ختم کر لو میاں تمھاری رہائش کا بندوبست ہو گیا۔"

"یعنی؟" ظفری نے حیرت سے کہا۔

"بھئی اتنا احترام کرتے ہو تو بھروسہ بھی کرو۔ خادم کا گھر حاضر ہے۔ کوشش کروں گا کہ تمھیں تکلیف نہ ہو۔ اٹھو میرے ساتھ چلو۔ آؤ میں تمھیں تمھاری رہائش گاہ دکھا دوں۔ اے بھائی ویٹر صاحب بل لے لو۔"

بیرونی کمرے میں سارے انتظامات تھے۔ مسہری' اٹیچ باتھ' پنکھا' کوئی کمی نہیں تھی۔

لیکن ظفری کے ہونٹوں پر ایک حزینہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"مطلق صاحب! عجیب سا لگتا ہے' آپ کا یہ احسان قبول کرتے ہوئے۔ آپ بھی کیا سوچیں گے۔"

"ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ کچھ نہیں سوچوں گا' کبھی نہیں سوچوں گا وعدہ۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن سعدی کا کیا ہوگا۔"

"سعدی' سعدی کون؟" مطلق صاحب بولے۔

"میری طرح طالب علم ہے۔ میرا ہم خیال اور میرے شب و روز کا ساتھی۔ نہیں مطلق صاحب ہم زمانہ ساز نہیں بن سکتے۔ ہم ہمیشہ یکجا رہے ہیں۔ آپ کی یہ خوبصورت چھت ہم دونوں کے خلوص کے درمیان نہیں آسکتی۔"

"کمرہ کافی بڑا ہے صاحبزادے' اور کئی مسہریاں فالتو پڑی ہیں۔ ایک اور مسہری یہاں ڈلوادی جائے گی۔ اسے بھی یہاں بلالو۔" مطلق صاحب نے کہا' اور بہر حال انھوں نے ظفری کو تیار کرلیا کہ شام کو وہ اپنے دوست کے ساتھ سامان لے کر آجائے۔ انھوں نے اس سے قسم لے کر اسے چھوڑا تھا۔

دیارام سوجارام نے اس دور میں یہ بلڈنگ بنوائی ہوگی جب شاذ و نادر ہی بلڈنگیں بنتی ہوں گی۔ ورنہ کوئی ایسی بے تکی عمارت بنوا کر اتنی بلند جگہ اپنا نام لکھوانا پسند نہ کرتا کہ زمانے میں رسوائی ہو۔ بلاشبہ یہ بلڈنگ عجائبات میں شمار کی جاسکتی تھی۔ اس کی ہیئت چیستان تھی۔ مثلاً اگر کسی سے سوال کیا جاتا کہ اس عمارت کا اصل رنگ کیا ہے تو وہ بیس کے بجائے پچیس سوالات میں بھی جواب نہیں دے سکتا تھا۔ کسی آرکیٹیکٹ سے کہا جاتا کہ اس کا نقشہ دوبارہ بنادو تو اسے دو چار کورس اور کرنے ہوتے' لیکن یہ عمارت آباد تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ جنھیں اپنی اور اپنے بال بچوں کی زندگی عزیز تھی وہ انھیں لے کر یہاں سے نکل گئے تھے اور اب اس عمارت کے فلیٹوں میں صرف

دفاتر قائم تھے۔ لیکن عموماً ایسے لوگوں کے جن کا کوئی کاروبار نہ تھا لیکن وہ کاروبار کے متمنی تھے۔ کسی کاروبار کو شروع کرنے کے لیے جگہ ضروری ہوتی ہے اور جگہ کے حصول کے لیے پیسے بھی ضروری ہوتے ہیں اور بہت تھوڑے سے پیسوں میں صرف دیارام سوجارام بلڈنگ میں ہی دفتر مل سکتا تھا۔ جان بچا کر بھاگنے والوں کو جو کچھ مل جاتا غنیمت تھا۔

مکرم علی ایڈووکیٹ نے یہ دفتر اسی لیے چھوڑا تھا کہ یہاں ان کی وکالت بالکل ٹھپ ہوگئی تھی۔ مؤکل یہاں آتے ہوئے خوفزدہ ہوتے تھے۔ لکڑی کی نازک سیڑھیاں انسانی بوجھ سے ہلتی تھیں۔ درمیان کے کئی تختے غائب تھے اور انھیں پھلانگ کر جگہ جگہ دو سیڑھیاں طے کرنا ہوتی تھیں۔ پوری بلڈنگ کسی کمرے کا دروازہ زور سے بند ہوتا تو ہر کمرے میں بھونچال آجاتا تھا اور کہیں نہ کہیں سے قلعی کی پپڑیاں یا سیمنٹ کھسک جاتا تھا اس لیے ہر کمرے کے دروازے پر چٹ لگی ہوئی تھی۔ "براہ کرم دروازہ آہستہ بند کیجیے۔"

چنانچہ جونہی مکرم علی کے پاس کوئی دوسرا دفتر خریدنے کے لیے پیسے جمع ہوئے انھوں نے یہ دفتر چھوڑ دیا اور نئے دفتر میں چلے گئے۔ پھر جب اس نوجوان نے اس دفتر کے حصول کے لیے ان سے بات کی تو انھوں نے بڑے تعجب سے اسے دیکھا تھا۔ "زندگی سے بیزار ہو بھائی؟"

"جی ہاں۔" نوجوان نے سکون سے جواب دیا۔

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر' لیکن بلدیہ نے ابھی اس بلڈنگ کو قبرستان کیلیے حاصل نہیں کیا ہے۔ ویسے تم اس دفتر میں کیا کاروبار کرو گے؟"

"موت کا کاروبار۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"ماشااللہ' اس لحاظ سے بڑی مناسب جگہ تلاش کی ہے لیکن بدقسمتی سے یہ دفتر میرے نام ہے۔ اس کاروبار کی ساری ذمہ داری مجھ پر عائد ہوگی۔ ویسے اس کاروبار کی نوعیت کیا ہوگی۔"

"دفتر شادی۔" نوجوان بولا۔ اور مکرم علی ہنس پڑے۔

"بھئی واہ' دل خوش ہو گیا۔ گویا موت کا اصلی کاروبار۔ ویسے میاں جس کے دل میں شادی کا ارمان ہو گا وہ کم از کم اس بلڈنگ میں تو داخل نہ ہو گا۔ تمھارا کاروبار نہ چل سکے گا میاں۔ تاہم اگر شوق پورا کرنا ہی چاہتے ہو تو ٹھیک ہے۔ یہ چابی موجود ہے۔ ایگریمنٹ سائن کر دو۔ اپنے نقصانات کے ذمہ دار خود ہو گے کرائے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اگر سال چھ مہینے میں کوئی پھنس جائے تو پچاس ہمیں بھی دے دینا ورنہ اللہ مالک ہے۔ نام کیا ہے برخوردار؟"

"اصغر سعدی۔" نوجوان نے جواب دیا۔ اور ایگریمنٹ سائن ہو گیا نہ جانے کہاں کہاں سے پرانا فرنیچر جمع کیا گیا۔ اور دفتر قائم ہو گیا۔ بورڈ لگ گیا۔ کبھی کبھی اخبار میں اشتہار بھی لگ جاتا تھا اور سعدی کے ایک جرنلسٹ دوست کی عنایت ہوتی تھی جو بیچارہ اس سے زیادہ اس کے لیے کچھ نہ کر سکتا تھا۔

دفتر کی سہ ماہی تاریخ میں اب تک صرف چار افراد اس میں داخل ہوئے تھے۔ پہلا امیدوار کسی یوسف ملک صاحب کی تلاش میں اس بلڈنگ میں داخل ہوا تھا۔ اور ان کا دفتر نہ ملنے کی شکل میں اس دفتر شادی کا دروازہ کھٹکھٹا کر اندر گھس آیا تھا۔

سعدی نے ٹھنڈے پانی سے اس کی تواضع کی اور پھر اس کی صحت کے بارے میں فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔ "آپ کا چہرہ زرد ہے۔ آنکھوں میں حلقے پڑے ہوئے ہیں۔ کیا آپ بیمار ہیں؟"

"اونہیں پا۔ بس سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے حالت کھراب ہو گئی تھی۔" جواب ملا۔

"ناممکن۔ یوں لگتا ہے جیسے آپ ناقص غذائیں کھاتے ہوں۔ افوہ کہیں آپ ہوٹل کے کھانے تو نہیں کھاتے؟"

"ٹی کھانا تو ہوٹل ہی میں کھاتے ہیں۔ وہ اپنا محمد بھائی ہوٹل ہے نی۔"

"کیوں۔ گھر والی نہیں ہے آپ کی؟"

"تھی' بہت پہلے تھی یعنی اللہ کو پیاری ہو گئی کیا؟"

"آپ نے دوسری شادی نہیں کی؟"

"ٹی کوسس تو کی تھی۔ پر سودا نہیں بنا کیا؟"

"سودا بنے گا ضرور بنے گا۔ کیا نام ہے آپ کا؟"

"پھجل بھائی کیا؟"

"خوب' بہت خوب ستارے بھی ملتے ہیں۔ لیجیے دستخط کر دیں۔ آپ کا رجسٹریشن ہو گیا' دستخط کر دیں۔ لڑکی کا نام فضیلت بائی ہے۔ کم از کم پچاس ہزار کا جہیز لائے گی' اپنی رہائش گاہ ہے۔ عمر تینتیس سال ہے کوئی بچہ نہیں ہے پہلے شوہر سے۔ دس سال سے بیوہ بیٹھی ہے۔"

"ارے کدھر بیٹھی ہے جلدی بولو نی پیا اپن ادر چلا جائے۔" فضل بھائی خوش ہو گئے۔

"ہم کس لیے بیٹھے ہیں فضل بھائی۔ وہ یہاں آئے گی' ضرور آئے گی۔ آپ سے ملیں گے' معاملات طے ہوں گے۔ جہیز کم از کم پچاس ہزار روپے کا ہو گا اور۔۔۔۔"

'اے بھائی' اے بھائی سادی والا۔ کیا نام ہے تیرا بھائی۔ ٹی دس پانچ ہزار ہجار کا جہیج اور نہیں بڑھ سکتا کیا؟"

"کوشش کی جا سکتی ہے۔ اس کے لیے بھی کوشش کی جا سکتی ہے۔" سعدی نے پورے اعتماد سے کہا۔ "آپ دستخط کر دیں۔"

"ٹی انگوٹھا لگاؤں گا۔" فضل بھائی نے ہاتھ آگے کر دیا اور ایگریمنٹ پر انگوٹھا لگا دیا گیا۔

"بس یوں سمجھیں فضل بھائی کہ آپ کا گھر بس گیا۔"

"اے کدر' بس گیا بابا' اجی وہ پچاس ہجار کا جہیج کدر گیا نی؟" فضل بھائی کافی پر جوش ہو گئے تھے۔

"چھپن روپے بارہ آنے نکال دیں۔" سعدی نے کہا۔

”کیا بولا‘ کیا بولا؟“ فضل بھائی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”فارم فیس‘ چھپن روپے بارہ آنے؟“

”اے بہت جیادہ ہے بھائی۔ کچھ کم کرو دونی یار۔ اپن گریب آدمی ہے۔“

”پچاس ہزار روپے سے آپ ایک عمدہ کاروبار کر سکتے ہیں فضل بھائی۔ آپ کی تقدیر بن رہی ہے۔ لہٰذا آپ صرف چھپن روپے بارہ آنے کے لیے کنجوسی کر رہے ہیں۔“

”اے کون کنجوسی کر رہا ہے یار‘ لو یہ پچاس روپے۔ اور یہ چھ روپیہ بارہ آنہ چھٹا مجیس ہے اپن کے پاس کیا۔“

”ٹھیک ہے بعد میں آجائیں گے۔“ سعدی نے کہا۔ اور پھر دراز سے دوسرا فارم نکال کر اسے بھرنے لگا۔ ”اس پر بھی انگوٹھا لگا دیں۔“ اس نے کہا اور فضل بھائی نے اس پر بھی انگوٹھا لگا دیا پھر بولے۔

”یہ کیسا پھارم ہے سادی والا؟“

”پچاس ہزار روپے کا جہیز گورنمنٹ سے منظور کرایا جائے گا تاکہ جب آپ اپنا عظیم الشان کاروبار شروع کریں تو آپ کے اوپر شک نہ کیا جائے کہ یہ دولت کہاں سے آئی۔ اس فارم سے آپ کو بہت سی سہولتیں مل جائیں گی۔ اس کی فیس ایک سو چوبیس روپے بیس پیسے۔“ سعدی بولا۔

”ایں کیا بولانی‘ کیا بولا۔“ فضل بھائی بوکھلا گئے۔

”ایک سو چوبیس روپے بیس پیسے۔“

”اے کیا کرتا بھائی سادی والا۔ ابی تو تیرے کو چھ اوپر پچاس روپیہ دیانی۔ اے کائے کو لوٹ مار کرتا پڑا یار۔ تھوڑا مہربانی کرو۔“

”یہ تو قانونی بات ہے فضل بھائی۔ اگر آپ جہیز نہیں لینا چاہتے تو کوئی بات نہیں ہے۔“ ”میں یہ فارم پھاڑے دیتا ہوں۔“

”اے اے بھائی۔ اے رکو تو یار۔ کائے کو اپن کا گھاٹا کرتا ہے۔ اے لو نا یار‘ پھارم کائے کو پھاڑتا ہے جہیج نہیں ملیں گا تو اپنی سادی کر کے کیا کریں گا۔“ فضل بھائی نے ایک سو چوبیس روپے کا غم اور برداشت کر لیا۔ لیکن جب سعدی نے تیسرا فارم نکالا تو فضل بھائی کھڑے ہو گئے۔

”اے بھائی‘ اب تیسرے فارم پر انگوٹھا نہیں لگائیں گا۔ اب اپن کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔“

”آپ کی مرضی ہے فضل بھائی ویسے اس فارم کی کوئی فیس نہیں ہے۔ بس یہ تو لڑکی کی شرط ہے جس کے لیے آپ کو انگوٹھا لگانا ہے۔“

”اے تو ایسا بولو نا یار۔ تم نے میرے کو ڈرا ہی دیا۔“ فضل بھائی نے مسکراتے ہوئے تیسرا انگوٹھا بھی لگا دیا۔

سعدی نے فارم کی آدھی رسید پھاڑ کر انہیں دیتے ہوئے کہا۔

”اس رسید کو لے کر آپ کسی بھی بینک چلے جایئے اور تیس ہزار روپے کا ڈرافٹ لڑکی کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیں۔ فارم پر اس کا نام اور اکاؤنٹ نمبر لکھا ہوا ہے اور اب یہ بتایئے کہ کون سے دن لڑکی سے ملاقات کریں گے۔“

”کیا بولا‘ کیا بولا تم۔ تیس ہجار روپے کا ڈرافٹ۔“ فضل بھائی کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

”ہاں‘ لڑکی کی شرط ہے کہ پہلے تیس ہزار روپے اس کے اکاؤنٹ مین جمع کرا دیے جائیں۔ اس کے بعد وہ ملاقات کرے گی۔“

”اے دماگ کھراب ہوا ہے تمھارا سادی والا بھائی۔ اپن کے پاس تین ہجار روپیہ نہیں ہے تیس ہجار کدر سے لائیں گا۔ اے تم کیا بولتا بابا؟“

”تیس ہزار روپے نہیں ہیں آپ کے پاس؟“ سعدی نے حیرت کا اظہار کیا۔ ”تو پھر

آپ اتنی دولت مند لڑکی سے شادی کیسے کریں گے؟"

"ارے تو سادی کس لیے کرتا پڑا یار۔ کیا۔ اپن پیسے کے لیے تو سادی کرتا ہے یار۔"

فضل بھائی اور سعدی کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔

"بددیانتی' دھوکا دہی۔ آپ ایک نیک اور شریف لڑکی کو دھوکا دے رہے تھے۔ آپ صرف اس کی دولت ہتھیانا چاہتے تھے۔ خدا کا شکر ہے فضیلت بی بی بچ گئی۔ آپ جیسے دھوکا باز شخص کو پولیس کے حوالے ضرور کیا جائے گا فضل بھائی۔ میں ابھی پولیس کو فون کرتا ہے۔" سعدی نے میز پر رکھے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور فضل بھائی ہونق بن گئے۔

"اے سن تو بھائی۔ اے سادی والا بھائی۔ کائے کو لفڑا کرتا یار۔ اپن سریف آدمی ہے یار۔ تیرے کو گلت فہمی ہے۔ سنو تو سہی بھائی۔ اپن کے پاس اتنا پیسہ کدر ہے بابا۔ اجی چھوڑو' گولی مارو سادی وادی کو یار۔"

"گولی مارو۔ آپ فضیلت بی بی کو گولی مارنے کی دھمکی دے رہے ہیں۔" سعدی نے کہا۔ اور ریسیور میں پولیس پولیس چیخنے لگا۔ فضل بھائی گھبرا کر آفس سے نکل بھاگے تھے۔ اس کے بعد شاید انھوں نے یوسف ملک کو بھی نہیں تلاش کیا تھا۔ سعدی نے اطمینان سے ریسیور رکھ دیا۔ اس فون کا ٹیلیفون لائن سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ بس یہ بوسیدہ حالت میں کسی کباڑی کی دکان سے مل گیا تھا اور سعدی نے اسے آفس کی زینت بڑھانے کے لیے خرید لیا تھا۔ پہلی کمائی ایک سو اسی روپے ہوئی تھی اور سعدی کا کلیجہ گزوں بڑھ گیا تھا۔ اس شام اس نے ظفری کے ساتھ ایک عمدہ ہوٹل میں کھانا کھایا تھا۔ لیکن دوسرے دن سے کفایت شعاری اپنائی گئی اور نانبائی کو پچاس روپے ایڈوانس دے دیے گئے تاکہ کم از کم ایک وقت کے کھانے کی تکلیف نہ ہو۔

دفتر شادی کا منتظم اعلیٰ صرف سعدی تھا۔ ظفری اپنے لیے الگ کاروبار تلاش کر رہا تھا۔ ویسے سعدی کے پروگرام کے مطابق دفتر کے لیے اس کی خدمات بھی ضرورت پڑنے پر حاصل کی

جاسکتی تھیں۔ دوسرے امیدوار سے بھی تین سو بیس روپے حاصل ہوئے تھے۔ اور تیسرے اور چوتھے امیدوار صرف رجسٹریشن فیس ادا کر کے چلے گئے تھے۔ دفتر کو قائم رکھنے کے لیے سعدی نے دوسرے مہینے نہایت دیانتداری سے سو روپے مکرم علی ایڈووکیٹ کو ادا کر دیے تھے۔ اس طرح یہ کاروبار رینگ رہا تھا اور ابھی دونوں دوستوں کی گزر اسی پر تھی۔ سونے کے لیے فٹ پاتھ موجود تھے کیونکہ سرکاری نوٹس کے مطابق اس عمارت کو رہائش گاہ کے طور پر نہیں استعمال کیا جاسکتا تھا۔

اس وقت بھی سعدی دفتر میں بیٹھا مکھیاں تلاش کر رہا تھا لیکن مکھیاں دانشمند ہوتی ہیں اور ایسے علاقے کا رخ نہیں کرتیں جہاں ان سے زیادہ ناکارہ لوگوں کی بیٹھک ہو۔ اس لیے اس عمارت کے کاروباری اس شغل سے بھی محروم تھے۔

سعدی کو یقین تھا کہ دو ایک دن کے اندر اندر اس کی تقدیر پھر جانے والی ہے کیونکہ اس کے مہربان جرنلسٹ دوست نے تین دن قبل پھر اس پر چھتیس روپے خرچ کر دیے تھے اور عوامی اشتہار میں اس نادر روزگار دفتر کا ایک مؤثر اشتہار لگا دیا گیا تھا۔

سعدی کا یقین رائیگاں نہ گیا۔ دوپہر کے وقت دروازے پر دستک ہوئی اور سعدی اچھل پڑا۔ اس نے دستک دینے والے کو اندر آنے کی اجازت دے دی تھی لیکن ننھے گاہک کو دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ جدید تراش کے سوٹ میں ملبوس خوبصورت پرس جھلاتی ہوئی وہ اندر داخل ہو گئی۔ سعدی نے اپنی جگہ کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا تھا۔

"تشریف رکھیے خاتون پلیز۔"

"شکریہ۔" لڑکی بیٹھ گئی۔ اس نے پرس سے رومال نکال کر گردن اور پیشانی کا پسینہ خشک کیا اور چھت کی طرف دیکھ کر بولی۔ "آپ نے پنکھا تک نہیں لگایا۔"

"اوہ' جی ہاں۔ خراب ہو گیا تھا۔ مرمت کے لیے بھیجا ہے۔" سعدی نے جواب دیا۔

"سخت گرمی ہے۔" لڑکی گہری سانس لے کر بولی۔

"جی ہاں بے حد۔"

"پینے کے لیے کچھ مل سکے گا؟ دیکھیے کوک کے علاوہ کوئی بھی مشروب ہو۔ ایپل سوڈا یا فانٹا اورنج ہو۔" لڑکی بولی۔

"میں آپ کو مشروب قدرت پیش کرتا ہوں جس کے سامنے سارے مشروبات ہیچ ہیں۔" سعدی نے خلوص سے کہا اور دوسرے کمرے میں رکھے ہوئے مٹکے سے ایک گلاس پانی بھر لایا۔ لڑکی نے ناگواری سے پانی کے گلاس کو دیکھا اور برا سا منہ بنا کر گلاس سعدی کے ہاتھ سے لے لیا۔ دو تین گھونٹ لینے کے بعد اس نے گلاس رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو ٹھنڈا بھی نہیں ہے۔"

"طبی اصولوں کے مطابق ہے۔ آپ لوگ براہ کرم اپنی صحت کا بھی خیال رکھا کریں۔ آپ کو احساس نہیں کہ ٹھنڈا پانی اس وقت آپ کے لیے کس قدر مضر ثابت ہوتا۔ نزلہ' زکام' گلے کی خراش' ایک گلاس ٹھنڈا پانی یا کوئی گھٹیا مشروب آپ کو یہ تینوں بیماریاں مہیا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ کرتا' پیاس جوں کی توں رہتی جبکہ سادہ پانی اس نازک وقت کے لیے بے مثال ہے۔" سعدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لڑکی نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ پھر وہ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ "آپ اپنے پیشے کے لیے نہایت موزوں انسان ہیں۔"

"اوہ' عنایت ہے آپ کی۔" سعدی شرما کر بولا۔

"میں شادی کے سلسلے میں حاضر ہوئی ہوں۔"

"میں تیار ہوں۔" سعدی نے جواب دیا۔ اور لڑکی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا مطلب؟" اس نے کہا۔

"اوہ خاتون۔ مم معاف کیجیے۔ میرا مطلب ہے میں آپ کی مدد کے لے حاضر

ہوں۔ ظاہر ہے یہ میرا پیشہ ہے۔"

"ہوں' کوئی موزوں لڑکا ہے آپ کی نگاہ میں؟"

"بے شمار۔ ایک سے ایک عمدہ۔ لڑکی کی عمر کیا ہے۔ وہ آپ کی بہن یا کزن ہیں یا؟"

"کیوں۔ کیا آپ کے خیال میں' میں شادی کے قابل نہیں ہوں؟" لڑکی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اور سعدی ایک لمحے کے لیے سٹپٹا گیا۔ لڑکی اس کے خیال سے کہیں آگے کی چیز تھی۔ اب اسے سنبھلنا پڑا تھا۔ صرف چند لمحات میں اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"آپ۔ یقیناً خاتون۔ آپ تو شادی کے بہت زیادہ قابل ہیں۔ تو آپ اپنی شادی کے لیے تشریف لائی ہیں؟"

"جی ہاں۔" وہ ایک جھٹکے سے نیچا اپنے بال پیچھے کرتی ہوئی بولی۔

"پیشگی مبارکباد قبول فرمایئے۔ میری دعا ہے کہ آپ کی ازدواجی زندگی کامیاب گزرے۔" سعدی نے خلوص سے کہا۔

"مسٹر مسٹر۔ بہت زیادہ مخلص نہ ہوں' بعض دعائیں بددعاؤں کے مترادف ہوتی ہیں۔ یوں بھی آپ کی عمر دعائیں دینے کی نہیں ہے' ابھی تو آپ کے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔" لڑکی نے کہا۔

"پانی کی آتی ہوگی۔ بخدا میں نے پچھلے بیس پچیس سال سے دودھ کا ایک قطرہ نہیں پیا۔ اور پچیس سال پرانا دودھ توبہ توبہ۔" سعدی نے برا سا منہ بنایا۔

"چائے میں تو دودھ پیتے ہوں گے۔ ویسے چائے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" وہ مسکرا کر بولی۔

"آہ' چائے بھی پیتے تھے۔ لیکن تقدیر نے یہ بھی برداشت نہ کیا۔ گرم چائے پینے کا عادی تھا آنتیں جل گئیں' السر ہو گیا اور اب صورتحال یہ ہے کہ چائے کی مہک بھی پھیپھڑوں تک

”جی ہاں بے حد۔“

”پینے کے لیے کچھ مل سکے گا؟ دیکھیے کوک کے علاوہ کوئی بھی مشروب ہو۔ ایپل سوڈا یا فانٹا اورنج ہو۔“ لڑکی بولی۔

”میں آپ کو مشروب قدرت پیش کرتا ہوں جس کے سامنے سارے مشروبات ہیچ ہیں۔“ سعدی نے خلوص سے کہا اور دوسرے کمرے میں رکھے ہوئے مٹکے سے ایک گلاس پانی بھر لایا۔ لڑکی نے ناگواری سے پانی کے گلاس کو دیکھا اور برا سا منہ بنا کر گلاس سعدی کے ہاتھ سے لے لیا۔ دو تین گھونٹ لینے کے بعد اس نے گلاس رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ تو ٹھنڈا بھی نہیں ہے۔“

”طبی اصولوں کے مطابق ہے۔ آپ لوگ براہ کرم اپنی صحت کا بھی خیال رکھا کریں۔ آپ کو احساس نہیں کہ ٹھنڈا پانی اس وقت آپ کے لیے کس قدر مضر ثابت ہوتا۔ نزلہ، زکام، گلے کی خراش، ایک گلاس ٹھنڈا پانی یا کوئی گھٹیا مشروب آپ کو یہ تینوں بیماریاں مہیا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ کرتا، پیاس جوں کی توں رہتی جبکہ سادہ پانی اس نازک وقت کے لیے بے مثال ہے۔“ سعدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لڑکی نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا تھا۔ پھر وہ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔ ”آپ اپنے پیشے کے لیے نہایت موزوں انسان ہیں۔“

”اوہ، عنایت ہے آپ کی۔“ سعدی شرما کر بولا۔

”میں شادی کے سلسلے میں حاضر ہوئی ہوں۔“

”میں تیار ہوں۔“ سعدی نے جواب دیا۔ اور لڑکی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”کیا مطلب؟“ اس نے کہا۔

”اوہ خاتون۔ مم معاف کیجیے۔ میرا مطلب ہے میں آپ کی مدد کے لے حاضر

ہوں۔ ظاہر ہے یہ میرا پیشہ ہے۔“

”ہوں، کوئی موزوں لڑکا ہے آپ کی نگاہ میں؟“

”بے شمار۔ ایک سے ایک عمدہ۔ لڑکی کی عمر کیا ہے۔ وہ آپ کی بہن یا کزن ہیں یا؟“

”کیوں۔ کیا آپ کے خیال میں، میں شادی کے قابل نہیں ہوں؟“ لڑکی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اور سعدی ایک لمحے کے لیے سٹپٹا گیا۔ لڑکی اس کے خیال سے کہیں آگے کی چیز تھی۔ اب اسے سنبھلنا پڑا تھا۔ صرف چند لمحات میں اس نے خود کو سنبھال لیا۔

”آپ۔ یقیناً خاتون۔ آپ تو شادی کے بہت زیادہ قابل ہیں۔ تو آپ اپنی شادی کے لیے تشریف لائی ہیں؟“

”جی ہاں۔“ وہ ایک جھٹکے سے نیچا اپنے بال پیچھے کرتی ہوئی بولی۔

”پیشگی مبارکباد قبول فرمایئے۔ میری دعا ہے کہ آپ کی ازدواجی زندگی کامیاب گزرے۔“ سعدی نے خلوص سے کہا۔

”مسٹر مسٹر۔ بہت زیادہ مخلص نہ ہوں، بعض دعائیں بد دعاؤں کے مترادف ہوتی ہیں۔ یوں بھی آپ کی عمر دعائیں دینے کی نہیں ہے، ابھی تو آپ کے منہ سے دودھ کی بو آتی ہے۔“ لڑکی نے کہا۔

”پانی کی آتی ہوگی۔ بخدا میں نے پچھلے بیس پچیس سال سے دودھ کا ایک قطرہ نہیں پیا۔ اور پچیس سال پرانا دودھ توبہ توبہ۔“ سعدی نے برا سا منہ بنایا۔

”چائے میں تو دودھ پیتے ہوں گے۔ ویسے چائے کے بارے میں کیا خیال ہے؟“ وہ مسکرا کر بولی۔

”آہ، چائے کبھی پیتے تھے۔ لیکن تقدیر نے یہ بھی برداشت نہ کیا۔ گرم چائے پینے کا عادی تھا آنتیں جل گئیں، السر ہو گیا اور اب صورتحال یہ ہے کہ چائے کی مہک بھی پھیپھڑوں تک

پہنچ جائے تو بیمار ہو جاتا ہوں۔"

"ہوں۔ تو گویا چائے بھی نہیں ملے گی۔" لڑکی غصیلے لہجے میں بولی۔

"کمال ہے میں سمجھی تھی کہ صرف یہ عمارت بوسیدہ ہے لیکن اب اندازہ ہوا کہ اس کے مکیں بھی۔۔۔۔"

"نہایت درست اندازہ ہے آپ کا۔ یوں لگتا ہے خاتون کہ زندگی اور انسانوں کے بارے میں آپ کا تجربہ بے حد وسیع ہے۔ ویسے یہ نہایت عمدہ بات ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اپنے جیون ساتھی کا انتخاب نہایت سلیقے سے کریں گی۔ میرے پاس کئی نوجوانوں کے رشتے ہیں۔ کیا میں ان کی تفصیلات پیش کروں؟" سعدی نے کہا۔

"آپ کا نام کیا ہے مسٹر؟" لڑکی نے پوچھا۔

"فدوی کو اصغر سعدی کہتے ہیں۔"

"خوب کہتے ہیں' ٹھیک ہے ذرا دیکھیں تو آپ نے کیا کیا جمع کر رکھا ہے۔" لڑکی بولی۔ اور سعدی نے خوش ہو کر رجسٹر نکال لیا۔ پھر اس نے ایک صفحہ لڑکی کے سامنے کر دیا جس پر چند نام اور ان کی تفصیلات لکھی ہوئی تھیں۔ لڑکی انھیں پڑھتی رہی اور پھر اس نے دوسرا صفحہ الٹ دیا۔ یہاں بھی چند نام اور ان کی تفصیلات لکھی ہوئی تھیں۔

یہ تمام نوجوان صرف سعدی کے ذہن میں تھے۔ یعنی ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔ بس رجسٹر کسی کے سامنے رکھنے کے لیے یہ تفصیل ضروری تھی اور اس تفصیل کے مطابق لڑکے مہیا کرنے کا معقول انتظام تھا۔ یعنی ظفری۔ فرض کریں لڑکی کو وہ بینک افسر پسند آ جاتا ہے جس کی تنخواہ دو ہزار ہے۔ دنیا میں تنہا ہے اور اپنے ذاتی فلیٹ میں رہتا ہے۔ تو ظفری کو پیش کیا جا سکتا تھا۔۔۔ اور اگر اسے وہ کاروباری پسند آ جاتا ہے جس کی ایک چھوٹی سی فرم ہے۔۔۔ دو چھوٹی بہنوں کے علاوہ دنیا میں کوئی نہیں ہے' ذاتی رہائش ہے اور ماہانہ آمدنی دس سے پندرہ ہزار روپے ماہوار ہے تو بھی ظفری

اس کو دور کے لیے موزوں ترین تھا۔ یہ سارے رشتے ظفری کو ذہن میں رکھ کر رجسٹر میں درج ہوئے تھے۔

لڑکی رجسٹر کے صفحات الٹتی پلٹتی رہی اور پھر اس نے ایک جگہ انگلی رکھ دی۔ "ان صاحب کی کوئی تصویر موجود ہے آپ کے پاس؟"

"اوہ' براہ کرم رجسٹر عنایت فرمائیں۔ آہ' مسٹر نوید فاروقی میں نے کہا تھا کہ آپ کو زندگی کے ساتھی کے انتخاب کا سلیقہ ہوگا۔ فاروقی صاحب نہایت خوش گو اور بذلہ سنج قسم کے نوجوان ہیں۔ نہایت خوش مزاج' اور ظریف الطبع۔ سعودی عرب کی ایک فرم میں ملازمت کرتے ہیں۔ نہایت معقول آمدنی ہے اور پھر خاتون' اگر انسان مالی طور پر مطمئن ہو تو خوش مزاج کیوں نہ ہو۔ دولت کی ریل پیل ہے۔ خرچ کرنے کے مواقع بہت کم۔ کہاں خرچ کریں۔ میرے خیال میں نہایت موزوں انتخاب ہے آپ کا۔"

"تصویر موجود ہے ان حضرت کی؟"

"جی ہاں' ابھی پیش کرتا ہوں۔" سعدی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ دوسرے کمرے میں جا کر وہ ظفری کی تصویر اٹھا لایا۔ جو اسی مقصد کے لیے رکھی گئی تھی۔ اس نے تصویر صاف کر کے لڑکی کے سامنے پیش کر دی۔

لڑکی چند ساعت تصویر دیکھتی رہی اور پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "اور ان کاروباری صاحب کی تصویر بھی دکھا دوں۔"

"کک کون؟" سعدی بوکھلا گیا کیونکہ تصویر ایک ہی تھی۔ دوسری کوئی تصویر مہیا کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ تاہم اس نے خود کو سنبھال کر نہایت صبر و سکون سے رجسٹر کی وہ تفصیل دیکھی اور پھر کسی قدر سرد لہجے میں بولا۔ "میں آپ جیسی خاتون سے کسی بدذوقی کی توقع نہیں رکھتا۔ ان حضرت کی تصویر نہیں ہے میرے پاس' لیکن اگر ہوتی بھی تو میں پیش نہ کرتا۔ بات دراصل یہ

ہے خاتون کہ زندگی صرف شوہر اور دولت کے سہارے نہیں گزر سکتی۔ شوہر کے اندر کچھ دوسری خوبیاں بھی ہونی چاہئیں۔ خلوص' ہمدردی' خوش طبعی' میں امجد صاحب کی برائی نہیں کر رہا۔ لیکن تین چار ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ کوئی سلیقے کی بات سننے کو نہیں ملی' اب تک ان کے منہ سے کبھی مسکراتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ اگر گفتگو کرتے ہیں تو صرف یہ کہ فلاں کاروبار آج کل تیز جا رہا ہے۔ اور فلاں منڈا بیوی کاروباری ذہن کی مالک ہو تو بہتر ہے وغیرہ وغیرہ۔''

''تصویر نہیں ہے ان کی؟''

''جی نہیں۔ میں نے مانگی تھی۔ کہنے لگے تصویریں کھنچانے کا شوق ہے نہ فرصت۔ صرف ایک بار تصویر کھنچوائی تھی جب پاسپورٹ بنا تھا۔ کہہ گئے ہیں کہ اگر وہ مل گئی تو پہنچا دیں گے۔''

''چلیں چھوڑیں پھر ان صاحب سے ملاقات کرا دیں۔''

''ضرور' ضرور' آپ کے کوائف؟'' سعدی نے فارم نکال لیا۔

''پوچھیں۔'' لڑکی بولی۔

''نام؟''

''زہرہ خیر۔''

''وہ نہیں بتایا جا سکتا۔''

''جی؟ کیوں؟''

''اس لیے کہ یہ شادی والدین کی مرضی سے نہیں ہو گی۔''

''اوہ۔ اوہ۔ مگر قانونی الجھنیں؟''

''میری عمر بیس سال ہے' بالغ ہوں۔ اور پھر میری ساری جائیداد مجھے والدہ کی طرف سے ملی ہے' والد صاحب کی طرف سے نہیں۔''

''جائیداد۔ اوہ' اور والدہ صاحبہ۔''

''فوت ہو چکی ہیں۔''

''والد صاحب نے دوسری شادی تو نہیں کی؟''

''کر لی ہے۔''

''۔۔۔ خیر تعلیم؟''

''بی۔ اے۔''

''پتہ؟''

''ابھی نہیں بتا سکتی۔ اگر معاملات طے ہو گئے تو بتا دوں گی۔'' لڑکی سکون سے بولی۔

''بہتر ہے' بہتر ہے لیکن فارم نامکمل رہ جائے گا۔''

''میں نے کہا نا بعد میں مکمل کر لیں گے ایسی کیا جلدی ہے سعدی صاحب لڑکی نے کہا؟''

''ٹھیک ہے آپ کی مرضی، رجسٹریشن ہو گیا آپ کا، ملاقات کب کریں گی؟''

''کل۔''

''بہت مناسب' انھیں اطلاع دے دی جائے گی' کل کس وقت۔''

''گیارہ بجے کے قریب مناسب ہو گا۔'' سعدی نے وقت بھی نوٹ کر لیا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔ ''اڑسٹھ روپے بارہ آنے عنایت فرما دیں۔''

''جی؟'' وہ تعجب سے بولی۔

''رجسٹریشن فیس کی بات کر رہا ہوں۔ اڑسٹھ روپے پچھتر پیسے۔''

''خدا کے لیے۔ خدا کے لیے سعدی اپنا امیج نہ خراب کریں۔ کیسی چھوٹی چھوٹی باتیں کرنے لگے آپ۔ دس بیس ہزار روپے کی ضرورت ہو تو بتائیں۔ آپ کے منہ سے اڑسٹھ روپے پچھتر پیسے اچھے نہیں لگتے۔''

''اوہ' نہایت شکریہ۔ بس وہ رجسٹریشن فیس' ایک اصول ہے۔''

''نفرت ہے مجھے ان اصولوں سے۔ انسان کے ہلکے پن کا احساس ہونے لگتا ہے۔ مکان کی ضرورت ہے لو نہ لو۔ بیس روپے مکان دکھانے کی فیس ادا کرو۔ مانتی ہوں کہ یہ کاروبار ہے لیکن کاروبار میں کوئی سلیقہ تو ہو۔ کوئی بڑائی تو ہو۔ ارے صاحب اسے رہنے کے لیے ایک مکان دے رہے ہیں۔ بیس روپے کیا اہمیت رکھتے ہیں۔ مانگیں تو اتنی رقم مانگیں کہ آپ کی شان کے مطابق ہو۔ یہی کیفیت آپ کی ہے' اگر میری شادی ہو جاتی ہے تو کیا میں اور فاروقی آپ کو فراموش کر دیں گے۔ بتائیے ہم یہ بات بھول جائیں گے کہ ہماری ساری زندگی آپ کے توسط سے ترتیب پائی ہے۔ اس وقت ہم آپ کو یہاں نہیں رہنے دیں گے۔ براہ کرم اتنی چھوٹی بات نہ کریں کہ جب میں اپنی شادی کے بارے میں سوچوں تو مجھے اڑسٹھ روپے پچھتر پیسے یاد آ جائیں۔ توبہ توبہ کیسا اڑیل جملہ ہے۔ اڑ۔ سٹھ۔ لاحول ولاقوۃ۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''تو کل گیارہ بجے آ رہی ہوں۔ خدا حافظ۔''

وہ کرسی سے اٹھ گئی اور پھر مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ دروازہ زور سے بند ہوا اور سعدی نے اتنے ہی زور سے آنکھیں بھینچ لیں۔ برابر والے کمرے سے ایک آواز ابھری تھی۔

''دروازہ آہستہ بند کریں صاحب' کیا بلڈنگ گرانے کا ارادہ ہے۔'' سعدی خاموش بیٹھا سامنے پڑے نامکمل فارم کو گھور رہا تھا۔

طویل عرصہ کے بعد ظفری کے ہونٹوں پر ایسی آسودہ مسکراہٹ نظر آئی تھی۔ سعدی تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔ ''کیا بات ہے' مسکرا رہے ہو؟''

''تمھاری اداسی پر۔ کوئی خاص بات ہے کیا؟''

''ہاں۔ سعدی بجھے بجھے لہجے میں بولا۔

''خیریت کیا ہوا؟''

''ایک بھی پیسہ نہیں ہے جیب میں۔'' سعدی بولا۔

''یہ خاص بات ہے؟'' ظفری اسے گھورنے لگا۔

''ہاں' پچھلے کئی ہفتوں سے یہی خاص بات ہے۔ ہماری زندگی میں اس کے علاوہ اور کون سی بات ہوگی۔''

''میری زندگی میں ایک تبدیلی آئی ہے۔ چلو پہلے حلوائی کی دکان سے بستر اٹھا لیں۔ خاصی محنت کرنی ہوگی' یا پھر رات کے کھانے کے پیسے رکشہ کے کرائے میں خرچ کرنا پڑیں گے۔ دونوں میں سے کون سا کام پسند کریں گے؟''

''کیا مطلب؟''

''رہائش کا بندوبست ہو گیا ہے۔''

''اوہ کہاں؟''

''نہایت عمدہ جگہ ہے۔ بس دیکھو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔''

''کک کرایہ؟'' سعدی نے پوچھا۔

''نہایت معقول۔ بس دو چار غزلیں سن کر داد دینا ہوگی۔ سر دھننا ہوگا' ان لوگوں کو گالیاں دینا ہوں گی جو شعر و شاعری کے ٹھیکیدار بن گئے ہیں اور نئے شاعروں کو ابھرنے کا موقع نہیں دیتے۔ ایسے ہی چھوٹے چھوٹے کام۔ ممکن ہے بات کچھ اور آگے بڑھ جائے۔''

''اوہ' اوہ' تو تم نے میدان مار لیا ہے؟'' سعدی خوش ہو گیا۔ ''یعنی یعنی وہ اشتہار جو میرا مطلب ہے جو کرائے کے مکان کے سلسلہ میں تھا؟''

''ہاں وہ مکان' ہمیں مل گیا ہے۔ پچھلی رات مشاعرے میں گیا تھا نا؟''

''تمھیں داخلے کی اجازت کیسے مل گئی تھی مشاعرہ گاہ میں؟''

''ایک نامی گرامی شاعر کے حواریوں کی صف میں داخل ہو گیا تھا۔ کسی کو پوچھنے کی

جرأت ہی نہیں ہوئی۔ وہ شاعریوں بھی ایک سرکاری افسر ہے۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''پھر کیا ہوا' پھر کیا ہوا' جلدی بولو یار۔'' سعدی بے چینی سے بولا۔ فٹ پاتھ کی زندگی سے تنگ آ گیا تھا۔ اوّل تو مچھر بے پناہ تھے دوسرے پولیس والے بھی انھی کی تعداد میں آتے تھے۔ بڑے اطمینان سے ٹارچ کی روشنی منہ پر ڈالتے' جگاتے اور شجرۂ نسب معلوم کرنے کے بعد ہی جاتے تھے۔ ایک بار جھنجھلاہٹ سوار ہوئی تو رات تھانے کے احاطے میں گزارنی پڑی تھی اور اس کے بعد ترانہ ازبر ہو گیا تھا کہ ''پولیس کا فرض ہے مدد آپ کی۔ کریں دل سے ان کی مدد آپ بھی۔ اس کے بعد ایک آواز پر دونوں پولیس کی مدد کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ چنانچہ یہ خوشخبری بڑی مسرت افزا تھی۔

ظفری نے پوری کہانی سناتے ہوئے کہا۔ ''بے چارے مطلق صاحب پوری غزل کے دوران بیداد کا شکار رہے۔ یہ خادم شور مچانے میں تنہا تھا اور دوسرے شعراء کے منہ بگڑے ہوئے تھے۔ تاہم میں تو کاروبار کر رہا تھا۔ قسم لے لو جو ایک بھی شعر ڈھنگ سے سنا ہو۔ بس یہ داد تو مکان کے ایڈوانس کے طور پر تھی پر کرائے کی مد میں بھی کچھ کرنا پڑا یعنی لوگوں سے ان کی آٹو گراف بکیں اچک اچک کر مطلق صاحب کے آٹو گراف دلوائے اور پھر صبح ہی صبح اس بس اسٹاپ پر پہنچ گیا جہاں سے مطلق صاحب بس میں سوار ہوتے ہیں۔ تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ حضرت مطلق نے دفتر سے چھٹی کر لی اور ہماری رہائش کا بندوبست ہو گیا۔''

''خدا کا شکر ہے ظفری۔ تم نے واقعی بڑا کام کیا ہے۔ یوں سمجھو جب تک مطلق صاحب کو عقل نہیں آ جاتی ہماری راتیں پرسکون گزریں گی۔ لیکن اگر رکشہ کا کرایہ ادا کر لیا تو آج کے کھانے کا کیا ہوگا؟''

''کل کے حساب میں کھا لیں گے۔''

''اور کل کیا ہوگا؟''

''بس یہی اختلاف ہے مجھے تم سے۔ کل کی فکر ضروری ہے کیا؟''

''خیر چلو۔ ویسے تمھارے لیے بھی ایک مصروفیت ہے کل۔ کام بن گیا تو تمھارے کارنامے کا ہم پلہ ہوگا۔ آؤ تفصیل بعد میں بتائیں گے۔ پہلے ایک کام مکمل کر لیں۔''

حلوائی کی دکان تک چلتے ہوئے ظفری نے سعدی کو مطلق صاحب کے گھرانے کے بارے میں پوری تفصیل بتا دی تھی اور سعدی کے ذہن میں کچھ نئے منصوبے بن رہے تھے۔ رمضان علی حلوائی نے نیک دعاؤں کے ساتھ انھیں رخصت کیا تھا۔ بڑا نیک انسان تھا۔ دکان کے ایک کونے میں ان کا بستر محفوظ رہتا تھا۔ اور رات کو وہ اسے یہاں سے اٹھا لیا کرتے تھے۔ اس نے انھیں دکان کے سامنے کے فٹ پاتھ پر سونے کا مستقل این او سی دے رکھا تھا اور کبھی کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔

رکشہ مطلق صاحب کے مکان کے سامنے رک گیا اور دو روپے بارہ آنے رکشہ والے کو ادا کر دیے گئے۔ مطلق صاحب گھر میں تشریف نہیں رکھتے تھے۔ بیگم صاحبہ نے دروازہ کھولا اور پھر پیچھے ہٹ گئیں۔ ان کے چہرے پر ناگواری نہ تھی۔ گویا وہ بھی ان بچوں کے آنے جانے سے خوش تھیں۔

''آجاؤ میاں۔ مطلق صاحب پریشان تھے کہہ رہے تھے کہ ظفری میاں ابھی تک نہیں پہنچے۔ یہ سعدی ہیں؟'' انھوں نے کہا۔ لیکن سعدی دروازے میں قدم رکھتے ہی ٹھٹھک گیا تھا۔ اس کی نگاہیں بیگم صاحبہ پر جم گئی تھیں اور نتھنے پھول پچک رہے تھے۔ ظفری نے سعدی کی یہ کیفیت نہیں دیکھی تھی۔ وہ اندر داخل ہو گیا۔

''تم بھی آجاؤ بیٹے' ظفری تمھارا تعارف کرا چکے ہیں۔''

''بیٹے۔۔۔۔'' سعدی گلوگیر آواز میں بولا۔ اور پھر اس نے آنکھوں پر کلائی رکھ لی۔

''ارے ارے سعدی کیا ہو گیا؟'' ظفری نے چونک کر کہا اور دوسرے لمحے سعدی کے منہ سے عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ بیگم صاحبہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ارے کیا ہوگیا انھیں۔ ظفری کیا ہوگیا سعدی کو؟" انھوں نے پریشان لہجے میں کہا اور ظفری نے جلدی سے سعدی کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ دروازے پر کھڑے ہو کر رونے کے بہت سے نقصانات تھے۔

"کیا ہوگیا سعدی بیٹے۔ خدا کے لیے خود کو سنبھالو۔ میرا دل بہت کمزور ہے۔ کیا ہوگیا انھیں ظفری میاں۔"

"بیٹے۔ ہائے پھر بیٹے۔ خالہ جان۔ میری امی' میری امی۔" سعدی کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔

"یا اللہ' کیا ہوگیا بچے کو' میرا دل گھبرا رہا ہے۔ سعدی بیٹے خدا کے لیے بتا دو کیا بات ہوگئی۔"

"خالہ جان! آپ میری امی کی ہمشکل ہیں۔ ہو بہو ان کی تصویر۔ ذرا بھی فرق نہیں ہے۔ میں نے' میں نے دس سال کے بعد امی کو دیکھا ہے پورے دس سال کے بعد۔ اس وقت میری عمر صرف بارہ سال تھی جب امی کا انتقال ہوا۔ آہ میرے پاس ایک تصویر ہے ان کی' آپ سے کتنی ملتی جلتی ہیں' آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔"

سعدی کسی بچے کی طرح بسور بسور کر رو رہا تھا اور ظفری ہونٹ بھینچ کر گردن ہلا رہا تھا لیکن اسے سعدی کے آنسوؤں پر حیرت تھی۔ کمبخت کا یہ آرٹ آج ہی دیکھا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ سعدی نے ماں کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ اس کی پیدائش پر ہی اس کی ماں کا انتقال ہوگیا تھا۔ لیکن وہ سعدی کی فنکاری سے بھی واقف تھا۔

بیگم صاحبہ موم کی طرح پگھل گئیں۔ ان کی آواز بھی سعدی کی آواز میں ہی شامل ہوگئی تھی۔ اور وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ "میں بھی تو تمھاری امی ہی ہوں میرے بچے مجھے اپنی امی ہی سمجھ لو۔ میں۔ میرے بچے میں تمھیں ماں کی کمی نہ محسوس ہونے دوں گی۔" انھوں نے سعدی کو کلیجے سے لگا لیا تھا۔

مار گیا یہاں بھی پالا' ظفری نے سوچا۔ یہ ترکیب اس کے ذہن میں نہیں آئی تھی' لیکن کوئی ہرج بھی نہیں تھا۔ ایک ہی بات تھی۔ سعدی اس نئے ڈرامے سے جو بھی مراعات حاصل کرتا اس میں ظفری کا برابر کا حصہ ہوتا۔

بیگم صاحبہ سعدی کو سینے سے لگائے اندر لے گئی تھیں۔ انھوں نے بار بار اپنے دوپٹے سے سعدی کے رخسار خشک کیے۔ بے اختیار ہو کر پیار کیا' بڑی تسلیاں دیں انھیں۔ اس دوران ظفری بھی غمزدہ شکل بنائے بیٹھا رہا تھا۔

"مجھے بے حد خوشی ہے کہ تم یہاں آگئے۔ ہم تمھیں ماں باپ کا پیار دیں گے۔ تم بھی ہمیں مت چھوڑنا بیٹے۔"

"میں کہاں جاؤں گا امی۔ میری کھوئی ہوئی ماں مجھے دوبارہ مل گئی ہے۔ میں اب کہاں جاؤں گا۔" سعدی نے پھر رونے کے لیے اسٹارٹ لیا تھا کہ مطلق صاحب آگئے۔ اندر داخل ہو کر انھوں نے ایک زوردار نعرہ لگایا۔

"ارے بھئی اتنی دیر۔ میں تو پریشان ہی۔۔۔۔" اور ماحول دیکھ کر ان کی آواز بند ہوگئی۔ "خیریت' موسم کچھ ناخوشگوار سا لگ رہا ہے۔"

"اوہ۔ وہ مطلق صاحب موسم کچھ عجیب ہوگیا ہے۔ ایک انوکھا اتفاق ہوگیا۔۔۔۔"

"کیا ہوا بھئی کچھ ہمیں بھی معلوم ہو۔ یہ غالباً سعدی ہیں؟"

"ہمارا سعدی ہے۔ میرا بیٹا ہے یہ۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"مبارک ہو بھئی۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن صاحبزادے کب اور کہاں تولد ہوئے اور ہم اب تک کیوں لاعلم رہے یہ نہ معلوم ہو سکا۔" مطلق صاحب بولے۔

"بس اب معلوم ہوگیا آپ کو' یہی کافی ہے۔"

"جی ہاں' جی ہاں' کافی ہے۔ لیکن' خیر ہم تو آپ کے معاملات میں ہمیشہ بزدل رہے

ہیں۔ تم سناؤ ظفری میاں اتنی دیر کیسے لگ گئی۔ ہم سوچ رہے تھے کہ کہیں تم نے فیصلہ نہ بدل دیا ہو۔"

"حاضر ہو گئے مطلق صاحب۔ آپ کہاں تشریف لے گئے تھے؟"

"کلیجی لینے گئے تھے بھئی۔ دراصل بیگم صاحبہ ماہر کلیجیات ہیں۔ بلاشبہ ہم ان کی اس مہارت کے تہہ دل سے قائل ہیں۔ میاں بس کلیجی ایسی پکاتی ہیں کہ انگلیاں چاٹنے سے بھی کام نہ چلے۔" مطلق صاحب نے مسکرا کر کہا اور سعدی کے حلق سے پھر ایک دلدوز آہ نکلی۔

"کلیجی۔ آہ کلیجی۔"

"ارے ارے بھائی کیا کلیجی سے بھی کوئی جذباتی رشتہ ہے۔" مطلق صاحب اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"آہ۔۔۔۔ میں کیا بتاؤں۔ تقدیر میرے ساتھ کیا مذاق کر رہی ہے۔" سعدی رندھی آواز میں بولا۔

"یہ تقدیر کا کلیجی سے کیا تعلق ہے میاں۔" مطلق صاحب نے حیرانی سے کہا۔

"اوں ہوں۔ تم کس انداز میں گفتگو کر رہے ہو میرے بیٹے سے۔ مجھے بتاؤ بیٹے۔ یہ تو فضول آدمی ہیں ہمیشہ کے۔ ساری باتیں ہی ان کی ایسی ہوتی ہیں نہ کبھی وقت کا خیال رکھتے ہیں نہ موقع کا۔"

"آہ۔۔ امی جان۔۔ امی جان۔۔۔ بس کیا عرض کروں۔ ایک ایک یاد تازہ ہو رہی ہے۔ مرحومہ والدہ صاحبہ بھی کلیجی ایسی ہی لذیز پکایا کرتی تھیں کہ انسان تعریف کیے بغیر رہ سکے۔"

"بس میں نے کہا نا۔ اب تم پرانی یادیں چھوڑ دو۔ میں بھی تمھاری امی ہوں۔ بس مجھے خالہ جان مت کہا کرو۔ امی جان کہا کرو۔ جو کچھ میں ہوں بس تمھیں کہہ چکی ہوں کہ ان کی یاد نہ آنے دوں گی۔ ایک ایک بات پر دل چھوٹا مت کرو۔ چلو منہ ہاتھ دھولو۔" بیگم صاحبہ نے سعدی کا

بازو پکڑا اور اسے اندر لے گئیں۔

"واہ میاں واہ حیرت کا مقام ہے۔ اتنے حالات مل جائیں۔ ہماری تو شخصیت مشکوک ہو کر رہ گئی۔"

"کیوں؟" ظفری نے مسکرا کر پوچھا۔

"میاں دیکھو نا جوان جہاں کلیجیات بیٹا۔ بیس بائیس سال بعد برآمد ہوا ہے اور ہمیں پتا بھی نہیں ہے کہ ہم کب والد بزرگوار بنے۔ بس حالات ہیں زمانے کے۔"

"آہ مطلق صاحب۔ سعدی ایک غمگین نوجوان ہے۔ بچپن ہی سے ماں کی محبت سے محروم ہو گیا۔ بارہ سال کی عمر میں اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ باپ نے دوسری شادی کر لی اور اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا۔ جب سے ذرا چھوٹے دل کا مالک ہو گیا ہے۔ ویسے نہایت ہی ذہین اور سعادت مند نوجوان ہے۔"

"بے شک میاں بے شک۔ ہم تو اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہیں۔ بھئی ظفری میاں۔ اگر یقین کرو تو ہم خلوص دل سے کہہ رہے ہیں کہ تم بھی ہمیں بچے کی طرح محسوس ہوتے ہو۔ یعنی خدا نے اگر بیگم کو اولاد سے نوازا تو ہم بھی محروم نہ رہے۔ آؤ ذرا گلے لگ جاؤ۔" مطلق صاحب نے کہا اور ظفری اٹھ کھڑا ہوا پھر دونوں گلے سے لپٹے ہوئے تھے کہ بیگم صاحبہ اندر تشریف لے آئیں۔

سعدی کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ آ گئی تھی لیکن وہ یہ مسکراہٹ پی گیا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟" بیگم صاحبہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس بھئی خدا نے تمھیں صاحب اولاد کیا۔ تو کیا ہمیں محروم رکھتا۔ سعدی تمھارا بیٹا تو ظفری ہمارا بیٹا۔ چلو بات ختم ہو گئی۔ قدرت نے ساری زندگی اولاد سے محروم رکھا اور جب دینے پر آئی تو دو دو جوان بیٹے ایک ساتھ دے دیے۔" مطلق صاحب نے ہنس کر کہا۔

"بڑے پیارے بچے ہیں دونوں کے دونوں۔ خدا کی قسم میں بڑی خوش ہوں۔" بیگم

صاحبہ بولیں اور ظفری نے شرما کر گردن جھکالی۔

''اچھا میاں' بیٹھو تم لوگ باتیں کرو۔ میں چائے لے آؤں تمھارے لیے بس ابھی لائی۔'' بیگم صاحبہ نے کہا اور دونوں سعادت مند بچے بیگم صاحبہ کے کہنے کے مطابق مطلق صاحب کے پاس بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد بیگم صاحبہ چائے کی ٹرے ہاتھوں میں اٹھائے اندر داخل ہو گئیں۔ چائے کی پیالیوں کے ساتھ کچھ دوسری پلیٹیں بھی نظر آ رہی تھیں جنھیں دیکھ کر سعدی اور ظفری کے منہ میں پانی بھر آیا لیکن انھوں نے نگاہیں چرا لیں تھیں۔ ایک پلیٹ میں بسکٹ دوسری میں گاجر کا حلوہ تھا ساتھ ہی چمچے بھی تھے۔

''اوہ۔۔۔۔ امی جان' آپ نے۔۔۔۔۔ آپ نے زحمت کیوں کی۔' سعدی بولا۔

''کیا بے وقوفی کی باتیں کر رہے ہو سعدی' ڈانٹوں گی میں تمھیں ایسی باتوں پر۔ بھلا یہ زحمت ہے۔ شام کی چائے نہیں پیو گے۔'' بیگم صاحبہ نے پیار بھری ڈانٹ سے کہا' اور سعدی کی گردن جھک گئی۔

''دیکھو اب رونے کی کوشش نہ کرنا۔ رونا دھونا چھوڑ' جو کچھ یاد آئے اسے بھول جاؤ۔ اب سب کچھ تمھارے پاس موجود ہے۔ چلو منہ کھولو۔۔ لو۔۔۔ لو۔۔۔۔ کھولو جلدی۔'' بیگم صاحبہ نے حلوے کا چمچہ بھر کر سعدی کی طرف بڑھایا اور اس نے آنکھیں بند کر منہ کھول دیا۔

رات کے کھانے پر لذیز کلیجی اور پتلے پتلے کلچے تھے۔ نہ جانے کتنے عرصے کے بعد دونوں کو گھر کا کھانا نصیب ہوا تھا۔ عجیب لذت دے رہا تھا یہ کھانا۔ سعدی کا دل تو بار بار بھر آ رہا تھا اور ظفری کو اب اس پر غصہ آنے لگا تھا۔ کمبخت سارا چانس خود لیے جا رہا تھا۔ ایک مطلق صاحب تھے کہ انھیں اولاد سے کوئی رغبت ہی نہ تھی جبکہ بیگم صاحبہ سعدی کو فوقیت دے رہی تھیں۔ بہر صورت نمٹ لیا جائے گا اس مسئلے سے بھی۔ ظفری نے دل ہی دل میں سوچا۔ رات گئے تک دونوں مطلق

صاحب اور بیگم صاحبہ کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ آج مطلق صاحب پر شاعری کا دورہ نہیں پڑا تھا۔ اس لیے رات کو وہ آج کی ادائیگی سے محفوظ رہے اور اس کمرے میں پہنچا دیے گئے جہاں ان کے سونے کا بندوبست تھا۔ اب تو پورا گھر ہی ان کا تھا۔ کچھ وقت پہلے کی بات اور تھی لیکن اس وقت وہ اپنے گھر میں تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے تنہائی پسند کی تھی۔ اور اسی کمرے میں سونا منظور کر لیا تھا۔ دروازہ بند کرنے کے بعد وہ دیر تک خاموش لیٹے رہے۔ وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ کہیں مطلق صاحب اور بیگم صاحبہ بچوں کے سونے کا انتظار تو نہیں کر رہے۔ ممکن ہے دروازے کے پاس موجود ہوں۔ رات خاصی بھیگ گئی تو ظفری نے دروازہ کھول کر باہر جھانکا اور ماحول پر سکون دیکھ کر دروازہ دوبارہ بند کر کے اپنی مسہری پر آلیٹا۔

''تو تم نے اس طرح پنجے گاڑھ لیے ہیں؟'' ظفری بولا۔

''چھوڑ یار' کیسی باتیں کر رہا ہے۔ بھلا تیرے پنجے کمزور ہوتے اور میں اپنے پنجے مضبوط کر لیتا۔ بھائی یہاں تو دونوں ہی کے پنجے مضبوط ہیں۔ ویسے اس بات کی تمام تر داد تمھیں ہی ملنی چاہیے کہ تم نے ایک ایسا نفیس گھرانہ تلاش کر لیا۔ حالات یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں یہاں سے اور کچھ نہیں تو صبح کا ناشتا اور دو وقت کی روٹی تو ملتی ہی رہے گی۔ جانے بے چارے مطلق صاحب کے مالی حالات کیسے ہیں۔'' سعدی نے کہا۔

''اس کا اندازہ تو ہو ہی جائے گا۔ بظاہر حالات بہتر معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی ایسی بات ہوئی تو ان لوگوں کو کوئی ذہنی تکلیف کم از کم نہیں پہنچنی چاہیے۔''

''ہاں میں بھی تم سے متفق ہوں۔'' سعدی بولا۔

''ویسے تم نے بھی اچھا ہی ڈرامہ کیا۔ بیچاری بیگم صاحبہ کو اپنی ماں کی ہمشکل بنا دیا۔ اب وہ تصویر کہاں سے مہیا کرے گا جس کے لیے تو نے کہا ہے؟''

''یہ بھی کوئی سوال ہے ظفری۔ ایسی تصویر مہیا کرنا کون سا مشکل کام ہے۔ یہ میرا مسئلہ

ہے تو اسے رہنے دے۔" سعدی نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ بہرصورت ایک طویل عرصے کے بعد ہم کسی گھر کی چھت تلے رات گزاریں گے۔"

"یار گھر کیا چیز ہوتی ہے' اس کا اندازہ وہی لوگ کرسکتے ہیں جن کے پاس گھر ہو۔"

"لیکن تم بھی تو کسی کام کے بارے میں کہہ رہے تھے۔"

"اس کی تفصیل میں ابھی تمھیں بتاؤں گا۔"

"یہ بتاؤ جمعہ خان سے معاملات کیسے چل رہے ہیں؟"

"بالکل ٹھیک' کافی عرصے سے اس سے ملاقات کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔"

"ادائیگیاں ہوگئی ہیں یا ابھی کچھ باقی ہیں؟"

"بالکل ٹھیک ٹھاک ہے معاملہ۔" ظفری نے جواب دیا۔

"گویا اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو دقت تو نہیں ہوگی۔"

"بالکل نہیں۔ لیکن کیا ضرورت پیش آگئی ہے۔" ظفری نے پوچھا۔

"زبردست۔"

"کیا معاملہ ہے اب ذرا تفصیل میں آجاؤ۔"

"بس یار کیا بتاؤں عجیب وغریب شخصیت تھی۔ بڑی حیرت انگیز۔ میں اس کی گہرائی میں نہیں اتر سکا۔ خاصی خوبصورت اور نوجوان تھی۔ میرے پاس آکر رجسٹریشن کرایا۔ جب میں نے معلوم کیا کہ وہ کس کی شادی کرانا چاہتی ہے' تو برا مان گئی۔ کہنے لگی کیا میں شادی کے قابل نہیں ہوں۔ بہرصورت تمھاری تصویر اسے دکھا دی گئی ہے۔ اور خاتون نے کل گیارہ بجے کا وقت لیا ہے۔ کل وہ تشریف لا رہی ہیں۔ موٹی آسامی معلوم ہو رہی ہیں۔ جائداد وغیرہ کی بھی بات کرتی ہیں' لیکن یا تو بےحد لاابالی ہیں۔ یا پھر سخت کنجوس۔ رجسٹریشن فیس تک نہیں دی مجھے۔ اور مذاق اڑاتی ہوئی چلی گئیں۔ ظفری اگر اس پری کو شیشے میں نہ اتارا تو کوئی کام نہیں کیا۔"

"میرا کیا کہہ کر تعارف کرایا ہے تم نے؟" ظفری نے پوچھا۔

"سعودی عرب سے آئے ہوئے ہو اور شادی کرنا چاہتے ہو۔ یعنی آنکھ کے اندھے گانٹھ کے پورے۔"

"ہوں۔ مگر عزیز من۔ سعودی عرب سے آنے والے اس طرح قلاش نہیں ہوتے۔" ظفری نے کہا۔

"مطلب یہ کہ انٹرویو کہاں ہوگا؟"

"میرے دفتر میں۔" سعدی بولا۔

"اور اگر وہ خاتون مجھے دفتر سے ہٹا کر دیکھنا چاہیں تو۔" ظفری نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"تو ہٹ جانا یار۔ کیا بودم آدمی ہو۔ ایک لڑکی کو چٹکیوں میں نہیں اڑا سکتے۔ بھائی اگر کوئی خاتون کسی ملک کی وزیراعظم بھی ہو جائیں تو خاتون ہی رہتی ہیں۔ مرد ہمیشہ ان پر حاوی رہتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی ایسی صورتحال پیش آجائے تو سنبھال لینا۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔"

"کل گیارہ بجے؟" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں' ٹھیک گیارہ بجے۔"

"تو پھر اب سو جاؤ۔" ظفری نے کہا اور کروٹ بدل لی۔ پیٹ بھر کر کھانا ملا تھا۔ ذہن میں جولانیاں ابھر رہی تھیں۔ خیالات تھے کہ اُمڈے چلے آرہے تھے' لیکن انھوں نے سونے کی کوشش کر دی۔ دفعتاً سعدی کو کچھ خیال آیا اور وہ بولا۔

"ظفری ایک بات تو بتاؤ۔"

"ہوں پوچھو۔" ظفری دیوار کی طرف منہ کیے کیے بولا۔

"یہ معاملہ تو بالکل صاف رہا۔ یہ مطلق صاحب یعنی میرے اباجان اپنی غزلیں کیسے ہضم کر گئے۔ تم تو کہہ رہے تھے کہ ہمیں یہاں رہنے کا معاوضہ غزلوں کی داد کی شکل میں ادا کرنا ہوگا۔"

"بس میرا ابھی خیال ہے کہ آج وہ چارا ڈال رہے ہیں۔ اگر آج ہی ہم بدک گئے تو ان کے خیال میں بہتر بات نہ ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے سوچا کہ کھاپی لینے دیا جائے' اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ مرغے موٹے ہو جائیں گے تو پھر ذبح کرنے میں بھی لطف آئے گا۔" ظفری نے جواب دیا۔

"لیکن مجھے تو کوئی پروا نہیں رہی۔ اب معاملہ تو بالکل فٹ ہے' ہاں اگر دو چار غزلیں ہضم کرنا پڑیں تو تمھیں ہی اپنے اباجان کی ہضم کرنا پڑیں گی۔"

"ہوں۔ تمھارا معاملہ کیوں درست ہے۔" ظفری ناک چڑھا کر بولا۔

"اس لیے کہ ممی میری مدد کریں گی۔ میرا خیال ہے یہ بیگم صاحبہ شعروشاعری کی شوقین نہیں ہیں۔ اگر میں نے ان سے درخواست کر دی کہ مجھے ان غزلوں سے بچاؤ تو وہ ضرور میری مدد کریں گی۔" ظفری ہنس کر خاموش ہو گیا تھا اور پھر دونوں دوست سونے کی کوشش کرنے لگے۔ اور چند ساعت کے بعد کمرے میں گہرے گہرے خراٹے گونج رہے تھے۔

دوسری صبح غسل کے لیے پانی گرم تھا جس کی اطلاع بیگم صاحبہ نے دی تھی۔ یہ اطلاع دیتے ہوئے انھوں نے دونوں سے ان کے سامان کے بارے میں پوچھا اور سعدی کی آنکھیں بھر آئیں۔

"یہی کپڑے پہن لیں گے' امی جان۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم آپ کی محبت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے۔ بہت جلد ہم کوشش کر کے کپڑے وغیرہ بنوالیں گے۔ فی الوقت ہمارے پاس یہی ایک ایک جوڑا ہے۔"

"رات ہی بتا دیتے تو تہبند دے دیتی دونوں کو۔ اور یہ کپڑے دھو کر ڈال دیتی۔ صبح کو استری تو ہو جاتے۔ اب یہی میلے کچیلے کپڑے پہن کر باہر جاؤ گے۔ بتاؤ کب جانا ہے؟ یونیورسٹی جاتے ہو یا کالج؟"

"یونیورسٹی۔" دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔

"تو یونیورسٹی اس حال میں جاؤ گے۔ چھٹی کر لو آج' بس کل جانا۔"

"نہیں امی جان' امتحانات قریب ہیں۔ ایک دن کی چھٹی بھی سخت نقصان دہ ثابت ہوگی۔ آج تو یہی کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ کل دیکھا جائے گا۔"

"کل دیکھا جائے گا۔ بھلا ان کپڑوں میں گھر سے نکلو گے۔ چلو ایسے ہی استری کیے دیتی ہوں' زیادہ میلے نہیں لگتے۔"

"آپ رہنے دیں امی جان' واقعی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ہم تو ایسے ہی کپڑے پہن کر جانے کے عادی ہیں اور لوگ ہمیں دیکھنے کے کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ کپڑوں کا بندوبست بھی جلد ہی ہو جائے گا۔" سعدی نے کہا۔

"چلو پھر ناشتا تیار ہے۔ آج تو جانے دیتی ہوں ایسے' لیکن کل سے اس حلیے میں گھر سے مت نکلنا۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔ اور وہ دونوں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ چھوٹے سے گول کمرے میں مطلق صاحب ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ناشتے پر قابیں ڈھکی ہوئی تھیں۔ دونوں کے منہ میں پانی آنے لگا۔ اور جب قابیں کھلیں تو گرم گرم پراٹھے اور ہاف فرائی انڈے پلیٹوں میں نظر آئے۔ ان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں۔ پراٹھے تو شاید اب وہ بھول ہی گئے تھے۔ نہ جانے ان کا مزہ کیسا ہوتا ہے۔ بہرصورت دونوں نے دو پراٹھے اور دو انڈے کھائے۔ اور پھر چائے کی دو دو پیالیاں پی کر شکم سیر ہو گئے۔

"دوپہر کے کھانے تک تو پہنچ جاؤ گے نا۔" بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

"یہ معاملہ تو بالکل صاف صاف رہا۔ یہ مطلق صاحب یعنی میرے ابا جان اپنی غزلیں کیسے ہضم کر گئے۔ تم تو کہہ رہے تھے کہ ہمیں یہاں رہنے کا معاوضہ غزلوں کی داد کی شکل میں ادا کرنا ہوگا۔"

"بس میرا یہی خیال ہے کہ آج وہ چارا ڈال رہے ہیں۔ اگر آج ہی ہم بدک گئے تو ان کے خیال میں بہتر بات نہ ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے سوچا کہ کھا پی لینے دیا جائے اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ مرغے موٹے ہو جائیں گے تو پھر ذبح کرنے میں بھی لطف آئے گا۔" ظفری نے جواب دیا۔

"لیکن مجھے تو کوئی پروا نہیں رہی۔ اب معاملہ تو بالکل فٹ ہے، ہاں اگر دو چار غزلیں ہضم کرنا پڑیں تو تمھیں ہی اپنے ابا جان کی ہضم کرنا پڑیں گی۔"

"ہوں۔ تمھارا معاملہ کیوں درست ہے۔" ظفری ناک چڑھا کر بولا۔

"اس لیے کہ ممی میری مدد کریں گی۔ میرا خیال ہے یہ بیگم صاحبہ شعروشاعری کی شوقین نہیں ہیں۔ اگر میں نے ان سے درخواست کر دی کہ مجھے ان غزلوں سے بچاؤ تو وہ ضرور میری مدد کریں گی۔" ظفری ہنس کر خاموش ہو گیا تھا اور پھر دونوں دوست سونے کی کوشش کرنے لگے۔ اور چند ساعت کے بعد کمرے میں گہرے گہرے خراٹے گونج رہے تھے۔

دوسری صبح غسل کے لیے پانی گرم تھا جس کی اطلاع بیگم صاحبہ نے دی تھی۔ یہ اطلاع دیتے ہوئے انھوں نے دونوں سے ان کے سامان کے بارے میں پوچھا اور سعدی کی آنکھیں بھر آئیں۔

"یہی کپڑے پہن لیں گے، امی جان۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم آپ کی محبت سے ناجائز فائدہ اٹھائیں گے۔ بہت جلد ہم کوشش کر کے کپڑے وغیرہ بنوا لیں گے۔ فی الوقت ہمارے پاس یہی ایک ایک جوڑا ہے۔"

"رات ہی بتا دیتے تو تہبند دے دیتی دونوں کو۔ اور یہ کپڑے دھو کر ڈال دیتی۔ صبح کو استری تو ہو جاتے۔ اب یہی میلے کچیلے کپڑے پہن کر باہر جاؤ گے۔ بتاؤ کب جانا ہے؟ یونیورسٹی جاتے ہو یا کالج؟"

"یونیورسٹی۔" دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔

"تو یونیورسٹی اس حال میں جاؤ گے۔ چھٹی کر لو آج، بس کل جانا۔"

"نہیں امی جان، امتحانات قریب ہیں۔ ایک دن کی چھٹی بھی سخت نقصان دہ ثابت ہوگی۔ آج تو یہی کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ کل دیکھا جائے گا۔"

"کل دیکھا جائے گا۔ بھلا ان کپڑوں میں گھر سے نکلو گے۔ چلو ایسے ہی استری کیے دیتی ہوں، زیادہ میلے نہیں لگتے۔"

"آپ رہنے دیں امی جان، واقعی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ہم تو ایسے ہی کپڑے پہن کر جانے کے عادی ہیں اور لوگ ہمیں دیکھنے کے کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ کپڑوں کا بندوبست بھی جلد ہی ہو جائے گا۔" سعدی نے کہا۔

"چلو پھر ناشتا تیار ہے۔ آج تو جانے دیتی ہوں ایسے، لیکن کل سے اس حلیے میں گھر سے مت نکلنا۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔ اور وہ دونوں ان کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ چھوٹے سے گول کمرے میں مطلق صاحب ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ناشتے پر قابیں ڈھکی ہوئی تھیں۔ دونوں کے منہ میں پانی آنے لگا۔ اور جب قابیں کھلیں تو گرم گرم پراٹھے اور ہاف فرائی انڈے پلیٹوں میں نظر آئے۔ ان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں۔ پراٹھے تو شاید اب وہ بھول ہی گئے تھے۔ نہ جانے ان کا مزہ کیسا ہوتا ہے۔ بہرصورت دونوں نے دو پراٹھے اور دو انڈے کھائے۔ اور پھر چائے کی دو دو پیالیاں پی کر شکم سیر ہو گئے۔

"دوپہر کے کھانے تک تو پہنچ جاؤ گے نا۔" بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

”جی دوپہر کو تو مشکل ہے شام ہی کو ٹھیک رہے گا۔“

”کیوں مشکل کیوں ہے؟“ بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

”آج کل میرا مطلب ہے یونیورسٹی سے واپسی ذرا مشکل ہو جاتی ہے۔ چھٹی شام کو چار بجے ہوتی ہے۔ کچھ خصوصی کام بھی کرنا پڑ رہا ہے۔“ ظفری نے جواب دیا۔

”صرف آج کل یا ہمیشہ۔“ بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

”چند روز کی بات ہے‘ اس کے بعد ہمیشہ وقت پر پہنچ جایا کریں گے۔“ سعدی بولا۔

”ٹھیک ہے بھئی‘ رات کو کیا کھاؤ گے‘ بتاتے جاؤ؟“ بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

”اوہ‘ بیگم وہ دراصل انھیں ـــ انھیں بریانی اور کباب بے حد پسند ہیں بس یونہی مجھ سے تذکرہ ہو رہا تھا۔ تو کیا خیال ہے جس چیز کی ضرورت ہو واپسی میں لیتا آؤں‘ دفتر سے آتے وقت۔“ مطلق صاحب بولے اور بیگم صاحبہ انھیں گھورنے لگیں۔

”اپنے نام سے آپ کہہ دیتے تو کیا میں منع کر دیتی۔ ابھی رات ہی کو تو آئے ہیں بیچارے۔ اور آپ کو یہ بھی پتا ہو گیا کہ انہیں بریانی اور کباب پسند ہیں۔ لیتے آیئے گا قیمہ۔ باقی سب سامان موجود ہے۔“ بیگم صاحبہ نے کہا اور مطلق صاحب ہنسنے لگے۔

”بھئی تم لوگ بھی تو کچھ مدد کیا کرو۔ خیر ابھی نہیں۔ بعد میں ہم لوگ آپس میں مشورہ کر لیا کریں گے کہ کیا ہونا چاہیے۔“ مطلق صاحب بولے۔

ناشتے سے فارغ ہو کر دونوں سلام کر کے باہر نکل آئے اور مطلق صاحب بھی تیار ہو کر ان کے ساتھ ہی باہر آ گئے تھے۔ پھر دونوں الگ الگ سوار ہوئے۔ یونیورسٹی کی بس شکر ہے الگ ہوتی تھی ورنہ انہیں مطلق صاحب کے ساتھ ہی نہ جانے کہاں جانا پڑتا۔ مطلق صاحب کے جانے کے بعد انہوں نے گہری سانس لی۔ بس اپنی منزل کی جانب جا رہی تھی اور وہ دونوں خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ دفعتاً سعدی نے ظفری کو آواز دی اور ظفری چونک پڑا۔

”بب۔ بریانی۔“ اس نے متحیرانہ انداز میں سعدی کو دیکھا۔

”کیا؟ کیا مطلب؟“

”کچھ نہیں، میرا مطلب تھا بریانی اور کباب۔“

”دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ بس میں بریانی اور کباب کہاں سے آ گئے۔“

”یار سوچو تو سہی۔ سفید چاولوں کے ساتھ گوشت کی بوٹیاں بھی ہوں گی، پھر ساتھ ہی کباب بھی ہوں گے۔ ممکن ہے رائتہ بھی بن جائے۔ یار ظفری نہ جانے شام کتنی دیر میں ہو گی۔“ سعدی بڑبڑایا۔ پھر بولا۔ ”ظفری ہوش میں آؤ۔ اب تمہیں کباب اور بریانی کے بارے میں نہیں بلکہ اس کانٹے بھرے کباب کے بارے میں سوچنا ہے جو گیارہ بجے میرے دفتر میں پہنچ جائے گا۔“

”اوہ، کیا کوئی بہت بدشکل لڑکی ہے۔“

”تمہارا تو دماغ خراب ہے۔ شکل و صورت کے بارے میں تو میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ ایسی کہ دیکھو تو پھسل جاؤ۔“

”مگر یار ہم لوگ پھسلنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ اس لیے ذرا احتیاط رکھنا۔ عزت بچانی مشکل ہو جائے گی۔“ ظفری بولا۔ ”خیر تم فکر مت کرو۔“ ظفری نے اعتماد سے گردن ہلائی۔ اور پھر بولا۔ ”میں پہلے ہی اتر جاؤں گا۔ تاکہ جمعہ خان سے سوٹ لیتا آؤں۔“

”ہاں ٹھیک ہے۔“ سعدی نے کہا۔

”جوتے پر پالش بھی کرانا ہو گی۔“ ظفری اپنے جوتے دیکھتے ہوئے بولا۔ جو بظاہر تو نئی حالت میں تھے۔ لیکن ان میں تین دفعہ نیا سول لگایا جا چکا تھا۔ پھر ایک اسٹاپ پہلے ہی ظفری اتر گیا اور اس ڈرائی کلننگ کی دکان پر پہنچ گیا جو بارہا ان کی مدد کر چکا تھا۔ نہایت مناسب معاوضے پر انہیں سوٹ مل جایا کرتے تھے۔ جب سے یہ دفتر شادی انہوں نے کھولا تھا اس سے بڑی باقاعدگی

سے سوٹ حاصل کرنا شروع کر دیے تھے۔ ورنہ اس سے پہلے تو وہ اپنی کھال میں مست تھے۔

ٹھیک گیارہ بج کر دس منٹ پر ظفری بڑے کروفر کے ساتھ سوجارام بلڈنگ میں داخل ہو گیا۔ اوپر پہنچنے کے لیے اسے نہایت احتیاط برتنا پڑی تھی۔ درمیانی سیڑھیاں اوپر چڑھنے والے کو بڑے اطمینان سے نیچے پہنچا سکتی تھیں۔ ان پر چڑھنے کے لیے ایک خاص مہارت کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ ظفری چونکہ یہ سیڑھیاں چڑھنے کا عادی ہو چکا تھا۔ اس لیے اسے کوئی دقت نہ ہوئی۔ تاہم دفتر شادی کے باہر رک کر اس نے اپنا حلیہ پھر سے درست کیا۔ ٹائی کی ناٹ پھر سے ٹھیک کی۔ بالوں پر ہاتھ پھیرا اور پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ وہ قتالہ موجود تھی اور سعدی کے سامنے میز پر بیٹھی اپنی لمبی انگلیوں سے میز کی سطح کھٹکھٹا رہی تھی۔

سعدی سعادت مندی سے اس کے سامنے گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ ظفری کو دیکھ کر دونوں کی نگاہیں اس کی جانب اٹھ گئیں اور سعدی کی آنکھوں میں اطمینان کی لہریں نظر آئیں۔ ظفری یوں بھی خوش شکل آدمی تھا۔ دھوپ کی طرح سفید رنگ، بڑی بڑی شربتی آنکھیں، خوبصورتی سے ترشے ہوئے بال، کشادہ پیشانی دیکھنے میں وہ انتہائی جاذب نگاہ تھا۔ سعدی اس سے کچھ دبا دبا سا تھا۔ اس وقت ظفری بہت ہی بچ رہا تھا۔ گہرے سبز رنگ کا سوٹ، سفید بے داغ قمیض اور سوٹ سے میچ کرتی خوبصورت ٹائی۔ یہ جمعہ خان بھی خوب تھا، ایسے ایسے سوٹ نکال کر دیا کرتا تھا کہ کبھی کسی کو اندازہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ سعدی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"اوہ! تشریف لائیے فاروقی صاحب۔ تشریف لائیے۔" سعدی جلدی سے بولا۔ صبح سے اب تک وہ اسی پریشانی کا شکار تھا کہ کہیں ظفری اپنا تعارف غلط نام سے نہ کرا بیٹھے۔ ساری گفتگو ہو گئی تھی مگر سعدی نے ظفری کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کا نیا نام کیا ہے۔ چنانچہ اس نے اس لیے جلدی سے ظفری کو فاروقی کے نام سے پکارا تھا۔ اور پھر لڑکی کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔

"خاتون یہ ہیں مسٹر نوید فاروقی، جن کا تذکرہ میں نے آپ سے کیا تھا۔"

"ہوں۔" لڑکی نے ناقدانہ نگاہوں سے ظفری کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ ظفری کی نگاہیں بھی ایک لمحے کے لیے بہک گئی تھیں۔ لڑکی واقعی ایسی تھی کہ پھسل جانے کو جی چاہے۔ لیکن وہ لوگ پھسلنے کی پوزیشن میں نہیں تھے۔ اس لیے ظفری نے خود کو سنبھال لیا۔ سعدی نے اسے کرسی پیش کر دی تھی۔ ظفری بیٹھ گیا۔

"میں آپ دونوں کا تعارف کرا چکا ہوں۔ کیا اس کے بعد میری ضرورت باقی رہ جاتی ہے۔"

"قطعی نہیں۔" لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہتر ہوگا کہ آپ لوگ اطمینان سے گفتگو کریں میں دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہوں۔"

"اور وہاں جا کر دروازے سے کان لگا کر کھڑا ہو جاتا ہوں۔ کیوں یہی نا۔" لڑکی ناک سکوڑ کر بولی۔

"ارے نہیں، نہیں۔ خاتون یہ میرے پیشے کے خلاف ہے۔ میں کسی کی ذاتی گفتگو سننا پسند نہیں کرتا۔ اور ویسے بھی میں ایک شریف آدمی ہوں۔ براہ کرم آپ مجھ پر یہ الزام نہ لگائیں۔"

"میں تو مذاق کر رہی تھی اور آپ برا مان گئے سعدی صاحب۔ بہر صورت ہم یہاں کوئی گفتگو نہیں کریں گے۔ آپ نے میرے بارے میں فاروقی صاحب کو بتا دیا ہے۔"

"جی ہاں، شرافت کی حد تک۔ اس سے زیادہ ایک لفظ کہا ہو تو قسم لے لیجیے۔"

"نہیں نہیں، مجھے یقین ہے۔ آپ کہیں گے کیا ان سے۔ تو فاروقی صاحب آپ مصروف تو نہیں ہیں۔"

"جی نہیں قطعی نہیں۔" ظفری نے گردن ہلا کر انکساری سے کہا۔

"تو پھر تشریف لائیے۔ کہیں بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"نہیں' نہیں۔ میرا مطلب ہے یہیں گفتگو ہو جائے تو کیا ہرج ہے۔"

"کیا ڈرتے ہیں آپ؟ خوف زدہ ہیں مجھ سے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"ارے نہیں' نہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے میرا۔ بس تھوڑی سی جھجک ہے میرے اندر۔" ظفری بولا۔

"ہوں۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے کہ یہ تو آپ کی خوبی ہے کہ لڑکیوں سے جھجکتے ہیں۔ میں نے اس خوبی کو پسند کیا ہے۔ تشریف لائیے' جھجکنے کی ضرورت نہیں۔ ممکن ہے ہمارے آپ کے درمیان کوئی کوئی۔۔۔۔؟" اور لڑکی خاموش ہو گئی۔

شاید اسے بھی تھوڑی بہت شرم آ ہی گئی تھی۔ ظفری نے بے بسی سے سعدی کی طرف دیکھا اور سعدی نے شانے ہلا دیے۔

"ویسے آپ لوگوں کی مرضی ہے۔ لیکن یہاں انتہائی مناسب ماحول ہے۔ بہتر ہوتا کہ آپ یہیں گفتگو کر لیتے۔ لیکن خیر۔ مجھے آپ دونوں پر مکمل اعتماد ہے۔ ویسے بھی ہم جتنے رشتے کراتے ہیں نہایت اعتماد کے ساتھ کراتے ہیں۔ شرافت اور اخلاق انسان کی اوّلین شناخت ہے لیکن محترمہ اس وقت تو میں اس بات کا دعویدار ہوں کہ آپ سے اپنے بارے میں کچھ کہہ سکوں۔"

"کیا مطلب؟" لڑکی نے منہ پھلا کر اسے دیکھا۔

"مم۔ میرا مطلب ہے کہ ابتدائی کاروائی مکمل ہو جاتی تو بہتر تھا۔ اب دیکھیے نا اگر آپ دونوں کے درمیان رشتے استوار ہو گئے تو پھر ادھر کا رخ کون کرے گا۔" سعدی نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہم اتنے ناسپاس نہیں ہیں' سعدی صاحب۔ جو کچھ ہو گا آپ کی موجودگی میں ہو گی۔ آپ شریک ہوں گے۔ یہ بھی بتا چکی ہوں میں آپکو کہ اس وقت میرا کوئی نہیں ہے۔ آپ کو نہ صرف یہ کہ مسئلہ طے کرنا ہو گا' بلکہ ہمارے دیگر مسائل بھی آپ ہی حل کریں گے۔"

"بسر و چشم۔ بسر و چشم۔ لیکن۔۔۔۔"

"لیکن ویکن کچھ نہیں' اب اتنے کاروباری بھی نہ بنیے۔" لڑکی نے کہا اور پھر ظفری کی طرف دیکھ کر بولی۔ "آپ بھی تو کچھ بولیے۔"

"میں؟"

"ہاں' آپ میری وکالت نہیں کریں گے تو کون کرے گا۔"

"ہاں سعدی صاحب ٹھیک تو ہے۔"

"کیا ٹھیک ہے جناب۔"

"میرا مطلب ہے' ابتدائی کاروائی بھی مکمل ہو جائے گی۔"

"دیکھیے فاروقی صاحب' ہر کاروبار کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ ہم تو بیٹھے ہی اس لیے ہیں کہ۔۔۔۔"

"آپ کے سارے واجبات ادا ہو جائیں گے۔ میں ذمہ داری لیتا ہوں اس بات کی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔۔"

"پھر لیکن۔ میں کہتی ہوں یہ نامعقول لفظ ایجاد کیوں کیا گیا ہے۔ سارا معاملہ الجھا کر رکھ دیتا ہے یہ۔ لیکن' بس اور کچھ نہیں سنیں گے ہم۔ نہایت معمولی سی بات ہے' آئیے فاروقی صاحب۔ یہ سعدی صاحب نہایت سنجیدہ مذاق کرتے ہیں۔ آئیے آپ۔" وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی اور سعدی ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

دیارام سوجارام بلڈنگ کا پل صراط طے کر کے دونوں نیچے آ گئے' ظفری اس دوران خاموش رہا تھا۔ ویسے لڑکی کافی تیز طرار معلوم ہوتی تھی۔ چہرے مہرے سے بری نہیں لگتی تھی اور کسی اچھے گھرانے کی چشم و چراغ معلوم ہوتی تھی۔ لباس بھی کوئی زیادہ قیمتی نہیں تھا لیکن عمدہ تراش اور جدید ڈیزائن کا تھا۔ ہاتھ میں پرس جھلاتی ہوئی وہ ظفری کے ساتھ نیچے آ گئی۔

"آپ کی کار کہاں ہے؟"

"کک کار۔۔۔کار یہاں کہاں سے آئی؟"

"کیوں؟" لڑکی نے حیرت سے پوچھا۔

"کار سعودی عرب میں ہے خاتون' اور مجھے لمبی ڈرائیونگ کا کوئی شوق نہیں ہے۔"

ظفری نے خود کو سنبھال لیا۔

"اوہ' ہاں میں بھول گئی تھی۔ٹیکسی روکیں' کسی عمدہ سے ہوٹل میں بیٹھیں گے۔وہیں باتیں ہوں گی اور پھر وہیں لنچ کیا جائے گا۔"

"خدا کے لیے۔خدا کے لیے ہوٹل کا نام نہ لیں' مجھے اختلاج ہوتا ہے۔" ظفری نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ارے۔۔۔کیوں۔۔۔؟" وہ حیرت سے بولی۔

"گزشتہ نو سال سے سعودی عرب میں ہوں اور گھر کی صورت سے محروم ہوں۔ہوٹل' ہوٹل اور صرف ہوٹل۔خدا کے لیے مجھے ہوٹل نہ لے چلیں میں ایک لفظ بھی نہ بول سکوں گا' بات بھی نہیں کی جائے گی مجھ سے۔اپنے وطن اسی لیے آتا ہوں کہ اس کی فضا سے لطف اندوز ہوں۔ بسوں میں سفر کروں اور سڑکوں پر گھوموں۔"

"تو کیا اب سڑکوں پر گفتگو ہوگی؟" لڑکی نے تنگ آ کر کہا۔

"جی تو یہی چاہتا ہے لیکن اتنی اہم گفتگو ظاہر ہے سڑک پر نہیں ہو سکتی' وہ دیکھیے وہ بس آ رہی ہے' آیئے کسی عمدہ سے پارک میں چلیں۔فریئر ہال کیسا رہے گا؟"

"نہایت بکواس۔"

"مجھے بے حد پسند ہے۔پلیز۔۔۔میرے لیے۔"

"مم مگر بس؟"

"آیئے تو سہی۔کبھی اس کے ماحول پر بھی غور کیا کیجیے۔ہمارے ملک کی اسی فیصد آبادی ہمارے سامنے آجاتی ہے۔آہ کتنی محبت ہے۔مجھے اپنے وطن سے۔" ظفری نے بس کو رکنے کا اشارہ کیا اور اس میں چڑھ گیا۔لڑکی بھی بادل ناخواستہ بس میں جا چڑھی تھی۔ظفری نے جیب سے ایک روپے کا نوٹ نکالا اور دو ٹکٹ خرید لیے۔اب کوئی فکر تو تھی نہیں۔کھانے اور رہائش کا معقول بندوبست ہو گیا تھا چنانچہ عیش تھے۔

فریئر ہال میں ایک سرسبز قطعے پر دونوں بیٹھ گئے۔

"بتایئے اس سے حسین ماحول اور کہیں مل سکتا ہے۔"

"سعودی عرب میں آپ کیا کرتے ہیں؟"

"حج کرتا ہوں ہر سال کئی بار عمرہ بھی کر چکا ہوں۔" ظفری نے جواب دیا۔

"کام کیا کرتے ہیں؟"

"کام۔۔۔۔اوہ' خاتون کام کیا بس عیش کرتا ہوں۔نوکری تو بس دستخط کرنے کے لیے ہے۔جی ہاں۔" سعدی یہ بتانا بھی بھول گیا تھا کہ نوید فاروقی کیا جھک مار رہے ہیں۔

"کیا تنخواہ ملتی ہے۔"

"بس کبھی حساب ہی نہیں کیا۔بے حساب رقم لے لیتا ہوں۔ساری تنخواہ جمع ہو رہی ہے کبھی حساب ہی نہیں کیا۔"

"خاصی دولت جمع کر لی ہوگی آپ نے۔"

"دولت۔میں نے کبھی اس بیکار شے کے بارے میں نہیں سوچا لاابالی انسان ہوں۔ بس رقومات بینک میں جاتی رہتی ہیں کبھی حساب لگانے کی کوشش ہی نہیں کی۔"

"والدین ہیں؟"

"جی نہیں' بچپن سے انکی محبتوں کا پیاسا ہوں۔"

"بہن بھائی؟"

"کاش ہوتے۔" ظفری بولا۔

"حیرت انگیز ہیں آپ۔"

"اور آپ بھی۔" ظفری نے رومان زدہ لہجے میں کہا۔

"کیوں، میں کیوں۔ میں نے تو ابھی آپ کو اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔"

"یہی تو حیرت کی بات ہے۔"

"اوہ میرے حالات بھی عجیب ہیں۔ لاکھوں روپے کی جائداد کی مالک ہوں لیکن والد صاحب کی وصیت نے محتاج کر کے رکھ دیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"والد صاحب کی وصیت ہے کہ جب تک شادی نہ کرلوں ایک پیسہ بھی مجھے نہ دیا جائے۔ سوتیلی ماں انگاروں پر لوٹ رہی ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"بس اس وصیت کی وجہ سے۔ اس کے ہاتھ سے ساری دولت نکل جائے گی۔ جس دن میں نے شادی کرلی۔ لیکن شادی سے پہلے جس کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہوں، میرا دل ہی جانتا ہے۔"

"واقعی واقعی بڑی افسوس ناک صورت حال ہے۔"

"اس سے بھی زیادہ افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ والدہ محترمہ نے میرے لیے ایک کرائے کا ٹٹو تلاش کرلیا ہے۔"

"ٹٹو؟ کیا مطلب؟"

"شادی کے لیے۔ وہ ایک احمق سے میری شادی کرنے کے پروگرام بنا رہی ہیں اور

وہ احمق ان کا اپنا آدمی ہے۔ مقصد یہی ہے کہ اس کے بعد بھی اس کے ذریعہ دولت ان کی تحویل میں رہے۔" لڑکی نے بتایا۔

"اوہ، اوہ، میں سمجھ رہا ہوں۔"

"ورنہ میں اتنی بے شرم نہیں ہوں۔"

"بے شرم؟"

"تو اور کیا۔ لڑکیاں اس طرح اپنی شادی کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہیں، مگر کیا کروں۔ اس کے بغیر چارۂ کار بھی نہیں ہے۔"

"ہوں، تو یہ بات ہے۔" ظفری نے گردن ہلائی۔

"میں آپ کو شکل وصورت سے اتنی ہی بری لگتی ہوں؟"

"نہیں خاتون۔ خدانا خواستہ۔"

"تو پھر کیا خیال ہے آپ کا؟"

"جج۔۔۔جی۔۔۔؟"

"شادی کریں گے مجھ سے؟"

"کک کیوں نہیں، کیوں نہیں۔ یہ تو میری عین خوش بختی ہوگی۔"

"آپ بھی مجھے پسند ہیں۔" لڑکی نے شرما کر کہا، اور ظفری کو پسینہ آنے لگا۔ چند ساعت کے بعد اس نے کہا۔

"یہ شادی خفیہ ہوگی؟"

"سو فیصدی۔ میں سارے انتظامات کرلوں گی، مکمل انتظامات۔ میری عمر بیس سال کے قریب ہے۔ بالغ ہوں۔ اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کا فیصلہ کرسکتی ہوں۔ اور عدالت مجھے بہ آسانی اس کا حق دے دے گی۔ مگر بس کچھ رقم کی ضرورت پیش آئے گی۔ آپ مجھے یہ رقم فراہم

کر دیں۔"

"م۔۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔۔۔؟" ظفری اچھل پڑا۔

"ہاں' زیادہ نہیں چاہیئے بس دس بارہ ہزار۔ صرف دس بارہ ہزار۔ سارے کام بن جائیں گے۔"

"اوہ' بس۔ دس بارہ ہزار۔ کمال ہے۔" ظفری نے ہنس کر کہا۔ اندر ہی اندر بے شمار قہقہے مچل رہے تھے۔

"ہاں بس اتنے کافی ہوں گے۔ ہم فوراً شادی کر لیں گے اور پھر میں دیکھوں گی ان خاتون کو جو میری سوتیلی والدہ ہیں ہاتھ ملتی رہ جائیں گی۔ اس کے بعد فاروقی صاحب ہم ملک سے باہر چلیں گے کم از کم ایک سال کا پروگرام بنا کر۔ واپس آنے پر آپ جائداد کا نظام درست کریں گے۔ کیا خیال ہے؟"

"بالکل ٹھیک' نہایت مناسب۔۔۔لیکن۔۔۔"

"جی' لیکن کیا؟" نیر نے پوچھا۔

"کیا یہاں آپ کی دوست اور سہیلیاں رہتی ہیں؟"

"ہیں۔۔۔کیوں؟"

"میرا مطلب ہے یہ حقیری رقم آپ ان سے کیوں نہیں لے لیتیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔ آپ کو۔۔۔میرا مطلب ہے آپ کو یہ رقم دینے میں کوئی اعتراض ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ میرے پاس جو کچھ ہے آپ کا ہی ہے۔ خاتون خانہ آپ ہوں گی لیکن بس تھوڑی سی الجھن ہے۔"

"کیا الجھن ہے آخر۔۔۔؟"

"دیکھیے نا عرض کر چکا ہوں کہ لاابالی انسان ہوں۔ ساری آمدنی بینکوں میں چلی جاتی

ہے کوئی خرچ ہی نہیں ہے۔ فقیرانہ زندگی بسر کرتا رہا ہوں۔ پیسے لے کر ہی نہیں آیا۔ منگوانے پڑیں گے سعودی عرب سے۔"

"تو منگوا لیں۔"

"دیر لگ جائے گی۔"

"لگ جائے۔ آپ کے ہوتے ہوئے میں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتی اچھی لگوں گی۔" اس نے ناز سے کہا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ بس میں چاہتا تھا کہ اس کام میں دیر نہ ہو۔"

"میں بھی تو یہی چاہتی ہوں۔ لیکن پیسے تو خرچ ہوں گے ہی۔ آپ جلدی سے پیسے منگوا لیں میں انتظار کر لوں گی۔"

ظفری الجھن میں پڑ گیا۔ شادی وادی کا تو کوئی تصور ہی نہیں تھا ذہن میں۔ لڑکی دلکش تھی۔ خوبصورت بھی اور مالدار بھی۔ لیکن ظفری اور سعدی کا خیال تھا کہ ان کی ہتھیلیوں میں شادی کی لکیر نہیں ہے۔ اسلیے کبھی انھوں نے ایسے خواب آنکھوں میں نہیں سجائے تھے۔ لڑکی سونے کی کان تھی لیکن منہ بند کان۔ اس کی کھدائی کرنی تھی۔"

چند ساعت کے بعد اس نے کہا۔ "تو ٹھیک ہے نیر صاحبہ۔ آپ ہزار' آٹھ سو کا بندوبست تو کر ہی سکتی ہیں۔"

"وہ کیوں؟"

"بس ڈرافٹ منگوانا ہے۔ کچھ لوگوں کو اس کام پر مامور کرنا ہوگا۔"

"آپ کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں ہیں۔"

"نوٹوں کا وزن میرے سینے پر ناقابل برداشت ہوتا ہے' کبھی ساتھ نہیں رکھتا اور پھر اس فقیری کا مزہ بھی جاتا رہتا ہے۔"

"تو پیسوں کے بغیر آپ شادی کرنے چلے تھے؟"

"یہ بھی تو ایک کسوٹی تھی اپنے جیون ساتھی کی۔ کوئی فقیر سمجھ کر قبول کرلے تو بات ہے۔ دولت کی چمک تو سب کی آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔"

"اوہ یہ بات ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"بیشک۔ سو فیصدی۔" ظفری بھی مسکرانے لگا۔

"عجیب بات ہے۔ ہم دونوں ہی دولت مند مفلس ہیں لیکن کوئی ہرج نہیں ہے۔ اتنی معمولی سی رقم سعدی سے بھی لی جاسکتی ہے۔"

"کون سعدی؟" ظفری چونک پڑا۔

"ارے وہی دفتر شادی۔" تیر ہنس پڑی۔ لیکن ظفری کا دل چاہ رہا تھا کہ دہاڑیں مار مار کر رو پڑے۔ محترمہ نے ادھار مانگنے کے لیے انتخاب بھی کیا تھا تو کس کا۔ بہرحال اس مسئلے میں بولنا مناسب نہیں تھا۔ تاہم اس نے کہا۔

"سوچ لیں وہ آپ کو یہ رقم دے دے گا۔ میرے تو اس سے ایسے تعلقات نہیں ہیں۔"

"میرے ہیں' لیکن میں اس سے جھوٹ نہیں بولوں گی۔ صحیح بات ظفری نے پوچھا۔

"جیسی آپ کی مرضی۔ ویسے آپ کی کوئی تصویر ہے آپ کے پاس؟" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں ہے' کیوں؟"

"عنایت فرمادیں۔ نوازش ہوگی۔" ظفری بولا۔ اور تیر نے جلدی سے اپنے پرس سے ایک تصویر نکال کر اسے دے دی۔

"شکریہ' قیام کہاں ہے آپ کا؟"

"ابھی نہیں بتاؤں گی۔ جب تک سارے کام نہ ہوجائیں گے' نہیں بتاؤں گی۔ آپ نہیں سمجھتے حالات کس قدر سنگین ہیں۔" لڑکی نے کہا۔ اور ظفری گردن ہلانے لگا۔

"ٹھیک ہے جیسا پسند کریں۔ تو آپ کب مل رہی ہیں پیسوں کے سلسلے میں دفتر شادی یعنی مسٹر سعدی سے؟"

"اس وقت تو دیر ہوچکی ہے۔ کل ملوں گی۔" لڑکی نے جواب دیا۔ پھر مزید کچھ گفتگو کے بعد دونوں پارک سے اٹھ گئے۔ لڑکی نے علیحدہ بس پکڑلی تھی اور ظفری دوسری بس میں چل پڑا۔ اس وقت اس نے سعدی کے پاس جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

شام کو دونوں کی ملاقات مطلق صاحب کے مکان پر ہوئی تھی۔ لیکن اس وقت وہ مطلق صاحب کی تحویل میں تھے۔ اور مطلق صاحب نے شام کی چائے پر ہلکا پھلکا مشاعرہ منعقد کر ڈالا۔ چنانچہ بیسن کی پھلکیوں کے ساتھ انہوں نے چھ رباعیاں' دو نظمیں اور تین غزلیں نوش کی تھیں اور دل کھول کر داد دی تھی لیکن بیسن کی پھلکیوں کو۔ مطلق صاحب بولے۔ "باقاعدہ نشست تو جمعرات کو ہوگی میاں۔ میں نے بڑی مشکل سے اپنی بیاض تیار کی ہے۔ بڑی بڑی نادر چیزیں پوشیدہ ہیں اس میں۔"

"اوہ اچھا اچھا" ظفری نے خوش ہو کر کہا۔ لیکن سعدی کا چہرہ اتر گیا تھا۔ بہرحال رات کے کھانے کے بعد ساڑھے دس بجے تک امی جان اور ابا جان کے درمیان نشست رہی۔ صبح کے سودے ترکاری کے لیے ظفری نے اپنی خدمات پیش کردی تھیں اور پھر انھیں آرام کرنے کی اجازت دی۔ تنہائی ملتے ہی سعدی بولا۔

"یعنی کہ مستقل غائب ہوگئے اس کے بعد۔ کوئی رسید ہی نہیں دی۔"

"رسید ہوتی تو پیش کرتا سعدی صاحب بہرحال کل کے لیے تیار ہوجائیے۔"

"کیا مطلب؟"

"ادھار مانگنے حاضر ہو رہی ہیں موصوفہ۔"

"کس سے؟"

"تم سے اور کس سے؟"

"میں نہیں سمجھتا۔"

"سمجھ جاؤ گے برخوردار سمجھ جاؤ گے۔ کیس ہی دوسرا ہے۔ کام بنتا نہیں معلوم ہوتا سعدی صاحب۔ لڑکی خود الجھنوں کا شکار ہے۔ کورٹ میرج کرنا چاہتی ہے۔"

"تفصیل یار، تفصیل بتاؤ۔" سعدی جھنجھلا کر بولا۔ اور ظفری اسے مکمل داستان سنانے لگا۔ جسے سن کر تھوڑا سا پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے پر خیال انداز میں تھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔ "یہ تو گڑبڑ ہو گئی۔ یعنی آسامی تو اچھی ہے لیکن۔ اب کیا کرنا چاہیے۔"

"کوئی صورت نہیں ہے۔" ظفری بولا۔

"خیر میں تو معذوری ظاہر کر دوں گا لیکن آسامی ہاتھ سے نکل جائیگی۔"

"مجبوری ہے۔" ظفری بولا۔ اور سعدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ دیر تک وہ خیالات میں کھویا رہا اور پھر اچھل پڑا۔ ظفری چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"ابے ظفری، کام بن سکتا ہے۔ بالکل بن سکتا ہے۔"

"ہوں، اگلو کیا سوچا ہے؟"

"کل وہ میرے پاس آئے گی اور واپسی میں تم اس کا تعاقب کرو گے اس کے گھر کا پتا لگاؤ گے اور پھر اس کی غیر موجودگی میں اس کی سوتیلی ماں سے ملو گے۔ سنو پروگرام سنو۔ تم اس کی ماں سے مل کر خود کو نہایت شریف نوجوان ظاہر کرو گے اور کہو گے کہ غیر تم سے شادی کی خواہشمند ہے اور تم ایک پریشان حال نوجوان ہو۔ مقروض ہو اگر قرض ادا نہ ہوا تو تمہیں جیل ہو جائے گی۔ غیر نے تمہارا قرض ادا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ لیکن تمہارا ضمیر نہ مانا۔ اور تم ان خاتون کو اطلاع دینے پہنچ گئے۔ تم مجبور ضرور ہو لیکن بے غیرت نہیں، کسی کا دل نہیں دکھا سکتے۔ سمجھ رہے ہو۔ اگر کچھ مل جائے تو ٹھیک ہے ورنہ۔۔۔۔"

"ہوں۔" ظفری نے گردن جھکا لی۔

"کمال ہے۔ اس تجویز میں کچھ سوچنے کی گنجائش بھی ہے۔"

"لڑکی ماری جائے گی۔"

"عزیز من، دنیا داری سیکھو۔ ہمیں اس بیچاری سے کیا لینا ہے اگر سارے معاملات ٹھیک بھی ہوتے تو کیا تم شادی رچا لیتے؟"

"کیا ہرج تھا۔" ظفری نے کہا۔

"گدھے ہو پورے، میاں مرد ہو اپنی قوت بازو سے کماؤ۔ بیوی کی دولت سے عیش کرتے ہوئے تمہیں غیرت نہ آئے گی لاحول ولاقوۃ۔" سعدی اسے لعن طعن کرنے لگا اور ظفری کو غیرت آ گئی۔

"ٹھیک ہے، پروگرام طے۔۔۔۔" اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

سعدی گردن جھکائے بیٹھا تھا اور لڑکی گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ "پھر تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ میں اس رقم کا بندوبست کہاں سے کروں گی۔ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا کہ وہ اس قدر لاابالی انسان ہے۔ آخر وہ یہاں گزر کیسے کر رہا ہے؟"

"خدا جانے محترمہ۔ ہم کلائنٹ سے اس کی ذاتیات کے بارے میں نہیں پوچھتے۔ آپ کسی اور کو منتخب کر لیں، لیکن براہ کرم رجسٹریشن فیس۔"

"نہایت نامعقول گفتگو کر رہے ہیں آپ۔ آپ کو اپنی فیس کی پڑی ہے اور میں پریشان ہوں۔"

"میں بھی فیس کے لیے پریشان ہوں۔ میں آپ کو اپنے حالات بتا چکا ہوں۔ کاش میں آپ کی مدد کر سکتا۔"

"جب تک یہ مسئلہ حل نہ ہو جائے میں کچھ نہیں کر سکتی۔ اب وہ حضرت کہاں مل سکیں گے؟"

"شام کو ان سے ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"کس وقت؟"

"چار بجے۔ میں انھیں پیغام دے دوں گی۔"

"آپ مجھے ان کا پتا بتا دیں۔"

"میرے اصول کے خلاف ہے خاتون۔" سعدی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

"ہوں' ٹھیک ہے۔ تو چار بجے شام۔ خدا حافظ۔" اس نے جھٹکے دار آواز میں کہا اور باہر نکل گئی۔ سعدی نے سامنے رکھا ہوا پانی کا گلاس اٹھا کر حلق میں انڈیل لیا تھا۔

ظفری نے گردن ہلائی۔ کوٹھی تو واقعی شاندار تھی۔ لیکن لڑکی چیونٹیوں بھرا کباب تھی۔ ظاہر ہے اس سے شادی نہیں کی جا سکتی تھی اور شادی کے بغیر اس سے کچھ حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔ بہر حال سعدی کی ترکیب ہی آزمائی جا سکتی تھی۔ وہ یہاں سے واپس پلٹ پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سعدی کے سامنے تھا۔

"کوٹھی دیکھ آیا ہوں۔ بریٹو روڈ پر ہے۔"

"واہ' وہ علاقہ تو بے حد متمول لوگوں کا ہے۔"

"ہاں' ہے تو لیکن یار سعدی۔ کام بے حد مشکل ہے۔" ظفری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔ "تم سے کیا بات ہوئی؟"

"دو ہزار طلب کر رہی تھیں خاتون' اور ان کے بدلے پانچ ہزار روپے دینے کو تیار تھیں۔ بہر حال میں نے صورتحال کی وضاحت کر دی۔ شام کو چار بجے تم سے فریئر ہال میں ملاقات کریں گی۔"

"آج۔" ظفری اچھل پڑا۔

"ہاں' ٹھیک چار بجے۔"

"ویری گڈ۔ اس کا مطلب ہے کہ مجھے چار بجے ان خاتون کی والدہ محترمہ سے مل لینا

چاہیے۔ ظاہر ہے وہ فریئر ہال میں ہوں گی۔"

"بے حد ضروری ہے۔ اگر رجسٹریشن فیس ہی مل جاتی تو ہم اس بد دیانتی کے مرتکب نہ ہوتے لیکن مجبوری ہے۔" سعدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

جمعہ خان کی دکان سے اب خاصا کاروبار چل پڑا تھا۔ نئے سوٹ میں ملبوس وہ بریٹو روڈ کی متعلقہ کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ ایک ملازم نے اس کا استقبال کیا تھا۔ "بیگم صاحب سے ملنا ہے۔"

"آپ کا نام صاحب؟"

"نوید فاروقی۔" ظفری نے جواب دیا اور ملازم اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کوٹھی کے عالیشان ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ ڈرائنگ روم کی سجاوٹ بے مثال تھی۔ ظفری تحسین آمیز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر بیگم صاحبہ اندر داخل ہو گئیں۔ پینتیس چالیس کے سن کی ایک پروقار خاتون تھیں۔ ظفری نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔

"بیٹھو بیٹے' میں تمھیں نہیں پہچان سکی۔" انھوں نے خود بھی ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں آپ سے پہلی بار مل رہا ہوں آنٹی۔ اور افسوس ایسے ناخوشگوار حالات میں مل رہا ہوں کہ مجھے خود افسوس ہے۔" ظفری نے کہا۔

"کیا بات ہے؟" خاتون تعجب سے بولیں۔

"زہرہ نیر آپ کی صاحبزادی ہیں؟"

"ہاں' تم اسے جانتے ہو؟"

"جی۔ دیکھیے خاتون' حالات ناخوشگوار ہیں۔ وہ آپ کی سوتیلی بیٹی ہیں؟"

"اوہ' ہاں ہے۔ لیکن میں نے اسے کبھی یہ احساس نہیں ہونے دیا۔ دونوں بہن بھائی مجھے سگی کی مانند چاہتے ہیں۔"

"بھائی۔ کوئی بھائی بھی ہے ان کا؟"

"ہاں' زاہد بہت نیک بچہ ہے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ یہاں انھوں نے جھوٹ بولا ہے۔ بہر حال خاتون' نیر صاحبہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن ان کے خیال میں آپ ان کی دولت ہڑپ کرنے کے لیے ان کی شادی اپنے کسی عزیز سے کرنا چاہتی ہیں۔ انھوں نے ایک دفتر شادی کے ذریعہ مجھ سے رابطہ قائم کیا ہے لیکن میری رگوں میں شریف خون ہے۔ میں کسی کی عزت نہیں اچھال سکتا۔ ہر چند میرے حالات نہیں ہیں اور میں مقروض ہوں لیکن۔۔۔۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو' تمھارا دماغ تو درست ہے۔" خاتون کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"جی میں درست عرض کر رہا ہوں۔ وہ۔۔۔۔" ظفری نے مسمسی آواز میں کہا۔ اور اسی وقت ایک نوجوان اندر داخل ہو گیا۔

"کیا بات ہے ممی۔ کون صاحب ملنے آئے ہیں۔" اس نے اندر آتے ہوئے کہا۔

"نیر کہاں ہے؟" خاتون غرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"اندر موجود ہے بلاؤں؟" نوجوان تعجب سے ظفری کو دیکھ کر بولا۔ اور پھر اچھل پڑا۔

"ارے ارے آپ۔۔۔۔آپ۔۔۔۔" وہ ظفری کے قریب آ کر جھک گیا ظفری بری طرح بوکھلا گیا تھا۔ نیر کی موجودگی کی اطلاع بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔

"یہ سوٹ' معاف کیجیے گا' یہ سوٹ آپ نے' میرا مطلب ہے۔۔۔۔" نوجوان بولا۔

"کک کیا مطلب؟"

"یہ سوٹ میرا ہے۔ دیکھیے ممی یہ مونوگرام۔ کیا ماموں نے یہ سوٹ لندن سے نہیں بھیجا تھا۔ یہ سو فیصدی میرا سوٹ ہے۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو زاہد؟"

"خدا کی قسم ممی جھوٹ نہیں بول رہا۔ یہ میرا سوٹ ہے میں نے گولڈن ڈرائی کلینرز کو

دیا ہوا تھا۔" نوجوان نے کہا۔ ظفری کے ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ گولڈن ڈرائی کلینرز کا نام سن کر اس کی جان نکل گئی تھی۔ یہ جمعہ خان کی واشنگ فیکٹری کا نام ہی تھا۔

"جاؤ پہلے نیر کو بلا کر لاؤ۔ سوٹ کا جھگڑا بعد میں طے کر لینا۔" خاتون نے کہا۔

"آپ اس شخص کو جانے نہ دیں ممی۔ میں اسے واشنگ فیکٹری پر لے جاؤں گا۔ یہ سوٹ میرا ہی ہے۔ آپ یقین کریں۔" نوجوان نے کہا اور باہر نکل گیا۔

ظفری اٹھ کر بھاگنا چاہتا تھا لیکن اس کے پیروں کی جان نکل گئی تھی۔ وہ ہونقوں کی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ یہ کیا ہو گیا۔ یک نہ شد دو شد ہو گئی تھی۔ کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ بیگم صاحبہ کڑی نگاہوں سے گھور رہی تھیں۔ پھر باہر قدموں کی چاپ سنائی دی اور ظفری نے سہمی ہوئی نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا۔

پہلے نوجوان اندر داخل ہوا۔ اور پھر اس کے پیچھے ایک نہایت خوبصورت نوجوان لڑکی۔ بیگم صاحبہ اب گہری نگاہوں سے لڑکی کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر انہوں نے سرد لہجے میں کہا۔ "یہ۔۔۔۔ یہ زہرہ نیر ہے۔" اور ظفری کو چکر آ گیا یہ وہ لڑکی نہ تھی۔ ایک بالکل نئی صورت تھی' قطعی اجنبی۔ وہ بھاڑ سا منہ کھولے خاموش بیٹھا رہا۔ "اب کہو اس کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے۔ اس نے تم سے شادی کی درخواست کی ہے؟"

"کیا۔۔۔۔؟" لڑکی کی تعجب خیز آواز ابھری۔

"غغ۔۔۔۔ غلط فہمی ہوئی ہے۔ یقین کریں بیگم صاحبہ' غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ وہ نہیں ہیں۔ قطعی نہیں ہیں۔ دھوکا دہی ہوئی ہے۔ فراڈ کیا گیا ہے۔ ایک منٹ' صرف ایک منٹ۔ یہ دیکھیے' یہ دیکھیے اگر یہ محترمہ زہرہ نیر ہیں تو پھر یہ لڑکی کون ہے؟" ظفری نے جیب سے وہ تصویر نکالی جو اس نے نیر سے لی تھی۔ اس وقت یہ تصویر اس کی واحد مددگار تھی ورنہ تھانے پہنچ جانے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔

بیگم صاحبہ نے تصویر ہاتھ میں لے لی۔ لڑکی اور نوجوان دونوں اس پر جھک گئے تھے اور پھر تینوں کے منہ سے ایک ہی جملہ نکلا۔ ''ارے یہ تو شکیلہ ہے۔''

''یہ تصویر تمھارے پاس کہاں سے آئی؟''

''خود زہرہ نیر صاحبہ نے مجھے دی تھی۔ انھوں نے ایک دفتر شادی کی معرفت مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا اور اپنا نام زہرہ نیر بتایا تھا۔ آپ لوگ دفتر شادی سے تصدیق کر سکتے ہیں۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''ہم ضرور تصدیق کریں گے اس میں بھی کوئی فراڈ ہے۔ شکیلہ ایسی لڑکی نہیں ہے ممی، آپ یقین کریں۔'' نوجوان بولا۔

''بکواس مت کرو زاہد۔ تم لوگ ہمیشہ تجربے کو جھٹلاتے رہے ہو۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ لڑکی فطرتاً اچھی نہیں ہے تم نے کہا کہ وہ صرف تیز و طرار ہے' کردار کی بری نہیں ہے۔ اب بتاؤ یہ سب کیا ہے۔''

''یہ بہت جلدی معلوم ہو جائے گا کہ یہ سب کیا ہے مجھے تو خود یہ صاحب فراڈ معلوم ہوتے ہیں۔ یہ میرا سوٹ پہنے ہوئے ہیں اور۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔'' نوجوان نے کہا۔

''میں آپ کو تصدیق کی دعوت دیتا ہوں۔'' ظفری نے کہا۔

''تصدیق ضرور کی جائے گی۔'' زاہد بولا۔

''ہائے ممی۔ وہ تو میرے کئی سوٹ لے گئی ہے۔ میرا پرس اور کئی جوڑی سینڈل اس کے پاس ہیں۔ اب کیا ہوگا؟'' لڑکی بولی۔

''اور کیا کیا ہے اس کے پاس یہ بھی بتا دو۔'' بیگم صاحبہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''وہ مجھ سے کئی سو روپے قرض لے چکی ہے۔''

''کچھ زیورات بھی اسے دیے ہوئے ہیں استعمال کرنے کے لیے۔''

''ہائے ممی۔ اسے زیورات کا شوق نہیں ہے۔''

''ابھی سے اس کے بارے میں رائے خراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے ممی۔ پہلے ان صاحب کی حقیقت تو کھل جائے اس کے بعد ہم کوئی فیصلہ کریں گے۔'' زاہد بولا۔

''کرتے پھرو تصدیق۔ کوئی اس طرح منہ اٹھا کر کسی کے گھر میں نہیں گھس آتا۔ سنو میاں ہمارا اس لڑکی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ صرف میرے چھوٹے بیٹے کی ٹیوٹر ہے۔ خود ہی نوکری کی تلاش میں آئی تھی ہم نے اسے نوکر رکھ لیا۔ اس کا نام شکیلہ ہے سمجھے۔ اگر آئندہ تم نے ادھر کا رخ کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''تصدیق کیے بغیر ممی۔'' زاہد نے کہنا چاہا لیکن بیگم نے اسے ڈانٹ دیا۔

''آپ آئیے' ذرا میرے ساتھ آئیے۔'' نوجوان نے کہا اور ظفری جلدی سے اٹھ گیا۔ وہ بری طرح گھبرایا ہوا تھا۔ نوجوان نے گیراج سے کار نکالی اور ظفری کو ساتھ بٹھا کر چل پڑا۔ ''پہلے تو آپ اس سوٹ کی تفصیل بتائیے۔'' نوجوان نے کہا۔

''کرائے کا ہے۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''کہاں سے حاصل کیا؟''

''جمعہ خان کی لانڈری سے۔ عموماً وہاں سے سوٹ کرائے پر مل جاتے ہیں اب مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ آپ کا ہے۔'' ظفری کسی قدر جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ نوجوان نے کوٹھی سے کافی دور نکل کر کار ایک درخت کے نیچے روک دی تھی۔

''دل چاہتا ہے تمھیں قتل کر دوں۔'' وہ ڈھیلے لہجے میں بولا۔

''احمقانہ چاہت ہے۔ خوبصورت کوٹھی میں رہ کر آپ غلط فہمیوں کا شکار ہو گئے ہیں۔'' ظفری نے حقارت سے کہا۔

''ارے تمھیں نہیں معلوم تم نے کیا کباڑہ کیا ہے۔''

"کباڑہ تو میرا ہو گیا۔"

"کیوں۔ آخر کیوں؟"

"شرافت کا استعمال کیا تھا۔ الٹی گلے پڑ گئی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ فراڈ ہے۔ ایک دفتر شادی کی معرفت مجھے ملی تھی اور اتنے دن سے بے وقوف بنا رہی تھی۔"

"تم نہیں سمجھتے دوست۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔" زاہد بدستور ڈھیلے لہجے میں بولا اور ظفری چونک پڑا۔ ایک لمحے میں اس کے ذہن میں بہت سے دریچے کھل گئے تھے اور پھر اس کا رویہ بدل گیا۔

"جہنم میں جائے وہ مجھے کیا۔"

"مگر اب اس کوٹھی میں اس کی پوزیشن خراب ہو گئی ہے۔"

"بہت اچھا ہوا۔"

"نہیں یار، اچھا نہیں ہوا۔ نہ جانے شکیلہ کن پریشانیوں کا شکار ہے، نہ جانے کیوں اس نے یہ حرکت کی ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟" ظفری بولا۔

"کیا تم بھی اسے چاہنے لگے ہو؟"

"لعنت بھیجتا ہوں اس کی صورت پر۔"

"تو پھر میرے لیے ایک ایثار کرو۔"

"کیا مطلب؟"

"بیگم صاحبہ کی نگاہوں میں اس کی پوزیشن صاف کر دو اور کچھ نہ کرو تو اتنا ہی کرو کہ آئندہ اس کوٹھی کا رخ مت کرنا۔ میں بیگم صاحبہ کو یہی بتاؤں گا کہ تم فراڈ تھے اور میں تمھیں پولیس کے حوالے کر آیا ہوں۔"

"ارے واہ۔ اتنا بڑا نقصان اٹھا چکا ہوں اور اب یہ الزام بھی برداشت کروں۔"

"سنو دوست، بات تو سنو۔ تم اس فراڈ سے بچ گئے۔ اگر اس پر تمھاری کچھ رقم خرچ ہوئی ہے تو میں ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میرے لیے اتنا کرو۔ میں تمھاری منت کرتا ہوں۔ میں اس سوٹ کے بارے میں چھان بین بھی نہیں کروں گا کوئی بات بھی نہیں کروں گا اور۔۔۔"

"ہوں۔" ظفری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "دو ہزار دو سو بتیس روپے خرچ ہوئے ہیں اب تک اس پر۔"

"ایک منٹ۔" نوجوان نے کہا۔ اور جیب سے پرس نکال لیا۔ پھر اس نے سو سو کے پچیس نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیے۔ "یہ ڈھائی ہزار ہیں پورے۔ مجھے یقین ہے تم یہ سودا منظور کر لو گے۔ بس ادھر کا رخ نہ کرنا آئندہ باقی معاملات میں خود سنبھال لوں گا۔ آؤ میں تمھیں تمھاری مطلوبہ جگہ چھوڑ دوں۔" ظفری نے نوٹ جیب میں رکھ لیے تھے۔

سعدی سے اس کی ملاقات مطلق صاحب کے مکان پر ہی ہوئی تھی۔ روزمرہ کے مشاغل سے فرصت پا کر جب رات کو دونوں یکجا ہوئے تو ظفری نے نوٹ نکال کر سعدی کے سامنے رکھ دیے اور سعدی کئی فٹ اچھل پڑا۔

"کامیابی۔" اس نے بھنچی بھنچی آواز میں نعرہ لگایا۔

"فضول باتیں مت کرو۔ پہلی بار تقدیر نے ساتھ دیا ہے ورنہ لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔" ظفری نے کہا۔

"کیا مطلب، کیا مطلب۔" سعدی نے نوٹوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور ظفری نے پوری کہانی اسے سنا دی۔ سعدی ششدر رہ گیا تھا۔ پھر وہ آنکھیں بھینچ کر مسکراتے ہوئے بولا۔ "استادوں کی استاد۔ اپنی ہی نسل کی معلوم ہوتی ہے۔ اُفوہ۔ چرب زبان بھی ہے اور خود کو منوانے کی قوت بھی رکھتی ہے۔ مگر ہم نے بھی کیسا چت کیا۔۔۔ پورے ڈھائی ہزار۔ ظفری ہم

زندگی میں پہلی بار اتنے نوٹ یکجا دیکھ رہے ہیں اور یہ سب ہماری ملکیت ہیں۔ کمال ہے۔"

"وہ آئی تو اب اس سے کیا کہو گے؟"

"ارے وہ آئے تو سہی اب' نمٹ لیں گے اس سے اچھی طرح۔ مگر یار تعجب ہے اس کی ایک ایک ادا کمال کی تھی۔" سعدی نے کہا اور دونوں سوچ میں ڈوب گئے۔

دوسرے دن دونوں دفتر میں انتظار کرتے رہے لیکن وہ نہ آئی۔ لیکن تیسرے دن شام کو جب وہ مطلق صاحب کے مکان میں داخل ہوئے تو دروازہ بیگم صاحبہ نے نہیں کھولا تھا اور دروازہ کھولنے والی کو دیکھ کر ان کے سانس رک گئے تھے۔ یہ زہرہ نیر یا شکیلہ ہی تھی اور اس کے چہرے پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ تھی۔

"کل ٹھیک گیارہ بجے دفتر میں میرا انتظار کرنا۔ اس سے قبل کا ماحول شریفانہ رہے تو بہتر ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا اور پلٹ گئی۔ دونوں دروازے پر کھڑے رہ گئے تھے۔ عقل نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ پھر بیگم صاحبہ ہی نے پکارا تو وہ اندر داخل ہوئے۔ لیکن نیر یا شکیلہ کی یہاں موجودگی ان کے لیے دنیا کا سب سے حیرت انگیز واقعہ تھا۔

بیگم صاحبہ نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "میری نند کی سسرال سیالکوٹ میں تھی پھر میرے نندوئی ولایت چلے گئے ان کی بہن اور بچے میرے نندوئی کی بہن کی بیٹی شکیلہ ہے۔ بچی یہاں آئی ہے تو اب اور کہاں رہے گی۔ میں نے اسے اپنے ساتھ ہی رکھ لیا ہے۔"

ظفری اور سعدی منہ پھاڑ کر رہ گئے تھے۔ مطلق صاحب آج انھیں صرف وارننگ دے کر رہ گئے۔ "میاں کل جمعرات ہے مشاعرہ جمے گا کیا سمجھے' تیار رہنا۔" رات کو جب دونوں کمرے میں سونے کے لیے داخل ہوئے تو بھیجے میں کھچڑی پک رہی تھی۔

"کیا ہوا۔ سعدی۔" ظفری بولا۔

"خطرناک بے حد خطرناک۔ اس نے ہماری گردن پر انگوٹھا رکھ دیا ہے۔" سعدی بولا۔

"اب کیا ہوگا؟"

"سمجھوتہ' صرف سمجھوتہ۔ دیکھو کل گیارہ بجے وہ کیا کہتی ہے۔"

دوسرے دن وہ بڑی بے چینی سے سوجا رام بلڈنگ کے دفتر میں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ٹھیک گیارہ بجے وہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

"سعدی صاحب ایک گلاس پانی۔" اس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اور سعدی جلدی سے پانی لے آیا۔ اس نے لڑکی کو پانی پیش کیا تو وہ مسکرا کر بولی۔ "آدھا آدھا آپ دونوں پی لیجیے۔ مجھے آپ کی حالت کافی خراب معلوم ہوتی ہے۔"

"شکریہ محترمہ۔ آپ غلط فہمی کا شکار معلوم ہوتی ہیں۔" سعدی حلق صاف کر کے بولا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ چلیں کاروباری گفتگو شروع ہو جائے۔ ظفری صاحب' جس طرح آپ میرا تعاقب کر کے مسز نیر کی کوٹھی پر پہنچ گئے اسی طرح میں بھی آپ کا تعاقب کر کے مطلق صاحب کے مکان تک جا پہنچی تھی۔ باقی کام میرے لیے مشکل نہ رہا۔ آپ نے میری ٹیوشن ختم کرا دی ہے۔ میں بھی آپ دونوں کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر چکی ہوں اور اب آپ کا مستقبل میری مٹھی میں ہے۔ کیا خیال ہے؟"

"دل۔۔۔ لیکن آپ کون ہیں آخر؟"

"بس آپ کی طرح ایک لاوارث ہستی۔ سر چھپانے اور پیٹ بھرنے کے ٹھکانے کی متلاشی اور میرے خیال میں میں نے ایک مناسب جگہ تلاش کی ہے۔ بشرطیکہ ہم ایک دوسرے سے تعاون کریں۔"

"اوہ' گویا' گویا آپ؟"

"مجھے بھی دفتر شادی چلانے کا تین سالہ تجربہ ہے۔ بشرطیکہ آپ لوگ مجھے پارٹنر بنا لیں۔ مل جل کر کام کریں گے۔ مجھے آپ کا یہ کاروبار بہت پسند آیا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "ویسے بھی ہم تینوں

ابھی طالب علم ہیں۔" وہ مسکرا کر بولی۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر دونوں ہی ہنس پڑے۔

"خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے تین۔ لائیے ہاتھ ملائیے۔ آج سے ہم دوست بن گئے ہیں لیکن اس چوتھے لاوارث کا کیا ہوگا جو آپ سے عشق کرتا ہے۔" ظفری بولا۔

"کون؟" شکیلہ حیرت سے بولی۔

"نام شاید اس کا زاہد ہے۔"

"اوہ! ایسے بیوقوف اکثر سڑکوں پر نظر آتے ہیں۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ پورے پچپن سال کی عمر میں، میں عشق کا آغاز کروں گی۔ اس سے پہلے کی یہ کوشش ناکام رہے گی۔ آپ حضرات بھی نوٹ کر لیں۔ پچپن سال کی عمر میں، میں اشتہار دوں گی کہ ایک پچپن سال دوشیزہ عشق کے لیے خالی ہے۔ فلاں فلاں پتے پر رابطہ قائم کیا جائے۔" تینوں کا بلند آہنگ قہقہہ گونج اٹھا تھا!

☆......☆......☆

مطلق صاحب کمال کے انسان ثابت ہوئے تھے۔ پہلے ہی کیس میں انھوں نے نمایاں کامیابی حاصل کر کے اپنا سکہ جما لیا تھا اور اس بات کا ثبوت پیش کر دیا تھا کہ وہ اس ادارے کے لیے مفید ترین انسان ہیں۔ مضطرب صاحب کا بھی عہدہ بدل گیا تھا اور ادارے کے منیجر بننے کے بعد انھوں نے ادارے کے مفادات میں جو کام کیے تھے انھیں تحسین کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔ جاسوسی سے متعلق انھوں نے کافی لٹریچر فراہم کیا تھا لیکن صحیح معنوں میں ان کتابوں سے مطلق صاحب فائدہ اٹھا رہے تھے اور بڑے کام کی کتابیں خرید کر لائے تھے۔ اس کے علاوہ اب تک وہ تمام شرائط بھی پوری کر رہے تھے۔ اتنے دن ہو گئے تھے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ میں لیکن دفتر میں بیٹھ کر ایک بھی شعر نہیں کہا گیا تھا۔ حالانکہ مضطرب صاحب نے انھیں کئی بار پھسلایا تھا۔

"ایک جاسوسی شعر ہے۔ عرض کیا ہے۔" ایک دن سعدی وغیرہ کو موجود نہ پا کر مضطرب صاحب نے کہا۔

"اشعار کی قسم کا کوئی جملہ آپ کے منہ سے اُبلا تو اچھا نہ ہوگا۔ یہ پہلی اور آخری بات ہے۔"

"بس اس وقت فراغت تھی۔" مضطرب صاحب جھینپتے ہوئے انداز میں بولے۔

"ان کتابوں کی ایک فہرست تیار کریں۔ تھوڑی سی اسٹیشنری کی ضرورت ہے۔ آپ خود خرید لائیں۔" مطلق صاحب نے کہا اور مضطرب صاحب جز بز ہو کر رہ گئے۔

"آپ جیسے صاحب ذوق سے یہ اُمید نہیں تھی۔ شعر تو سولی پر بھی کہا جا سکتا ہے۔"

"یقیناً لیکن یہاں نہیں کہا جا سکتا۔" مطلق صاحب نے کہا اور ایک کتاب اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگے۔ بہر حال دفتر کے معاملات ٹھیک ٹھاک چل رہے تھے۔ سعدی کسی کام سے شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ باقی اسٹاف آرام کر رہا تھا۔ جادو اور ڈمپل ابھی کسی قابل نہیں ثابت ہوئے تھے۔ ٹیٹو حسب معمول عمدہ جا رہا تھا۔

اس وقت ظفری اور شکیلہ کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے کہ ٹیٹو نے کیس آنے کی اطلاع دی۔

"کہاں ہے؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"ویٹنگ روم میں۔" ٹیٹو نے جواب دیا۔ اور دونوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔ ظفری نے مطلق صاحب کو آواز دے لی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک عجیب الخلقت شخص کمرے میں داخل ہوا قد ساڑھے چار فٹ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ موٹے کپڑے کے ملگجے سوٹ میں ملبوس تھا جس میں جگہ جگہ اس طرح دھبے پڑے ہوئے تھے جیسے وہ موٹر مکینک ہو۔ گلے میں ایک بوسیدہ ٹائی جھول رہی تھی۔ پاؤں میں جوتے تھے لیکن انھیں خریدنے کے بعد شاید کبھی پالش نہیں کی گئی تھی۔ چہرہ بدنما رنگ گہرا سانولا تھا۔ سر اور بھنوں کے بال برف کی طرح سفید' داڑھی مونچھوں سے بے نیاز۔ عام حالات میں وہ ایک مفلوک الحال آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن اس کی انگلیوں میں بیش قیمت انگشتریاں پڑی ہوئی تھیں اور اگر ان میں جڑے ہوئے ہیرے اصلی تھے' تو لاکھوں روپے کی مالیت کے کہے جا سکتے تھے۔

"میرا نام ابراہیم کالنگا ہے۔ یہ میرا کارڈ۔" اس نے ایک نفیس کارڈ نکال کر ظفری

کے سامنے رکھ دیا۔ زبان انگریزی تھی اور بڑی روانی سے بول رہا تھا۔

"فرمائیے ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں؟" ظفری بولا۔

"پہلے اپنی تسلی کے لیے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور۔"

"یہ جاسوسی کا ادارہ ہے، ایسے ضرور تمندوں کے کام آتا ہے جو کسی وجہ سے اپنے معاملات میں پولیس کو استعمال نہیں کر سکتے؟"

"بالکل ٹھیک خیال ہے آپ کا۔" ظفری نے کہا۔

"میں ایک پردیسی ہوں، افریقہ سے آیا ہوں۔ یہاں میری ہیروں کی کانیں تھیں جواب گورنمنٹ کی تحویل میں جا چکی ہیں۔ لیکن مجھے ان کی رائلٹی اتنی ملتی ہے کہ میں آرام سے زندگی بسر کر رہا ہوں۔"

"بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر مسٹر کالنگا۔"

"میرا کام ذرا مختلف ہے۔ اس کے لیے مجھے مختصراً اپنی کہانی سنانی ہوگی۔ کیا آپ لوگوں کے پاس وقت ہے؟"

"بالکل ہم خوشی سے یہ کہانی سنیں گے" شکیلہ نے کہا۔

"ایک تسلی اور چاہتا ہوں۔" بوڑھے کی کانپتی ہوئی آواز اُبھری۔

"جی ہاں۔ جی ہاں فرمائیے!"

"آپ لوگ مختار ہیں کہ میرا کیس ہاتھ میں لیں یا نہ لیں لیکن یقیناً آپ نے مجھ جیسے کلائنٹس کے لیے اس قسم کی کسی یقین دہانی کا طریقہ کار ضرور اختیار کر رکھا ہوگا کہ اگر آپ کسی کیس کو لینے میں متفق نہ ہوں تو کیا اُسے مکمل طور پر صیغہ راز میں رکھا جاتا ہے یا کلائنٹ اس پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے کہ اس کا راز اس کے سینے سے نکل کر اب کسی دوسرے کے کانوں

تک پہنچ چکا ہے۔ دراصل میں اس کے لیے بھی آپ کی مقرر کردہ فیس دینے کو تیار ہوں کہ اگر آپ میرا کیس ہاتھ میں نہ لیں تو کم از کم اُسے راز میں رکھیں۔"

"آپ مطمئن رہیں محترم ہم کسی بھی شخص کی کہانی خواہ وہ کیسی بھی ہو، اپنے سینے میں رکھنے کے پابند ہیں۔ کیس لینے نہ لینے کا فیصلہ آپ کے سامنے ہی کر دیا جائے گا۔ لیکن اس بات کا اطمینان آپ کو پہلے دلایا جاتا ہے کہ کہانی جو کچھ بھی ہوئی' وہ ہم تک محدود رہے گی اور کبھی ہماری زبان سے کسی اور کے کانوں تک نہیں پہنچے گی اور اس کے لیے ہم کوئی فیس نہیں لیتے ہیں۔"

"شکریہ ایک پُر وقار ادارے کی یہی شان ہونی چاہیے۔ بہر طور میں مختصراً آپ کو اپنی کہانی سناتا ہوں۔ میرا تعلق پرتگال سے ہے۔ میرا خاندان پرتگال کے مسلمان خاندانوں میں ایک نمایاں حیثیت کا حامل تھا۔ ہم لوگ پرتگال سے ہجرت کر کے جنوبی افریقہ پہنچ گئے تھے اور وہاں میرے والد برہان کا لگا نے ہیروں کی کان کے سلسلے میں کام شروع کر دیا تھا۔ پرتگال سے ہم کافی دولت سمیٹ کر افریقہ لے گئے تھے۔ اس کے ذریعے ہم نے اپنے کاروبار کو وسعت دی اور یہ کاروبار بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ ہم چھوٹی بڑی پانچ ہیرے کی کانوں کے مالک ہو گئے۔ والد کی موت کے بعد یہ سارا کاروبار میرے ہاتھ آ گیا۔ اور میں خوش اسلوبی سے اُسے چلانے لگا۔ لیکن میری بدنصیبی تھی کہ قدرت نے مجھے بہت ہی بھدی شکل دی۔ آپ میرا یہ بدنما چہرہ دیکھ رہے ہیں' ہمیشہ سے ہی میں ایسا ہی ہوں۔ پہلے جوان تھا' اب بوڑھا ہو چکا ہوں۔ مایوسی اور اس دنیا سے بددلی نے میرے چہرے کو اور بھی بدنما بنا دیا ہے۔ گو کہ افریقہ کی کچھ نوجوان لڑکیاں جو دولت کی خواہشمند تھیں' میرے اردگرد منڈلانے لگیں لیکن میری گہری نگاہ اس بات کا تعین کر چکی تھی کہ وہ میری صورت کو تو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتیں۔ ہاں مجھے اہمیت دی جا رہی ہے وہ میری دولت کے پیش نگاہ ہے۔

میں ان میں سے کسی کو اپنی ذات میں ضم کر کے اپنے لیے مصیبتیں نہیں مول لینا چاہتا تھا۔ انہی دنوں ایک اور شخص جو مقامی تھا' میرا مطلب ہے آپ کے اس ملک کا باشندہ' جس کا نام فاروق محسن تھا' میرے پاس ملازم کی حیثیت سے آیا۔ عمر رسیدہ آدمی تھا' بہر طور میں نے اُسے مسلمان سمجھ کر رکھ لیا۔ وہ شخص دمے کا مریض تھا۔ پتا نہیں کس چکر میں یہاں سے ہجرت کر کے افریقہ پہنچا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی ایک نوجوان بیٹی بھی تھی۔ اس سلسلے میں میرے ذہن میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ لیکن ایک دن فاروق محسن نے مجھ سے ایک درخواست کی۔ اس کی حالت کافی خراب رہنے لگی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ اس دنیا میں تنہا ہے۔ صرف ایک بیٹی ہے جو اس کی ذمہ داری ہے۔ اور اس ذمہ داری کو نبھانے کے لیے اس کے پاس وسائل نہیں ہیں' وہ چاہتا ہے کہ اپنی زندگی میں ہی اپنی بیٹی کے لیے کوئی مناسب بندوبست کر جائے۔ چنانچہ اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس کی بیٹی کے لیے کوئی بہتر رشتہ تلاش کروں اور اس سلسلے میں اس کی مدد کروں۔ میں نے اس سے مخلصانہ وعدہ کر لیا تھا لیکن ابھی میں اس وعدے کو ایفاء کرنے کے لیے کچھ بھی نہ کر سکا تھا کہ ایک رات اس کی حالت بگڑ گئی۔ مجھے اس کی بیٹی کا خون ملا۔ اور میں اس کے چھوٹے سے گھر میں پہنچ گیا۔ فاروق محسن دم توڑ رہا تھا اس نے اپنی لڑکی کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا کہ میں جس طرح چاہوں' اس کے لیے بہتر زندگی کا تعین کر لوں۔

اور میں نے فاروق محسن کے سامنے ہی یہ پیشکش کر دی کہ اگر وہ اجازت دے تو میں اس لڑکی کو اپنے نکاح میں لے لوں۔ اس نے خوشی سے اجازت دے دی تھی۔ لڑکی اچھی شکل و صورت کی مالک تھی۔ میں نے یہ بھی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ عام لڑکیوں کی طرح میری دولت پر نگاہ نہیں رکھتی۔ معصوم سی لڑکی بھلا ان معاملات کو کیا جانتی۔ اس نے مرتے ہوئے باپ کے سامنے اقرار کر لیا کہ وہ میری بیوی کی حیثیت سے زندگی گزار دے گی۔ اور فاروق محسن کا انتقال

ہوگیا۔

میں نے اس سے کیے ہوئے وعدے کے مطابق لڑکی کو اپنے نکاح میں لے لیا تھا۔ لیکن میری بدقسمتی یہاں بھی میرے کام آئی۔ عام لڑکیوں کی طرح اس نے بھی مجھے پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ ایک بیوی کی حیثیت سے اپنے فرائض ضرور نبھاتی لیکن میں جب بھی اس کے سامنے آتا اس کے چہرے پر کرب کی لکیریں بکھر جاتیں۔ وہ میری بدصورتی سے بہت متاثر تھی۔ میں نے دنیا کی تمام نعمتیں اس کے سامنے ڈھیر کر دیں۔ اسے اتنے عیش کرائے کہ اس نے کبھی خواب میں بھی نہ تصور کیا ہوگا، لیکن میں اس کی محبت نہ حاصل کر سکا۔ ساری زندگی میں ایک بار بھی اس نے نگاہ اٹھا کر مجھے نہ دیکھا تھا۔ وہ میرے چہرے سے خوفزدہ تھی۔ جب میں اس کے قریب ہوتا تو وہ مجھے ایک زندہ لاش کی طرح نظر آتی اور میرے جذبات واحساسات بری طرح سلگنے لگتے لیکن میں نے اس کے باوجود اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

یہاں تک کہ وہ ایک بچے کی ماں بن گئی لیکن ماں بننے کے بعد بھی اس کے رویے میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ میں نے ساری صورت حال برداشت کی تھی لیکن جب میں نے یہ محسوس کیا کہ میرے بچے کو بھی مجھ سے نفرت کی تربیت دی جا رہی ہے تو مجھے بے حد دکھ ہوا۔ اور میں غموں کا شکار رہنے لگا۔ میں نے ایک آدھ بار دبی زبان میں اس سے شکایت بھی کی تھی کہ بچہ معصوم ذہن کا مالک ہے اُسے میرے حسن وجمال سے کوئی دل چسپی نہیں ہوگی۔ مجھے اس کا باپ رہنے دیا جائے، لیکن میری بیوی نے میری باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی۔ یہاں تک کہ جب میرا بیٹا بڑا ہوگیا تو اس نے کھلم کھلا اپنی نفرت کا اظہار شروع کر دیا۔ اس نے بارہا مجھے طعنہ دیا کہ میں نے اس کی ماں پر تسلط جمایا، اس کے باپ کی غریبی سے فائدہ اٹھایا۔ بیوی ہی کی طرح میں بیٹے کی بھی بے التفاتی کا شکار ہوگیا۔ تم خود بتاؤ دوستو کہ مجھ جیسے آدمی کے ساتھ کیا یہ

سلوک جائز تھا۔ میں نے ساری زندگی کرب میں گزاری ہے۔ میری صحت خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی۔ میں اس غم واندوہ کا شکار تھا کہ ہماری کانیں سرکاری تحویل میں چلی گئیں۔

گو ہمیں کوئی بہت بڑا نقصان نہیں ہوا تھا۔ ہمیں ان کی رائلٹی ملتی تھی لیکن بہر صورت دولت کی وہ ریل پیل نہیں رہی تھی جو پہلے کبھی تھی لیکن اس کے باوجود میں نے اتنا سرمایہ جمع کر لیا تھا کہ میرا بیٹا پشتوں تک عیش کر سکتا تھا۔ اسی دوران میری بیوی بیمار ہوگئی اور اس کی بیماری شدید ہوتی چلی گئی۔ میں اس کا علاج کرانے کے لیے اسے یورپ لے گیا۔ بیٹا بھی میرے ساتھ تھا لیکن یورپ کے ایک اسپتال میں میری بیوی نے دم توڑ دیا۔ اور اس کے بعد میرا بیٹا میرے ساتھ واپس افریقہ نہیں گیا۔ اس نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اسے میری دولت سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ عام حالات میں وہ ایک انتہائی ہنس مکھ خوش اخلاق بلکہ جس محفل میں بیٹھتا اُسے زعفران زار بنانے کی صلاحیت رکھتا تھا لیکن میرے سامنے اس نے کبھی مسکرانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہ فطرتاً بہت لاابالی تھا۔ درحقیقت یہ درست تھا کہ اسے دولت وغیرہ سے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ درویش منش تھا۔ بس آزادانہ طور پر زندگی گزارنے کا خواہاں۔

لیکن اس نے مجھ مظلوم باپ کو چھوڑ دیا میری بے پناہ دولت لاوارث رہ گئی۔ میرے لیے اس کے سوا اور کوئی ایسا نہ تھا جسے میں اپنا کہہ سکتا تم یقین کرو میں نے اپنی زندگی کے بیشتر لمحات اس کی تلاش میں گزارے۔ کہاں کہاں کوشش نہیں کی میں نے کہ وہ مجھے مل جائے لیکن مجھے اس کا کوئی پتا نہ چلا اور اس کیفیت نے مجھے نڈھال کر دیا۔ مجھے اس دنیا سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ میرے ہرکارے جو دنیا کے تقریباً بے شمار ممالک میں پھیلے ہوئے تھے میرے بچے کو تلاش کر رہے تھے لیکن اس کا مجھے کوئی پتا نہ چل سکا۔ ابھی کچھ عرصے کی بات ہے کہ ایک معتبر شخص سے جو میرا اپنا خاص آدمی تھا اور میرے پاس پہنچا تھا، مجھے پتا چلا ہے کہ وہ

یہاں اس ملک میں موجود ہے اور انتہائی عجیب و غریب زندگی گزار رہا ہے۔ ایسی زندگی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں بے قرار ہو کر چل پڑا اور یہاں آ گیا میں نے کسی کو یہاں اپنی آمد کی کوئی اطلاع نہیں کی۔ اس خوف سے کہ کہیں میرے بیٹے کو پتا چل گیا تو وہ یہاں سے فرار ہو جائے گا۔ میں نے اس شخص کے دیے ہوئے پتے کے مطابق معلومات حاصل کیں اور یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ وہ واقعی یہاں موجود ہے اور ایسی زندگی گزار رہا ہے جو میرے لیے بڑی تکلیف دہ ہے۔

لیکن میں یہ بھی جانتا تھا کہ اگر میں اس تک پہنچ جاؤں تو وہ ایک بار پھر یہاں سے فرار ہو جائے گا اور اس کے بعد ممکن ہے۔ وہ ساری زندگی میرے ہاتھ نہ لگے۔

بوڑھے کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے۔ شکیلہ، ظفری اور مطلق صاحب ہمدردانہ نگاہوں سے اُسے دیکھ رہے تھے چند لمحات کے بعد بوڑھے کی بھرائی ہوئی آواز دوبارہ ابھری۔

''اس کے لیے ضرورت ہے کچھ ایسے لوگوں کی جو اسے میرے سامنے بٹھا کر اچھی طرح سمجھائیں میں اور کچھ نہیں چاہتا۔ بس اتنا چاہتا ہوں کہ اپنا فرض پورا کر دوں۔ اپنی دولت اس کے نام کر دوں۔ اور اس کے بعد کسی پُرسکون گوشے میں بیٹھ کر زندگی گزار دوں یہ تو تقدیر کے کھیل ہیں۔ کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو پیدائش سے لے کر موت کے وقت تک محبتوں سے محروم رہتا ہے۔ میں ان انسانوں میں سے ایک ہوں۔'' وہ بہت متاثر نگاہوں سے بوڑھے کو دیکھتے رہے پھر ظفری نے کہا۔

''محترم آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟''

''میں چاہتا ہوں میرے دوستو کہ تم لوگ اپنی ذہنی صلاحیتوں سے کام لے کر کسی طرح اُسے یہاں لے آؤ۔ اسے میرے پاس میرے سامنے لاؤ اور اس کے تاثرات کا جائزہ

لو۔ اگر وہ اب بھی مجھ سے نفرت کا اظہار کرے تو اُسے مجبور کرو کہ وہ کم از کم میری محبت اس شکل میں تو قبول کر لے۔ میں اس سے اور کچھ تو نہیں چاہتا۔''

''ہوں۔ بہتر ہے یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس کے لیے ہمیں کوئی الجھن ہو۔ ہم آپ کے اس کام کو کرنے کے لیے تیار ہیں۔''

''لیکن سنو، اسے یہاں لانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ وہ بے حد چالاک بھی ہے۔ اسے کسی ایسی ترکیب سے یہاں لانا ہو گا کہ وہ یہاں آنے سے انکار نہ کر سکے۔ میں اس کے پاس چلا جاتا لیکن بے سود جس جگہ وہ رہتا ہے وہاں ایسے انتظامات نہیں ہیں کہ میں اپنی دولت کی منتقلی کے لیے کام کر سکوں۔ اس کے لیے اسے یہاں لانا ہی مناسب ہو گا اور پھر یہ تم لوگوں کی صلاحیتیں ہیں کہ تم اسے اس کے لیے مجبور کر دو کہ وہ میری دولت قبول کر لے۔''

''ویسے یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ وہ آپ کی محبت کے ساتھ ساتھ آپ کی دولت بھی قبول نہیں کرنا چاہتا۔''

''ہاں، بے حد حیرت انگیز ہے لیکن اس سلسلے میں اس کی مرحومہ ماں نے بہت بڑا کردار ادا کیا ہے۔ اس نے اس کے دل میں میرے لیے نفرتوں کے ایسے بیج بوئے ہیں کہ اب وہ جڑ پکڑ چکے ہیں۔''

''ٹھیک ہے، ہم کوشش کریں گے کہ آپ کی اس مشکل کا حل دریافت کیا جائے لیکن ہماری ذمہ داریاں کہاں تک ہوں گی؟''

''نمبر ایک اُسے یہاں تک لانا اور نمبر دو اُسے یہ دولت قبول کرنے کے لیے مجبور کرنا۔ لیکن دوسرا مرحلہ اس وقت شروع ہو گا، جب وہ میرے سامنے آ جائے گا۔ ممکن ہے کہ خود اس کے اپنے انداز میں میرے لیے کوئی تبدیلی رونما ہو گئی ہو اور کٹھن حالات نے اِسے اُس کے لیے تیار کر دیا ہو کہ وہ دولت کی خواہش محسوس کرے یہ دوسری بات ہے کہ اَنا پسند انسان

ہے اور اس نے دوبارہ میرے پاس آنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ میں تمھیں تمھاری وہ فیس ادا کرنے کے لیے تیار ہوں جو تم مقرر کرو گے۔ دوسرے مرحلے میں اگر تمھیں کامیابی نصیب ہوئی تو میں تمھاری وہی فیس پھر سے ادا کرنے کا پابند ہوں گا۔ گویا میرا یہ کام تم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہو اس کے علاوہ میں تمہارا جس قدر شکرگزار ہوں گا وہ الگ چیز ہے تم خود سوچو دوستو، میں کتنا دکھی انسان ہوں۔''

''آپ نے ٹھیک کہا مسٹر کالنگا۔ واقعی دُکھ کی بات ہے۔ ہم اپنے طور پر آپ سے ہمدردی بھی رکھتے ہیں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے آپ لوگ میرے لیے کام کریں مجھے بتایئے مجھے آپ کو کیا فیس ادا کرنی ہوگی۔''

''عموماً ہم اپنے کاموں کے سلسلے میں پچیس ہزار روپے لیتے ہیں اس کے علاوہ، وہ اخراجات الگ ہیں جو ہمیں کرنے ہوتے ہیں۔''

''میں اس سلسلے میں آپ کو پچاس ہزار روپے کی پیشکش کرتا ہوں اور یہ صرف پہلے مرحلے کے لیے ہے۔ باقی دوسرے کام کے لیے میں آپ کو الگ رقم ادا کروں گا۔'' بوڑھے نے جیب میں ہاتھ ڈال کر سو سو کے نوٹوں کی گڈیاں نکالنا شروع کر دیں اور پھر اس نے پانچ گڈیاں ظفری کے سامنے رکھ دیں۔ ظفری نے گہرا سانس لے کر شکیلہ کی جانب دیکھا تھا اور شکیلہ نے غیر محسوس انداز میں گردن ہلا دی۔ انھوں نے اس کیس کو قبول کر لیا تھا۔

گڈیاں اپنی تحویل میں کر لینے کے بعد ظفری نے شکیلہ سے فارم پُر کرانے کے لیے کہا۔ اور شکیلہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ مطلق صاحب خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے سوال کیا۔

''مسٹر کالنگا یہاں آپ کا قیام کہاں ہے؟''

''دراصل ہوٹلوں کی زندگی مجھے سخت ناپسند ہے۔ میں نے یہاں ایک پراپرٹی ڈیلر کی معرفت ایک چھوٹا سا بنگلہ خرید لیا ہے۔ جب تک یہاں مقیم ہوں اسے اپنے پاس رکھوں گا۔ اگر میرے بیٹے نے میری بات مان لی تو یہ بنگلہ اس کے نام کر دوں گا۔ اور اگر میں بدنصیب اس میں ناکام رہا تو اسے فروخت کر کے واپس افریقہ چلا جاؤں گا۔''

''اس بنگلے میں آپ تنہا ہیں؟''

''ہاں۔ ابھی چند ہی روز قبل تو میں یہاں آیا ہوں۔ بہت سی الجھنوں کا شکار ہوں اگر آپ کر سکتے ہیں تو میرا ایک کام اور کر دیں۔'' ابراہیم کالنگا نے کہا۔

''جی فرمایئے۔'' مطلق صاحب بولے۔

''کوئی ایسا شخص جو میری دیکھ بھال کر سکے، مجھے کھانا وغیرہ کھلا سکے۔ اگر مہیا ہو جائے تو میں آپ کا خصوصی طور پر شکرگزار ہوں گا۔ اور جو کہیں گے، میں اس قیام کے دوران اُسے دے دوں گا۔ روپے پیسے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بس آدمی ذرا ذمہ دار اور سمجھدار ہو۔''

''بہتر ہے۔ آپ ہمیں اپنا ایڈریس دے دیجیے۔ ہم آدمی بھیجیں گے، وہ یقیناً آپ کے معیار پر پورا اترے گا۔'' مطلق صاحب نے کہا۔

ظفری نے ان باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ ظاہر ہے مطلق صاحب اس سلسلے میں کوئی اہم سوال نہیں کر رہے تھے۔ فارم پُر ہوا اور ابراہیم کالنگا نے اپنا پتا نوٹ کرا دیا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے بیٹے کا نام اور پتا بھی انھیں تفصیل سے سمجھایا تھا۔ اس کے بعد اس نے اجازت لی اور یہ لوگ اسے نیچے تک چھوڑنے آئے۔ ابراہیم کالنگا ایک کرائے کی کار میں تھا۔ جو یقیناً اس نے اپنے قیام کے لیے حاصل کر لی ہوگی۔ جب کار نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو یہ لوگ واپس آ گئے اور اس سلسلے میں مجلس شروع ہوگئی۔

مطلق صاحب، مضطرب صاحب، سعدی، ظفری اور شکیلہ ایک دوسرے کی شکلیں

دیکھ رہے تھے۔ پھر ظفری نے شکیلہ سے پوچھا۔

"کیا خیال ہے شکیلہ اس کیس کا انچارج کون بنے گا؟"

"میرے خیال میں تم مناسب رہو گے ظفری۔"

"نہیں شکیلہ، میں ذرا سا اختلاف رکھتا ہوں تم سے۔"

"جی جی فرمایئے۔" شکیلہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"میرے خیال میں اس کیس کو تم ڈیل کرو۔"

"میں؟"

"ہاں۔ دراصل عورت پُرکشش ہوتی ہے۔ میں اگر اسے بہلانے پھسلانے کی کوشش کروں گا تو شاید وہ میری نہ مانے، لیکن تم اس کام کو بخوبی انجام دے سکتی ہو۔ تمھیں اپنی بہترین صلاحیتوں سے کام لینا ہوگا۔ کیوں مطلق صاحب آپ اس سلسلے میں کیا رائے دیتے ہیں؟"

"ہاں۔ ہاں ٹھیک ہے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اُسے اس سلسلے میں یہاں لانے پر راضی کس طرح کیا جائے گا؟"

"یقیناً ہمیں اس سلسلے میں کوئی بہتر لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا۔" ظفری بولا۔

"اس کے علاوہ بچو' میں تمھاری کارکردگی سے ایک بنیادی اختلاف رکھتا ہوں۔" مطلق صاحب بولے۔ اور سب چونک کر ان کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر ظفری نے نرم لہجے میں کہا۔

"فرمایئے مطلق صاحب۔" "وہ اختلاف کیا ہے؟"

"دیکھو بھئی ہمارا ادارہ جو کچھ کر رہا ہے وہ ایک لحاظ سے خاصا خطرناک ہے ہم لوگ بلاشبہ مخلص ہیں اور ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتے۔ جو دیانت داری کے خلاف ہو اور جس سے

قانون پر کوئی ضرب پڑتی ہو۔ اب تک کے فائل جو میں نے دیکھے ہیں ان میں یہ محسوس کیا ہے کہ تم لوگ خاص طور سے ایسے کیس ہاتھ میں لیتے ہو جو قانون کی زد میں نہ آتے ہوں۔ یعنی قانون ان سے مجروح نہ ہوتا ہو لیکن اس میں ایک ذرا سی گڑبڑ ہے جو شخص تمہارے پاس پہنچ جائے، وہ تمہارے لیے قابل احترام ہوتا ہے اور شاید قابل اعتماد بھی۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اس کی کہانی میں جھوٹ بھی ہو سکتا ہے۔"

"آپ کا فرمانا بجا ہے مطلق صاحب، لیکن ہم یہ سوچتے ہیں ضرور سوچتے ہیں اور بال کی کھال نکال لیتے ہیں۔ دیکھیے نا بہت سے ہمارے کیس ایسے ہیں جن میں لوگوں نے ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش کی۔ ہمارے ذریعے اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچانا چاہا۔ ہم نے وہ کیا جو اصلیت تھی۔ چنانچہ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم صرف ان کی سنتے ہیں جو ہمیں اپنے کام کے لیے معاوضہ دیتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے لیکن اس شخص کے لیے میں نے تمہارے انداز میں کوئی تردد نہیں پایا۔"

"کیا مطلب؟" ظفری نے چونک کر پوچھا۔

"تم نے کیسے یقین کر لیا کہ اس شخص نے جو کچھ کہا ہے، وہ حرف بہ حرف درست ہے۔"

"ہوں۔ سوال عمدہ ہے مطلق صاحب' لیکن مسئلہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے اس میں کوئی ایسا پہلو نہیں نکلتا جو قابل اعتراض ہو؟"

"تم نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ جو کچھ اس نے کہا ہے وہی وہ کرنا چاہتا ہے۔" مطلق صاحب نے پھر سوال کیا۔ اور شکیلہ تحسین آمیز نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگی۔

''آپ کا فرمانا بجا ہے مطلق صاحب میں سمجھ رہی ہوں، لیکن ایک بوڑھا اور مجہول سا انسان ایسی کارروائی کیسے کرسکتا ہے جو قانون کی زد میں آتی ہو۔ تاہم اس سلسلے میں کوئی نہ کوئی عمل کرنا ہوگا تاکہ ہم بوڑھے کے سچ اور جھوٹ کو پرکھ سکیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہم کریں گے وہ اتنا معمولی اور پھسپھسا نہیں ہوگا کہ سب کچھ بوڑھے کی مرضی کے مطابق ہی ہوجائے۔ اگر وہ شخص صحیح ہے تو پھر ہم اس کا کام اس کی مرضی کے مطابق ہی انجام دیں گے اور اگر وہ کسی طور پر غلط ثابت ہوا تو یہ بعد میں دیکھا جائے گا۔''

''سمجھو! میں ذرا مختلف آدمی ہوں۔ ظاہر ہے ان سب چیزوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں رہا ہے۔ دو اور دو چار کر کے میں نے زندگی گزار دی لیکن اب جب تم اس لائن پر لے ہی آئے ہو تو میں یہ کوشش کر رہا ہوں کہ خود کو تمہارے لیے کارآمد بنا سکوں۔ اس سلسلے میں مجھے کتابوں سے مدد حاصل ہو رہی ہے۔ میرا تجربہ بھی اس میں شامل ہے۔ چنانچہ میں نے مخلصانہ آغاز کر دیا ہے۔ تم نے سنا ہوگا کہ میں نے بوڑھے سے اس کے مکان اور اس کی رہائش کے بارے میں پوچھا تھا۔ مقصد وہی تھا جو میں نے اس کی زبان سے ادا کرا لیا۔ یعنی کہ وہ تنہا ہے اور اسے کسی شخص کی ضرورت ہے۔ وہ شخص جو اس کی خدمت گار کی حیثیت سے اس کے پاس پہنچے گا، آدمی ہوگا اور اس دوران جب ہم اس کے بیٹے کو حاصل کرنے کی جدوجہد کر رہے ہوں گے وہ بوڑھے آدمی پر پوری پوری نگاہ رکھے گا۔ اور میں اس کے لیے اپنے للوا کو بھجوانے کا فیصلہ کر چکا ہوں۔''

''یعنی ٹیٹو؟''

''ہاں۔ ٹیٹو کو میں اس سلسلے میں سب سے بہتر پاتا ہوں۔ یہ ڈھل اور جادو وغیرہ جو ہیں یہ تو بس اناڑی کے لٹھ ہیں۔ چل گئے تو چل گئے ورنہ اپنا ہی سر توڑ دیں گے لیکن ٹیٹو کے اندر میں نے ذہانت پائی ہے۔ میں ذرا اس سے یہ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ اسے کھانا وغیرہ بھی پکانا آتا ہے یا نہیں۔'' مطلق صاحب نے کہا۔ ظفری اور شکیلہ نے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ چند ہی لمحات کے بعد ٹیٹو کو طلب کر لیا گیا۔

''سنا ہے میاں ٹیٹو تمھیں ہندوستانی اور انگریزی کھانے پکانا آتے ہیں؟''

''ایسے ویسے۔ کبھی پکوا کر دیکھ لیجیے گا انگلیاں نہ کاٹ لیں تو ٹیٹو نام نہیں۔''

''واقعی تم ایک باصلاحیت نوجوان ہو۔ لیکن اس وقت تمہارے اس فن کی ادارے کو ضرورت ہے۔''

''کیا کوئی دعوت وغیرہ یا کوئی پالٹی والٹی ہو رہی ہے؟'' ٹیٹو نے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''نہیں پالٹی نہیں ہو رہی بلکہ تمھیں جاسوسی کرنی ہے۔''

''ونڈرفل، ونڈرفل۔ ٹیٹو تیار ہے۔'' ٹیٹو نے سینے پر گھونسا مار کر کہا۔

''اور اس جاسوسی میں کھانے پکانے کا خاص طور پر ذکر آتا ہے۔''

''ایں'' ٹیٹو متحیرانہ انداز میں بولا اور مطلق صاحب اُسے صورتِ حال سمجھانے لگے۔ انھوں نے بتایا کہ ابھی جو بوڑھا آیا تھا اُسے ایک ملازم کی ضرورت ہے جو اس کی دیکھ بھال کر سکے۔ اس کے مکان کی صفائی کر سکے اور اسے کھانا پکا کر کھلا سکے اور جو کچھ بھی کام ہوں وہ کر سکے اور اس کے لیے ہم نے تمہیں منتخب کیا ہے۔

''کک۔ کیوں؟ کیا یہاں سے مجھے نوکری سے نکالا جا رہا ہے؟'' ٹیٹو نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ارے نہیں یار کہا ہے نا تم سے کہ یہ جاسوسی کا معاملہ ہے۔ تم اس کے ملازم کی حیثیت سے اس کے ساتھ کام کرو گے لیکن دراصل تمہارا کام یہ ہوگا کہ اس کی پوری طرح چھان بین کرو۔ یہ معلوم کرو کہ اس کی اپنی کیفیت کیا ہے اس کے مشاغل کیا ہیں، کس کس سے

ملتا ہے کیا کیا سوچتا ہے اس کے اپنے سامان میں کون سی ایسی چیزیں ہیں جو ہمارے لیے کارآمد ثابت ہوسکتی ہیں یہ سارے کام تمھیں کرنے ہیں اس کے لیے تمھیں باقاعدہ جاسوسی کے آلات مہیا کیے جائیں گے۔ یعنی ایک چھوٹا سا کیمرہ جس سے تم اس کے سامان کی تصاویر لو گے اور ہمیں فراہم کردو گے یا پھر ان لوگوں کی تصویریں جو اس کے ملاقاتی ہوں گے۔ تمھیں نہایت باریک بینی سے اس کے ایک ایک اقدام پر نگاہ رکھنی ہے بولو تم یہ کام کرنے کے لیے تیار ہو۔" ٹیٹو کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔ اس نے دونوں آنکھیں بند کرکے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"ایسی ویسی خوشی سے۔ آپ دیکھیں میں کس چالاکی سے بالوں کی کھال اتار لیتا ہوں۔" اور مطلق صاحب اس کے شانے کو تھپکنے لگے۔

"مجھے اُمید ہے اور میں نے ہی تمھارا انتخاب کیا ہے۔ کیونکہ میں تمھارے اندر وہ صلاحیتیں دیکھ رہا ہوں جو کسی جاسوس اعظم میں ہوتی ہیں۔" مطلق صاحب کے ان الفاظ پر ٹیٹو پھول کر کپا ہوگیا۔ بہرصورت مطلق صاحب نے یہ طے کرلیا تھا کہ ٹیٹو کو ملازم کی حیثیت سے بوڑھے ابراہیم کا نگا پر مسلط کردیا جائے گا۔ کیس شکیلہ کے سپرد ہوچکا تھا اور شکیلہ اس سلسلے میں اپنی کارروائیاں کررہی تھی۔

دوسرا مسئلہ اس بات کا تھا کہ کیسے اس نوجوان کو یہاں تک لایا جائے اور اس پر بحث ہونے لگی۔

تمام معاملات طے کرنے کے بعد شکیلہ فرید پور چل پڑی۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ فرید پور تک کا سفر بذریعہ کار ہی طے کرے، یوں بھی یہ چھوٹا سا شہر دارالحکومت سے صرف ایک سو ساٹھ میل تھا لیکن چونکہ چھوٹی لائن پر تھا اس لیے ٹرین کا سفر بہت تکلیف دہ تھا۔ چنانچہ شکیلہ نے اپنی کار سے ہی سفر کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ شہر سے تقریباً پچاس میل دور نکلی تھی کہ دفعتاً بادل گھر آئے اور وہ سہم گئی۔ بارش اُسے بری نہیں لگتی تھی لیکن محفوظ جگہوں سے اپنے وطن کی سڑکوں

پر اُسے اعتماد نہیں تھا۔ بہت سے حادثے اپنی آنکھوں سے دیکھ چلی تھی۔ ان بادلوں کی یہ سیاہی اسے پریشان کررہی تھی۔

سڑک صاف شفاف تھی اور اس سے فائدہ اٹھا کر شکیلہ نے رفتار تیز کردی تھی لیکن ابھی تو سفر کا بہت بڑا حصّہ باقی تھا۔ پھر پانی کی پہلی بوند ونڈ اسکرین سے ٹکرائی تو اس کے منہ سے بھرّائی ہوئی آواز نکل گئی۔

"آ گئی۔" ایکسیلیٹر پر اس کے پاؤں کا دباؤ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔ لیکن تھوڑی دور چل کر اسے احساس ہوگیا کہ اس بدحواسی سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ یہاں دور دور تک کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں بارش سے بچاؤ ہوسکتا۔ چنانچہ جو ہونا ہے ہوجائے گا۔

پہلی بوند نے بارش کی آمد کی خبر دی تھی اور اس کے بعد لگا تار۔ بوندیں آنے لگیں۔ شکیلہ نے صبر کرلیا تھا' بارش ہر چند کہ ابھی اتنی تیز نہیں ہوئی تھی کہ سڑک نگاہوں سے اوجھل ہوجائے' لیکن جس انداز میں شروع ہوئی تھی اس سے شکیلہ کو خطرہ تھا کہ وہ تیز سے تیز ہوتی چلی جائے گی۔ اگر کوئی پناہ گاہ ہوتی جہاں تھوڑی دیر کے لیے رکا جاسکتا اور بارش بند ہونے کا انتظار کیا جاسکتا تو خوش بختی کی بات تھی۔ ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ دفعتاً چونک پڑی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کی یہ دعا براہ راست آسمان تک جا پہنچی ہو۔

اسے ایک پہاڑی ٹیلہ نظر آیا تھا' جو سڑک سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا اور اس کے اوپری حصے پر ایک چٹان اس طرح کھڑی ہوئی تھی' جیسے کوئی چھتری ہوتی ہے۔ سڑک سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ دشوار گزار نہیں تھا' چنانچہ شکیلہ نے پھرتی سے گاڑی سڑک سے اتار دی اور چٹان کے نیچے ہی پہنچ کر دم لیا۔ بڑی کارآمد تھی یہ چٹان۔

کار اس کے نیچے بارش سے مکمل طور پر محفوظ ہوگئی تھی۔ اس کے بعد بارش تیز ہوتی چلی گئی اور جس طرح تیز ہوئی اسے دیکھ کر شکیلہ نے گہری گہری سانسیں لی تھیں۔ اگر وہ اس

وقت سڑک پر ہوتی تو نہ جانے کیا حال ہوتا۔ چاروں طرف سرمئی دھواں پھیل گیا تھا۔ تھوڑے فاصلے کی چیز بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

کسی قسم کے خوف کا احساس اس کے ذہن کے کسی بھی گوشے میں نہیں تھا۔ بس دیر ہو جانے کا خطرہ تھا۔ یہ احساس تھا کہ شام ہو رہی ہے۔ نہ جانے بارش کتنی دیر تک جاری رہے اس کے علاوہ فرید پور پہنچ کر مطلوبہ شخص کی تلاش بھی ذرا مشکل کام تھا۔

شکیلہ کو اپنی حماقت کا احساس خصوصی طور پر ہوا۔ ایک سو اسی میل کا سفر طے کرنے کے لیے اگر وہ چند گھنٹے پہلے نکل پڑتی تو کیا ہرج تھا۔ وقت کا صحیح تعین نہیں کیا تھا اس نے اپنے اوپر اتنا اعتماد نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر اس وقت چل پڑی ہوتی تو یقیناً بارش سے پہلے پہنچ جاتی۔ لیکن جو ہونا تھا ہو گیا تھا۔ اب حماقت ہو گئی تو اس کو برداشت تو کرنا ہی تھا۔

بارش تھوڑی دیر تک تو تیز رفتاری سے جاری رہی۔ اس کے بعد ہلکی ہو گئی، لیکن اگر ایسی ہی بارش ساری رات جاری رہی، تو وہ رات یہاں تو نہیں گزار سکتی تھی۔ بالآخر اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور گڑھوں کی پروا کیے بغیر تیزی سے اسے سڑک پر لے آئی۔ پھر اس نے ایکسیلیٹر پر دباؤ ڈال دیا۔ حالانکہ گیلی سڑکوں پر اس رفتار سے کار دوڑانا ایک خطرناک اقدام تھا۔ لیکن بس چڑ ہو گئی تھی شکیلہ کو وہ اپنے آپ کو حماقت کی سزا دینا چاہتی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے جو احساسات تھے، وہ اس کے ذہن سے نکل گئے تھے۔ جو ہونا ہے ہو جائے گا اگر تھوڑی دیر پہلے نکل آتی تو کون سی مصیبت آ جاتی نہیں نکلی تو ابھی اس مصیبت کو بھگتنا ہی ہو گا۔

رفتار بتانے والی سوئی آگے سے آگے بڑھتی جا رہی تھی یہی شکر تھا کہ سڑک پر ایسے ڈھلان تھے جن سے پانی بہ جاتا تھا اور کوئی بھی گڑھا ایسا نظر نہیں آیا جس میں پانی بھرا ہوتا۔ ورنہ پھر کار کو سنبھالنا مشکل تھا۔ ممکن تھا پانی کی چند بوندیں کاربوریٹر تک پہنچ جاتیں اور اس کے بعد تو لطف ہی آ جاتا۔

لیکن ایسا کچھ نہ ہوا۔ وہ کار دوڑاتی رہی اور جب اسے شہر کی بھیگی بھیگی روشنیاں دور سے نظر آئیں تو وہ دنگ رہ گئی۔ اسے احساس بھی نہ ہوا کہ یہ فاصلہ کس طرح طے ہو گیا، بس ہو ہی گیا تھا۔ بہرطور وہ شہر میں داخل ہو ہی گئی۔ کار کی رفتار سست ہو گئی تھی۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ شہر کی یہ روشنیاں کوئی دھوکہ نہیں حقیقت ہیں، تو اس نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ رات ہو چکی تھی، سڑکیں یہاں بھی گیلی تھیں، لیکن اتنی زیادہ نہیں جتنی کہ وہ پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ یہاں بھی بارش ہوئی تھی لیکن پچھلے علاقے کی نسبت کم۔

بہرطور اب اسے فرید پور میں محمود سانگا کا پتا معلوم کرنا تھا۔ یہی نام بتایا گیا تھا اسے پورے پتے سے بھی آگاہ کیا گیا تھا۔

فرید پور کے گھنٹہ گھر روڈ پہنچنے کے بعد اسے چھاگلی تلاش کرنی تھی۔ چھاگلی کسی علاقے کا نام تھا جس کے آخری کونے پر پہنچ کر اُسے بائیں ہاتھ مڑنا تھا اور بائیں ہاتھ کا تیسرا مکان محمود سانگا کا تھا۔

وہ اس سے پہلے بھی فرید پور آ چکی تھی۔ لیکن یہاں کے چھوٹے چھوٹے علاقوں سے اُسے کوئی واقفیت نہیں تھی۔ بہرطور جس قدر اُسے بتایا گیا تھا اس کے مطابق وہ ابھی تک صحیح جگہ پر پہنچی تھی۔ لیکن اس نے چھاگلی پہنچ کر سوچا کہ کسی شخص سے یہاں کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔ اور چند ہی لمحات کے بعد اُسے ایک شخص نظر آ گیا۔

شریف صورت تھا۔ قریب سے گزرا تو شکیلہ نے اُسے آواز دی۔

''اے مسٹر ذرا سنو۔'' اور وہ چونک کر رک گیا لیکن وہ شکیلہ کے قریب نہیں آیا تھا بلکہ وہیں اپنی جگہ کھڑے ہو کر اُسے گھورنے لگا۔

''سنو تو سہی۔ ذرا ادھر آؤ۔'' شکیلہ نے پُر اخلاق انداز میں مسکرا کر کہا۔ لیکن اس شخص کا پارہ چڑھ گیا۔

''لاحول ولا قوۃ۔شرم نہیں آتی۔سر عام،توبہ توبہ۔'' اس نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔شکیلہ سناٹے میں رہ گئی تھی۔

کیا بکواس کر رہا تھا وہ کم بخت،لیکن اس کی بکواس شکیلہ کی سمجھ میں آ گئی۔اُسے بڑی شدت سے غصہ آیا تھا۔دل چاہا کہ کار اسٹارٹ کر کے اس کے سر پر پہنچ جائے اور اسے اتنے جوتے لگائے کہ اس کا دماغ درست ہو جائے،لیکن کوئی فائدہ نہیں تھا۔کھوپڑی پر کنٹرول کرنا ضروری تھا۔بمشکل خود پر قابو پانے کے بعد وہ چند قدم آگے بڑھی،کسی اور کو روکنا چاہتی تھی۔ لیکن پھر وہ کار سے نیچے اتر آئی۔اس کا لباس کسی قدر مسل گیا تھا۔کار میں ہونے کے باوجود وہ بھیگنے سے نہ بچ سکی تھی۔لباس کے بعض حصے تو بدن سے چپک کر رہ گئے تھے۔چنانچہ جب اسے احساس ہوا تو وہ بوکھلا کر واپس گاڑی میں آ بیٹھی تھی۔اس بار پھر ایک شخص اور اس کے قریب سے گزرا۔

یہ شکل وصورت سے کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا لفنگا سا۔کالی ٹوپی پہنے،گلے میں رومال باندھے،عجیب سا لگ رہا تھا۔

''اے سنو۔'' اس بار شکیلہ نے کھردری آواز میں کہا اور وہ رک گیا۔

''میرے کو بولتا میم صاحب؟'' اس نے کہا۔

''ہاں سنو۔''

''بولو۔بولو۔کیا بات ہے؟ دور ہی سے بولو۔''

''اِدھر آ جاؤ۔میں تمہیں کھا تو نہیں جاؤں گی۔'' وہ جھلا کر بولی۔

''نہیں میم صاحب۔بالکل نہیں' یار خان لنگوٹ کے پکے ہیں۔استاد نے کہا تھا' بیٹا جب تک لنگوٹ کا پکا نہیں ہوگا کبھی پہلوان نہیں بنے گا' تمہیں نہیں معلوم میم صاحب یہاں کتنی عورتیں یار خان کو بلاتی ہیں' بڑی بڑی باتیں کرتی ہیں' کہتی ہیں ہمارے حساب میں کھاؤ پیو،

عیش کرو،پہلوانی کرو،بس کبھی کبھی شکل دکھانے آ جایا کرو۔لیکن استاد کی بات یار خان ضرور مانتے ہیں۔ہم نے کبھی لنگوٹ ڈھیلا نہیں کیا۔'' لفنگی شکل کے نوجوان نے منہ مروڑ کر کہا۔اور شکیلہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔اس نے نفرت سے سوچا۔

''یہ فرید پور ہے یا پاگل خانہ۔سارے کے سارے کم بخت دیوانگی کا شکار ہیں۔ بہرحال کسی تیسرے پاگل کو تلاش کرنے سے بہتر تو یہی ہے کہ اس پاگل سے کام چلایا جائے چنانچہ اس نے لہجہ نرم کر کے کہا۔

''بھیا پہلوان صاحب۔میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی' نہ ہی اس کے لیے آپ کو مجبور کروں گی کہ آپ اپنے استاد کی بات ٹھکرا دیں۔میں تو آپ سے ایک پتا معلوم کرنا چاہتی ہوں۔

''پتا۔ارے ارے پوچھو نا۔''

''چھا گلی کہاں ہے؟''

''دیا خان کو بھی بس ایسی ہی ملتی ہیں۔ارے بابا جہاں تم کھڑی ہو یہی چھاگلی ہے۔'' پہلوان صاحب نے جواب دیا۔اور شکیلہ ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔بہرطور اس نے کار آگے بڑھا دی۔اور اسے گلی کے آخری سرے پر لے گئی اس سے آگے کار لے جانے کی گنجائش نہیں تھی' چنانچہ اس نے وہیں اسے کھڑا کر کے لاک کر دیا اور باہر نکل آئی۔

خدا کا شکر تھا کہ رات کا وقت تھا اور گلی میں زیادہ اندھیرا نہیں تھا۔اس لیے اسے زیادہ دقت نہ ہوئی اور وہ مطلوبہ جگہ کی طرف چل پڑی۔

سامنے ہی ایک دکان کھلی ہوئی تھی۔اس نے سوچا کہ محمود سانگا کا پتا اس دکان دار سے معلوم کر لے۔وہ دکان پر پہنچ گئی۔دکان دار اس انوکھی گاہک کو دیکھ کر چونک پڑا تھا۔

''معاف کیجیے گا' میں آپ سے ایک صاحب کا پتا معلوم کرنا چاہتی ہوں۔شکیلہ نے

کہا۔

''بسم اللہ۔بسم اللہ۔ضرور معلوم کریں۔کون ہے وہ؟'' دکان دار نے ازحد خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

''اس کا نام محمود سانگا ہے۔'' شکیلہ نے کہا۔اور دکاندار اچھل پڑا۔

''کہاں ہے، کہاں ہے وہ کمینہ، مجھے بتاؤ کہاں ہے وہ۔ دیکھا ہے اُسے آپ نے۔ میں تو خود اس خنزیر کی تلاش میں ہوں۔ہائے پورے اکیاون روپے ہو گئے ہیں اس کی طرف، ہائے میری تقدیر۔لوگ منع کرتے رہے۔لیکن میں اسے ادھار دیتا رہا۔مجھے اس کا پتا بتا دیں۔باقی میں نمٹ لوں گا اس سے۔قسم ہے ایمان کی۔'' دکان دار نے کہا۔اور شکیلہ ایک بار پھر گھوم کر رہ گئی۔

اس نے متحیرانہ انداز میں دکان دار کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے اس کا پتا کیا معلوم' میں تو خود آپ سے اس کا پتا معلوم کرنے آئی ہوں۔'' اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اجی کمال کرتی ہیں آپ بھی۔اس کا پتا معلوم ہوتا تو میں اس کی گردن دبا کر اپنے اکیاون روپے وصول نہ کر لیتا۔پورے سات مہینے ہو چکے ہیں۔'' دکاندار غصیلے لہجے میں بولا۔

''لیکن میں نے سنا ہے اسی گلی میں اس کا مکان ہے۔''

''اس کے باپ کا بھی کبھی مکان ہوا ہے۔مالک مکان شریف آدمی ہے۔جو آٹھ مہینے سے کرایہ نہ ملنے کے باوجود مکان خالی نہیں کراتا۔بس مل جائے ایک بار خدا کرے۔'' دکاندار دانت کٹکٹا کر بولا۔

''گویا مکان ہے ضرور؟'' شکیلہ نے پوچھا۔

''جی ہاں اور اس میں تالا بھی ہے ضرور۔'' دکاندار جلے کٹے انداز میں بولا۔اور

شکیلہ کو اس کے اس انداز پر ہنسی آ گئی۔

لیکن بڑی بے بسی تھی اس کی ہنسی میں۔اس شخص کے لیے وہ اتنا طویل فاصلہ طے کر کے اتنی مشکلات کے ساتھ یہاں پہنچی تھی' سینکڑوں مصیبتیں اٹھائی تھیں۔لیکن اس کے بارے میں جو کچھ معلوم تھا وہ بڑا ہی حیرت انگیز تھا۔کیا محمود سانگا ایسا ہی فضول آدمی ہو سکتا ہے۔اتنے بڑے باپ کا بیٹا۔لیکن بہرطور وہ کیا کر سکتی تھی اس سلسلے میں۔چنانچہ وہ پھر لجاجت سے بولی۔

''آپ مجھے اس کے مکان کا پتا بتا دیں۔''

''قسم ایمان کی کیا پتا بتا دیں۔جان جل گئی ہے اس کے نام سے بس تھوڑی دور چلی جائیں ایک دروازے پر موٹا سا تالا پڑا ہوا ہوگا۔وہی اس کا مکان ہے۔دکاندار نے بیزاری سے کہا اور شکیلہ ایک گہری سانس لے کر آگے بڑھ گئی۔پھر وہ اس مکان کے سامنے پہنچ گئی جس پر تالا پڑا ہوا تھا۔اس نے پریشان کن نگاہوں سے تالے کو دیکھا۔اور دروازے کے سامنے کھڑی ہو کر سوچنے لگی کہ اب کیا کرے۔اب تو اس وقت واپسی کے بارے میں سوچنا ہی حماقت ہے اور وہ شخص نہیں ہے۔اب کیا کیا جائے۔ٹھیک ہے کسی ہوٹل کو تلاش کر کے رات گزاری جائے گی۔لیکن محمود سانگا کی یہ کیفیت اس کے لیے انوکھی تھی۔اگر وہ واقعی اتنے بڑے باپ کا بیٹا تھا تو اس انداز میں زندگی کیوں گزار رہا تھا۔

چند لمحات وہ دروازے پر کھڑی رہی۔پھر یہاں کھڑے رہنے کو حماقت سمجھ کر واپس پلٹی ہی تھی کہ ایک آواز اُسے سنائی دی۔

''سنیے۔'' اور وہ چونک پڑی۔قریب وجوار میں کوئی موجود نہ تھا۔

''پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔میں محمود سانگا بول رہا ہوں۔'' آواز پھر آئی

اور شکیلہ سخت حیران ہو گئی۔

"کہاں سے بول رہے ہیں آپ"، اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"عالم بالا سے؟"

"کہاں سے؟ شکیلہ نے حیرت سے پوچھا۔

"عالم بالا سے۔" محمود سانگا نے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اوہ اتنی جلدی کیا تھی آپ کو عالم بالا پر جانے کی۔ مجھے تو آپ سے ایک ضروری کام تھا۔" شکیلہ آہستگی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"تو آپ بھی عالم بالا پر آجایئے۔ مل جل کر گفتگو کریں گے یوں بھی میں آپ کو اپنی درد بھری کہانی سنا سکتا ہوں۔ لیکن یہ اطمینان کرنے کے بعد کہ آپ میرے قرض خواہوں کی نمائندہ نہیں ہیں۔"

"مسٹر سانگا پلیز یہ مذاق کا وقت نہیں ہے، میں بڑی دور سے آپ کی تلاش میں آئی ہوں، میں بہت پریشان ہوں۔ میرے سامنے آیئے۔ میں نہیں جانتی آپ کہاں سے بول رہے ہیں؟"

"ایک وعدہ کریں گی؟"

"ہاں ہاں کیسے۔"

"اگر میں آپ سے مل لوں تو آپ کسی دوسرے کو میرے بارے میں نہیں بتائیں گی؟"

"وعدہ۔" شکیلہ بولی۔

"دیوار پر چڑھنے کی مشق ہے آپ کو؟"

"جی؟" وہ چونک کی بولی۔

"زیادہ اونچی دیوار نہیں ہے۔ بس ایک کھڑکی تک پہنچنا ہے، آپ کی آسانی کے

لیے میں کھڑکی سے ایک رسی نیچے لٹکا دیتا ہوں۔"

"کھڑکی کہاں ہے؟"

"اس مکان کی پشت پر آجکل میں وہی راستہ استعمال کرتا ہوں۔ آجایئے۔ پشت پر آجایئے۔"

شکیلہ نے متحیرانہ انداز میں آنکھیں جھپکائی تھیں۔ پھر وہ ایک گہری سانس لے کر آگے بڑھ گئی۔ جو کچھ ہو رہا تھا' عجیب ہی تھا۔ شروع سے آخر تک عجیب بہر طور اس چھوٹے سے مکان کی پشت پر پہنچ گئی۔

پیچھے پتلی گلی تھی' گندی بھی تھی۔ لیکن اُسے اس علاقے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ جس کام سے آئی تھی بس اُسے انجام دینا چاہتی تھی۔ تب اس نے کھڑکی کھلی دیکھی۔ جس سے ایک رسی باہر لٹک رہی تھی۔ اس نے دل میں سوچا کہ ملاقات کا اس سے اچھا ذریعہ کیا ہو سکتا ہے۔ پھر اس نے دونوں جوتے اٹھائے' انہیں بغل میں دبایا۔ پھر ایک ہاتھ سے اس کا جھٹکا دے کر اس کی مضبوطی کا اندازہ کیا۔ رسّی خاصی مضبوط تھی۔

لیکن مسئلہ جوتوں کا تھا۔ جوتے بغل میں دبا کر رسّی کے ذریعے اوپر چڑھنا کسی طور ممکن نہیں تھا۔ لیکن یہاں اخلاق اور تہذیب کا کیا گزر؟ چنانچہ اس نے ایک ایک کر کے دونوں جوتے بڑے اطمینان سے کھڑکی کے اندر اچھال دیے۔ اب وہ جوتے کسی کے سر پر پڑے ہوں' یا زمین پر۔ شکیلہ کو اب اس سے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے رسّی پکڑ لی اور پھر وہ ایسی کمزور بھی نہ تھی کہ رسّی کے ذریعے کھڑکی تک نہ پہنچ سکتی۔ رسّی کا دوسرا سرا کھڑکی کی چوکھٹ سے بندھا ہوا تھا۔ وہ کھڑکی میں داخل ہوئی اور دوسری طرف کود گئی۔

چھوٹا سا کمرہ تھا۔ فرنیچر سے بے نیاز' لیکن صاف ستھرا نظر آ رہا تھا۔ کمرہ میں کوئی

نہیں تھا۔اس نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔"

عجیب احمق قسم کا آدمی تھا۔جو یہاں رہتا تھا۔لیکن وہ ہے کیا۔خواہ مخواہ پراسرار بننے کی کوشش کر رہا ہے۔یا پھر ہے ہی مصیبت کا مارا۔اس نے رسّی کو اسی طرح لٹکا رہنے دیا۔اور کھلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔دروازے پر پہنچی ہی تھی کہ باہر سے آواز آئی۔

"ہیلو، کیسی ہیں آپ؟" وہ متحیرانہ انداز میں دوسری طرف دیکھنے لگی۔پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

نوجوان آدمی تھا۔اچھی خاصی شکل وصورت کا مالک' لیکن اس کے بدن پر ایک تہبند اور بنیان کے علاوہ کچھ نہ تھا۔بدن سڈول اور مناسب تھا۔خاصا ورزشی معلوم ہوتا تھا۔لیکن اس کے چہرے پر بلا کی سادگی تھی۔بڑی بڑی آنکھوں میں ایک معصوم سی نرمی اس کی شکل کو ایک عجیب سا رنگ دے رہی تھی۔

"ہیلو!" شکیلہ نے آہستہ سے کہا۔

"ہیلو۔تشریف لے آیئے۔تشریف لے آیئے۔دراصل میں۔وہ۔معافی چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے اگر آپ اس بات کو محسوس نہیں کر رہی ہیں تو واقعی کوئی بات نہیں ہے' تشریف لے آیئے۔اس نے شکیلہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔شکیلہ اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

چھوٹا سا مکان تھا۔اس لیے اسے چند قدم سے آگے نہ چلنا پڑا۔وہ کمرہ جس میں اسے لے جایا گیا تھا' شاید ڈرائنگ روم تھا۔پرانے طرز کی چند کرسیاں' ایک آدھ میز' کھڑکیاں اور دروازے پردے سے بے نیاز' مکین کی بدحالی کا پتا دے رہے تھے۔

"تشریف رکھیے۔" اس نے پراخلاق لہجے میں کہا۔

"شکریہ۔" شکیلہ نے جواب دیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔اس نے ذرہ بھی اس بات کا خیال نہیں کیا تھا کہ کرسی کی گرد اس کے لباس پر لگ جائے گی۔جو ابھی تک کسی قدر بھیگا ہوا تھا۔

"آپ محمود سانگا ہیں؟" شکیلہ نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھ کر پوچھا۔اور نوجوان جلدی سے مڑ کر اپنے عقب میں نگاہ دوڑانے لگا۔پھر اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا مطلب؟ شکیلہ نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"میں بھی نہیں سمجھا۔"

"میں پوچھ رہی ہوں کہ کیا آپ محمود سانگا ہیں؟"

"میرے علاوہ بھی اور کوئی ہو سکتا ہے؟"

"تو گویا آپ محمود سانگا ہی ہیں۔"

"سو فیصدی۔بلکہ ایک سو دس فیصدی۔نوجوان جلدی سے بولا۔

"ہوں۔شکیلہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔"میں آپ ہی سے ملنے آئی ہوں۔"

"ملیے ملیے۔ضرور ملیے۔" نوجوان پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔

"میرا مطلب ہے میں دارالحکومت سے آئی ہوں۔"

"اوہ مس دارالحکومت' میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میرا نام شکیلہ ہے۔"

"شکیلہ۔شکیلہ۔اوہ اچھا اچھا۔ویسے بھی شکل وصورت سے آپ خاصی شکیل معلوم ہوتی ہیں۔"

"آپ الفاظوں سے کھیل رہے ہیں مسٹر سانگا لیکن مجھے حیرت ہے کہ آپ غیر ملکی ہونے کے باوجود بڑی روانی سے ہماری زبان بول لیتے ہیں؟"

"غیر ملکی؟ کیا مطلب ہے آپ کا؟ کیا اب آپ مجھ سے میرا وطن بھی چھین لینا چاہتی ہیں۔ یہ نہیں ہوگا مس دارالحکومت' ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ مم۔۔۔ میرا مطلب ہے معاف کیجیے مس شکیلہ۔" نوجوان نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ وہ خود بھی اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"لیکن' رات کو اس وقت' آپ دارالحکومت سے کیوں تشریف لائی ہیں۔ خیریت تو ہے؟"

"جی ہاں۔ بس میں آپ سے ملنے آئی تھی۔"

"اوہ اچھا اچھا۔ یقیناً آپ نے مجھے خوابوں میں دیکھا ہوگا۔ میرے ہاتھ میں ایک خوبصورت تلوار ہوگی اور سر پر پگڑی۔" وہ بچوں کے سے انداز میں بولا۔

"جی نہیں' میں خواب نہیں دیکھتی۔"

"اچھا تو آپ شاید کسی حکیم صاحب کا نسخہ استعمال کرتی ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے۔ یعنی کوئی قبض کشا۔"

"پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں' یہاں داخل ہونے کے بعد سے اب تک میرا دماغ خراب کرنے والے ہی جملے ملے ہیں۔"

"محترمہ میں کچھ نہیں کہہ رہا۔ آپ ہی فرما رہی ہیں' آپ خواب نہیں دیکھتیں۔ اس کا مطلب ہے آپ بے حد نفیس اور ہلکی غذا کھاتی ہیں۔ یہاں تو ناقص غذاؤں نے پیٹ کا ستیاناس کر دیا ہے اور اکثر خواب آتے رہتے ہیں۔" نوجوان ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور شکیلہ ہنس پڑی۔

"ویسے آپ دل چسپ انسان ہیں۔"

"دل چسپ؟"

"جی ہاں۔ بے حد دل چسپ۔" شکیلہ ہنستی ہوئی بولی۔

"خیر ٹھیک ہے۔ جو کچھ بھی کہہ لیں آپ' لیکن میں اس وقت آپ کی آمد پر متحیر ہوں۔ بھلا مجھ سے ملنے کوئی شخص اتنا لمبا فاصلہ طے کر کے آ سکتا ہے؟"

"میں آپ کی مہمان ہوں سانگا صاحب۔ کچھ خاطر مدارت نہیں کریں گے؟" شکیلہ بے تکلفی سے بولی۔

"جی۔ مگر کیا خاطر کروں؟"

"دیکھیے نا میرا لباس بھیگ رہا ہے۔ ایک طویل مسافت طے کر کے آئی ہوں۔ میری کار یہاں سے کافی دور کھڑی ہوئی ہے۔ اور اس میں پانی بھرا ہوا ہے۔ میں سردی محسوس کر رہی ہوں۔ کیا آپ کے پاس چائے یا کافی کا بندوبست نہیں ہے۔"

"چائے۔ کافی؟" محمود سانگا خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولا۔ اب کیا بتاؤں میں آپ کو؟"

"کچھ تو بتایئے۔"

"آپ کو خود ہی سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر میں آپ کو چائے یا کافی پلوا سکتا تو اس طرح قرض خواہوں سے چھپا بیٹھا رہتا۔ آپ سمجھ سکتی ہیں لوگ مزید قرض دینے پر تیار نہ ہوں گے۔"

"اوہ' ٹھیک ہے' کوئی بات نہیں۔" شکیلہ ہنس پڑی۔ "آپ یقین کریں۔ سانگا صاحب میں نے ایک طویل مسافت طے کی ہے لیکن آپ سے ملنے کے بعد مجھے اس مسافت کا بالکل بھی احساس نہیں ہے؟"

"شکریے کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

شکیلہ محسوس کر رہی تھی کہ یہ نوجوان جس قدر سادہ نظر آ رہا ہے۔ اتنا ہے نہیں۔ اس کی خوبصورت آنکھوں میں بلا کی تیزی بھی ہے۔ معصومیت کے آخری پردوں میں عجیب سی چمک چھپی ہوئی ہے۔ اور یہ چمک شکیلہ کے چہرے کا اندازہ کر رہی تھی۔ گویا وہ شکیلہ کے بارے میں کھوج لگانا چاہتا تھا پھر اس نے کہا۔

''میرا خیال ہے خاتون' خاطر مدارت کے معاملے میں ہماری گفتگو ہو چکی ہے۔ چنانچہ اب میں آپ کی آمد کا راز جاننا چاہتا ہوں۔''

''میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ آپ کو اپنی آمد کے بارے میں تفصیل سے بتا دوں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی میں اس بات کی خواہشمند ہوں کہ آپ نے جو گفتگو اب تک میرے ساتھ کی ہے' اس سے کسی حد تک ملاحدہ ہٹ کر' یعنی اپنی فطرت میں لچک پیدا کر کے صبر و سکون سے میری بات سنیں گے اور میری مدد کریں گے۔''

''مدد؟ محترمہ جو شخص اپنی مدد نہیں کر سکتا' وہ کسی اور کی مدد کیا کرے گا۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ قرض خواہوں کے ڈر سے میں دروازے سے آنا جانا چھوڑ چکا ہوں۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ میں کسی کی مدد کے قابل نہیں ہوں۔''

''ہوں۔ لیکن میری امداد ذرا دوسری قسم کی ہے۔ میں آپ کو مختصراً بتا سکتی ہوں۔ مرزا ریاض بیگ کا نام سنا ہے آپ نے؟'' شکیلہ نے پوچھا۔

''مرزا ریاض بیگ۔ نہیں میں انھیں نہیں جانتا ویسے بھی یہاں بہت کم لوگوں سے میرے تعلقات ہیں۔'' محمود سانگا نے جواب دیا۔

''مسٹر ریاض کا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دراصل وہ ایک ایڈووکیٹ ہیں اور ان دنوں خاصی الجھن میں گرفتار ہیں۔''

''اوہو' اوہو' کیا الجھن پیش آئی ہے انھیں؟ کیا ان کا کاروبار بھی میرے کاروبار کی

طرح ٹھپ ہے اور قرض خواہ پریشان کر رہے ہیں۔'' محمود سانگا نے پوچھا اور شکیلہ ہنس پڑی۔

''جی نہیں۔ خدا کے فضل سے ان کا کاروبار ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے اور یہ ایک کاروباری الجھن ہے جو انھیں پیش آئی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس بات سے انحراف نہیں کیا کہ آپ محمود سانگا ہیں اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ آپ اس بات سے انحراف نہیں کریں گے کہ آپ کا تعلق کسی طور پر جنوبی افریقہ سے رہ چکا ہے۔''

''اوہ۔ اوہ۔ ہاں۔ میرا ایک ناجائز تعلق وہاں سے رہ چکا ہے۔'' محمود سانگا کے لہجے میں حقارت تھی۔

''نہیں' آپ اسے ناجائز نہیں کہہ سکتے مسٹر سانگا۔ تھوڑی سی باتیں جو اپنے چیف مسٹر ریاض بیگ سے مجھے معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ آپ کو اپنے مرحوم والد مسٹر ابراہیم کانگا سے شدید اختلاف تھا اور اسی اختلاف سے آپ افریقہ چھوڑ آئے تھے یعنی اپنی والدہ کی موت کے بعد۔ لیکن جو لوگ اس دنیا میں نہ ہوں' ان سے اختلاف بے معنی سا ہو کر رہ جاتا ہے۔''

شکیلہ کے ان الفاظ پر محمود سانگا کے چہرے پر تھوڑی سی تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

''تو ابراہیم کانگا مر گیا؟''

''ہاں۔ ان کے انتقال کو تقریباً چھ ماہ ہو چکے ہیں۔ میرے خیال میں آپ نے کبھی ان کی خبر گیری نہیں کی ہے۔''

''اپنے خیالات رہنے دیجیے۔ مطلب کی بات پر آئیے۔''

''جنوبی افریقہ سے کچھ کاغذات مسٹر ریاض بیگ کے نام منتقل ہوئے ہیں۔ ان میں ان سے درخواست کی گئی ہے کہ محمود سانگا کو تلاش کر کے اسے ابراہیم کانگا کا ورثہ منتقل کر دیا جائے اور آپ نہیں جانتے کہ مرزا ریاض بیگ نے آپ کی تلاش میں کیا کیا مصیبتیں اٹھائی

ہیں۔ بمشکل تمام ہمیں آپ کا پتا معلوم ہو سکا اور میں آپ سے ملاقات کے لیے یہاں آ گئی۔"

شکیلہ نے پروگرام کے مطابق یہ کہانی محمود سانگا کو سنائی لیکن اس کے چہرے پر خوشگوار تاثرات نہیں تھے۔ وہ چند لمحات نگاہیں جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"گویا آپ وہ ورثہ میرے نام منتقل کرنا چاہتی ہیں؟"

"میں نہیں' جنوبی افریقہ کی حکومت آپ کو آپ کا حق دینا چاہتی ہے۔ میرا کام تو صرف یہ ہے کہ میں آپ کو اپنے چیف مسٹر ریاض بیگ کے پاس لے جاؤں۔ آپ ان سے اپنے تمام معاملات طے کر لیں۔"

لیکن افسوس محترمہ مجھے اس دولت سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ آپ کو میرے بارے میں جس قدر معلومات حاصل ہو چکی ہیں ان سے آپ نے یہ اندازہ لگا لیا ہو گا کہ مجھے اپنے باپ سے بے پناہ نفرت تھی۔ میں نے کبھی اس سے محبت نہیں کی۔ اس نے دراصل میری ماں سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ وہ عیاش طبع انسان تھا اور میری ماں ساری عمر سسکتی رہی۔ میں جن حالات کا شکار ہوں یہ بھی آپ نے دیکھ لیا ہو گا۔ لیکن آپ یقین کریں اس امارت کی زندگی سے مجھے اپنی یہ مفلوک الحالی پسند ہے۔"

"محمود سانگا بلاشبہ یہ آپ کی سچائی کی دلیل ہے کہ آپ اپنی نفرتوں میں بھی اتنے ہی کھرے ہیں جتنے محبتوں میں ہوں گے۔ لیکن میں آپ سے ایک درخواست ضرور کرنا چاہتی ہوں کہ کم از کم ہماری یہ الجھن دور کر دیجیے۔ میری نوکری کا بھی سوال ہے۔ مجھے جو ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ وہ صرف اتنی ہے کہ میں آپ کو مسٹر ریاض بیگ تک پہنچا دوں' اس کے بعد جو معاملات آپ کو طے کرنے ہیں ان سے کر لیں۔ اگر آپ اس دولت سے دل چسپی نہیں رکھتے تو یہ الفاظ اگر آپ ان کے سامنے کہہ دیں گے تو میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔" شکیلہ کی اس بات پر محمود سانگا گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے اس میں اعتراض نہ ہو گا۔ یعنی میرا کام صرف اتنا ہے کہ مجھے دارالحکومت میں آپ کے چیف مرزا ریاض بیگ سے ملاقات کرنی ہو گی؟"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن یہ بتائیے کہ آپ کون سے دروازے سے باہر نکلنا پسند کریں گی؟"

"جی؟" شکیلہ چونک پڑی۔

"مم۔۔۔۔ میرا مطلب یہ ہے مس دارالحکومت کہ ہمیں اب بھی کھڑکی کے راستے سے ہی باہر جانا پڑے گا۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی مسٹر سانگا۔"

"حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ سامنے کے دروازے سے نکلنے کا مقصد یہ ہے کہ قرض خواہ میری گردن پکڑ لیں اور آپ کا کام جوں کا توں رہ جائے۔ جہاں تک اس دولت کا سوال ہے جو میرے مرحوم باپ کے ذریعے مجھ تک منتقل ہونا چاہتی ہے تو مجھے اس سے کوئی دل چسپی نہیں ہے لیکن آپ کے چیف مرزا ریاض بیگ یقیناً میری موجودگی اپنے دفتر میں پسند کریں گے انھیں اس سے جو بھی فائدہ ہو گا' وہ ان کا اپنا مسئلہ ہو گا لیکن مجھے اس سے میری مراد یہ ہے کہ میں اپنے مکان میں واپسی سامنے کے دروازے سے چاہتا ہوں۔"

"اوہ" شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "میرا خیال ہے میں آپ کا مطلب سمجھ رہی ہوں۔"

"شکریہ' شکریہ۔ یقیناً آپ سمجھدار خاتون معلوم ہوتی ہیں؟"

"فی الحال کتنی رقم سے آپ کا کام چل جائے گا۔" شکیلہ نے پوچھا۔

"بس تھوڑی سی۔ بہت ہی معمولی سی۔ یہ سامنے والے دکاندار نے ابھی تک دکان

ہیں۔ بمشکل تمام ہمیں آپ کا پتا معلوم ہو سکا اور میں آپ سے ملاقات کے لیے یہاں آ گئی۔"

شکیلہ نے پروگرام کے مطابق یہ کہانی محمود سانگا کو سنائی لیکن اس کے چہرے پر خوشگوار تاثرات نہیں تھے۔ وہ چند لمحات نگاہیں جھکائے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"گویا آپ وہ ورثہ میرے نام منتقل کرنا چاہتی ہیں؟"

"میں نہیں، جنوبی افریقہ کی حکومت آپ کو آپ کا حق دینا چاہتی ہے۔ میرا کام تو صرف یہ ہے کہ میں آپ کو اپنے چیف مسٹر ریاض بیگ کے پاس لے جاؤں۔ آپ ان سے اپنے تمام معاملات طے کر لیں۔"

لیکن افسوس محترمہ مجھے اس دولت سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ آپ کو میرے بارے میں جس قدر معلومات حاصل ہو چکی ہیں ان سے آپ نے یہ اندازہ لگا لیا ہوگا کہ مجھے اپنے باپ سے بے پناہ نفرت تھی۔ میں نے کبھی اس سے محبت نہیں کی۔ اس نے دراصل میری ماں سے اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ وہ عیاش طبع انسان تھا اور میری ماں ساری عمر سسکتی رہی۔ میں جن حالات کا شکار ہوں یہ بھی آپ نے دیکھ لیا ہوگا۔ لیکن آپ یقین کریں اس امارت کی زندگی سے مجھے اپنی یہ مفلوک الحالی پسند ہے۔"

"محمود سانگا بلاشبہ یہ آپ کی سچائی کی دلیل ہے کہ آپ اپنی نفرتوں میں بھی اتنے ہی کھرے ہیں جتنے محبتوں میں ہوں گے۔ لیکن میں آپ سے ایک درخواست ضرور کرنا چاہتی ہوں کہ کم از کم ہماری یہ الجھن دور کر دیجیے۔ میری نوکری کا بھی سوال ہے۔ مجھے جو ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ وہ صرف اتنی ہے کہ میں آپ کو مسٹر ریاض بیگ تک پہنچا دوں، اس کے بعد جو معاملات آپ کو طے کرنے ہیں ان سے کر لیں۔ اگر آپ اس دولت سے دل چسپی نہیں رکھتے تو یہ الفاظ اگر آپ ان کے سامنے کہہ دیں گے تو میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔" شکیلہ کی اس بات پر محمود سانگا گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے اس میں اعتراض نہ ہوگا۔ یعنی میرا کام صرف اتنا ہے کہ مجھے دارالحکومت میں آپ کے چیف مرزا ریاض بیگ سے ملاقات کرنی ہوگی؟"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن یہ بتائیے کہ آپ کون سے دروازے سے باہر نکلنا پسند کریں گی؟"

"جی؟" شکیلہ چونک پڑی۔

"مم۔۔۔۔ میرا مطلب یہ ہے مس دارالحکومت کہ ہمیں اب بھی کھڑکی کے راستے سے ہی باہر جانا پڑے گا۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی مسٹر سانگا۔"

"حالانکہ سیدھی سی بات ہے کہ سامنے کے دروازے سے نکلنے کا مقصد یہ ہے کہ قرض خواہ میری گردن پکڑ لیں اور آپ کا کام جوں کا توں رہ جائے۔ جہاں تک اس دولت کا سوال ہے جو میرے مرحوم باپ کے ذریعے مجھ تک منتقل ہونا چاہتی ہے تو مجھے اس سے کوئی دل چسپی نہیں ہے لیکن آپ کے چیف مرزا ریاض بیگ یقیناً میری موجودگی اپنے دفتر میں پسند کریں گے انھیں اس سے جو بھی فائدہ ہوگا وہ ان کا اپنا مسئلہ ہوگا لیکن مجھے اس سے میری مراد یہ ہے کہ میں اپنے مکان میں واپسی سامنے کے دروازے سے چاہتا ہوں۔"

"اوہ" شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "میرا خیال ہے میں آپ کا مطلب سمجھ رہی ہوں۔"

"شکریہ شکریہ۔ یقیناً آپ سمجھدار خاتون معلوم ہوتی ہیں؟"

"فی الحال کتنی رقم سے آپ کا کام چل جائے گا۔" شکیلہ نے پوچھا۔

"بس تھوڑی سی۔ بہت ہی معمولی سی۔ یہ سامنے والے دکاندار نے ابھی تک دکان

بندنہ کی ہوگی۔اب جب ہم اس کے سامنے سے گزریں گے تو اس کے اکیاون روپے اس کے منہ پر ماردیں گے۔" سانگا نے جواب دیا اور شکیلہ ہنس پڑی۔

"بس اتنی سی بات چلیے۔ہم سامنے کے دروازے ہی سے چلیں گے۔"

"بہت خوب تو کیا مجھے لباس پہننے کی اجازت ہے؟"

"ظاہر ہے۔کیا آپ اسی طرح چل سکیں گے۔"

"نہیں۔نہیں۔میں تو سوچتا ہوں شاید اس طرح بھی باہر نکلنے کے بعد یہ کچھ بدن پر ہے۔وہ بھی نہ رہے۔" وہ طنزیہ مسکراہٹ سے بولا۔

"اوہ کیوں؟"

"بھئی ہمارے ہاں کے قرض خواہ بڑے قناعت پسند ہیں۔' تہہ بنیان بھی ان کے لیے کچھ برا نہ ہوگا۔" محمود سانگا نے جواب دیا اور شکیلہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"چند لمحات کی اجازت؟" سانگا نے مہذب انداز میں کہا۔

"جی جی ہاں ضرور ضرور۔" شکیلہ بولی۔اور وہ ڈرائنگ روم سے نکل گیا۔اس کے جانے کے بعد شکیلہ خود بخود مسکرانے لگی تھی۔محمود سانگا کی شخصیت کے بارے میں وہ کسی قدر اندازہ لگا چکی تھی۔ضدی قسم کا انسان تھا۔لیکن انتہائی دل چسپ شخصیت کا مالک اس کے انداز میں پھکڑپن تھا۔لیکن وہ اپنے باپ کی دولت قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔کیونکہ اس سے نفرت کرتا تھا۔

ابراہیم کانگا نے جو کچھ بتایا تھا ممکن ہے اس میں اس نے اپنی شخصیت محفوظ رکھی ہوا ور وہ حقائق نہ بتائے ہوں۔جنھوں نے محمود سانگا کو اسقدر بد دل کر دیا تھا۔ورنہ ایک ایسا مفلوک الحال آدمی جو یہاں سے دارالحکومت تک چلنے کے لیے معاوضہ مانگ سکتا ہے' اتنی بڑی دولت ٹھکرانے کے لیے تیار نہ ہوتا لیکن اس کی شخصیت آہستہ آہستہ شکیلہ کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

بہر طور چند لمحات کے بعد وہ اندر آ گیا۔سادہ سے کپڑے کی ایک پتلون اور قمیض پہنے ہوئے تھا۔بال سنوارے ہوئے تھے۔اس کی شخصیت کسی قدر نکھر آئی تھی۔شکیلہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلیں؟" اُس نے پوچھا۔

"جی۔لیکن مس دارالحکومت' اس وقت کیا ہم دارالحکومت تک سفر طے کر سکیں گے۔"

"آیئے یہاں سے تو باہر چلیں۔اگر ہم دارالحکومت تک کا سفر نہ بھی کریں' رات میں۔تو کیا میں آپ کے ساتھ یہاں اس مکان میں رہوں گی۔"

"اوہو۔نہیں نہیں' یہ کیسے ممکن ہے بہر طور میں آپ کے پیچھے پیچھے چل رہا ہوں۔" اس نے عجیب سے لہجے میں کہا اور شکیلہ پھر مسکرا پڑی۔

"جی نہیں' اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔پلیز آپ کو یہ دیتے ہوئے میں شرمندہ ہوں لیکن یہ رکھ لیں۔" شکیلہ نے اپنے پرس سے کچھ نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

"اوہو۔نہیں اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے۔یہ تو آپ کا فرض تھا۔" محمود سانگا نے نوٹ شکیلہ کے ہاتھ سے جھپٹ لیے کھڑکی کے راستے جا کر باہر سے تالا کھول دیا۔پھر وہ دونوں دروازے سے باہر نکل آئے۔لیکن ابھی چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ دفعتاً سامنے والے دروازے سے دکاندار کی دھاڑ سنائی دی۔

"پکڑا گیا پکڑا گیا۔" اور وہ دکان سے کود کر اس طرح محمود سانگا کی طرف لپکا جیسے اسے دبوچ ہی لے گا لیکن محمود سانگا کے ہاتھ میں سو کا نوٹ لہراتا دیکھ کر اس کے قدم رک گئے اور آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔

"کک۔۔۔۔کیا مطلب؟" اس نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"تمھارے اکیاون روپے ہیں نا؟" سانگا نے پوچھا۔

''ہاں ہاں' پورے اکیاون۔''

''اور یہ انچاس روپے تیرے میرے حساب میں جمع کر لو۔'' اس نے سو کا نوٹ دکاندار کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور شکیلہ کے ساتھ شاہانہ انداز میں آگے بڑھنے لگا۔

دکاندار اپنی جگہ کھڑا حیرت سے ان دونوں کو جاتا دیکھتا رہا تھا۔ شکیلہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔ بہر طور کار کے قریب جا کر اس نے کار کا دروازہ کھولا اور اندر پہنچ گئی۔ محمود سانگا کے لیے اس نے دوسری سمت کا دروازہ کھول دیا تھا۔ لیکن وہ متعجب سا کھڑا رہا۔

''آؤ۔'' شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''یہ۔۔۔۔ یہ کار تمھاری ہے؟ سانگا نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

''ہاں' ہاں کیوں؟ تمھیں چوری کی لگتی ہے؟''

''نہیں ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔ تم تو خاصی بڑی آدمی لگتی ہو۔'' وہ گھوم کر دوسری سمت آ گیا اور شکیلہ کے برابر سیٹ پر بیٹھ گیا۔ لیکن اگلے لمحے وہ اچک پڑا تھا۔ سیٹ پانی سے بھیگی ہوئی تھی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' شکیلہ اس کے اچکنے کی وجہ نہیں سمجھ سکی تھی۔

''پپ۔ پتا نہیں بہر طور چلو۔''

''اوہ۔ کچھ سیٹ پانی سے بھیگ رہی ہے نا؟'' شکیلہ ہنس پڑی۔

''پپ پانی ہے نا۔'' اس نے خوف زدہ انداز میں پوچھا اور شکیلہ جھینپ گئی۔

''تم بہت فضول باتیں بھی کر لیتے ہو مسٹر سانگا۔'' اس نے کہا اور کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی وہ ابھی تک اس شخص کے بارے میں اندازہ نہیں لگا سکی تھی نجانے کس قسم کا آدمی تھا۔ ایک طرف تو وہ اتنی بڑی اور نمایاں حیثیت کا مالک تھا۔ اگر وہ مسٹر کانگا کی دولت قبول کر

لیتا تو بہت کچھ بن سکتا تھا۔ لیکن پتا نہیں کیوں وہ اس انداز میں زندگی گزارنا ناپسند کرتا تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے پوچھا۔

''کہاں چلوں؟''

''کک۔ کیا مطلب میں نہیں سمجھا؟''

''ہمیں رات کو سفر نہیں کرنا چاہیے۔ اس لیے رات کو فرید پور ہی میں قیام کرنا ہوگا مجھے کسی عمدہ سے ہوٹل کے بارے میں بتاؤ۔''

''اوہ ہوٹل۔ ہاں ہاں ٹھیک ہے آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔ ظاہر ہے اس وقت رات کی تاریکی میں جب سڑکیں بھی بھیگی ہوئی ہیں' دارالحکومت کا سفر خطرناک ہوگا۔ چلیے چلتی رہیے۔ میں آپ کو ہوٹل لیے چلتا ہوں۔'' اس نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد کار ایک چھوٹے سے خوبصورت ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ ہوٹل میں کمرہ حاصل کرنے میں شکیلہ کو کوئی دقت نہ ہوئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کمرے میں منتقل ہو گئی صاف ستھرا کمرہ تھا جس میں دو بستر موجود تھے۔

اس شخص کے بارے میں شکیلہ کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا پائی تھی۔ ایک اجنبی کے ساتھ کسی ہوٹل کے کمرے میں تنہا رہنا معیوب سی بات تھی لیکن وہ بہت خوداعتماد تھی۔ ہر طرح کے حالات سے نمٹنا اس کی ہابی تھی۔ اس لیے اس نے اس مسئلے پر زیادہ توجہ نہیں دی۔''

''کیا سوچ رہے ہو؟'' اس نے محمود سانگا کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''چچ۔۔۔۔ چائے۔''

''اوہ۔ ہاں۔ میں بھی چائے ہی کے بارے میں سوچ رہی تھی منگواؤ۔''

''بب۔۔۔۔ بل ادا کرو گی؟ ارے بل۔۔۔ لاحول۔ بھول ہی گیا۔ کمال ہے دراصل جیب اتنے عرصے سے خالی ہے۔ کہ اب کسی معمولی سے بل کی ادائیگی کا تصور بھی محال

ہو گیا ہے۔ پھر اس نے ویٹر کو بلا کر چائے کے لیے کہا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد چائے آ گئی۔
شکیلہ نے ایک کپ اسے دیا اور دوسرا خود لے کر بیٹھ گئی۔

وہ خاموشی سے چائے پیتا رہا۔ اس دوران کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی' شکیلہ بھی اب تھکن محسوس کر رہی تھی۔ چنانچہ وہ اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دیا۔

یہ شخص متضاد کیفیت کا مالک تھا۔ کبھی تو اس کے کھلنڈرے پن پر پیار آنے لگتا تھا اور کبھی اس کی باتوں سے سخت نفرت ہوتی تھی۔ وہ دیر تک اس کے بارے میں سوچتی رہی۔ ایک بار اس نے نگاہ اٹھا کر سانگا کی طرف دیکھا۔ وہ چائے پینے کے بعد کروٹ بدل کر سو گیا تھا۔
پھر شکیلہ کی بھی آنکھ لگ گئی۔ وہ اتنی گہری نیند سوئی کہ دوسری صبح ہی اس کی نیند کھلی۔

روشنی کی کرنیں شیشوں سے جھانک رہی تھیں۔ شاید سورج نکل آیا تھا۔ اس نے آنکھیں مل کر شیشوں سے جھانکتی ہوئی روشنی کو دیکھا اور وقت کا اندازہ کرنے لگی۔ پھر اسے سانگا کا خیال آیا۔ لیکن وہ اسے نظر نہیں آیا۔

''ارے کہاں مر گئے تم؟'' وہ چیخی لیکن کوئی جواب نہ ملا تب وہ باتھ روم میں داخل ہو گئی۔ غسل کرتے وقت بھی وہ سانگا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ محمود سانگا ایک لاابالی' لیکن اچھے کردار کا انسان ہے۔''

باہر نکلی تو اس کی نگاہیں دروازے کی جانب اٹھ گئیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے حیرت زدہ رہ گئی تھی۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ اور محمود سانگا نہ کمرے میں تھا' نہ اپنی مسہری پر اور نہ ہی غسل خانے میں۔ تو پھر اب وہ کہاں ہو سکتا ہے۔ شکیلہ نے کچھ سوچا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ اب اس شخص کے لیے ایک ہی جگہ باقی رہ جاتی تھی جہاں اس کی موجودگی متوقع تھی۔ اور وہ تھی مسہری کے نیچے کی جگہ۔ چنانچہ اس نے سانگا کی مسہری کے نیچے جھانکا وہ

اطمینان سے لیٹا ہوا خراٹے لے رہا تھا۔

شکیلہ نے اس کی ٹانگ پکڑی اور اسے پوری قوت سے باہر گھسیٹ لیا۔

سانگا کے حلق سے دہشت زدہ آوازیں نکل گئی تھیں۔ پھر اس نے ملتجی لہجے میں کہا۔

''بخ خدا کی قسم۔ تمہیں خدا کی قسم' اس کی سہمی ہوئی آواز سنائی دی اور شکیلہ ہنس پڑی۔

''فضول باتیں مت کرو۔ باہر نکل آؤ۔ صبح ہو گئی ہے۔''

''دیکھو' دیکھو' میں کہتا ہوں اچھا نہیں ہوگا۔''

''پاگل ہو گئے ہو تم' چلو باہر نکلو۔ غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھوؤ۔ ناشتا کرنا ہے۔'' شکیلہ نے کہا اور سانگا دروازے کی جانب دیکھنے لگا۔ پھر روشنی محسوس کر کے اس نے گہری گہری سانسیں لیں اور شکیلہ ہنس پڑی۔

''افسوس۔ افسوس۔ کیا تم نے ساری رات مسہری کے نیچے گزاری؟'' اس نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

''کاش' کاش میں یہ رات قبر کی تاریکی میں گزار سکتا۔'' سانگا جھلاتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''کیوں آخر کیوں؟''

''بس بس مجھ سے ایسی باتیں مت کرو۔'' اس نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''اچھا جاؤ۔ غسل خانے میں جاؤ۔ حالت درست کرو اور پھر باہر آؤ'' وہ خاموشی سے غسل خانے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ پھر جب وہ غسل خانے سے باہر نکلا تو ناشتا لگا ہوا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔ ناشتے کی میز پر اس نے شکیلہ کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کہ مہینوں کے بعد ناشتا کر رہا ہو۔ شکیلہ خود بھی اس کے ساتھ

معروف تھی' حالانکہ یہ شخص اس کے لیے اجنبی تھا' چند گھنٹوں کی رفاقت اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتی تھی۔ لیکن اس کی گفتگو نے شکیلہ کو اس سے اتنا بے تکلف کر دیا تھا کہ اب ذرا بھی اجنبیت نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ ناشتے کے دوران اس نے کہا۔

"سانگا بلاشبہ میں تم سے متاثر ہوئی ہوں۔ تم واقعی بہت اچھی شخصیت کے مالک ہو۔ اچھے انسان ہو۔ بعض اوقات انسانی فطرت عجیب عجیب گل کھلاتی ہے۔ اگر تم اپنے باپ کی دولت حاصل کر لو تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تمھارے اس سے جو اختلاف تھے اس کی موت کے بعد وہ دور ہو گئے ہیں۔"

"مجھے اس کی دولت سے بھی اختلاف ہے۔" سانگا نے ناشتا کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن زندگی گزارنے کے لیے کچھ نہ کچھ سہارے تو درکار ہوتے ہیں۔"

"ہاں' جب کسی سہارے کی ضرورت ہوتی ہے تو کسی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو جاتا ہوں۔"

"تمھاری مرضی۔ لیکن بہر طور مرزا ریاض بیگ کو تمھاری ضرورت ہے۔ اب ہمیں سفر کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔"

"تو میں نے کب انکار کیا ہے۔ اتنا معاوضہ لے کر تو میں جہنم تک سفر کر سکتا ہوں' اس نے جواب دیا اور شکیلہ خاموش ہو گئی۔ بہر طور تھوڑی دیر کے بعد وہ دارالحکومت کا سفر کر رہے تھے۔ محمود سانگا اس کے نزدیک خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن شکیلہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس سے بہت سی باتیں کرے۔ نجانے کیوں اس کی شخصیت شکیلہ کی نگاہوں میں بہت زیادہ دلچسپ ہوتی جا رہی تھی۔

بہر طور سانگا پر خاموشی کے دورے پڑے ہوئے تھے۔ سڑکیں اب بھی بھیگی ہوئی تھیں۔ بادل چھائے ہوئے تھے۔ اس وقت دن کے بارہ بجے تھے جب شکیلہ دارالحکومت میں

داخل ہوئی اس نے سیدھے دفتر کا رخ کیا تھا۔ جانتی تھی کہ وہ لوگ اس وقت دفتر میں ہوں گے۔

دفتر میں ظفری اور مطلق صاحب نے ان کا استقبال کیا تھا۔ ظفری کی نگاہیں بغور محمود سانگا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ شکیلہ نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"مسٹر محمود سانگا۔ اور یہ ظفری اور ہمارے بزرگ مطلق صاحب ہیں۔"

"اور وہ۔۔۔ وہ ایڈووکیٹ۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ ایڈووکیٹ کہاں ہیں؟"

"یہ ہمارا سب آفس ہے۔ یہاں سے آپ کو تیار کرنے کے بعد مرزا ریاض بیگ سے ملاقات کرائی جائے گی۔"

"ہوں' لیکن میرے خیال میں لنچ کا وقت قریب ہے' کیوں نہ ہم لنچ کے بعد ان سے ملاقات کریں میں دارالحکومت۔"

"میرا نام دارالحکومت نہیں' شکیلہ ہے۔ اور اب آپ ضرورت سے زیادہ بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"دیکھا' دیکھا گھر میں لاتے ہی آنکھیں بدل لیں۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اس دنیا سے اس کے علاوہ اور کیا توقع کی جا سکتی ہے۔" ظفری اور مطلق دل چسپ نگاہوں سے محمود سانگا کو دیکھ رہے تھے۔ تب شکیلہ اس کے بارے میں ان لوگوں کو تفصیلات بتانے لگی اور ظفری بھی مسکرا اٹھا۔

بہر حال سانگا صاحب آپ سے مل کر واقعی مسرت ہوئی۔ اور اب تو آپ ایک بہت بڑی دولت کے مالک بننے جا رہے ہیں۔ دولت مندوں سے دوستی ذرا فائدہ مند ہی رہتی ہے۔"

"جس قسم کی دولت آپ مجھ تک منتقل کرنا چاہتے ہیں میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں۔"

"یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے۔ظاہر ہے ہم اس سلسلے میں آپ سے اور کچھ نہ کہیں گے لیکن آپ کو سن کر شاید افسوس ہو کہ مرزا ریاض بیگ اچانک دو روز کے دورے پر چلے گئے ہیں۔اس دوران آپ کو ہمارا ہی مہمان بننا ہوگا۔"

"صبح کا ناشتہ' دوپہر کا کھانا' اور شام کا کھانا باقاعدگی سے ملے گا نا؟" سانگا نے پوچھا۔

"یقیناً۔یقیناً۔" ظفری ہنستے ہوئے بولا۔

"تب اگر تم لوگ چاہو تو دو چار مہینے بھی مجھے یہاں رکھ سکتے ہو۔" سانگا نے جواب دیا اور ظفری اس کی دل چسپ شخصیت پر مسکرانے لگا۔کافی دیر تک وہاں بیٹھے گفتگو ہوتی رہی۔ شام کو وہ لوگ اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ظفری نے سانگا کو اپنے ہاں مہمان بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔تنہائی ملی تو ظفری سے شکیلہ نے پوچھا۔

"یہ دو روز کا پروگرام کیوں بنالیا گیا ہے؟"

"کچھ ایسی ہی باتیں ہوئی ہیں شکیلہ۔اس دوران ہمارا وہ جھمو کا للوا تو بڑا کارآمد ثابت ہوا ہے ہمارے لیے۔اس کی طرف سے کچھ ایسی معلومات حاصل ہوئی ہیں کہ ہمیں ایک دو روز کا وقفہ کرنا ضروری ہے۔"

"کیا مطلب؟" شکیلہ نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ابراہیم کا نگا کی شخصیت مشکوک ہوگئی ہے۔ٹیٹو کی رپورٹ کے مطابق شراب کے نشے میں ایسی باتیں کر رہا تھا جو ہمارے لیے تشویشناک ہیں۔"

"مثلاً ان کی نوعیت کیا تھی؟"

"اس کا صحیح اندازہ تو ذرا بعد میں ہی ہو سکے گا شکیلہ۔ٹیٹو مصروف ہے ہم نے اسے کچھ خاص ہدایات کی ہیں اگر اس کی طرف سے یہ نئی رپورٹ جلد مل جاتی ہے تو پھر ہم محمود سانگا

کو ریاض بیگ سے جلد ملوا دیں گے۔"

"اوہ۔کوئی تفصیل نہیں بتاؤ گے؟"

"میرا خیال ہے ابھی کوئی واضح بات نہیں ہے۔ بہت جلد واضح ہو جائے گی۔" ظفری نے جواب دیا اور شکیلہ خاموش ہوگئی تھی۔محمود سانگا واقعی دل چسپ شخصیت کا مالک تھا۔بیگم صاحبہ سے مل کر وہ بہت متاثر ہوا تھا۔اتنی بے تکلفی سے ہر شخص سے ملتا تھا۔کہ اجنبیت کا تصور ہی ختم ہو جاتا تھا۔بہر حال رات کو کافی دیر تک قہقہے اڑتے رہے۔پھر اسے سونے کے لیے اس کا کمرہ دکھایا گیا۔وہ ایک ایک چیز دیکھ کر اچنبے کا اظہار کر رہا تھا۔یوں لگتا تھا۔جیسے ایک طویل عرصے سے اس نے سکون کی زندگی نہ گزاری ہو رات کو کافی دیر تک شکیلہ ظفری سے گفتگو کرتی رہی تھی' پھر دوسرے دن جب وہ دفتر جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔انھیں ٹیٹو کا فون موصول ہوا۔ظفری نے ہی یہ فون ریسیو کیا تھا۔تھوڑی دیر تک وہ ٹیٹو کی گفتگو سنتا رہا۔ پھر گردن ہلا کر بولا۔

"ٹھیک ہے ٹیٹو تم دفتر پہنچ جاؤ' ہم لوگ تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔" فون بند کر کے ظفری' شکیلہ اور مطلق صاحب سانگا کے ساتھ باہر نکل آئے۔ظفری نے سانگا کو ان لوگوں کے حوالے کر دیا اور ٹیٹو کا انتظار کرنے لگا۔

"پتا نہیں' ٹیٹو نے ظفری کو کیا رپورٹ دی۔شکیلہ کو اس وقت کچھ معلوم نہیں ہوا تھا۔ لیکن شام کو ظفری نے اسے تفصیلات بتائیں تو وہ دنگ رہ گئی۔

"پھر اب کیا پروگرام ہے ظفری؟"

"شام کو ساتھ بجے ہم ابراہیم کا نگا سے مل رہے ہیں۔آفتاب احمد صاحب کی رپورٹ دے دی گئی ہے۔" ظفری نے پراسرار لہجے میں کہا۔

خوشنما بنگلے کے گیٹ پر ٹیٹو ہی ملا تھا۔ظفری نے راستے میں ایک ٹیلی فون بوتھ سے

ابراہیم سانگا کو فون کیا تھا اور اپنی آمد کی اطلاع دی تھی۔ ٹیٹو نے انھیں ایک خوشنما ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔ میں اطلاع دیتا ہوں۔'' اس نے کہا۔ ظفری کی ہدایت کے مطابق اس نے محمود سانگا کے سامنے کانگا کا نام نہیں لیا تھا۔

وہ لوگ انتظار کرتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیٹو ایک ٹرالی دھکیلتا ہوا اندر آیا۔ اس پر موسمی کے جوس کا بڑا سا جگ رکھا ہوا تھا۔ ساتھ ہی چند گلاس بھی۔

''آپ لوگ جوس سے شغل کریں۔ باس ابھی آتے ہیں۔'' وہ بولا۔ اور پھر ٹرالی ظفری کے آگے روکتا ہوا آہستہ سے بولا۔

''مسٹر کانگا نے اسے زیادہ لذیذ بنانے کے لیے کسی ایسنس کے کچھ قطرے اس میں ٹپکائے ہیں اس لیے یہ قابل استعمال نہیں ہے۔ لیکن ان کی آمد سے پہلے آدھا جگ خالی ہونا چاہیے۔'' ظفری کے چہرے پر سنسنی پھیل گئی تھی۔

ٹیٹو واپس چلا گیا۔ ظفری نے چار گلاسوں کے پیندوں میں تھوڑا تھوڑا جوس ٹپکایا اور پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور جگ کا مشروب آدھے کے قریب ایک گملے میں انڈیل دیا۔

''یہ۔ یہ کیا بد ذوقی ہے۔ موسمی کا جوس میں نے پچھلے چار ماہ سے نہیں پیا۔'' محمود سانگا نے احتجاج کرنے والے انداز میں کہا۔

''براہ کرم یہ گلاس اپنے سامنے صرف رکھے رہنے دیں۔ میں آپ کو تفصیل بہت جلد بتا دوں گا۔'' ظفری نے کہا۔

''لیکن جوس۔''

''یہاں سے نکل کر میں جوس کے ایک درجن گلاس آپ کو پیش کروں گا۔'' ظفری بولا۔ شکیلہ اور مطلق صاحب کے چہروں پر سنسنی پھیل گئی تھی ٹیٹو کی سرگوشی انھوں نے بھی محسوس

کی تھی۔ تقریباً پندرہ منٹ گزر گئے تب دروازے کا پردہ سرکا اور ابراہیم کانگا اندر داخل ہو گیا۔ اس کے مکروہ چہرے پر گہری مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

محمود سانگا کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ اچھل پڑا۔ ''او نکل بولو' آپ یہاں؟''

''ہاں میرے بچے۔ تمھاری یادداشت کا تو میں ہمیشہ قائل رہا ہوں۔ مجھے یقین تھا کہ تم مجھے دیکھتے ہی پہچان لو گے۔''

''انکل بولو۔ تو کیا آپ ابراہیم سانگا نہیں ہیں؟'' ظفری نے تعجب سے کہا۔

''سوری دوستو۔ یہ حقیقت ہے کہ میں کانگا نہیں ہوں۔ میں ابراہیم کانگا کا ہیرے کی کانوں کا پارٹنر ہوں۔ اپنے بھتیجے کو یہ اطلاع دیتے ہوئے میں غمزدہ ہوں کہ اس کا باپ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ کیوں۔ بھتیجے یہ بات تمھیں معلوم ہے نا کہ تمھارے باپ نے مجھ سے پارٹنرشپ کی تھی۔ ہمارے درمیان جو معاملات چل رہے تھے وہ دیانت دارانہ تھے' لیکن اس نے یہ معاملات دیانت داری سے نہ چلنے دیے اور فراڈ کر کے مجھے جیل بھجوا دیا۔ میں نے پورے سات سال جیل میں کاٹے۔ اگر کانگا مر نہ جاتا تو مار دیا جاتا۔ کیونکہ میں اس کے بعد اس کی دولت میں کسی کی شرکت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے ایسے کاغذات تیار کر لیے جن کے ذریعے ابراہیم کانگا نے اپنا حصہ بھی میرے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ لیکن تمھارا کانٹا باقی تھا۔ میں راستے صاف کر کے چلنے کا عادی ہوں۔ دوسری طرف افریقی حکومت تمھاری تلاش میں ہے تا کہ تمھارا ورثہ تمھیں منتقل کر دے۔ یہاں بھی میں نے ان کی کوشش سے فائدہ اٹھایا۔ اور اس سے قبل کہ حکومت کے نمائندے یہاں پہنچتے میں آ گیا۔ ان شریف لوگوں کی مدد سے بالآخر میں تمھیں پانے میں کامیاب ہو گیا۔ بس ڈیئر میری درخواست ہے کہ اب تم میرا راستہ صاف کر دو۔''

''تمھارا راستہ صاف ہے انکل لوبو۔ مجھے نہ اپنے باپ سے کوئی دل چسپی تھی اور نہ اس کی دولت سے۔'' محمود سانگا نے نفرت سے کہا۔

''اوہ۔ لیکن دوسرے لوگ تم میں دل چسپی لے رہے تھے۔ سانگا' وہ تمھیں ضرور مجبور کر دیتے۔''

''میں تمھاری کیا خدمت کر سکتا ہوں؟'' سانگا بولا۔

''اپنی خدمت تو میں خود کر چکا ہوں میرے بچے۔ لیکن افسوس تمھارے ساتھ یہ شریف آدمی بھی جان سے جا رہے ہیں۔ مجبوری تھی میرے بچو۔ میں بوڑھا اس کے علاوہ اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔''

''ہم سمجھے نہیں مسٹر بولو۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' ظفری نے کہا۔

''افسوس بچو' اس جوس میں تم زہر پی چکے ہو۔ تمھاری زندگیاں بھی میرے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھیں۔ میں کوئی شہادت اپنے خلاف نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔'' لوبو نے کہا۔

ظفری نے قہقہہ لگایا۔ ''تمھیں یہ احساس نہیں ڈیئر لوبو کہ تم بوڑھے ہو چکے ہو۔ تمھاری سوچ بوڑھی ہے اور تم جرم کرنے کی ذرا بھی اہلیت نہیں رکھتے۔ یہ دیکھو۔ اس ٹیپ ریکارڈر میں تمھارا اقبال جرم ریکارڈ ہو چکا ہے۔ کیا میں تمھیں سناؤں؟'' ظفری نے اپنے لباس سے ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈ نکال کر لوبو کو دکھایا۔ پھر اسے ریورس کر کے لوبو کی آواز اسے سنانے لگا۔

لوبو کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ ''اس کے علاوہ تمھارا فراہم کردہ جوس اس گملے میں موجود ہے اور گلاسیوں کے پیندے میں تم جو کچھ دیکھ رہے ہو وہ اتنا ہی تھا۔''

''کک۔ کیا بکواس ہے؟''

''بوڑھے آدمی' واقعی اگر تم ذہین ہوتے تو کم از کم اپنے اس بنگلے میں ہمارے کسی آدمی کی موجودگی کبھی نہ پسند کرتے۔ لیکن تم نے یہ حماقت کی۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ بے وقوفوں کا ادارہ نہیں ہے۔''

''اس کے باوجود تم زندہ نہ رہو گے۔'' لوبو غرایا۔ اس نے پھرتی سے پستول نکال لیا تھا۔

ظفری نے پھر قہقہہ لگایا۔ ''بوڑھے بیوقوف پستول خالی ہے۔ تمھاری کھوپڑی کی طرح۔'' اس نے کہا اور لوبو نے بے اختیار ٹریگر دبا دیا۔ لیکن پستول سے ٹرچ ٹرچ کی آوازیں نکل کر رہ گئی تھیں۔ دوسرے لمحے اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی لیکن جس قوت سے وہ باہر کی طرف لپکا تھا اسی رفتار سے اندر آن پڑا۔ دروازے میں ٹیٹو جنگ کا پوز بنائے کھڑا ہوا تھا۔

''میں تمھیں تمھارے عہدے کے بڑھنے کی مبارک باد دیتا ہوں ٹیٹو۔ باندھو اس گدھے کو۔'' ظفری نے کہا۔

ٹیٹو کے گھونسے نے لوبو کے حواس چھین لیے تھے۔ اب اس میں اٹھنے کی سکت بھی نہ رہی تھی۔ چنانچہ ٹیٹو نے اسے باندھ دیا۔ پھر ان لوگوں کو پندرہ بیس منٹ انتظار کرنا پڑا تھا۔ دروازے کی بیل سنائی دی' اور ایک پولیس آفیسر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔

وہاں سے واپسی پر محمود سانگا نے جھک کر غصیلے انداز میں کہا۔

''لڑکی تم شکل سے ہی مجھے فراڈ لگتی تھیں۔ کہاں ہے تمھارا ایڈووکیٹ جس سے ملانے تم مجھے یہاں لائی تھیں۔''

''اوہ مسٹر سانگا' چیف مصروف ہیں۔آپ آرام سے یہاں قیام کریں۔صبح کا ناشتہ' دوپہر کا کھانا اور شام۔''

''لیکن میں فرید پور جانا چاہتا ہوں۔''

''کیوں' یہاں کیا پریشانی ہے؟''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر تم پہلے ہی کہہ دیتیں تو کیا حرج تھا۔اس منحوس دکاندار کے پاس میں پورے انچاس روپے چھوڑ آیا ہوں۔'' محمود سانگا نے کہا اور شکیلہ ہنس پڑی۔یہ گدھا اسے واقعی پسند آ گیا تھا۔

☆......☆......☆

وقت بدل چکا تھا ایک زمانہ تھا جب مطلق صاحب مشاعرہ گاہوں کے دروازوں پر کھڑے نظر آتے تھے کہ کوئی شناسا مل جائے تو اندر لے جائے پڑھنے نہ دے تو کم از کم سننے کا موقع ہی مل جائے مشاعروں تک رسائی حاصل کرنے کی کوششیں انہوں نے نہ جانے کتنے عرصے کی تھیں۔ان کی گاڑیوں میں دھکے لگائے تھے ان کے گھر کے کام کاج تک کئے تھے لیکن مشاعروں میں وہ مطلق صاحب نے شناسائی کے بھی روادار ہوتے تھے۔دو چار مشاعروں میں کہیں نہ کہیں سے سفارش کرا کے پڑھنے کی اجازت ملی تھی تو ان شاعروں نے ان کی مٹی پلید کر دی تھی۔ہوٹنگ کرائی تھی انڈے پھنکوائے تھے اور نہ جانے کیا کیا تھا۔

لیکن وقت بدل چکا تھا سعدی اور ظفری نے اپنے برے حالات میں ان سے شناسائی پیدا کر کے سر چھپانے کا ٹھکانہ بنایا تھا لیکن شاید ان لوگوں میں شریف خون تھا انہوں نے احسانات کا صلہ بھرپور ادا تھا اور اب جب ان کے حالات شاندار ہو گئے تھے تو انہوں نے مطلق صاحب کو نظر انداز نہیں کیا تھا وہ ان کے بزرگ کی مانند زندگی گزار رہے تھے اور نئے شاندار بنگلے میں ان کے ساتھ ہی تھے گھر کے تمام معاملات ان کی نگرانی میں طے پاتے تھے اور کوئی ان سے انحراف کرنے کی مجال نہیں رکھتا تھا غرض مطلق صاحب عیش کی زندگی گزار رہے تھے۔شعر و شاعری کے علاوہ اور کوئی شغل نہیں تھا لیکن وہ پیاس ابھی تک باقی تھی جو کبھی نہ بجھی تھی۔ماضی یاد کرتے تو

شعروسخن کے ٹھیکیداروں کی زیادتیوں سے دل میں گھونسے لگتے تھے۔ کتنا برا سلوک کیا تھا ان لوگوں نے ان کے ساتھ بارہا دل میں سوچا کہ ان سے بدلہ لیا جائے۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی تھی مضطرب صاحب سے اکثر اشعاری چونچیں رہتی تھیں اور دونوں ایک دوسرے کو سنتے تھے برداشت کرتے تھے۔

تجویز مضطرب صاحب نے پیش کی تھی اور مطلق صاحب پھڑک اٹھے تھے لیکن اس تجویز کو مضطرب صاحب کی ملکیت کیسے رہنے دے سکتے تھے۔ چمک کر بولے۔

اماں مضطرب یہ دلوں میں اتر جانے کا فن تم نے کہاں سے سیکھا؟

خدا کی دین ہے مگر میں سمجھتا ہوں۔ مضطرب صاحب نے آداب کرتے ہوئے پوچھا۔

یعنی وہ خیال جو بوقت پیدائش ہمارے ذہن میں ہمارے ساتھ پیدا ہوا تھا تمہارے دل میں کہاں سے اتر گیا؟

کونسا خیال؟

اماں اسی مشاعرے کی بات کررہا ہوں۔ مطلق صاحب نے کہا اور مضطرب صاحب چونک کر انہیں گھورنے لگے انہیں اپنے تصور پر یہ ڈاکہ زنی برداشت نہ ہو پارہی تھی لیکن صاحب طرف تھے برداشت کرکے بولے۔

گویا آپ نے بوقت پیدائش یہ سوچا تھا؟

شاید اس سے بھی پہلے۔ مطلق صاحب مسکرا کر بولے اور پھر جلدی سے کہنے لگے۔ یہ ذہنی ہم آہنگی ہے۔ دو دل مل جائیں دو ذہن مل جائیں تو ایسے ہی جوبے تخلیق ہوتے ہیں۔

مگر بدقسمتی سے یہ میرا خیال نہیں ہے۔

ایں۔ کیا مطلب؟ مطلق صاحب چونک پڑے۔

میرے پردادا مرحوم نے یہ تجویز میرے دادا کو پیش کی تھی۔ دادا صاحب اس کی تکمیل نہ کرسکے تو انہوں نے وصیت میں والد صاحب کو لکھ دیا کہ کبھی حالات سازگار ہوں تو ایسا ایک مشاعرہ ضرور کرائیں مضطرب صاحب جل کر بولے۔

مطلق صاحب پہلے تو کچھ نہ سمجھے لیکن جب بات سمجھ میں آئی تو چونک کر بولے۔

گویا کہ۔۔۔۔ گویا کہ۔

جی ہاں میرے پردادا کی زندگی میں آپ عالم تصور میں بھی نہ تھے جبکہ میرے ذہن میں بشکل وصیت موجود تھی۔

آپ نے اسے اپنی نسلوں کے لئے مخصوص کرلیا ہوگا کیونکہ یہ آپ کے بس کی بات کہاں۔ مطلق صاحب بولے۔ پھر سنبھل کر کہنے لگے۔ لڑنے کی عادت نہیں جاتی تمہاری۔ میاں تجویز پر جھگڑا کیسا۔ ایسا کوئی کام اس وقت تک پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچتا جب تک اس میں باہمی تعاون نہ ہو بھلا ایک اتنی سی بات پر ہمارے درمیان کیا اختلاف ہوسکتا ہے کہ تجویز کسی کی تھی۔

اس کی ابتدا آپ ہی نے کی تھی مطلق صاحب۔

چلو میاں جانے دو۔ بڑے لوگوں کو بڑی باتیں کرنی چاہئیں چھوٹے مسئلوں پر اختلاف کیا معنی رکھتا ہے اب ذرا اس سلسلے کی کاغذی کارروائیاں کرڈالو بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ آج سے ہم ان کارروائیوں کا آغاز کرڈالیں۔ پہلے یہ سب کچھ کاغذی پیمانے پر ہوگا۔ ہم اپنے فنڈز کا جائزہ لیں گے پھر یہ پروگرام سعدی اور ظفری وغیرہ کے سامنے پیش کیا جائے گا تاکہ وہ اس کی اسپانسرشپ اپنے ذمہ لے لیں۔ اور اگر ان سے بات نہ بن سکی تو پروگرام ذرا چھوٹے پیمانے پر کرلیا جائے گا۔ ہمارے پاس بھی اچھے خاصے پیسے پڑے ہوئے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ پوری طرح اسٹیمیٹ کرنا ہوگا۔

میں دفتر سے اسٹیشنری اٹھالاؤں گا اور ہم رات کو سر جوڑ کر بیٹھ جایا کریں گے۔

مضطرب صاحب نے اختلاف ختم کرتے ہوئے کہا۔

دفتر کی اسٹیشنری کی ضرورت نہ پیش آئی بھلا اتنے بڑے کام کی ابتداء ہی غلط انداز میں کیسے کی جاسکتی ہے۔ ایک رجسٹر مطلق صاحب نے منگوالیا اور پھر آدمی رات تک دونوں بیٹھے اس مشاعرے کا پروگرام مرتب کرتے رہے۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ شہر کے کسی اچھے ہوٹل، کلب یا آرٹس کونسل وغیرہ میاں اس مشاعرے کا بندوبست کیا جائے۔ مشاعرے کو کل پاکستان مشاعرے کا نام دیا جائے۔ اخبارات میں اشتہارات دیئے جائیں کہ وہ شعراء کرام جو پاکستان کے کسی بھی گوشے میں گمنامی کی زندگی گزار رہے ہوں اور ان بڑے شعراء کی چیرہ دستیوں کا شکار ہیں جو کسی چھوٹے شاعر کی دال نہیں گلنے دیتے براہ کرم مندرجہ ذیل پتہ پر بارگاہ سخن کے چیئرمین جناب مطلق صاحب سے یا سیکرٹری جنرل مضطرب صاحب سے رجوع کریں۔ کیونکہ ایک کل پاکستان مشاعرہ منعقد کیا جارہا ہے جس میں انہی شعراء کرام کو دعوت دی جائے گی اور ان کے لئے کرایہ آمدورفت اور طعام وقیام کا معقول انتظام ہوگا۔ فوراً تیاریاں شروع کردیں اور اپنے مکمل کوائف بھیج دیں۔

اشتہار کے مسئلے پر طے کیا گیا تھا کہ پاکستان کے مشہور اخبارات میں مسلسل تین روز تک دیئے جائیں پتہ اسی کوٹھی کا تھا جس کے ایک دور دراز حصے میں بارگاہ سخن کی تختی لگادی گئی تھی۔ یہ ادارہ بہت پہلے مطلق صاحب نے قائم کرلیا تھا۔ اشتہار کا مضمون طے ہوگیا اور یہ بات مضطرب صاحب کے سپرد کردی گئی کہ اخبارات سے ان کے ریٹ لے لیں اس کے بعد اس ہال یا کلب کے سلسلے میں تگ ودو کا مسئلہ پیش آیا تو یہ ذمہ داری مطلق صاحب نے اپنے ذمہ لے لی۔ اخراجات کی بات آئی تو یہ فیصلے کرنے پڑے کہ کونسا شاعر کونسے شہر سے آتا ہے تو اسے آنے جانے کا کرایہ کتنا ادا کرنا ہوگا اور اس کے علاوہ اس کے طعام وقیام پر کیا خرچ آجائے گا۔ اخراجات بہت وسیع تھے لیکن اب حالات ایسے نہیں تھے کہ اس سلسلے میں زیادہ پریشانی اٹھانا پڑتی۔ مضطرب

صاحب نے ایک مجلے کی پیشکش کردی جو اس سلسلے میں شائع کیا جائے گا اور اس میں تمام شعرا کرام کی غزلیں زیر سرپرستی چیئرمین مطلق صاحب اور جنرل سیکرٹری مضطرب صاحب کے شائع ہوں گی۔ بہر طور یہ کاغذی کارروائیاں پانچ چھ روز میں مکمل ہوگئیں مضطرب صاحب نے اخبارات سے اشتہارات کے ریٹ وغیرہ لے لئے۔ اخراجات کی فہرست بنالی گئی اور اپنے اپنے بجٹ کا اظہار کردیا گیا۔ کافی رقم موجود تھی ان لوگوں کے پاس لیکن جب تجویز سعدی اور ظفری اور شکیلہ کے سامنے پیش کی گئی تو وہ مسکرا اٹھے۔

اتنا بڑا کام کررہے ہیں آپ مضطرب صاحب۔ چنانچہ اس کے تمام اخراجات کی پیش کش ہم کرتے ہیں۔ آپ انتظامات کیجئے۔ بھاگ دوڑ کیجئے۔ اخراجات کی بالکل فکر نہ کیجئے۔

مطلق صاحب اور مضطرب صاحب فرط مسرت سے جھوم اٹھے تھے۔ اس سے بڑی بات اور کیا ہوسکتی تھی کہ سعدی اور ظفری بھی ان دنوں فرصت سے ہی تھے کوئی خاص کیس ہاتھ میں نہیں تھا۔ اور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ میں عیش وآرام کی زندگی بسر ہورہی تھی چنانچہ انہوں نے سوچا کہ کیوں نہ وہ بھی اس تفریح میں حصہ لے لیں۔ سب کی تجاویز شامل ہوگئیں۔ شکیلہ نے پریس کے لئے پیش کش کردی اور پریس کو باقاعدہ دعوت نامے جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اور اس سلسلے میں صحافیوں کے لئے کچھ خصوصی اخراجات کا تعین بھی کرلیا گیا۔ اور اس کے بعد جب یہ تمام کارروائی مکمل ہوگئی تو اس عجیب وغریب مشاعرے کے لئے اشتہارات دے دیئے گئے۔ درحقیقت ان اشتہارات نے کھلبلی مچادی تھی۔ کوئی تو ایسا صاحب دل پیدا ہوا کہ جو دنوں میں گھٹی ہوئی غزلوں کو منظر عام پر لائے۔ سینوں کی بھڑاس نکالنے کا موقع دے شاعروں کے خطوط آنا شروع ہوگئے۔ تعریف وتوصیف کے انبار اور اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے تذکرے تقریباً تمام ہی شاعروں کو دعوت نامے جاری کردیئے گئے تھے۔ ان دعوت ناموں میں خاص طور سے یہ تحریر درج تھی کہ پرانے شعراء کرام کا داخلہ ممنوع ہے اور وہ تشریف لانے کی زحمت نہ کریں۔ ایک بڑے

سے ہال کا بندوبست کرلیا گیا تھا۔ بہترین انتظامات کئے جا رہے تھے۔ سعدی ظفری اور شکیلہ تینوں ہی اس میں مصروف تھے۔ ظاہر ہے کہ تفریح کا کوئی ذریعہ ہاتھ آئے تو ہاتھ سے چھوڑنا ممکن نہیں تھا اور پھر [illegible] رہ بھی اتنا دلچسپ۔ شعراء کرام کے قیام کے لئے چند ہوٹلوں میں بندوبست کیا گیا تھا۔ اور اس کے بعد وقت مقررہ پر شعرا کی آمد شروع ہوگئی۔

استاد بدول، مرزا کمبخت، استاد دیوانہ، دلدل شکار پوری جاہل پرسی، اور نجانے کون کون جس نے اشتہار دیکھا خط لکھ مارا اور ان کو باقاعدہ بذریعہ ریل کرایہ آمدورفت روانہ کردیا گیا۔

کچھ تو وقت سے بہت پہلے ہی آگئے تھے تاکہ سیر و سیاحت کا مزا بھی لیں۔ اور مفت کا قیام و طعام بھی حاصل کریں۔ بہر طور ان بھانت بھانت کے شعراء کے بارے میں خاص شہرت ہوگئی تھی اور اخبارات نے اپنے طور پر بھی اس دلچسپ مشاعرے کے بارے میں بہت کچھ لکھا تھا۔

جغادری شعراء کے بیانات بھی شائع ہوئے تھے بعض نے برہمی کا اظہار کیا تھا کہ اس طرح شعر و سخن کی حرمت لوٹی جارہی ہے۔ لیکن کام غیر قانونی نہیں تھا اس لئے سرکاری مداخلت نہیں کرا سکتے تھے منتظمین بڑی پرجوشی سے اپنے کاموں میں مصروف تھے یہاں تک کہ وہ دن آگیا جب محفل مشاعرہ منعقد ہونے والی تھی۔ بڑی پروقار محفل تھی۔ شعراء کرام تشریف لانا شروع ہوگئے کرسی صدارت پر جناب مطلق صاحب جلوہ گر ہوئے اور مہمان خصوصی مضطرب صاحب تھے۔ پھولوں کے ہاروں سے ان دونوں کو لاد دیا گیا تھا۔ اخباری فوٹو گرافر دھڑا دھڑ تصاویر بنانے لگے۔ یہ مطلق صاحب کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو تھی جو آج پوری ہورہی تھی اس کے بعد صدر مشاعرہ کی جانب سے سب سے پہلے مرزا کمبخت کو پڑھنے کی دعوت دی گئی اور مرزا کمبخت نے جھوم جھوم کر ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں، ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں مطلع سے پہلے مقطع پڑھنا شروع کیا۔

حاضرین قہقہے لگانے لگے لیکن مطلق و مضطرب بڑے صبر و سکون سے مرزا کمبخت کو سن

رہے تھے پھر دوسرے شعراء کرام بھی گلفشانیاں کرنے لگے۔ ہر غزل کہیں نہ کہیں سے اڑائی گئی تھی ایک شاعر نے غزل پڑھی تو مجمع سے آواز آئی۔

"باہر نکلو جس کی غزل ہے وہ باہر کھڑا ہوا تمہارا انتظار کر رہا ہے۔"

لیکن شاعر نے جان کی بازی لگا دی تھی۔ زندگی میں پہلا موقع ملا تھا کسی مشاعرے میں پڑھنے کا چنانچہ اس موقع پر ہر طرح کی قربانی دی جاسکتی تھی۔ استاد بیگانہ بیچارے تو تلے تھے۔ انہوں نے مقطع پڑھا۔

تر دیا ہے دم حالات نے بیدانہ ہمیں

تو محفل زعفران زار ہوگئی۔ بار بار استاد سے مقطع پڑھایا گیا اور استاد نے بغیر کسی جھجک کے۔ تر دیا ہے دم حالات نے بیدانہ ہمیں۔ پڑھا۔

مشاعرہ کیا تھا قہقہوں کا طوفان تھا۔ غالباً داد قہقہوں کی شکل ہی میں مل رہی تھی۔ پریس فوٹو گرافر، رپورٹر ہنس ہنس کر بے حال ہوئے جا رہے تھے۔ نہایت کامیاب مشاعرہ گیا اور تقریباً صبح کو ساڑھے چار بجے تک یہ محفل مشاعرہ جاری رہی سننے والے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگئے تھے اور یہی اس محفل کی کامیابی تھی۔ اس دور میں ثقیل اشعار بدہضمی پیدا کردیتے ہیں۔ ہنسنے ہنسانے کا کوئی موقع لوگ ہاتھ سے چھوڑنا پسند نہیں کرتے جو شریک ہوئے تھے وہ خوش تھے اور جنہوں نے اس مشاعرے کی روداد سنی وہ کف افسوس ملتے رہ گئے کہ کاش وہ بھی اس میں شریک ہوتے مطلق صاحب نے تین اور مضطرب صاحب نے دو غزلیں پڑھی تھیں کیونکہ وہ صدر اور مہمان خصوصی تھے اور پھر اخراجات بھی انہوں نے ہی برداشت کئے تھے بہر طور پریس نے بھی اس کل پاکستان مشاعرے کی بڑی عمدہ کوریج کی تھی اور اس طرح مطلق صاحب نے پرانے شعراء سے اپنا سارا بدلہ چکا لیا تھا۔ پرانے شعراء بھی مشاعرے پر تنقید کرنے پر مجبور تھے۔ کیونکہ ان کی توہین کی گئی تھی۔

سعدی، ظفری اور شکیلہ نے اس مشاعرے سے پورا پورا لطف اٹھایا تھا اور کافی دن کی ہنگامہ خیزیوں کے بعد بہر طور پروگرام پایہ تکمیل کو پہنچ چکا تھا۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ میں آج کل کچھ زیادہ ہی سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ویسے سعدی، ظفری اور شکیلہ اب اس مسئلے میں بہت زیادہ پریشان بھی نہیں رہتے تھے کیونکہ بہت سے ایسے معاملات تھے جن سے ان کی مستقل آمدنی کی سبیل پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی کام بھی جاری رہنا چاہئے تھا۔ چنانچہ انتظار ضرور کیا جاتا تھا اور پھر انتظار کی کٹھن گھڑیاں ختم ہوئیں۔ اسکا طریقہ کار ذرا مختلف تھا لیکن بہر طور۔ ایک دعوت نامہ ان لوگوں کو بذریعہ ڈاک موصول ہوا تھا جس میں ایک تقریب میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی انہیں۔ تقریب ایک جوڑے کی شادی کی سالگرہ کی تھی اور صاحب تقریب شہر کی معزز ہستیوں میں شمار ہوتے تھے۔ اس دعوت نامے پر خصوصاً غور کیا گیا کیونکہ یہ بالکل اجنبی لوگوں کی جانب سے تھا۔ تبصرے ہوئے شکیلہ نے کہا۔

"چونکہ اب ہم لوگ عوامی حلقوں میں نامانوس نہیں رہے ہیں اور معززین میں تصور کئے جاتے ہیں اسلئے کوئی بھی پروقار تقریب ہمارے بغیر مکمل نہیں ہوتی یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر غور کیا جائے۔"

سعدی کہنے لگا۔

"اس کے باوجود ہمیں اس تقریب میں شرکت ضرور کرنی چاہئے کیونکہ ہمیں خاص طور سے یاد کرنے والا بے مقصد ہی ہماری جانب رجوع نہیں ہوا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ وقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔ اگر ہم عوامی حلقوں میں مقبول بھی ہو گئے ہیں تو بہر طور اس ذاتی تقریب میں ہماری شرکت کیا معنی رکھتی ہے اور ہمیں اس سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟" ظفری کا نقطہ نظر تھا۔

لیکن اس سلسلے میں ووٹنگ ہوئی اور چونکہ سعدی اور شکیلہ اس تقریب کے حق میں تھے

اس لئے ظفری بھی خاموش ہو گیا۔

تقریب شہر کے ایک فیشن ایبل علاقے میں ایک خوبصورت کوٹھی میں تھی۔ تیاریاں کرنے کے بعد تینوں ہی ساتھ پہنچے تھے استقبال کرنے والا ایک تقریباً پچاس سالہ شخص تھا جو چہرے اور لباس وغیرہ سے خاصا پروقار نظر آتا تھا۔ کوٹھی کے حسین لان پر تقریب منعقد کی گئی تھی۔ استقبال کرنے والے کو جب سعدی، ظفری اور شکیلہ نے اپنے نام بتائے اور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا حوالہ دیا تو اس نے کچھ زیادہ ہی گرمجوشی کا مظاہرہ کیا اور پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"میرا نام محمود رانا ہے۔"

بڑی مسرت ہوئی آپ سے ملاقات کر کے رانا صاحب لیکن میرا خیال ہے یہ ہماری پہلی ہی ملاقات ہے یا اس سے پہلے کہیں تعارف ہو چکا ہے۔

میں آپ کو جانتا ہوں۔ یقیناً آپ لوگ مجھے نہیں جانتے براہ کرم تشریف رکھئے۔

مسز رانا کہاں ہیں؟ شکیلہ نے سوال کیا۔

وہ سبز ساڑھی میں ملبوس۔ میں ابھی ان سے آپ کی ملاقات کراؤں گا۔ لیکن ایک درخواست وقت سے پہلے کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ صرف میرے دوستوں کی حیثیت سے ان سے ملیں۔ براہ کرم اپنا مکمل تعارف نہ کرائیں یہ آپ کے پیشے سے متعلق بات ہے۔

بہت بہتر آپ مطمئن رہیں رانا صاحب۔ سعدی نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ آگے بڑھ گئے۔

شکیلہ آہستہ سے بولی۔

کیوں ظفری ہم دونوں کا خیال ہی درست تھا نا۔ ہماری یہ شرکت سو فیصدی کاروباری ہے۔

ظفری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تقریب میں شامل ہونے والے مہمان معزز تھے اور

بہت سی صورتیں جانی پہچانی بھی لیکن ان میں ایسے لوگ نہیں تھے جو سعدی یا ظفری وغیرہ سے براہ راست شناسا ہوتے کافی دیر تک مہمان آتے رہے اور اس کے بعد شادی کی رسم سالگرہ منائی گئی مسز رانا ایک خوبصورت عورت تھیں اور خوش مزاج بھی معلوم ہوتی تھیں۔ سعدی، ظفری، اور شکیلہ سے براہ راست اس کا تعارف نہیں ہوسکا اور محمود رانا نے جب یہ کہا تھا کہ یہ لوگ اپنی اصل حیثیت سے بیگم رانا سے متعارف نہ ہوں اس وقت سے شکیلہ نے بھی ان خاتون سے رسمی ملاقات کرنے کا فیصلہ بھی ترک کردیا تھا۔ سالگرہ کا کیک کٹا۔ تالیاں بجیں اور اس کے ساتھ مہمان ایک دوسرے میں گم ہوگئے کسی نے خاص طور سے ان لوگوں کی طرف توجہ نہیں دی تھی لیکن تھوڑی دیر کے بعد محمود رانا ہی ان کے قریب آ گیا اور پھیکی ہنسی کے ساتھ بولا۔

معاف کیجئے گا آپ لوگ، یہاں آپ کے زیادہ شناسا نہیں ہیں میں دراصل آپ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا لیکن آپ کے پاس پہنچنے سے پہلے آپ کی زیارت بھی ضروری سمجھتا تھا۔ آج آپ سے ملاقات ہوگئی۔ میری ایک الجھن ہے جس کے لئے میں آپ کا سہارا لینا چاہتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے اس تعارف کے بعد مجھے آپ کے دفتر پہنچنے میں کوئی جھجک نہیں ہوگی۔

آپ تعارف کے بغیر بھی تشریف لا سکتے تھے بہر طور جیسا آپ نے مناسب سمجھا ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔ سعدی نے کہا۔

کل کوئی وقت مل سکے گا آپ کے پاس؟

آپ کی پسند کے مطابق۔

گیارہ بجے حاضر ہوجاؤں؟

ضرور تشریف لایئے۔

آپ لوگ یہاں اپنے آپ کو اجنبی تصور نہ کریں۔ ابھی تک دردانہ سے آپ کا تعارف نہیں ہوسکا۔ میرا خیال ہے یہ اچھا ہی ہے اگر وہ خود آپ کی جانب متوجہ ہوجاتی تو میں مجبور

اس سے آپ کا تعارف کرادیتا۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔

قطعی نہیں رانا صاحب میرا خیال ہے کہ ہم لوگوں کو اجازت دیجئے۔

سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ کھانا کھا کر جایئے۔ میری مجبوری کو معاف کیجئے گا۔ کل جب آپ میری الجھن جان لیں گے تو آج کے اس رویئے کو قابل اعتراض تصور نہ کریں گے۔

ٹھیک ہے آپ مطمئن رہیں۔

کھانے سے فراغت حاصل ہوئی۔ تقریب میں کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی کہ اس پر کوئی تبصرہ کیا جاسکتا۔ تینوں واپس چلے گئے۔ شکیلہ نے راستے میں ہی پیش گوئی کردی تھی کہ رانا محمود صاحب کا جو بھی مسئلہ ہے اپنی بیوی سے متعلق ہے۔ بہر طور دوسرے دن گیارہ بجے مضطرب صاحب نے کسی محمود رانا کے آنے کی اطلاع دی یہ لوگ اسی کا انتظار ہی کر رہے تھے محمود رانا شناسائی کے انداز میں مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ ظفری اور سعدی سے ہاتھ ملایا اور ان کی پیشکش پر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

میرا خیال ہے میں اپنا مسئلہ بغیر کسی خاص تمہید کے آپکے سامنے پیش کردوں تا کہ آپ کا وقت بھی ضائع نہ ہو اور میں تو ایک بڑی محتاط زندگی گزار رہا ہوں اسلئے غیر محتاط انداز میں کہیں زیادہ وقت بھی نہیں گزار سکتا۔

بہتر یہی ہے رانا صاحب۔

اس سے پہلے ایک دو سوالات ضرور کروں گا مثلاً یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ...."

جی یہ ادارہ خدمت ہے اور ہر پریشان حال انسان کی مدد کرتا ہے اور اس کے لئے معقول معاوضہ لیتا ہے۔

کیا میں اس بات کا اطمینان رکھوں کہ میری ہر بات صیغہ راز میں رہے گی۔

یہ ہمارے زریں اصولوں میں سے ایک ہے۔ ظفری نے جواب دیا۔

بے حد شکریہ بس اس سے زیادہ میں کچھ جاننا بھی نہیں چاہتا۔ دراصل مجھے اپنی زندگی کا خطرہ ہے میں دعوے سے کہتا ہوں کہ مجھے قتل کر دیا جائے گا اس کے لئے میں وقت کا تعین نہیں کرسکتا لیکن میری تقدیر میں یہی ہے محترم یہ بات کہنے کی نہیں ہے کہ ہر شخص جینا چاہتا ہے اپنے دشمنوں سے بچنے کا خواہشمند ہوتا ہے لیکن مجھ جیسے بدقسمت لوگ جنہیں وقت سے پہلے یہ معلوم ہو جائے کہ کچھ لوگ ان کی زندگی کے گاہک ہیں کم ہوتے ہیں۔ میں انہی میں سے ایک ہوں۔

سعدی اور ظفری دلچسپی سے محمود درانا کو دیکھ رہے تھے پھر سعدی نے کہا۔

اور یقیناً آپ یہ بتانا پسند کریں گے کہ آپ کے وہ دشمن کون ہیں یا پھر آپ کو خود بھی ان کے بارے میں نہیں معلوم۔

نہیں میں جانتا ہوں اچھی طرح جانتا ہوں۔

تو آپ نے ان سے بچنے کا کوئی بندوبست نہیں کیا۔

میں جرم کی دنیا کا انسان نہیں ہوں۔ میں نے ساری زندگی محنت اور دیانت سے کاروبار کرنے میں بسر کی ہے چنانچہ میں اپنے آپ کو اس سلسلے میں بالکل معذور پاتا ہوں اور پھر دشمن میری شہ رگ کے قریب ہے۔ میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ میں اسے اپنا دشمن ثابت کرسکوں بس کچھ ایسے حالات ہیں جناب کہ میں شاید اپنے آپ کو بھی مطمئن نہیں کرسکتا۔

آپ فکر نہ کریں اور مجھے یہ بتائیں کہ آپ کا وہ دشمن کون ہے۔

میری بیوی دردانہ محمود۔

اوہ اس لئے آپ نے ہمیں ان سے نہیں متعارف کرایا۔

ہاں یہی وجہ تھی۔

لیکن آپ کی بیوی آپ کو کیوں قتل کرنا چاہتی ہے۔

معاف کیجئے گا میں اپنے آپ کو آپ کے سامنے برہنہ کر رہا ہوں لیکن بعض اوقات

مجبوریاں اپنے آپ کو اتنا ہی پست کر دیتی ہیں۔ وہ مجھے سہیل عادل کی وجہ سے قتل کرنا چاہتی ہے شاید گہرے نیلے سوٹ میں ملبوس آپ نے اس قدآور شخص کو دیکھا ہوگا جو زیادہ تر تقریب میں میری بیوی کے ساتھ ہی رہا بلکہ جس وقت ہم اپنی شادی کی سالگرہ کا کیک کاٹ رہے تھے وہ میری بیوی سے اتنا قریب تھا جتنا میں خود بھی نہیں تھا۔

اوہ افسوس ہم نے غور نہیں کیا آپ اگر تھوڑا سا اشارہ کر دیتے تو ہم اسے نگاہ میں رکھتے۔

کوئی حرج نہیں ہے عادل انڈسٹریز کے سہیل عادل کے بارے میں آپ جب اور جہاں سے چاہیں معلومات حاصل کرسکتے ہیں وہ کاروبار کی دنیا میں نیا آ رہا ہے لیکن بڑے اعلیٰ پیمانے پر ترقی کرتا جا رہا ہے اور جانتے ہیں یہ ترقی کس طرح ہو رہی ہے۔ میری دولت سے میرے پیسے سے میں آپ کو مزید تفصیل بتا دوں۔ میں مالی طور پر بالکل کمزور تھا اور میرے پاس اپنے کاروبار کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ میری اور دردانہ کی شادی ایک اخباری اشتہار کے ذریعے ہوئی اور دردانہ کے والد نے انٹرویو لینے کے بعد بخوشی مجھے اپنا داماد بنانا پسند کیا۔ انہوں نے ایک چھوٹا سا کاروبار دردانہ کے نام منتقل کر دیا تھا میری ذمہ داری تھی کہ میں اس کاروبار کو بڑھاؤں چڑھاؤں اور میں نے ایسا ہی کیا۔ دردانہ نے مجھے اپنے پارٹنر کی حیثیت سے کاروبار میں جگہ دیدی تھی اور میں نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر کے اس کاروبار کو چار چاند لگا دیئے یوں سمجھ لیجئے کہ وہ موجودہ کاروبار سے دو فیصد بھی نہیں تھا۔ میں نے دولت کے انبار لگا دیئے لیکن پھر ہماری زندگی میں سہیل عادل آ گیا۔ دردانہ کا کہیں دور کا رشتہ دار تھا۔ وہ دردانہ سے ملا دو ماہ تک ہمارے ہاں رہا پھر اپنا بنگلہ وغیرہ خرید لیا اور اس کے بعد اپنے کاروبار کا آغاز کر دیا لیکن آپ شاید اس بات پر یقین نہ کریں کہ میرے بینک بیلنس میں کمی ہوتی چلی گئی۔ لاکھوں روپے میرے بینک بیلنس سے نکالے جاتے رہے اور مجھے ان کی خبر بھی نہ ہوئی میں نے صورتحال سے واقف ہونے کے بعد بینکوں سے

رجوع کیا چیک میرے لکھے ہوئے نہیں ہوتے تھے لیکن ان پر دستخط میرے ہی ہوتے تھے اور بینک نے یہ بھی بتایا کہ اتنی بڑی بڑی رقومات کے چیک کیش کرتے ہوئے بینک نے ٹیلیفون پر مجھ سے رابطے قائم کئے تھے اور میں نے یہ چیک کنفرم کئے تھے اب بتایئے ان حالات میں میں یہ دعویٰ کیسے کرسکتا ہوں کہ یہ رقومات میں نے بینکوں سے نہیں نکالیں کیا آپ اس بات پر یقین کرسکتے ہیں یہ رقومات کروڑوں تک پہنچ جاتی ہیں؟ کروڑوں روپے کی یہ رقم پراسرار طریقے سے خورد برد کردی گئی اور سہیل عادل کا کاروبار بڑھتا چلا گیا۔ گو اب بھی میرا کاروبار ٹھیک ہے لیکن میں مالی طور پر دیوالیہ ہوچکا ہوں اور میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ میں اپنے اس کاروبار کو جاری رکھ سکوں میں بہت پریشان ہوں اور اپنے طور پر میں نے ہر ممکن کوشش کرلی لیکن وہی بات ہے کہ کس طرح اس صورتحال سے نمٹنے کی کوشش کروں دردانہ سے اس سلسلے میں میرا اختلاف رہنے لگا لیکن وہ مجھے خاطر میں نہیں لاتی اور سہیل عادل کے ساتھ گلچھرے اڑاتی پھرتی ہے پھر میں نے ان لوگوں کی ایک اسکیم سنی۔ یہ مجھے قتل کردینا چاہتے تھے اور اس سلسلے میں منصوبہ بندیاں کررہے ہیں میں نہیں جانتا کہ وہ مجھے قتل کرنے کے لئے کیا طریقہ کار اختیار کریں گے؟ لیکن ایک بات میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اب میری زندگی طویل نہیں ہے۔''

''تو آپ پولیس سے اس سلسلے میں مدد کیوں نہیں لیتے۔'' سعدی بولا۔

''کس بنیاد پر؟ کیا کہوں پولیس سے؟ اپنی بیوی پر الزام لگاؤں؟ سہیل عادل پر الزام لگاؤں؟ کیا کروں؟ کیا ثبوت پیش کروں پولیس کو؟ اور کیا کرسکے گی پولیس اس سلسلے میں؟ آپ لوگ خود اچھی طرح جانتے ہیں۔''

''تو پھر آپ ہم سے کس قسم کی مدد چاہتے ہیں؟''

''میں جانتا ہوں کہ اگر آپ لوگ میری حفاظت کے لئے کمربستہ ہوجائیں تو زیادہ سے زیادہ کیا کرسکتے ہیں۔ باڈی گارڈ لگادیں گے میرے ساتھ اور کوئی ایسا بندوبست کریں گے

لیکن میری ذہنی حالت جو کچھ ہے اس کے تحت اس دنیا میں کوئی میری مدد نہیں کرسکتا انسان سے اس کی زندگی کا سہارا چھن جائے۔ زندگی کا ساتھی ہی برگشتہ ہوجائے تو اس کی اپنی کیا کیفیت ہوگی۔ آپ کو خود اندازہ ہے۔''

''یقیناً آپ درست کہتے ہیں لیکن اب وہ ذریعہ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا ہے جس سے ہم آپ کی مدد کرسکتے ہیں۔''

''آپ میری صرف ایک مدد کریں اگر میں ہلاک ہوجاؤں مجھے قتل کردیا جائے تو آپ ان دونوں کو منظر عام پر لے آئیں یہ ثابت کریں کہ میرے قاتل یہی دونوں ہیں۔ ان کے علاوہ مجھے کوئی اور قتل نہیں کرسکتا۔''

''ہوں! اس کے لئے ہمیں آپ کا یہ بیان ریکارڈ کرنا پڑے گا۔'' سعدی نے کہا۔

''میں اس کے لئے تیار ہوں اور اس کے علاوہ میں آپ کو تحریری طور پر بھی یہ لکھ کر دینے کے لئے تیار ہوں کہ اگر میں ہلاک ہوجاؤں تو آپ ان دونوں کو قانون کے حوالے کردیں۔''

ظفری نے شکیلہ کو اشارہ کیا اور شکیلہ اندر جاکر ایک نفیس قسم کا ٹیپ ریکارڈر اٹھا لائی۔ ٹیپ ریکارڈر پر محمود رانا نے تحریری طور پر بھی یہ تفصیلات لکھ کر دیدیں اور اس کے بعد سکون کی سانس لی پھر وہ کہنے لگا۔

''اس سلسلے میں آپ کی خدمات کا کیا معاوضہ پیش کرنا ہوگا مجھے؟''

''ویسے تو انسانی ہمدردی کی بنیاد پر ہم یہ کام بلا معاوضہ بھی آپ کے لئے کرسکتے ہیں بلکہ یہ کوشش بھی کرسکتے ہیں کہ آپکی زندگی کو تحفظ دیا جائے ہمیں سوچنے کا موقع دیجئے ہم اس کا بندوبست بھی کرنے کی کوشش کریں گے لیکن اگر کاروباری نقطۂ نظر سے آپ ہمارا معاوضہ پوچھتے ہیں تو ذمہ داری ہم پچاس ہزار روپے کے عوض پوری کرسکتے ہیں۔''

محمود رانا نے جیب سے چیک بک نکالی اور پچاس ہزار روپے کا چیک کاٹ کر ظفری کے حوالے کر دیا۔ ظفری نے شکریہ کے ساتھ چیک قبول کر لیا۔

ٹھیک ہے محمود رانا صاحب آپ کی زندگی کو اس طرح ضائع نہیں ہونے دیا جائے گا۔ عارضی طور پر جس طرح آپ اپنا تحفظ کر رہے ہیں اسی طرح جاری رکھیں اب آپ ہمارے کلائنٹ بن چکے ہیں سب سے پہلے ہم کل آپ کا میڈیکل چیک اپ کرائیں گے اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ آپ کو سلو پائزن وغیرہ تو نہیں دیا جا رہا اور اس کے بعد آپ کے تحفظ کے لئے معقول بندوبست کر دیا جائے گا۔ باقی رہی آپکی تحریر اور آپکی آواز کا ریکارڈ تو میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ آپ کی زندگی کا مکمل تحفظ کیا جائے گا۔

بہر طور میں نے اب اپنے آپکو آپ کے سپرد کر دیا ہے آپ کل کس وقت میرا چیک اپ کرانا چاہتے ہیں۔

"مجھے بھی شبہ ہے لیکن بہر طور میں وقت نکال لوں گا۔"

"تو پھر کل ٹھیک گیارہ بجے آپ یہیں پہنچ جائیے میں آپ کو خود ساتھ لیکر جاؤں گا۔" ظفری نے کہا۔

محمود رانا نے شکریہ ادا کیا اور اس کے بعد اس نے اجازت طلب کر لی۔ محمود رانا کے جانے کے بعد سعدی، ظفری اور شکیلہ اس مسئلے پر غور کرتے رہے تھے۔ شکیلہ نے کہا۔

"اس سلسلے میں چند اہم پوائنٹ ذہن میں آتے ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ چیک کون لکھتا تھا اور دستخط کس طرح کرائے جاتے تھے ہینڈ رائٹنگ ایکسپرٹ یہ بات تو بتا سکتے ہیں کہ یہ دستخط محمود رانا کے ہیں یا نہیں۔ بینک اتنی بڑی بڑی رقومات صحیح طور پر تصدیق کئے بغیر کیسے دے سکتا ہے اس کے علاوہ اتنی عمر ہونے کے بعد دردانہ کو سہیل عادل کی کیا سوجھی۔؟۔"

"خیر خواتین کا تو مسئلہ ہی مختلف ہے وہ اپنی صحیح عمر تسلیم کب کرتی ہیں؟" ظفری نے

کہا۔

"اس گفتگو میں اس احمقانہ بات کی گنجائش کہاں سے نکل آئی؟" شکیلہ نے کہا۔ "سب سے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اس کی زندگی کے تحفظ کے لئے کیا کریں؟ اگر ٹیٹو کو اس کی مستقل نگرانی کے لئے معمور کر دیا جائے تو کیا ٹیٹو یہ کام بآسانی انجام دے سکتا ہے۔"

"لیکن اس سے اس بات کا اظہار بھی ہو جائے گا کہ محمود رانا نے کسی کا سہارا حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"تو پھر میرا خیال ہے کل محمود رانا کا میڈیکل چیک اپ کرانے کے بعد اس سے اس سلسلے میں بھی تمام سوالات کر لئے جائیں گے۔" سعدی بولا اور ان لوگوں کے درمیان یہ بات طے ہو گئی۔

پچاس ہزار روپے کا چیک بینک میں پہنچا دیا گیا تھا۔ دوسری صبح جبکہ سعدی اور ظفری سو کر بھی نہ اٹھے تھے شکیلہ چونکہ صبح خیزی کی عادی تھی اس لئے غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر چائے پی رہی تھی اور سامنے ہی اخبار رکھا ہوا تھا کہ دفعتاً چائے کی پیالی اس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔ منہ میں بھری ہوئی چائے باہر نکلتے نکلتے بچی تھی اس نے پیالی رکھ دی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس خبر کو دیکھنے لگی جس کے ساتھ محمود رانا کی تصویر بھی چھپی تھی۔ عنوان تھا مقبول تاجر اور صنعتکار محمود رانا کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ شکیلہ نے دھندلائی ہوئی آنکھوں سے پوری خبر پڑھ ڈالی۔ تفصیل یوں تھی کہ رات کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے کچھ مسلح افراد محمود رانا تاجر اور صنعتکار کی رہائش گاہ میں داخل ہوئے مسز رانا اس وقت گہری نیند سو رہی تھیں مسلح افراد نے محمود رانا کے پاس پہنچ کر تجوریوں کی چابی مانگی اور محمود رانا کے جدوجہد کرنے پر ان پر فائرنگ شروع کر دی گئی ایک گولی محمود رانا کی پیشانی پر اور دوسری دل کے مقام پر لگی اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گئے فائرنگ کی آواز سن کر ملازم جاگ اٹھے اور انہوں نے ڈاکوؤں کو فرار ہوتے ہوئے دیکھا پولیس واردات کے ٹھیک آدھے

گھنٹے بعد موقع واردات پر پہنچ گئی تھی۔ تفتیش جاری ہے۔"

شکیلہ سناٹے میں آ گئی تھی محمود رانا کا خوف اس حد تک درست تھا اور اس کی زندگی اتنی مختصر تھی یہ کسی نے نہیں سوچا تھا۔ بہرطور اس کے بعد شکیلہ نے سعدی اور ظفری کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگایا تھا اور سعدی اور ظفری بھی دنگ رہ گئے بے چارے محمود رانا کا خدشہ اس قدر جلد عملی شکل اختیار کر لے گا اس کے بارے میں ان لوگوں نے سوچا بھی نہیں تھا۔ سعدی غسل خانے میں چلا گیا اور ظفری کسی قدر افسردہ سا شکیلہ کے سامنے بیٹھا اس مسئلے پر گفتگو کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوگ ہلکے پھلکے ناشتے سے فارغ ہوئے اور وقت سے کافی پہلے اپنے دفتر پہنچ گئے اس مسئلے پر ان کو غور کرنا تھا۔ ان کا کلائنٹ ہلاک ہو چکا تھا اور وہ اب اس مسئلے میں کارروائی کرنے کے اخلاقی طور پر پابند تھے۔ ظفری نے کہا۔ "یار سعدی ہم نے اتنی سنجیدگی سے اس بات کا نوٹس نہیں لیا جتنی سنجیدگی سے لینا چاہیے تھا۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے مگر اب کیا کیا جائے۔"

"چلو میرا خیال ہے ہم لوگ چلتے تو ہیں ذرا صورتحال کا اندازہ ہو جائے گا۔"

تیار ہونے کے بعد تینوں محمود رانا کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ کوٹھی پر بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے۔ مسز رانا پر غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ پتا چلا کہ محمود رانا کی لاش پولیس کی تحویل میں ہے اور اس وقت پولیس اسپتال میں ہے چنانچہ یہ لوگ پولیس اسپتال پہنچ گئے۔ لاش پوسٹ مارٹم کے لئے گئی ہوئی تھی۔ دن کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے لاش ورثاء کے حوالے کی گئی۔ سعدی، ظفری اور شکیلہ ساتھ ساتھ ہی تھے انہوں نے کوٹھی میں سہیل عادل کو بھی دیکھا وہ افسردہ نظر آ رہا تھا۔ مسز رانا اب سنبھل چکی تھیں۔ محمود رانا کے دوست اور عزیز و اقارب تعزیت کے لئے آئے ہوئے تھے لاش کی آخری رسومات کی تیاریاں کی جانے لگیں۔ سعدی نے لاش کا چہرہ دیکھا اور اس کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔ بیچارے محمود رانا کو آج وہ میڈیکل چیک اپ کے لئے لے جانے والے تھے۔ لیکن

انہیں اطلاع دینے کے بعد وہ چند گھنٹے بھی زندہ نہ رہ سکا۔ کاش اس کے تحفظ کا بندوبست اس وقت کر لیا جاتا۔ وہاں سے واپسی پر سعدی نے کہا۔

"اب یہ ہم پر کاروباری فرض ہی نہیں بلکہ اخلاقی فرض بھی عائد ہو گیا ہے کہ ہم مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچائیں۔ اس سلسلے میں میں تم دونوں کو دعوت دیتا ہوں کہ کوئی ٹھوس طریقہ کار اختیار کرو۔ پولیس ظاہر ہے مسز رانا اور سہیل عادل پر کوئی شک نہیں کر سکتی اس کی تفتیش کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں اس کا ہمیں اندازہ لگانا ہو گا اور اس کے بعد اپنے طور پر عمل کرنا ہو گا۔"

ظفری اور شکیلہ نے اس بات سے اتفاق کیا۔

محمود رانا بے چارہ قتل ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ یہ لوگ اس کے تحفظ کا بندوبست کرتے بیگم محمود رانا اور سہیل عادل اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے تھے۔ کیس ان کے سپرد تھا اور ان کی ذمہ داری ہو گئی تھی کہ اسکا تحفظ کریں لیکن سبھی کو افسوس تھا کہ کچھ کرنے سے پہلے ہی وہ سب کچھ ہو گیا جس کی توقع محمود رانا کو تھی۔ ایک مجرمانہ سا احساس ان تینوں کے ذہن پر طاری تھا۔ بہرطور پولیس کی کارروائیوں کا جائزہ لیا جا رہا تھا اخبارات میں دو تین دن تک محمود رانا کے قتل کا تذکرہ رہا اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی پولیس کے ذرائع سے معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ پولیس صرف ان راستوں پر سوچ رہی ہے کہ چند افراد ڈاکہ زنی کی نیت سے محمود رانا کی کوٹھی میں داخل ہوئے اور اپنی کوششوں میں ناکام رہ کر محمود رانا کو قتل کر کے فرار ہو گئے۔ ظاہر ہے بیگم رانا اور سہیل عادل نے بڑی ذہانت سے یہ منصوبہ بنایا تھا۔

اس وقت بھی سعدی ظفری اور شکیلہ اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ ظفری کہنے لگا۔ کیا خیال ہے ہم اپنی یہ معلومات پولیس کو فراہم کر دیں اور اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں۔"

شکیلہ کہنے لگی۔ "کیا اس سے پہلے یہ بہتر نہیں ہو گا کہ ہم بیگم رانا اور سہیل عادل سے رابطہ قائم کریں؟ یہ تفصیل اگر پولیس کے ہاتھ لگ جائے تو ظاہر ہے فوری طور پر کارروائی ہو گی اور

اس کے بعد پولیس کے اوران دونوں کے درمیان معاملہ پہنچ جائے گا کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ بیگم رانا سے ملاقات کرلی جائے اوراپنے طور پر بھی صورتحال کا اندازہ لگایا جائے۔،،

سعدی نے اس سے اتفاق کیا تھا چنانچہ اس شام یہ تینوں مسز رانا کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ کوٹھی کے بیرونی لان پر مسز رانا سہیل عادل کے ساتھ بیٹھی نظر آئی تھیں اس کے چہرے پر افسردگی کے تاثرات ضرور تھے لیکن وہ بہت زیادہ متاثر معلوم نہیں ہوتی تھی ان لوگوں کو دیکھ کر انہوں نے استقبالیہ انداز میں گردن ہلائی۔ ظاہر ہے ان دنوں تعزیت کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا ان دونوں نے انہیں بھی انہی لوگوں میں سمجھا ہوگا۔ سلام دعا کے بعد انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی گئی۔

ظفری نے مسز رانا سے تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔،،بہت افسوس ہے مسز رانا کو محمود رانا اس طرح اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔،،

مسز رانا نے کوئی جواب نہیں دیا تو ظفری کہنے لگا۔ آپ کا کیا خیال ہے بیگم صاحبہ کیا یہ صرف ایک اتفاقی حادثہ ہے یا کوئی جانا بوجھا منصوبہ؟،،

دونوں ہی چونک کر ظفری کو دیکھنے لگے تھے۔ سہیل عادل نے کہا۔،،کیا مطلب ہے آپ کا۔،،

میری مراد یہ ہے کہ مسٹر محمود رانا ایک بڑے کاروباری تھے اور اس بات کے امکانات بھی ہوسکتے ہیں کہ کوئی ڈرامہ رچا کر انہیں زندگی سے محروم کردیا گیا۔

،،ڈرامہ رچانے والے کون ہوسکتے ہیں؟،، سہیل عادل نے تیز لہجے میں پوچھا۔

،،کوئی بھی ہوسکتے ہیں ان کے ایسے دشمن جو کسی وجہ سے انہیں راستے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔،،

،،پہلے تو آپ لوگ اپنا تعارف کرائیے میرا خیال ہے ہماری ملاقات اس سے قبل کبھی

نہیں ہوئی۔ نہ ہی ہم نے آپ کو محمود رانا کی تدفین میں دیکھا تھا۔،،

،،میرا نام ظفری ہے یہ میرے ساتھی سعدی ہیں اور یہ ہم دونوں کی ساتھی مس شکیلہ ہم نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نام سے پرائیوٹ جاسوسی کا ایک ادارہ کھولا ہے اور طویل عرصے سے ہم لوگوں کیلئے کام کررہے ہیں مسٹر محمود رانا نے قتل سے صرف ایک دن قبل ہم لوگوں سے رابطہ قائم کیا تھا اور اپنا ایک مسئلہ ہمارے سامنے رکھا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ چندروز کے اندر اندر انہیں قتل کردیا جائے گا۔ وہ اپنے قاتلوں کی نشاندہی بھی کرگئے تھے ہم بدقسمتی سے ان کے لئے کوئی صحیح بندوبست نہ کرسکے اور اس ملاقات کے دوسرے ہی دن انہیں قتل کردیا گیا۔ ہمارا خیال تھا کہ پولیس کسی نہ کسی طرح صحیح راستوں تک پہنچ جائے گی لیکن پولیس اصل قاتلوں کا سراغ نہ لگا سکی اور اسے صرف ایک ڈاکہ زنی کی واردات قرار دے کر چھوڑ دیا گیا۔ چونکہ مسٹر محمود رانا نے یہ کیس مکمل طور پر ہمارے سپرد کردیا تھا اس لئے اب ہمارا فرض ہے کہ ہم پولیس کو اصل قاتلوں سے روشناس کرادیں اس سلسلے میں ہم آپ سے مشورہ کرنے حاضر ہوئے ہیں۔

دونوں کے چہروں پر بے چینی کے آثار پیدا ہوگئے سہیل عادل نے کرسی پر پہلو بدل کر کہا۔،،وہ اپنے قاتلوں کی نشاندہی کرگئے تھے؟،،

ہاں ظرف نے پتھریلے لہجے میں جواب دیا۔

،،گویا اصل واقعہ وہ نہیں تھا جو سب لوگوں کے سامنے آیا؟،،

،،جی نہیں۔،،

،،براہ کرم کیا آپ بتانا پسند کریں گے انہوں نے کن لوگوں کو اپنا قاتل تصور کیا ہے؟ کیا یہ بات آپ ہمیں بتائیں گے۔،،

مسٹر سہیل عادل یہی بتانے کے لئے اس وقت آپ کے پاس آنا پڑا ویسے اصولاً ہمیں پولیس سے رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا لیکن صورتحال کو صحیح طور پر جاننے کے لئے ہم آپ کے پاس

پہنچے۔"

"آپ کیا چاہتے ہے مسٹر ظفری؟" سہیل عادل کس قدر الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

"مسٹر محمود رانا کا خیال تھا کہ معاف کیجئے مسز محمود اور مسٹر سہیل عادل آپ دونوں انہیں قتل کرنا چاہتے تھے۔"

"کیا بکواس ہے؟" سہیل عادل غرا کر کھڑا ہو گیا۔

"کیا فضول باتیں کر رہے ہو تم؟" مسز رانا بھی آپ سے تم پر اتر آئیں۔"

ظفری نے پرسکون مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"جی ہاں انہوں نے ہم سے یہی کہا تھا کہ مسٹر سہیل عادل اور مسز رانا ان کے خلاف سازش کر رہی ہیں اور یقیناً یہ ان کے قتل کی سازش ہے میں آپ لوگوں سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے کیوں انہیں قتل کیا؟ اور اس کا پس منظر کیا تھا؟"

مسٹر ظفری کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ آپ اپنے پیروں سے چل کر واپس چلے جائیں؟ آپ سے گھٹیا اور چھچھورے لوگ اس قسم کی حرکتیں اکثر کرتے ہیں لیکن میں آپ کو بتا دوں کہ آپ کو یہاں سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکے گا۔ اگر اسی طرح لوگ بلیک میل ہونے لگیں تو جینا دوبھر ہو جائے آپ براہ کرم فوراً یہاں سے نکل جائیے ورنہ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوگا اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔"

"مسز رانا بھی کھڑی ہو گئی تھیں انہوں نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کتنے بے غیرت اور کتنے بے حس ہوتے ہیں وہ لوگ جو کسی کو غمزدہ ہونے کے باوجود دکھ دینے آ جاتے ہیں۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کیا یہ پسند کریں گے آپ لوگ کہ ہم اس جگہ آپ کو پکڑ لیں اور پولیس کو اطلاع دے دیں۔"

"یقیناً پسند کریں گے مسز رانا کیونکہ بہر طور پولیس کو اس مسئلے میں شریک تو ہونا ہی ہے آپ کی طرف سے آغاز ہو جائے۔"

"کیا تم سمجھتے ہو کہ صرف تمہارے یہ الفاظ ہمیں مجرم ثابت کرنے کے لئے کافی ہوں گے۔"

"نہیں ہم تین افراد آپ کے سامنے ہیں ذرا آپ ہمیں یہ بتا دیجئے مسٹر سہیل عادل کہ ہم میں سے کون چہرے سے سب سے زیادہ بیوقوف نظر آرہا ہے چند بیوقوف لوگ ہی یہ سب کچھ کر سکتے ہیں کہ بغیر کسی ثبوت کے کسی پر الزام لگا دیں اگر آپ ہمیں یہی سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہے اس کے بعد کے معاملات آپ کے اور پولیس کے درمیان طے ہوں گے اور اگر اس سلسلے میں آپ ہماری کوئی راہنمائی کر سکتے ہیں تو ہم آپ کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار ہیں۔"

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس اس الزام کا؟"

"ثبوت ہم نے مہیا نہیں کیا بلکہ مسٹر محمود رانا خود ہمیں اس خدشے کے بارے میں بتا کر گئے ہیں اگر آپ کو یہ تفصیل جاننے سے دلچسپی ہے تو یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کارڈ ہے آپ تشریف لے آیئے ہم آپ کو ان ثبوتوں کے بارے میں تفصیلات بتا دیں گے لیکن اس کے لئے آپ کو صرف چوبیس گھنٹے کا وقت دیا جاتا ہے۔ پچیسویں گھنٹے میں یہ ثبوت پولیس کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔"

ظفری نے سعدی اور شکیلہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کارڈ نکال کر ان کے سامنے ڈال دیا۔

اس کے بعد وہ تیزی سے واپس پلٹے اور مسز رانا یا سہیل عادل نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ راستے میں ظفری کہنے لگا۔ "کیا خیال ہے اب اس بارے میں؟"

"چوبیس گھنٹے کا وقت دیا ہے تم نے انتظار کئے لیتے ہیں۔ اور اس کے بعد انسپکٹر فولاد زندہ باد۔"

انسپکٹر فولاد سے ان کی تازہ تازہ دوستی ہوئی تھی پیدائشی پولیس والا تھا اور اپنی الگ منطق

رکھتا تھا۔ نام تو رحیم الدین تھا لیکن اپنے فولادی بدن اور فولادی اصولوں کے تحت انسپکٹر فولاد کے نام سے مشہور ہو گیا تھا اس کا مقولہ تھا کہ جرم کو صرف تشدد کے ذریعے ہی اگلوایا جا سکتا ہے اور اس سلسلے میں وہ بڑی کامیابی سے اپنے فرائض انجام دے رہا تھا ڈی ڈی ٹی لمٹیڈ کے دفتر میں بیٹھ کر وہ سہیل عادل اور مسز محمود رانا کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ بہت ہی پختہ کار تھے یہ لوگ محمود رانا کی موت کے بعد کس سکون سے دونوں یکجا ہو گئے تھے۔

دوسرے دن تقریباً ساڑھے گیارہ بجے مضطرب صاحب نے ایک ٹیلیگرام موصول کیا۔ بیگم جہاں آرا ہدایت پور کا ٹیلیگرام تھا وہ سات بجے کی فلائٹ سے یہاں پہنچ رہی تھیں اور انہوں نے ان لوگوں کو ہدایت دی تھی کہ انہیں ائیر پورٹ پر ریسیو کر لیا جائے۔ بیگم جہاں آراء ہدایت پور' سے بہت اچھے تعلقات رہے تھے اور در حقیقت ڈی ڈی ٹی لمٹیڈ کو یہ شکل دینے میں انہی کا سب سے بڑا تعاون تھا انہوں نے اپنے تعلقات کی بنیاد پر سعدی ظفری اور شکیلہ کو ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچائی تھیں یہ دفتر بھی انہی کا عطیہ تھا اور اس کے بعد انہوں نے اپنے شناساؤں کے بہت سے کیس ان لوگوں کو دلوائے تھے جس کے نتیجے میں ان کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی چنانچہ یہ بیگم صاحبہ کے ممنون تھے اور اب جب بھی بیگم صاحبہ یہاں آتیں تو انہی کے ساتھ قیام کرتیں تھیں۔ یہی کیفیت ان کی بیٹی ثمن آراء کی تھی۔ ثمن آرا ان لوگوں سے بالکل اپنائیت کے ساتھ پیش آتی تھی۔ بہر طور مضطرب صاحب نے یہ ٹیلیگرام ظفری کو دیا اور وہ لوگ بیگم صاحبہ کی آمد کے بارے میں تبادلہ خیال کرنے لگے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مضطرب صاحب نے ایک اور بیگم صاحبہ کی اطلاع دی جنہوں نے اپنا نام مسز محمود رانا بتایا تھا۔ ان تینوں کے چہرے معنی خیز انداز میں چمکنے لگے۔ چند ہی لمحوں بعد بیگم رانا اندر داخل ہو گئیں کل کی نسبت ان کا چہرہ آج زیادہ اترا ہوا تھا آنکھوں میں ایک عجیب سا خوف نظر آ رہا تھا اور اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے تینوں ہی نے نرم انداز میں اسکا استقبال کیا۔ بیگم محمود رانا ایک کرسی پر بیٹھ گئی اس نے ان لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے

کس سے بات کرنی چاہیئے۔"

"جس سے آپ کا دل چاہے۔ ہم تینوں اس ادارے کے پروپرائیٹر ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

"ایک سوال کروں تم لوگوں سے؟ کیا پرائیوٹ جاسوسی کا یہ ادارہ فراڈ نہیں ہے کیا تم لوگ بلیک میلر نہیں ہو؟ تمہیں کس کی پشت پناہی حاصل ہے۔"

"جس کی بھی حاصل ہے بیگم صاحبہ ظاہر ہے آپ کو تو نہیں بتائی جا سکتی جہاں تک آپ کے ان الفاظ کا تعلق ہے کہ یہ ادارہ فراڈ اور ہم لوگ بلیک میلر ہیں تو اس کا جواب آپ کو بہت جلد دیدیا جائے گا اس وقت جب آپ پولیس کی تحویل میں ہوں گی آپ پولیس سے یہ بات کہہ سکتی ہیں کہ چند بلیک میلروں نے آپ کے ساتھ فراڈ کیا ہے۔"

"میں بے حد پریشان ہوں۔ تم نے کل سے میری زندگی حرام کر رکھی ہے۔ پہلے میں تم سے صاف الفاظ میں یہ بات کہہ دوں کہ جہاں تک بات محمود رانا کی ہے میں نے ہمیشہ اس سے نفرت کی ہے کبھی بھی اسے ایک اچھے شوہر کی حیثیت سے قبول نہیں کر سکی لیکن قتل جیسے بھیانک جرم کا ارتکاب اگر میں کر سکتی تو بہت پہلے کر چکی ہوتی۔ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی لیکن تمہارے الفاظ نے مجھے شدید الجھنوں کا شکار کر دیا ہے۔ میں اس وقت سے پہلے تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی جب تک کہ تم وہ ثبوت میرے سامنے نہیں لے آؤ گے جسکا کل تم تذکرہ کر کے آئے ہو۔ محمود رانا کو یہ شبہ کیسے ہوا کہ میں اسے قتل کر دوں گی؟ براہ کرم مجھے اس بارے میں بتاؤ اور یہ بھی بتاؤ کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"تعجب ہے بیگم صاحبہ بلیک میلر اور کسی فراڈ ادارے کے سلسلے میں آپ کو سب سے پہلے پولیس سے رابطہ قائم کرنا چاہیئے تھا یہاں آپ تشریف لاتیں تو پولیس کے ساتھ لاتیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوتا۔"

"مجھ سے بیکار باتیں مت کرو۔ میں اس ثبوت کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"گویا آپ کو اس بات کا شبہ ہے کہ آپ کے خلاف کسی قسم کے ثبوت مہیا کئے جا سکتے ہیں؟"

"چرب زبانی کرنے کے بجائے اگر تم مجھ سے تعاون کرو تو بہتر ہوگا وہ ثبوت کیا ہیں آخر؟"

محمود رانا کی تحریر جس میں انہوں نے اس بات کا یقین ظاہر کیا ہے کہ جلد یا بدیر آپ اور مسٹر سہیل عادل انہیں قتل کر دیں گے یہی بیان انہوں نے اپنی آواز میں ریکارڈ بھی کرایا ہے میں آپ کو کیسٹ سنوا سکتا ہوں۔ سعدی نے شکیلہ کو اشارہ کیا۔ اور شکیلہ ٹیپ ریکارڈر اٹھا لائی اور اس کے بعد ٹیپ ریکارڈ پر محمود رانا کی آواز ابھرنے لگی۔

مسز رانا کا چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی مانند سفید ہو گیا تھا وہ دہشت زدہ انداز میں محمود رانا کا بیان سن رہی تھی اور اب اس کے چہرے سے جیسے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ لیا گیا ہو۔ کیسٹ بند ہو گیا اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان سب کی صورتیں دیکھتی رہی پھر اس نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔ "پانی براہ کرم ایک گلاس پانی۔"

ٹیٹو نے سعدی کے طلب کرنے پر فوراً ہی پانی کا گلاس پیش کر دیا تھا۔ مسز محمود رانا ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کر گئی پھر اس نے کہا۔ "یہ آواز سو فیصدی محمود رانا کی ہے لیکن.... لیکن یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ آہ! میں ایسا تو نہیں کر سکتی تھی۔ میں یہ سب کچھ نہیں کر سکتی۔"

"اب آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ ہم بلاوجہ ہی آپ تک نہیں پہنچے مسٹر محمود رانا نے انہی الفاظ کی ایک تحریر بھی ہمیں لکھ کر دی ہے۔ آپ کو پتہ چل گیا ہوگا کہ ہم نے آپ کو بلیک میل کرنے کی خاطر نہیں بلکہ محمود رانا کی خواہش کے مطابق مجرم گردانا ہے اصولاً ہمیں یہ چیزیں پولیس کے حوالے کر دینی چاہیے تھیں لیکن ہم آپ کا بھی موقف جاننا چاہتے تھے۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں اس تحریر اور اس کیسٹ کی قیمت تمہیں ادا کر دوں۔"

"اگر آپ ادا کرنا ضروری سمجھتی ہوں بیگم صاحبہ تو آپ ضرور ایسا کیجئے۔"

"نہیں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تم اطمینان سے یہ دونوں چیزیں پولیس کے حوالے کر دو۔ پولیس ہمیں گرفتار کرے گی تفتیش کرے گی۔ اور اس کے بعد صحیح صورتحال اس کے علم میں آ جائے گی میں صرف ایک شبہے کی بنیاد پر یہاں آئی ہوں ورنہ میں تم پر تھوکنا بھی پسند نہ کرتی مجھے تمہارے ان الفاظ سے یہ خوف پیدا ہو گیا تھا کہ سہیل عادل تو اس جرم کا مرتکب نہیں ہوا ہے میں.... میں بس یہ جاننا چاہتی ہوں اور انتہائی سوچ بچار کے بعد میں نے تم سے ملاقات کرنا ضروری سمجھی۔ میں مجرم نہیں ہوں میں بالکل بے گناہ ہوں۔ میں کچھ بھی کر سکتی تھی۔ نفرت کر سکتی تھی۔ محمود رانا سے نفرت کرتی رہی لیکن اس کے قتل کا تصور بھی میں کبھی اپنے ذہن میں نہیں لا سکتی بس میں اس لئے تمہارے پاس آئی تھی کہ بلاشبہ تمہارے پاس ناقابل تردید ثبوت موجود ہیں۔ تم اگر چاہو تو انہیں پولیس کے حوالے کر دو۔ میں خوشی سے گرفتار ہونے کے لئے تیار ہوں۔" مسز رانا اٹھ گئیں۔ اور اس کے بعد وہ ان سے کچھ کہے سنے بغیر واپس چلی گئیں۔

کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ سعدی، ظفری اور شکیلہ ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے اور پھر شکیلہ نے کہا۔

"یہ بات میں دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ عورت اس قتل میں ملوث نہیں ہے۔"

"اس لئے کہ عورت ہے۔"

"نہیں میں فضول باتوں میں نہیں جاتی ظاہر ہے مجھے ایک برے شوہر کا تجربہ نہیں ہے اور میں یہ بات نہیں کہہ سکتی کہ برے شوہر سے کتنے عرصے نباہ کیا جا سکتا ہے اور اس کے بعد اس کے قتل کے لئے کیا منصوبہ بندی کی جا سکتی ہے۔ میں صرف اس کے تاثرات اور اس کے انداز سے اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ قاتل سہیل عادل ہو سکتا ہے لیکن مسز رانا نہیں۔" شکیلہ کی اس بات پر کسی

نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن دلچسپ بات یہ ہوئی کہ تھوڑی ہی دیر کے بعد انہیں سہیل عادل کی آمد کی اطلاع ملی اور وہ سنبھل کر بیٹھ گئے دوسرا فریق بھی آ گیا تھا سہیل عادل کا استقبال سرد مہری سے کیا گیا اس کی کیفیت بھی مسز رانا سے مختلف نہیں تھی وہ ان تینوں کی صورت دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

''ہوں! بلیک میلنگ کا یہ ادارہ کیا سرکاری سرپرستی میں چل رہا ہے۔''

''نہیں ابھی تک پرائیوٹ ہے ہم کوشش کر رہے ہیں کہ اسے رجسٹرڈ کرا لیا جائے۔''

''تم لوگ بہت ڈھیٹ اور بے شرم معلوم ہوتے ہو۔ میں صرف اس لئے تمہارے پاس آیا ہوں کہ تمہاری وہ بکواس سن سکوں جو تم کل کر کے آئے تھے۔ مجھے بتاؤ کہ اس سلسلے میں تمہارے پاس کیا ثبوت ہے؟''

''آپ کے اس رویے پر تو ہمیں ان ثبوتوں کے بارے میں عدالت ہی میں بتانا چاہیے مسٹر سہیل عادل لیکن بہر طور ہم نرم دل ہیں اور آپ کے ان تصورات کی تردید بھی چاہتے ہیں چنانچہ آپ بھی سن لیجئے۔ ظفری ذرا انہیں بھی سنا دو۔''

ظفری نے ٹیپ ریکارڈ سامنے کیا۔ کیسٹ ریوائنڈ کیا اور پھر محمود رانا کی آواز ابھرنے لگی سہیل عادل کی کیفیت بھی مسز رانا سے مختلف نہیں ہوئی تھی اسکا بدن پتھرا سا گیا تھا۔ ظفری نے اسے بتایا کہ انہی الفاظ کی ایک تحریر بھی محمود رانا کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ان کے پاس موجود ہے سہیل عادل کے کس بل نکل گئے تھے بمشکل تمام اس نے آہستہ سے کہا۔

''آہ! اسے غلط فہمی ہوئی تھی۔ اسے سو فیصدی غلط فہمی ہوئی تھی۔ یہ سب کچھ نہ میں کر سکتا ہوں اور دردانہ ہم لوگ تو سینوں پر غموں کے پہاڑ اٹھانا جانتے ہیں ہم تو غموں کی تاریکیوں میں جینا جانتے ہیں۔ ہم کسی کی زندگی کیسے لے سکتے تھے۔ وہ مر گیا مرتے مرتے بھی ہمیں داغ دے گیا۔ لیکن ٹھیک ہے تقدیر میں یہی سب کچھ لکھا تھا تو جو تقدیر کا فیصلہ۔ ویسے ہی ہم کون سے جی رہے ہیں۔ مر جائیں تو اچھا ہے سنو تم لوگ جو تمہارا دل چاہے کرو۔ یہ بیان اور یہ تحریر پولیس کو دے

دو ہم اپنے آپ کو تقدیر کے فیصلے پر چھوڑ دیں گے۔'' سہیل عادل کے انداز میں ایسی رقت تھی کہ وہ تینوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔

پھر ظفری نے کہا۔ ''مسٹر سہیل عادل یہ دونوں چیزیں پولیس کے حوالے کرنے سے پہلے ہم نے آپ سے ملاقات کرنا ضروری سمجھی جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ہم نے بذات خود اس سلسلے میں کوئی کوشش نہیں کی محمود رانا ہمارے پاس آئے اور انہوں نے اس سلسلے میں ہمارا سہارا لینا چاہا جیسا کہ آپ نے ____ ان کی تحریر سے اندازہ لگا لیا ہوگا اور پھر دوسرے ہی دن انہیں قتل کر دیا گیا ہمیں اصولاً تو یہ کرنی چاہیے تھی کہ ہم پولیس سے رابطہ قائم کر کے یہ چیزیں پولیس کے حوالے کرتے اور اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاتے لیکن انسانی اور اخلاقی بنیادوں پر ہم نے آپ سے ملاقات کر لینا بھی ضروری سمجھا آپ نے ابتک جو رویہ ہمارے ساتھ اختیار کیا اس کو ذرا ذہن میں دوہرا لیجئے اس کے بعد آپ ہمارے بارے میں بھی فیصلہ کر سکتے ہیں؟''

سہیل عادل کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی آ گئی تھی اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''قصور نہ میرا ہے اور نہ دردانہ کا یہ الفاظ کچھ اجنبی لوگوں کی زبانی سن کر ہم پر جو کیفیت طاری ہو سکتی تھی وہ غیر فطری تو نہیں تھی۔ ہم یہ بھی تو سوچ سکتے ہیں کہ تم لوگ ہمیں بلیک میل کرنا چاہتے ہو۔''

''تو پھر آپ اب اپنے ذہن میں یہ بات بٹھا لیجئے مسٹر سہیل عادل کہ ہم اس تحریر اور اس کیسٹ کی کوئی قیمت آپ سے نہیں چاہتے سوائے اسکے کہ اگر آپ کر سکتے ہیں تو صحیح سمت جاری رہنمائی کر دیجئے اور اگر آپ خود کو مجرم نہیں سمجھتے تو پھر یہ بتایئے کہ اصل مجرم کون ہو سکتا ہے؟ ورنہ دوسری صورت میں اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہوگا کہ یہ دونوں چیزیں پولیس کے حوالے کر دی جائیں اب کم از کم آپ کو یہ اطمینان تو ہو گیا ہوگا کہ ہم آپ کو بلیک میل نہیں کرنا

چاہتے۔"

سہیل عادل کافی دیر تک خاموش بیٹھا رہا تھا پھر اس نے کہا۔" میں کچھ وقت لے سکتا ہوں آپ کا؟"

"ہاں ہاں بالکل ہمارے پاس وقت ہے۔" ظفری نے جواب دیا

"میں بالکل یہ بات نہیں بتا سکتا کہ محمود رانا کے قاتل کون تھے یہ حادثہ اتفاقیہ ہے یا کوئی جانا بوجھا منصوبہ براہ کرم یہ چیزیں پولیس کی تحویل میں دینے کے بجائے پہلے اپنے طور پر تفتیش کرلو اگر اس تفتیش کا کوئی معاوضہ ہوسکتا ہے تو وہ میں تمہیں ادا کرنے کے لئے تیار ہوں میں یہ چیزیں تم سے کسی بڑی سے بڑی رقم کے عوض واپس نہیں مانگنا چاہتا بس اتنا کرم کرو کہ اگر اپنے وسائل سے کام لے کر یہ حقیقت معلوم کرسکتے ہو تو کرلو کہ محمود رانا کے قاتل کون تھے کیونکہ میں یا دردانہ اس قتل کا تصور بھی نہیں کرسکتے میں تمہیں اپنے بارے میں تھوڑی سی تفصیل بتا دوں۔ دردانہ سے میری دور کی رشتہ داری ہے وہ میری کزن ہے میرے والد احمد عادل خاندانی دولت مند انسان تھے اور دولت مند کا جو گھمنڈ انسان کے وجود میں ہوسکتا ہے وہ ان میں تھا دردانہ کے والد سے میرے والد کی گہری دوستی تھی لیکن ایک کاروباری مسئلے پر اس دوستی میں رخنہ پڑ گیا اور میرے والد دردانہ کے والد سے سخت نفرت کرنے لگے بچپن ہی سے ہمارے ذہنوں میں ایک دوسرے کے لئے گنجائش تھی اور عمر کی اس منزل میں جب ہم لوگ داخل ہوئے جہاں دلوں کی کیفیتوں کو سمجھا جاسکتا ہے تو ہم دونوں نے اپنے طور پر طے کرلیا کہ ہم آپس میں شادی کریں گے۔ لیکن بزرگوں کی نفرت ہماری محبت کے درمیان رکاوٹ بن گئی والد صاحب کی افریقہ میں تانبے کی کانیں تھیں وہ اپنا مقامی کاروبار سمیٹ کر افریقہ چلے گئے میں بھی ان کے ساتھ ہی تھا ہمارے درمیان دوری ہوگئی اور اس کے بعد جب ہم نے اپنے طور پر کوشش کیں تو دونوں بزرگوں کی نفرت ہمیں تباہی کے غاروں میں دھکیلنے کا باعث بن گئی ہم نے احتجاج کیا لیکن اسے رد کردیا گیا اور میں شدید بیمار ہوگیا تین سال

تک میں ذہنی مریض رہا اور اس کے بعد جب حالات کچھ بہتر ہوئے تو مجھے پتا چلا کہ دردانہ کی شادی کردی گئی ہے میں غم واندوہ میں ڈوبا زندگی گزارنے کی کوشش کرتا رہا۔ مجھ میں یہ جرات نہیں تھی کہ میں دردانہ کو زبردستی حاصل کرلیتا اب میرے لئے زندگی میں تاریکیوں کے سوا کچھ نہیں رہ گیا تھا اس طرح کافی وقت گزر گیا میں نے احتجاجاً اپنے والد صاحب کے مجبور کرنے کے باوجود شادی نہیں کی تھی اور ساری زندگی اس طرح گزارنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ پھر والد صاحب پر فالج کا حملہ ہوا اور ان کا انتقال ہوگیا۔ مجھے میری مرضی سے روکنے والا اس دنیا سے جا چکا تھا لیکن میری دنیا میں اب کوئی روشنی نہیں تھی بہت عرصے تک بھٹکتا رہا اور پھر جب دل وہاں نہ لگا تو یہیں چلا آیا۔ دل نہ مانا تو دردانہ کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو علم ہوا کہ دردانہ کے والد کا بھی انتقال ہوچکا ہے۔ محمود رانا کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں تو پتہ چلا کہ وہ ایک بالکل قلاش نوجوان تھا اور دردانہ کے والد صاحب کی ایک فرم میں منیجر کی حیثیت سے ملازم تھا۔ دردانہ کے والد صاحب نے اسے مراعات دیں اور اس کے بعد دردانہ سے اس کی شادی کردی یہ سب کچھ میری ضد میں ہوا تھا۔ کافی دنوں تک میں دردانہ سے دور رہا اور جب مجھے یہ احساس ہوا کہ دردانہ بھی میری طرح مظلوم ہے تو میں اس سے ملا۔ دردانہ نے اپنے دل کا حال مجھ پر کھول دیا اس نے بتایا کہ محمود رانا نے اس سے صرف اس لئے شادی کی ہے کہ وہ ایک دولت مند باپ کی بیٹی ہے اور یہ ساری دولت اب اس کے تصرف میں ہے لیکن دردانہ کو دل سے یہ شادی قبول نہ تھی وہ محمود رانا سے نفرت کرتی تھی اور اس نے محمود رانا کی کوششوں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔ دردانہ کے والد نے محمود رانا کو بہت کچھ دیا تھا لیکن دردانہ اس پر کڑی نگاہ رکھتی تھی اور محمود رانا ہر معاملے میں دردانہ کا دست نگر تھا اس کے بڑے بڑے اکاؤنٹس تھے لیکن دردانہ کی اجازت کے بغیر وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا دونوں کے درمیان یہ نفرت شدید تھی لیکن دردانہ نے کبھی بھول کر بھی یہ نہ کہا کہ وہ محمود رانا کو راستے سے ہٹا دے گی۔ ہمارے درمیان اب صرف دوستوں کا رشتہ ہے۔ اس رشتے کو محمود رانا

چھی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا اور اس نے بار بار ہم لوگوں پر رکیک جملے کسے وہ ہمیں ایک دوسرے میں ملوث سمجھتا تھا میں نے کئی بار دردانہ سے کہا کہ میں اس کی ازدواجی زندگی کو متاثر کرنا نہیں چاہتا لیکن دردانہ نے مجھے جواب دیا کہ جو کچھ نہ ہو سکا وہ اس کے بس میں نہیں تھا لیکن اب جو کچھ ہو گا وہ اس کے بس میں ہے اگر میں نے اس وقت بھی بزدلی کا ثبوت دیا تو وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی اس کا اپنا ذہن اور دل صاف ہے تو دنیا جو چاہے سمجھ سکتی ہے محمود رانا اگرچہ ہماری طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار تھا تو یہ صرف اس کا اندرونی خوف تھا اس کی اپنی برائی تھی اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہم سچے اور اچھے دوستوں کی طرح جی رہے ہیں۔ محمود رانا کی موت کا مجھے بھی افسوس ہے لیکن میں کبھی بھول کر بھی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ میں دردانہ کو بیوہ بنانے کا باعث بنوں گا نہ ہی دردانہ کے ذہن میں یہ بات آ سکتی ہے تم لوگ یقین کرو تمہاری اس تفصیل کے بعد میرا ذہن بھی بھٹک گیا ہے میں سوچنے لگا تھا کہ کیا دردانہ اتنی گہری سوچ سکتی ہے کہ راستے صاف کرنے کے لئے اپنے شوہر کو ہی درمیان سے ہٹا دے دوستو! تقدیر میں جو کچھ لکھ دیا گیا ہے وہ تو پورا ہو کر رہے گا لیکن میری تم سے درخواست ہے کہ جلد بازی سے کام نہ لینا اگر تمہارا کوئی ذاتی مسئلہ ملوث نہیں ہے تو اس سلسلے میں تھوڑی سی تحقیقات کر لو یقیناً تمہارے پاس اس کے وسائل ہوں گے اور تمہاری یہ تحقیقات ثابت کرے کہ میں یا دردانہ مجرم ہیں تو تم یقین کرو پھر ہم تم سے کوئی رعائت طلب نہیں کریں گے کم از کم میں اور جہاں تک رہا اس بیان اور دستاویزات سے کوئی فائدہ اٹھانا تو میں پھانسی کے پھندے تک پہنچ جاؤں گا لیکن تمہیں ان کا معاوضہ ایک پیسہ نہیں ادا کروں گا۔ بس مجھے یہی کہنا تھا۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔

سعدی اور ظفری نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی اور سہیل عادل کمرے سے باہر نکل گیا وہ تینوں خاموش بیٹھے ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے تھوڑی دیر بعد شکیلہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اگر ہمیں اداکاری کے ایوارڈ دینے کا کوئی موقع ملے تو میں اس سلسلے میں صف اول کی اداکارہ اس عورت کو قرار دوں گا جس کا نام دردانہ ہے اور صف اول کا اداکار اس شخص کو اور اگر ہم انہیں اداکار تسلیم نہیں کرتے تو پھر یہ سب کچھ کیا ہے؟ کہیں اتفاقات کے سارے دو انسان ہماری حماقتوں کی بھینٹ تو نہیں چڑھنے جا رہے؟ ان پر غور ضرور کر لیا جائے سعدی اور مسٹر ظفری۔"

ظفری اور سعدی کچھ بول نہیں پائے تھے ان کی آنکھیں کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں بہر طور اس بارے میں کوئی صحیح فیصلہ اس وقت نہیں ہو سکا سوائے اس کے کہ ابھی پولیس کو ان معاملات کی ہوا نہ لگنے دی جائے اور اس سلسلے میں مزید کچھ معلومات حاصل کر لی جائیں۔ شام کو بیگم جہاں آراء ہدایت پور کو لینے ایئر پورٹ جانا تھا۔ ٹیٹو نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی ہوئی تھی شکیلہ اس کے نزدیک بیٹھی ہوئی تھی اور سعدی اور ظفری کار کے عقبی حصے میں۔ ایئر پورٹ پر ہمیشہ کی مانند بھیڑ بھاڑ تھی۔ مشرقِ وسطیٰ جانے اور آنے والوں کا ہجوم۔ ٹرمینل نمبر 2 پر ضرورت سے زیادہ ہی رش تھا۔ یہ سب بھی ایک گوشے میں کھڑے ہوئے ان ہنگامہ خیزیوں کا جائزہ لے رہے تھے وقت سے کچھ پہلے پہنچ گئے تھے اور فلائٹ آنے میں ابھی بیس پچیس منٹ باقی تھے شکیلہ ایک ریلنگ سے ٹیک لگائے ہوئے تھی سعدی اور ظفری اس موضوع پر باتیں کر رہے تھے کہ دفعتاً ٹیٹو ہنس پڑا شکیلہ اسکی ہنسی کی آواز پر چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"مس شکیلہ آپ نے کبھی ڈیڑھ مونچھ دیکھی ہے؟"

"کیا؟"

"ڈیڑھ مونچھ بالکل ڈیڑھ مونچھ۔" بلکہ ہم اسے ڈیڑھ نہیں کہہ سکتے ایک مونچھ سیدھی اور ایک..... وہ ادھر دیکھئے۔" ٹیٹو نے قریب ہی کھڑے ایک آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

جو شاندار سوٹ میں ملبوس تھا۔ ہاتھ میں بریف کیس اور آنکھوں پر بہت قیمتی عینک لگی ہوئی تھی۔ اسکا چہرہ کلین شیو تھا لیکن مونچھیں بڑی اور گھنی تھیں جو اس کے اس چہرے پر بے حد دلکش لگ رہی تھیں لیکن شکیلہ اسے دیکھ کر چونک پڑی کیونکہ اس شخص کی ایک طرف کی مونچھ بالکل نیچے

لٹک گئی تھی اور صاف ظاہر تھا کہ وہ نقلی مونچھ ہے۔ دفعتاً ہی شکیلہ کا دل دھڑک اٹھا۔ نقلی مونچھ ہٹ جانے سے جو تھوڑی سی شکل واضح ہوئی تھی وہ شکیلہ کے لئے دھماکہ خیز تھی اس نے بے اختیار پلٹ کر ظفری کے شانے پر ہاتھ رکھا اور پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بولی۔

"ظفری اس ڈیڑھ مونچھے کو دیکھو۔ وہ جو سامنے....."

ظفری کی نگاہیں بھی اس طرف اٹھ گئی تھیں اور سعدی بھی ادھر ہی دیکھنے لگا تھا پھر ان دونوں کی کیفیت بھی ان دونوں سے مختلف نہیں ہوئی تھی دونوں نے ایک دوسرے کی صورت دیکھی اور پھر بے اختیار اس شخص کی جانب لپکے وہ سامنے کی سمت دیکھ رہا تھا لیکن دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر اس نے پلٹ کر دیکھا اور پھر نہ جانے کیا ہوا کہ سعدی اور ظفری کو دیکھ کر اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور ٹرمینل سے باہر جانے والے حصے کی جانب بھاگا سعدی نے زور سے آواز لگائی۔ "مارشل لینا۔"

یہ ٹیٹو کو مخاطب کر کے کہا گیا تھا اس کے ساتھ ہی وہ اس شخص کے پیچھے دوڑنے لگے تھے لوگوں میں کسی قدر افراتفری پھیل گئی ان دنوں ایسے واقعات کی بھرمار تھی سعدی اور ظفری اس شخص کا پیچھا کر رہے تھے لیکن وہ پارکنگ لاٹ میں جا گھسا اور پھر گاڑیوں کے عقب سے نکلتا ہوا دوسرے راستے کی طرف بھاگنے لگا۔ ٹیٹو نے گاڑیوں پر لمبی لمبی چھلانگیں لگائیں وہ بہت زیادہ پھرتیلا اور چاق و چوبند نوجوان تھا۔ جسمانی ورزش نے اسے فولاد بنا دیا تھا۔ دوڑنے میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا چنانچہ کئی جگہ اس نے لمبی لمبی گاڑیاں پھلانگیں سعدی اور ظفری تو کافی پیچھے رہ گئے تھے لیکن ٹیٹو دوڑنے والے کے قریب پہنچتا جا رہا تھا۔ دوڑنے والا بھی جان توڑ کر بھاگ رہا تھا وہ ایئرپورٹ سے باہر جانے والے راستے کی طرف دوڑ رہا تھا ٹیٹو اس کے قریب پہنچا اور پھر اس سے کوئی پچاس گز آگے نکل کر رک گیا۔ دوڑنے والے نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تو ٹیٹو بولا۔

"اب بولو بیٹا مجھ سے تیز دوڑ سکو گے۔"

دوڑنے والے نے راستہ کاٹا اور ٹیٹو کو جھکائی دے کر پھر دوڑنے لگا لیکن ٹیٹو اس سے

باقاعدہ مقابلہ کرنے کے موڈ میں تھا۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر بعد وہ پھر اسے پیچھے چھوڑ کر اس سے آگے نکل گیا اور اس کے سامنے رک کر بولا۔ "اب بولو۔"

سعدی اور ظفری کافی پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ زور زور سے چیخ رہے تھے۔ شکیلہ کا آس پاس کہیں پتہ نہیں تھا وہ بے چاری بھلا اس دوڑ کا کیا مقابلہ کر سکتی تھی لیکن چند ہی لمحات کے بعد وہ کار لے کر ان کے عقب میں دوڑ پڑی اور پھر ایئرپورٹ جانے والے راستے کے انتہائی اختتام پر جہاں پولیس چوکی بنی ہوئی تھی۔

ٹیٹو نے ایک بار پھر دوڑنے والے کو جا پکڑا۔ وہ بھی بدحواس ہی ہو گیا تھا ورنہ کہیں ادھر اُدھر دوڑنے کی کوشش کرتا سیدھی ہی دوڑے جا رہا تھا اور اتنی لمبی دوڑ سے اس کا سانس پھول گیا تھا پولیس کے چند افراد اس ہنگامے کو دیکھ کر آگے بڑھ آئے اتنی دیر میں شکیلہ کی کار بھی سعدی اور ظفری کے قریب سے گزری تو اس نے عقبی دروازے کھول دیئے اور وہ دونوں بدحواسی کے عالم میں کار میں گھس گئے کار عین اس جگہ جا کر رکی جہاں پولیس والے ٹیٹو سے صورت حال دریافت کر رہے تھے اور ٹیٹو کہہ رہا تھا۔

"آٹھ سو میٹر کی دوڑ میں اول آیا تھا میں اپنے بچپن میں اور یہ بھائی مجھ سے دوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔"

"کیا بکواس ہے؟"

سعدی اور ظفری کو دیکھ کر بریف کیس والے شخص نے ایک بار پھر دوڑنے کی کوشش کی لیکن پولیس والوں نے اسے پکڑ لیا۔ اور چند ہی لمحوں بعد سعدی اور ظفری اس کے قریب پہنچ گئے سعدی نے پولیس سارجنٹ سے کہا۔

"سارجنٹ یہ قاتل ہے۔ مجرم ہے۔ دیکھو اس کی ایک مونچھ اکھڑ گئی ہے۔ تم دوسری بھی اکھاڑ کر دیکھ سکتے ہو۔" سعدی نے خود ہی آگے بڑھ کر اس شخص کی مونچھ اکھاڑ دی اور نقلی مونچھوں کے نیچے محمود رانا کا چہرہ نمایاں ہو گیا۔

پولیس سارجنٹ ان دونوں سے تفصیلات معلوم کر رہا تھا۔ دو سپاہیوں نے محمود رانا کو بازوؤں سے پکڑ رکھا تھا اور ٹیٹو ان سب کے پیچھے مستعد کھڑا تھا۔

"یہ ایک خطرناک مجرم ہے سارجنٹ۔ براہ کرم آپ اسے ہمارے ساتھ پولیس ہیڈ کوارٹر لے چلئے۔ تمام صورتحال آپ کے سامنے آ جائے گی۔"

سارجنٹ نے ان لوگوں سے تعاون کیا۔ سعدی نے شکیلہ اور ٹیٹو کو ائیر پورٹ بھیج دیا تاکہ بیگم جہاں آرا ہدایت پور کو خوش آمدید کہہ سکیں اور پولیس سارجنٹ نے ان کے لئے پولیس وین کا انتظام کر دیا۔ چنانچہ محمود رانا کو اپنی تحویل میں لے کر وہ پولیس ہیڈ کوارٹر روانہ ہو گئے۔ ان کی ذہنی کیفیت بھی درست نہیں تھی ایسی انہونی بات تھی کہ خود انہیں یقین نہیں آ رہا تھا اگر محمود رانا بدحواس ہو کر دوڑ نہ پڑتا تو شاید وہ اس پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہ کر پاتے۔

ایک اعلیٰ پولیس افسر نے ان کے ساتھ تعاون کیا۔ اور محمود رانا سے اس کے بارے میں سوالات کرنے لگا۔ رانا نے اس دوران خود کو سنبھال لیا تھا۔ "یہ لوگ مجھے پاگل معلوم ہوتے ہیں۔ میرا نام عبدالجمیل ہے اور میں ایک معزز آدمی ہوں میری مونچھیں ایسی ہی شاندار تھیں شیو بناتے ہوئے خراب ہو گئیں اور مجھے اپنا چہرہ برا لگنے لگا چنانچہ میں نے نقلی مونچھیں لگائیں تاکہ لوگ میرا مذاق نہ اڑائیں۔

پولیس افسر کے اس سوال کے جواب میں کہ وہ طرح دیوانہ وار دوڑ کیوں پڑا تھا اس نے بتایا کہ وہ انہیں پاگل سمجھ کر خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس سوال پر کہ وہ ائیر پورٹ کیوں گیا تھا اس نے کہا اس کا ایک دوست آنے والا تھا جسے ریسیو کرنے کے لئے وہ گیا تھا۔

یہ تمام باتیں اس نے ذہنی انتشار کے عالم میں کہی تھیں کیونکہ اس کی جیبوں کی تلاشی لینے پر کینیڈا کا پاسپورٹ ویزا اور کینیڈا کا ٹکٹ برآمد ہوا جو اسی وقت کی فلائٹ کا تھا۔ ان چیزوں کے بارے میں وہ کچھ نہیں بتا سکا تھا۔

"جرم کرنے کے لئے بڑے پختہ ذہن کی ضرورت ہوتی ہے محمود رانا صاحب آپ تو

اپنے چہرے پر صحیح طور سے مونچھیں بھی نہ فٹ کر سکے۔" سعدی نے کہا۔

"حرام خور۔ میں نے تمہیں پچاس ہزار۔" رانا کہتے کہتے رک گیا۔ بہر حال وہ مشکوک تھا اسے لاک اپ کر دیا گیا اور پھر ہر مرض کی دوا انسپکٹر فولاد کو طلب کر لیا گیا بند کمرے میں انسپکٹر فولاد اور محمود رانا کے درمیان کچھ خفیہ مذاکرات ہوئے اور تھوڑی دیر بعد انسپکٹر فولاد نے پوری کہانی انہیں سنا دی۔"

"وہ کینیڈا جا رہا تھا۔ اس کا خیال ہے کہ اس کی بیوی سہیل عادل نامی کسی شخص سے تعلقات رکھتی ہے۔ وہ ان دونوں کا کچھ نہ بگاڑ سکا اس نے بینک سے بڑی بڑی رقمیں نکال کر یہ دولت کینیڈا منتقل کر دی اور پھر اپنے قتل کے الزام میں ان دونوں کو ملوث کر کے گمنام طور پر یہاں سے بھاگ جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ پروگرام اس نے اپنے ایک ہمشکل کو دیکھ کر بنایا تھا جس کا نام عبدالجمیل تھا۔ عبدالجمیل سے اس نے ہمشکلی کی بنا پر دوستی گانٹھی ان دونوں میں صرف مونچھوں کا فرق تھا۔ چنانچہ اس نے عبدالجمیل کو قتل کر کے اس کی مونچھیں صاف کر دیں اور اپنی جگہ اسے دیدی۔ اور خود نقلی مونچھوں کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کی لیکن مونچھوں ہی نے اسے مروا دیا وہ محمود رانا ہی ہے عبدالجمیل کا قاتل۔"

محمود رانا کے بیگ میں رقومات کی تفصیل کے کاغذات وغیرہ بھی مل گئے تھے۔ بہر حال اس سلسلے میں سعدی اور ظفری نے اپنے بیانات قلمبند کرائے اور آواز وغیرہ کا ٹیپ پیش کرنے کا وعدہ کر کے پولیس افسروں سے اجازت طلب کر لی۔ باہر نکل کر ظفری بولا۔

"کیا خیال ہے۔ اب پہلے بیگم جہاں آرا کی خدمت میں حاضری دی جائے یا ان دونوں خوش نصیبوں کو یہ خوشخبری سنائی جائے۔"

"میرے خیال میں پہلے ہم سہیل عادل اور دردانہ کو یہ خبر سنا دیں اور اب بیگم صاحبہ سے تو اب معذرت طلب کرنی ہی پڑے گی۔" سعدی نے کہا۔ اور ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو رکنے کا اشارہ کرنے لگا۔

☆.....☆.....☆

زاوی چین لکھتا تھا۔ دفتر کے معاملات پر سکون تھے۔ کوئی کیس بھی ابھی تک نہیں ملا تھا لیکن جیب میں پیسے موجود تھے اس لیے اضطراب بھی نہیں تھا۔ جن حالات میں گزارنے کی عادت تھی وہ تو ایسے تھے کہ آسمان کی چھت اور زمین کا بستر بھی ہو تو کام چل جائے۔ نانبائی کی دکان کی دو روٹیاں اور نہاری مل جائے تو عیاشی کہلائے۔ ایرانی کے ہوٹل کی ایک چائے۔ واہ واہ۔

چہ جائیکہ صورت حال یہ تھی کہ بیگم مطلق صاحبہ کے ہاتھوں کے پکے ہوئے کھانے۔ کبھی ماش کی دال کبھی آلو کا شاہی بھرتا۔ کبھی قورمہ۔ کبھی پائے کبھی مسالے والی بریانی۔ سونے کے لیے عمدہ بستر ہر طرح کا آرام اور جیب میں ہزاروں روپے۔

بھلا پھر فکر کس بات کی۔ البتہ ایک فکر ضرور تھی۔ کوئی کیس ملنا چاہیے۔ آمدنی جاری رہنی چاہیے۔ پورا مستقبل پڑا ہے۔ یہ چند ہزار روپے کب تک ساتھ دیں گے۔ چنانچہ دفتر میں میٹنگیں ہوتی رہتی تھیں اور غور کیا جاتا رہتا تھا کہ کیا کیا جائے۔

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کارکردگی کے لیے ایک لائحہ عمل بنا لیا گیا تھا۔ اور یہ بات متفقہ طور پر طے کر لی گئی تھی کہ کوئی ایسا کیس کبھی نہیں لیا جائے گا جو قابل دست اندازی پولیس ہو کسی کو کوئی ایسا نقصان نہیں پہنچایا جائے گا جو مالی یا جسمانی نقصان کا باعث ہو۔ ہاں اگر آنکھ کے اندھے اور گانٹھ کے پورے کسی دولت مند کو کوئی مشکل درپیش ہو تو دوسری بات ہے۔ اور ایسا ہی کیس لیا جا سکتا ہے۔

اخبار میں اشتہار بدستور جاری تھا۔ اور ہر دوسرے تیسرے دن یہ دلچسپ اشتہار اخبار

میں نمایاں نظر آتا تھا لیکن ابھی تک کوئی ضرورت مند ان تک نہیں پہنچا تھا۔

اس شام جب تینوں گھر میں داخل ہوئے تو ماحول کچھ سوگوار سا تھا۔ بیگم صاحبہ کی مسکراہٹ میں اداسی تھی اور مطلق صاحب بھی بجھے بجھے سے تھے۔

"خیریت۔؟" تینوں کے منہ سے بیک وقت کورس کے انداز میں نکلا اور مطلق صاحب ہنسنے لگے۔

"باہر۔ سے طے کر کے آئے تھے تم لوگ۔ بہت چالاک ہو۔" انھوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کوئی خاص بات۔۔۔۔؟" اس بار بھی تینوں ہی ایک ساتھ بول پڑے تھے اور پھر جب انھیں احساس ہوا کہ دوسرا جملہ بھی یکساں نوعیت کا ہے تو وہ تینوں ہی خاموش ہو گئے۔

"ہاں ہاں فرمائیے آج آپ کورس میں ہی گفتگو کر رہے ہیں۔" مطلق صاحب نے کہا اور سعدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"دیکھو بھئی تم لوگ مجھے اپنا نمائندہ بنا لو۔ میں گفتگو کیے لیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" ظفری اور شکیلہ نے گردن ہلا کر کہا۔

"جناب مطلق صاحب کیا مسئلہ ہے آپ اور چچی جان اداس کیوں ہیں؟"

"ارے بھائی اندر تو چلو۔ دروازے پر ہی سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آؤ منہ ہاتھ دھوؤ چہرے سے تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔ کوئی خاص بات ہوگی تو بتا دی جائے گی تمہیں لیکن چائے کی میز پر۔" مطلق صاحب نے کہا۔ وہ اپنے انداز میں شگفتگی پیدا کر رہے تھے۔ لیکن فطرت میں فریب نہیں تھا۔ اس لیے اس کوشش میں کامیاب نظر نہیں آ رہے تھے۔

بہرصورت سعدی، ظفری اور شکیلہ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ منہ ہاتھ دھو کر گھر میں پہننے والے کپڑے پہنے اور چائے کی میز پر آ گئے۔ بیگم صاحبہ نے چائے لگا دی تھی۔ وہ خود بھی ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئیں۔

"جی مطلق صاحب چائے کی میز پر آپ کے انکشاف کی بات ہم نے منظور کر لی تھی لیکن چائے اس وقت شروع ہوگی جب آپ ہمیں اس بدلے ہوئے ماحول کے بارے میں بتا دیں گے۔" سعدی نے کہا اور مطلق صاحب کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بھئی کوئی خاص بات نہیں' انسان بعض اوقات بڑی معمولی معمولی باتوں سے متاثر ہو جاتا ہے۔ دراصل مجھے نوٹس مل گیا ہے۔"

"کیسا نوٹس؟" سعدی نے چونک کر پوچھا۔

"مدت ملازمت پوری ہو چکی ہے اور پتا نہیں کیوں میں خود بھی اپنے آپ کو اس کام کے لیے اب موزوں نہیں پا رہا۔ دفتر میں بہت سی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ بہت کوشش کرتا ہوں کہ یہ غلطیاں نہ ہونے پائیں۔ لیکن دماغ بھی کافی کمزور ہو گیا ہے اور پھر شعرا اور شاعری کا اتنا غلبہ رہنے لگا ہے اب کہ مجھے کسی حکیم سے مشورہ کرنا پڑے گا۔ اشعار ذہن میں آتے ہیں اور رجسٹروں میں لکھ جاتا ہوں۔ کئی بار مینجر صاحب نے بلا کر جھاڑ پلائی ہے۔ اور بھی بہت سی ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ غلطیاں نہ ہوتیں تو ممکن تھا کہ مدت ملازمت میں کچھ توسیع کر دی جاتی۔ پہلے دو تین بار وارننگ مل چکی تھی اور اب انھوں نے مدت ملازمت پوری ہونے سے فائدہ اٹھایا اور میرے ریٹائرمنٹ کا نوٹس جاری کر دیا گیا۔ مجھے تو کوئی خاص فکر نہیں ہے لیکن ان بیگم صاحبہ کا خیال ہے کہ ہماری مشکلات کا دور شروع ہو چکا ہے۔ یعنی اگر تنخواہ نہیں ملے گی اور فنڈ کی رقم بیٹھے بیٹھے کھاتے رہیں گے تو وہ بالآخر ایک دن ختم ہو جائے گی اور اس کے بعد ہم دونوں فاقہ کشی کا شکار ہو جائیں گے بھئی سعدی میاں ذرا سمجھاؤ ان محترمہ کو فنڈ کی رقم دو چار سو تو نہیں ہوگی۔ اتنی ضرور ہوگی کہ ہم اس سے کوئی چھوٹا موٹا کام کر لیں۔ میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ جتنی رقم مجھے ملے گی اس میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جا سکتا جو ہمیں فوری طور پر کوئی بہتر منافع دے سکے لیکن میاں کچھ نہ کچھ تو ہو ہی جائے گا اور پھر یہ مکان ہے اگر ہم اس کی دوسری منزل بنالیں تو وہ کرائے پر چڑھ سکتی ہے۔ دو افراد نہ اولاد نہ دوسرا کنبہ کیا مشکل پیش آئے گی ہمیں۔ مگر صاحب کیا کریں ہر چند کہ ان سے بہت سے اختلافات رہتے ہیں۔ لیکن ان کی اداسی ہمیں بھی اداس کر دیتی ہے۔ چنانچہ اگر تھوڑی بہت تبدیلی تم محسوس کر رہے ہو۔ تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے۔" مطلق صاحب نے کہا۔

بیگم صاحبہ اس دوران چائے بناتی رہی تھیں۔ انھوں نے چائے کی پیالیاں ان تینوں کے سامنے سرکا دیں۔ ایک پلیٹ میں گرم جلیبیاں رکھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے بڑی چاہ سے یہ پلیٹ ان لوگوں کی جانب بڑھائی۔ لیکن سعدی اپنی کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے غصیلے انداز میں ظفری اور شکیلہ سے کہا۔

"اٹھو تم لوگ اپنے بستر باندھو اور چلو یہاں سے۔" مطلق صاحب اور ان کی بیگم ان الفاظ پر ششدر رہ گئے تھے۔

"سعدی سعدی میاں کیا ہوا تمھیں بیٹے؟" مطلق صاحب شدید حیرت کے عالم میں بولے۔

"مطلق صاحب بھلا اب اس گھر میں رہنے سے کیا فائدہ جہاں دو کنگال انسان رہتے ہوں۔ ایک بزرگ اور ایک خاتون۔ ہمیں آپ سے کیا لینا ہے۔ یہاں رہنے میں تو صرف ایک ہی فائدہ تھا۔ عمدہ عمدہ غذائیں کھانے کو ملتی تھیں۔ مفت کا مکان ملا ہوا تھا۔ بس یہی دلچسپی تھی ہمیں آپ لوگوں سے' اب جبکہ آپ اپنی ملازمت سے ریٹائر ہو گئے ہیں تو اب ہمیں یہاں رہنے سے کیا فائدہ۔ آپ لوگ خود اپنے مسائل میں گرفتار ہو جائیں گے تو ہمیں کیا کھلائیں گے۔" سعدی نے کہا۔ مطلق صاحب کرسی کی پشت سے ٹک گئے تھے۔ ان کے چہرے پر پیلاہٹ صاف محسوس ہوتی تھی۔ بیگم صاحبہ کے ہاتھوں میں بھی لرزش پیدا ہو گئی تھی۔ انھوں نے بے بسی کی نگاہوں سے شکیلہ اور ظفری کی جانب دیکھا۔ ظفری اور شکیلہ بھی حیرت سے سعدی کو دیکھ رہے تھے۔ سعدی جو کچھ کہہ رہا تھا اس نے ان کا دماغ بھی ماؤف کر دیا تھا۔ یہ سعدی کے الفاظ تو نہیں ہو سکتے تھے۔ بمشکل تمام مطلق صاحب نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بھرائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"سعدی بیٹے یہ تم کیا کہہ رہے ہو' ایسا ممکن نہیں ہے میں جب تک زندہ ہوں تمھیں

یہاں پر کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔"

"رہنے دیجیے مطلق صاحب اب آپ کہاں سے ہمیں کھلائیں گے اور کیوں کھلائیں گے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہاں آپ پر بار کیوں بنے رہیں۔ ہمارے پریشانی کے لمحات تھے آپ کی وجہ سے گزر گئے۔ اب ہم لوگ اچھی خاصی حیثیت کے مالک ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ اب کیوں رہیں۔ ہم کوئی اور مکان لے لیں گے۔ اب تو ہم اس کا کرایہ بھی دے سکتے ہیں۔" سعدی نے کہا اور ظفری چیخ پڑا۔

"سعدی سعدی! یہ کیا بکواس شروع کر دی تم نے' کیا بک رہے ہو تم۔ غور کر رہے ہو اس بات پر؟"

"تم نے بھی غور کیا ہے ظفری کہ مطلق صاحب کیا کہہ رہے ہیں۔ ہم کون لگتے ہیں ان کے بتاؤ کیا ہیں ہم لوگ۔ سڑکوں پر پریشان حال اور آوارہ پھرتے ہوئے دو نوجوان اور ایک لڑکی جنھیں ان لوگوں نے ترس کھا کر اپنے گھر رکھ لیا۔ ان کے ساتھ بہت بہتر سلوک کیا تاکہ ان کی عاقبت سنور جائے اور یہ اپنے اللہ کے سامنے کہہ سکیں گے کہ انھوں نے زمین پر بے سہارا انسانوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ ہم لوگ ان کے لیے بے سہارا انسانوں سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے ظفری اور جہاں محبتوں کو اس پیمانے پر تولا جائے وہاں رہنا بیکار ہے سمجھے تم۔ میں تمھیں مجبور نہیں کروں گا لیکن میں یہاں سے فوراً جا رہا ہوں۔" سعدی نے کہا۔ ظفری اور شکیلہ ایک بار پھر حیران رہ گئے تھے۔ اور مطلق صاحب پر بھی حیرت کا دوسرا حملہ ہو رہا تھا۔ انھوں نے دونوں ہاتھ میز پر رکھے اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"سعدی بیٹے سعدی میاں جو کچھ کہنا چاہتے ہو صاف صاف کہو تمھارے یہ الفاظ تمھارے پہلے الفاظ کی نفی کر رہے ہیں۔ میں سمجھ نہیں پا رہا بیٹے۔"

"مطلق صاحب کیا آپ نے ہمیں اتنا ہی خود غرض کمینہ انسان پایا کہ آپ ہمیں اپنے دل میں جگہ نہیں دے سکتے۔" سعدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں بیٹا میں نے تو تمھیں اپنی اولاد کی طرح سمجھا ہے۔ ہمارے اپنے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی یہ خدا کی مرضی تھی لیکن تم تینوں کے مل جانے کے بعد میرے دل کی تمام حسرتیں پوری ہو گئی تھیں۔ میں نے تو یہ سوچا تھا کہ اب تمھارے ساتھ ہی زندگی گزرے گی اور میرا گھر بھی ایک بھرا پڑا گھر کہلائے گا۔ یہاں نہیں رہوں گا جہاں بھی رہوں گا اب زندگی کے آخری سانس تک تمھارے ساتھ رہوں گا۔ یہ احساس تو میرے لیے باعث تقویت تھا۔"

مطلق صاحب کی آنکھوں میں نمی آ گئی۔

"مگر آپ کے الفاظ میرا مطلب ہے پہلے الفاظ ان الفاظ کی نفی کرتے ہیں مطلق صاحب' آپ ریٹائر ہو چکے ہیں' آپ کو فنڈ ملے گا تو آپ اس سے کاروبار کریں گے' اس عمر میں الجھنیں اٹھائیں گے پریشانیاں اٹھائیں گے۔ اگر ہم دونوں آپ کے بیٹے میں اس طرح ہیں جس طرح آپ فرماتے ہیں تو کیا آپ کو یا چچی جان کو کوئی فکر کرنی چاہیے تھی۔ جن والدین کے دو جوان بیٹے ہوں انھیں مستقبل کے لیے پریشان ہونا چاہیے؟ میں شکیلہ کی بات نہیں کرتا کیوں کہ وہ لڑکی ہے لیکن مطلق صاحب ہمارے سینوں میں بھی ہمارے ماں اور باپ زندہ ہو چکے ہیں۔ خدا کی قسم ہم آپ کو اسی طرح چاہتے ہیں جس طرح دو انتہائی محبت کرنے والے بیٹے اپنی ماں اور اپنے باپ کو چاہتے ہیں۔ ہم آپ کے حکم کے خلاف اپنے جسم کو ایک ہلکی سی جنبش بھی نہیں دے سکتے۔ اور اس کے باوجود آپ پریشانیوں کا شکار ہیں۔ کیا یہ ہمارے منہ پر تھپڑ نہیں ہے۔ مطلق صاحب جس انداز میں ہمیں اس گھر میں سہارا ملا ہے کیا اس کے بعد اس کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ آپ اور ہم خود کو الگ الگ سمجھیں۔" سعدی نے کہا اور بیگم صاحبہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔

"ارے ارے بھئی یہ کیا ڈرامہ شروع ہو گیا۔ کچھ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ ہاں ہاں واقعی مگر یار بیگم تم بھی تو احمق ہو۔ بالکل۔ یہ بات تو میرے ذہن میں ہی نہ آئی تھی۔ بھئی ماں ہونے کی وجہ سے تم پر بھی فرض لازم ہوتا تھا کہ مجھے اس نکتے سے آگاہ کرتیں۔ درحقیقت والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو اولادیں ہی تو ان کا بوجھ اٹھاتی ہیں۔ لاحول ولا قوت کس احمقانہ حرکت کا شکار

ہو گئے ہم لوگ۔ ارے بھئی ہمارے تو دو بیٹے اور ایک بیٹی ہیں۔ کیا بوڑھے والدین کا سہارا بیٹے نہیں ہوتے۔

"لعنت ہے اس نوکری پر' اور ریٹائرمنٹ مل گیا تو بڑا ہی اچھا ہوا۔ اب گھر بیٹھے عیش سے کھائیں گے۔ میں نئی غزلیں کہوں گا اور تم ہی ان کی سامع ہوگی۔ غلطی ہوگئی بچو اب تم ہمیں کبھی اداس نہیں دیکھو گے اور سعدی یار تم تو بڑے ہی تلخ انسان ہو۔ ایسی ایسی باتیں کہہ گئے کہ کلیجہ چیر کر رکھ دیا۔" مطلق صاحب نے سعدی کی طرف رخ کر کے کہا۔

"آپ نے بھی ہمیں کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا تھا مطلق صاحب' آخر آپ نے یہ بات سوچی ہی کیوں کیا یہ بہتر تھی؟"

"ہرگز نہیں' ہرگز نہیں۔ بھئی معافی چاہتا ہوں اور سنو آج مرغ مسلم پکوایا ہے اپنے ریٹائرمنٹ کی خوشی میں' خود ہی لیتا ہوا آیا تھا۔ بیگم نے جب چولھے پر رکھ دیا تو پھر میں نے انھیں یہ خبر سنائی۔"

"ارے دیکھو تو سہی بیگم جل تو نہیں گیا۔ خراب نہیں ہونا چاہیے۔" مطلق صاحب کی زندہ دلی پھر ابھر آئی تھی۔

اس رات قہقہے ابھرتے رہے۔ سعدی اور ظفری شکیلہ اور بیگم صاحبہ اور مطلق صاحب خاصی رات گئے تک ہنگامہ خیزیاں کرتے رہے تھے۔ دوسرے دن دفتر پھر لگ گیا دن کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تک مطلق صاحب کے موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ طے یہ کر لیا گیا تھا کہ آئندہ جو بھی کمائی ہوگی بیگم صاحبہ کے قدموں میں رکھ دی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ اب وہ سارے اخراجات اٹھائیں۔ اس وقت بھی کافی رقم موجود تھی جس میں سے ایک حصہ فوری طور پر بیگم صاحبہ کے حوالے کر دینے کا فیصلہ کر لیا گیا اور یہ سب مطمئن ہو گئے۔

درحقیقت تینوں کے دل میں مطلق صاحب اور بیگم صاحبہ کے لیے محبت کے جذبات موجود تھے۔

"مضطرب صاحب' بھائی مضطرب صاحب۔" سعدی نے آواز لگائی اور مضطرب صاحب ایک شعر گنگناتے ہوئے اندر تشریف لے آئے۔"

"عرض کیا ہے۔"

"کچھ نہیں عرض کیا۔ کافی پلوائیے۔ سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔" سعدی بولا۔ اسی وقت دروازے پر دستک سنائی دی اور سب چونک پڑے۔

"اپنے ہی دروازے پر ہے؟" ظفری نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

"اپنے ہی دروازے پر ہے کافی ملتوی کر دیجیے۔ میں دیکھتا ہوں۔" مضطرب صاحب نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ سعدی ظفری اور شکیلہ مستعد ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ دفعتاً دروازہ زور سے کھلا اور سفید سوٹ میں ملبوس ایک شخص اندر گھس آیا۔ اس کا قد پانچ فٹ سے زیادہ نہیں تھا۔ بدن اس قد کی مناسبت سے بہت بھاری تھا۔ سر پر سفید ہی رنگ کا ہیلمٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کی ہیئت عجیب لگ رہی تھی۔ مضطرب صاحب اس کے کوٹ کا نچلا حصہ پکڑے ہوئے گھسیٹتے چلے آرہے تھے۔ غالباً وہ اس ٹینکر کو روکنے میں ناکام رہے تھے۔ وہ دروازے پر کھڑا ہو کر ان تینوں کو گھورنے لگا' ہیلمٹ کے نیچے سرخ سرخ آنکھیں کافی خطرناک لگ رہی تھیں' پھر وہ مضطرب صاحب کی طرف پلٹا۔

"کوٹ چھوڑتے ہو یا نہیں؟" اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری۔ اور مضطرب صاحب نے جلدی سے کوٹ چھوڑ دیا۔

"میاں تم اس طرح باؤلے بیل کی طرح اندر کیوں گھس آئے۔ آخر یہ دفتر ہے اس کے کچھ اصول ہیں۔ کمال کی بات ہے۔" مضطرب صاحب بولے۔

"اچھی طرح جانتا ہوں' بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس دفتر کو خدا غارت کرے تم لوگوں کو۔" موٹے آدمی نے بوڑھی عورتوں کی طرح ہیلمٹ پیٹتے ہوئے کہا۔ غالباً وہ سر پیٹنا چاہتا تھا لیکن چونکہ سر پر ہیلمٹ منڈھا ہوا تھا اس لیے اس نے ہیلمٹ ہی پیٹنے پر اکتفا کی اور پھر رک

گیا۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ متحیرانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"غارت ہو جاؤ' تم لوگ روئے زمین پر تمہارا وجود نہ رہے۔ کیڑے پڑیں تمہارے جسموں میں اور تم سڑکوں پر گھسٹتے پھرو۔" اس نے کہا۔

"سبحان اللہ۔ سبحان اللہ یہ آپ اپنی غزل سنا رہے ہیں۔" ظفری نے جھومتے ہوئے کہا اور شکیلہ ہنس پڑی۔

"اڑا لو میرا مذاق اڑا لو ایک دن ایسا آئے گا کہ دنیا تمہارا مذاق اڑائے گی۔ جیلوں میں ٹھنسے ہو گے تم لوگ کوڑے پڑ رہے ہوں گے تمہاری پشت پر۔ پیروں میں بیڑیاں ہوں گی یہ موٹی موٹی۔" اس نے دونوں انگلیوں کے اشارے سے بیڑیوں کا سائز بتایا۔

"بہتر ہے محترم جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا لیکن آپ تشریف تو رکھیے۔" سعدی سنبھل کر بولا۔

"لعنت ہے تشریف رکھنے والے پر۔" موٹے آدمی نے ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"لعنت ہے مصرعہ ثانی ہے مگر چھوٹا ہے۔" ظفری بدستور پر مذاق انداز میں بولا۔

"ظفری' خاموش ہو جاؤ پلیز۔ محترم آپ یہ ہیلمٹ تو اتاریئے سر سے' اطمینان سے بیٹھیے سر کو ہوا لگے گی تو شاید غصہ کچھ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اس وقت وہ ہیلمٹ میں پھنسا ہوا ہے۔" سعدی نے کہا اور موٹا آدمی دونوں ہاتھ میز پر مار کر کھڑا ہو گیا۔

"خبردار خبردار۔ بے وقوف سمجھتے ہو۔ مجھے۔ ارے واہ بالکل ہی احمق سمجھا ہے۔ ہیلمٹ اتار دوں تاکہ تم میری کھوپڑی کو فٹ بال بنا لو۔ سب سمجھتا ہوں۔ اچھی طرح۔"

"جی؟" سعدی نے آنکھیں بھینچ کر پوچھا۔

"ہرگز نہیں اتاروں گا' بالکل نہیں اتاروں گا' اب دیکھوں گا کہ تم لوگ کیسے میرے سر پر چپتیں مارتے ہو۔"

"اللہ اکبر' کہاں سے تشریف لائے ہیں محترم۔ نمبر کیا تھا آپ کا۔" سعدی نے سوال کیا۔

"کیسا نمبر کہاں کا نمبر؟"

"پاگل خانے کی بات کر رہے ہیں۔" عقب سے مضطرب صاحب کی آواز سنائی دی۔ اور موٹا آدمی جھلا کر مضطرب صاحب کی طرف گھوم گیا۔

"ابے تو باہر جائے گا یا نہیں۔ مسلسل میرا مذاق اڑائے جا رہا ہے۔ کوٹ کیوں پکڑا تھا تو نے بول کوٹ کیوں پکڑا تھا۔" وہ مضطرب صاحب کی طرف پلٹا اور مضطرب صاحب بوکھلائے ہوئے سے باہر نکل گئے۔ انھیں یقین ہو گیا تھا کہ اندر آنے والا کوئی مہذب پاگل ہی ہو سکتا ہے۔

"ہاں ہاں تشریف رکھیے اور اگر ہیلمٹ اتار لیں تو۔"

"دیکھو ہیلمٹ کی بات نہیں کرنا اچھا نہیں ہو گا۔ خون خرابہ ہو جائے گا۔ ذرا حالت تو دیکھو میرے سر کی۔ کم بختو تم نے میرا بھیجہ ہلا کر رکھ دیا ہے۔"

شکیلہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں دیکھوں آپ کے سر کی حالت کیا ہو گیا ہے آپ کے سر کو۔" اس نے نرم اور محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"دیکھو بیٹھ جاؤ۔ دیکھو اچھا نہیں ہو گا۔ میں کہتا ہوں بیٹھ جاؤ۔" موٹا آدمی شکیلہ کی طرف دیکھ کر بولا۔ اور شکیلہ بھی ٹھنڈی سانس لے کر پیچھے ہٹ گئی۔

"اچھی بات ہے آپ تشریف رکھیے اور بتایئے کہ آپ کو کیا تکلیف ہے۔"

"تم لوگوں کی وجہ سے میری کوئی حیثیت ہی نہیں رہ گئی ہے۔ سڑکوں پر لڑکے ہنستے ہیں جب میرے سر پر چپتیں ماری جاتی ہیں۔ لعنت ہو تم پر خدا تمھیں غارت کر دے یا مجھے اس دنیا سے اٹھا لے۔" موٹے آدمی نے دونوں ہاتھ چھت کی طرف کر کے کہا۔

"کون چپتیں مارتا ہے آپ کے سر پر؟" سعدی نے پوچھا۔

"تم لوگوں کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ یقیناً تم اسی کے آدمی ہو گے۔ اس کم بخت

بلیک میلر کے جس نے میرا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔"

"بلیک میلر؟"

"دیکھو بولو مت اچھا نہیں ہوگا۔ میں تمہاری مطلوبہ رقم لے آیا ہوں خدا کے واسطے میری جان بخشی کر دو۔ تمھیں اللہ کا واسطہ۔" موٹے آدمی نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لفافہ نکال لیا اور اس میں سے سو سو کے نوٹوں کی پانچ گڈیاں نکال کر میز پر دے ماریں۔ "یہ پچاس ہزار ہیں پورے پچاس ہزار نقلی نہیں ہیں۔ دیکھ لو اپنی بھینس جیسی آنکھوں سے اور گن لو انھیں۔" اس نے بدستور غصیلے انداز میں کہا۔

تینوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ مضطرب صاحب دروازے میں تھوڑی سی دراز کر کے اندر جھانک رہے تھے۔ نوٹ دیکھ کر ان کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔ سعدی نے ہاتھ بڑھا کر تمام گڈیاں جمع کیں اور پھر سوالیہ انداز میں نووارد کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا چاہتے ہیں آپ؟"

"میں چاہتا ہوں یا تم۔ تم جو چاہتے ہو وہ کہو یہ بتاؤ کہ اس کے بعد میری جان چھوٹ جائے گی یا نہیں؟" اس نے بدستور غصیلے انداز میں پوچھا۔

"محترم آپ کسی شدید غلط فہمی کا شکار ہیں۔ جو کچھ آپ نے اب تک کہا ہے اس میں عقل کی ایک بات بھی شامل نہیں ہے۔ اگر آپ یہ ہیلمٹ اتار دیں تو شاید سوچ سمجھ کر بات کریں دیکھیے نا ہیلمٹ میں کافی گرمی ہوتی ہے اور اب تو آپ موٹر سائیکل بھی نہیں چلا رہے۔"

"کیا کہا موٹر سائیکل۔ میں موٹر سائیکل چلاتا ہوں۔ دماغ میرا خراب ہے یا تمھارا۔ لیموزین کار ہے میرے پاس۔ سمجھے بالکل نئے ماڈل کی۔" موٹے آدمی نے ناک چڑھا کر کہا۔

"لیموزین؟" شکیلہ متحیرانہ انداز میں بولی۔

"جھانک کر دیکھ لو فٹ پاتھ کے پاس کھڑی ہے۔ کیا سمجھتی ہو تم مجھے اچکا ہوں میں کوئی؟" موٹا آدمی چڑچڑی عورتوں کے انداز میں بولا۔

"ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ آپ تو شکل و صورت سے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن آپ یہ ہیلمٹ پہن کر کار کیوں چلاتے ہیں۔" شکیلہ نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ تم لوگ اپنی حماقتوں سے باز آ جاؤ۔ خدا کی پناہ سر چکرا کر رہ گیا ہے۔ مسلسل درد رہتا ہے۔"

"آپ کے خیال میں ہم لوگ ہی آپ کے سر پر چپتیں مارتے ہیں؟"

"تم نہیں مارتے ہو گے تو تمھارے اور کارکن ہوں گے۔ کم بختوں نے مٹی پلید کر کے رکھ دی ہے۔ بہر صورت میں یہ رقم لے کر آیا ہوں۔ تم اس کو وصول کر لو۔ خود رکھو یا اس موذی کو پہنچا دو جو مجھے فون پر بور کرتا رہتا ہے۔ بس اب میری جان چھوٹ جانی چاہیے۔ اس سے کہہ دینا کہ اس کے علاوہ ایک پائی نہ دے سکوں گا۔"

"مگر آپ کس کی بات کر رہے ہیں۔" سعدی نے پوچھا۔

"کیا یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ نہیں ہے؟" موٹے آدمی نے سوال کیا۔

"وہی ہے وہی ہے مگر ہمارا ان معاملات سے کیا تعلق؟"

"تعلق ہو یا نہ ہو۔ یہ تم جانو۔ اس بدنصیب نے مجھ سے یہی کہا تھا کہ میں یہ رقم تم تک پہنچا دوں اور میں یہ دے کر جا رہا ہوں۔ اب تم جانو اور تمھارا کام بس میں چلتا ہوں۔" وہ کرسی سے اٹھ گیا۔

"ارے ارے سنیے تو سہی۔ سنیے تو سہی۔" سعدی نے اپنی کرسی کھسکائی اور کھڑا ہو گیا۔

"لعنت ہے سننے والے پر اور لعنت ہے تم سنانے والوں پر۔ بس اب میں ایک لمحے یہاں نہیں رکوں گا۔" اس نے کہا اور طوفان کی طرح دروازے کی جانب بڑھا۔ مضطرب صاحب نے دروازے سے دور چھلانگ لگا دی تھی۔ وہ کسی ارنے بھینسے کی طرح دروازے سے نکل گیا اور اس کے باہر نکلتے ہی مضطرب صاحب غڑاپ سے اندر داخل ہو گئے۔

"کک کتنے ہیں۔" انھوں نے پر اشتیاق لہجے میں کہا۔

"پاگل ہوگئے ہیں آپ۔ ہم لوگ تو خود مصیبت کا شکار ہوگئے ہیں۔ آخر یہ کون تھا اور یہاں کیسے گھس آیا؟" سعدی نے کہا لیکن مضطرب صاحب کی نگاہ نوٹوں کی ان گڈیوں پر جمی ہوئی تھی جو میز پر رکھی تھیں۔

"کافی معلوم ہوتے ہیں۔ سو سو کے نوٹ ہیں نا سارے کے سارے؟" انھوں نے سوال کیا۔

"مضطرب صاحب کیا کہا تھا میں نے آپ سے؟" سعدی بولا۔

"اوہ" مضطرب صاحب سعدی کے لہجے پر چونک پڑے۔

"کافی لے کر آیئے' جایئے جلدی۔"

"اوہ ہاں ہاں ابھی لایا' ابھی جاتا ہوں۔" مضطرب صاحب مرے مرے قدموں سے دروازے کی جانب بڑھ گئے۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے تھے۔

"پورے پچاس ہزار ہیں بلا شک وشبہ اور نوٹ بھی اصلی ہی لگتے ہیں۔ مگر یہ قصہ کیا ہے۔ ڈی ڈی ٹی کے حوالے سے یہ رقم ہمارے سپرد کی گئی ہے۔ اور کسی موذی کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ یہ موذی کون ہے آخر۔ اور اس رقم کا معاملہ کیا ہے۔" سعدی نے پرخیال انداز میں کہا۔

اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی اور شکیلہ نے بیزاری کے عالم میں ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو وہ آہستہ سے بولی۔

"کہاں سے بول رہی ہیں آپ؟" ایک اجنبی آواز سنائی دی۔

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ۔"

"گڈ۔" اسی آواز نے کہا۔ "رقم مل گئی آپ کو؟" سوال کیا گیا اور شکیلہ چونک پڑی۔

"کیسی رقم۔" اس نے تحیر آمیز لہجے میں کہا اور سعدی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہیلو۔" وہ بھاری لہجے میں بولا۔

"غالباً تم سعدی بول رہے ہو؟" سوال کیا گیا اور سعدی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "جی ہاں بول تو سعدی ہی رہا ہوں لیکن آپ کو نہیں پہچان سکا۔" اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔

"مجھے پہچاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے مسٹر سعدی۔ میں آپ لوگوں سے اچھی خاصی واقفیت حاصل کر چکا ہوں۔ ڈی ڈی ٹی کے اغراض ومقاصد میری سمجھ میں اچھی طرح آگئے ہیں اور تم لوگ میرا اعتماد دیکھو کہ میں نے اتنا بڑا کام تمھاری وساطت سے کرلیا اور تمھیں اس سلسلے میں اطلاع بھی نہیں دی۔"

"کون صاحب ہیں آپ اور کیا چاہتے ہیں۔ آپ کی یہ فضول باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

جواب میں ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا پھر اس نے کہا۔ "وہ موٹا آدمی تمھیں پچاس ہزار روپے دے گیا ہے؟"

"کون موٹا آدمی؟"

"فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔ میری معلومات محدود نہیں ہیں۔ کام کی باتیں کرو۔ میں تمھارے لیے ہر طرح ایک منافع بخش آدمی ثابت ہوں گا۔"

"جی فرمایئے کیا کام کی باتیں کرنا چاہتے ہیں آپ؟"

"ان پچاس ہزار روپوں میں سے بیس پرسنٹ یعنی دس ہزار روپے تمھارے باقی چالیس ہزار روپے ایک پیکٹ میں پیک کرو اور اچھی طرح مضبوطی سے انھیں باندھ کر آج شام ٹھیک ساڑھے سات بجے نیشنل پارک کے مشرقی گوشے میں جو ایک کوڑے کا ڈرم رکھا ہوا ہے اس میں ڈال دو۔ میں انھیں حاصل کرلوں گا۔ بیس پرسنٹ کمیشن تمھارا اور سنو آئندہ بھی تمھارے حوالے سے ایسے کام کرتا رہوں گا۔"

"سنو مسٹر تم جو کوئی بھی ہو جب تک تم ہمیں یہ نہیں بتاؤ گے کہ یہ پچاس ہزار روپے کس

مقصد کے لیے حاصل کیے گئے ہیں اور کیا چکر ہے، ہم تمھارے لیے کچھ کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔"

"دیکھو سعدی میں نے کتنے اعتماد سے یہ کام تمھارے حوالے سے کر دیا ہے۔ ڈی ڈی ٹی جیسے اداروں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں، مجھے علم ہے کہ تم کس قسم کے کام کر سکتے ہو۔ اگر میں نے تم سے پوچھے بغیر یہ سب کچھ کر لیا تو تمھارا کیا خیال ہے غلط کیا؟"

"بالکل غلط" سعدی نے جواب دیا۔

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ ہمیں اس رقم کے حصول کی وجہ نہیں معلوم، جہاں تک اندازہ ہوتا ہے تم کوئی بلیک میلر ہو اور تم نے یہ رقم بلیک میلنگ کے ذریعے حاصل کی ہے۔ لیکن بلیک میلنگ کے کسی اور معاملے میں ہمارے ادارے کو ملوث کرنا ایک احمقانہ کوشش ہے۔ تمھارا کیا خیال ہے۔ ہم اتنی آسانی سے تمھارے فریب میں آ جائیں گے۔"

"بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو سعدی۔ اس دفتر میں بیٹھ کر کیا قوم کی فلاح کے لیے کچھ کر رہے ہو۔ کس قسم کی امداد کرتے ہو تم لوگوں کی۔ کیا اصول ہیں تمھارے اپنے ادارے کے؟"

"یہ سب کچھ تمھیں اس وقت بتایا جا سکتا ہے جب تم ہمارے پاس آؤ۔ ہم سے ملو اور اپنی کوئی مشکل بیان کرو اس طرح دس ہزار روپے کا لالچ دے کر تم ہمیں کسی غیر قانونی کام کے لیے مجبور نہیں کر سکتے۔"

"تب تم گدھے ہی معلوم ہوتے ہو۔ جتنے قانونی کام ہیں ان کے نتیجے میں انسان کو چھ سو سات سو یا آٹھ سو روپے تنخواہ ہی مل سکتی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ تم نے یہ ادارہ بنایا ہے۔ یہ جرأت کی ہے تو اس سے کچھ کماؤ اور حماقت کی باتیں چھوڑ دو۔ شام کو یہ رقم نیشنل پارک میں پہنچ جانی چاہیے۔"

"ہرگز نہیں۔ تم ہم سے اس احمقانہ کام کی توقع نہ رکھو۔ یہ رقم اس کے مالک کو واپس لوٹا

دی جائے گی۔ ہمیں اس میں سے کوئی کمیشن نہیں چاہیے۔ شکریہ۔" سعدی نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ ظفری اور شکیلہ مطمئن انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔ سعدی نے سوالیہ انداز میں ان کی جانب دیکھا اور ظفری گردن ہلا کر بولا۔

"بالکل ٹھیک، بالکل ٹھیک۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بلیک میلنگ کیس ہے۔"

"اور اس کم بخت نے اس بے چارے کی کھوپڑی پر چپتیں مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ اتنا پاگل کر دیا ہے اسے کہ وہ ہیلمٹ پہنے پھرتا ہے۔" سعدی بولا اور شکیلہ پھر ہنس پڑی۔

"وہ آدمی بھی تو بڑا عجیب تھا۔"

"ہاں شکیلہ، انسان پر جب برا وقت آتا ہے تو وہ اتنا ہی عجیب ہو جاتا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ میں اس شخص کے بارے میں کچھ معلوم نہ کر سکا۔" سعدی نے کہا۔ شکیلہ کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"مگر سعدی یہ معاملہ کچھ بہتر نظر نہیں آتا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم نے اس بلیک میلر کی بات نہیں مانی۔ اب وہ ہمارا دشمن ہو جائے گا۔"

"تو پھر؟" سعدی نے سوال کیا۔

"میرا مقصد ہے اس قسم کے لوگ اچھے نہیں ہوتے۔ ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔ ویسے بھی تم سے پوری طرح متفق ہوں۔ ڈی ڈی ٹی کے مقاصد میں کم از کم یہ بات شامل نہیں ہے کہ وہ بلیک میلر کی معاونت کرے۔ ہمیں ایسے دس ہزار ہرگز نہ قبول ہوں گے لیکن میں صرف یہ سوچ رہی تھی کہ بلیک میلر کی وجہ سے کسی الجھن کے شکار نہ ہو جائیں۔"

"جو ہوگا دیکھا گا۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" سعدی نے کہا اور نوٹ احتیاط سے ایک رومال میں باندھ لیے۔

"ان نوٹوں کو میرے خیال میں گھر پر محفوظ کر دیا جائے اور اس شخص کا پتہ لگایا جائے۔

کاش ہم اس کی لیموزین کا نمبر ہی دیکھ سکتے۔" سعدی نے کہا اور ٹھوڑی کھجانے لگا۔ اسی وقت مضطرب صاحب کافی کی ٹرے لیے اندر داخل ہو گئے تھے۔ انھوں نے ٹرے میز پر رکھی اور کافی بنانے لگے لیکن چور نگاہوں سے وہ میز کے کونوں کھدروں کو تلاش کر رہے تھے۔ ریک میں جھانک رہے تھے۔ غالباً نوٹوں کے بارے میں اندازہ لگانا چاہتے تھے۔" تب سعدی نے نرم لہجے میں انھیں بتایا کہ صورتحال کیا تھی۔ اس نے یہ بھی کہا ہم اس قسم کی رقم کبھی قبول نہیں کریں گے اور مضطرب صاحب بھی ان کے ہم خیال ہو گئے۔

پورا دن اسی شخص کے بارے میں گفتگو کرتے کرتے گزر گیا تھا۔ شام کو تینوں گھر پہنچے تو گھر کی فضا پہلے کے مانند پائی بلکہ بیگم صاحبہ اور مطلق صاحب پہلے سے بھی کچھ زیادہ ہی خوش نظر آ رہے تھے۔ مطلق صاحب بات بات پر شعر سناتے رہے اور پھر انھوں نے مضطرب کے بارے میں سوال کر ڈالا۔

"ارے بھئی وہ شاعرِ اعظم کہاں ہیں۔ اس دن کے بعد سے تو اس نے اس طرف کا رخ ہی نہیں کیا۔"

"ناراض ہیں آپ سے' غزل کا معاملہ تھا۔ میرا خیال ہے پہلے تین معاملات پر تنازعہ چلتا تھا۔ یعنی زن' زر اور زمین اور اب یہ معاملات چار ہو گئے ہیں یعنی زن' زر اور زمین اور غزل۔" سعدی نے کہا اور مطلق صاحب ہنس پڑے۔

"اچھی دریافت ہے تمھاری لیکن بھئی مضطرب صاحب کو بلا کر لاؤ کل کو۔ صلح کر لیں گے ان سے بھی۔ کم از کم اپنا ہم خیال آدمی ہے۔ بس ذرا جذباتی ہو گئے تھے۔ اس دن ہم دونوں نے ایک ہی بحر میں غزل کہی تھی' الفاظ مختلف تھے۔ خیالات مختلف نہ رہ سکے۔" رات کے کھانے کے بعد سعدی نے دو ہزار روپے بیگم صاحبہ کی خدمت میں پیش کر دیے۔"

"یہ پہلے مہینے کی تنخواہ ہے۔"

"کیا مطلب۔" بیگم صاحبہ چونک پڑیں۔

"مگر یہ بے موقع تنخواہ کہاں سے آ گئی اور پھر تم لوگ میرا مطلب ہے تم لوگوں کی آمدنی کیا ہے۔ تم نے تو کبھی اس بارے میں بتایا ہی نہیں' جہاں تک رہا مسئلہ دو ہزار کا تو میرے لیے یہ زیادہ ہیں۔ مجھے کٹ کٹا کر تیرہ چودہ سو روپے مل جاتے تھے اور ان میں اللہ کے فضل سے اچھی خاصی گزر ہو رہی تھی دو ہزار نہیں لیں گے میاں' دینا ہو تو وہی تنخواہ دے دینا جو مجھے ملتی تھی۔" مطلق صاحب بولے۔

"جی نہیں مطلق صاحب۔ ہزار قبول کرنے ہوں گے آپ کو' دراصل ہماری فضول خرچیاں بھی تو بڑھ گئی ہیں اور پھر آپ یقین فرمائیں۔ یہ دو ہزار ہمارے لیے تکلیف دہ نہیں ہوں گے۔ اگر ہوتے تو آپ کو نہ دیتے۔ البتہ ایک بات کی درخواست کی جاتی ہے آپ سے چچی جان کہ جس وقت بھی گھر کے معاملات میں کوئی ضرورت پیش آئے۔ آپ تردد نہ کریں گی۔"

"اب تردد کیا کروں گی جب سب کچھ ہو ہی گیا ہے۔ تو پھر اب تو اپنی ضرورت تم ہی لوگوں سے کہنا پڑے گی۔" بیگم صاحبہ نے پیسے رکھ لیے۔ سعدی وہ پچاس ہزار روپے گھر لے آیا تھا۔ کسی کو بتائے بغیر اس نے یہ رقم محفوظ کر دی اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے۔ ظفری کی ذمہ داری لگا دی گئی تھی کہ وہ موٹر سائیکل پر شہر گردی کرے اور اس موٹے آدمی کو تلاش کرے طے یہ کر لیا گیا تھا کہ پٹرول کی رقم نکال کر بقیہ رقم اس کے حوالے کر دی جائے۔ ظفری نے یہ ذمہ داری قبول کر لی اور دوسرے ہی دن اس کی ڈیوٹی شروع ہو گئی۔ کاروں کی جانچ پڑتال کی جانے لگی تھی لیکن اتفاق کی بات تھی کہ شہر میں ایک بھی لیموزین نظر نہ آئی۔ پانچ یا چھ دن گزر چکے تھے۔ یہ لوگ اس شخص کی تلاش میں ناکام تھے کہ ساتویں دن وہ پھر آ گیا۔ مضطرب صاحب نے اسے سیڑھیاں چڑھتے دیکھا تو وہ چیختے ہوئے اندر گھس آئے۔

"آ گیا' آ گیا' وہ آ گیا۔" تینوں گھبرا کر کھڑے ہو گئے تھے۔" کون آ گیا۔ کیا ہو گیا آپ کو مضطرب صاحب۔ کیا کوئی شعر دماغ میں اٹک گیا ہے؟" ظفری نے پوچھا۔

"ارے نہیں وہی پچاس ہزار روپے والا آ گیا۔ اسی انداز میں طوفان کی طرح گھسا چلا

آرہا ہے۔"

"آپ نیچے جائیں اور اس کی لیموزین کار کا نمبر نوٹ کر لائیں۔ اس کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔" سعدی نے انھیں ہدایت کی۔ اس کے بعد تینوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔ اس بار پھر موٹا آدمی اسی طرح غراتا ہوا اندر آیا تھا۔ ہیلمٹ اب بھی اس کے سر پر تھا لیکن شکل پر بدستور بارہ بج رہے تھے۔

"لعنت ہو تم پر لعنت ہو ارے تمھارا ستیاناس کس دن فنا ہو گے تم لوگ۔" وہ کراہتا ہوا بولا اور سعدی ہنس پڑا۔

"تشریف لائیے۔ تشریف لائیے۔ بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔ ہم آپ کا کئی دنوں سے انتظار کر رہے تھے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھو دیکھو۔ میں زیادہ اچھا آدمی نہیں ہوں۔ شریف آدمی ضرور ہوں لیکن اگر بدمعاشی پر اتر آیا تو تم لوگوں کیلئے مصیبت بن جاؤں گا۔ ارے خدا کے بندو انسان بنو۔ خدا کے واسطے انسان بنو تم سوچو کیا ملتا ہے تمھیں ان باتوں سے یہ دیکھو۔ یہ دیکھو۔ یہ میری پیٹھ پر جو کوڑا بہہ رہا ہے۔ یہ تمہاری شرافت اور انسانیت کی نشانی ہے۔" وہ ان کی طرف پشت کر کے کھڑا ہو گیا اور سعدی، ظفری اور شکیلہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس کی پشت پر غلیظ نشانات نظر آرہے تھے۔ غالباً کوئی انڈا پھوٹا تھا۔ یقیناً کوئی گندہ انڈا۔

"یہ یہ کیا ہے؟" سعدی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"تخم ہے۔ سمجھے اور کیا ہو سکتا ہے۔" اس نے ناچتے ہوئے کہا اور شکیلہ کو پھر ہنسی آگئی۔

"دیکھیے محترم۔ آپ پھر کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر یہاں آئے ہیں۔"

"جی نہیں، جی نہیں کوئی غلط فہمی نہیں۔ یہ مزید پچاس ہزار روپے قبول فرمائیے اور اس کے بعد مجھے موقع دیجیے کہ میں خودکشی کر لوں۔" اس نے دانت پیستے ہوئے کہا اور جیب سے لفافہ نکال کر سو سو کے نوٹوں کی پانچ گڈیاں پھر ان کے سامنے ڈال دیں۔ سعدی ایک گہری سانس لے

کر رہ گیا تھا۔

"تفصیل بتائیے۔" اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"کیا تفصیل بتاؤں بدبختو۔ بالآخر میں ایک دن کسی چھوٹی سی قبر میں سوؤں گا، اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں۔"

"خیر چھوٹی سی قبر تو آپ کے لیے قطعی ناکافی ہو گی۔ میرا خیال ہے جو قبر آپ کے لیے بنائی جائے گی وہ پانچ فٹ لمبی ہو گی اور تین فٹ چوڑی۔ عام قبروں میں نیا اضافہ ہو گا۔" ظفری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مذاق مت اڑاؤ۔ میرا مذاق مت اڑاؤ۔ باز آجاؤ۔ خدا سے ڈرو۔ خدا سے ڈرو۔"

"آپ کبھی پرسکون ہو کر بات ہی نہیں کرتے محترم۔ نہ آپ نے اپنا تعارف کرایا نہ ہمیں اپنے بارے میں بتایا۔ بس غصے میں آتے ہیں اور یہ نوٹ پھینک کر چلے جاتے ہیں۔ محترم ہمیں ان نوٹوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کسی بدبخت نے آپ کو ہماری طرف سے بدظن کرنے کے لیے یہ جال پھیلایا ہے۔ آپ یقین فرمائیے ہمارا کسی بلیک میلر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ جو پچاس ہزار روپے دے گئے تھے وہ آج تک محفوظ ہیں ہمارے پاس آپ کی امانت کے طور پر۔ آپ کے جانے کے بعد ہمیں ایک ٹیلی فون ملا تھا جس میں ہمیں پیش کش کی گئی تھی کہ ہم دس ہزار روپے ان پچاس ہزار روپوں میں سے قبول کر لیں اور چالیس ہزار روپے نیشنل پارک کے ایک کوڑے دان میں پھینک دیں۔ اس کے علاوہ ہمیں یہ پیش کش بھی کی گئی تھی کہ وہ شخص آئندہ بھی ہم سے کام لیتا رہے گا۔ مگر ہم نے اسے ڈانٹ دیا۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ لوگوں کی مدد کرنے کا ارادہ ہے کسی جرم کی اعانت کرنے کا نہیں۔ اگر آپ کسی ایسے مجرم سے خوفزدہ ہیں، پریشان ہیں جو آپ کو مختلف طریقوں سے پریشان کرتا ہے تو آپ ہماری خدمات حاصل کیجیے۔ ہم اس مجرم کو تلاش کر کے آپ کے تعاون سے پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ اور اس کے نتیجے میں آپ ہمیں ہمارا معاوضہ ادا کر دیجیے۔ جو یقینی طور پر ایک لاکھ روپے نہیں ہو گا۔ مقصد اس بات کا یہ ہے کہ آپ یہ نہ تصور فرمائیے

کہ ہم اس طرح آپ کو اپنا گاہک بنا کر لوٹنا چاہتے ہیں۔ اس بلیک میلر کو تلاش کرنے کا معاوضہ صرف پندرہ ہزار روپے ہوگا۔ پچاس ہزار روپے آپ کے موجود ہیں اور یہ رقم جو آپ لے کر آئے ہیں اسے یہاں سے اٹھا لیجیے۔" موٹے آدمی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

وہ بے یقینی کے انداز میں ان تینوں کی صورتیں دیکھتا رہا۔ اور پھر ہیلمٹ سر سے اتار کر میز پر رکھا اور کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"کیا تم لوگ سچ کہہ رہے ہو۔" اس نے مردہ سی آواز میں پوچھا۔

"بالکل سچ۔ قطعاً سچ۔ ہم آپ کو جو کچھ بتا چکے ہیں اس میں ذرا بھی فرق نہیں ہے۔ جس طرح چاہیں اپنی تسلی کر لیں۔"

"تب تو پھر مجھے ہی غلط فہمی ہوئی۔ لیکن اس ذلیل انسان نے تمھارا ہی پتہ مجھے بتایا تھا۔ تم خود دیکھ لو یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ہے اور جب مجھے یہ رقم تمھاری ہی معرفت پہنچانی تھی تو پھر میں تمھاری طرف سے غلط فہمی کا شکار کیوں نہ ہوتا۔"

"یقیناً آپ کی غلط فہمی بجا ہے۔ ہمیں اس کا پورا پورا اعتراف ہے۔ بہرصورت اب تو صورتحال آپ کو معلوم ہوگئی ہے۔ ہم نے اس بلیک میلر سے تعاون کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ رقم ہمارے گھر میں محفوظ ہے۔ اگر آپ کل زحمت فرمائیں تو آپ کو مل جائے گی۔ یہ گڈیاں آپ اٹھا کر اپنی جیب میں رکھیے اور ہمیں بتائیے کہ کیا آپ ہماری امداد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"خدا کے واسطے' خدا کے واسطے میری مدد کرو۔ میں خودکشی کر لوں گا۔ میں تباہ و برباد ہو جاؤں گا۔ میں اس بدبخت کے چنگل میں پھنسا ہوں۔ بری طرح پھنسا ہوا ہوں۔ کیا بتاؤں تمھیں بس کیا بتاؤں۔" اس شخص نے کہا اور سعدی اسے ہمدردی کی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"بلیک میلنگ کب سے کی جارہی ہے۔"

"میں نے یہ پہلی ہی قسط ادا کی ہے۔ میرا مطلب ہے پچاس ہزار۔ اس دوران وہ مجھے طرح طرح سے پریشان کرتا رہا ہے۔ بھری پری سڑکوں پر میرے سر پر تھپڑ مارے جاتے ہیں۔ اور

جب سے میں نے ہیلمٹ پہننا شروع کیا ہے تو ان تھپڑوں کی جگہ گندے انڈوں نے لے لی ہے۔ ابھی پچھلی ہی رات میں ایک پارٹی میں شریک تھا۔ اچھا خاصا دوستوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا کہ ایک انڈا میرے سر پر آ کر لگا اور میرا پورا چہرہ اس کی غلاظت میں ڈوب گیا۔ دوستوں کے مذاق کا نشانہ بنا لیکن یہ پتہ نہ چل سکا کہ کس نے وہ انڈا مارا تھا۔ پھر آج صبح کو دفتر جا رہا تھا کہ راستے میں پھر ایک انڈا میرے سر پر پڑا اور اب تھوڑی دیر پہلے اس طرف آ رہا تھا کہ کسی نے تاک کر یہ انڈا میری پشت پر مارا اور میرا تمام کوٹ خراب ہو کر رہ گیا۔ میں ایک باعزت آدمی ہوں۔ اس قسم کی حرکات برداشت نہیں کر سکتا۔" موٹے آدمی نے کہا۔

"بس اسی بنیاد پر وہ آپ کو بلیک میل کرنا چاہتا ہے۔ میرا مقصد ہے کہ صرف اس طرح کے انڈے اور تھپڑ مار مار کر آپ کو اتنی بھاری رقم ادا کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے؟"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔" اس شخص نے جواب دیا اور سعدی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"اس کا مطلب ہے بلیک میلنگ کی وجہ کچھ اور ہے؟"

"ہاں۔" اس نے بدستور مردہ سی آواز میں کہا۔

"اگر آپ اپنا تعارف کرا دیتے تو بہتر ہوتا۔"

"میں کوئی بہت زیادہ معروف آدمی نہیں ہوں۔ یہاں میرا کوئی کاروبار نہیں ہے۔ بس اس سے زیادہ میں تمھیں کچھ نہیں بتاؤں گا کہ مجھے سیٹھ کونڈا والا کہا جاتا ہے۔ میرے اپنے مسائل ہیں۔ ان کی وجہ سے میں اپنا پورا تعارف نہیں کرا سکتا۔ مجھے اس کے لیے معاف کر دینا۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ کونڈا والا۔ کوئی حرج نہیں ہے' ہمیں اس سے زیادہ معلومات کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اب آپ ہمیں اس بلیک میلر کے بارے میں بتائیے؟"

"وہ شخص انتہائی شاطر ہے' بہت بڑا بدمعاش ہے' وہ کھلم کھلا لوگوں کو لوٹتا ہے۔ بلیک میل کرتا ہے اور ان سے رقومات وصول کرتا ہے۔ پولیس کے اعلیٰ عہدے داروں سے اس کے تعلقات ہیں۔ کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ بظاہر وہ لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہتا ہے۔ لیکن

میں اس کے ٹھکانے سے واقف ہوں۔ میں سیدھا سادا شریف آدمی ہوں۔ یہ ہمت نہیں کر سکتا کہ پولیس کو اس کی طرف متوجہ کروں۔ پولیس خود میری جان کی گاہک ہو جائے گی۔ بس کچھ ایسے ہی معاملات ہیں۔"

"جس وجہ سے وہ آپ کو بلیک میل کر رہا ہے وہ کیا ہے؟"

"یہ میں تمہیں نہیں بتا سکتا' اس کے پاس میرے کچھ کاغذات ہیں۔ سرخ رنگ کا ایک فائل ہے جس پر سیٹھ کونڈا والا لکھا ہوا ہے۔ اگر یہ فائل مجھے مل جائے تو پھر مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ تم یقین کرو میں اسی کی وجہ سے یہاں رکا ہوا ہوں ورنہ کبھی کا افریقہ چلا جاتا۔"

"افریقہ؟" سعدی نے سوال کیا اور کونڈا والا کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آنے لگے۔

"سوری سوری۔" بس منہ سے یہ لفظ نکل گیا۔ "براہ کرم تم اس سلسلے میں مجھ سے اور کچھ مت پوچھو۔ اگر تم وہ فائل حاصل کرلائے تو میں تمہیں پندرہ کے بجائے پچیس ہزار روپے نقد ادا کروں گا۔ تم یقین کرو میں اس کے لیے سخت پریشان ہوں۔ یہ رقم پچاس ہزار روپے بھی ہو سکتی ہے۔" کونڈا والا نے کہا اور سعدی نے گردن ہلا دی۔

"نہیں پچیس ہزار ہی ٹھیک ہے۔ ہم آپ کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔"

"کیا تم میری مدد کرنے پر آمادہ ہو؟"

"ہاں یقیناً لیکن ابھی آپ نے ایک بات اور بھی کہی تھی کہ آپ اتفاقیہ طور پر اس کی رہائش گاہ سے واقف ہو گئے ہیں۔"

"ہاں میں اسے ایک عمارت میں گھستے دیکھ چکا ہوں' ایک بار نہیں کئی بار۔ میں نے اس عمارت کی نگرانی بھی کی ہے۔ دو ایک بار میں نے اسے اس عمارت سے نکلتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ یقیناً یہ وہی بلیک میلر ہے مگر وہ بہت چالاک ہے۔ تم لوگ سوچ لو کیا تم اس کے قبضے سے وہ

فائل نکال کر لا سکتے ہو۔"

"اس کی کوشش کی جائے گی مسٹر کونڈا والا' آپ کو صرف یہ زحمت کرنی ہوگی کہ آپ ہمیں اس کی رہائش گاہ دکھا دیں۔ ویسے بڑی تعجب کی بات ہے کہ آپ اس کی شخصیت اور اس کی رہائش گاہ سے واقف ہونے کے باوجود اس کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے۔ پولیس کے تمام ہی افراد تو غلط نہیں ہوتے۔ کوئی نہ کوئی تو آپ کی مدد پر آمادہ ہو جاتا۔"

"بھائی میں مقامی آدمی نہیں ہوں۔ بس یہ سمجھ لو کہ کچھ الجھنوں کا شکار ہو کر یہاں آیا ہوں۔ میری یہاں آمد کی وجہ وہ فائل ہی ہے۔ اگر وہ فائل مجھے مل جائے تو یوں سمجھ لو کہ میرا سارا مسئلہ حل ہو جائے اور میں خاموشی سے افریقہ چلا جاؤں۔ میں وہیں رہتا ہوں۔ یہاں کے بارے میں میری معلومات کچھ نہیں ہیں۔ نہ ہی میرے کسی سے تعلقات ہیں' اس کے علاوہ اس فائل کی وجہ سے میں منظر عام پر بھی نہیں آنا چاہتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ بلیک میلنگ کی وجہ کچھ نہ کچھ تو ہوگی ہی' وہ معاملہ اگر میں پولیس کے پاس لے جاتا ہوں تو میرے لیے تکلیف کا باعث بن جائے گا۔"

"ہوں اس کا مقصد ہے فائل کے کاغذات میں بھی کسی غیر قانونی کام کا تذکرہ ہے۔"

"ہے۔ مگر ایسا نہیں کہ کسی کے لیے نقصان دہ ہو۔ میرا کچھ ذاتی سا معاملہ تھا جس کی وجہ سے مجھے کچھ دوستوں میں شرمندگی اٹھانی پڑے گی اور کاروبار میں بہت بڑا گھاٹا برداشت کرنا پڑے گا۔ تم یقین کرو کہ میں کوئی مجرم نہیں ہوں۔ اگر میں مجرم ہوتا تو اس سے نمٹنے کے بجائے پچاس ہزار روپے ادا کرنے نہ آ جاتا۔ ایک لاکھ روپے کی رقم معمولی نہیں ہوتی میں جرائم پیشہ آدمی نہیں ہوں۔ بس مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"

یہ دلیل بھی قابل غور تھی۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ نے اس کی اس بات سے اتفاق کیا۔ اور پھر یہ بات طے ہو گئی کہ سیٹھ کونڈا والا دوسرے دن آئے گا۔ ظفری کو اس کی رہائش گاہ دکھائے گا اور اس کے بعد یہ لوگ وہ فائل حاصل کر کے کسی نہ کسی طرح سیٹھ کونڈا والا کو پہنچا دیں گے۔ اس سلسلے میں پچیس ہزار روپے معاوضہ طے ہو گیا تھا۔ سعدی نے فطری ایمانداری سے کام لیتے

ہوئے سیٹھ کونڈا والا سے درخواست کی تھی کہ کل جب وہ آئے تو اپنی رقم ان سے وصول کر لے۔

سیٹھ کونڈا والا پچاس ہزار کے نوٹ سمیٹ کر اپنی جیب میں رکھتے ہوئے بڑی عاجزی سے ان کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ اور اس بار جب وہ گیا تو بڑا پرسکون تھا۔ مضطرب صاحب اس وقت بھی دروازے پر موجود نہ تھے۔ ہاں جب وہ چلا گیا تو وہ اندر آ گئے اور معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولے۔

"بن گیا کام۔"

"کیا مطلب۔"

"میرا مطلب ہے کوئی کام کی بات ہوئی۔ ویسے میں اسکی کار کا نمبر لے آیا ہوں کار کا نمبر ہے 7777 یعنی سات ہزار سات سو ستتر۔ ویسے اس پر کار کرائے پر دینے والی ایک کمپنی کا مونوگرام بھی بنا ہوا ہے۔ میں نے اچھی طرح دیکھا ہے اس کا مقصد ہے کار کرائے کی ہے۔"

"ہوں' مضطرب صاب آپ تو واقعی کام کے آدمی ثابت ہو رہے ہیں۔ یہ آپ کی ذہانت ہے۔"

"پیسوں کا کیا معاملہ ہے۔" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"اس کے پچاس ہزار روپے کی رقم اس کو واپس کر دی جائے گی۔ البتہ اس کا کیس مل گیا ہے جس کا معاوضہ ہمیں پچیس ہزار روپے ملے گا۔"

"پچیس ہزار۔" مضطرب صاحب پھر خوش ہو گئے۔

"جی ہاں پچیس ہزار۔" سعدی نے جواب دیا۔

"چائے لاؤں۔" مضطرب صاحب نے مسرت آمیز لہجے میں پوچھا اور سعدی ہنسنے لگا۔ "لے آیئے۔ لے آیئے۔"

"سیٹھ کونڈا والا کے جانے کے بعد یہ لوگ پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ جو معاملات سامنے آئے تھے کچھ غیر حقیقی تھے۔ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ بلیک میلر نے اپنے شکار کو ان کے ذریعہ

حلال کرنے کی کوشش کی تھی۔ پچاس ہزار روپے کی رقم ان کے پاس محفوظ تھی۔ بلیک میلر ان سے بات کر چکا تھا اور انھوں نے اس کے لیے کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک خاموشی سی تھی۔ بلیک میلر کی جانب سے کوئی کاروائی نہیں ہوئی تھی اور سیٹھ کونڈا والا پچاس ہزار روپے لے کر پھر آ گیا تھا۔ یہ بات ان لوگوں کے لیے الجھن کا باعث تھی اور وہ اس کی گہرائی کا جائزہ لے رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سعدی کے ذہن میں یہ بات موجود تھی کہ ممکن ہے وہ ان سے پھر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور دوسری طرف سنائی دینے والی آواز وہی تھی جو اس سے قبل وہ سن چکا تھا۔

"کون بول رہا ہے۔ سعدی؟" بڑی بے تکلفی کے انداز میں پوچھا گیا۔

"جی ہاں سعدی ہی عرض کر رہا ہے۔" سعدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"میرا شکار آج پھر تمھارے پاس آیا تھا سعدی۔ کیا تم نے اس سے وہ پچاس ہزار روپے وصول کیے؟" سوال کیا گیا۔

"دیکھو دوست۔ تم پہلے بھی یہ فضول باتیں کر چکے ہو۔ اور آج پھر وہی رٹ لگائے ہوئے ہو۔ مجھے صرف اس بات پر حیرت ہے کہ جب پہلی بار میں نے تم سے تعاون نہیں کیا تو دوبارہ اس شخص کو یہاں کیوں بھیج دیا؟"

جواب میں ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا اور پھر اس نے کہا۔

"صرف اس لیے کہ تم کام کے آدمی بن جاؤ۔ پچاس ہزار روپے کی رقم پہلے تمھارے پاس پہنچ چکی ہے' اگر تم اپنے حالات درست کرنا چاہتے ہو تو میں وہ رقم تمھارے پاس چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ دوسرے پچاس ہزار جو سیٹھ کونڈا والا تمھارے پاس لے کر آیا تھا اگر تم نے حاصل کر لیے ہیں تو دس ہزار اس میں سے اپنا کمیشن کاٹو اور چالیس ہزار روپے جس طرح میں نے تمھیں پہلے بتایا تھا کہ اسی طرح میرے حوالے کر دو۔ ساٹھ ہزار کی رقم معمولی نہیں ہوتی سعدی۔ تم چھ ماہ تک کوشش کرو تب کہیں جا کر اتنی رقم کما سکتے ہو۔ اور پھر جو ادارہ تم نے کھولا ہے وہ اچھی

ہوئے سیٹھ کونڈا والا سے درخواست کی تھی کہ کل جب وہ آئے تو اپنی رقم ان سے وصول کر لے۔

سیٹھ کونڈا والا پچاس ہزار کے نوٹ سمیٹ کر اپنی جیب میں رکھتے ہوئے بڑی عاجزی سے ان کا شکریہ ادا کرنے لگا۔ اور اس بار جب وہ گیا تو بڑا پرسکون تھا۔ مضطرب صاحب اس وقت بھی دروازے پر موجود نہ تھے۔ ہاں جب وہ چلا گیا تو وہ اندر آ گئے اور معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولے۔

"بن گیا کام۔"

"کیا مطلب۔"

"میرا مطلب ہے کوئی کام کی بات ہوئی۔ ویسے میں اسکی کار کا نمبر لے آیا ہوں کار کا نمبر ہے 7777 یعنی سات ہزار سات سو ستتر۔ ویسے اس پر کار کرائے پر دینے والی ایک کمپنی کا مونوگرام بھی بنا ہوا ہے۔ میں نے اچھی طرح دیکھا ہے اس کا مقصد ہے کار کرائے کی ہے۔"

"ہوں' مضطرب صاب آپ تو واقعی کام کے آدمی ثابت ہو رہے ہیں۔ یہ آپ کی ذہانت ہے۔"

"پیسوں کا کیا معاملہ ہے۔" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"اس کے پچاس ہزار روپے کی رقم اس کو واپس کر دی جائے گی۔ البتہ اس کا کیس حل گیا ہے جس کا معاوضہ ہمیں پچیس ہزار روپے ملے گا۔"

"پچیس ہزار۔" مضطرب صاحب پھر خوش ہو گئے۔

"جی ہاں پچیس ہزار۔" سعدی نے جواب دیا۔

"چائے لاؤں۔" مضطرب صاحب نے مسرت آمیز لہجے میں پوچھا اور سعدی چہنے لگا۔ "لے آیئے۔ لے آیئے۔"

"سیٹھ کونڈا والا کے جانے کے بعد یہ لوگ پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ جو معاملات سامنے آئے تھے کچھ غیر حقیقی تھے۔ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ بلیک میلر نے اپنے شکار کو ان کے ذریعہ

حلال کرنے کی کوشش کی تھی۔ پچاس ہزار روپے کی رقم ان کے پاس محفوظ تھی۔ بلیک میلر ان سے بات کر چکا تھا اور انھوں نے اس کے لیے کام کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک خاموشی سی تھی۔ بلیک میلر کی جانب سے کوئی کاروائی نہیں ہوئی تھی اور سیٹھ کونڈا والا پچاس ہزار روپے لے کر پھر آ گیا تھا۔ یہ بات ان لوگوں کے لیے الجھن کا باعث تھی اور وہ اس کی گہرائی کا جائزہ لے رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سعدی کے ذہن میں یہ بات موجود تھی کہ ممکن ہے وہ ان سے پھر رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے۔ اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا اور دوسری طرف سنائی دینے والی آواز وہی تھی جو اس سے قبل وہ سن چکا تھا۔

"کون بول رہا ہے۔ سعدی؟" بڑی بے تکلفی کے انداز میں پوچھا گیا۔

"جی ہاں سعدی ہی عرض کر رہا ہے۔" سعدی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"میرا شکار آج پھر تمھارے پاس آیا تھا سعدی۔ کیا تم نے اس سے وہ پچاس ہزار روپے وصول کیے؟" سوال کیا گیا۔

"دیکھو دوست۔ تم پہلے بھی یہ فضول باتیں کر چکے ہو۔ اور آج پھر وہی رٹ لگائے ہوئے ہو۔ مجھے صرف اس بات پر حیرت ہے کہ جب پہلی بار میں نے تم سے تعاون نہیں کیا تو دوبارہ اس شخص کو یہاں کیوں بھیج دیا؟"

جواب میں ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا اور پھر اس نے کہا۔

"صرف اس لیے کہ تم کام کے آدمی بن جاؤ۔ پچاس ہزار روپے کی رقم پہلے تمھارے پاس پہنچ چکی ہے' اگر تم اپنے حالات درست کرنا چاہتے ہو تو میں وہ رقم تمھارے پاس چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔ دوسرے پچاس ہزار جو سیٹھ کونڈا والا تمھارے پاس لے کر آیا تھا اگر تم نے حاصل کر لیے ہیں تو دس ہزار اس میں سے اپنا کمیشن کاٹو اور چالیس ہزار روپے جس طرح میں نے تمھیں پہلے بتایا تھا کہ اسی طرح میرے حوالے کر دو۔ ساٹھ ہزار کی رقم معمولی نہیں ہوتی سعدی۔ تم چھ ماہ تک کوشش کرو تب کہیں جا کر اتنی رقم کما سکتے ہو۔ اور پھر جو ادارہ تم نے کھولا ہے وہ اچھی

طرح میرے علم میں ہے۔ظاہر ہے وہاں بیٹھ کر تم قوم کی فلاح کے لیے کام نہیں کرو گے۔تمھیں ایسے ہی کیس ملیں گے جن میں کسی کا مفاد اور کسی کو گھاٹا ہوگا۔چنانچہ اگر تم میرے ساتھ مل جاؤ تو کیا حرج ہے۔میں تمھیں اپنے شکار دوں گا۔تمھارا کام صرف اتنا ہوگا کہ ان سے رقومات وصول کرو اور اپنا کمیشن کاٹ کر مجھ تک پہنچا دو۔اس کے علاوہ بھی جو کچھ تم کرنا چاہو کر سکتے ہو۔مجھے اس پر اعتراض نہیں ہوگا یعنی میں صرف تمھیں اپنا محکوم بنا کر نہ رکھوں گا۔بلکہ ہم لوگ مل کر نئے نئے شکار پھانسنے کی کوشش کریں گے۔سمجھو سعدی' اس سے بہتر پیش کش کوئی نہیں ہو سکتی۔تمھارا مستقبل بن جائے گا۔"

"بہت بہت شکریہ جان من سیٹھ کونڈا والا کو اس کی پہلی رقم بھی واپس کر دی گئی ہے اور وہ رقم بھی جو وہ ساتھ لے کر آیا تھا۔تم یہ رقم اس سے کسی اور طریقے سے وصول کر سکتے ہو۔ہم ذرا شریف لوگ ہیں۔اس قسم کی بدمعاشی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔مجھے امید ہے کہ آئندہ تم فون کرنے کی حماقت نہیں کرو گے۔" سعدی نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ظفری اور شکیلہ مطمئن نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔سعدی نے سوالیہ انداز میں انھیں دیکھا اور انھوں نے اس کی تائید میں گردن ہلا دی۔چند ساعت خاموشی رہی پھر سعدی نے کہا۔

"مجھے اس ٹیلی فون کا انتظار تھا۔وہ کوئی ٹھنڈی طبیعت کا آدمی ہے۔اور باقاعدہ ہمیں اپنے شکنجہ میں کسنا چاہتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" شکیلہ نے سوال کیا۔

"شکیلہ' ساٹھ ہزار روپے کی رقم کوئی بلاوجہ ہی کسی پر خرچ نہیں کر دیتا۔اس نے ہمیں یہ ساٹھ ہزار کا لالچ دے کر ہمارے ہاتھ خریدنے کی کوشش کی ہے۔وہ ہمارے ہاتھ باندھ دینا چاہتا ہے۔ظاہر ہے بلیک میلر بن کر ہم اس کے لیے جو کچھ کریں گے وہ غیر قانونی ہوگا اور اگر وہ ہمارے خلاف ہو جائے تو سیٹھ کونڈا والا ہی عدالت میں کھڑے ہو کر بآسانی یہ بات کہہ سکتا ہے کہ ہم بلیک میلر کے آلہ کار تھے اور بلیک میلنگ کی رقم وصول کرتے تھے۔کیا خیال ہے تمھارا۔کیا وہ ہمیں یہ

دھمکی نہیں دے سکتا۔دراصل شکیلہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ابھی اپنی زندگی کے ابتدائی مراحل میں ہے۔یہ ادارہ درحقیقت کوئی رفاہی ادارہ نہیں ہے۔لیکن ہم کوئی ایسی جعل سازی نہیں چاہتے جس سے کسی کو براہ راست نقصان پہنچے اور پولیس ہماری طرف متوجہ ہو جائے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔لیکن سیٹھ کونڈا والا کے سلسلے میں کیا کرو گے۔"

"وہ ایک ٹھیک کام ہے' اگر سیٹھ کونڈا والا ہمیں تمام تر معلومات فراہم کر دیتا ہے' تو ہم کوشش کریں گے کہ اس کا فائل حاصل کر لیں گے' اگر اس طرح ہمیں پچیس ہزار روپے مل جاتے ہیں تو زندہ باد۔اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" سعدی نے جواب دیا اور شکیلہ اور ظفری اس سے مکمل طور پر متفق ہو گئے۔

دوسرے دن تقریباً گیارہ بجے سیٹھ کونڈا والا وعدے کے مطابق پہنچ گیا۔وہ مطمئن اور مسرور نظر آ رہا تھا۔چہرے پر وہی حماقت پھیلی ہوئی تھی جسے دیکھ کر خواہ مخواہ ہنسی آنے لگتی تھی۔ان تینوں نے پرتپاک انداز میں اس کا استقبال کیا۔پچاس ہزار روپے کی وہ رقم جو سعدی کے پاس محفوظ تھی سعدی لے آیا تھا۔سب سے پہلے یہ نوٹ سیٹھ کونڈا والا کو پیش کر دیے گئے۔

"آپ انھیں اچھی طرح سنبھال لیں' جانچ پڑتال کر لیں۔رقم پوری کی پوری ہے۔اس کے بعد دوسری گفتگو ہوگی۔" سعدی نے کہا اور سیٹھ کونڈا والا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے اعتماد ہے' آپ لوگ درحقیقت اچھے لوگ معلوم ہوتے ہیں۔لیکن کاش آپ میرا یہ کام کر دیں۔میں نا صرف یہ کہ اس کا معاوضہ آپ کو دوں گا بلکہ تا زندگی آپ کا احسان مند رہوں گا۔"

"ہم لوگ یہاں بیٹھے ہی اس لیے ہیں سیٹھ کونڈا والا کہ آپ جیسے لوگوں کی مدد کریں۔آپ کیا پینا پسند کریں گے۔چائے منگوائی جائے یا کوئی ٹھنڈا مشروب؟"

"نہیں بہت بہت شکریہ' آپ حسب وعدہ میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں؟"

"جی ہاں' یقیناً۔میرے ساتھی مسٹر ظفری آپ کی گاڑی کا موٹر سائیکل پر تعاقب کریں

گے۔ مطلوبہ جگہ پہنچ کر آپ گاڑی روک دیں۔ مسٹر ظفری آپ کے نزدیک پہنچ جائیں گے۔ آپ انہیں اشارے سے اس عمارت کے بارے میں بتا دیں اور پھر سیدھے نکل جائیں۔ بس صرف اتنا ہی کافی ہوگا۔ اس کے بعد ہم کوشش کریں گے کہ آپ کا کام کر سکیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ تو پھر چلا جائے۔" سیٹھ کونڈا والا نے پوچھا۔ اور سعدی نے کھڑے ہو کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ ظفری سیٹھ کونڈا والا کے ساتھ ہی نیچے اتر گیا تھا۔ گاڑی اسٹارٹ ہو کر چل پڑی اور ظفری موٹر سائیکل پر اس کا تعاقب کرنے لگا۔ شہر کے ایک پر رونق علاقے سے گزرتے ہوئے وہ ایک ایسے رہائشی علاقے میں پہنچ گئے جہاں درمیانہ طبقے کے خوبصورت بنگلے بنے ہوئے تھے۔ یہ بنگلے نئی آبادی میں شمار ہوتے تھے۔ ایک بنگلے کے سامنے جہاں پیتل کی پلیٹ پر ایس کے افضال لکھا ہوا تھا۔ کونڈا والا گاڑی نے گاڑی روک دی۔ ظفری جو اس سے دو سو قدم پیچھے چل رہا تھا موٹر سائیکل کی رفتار سست کر کے اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ ایک لمحے کے لیے وہ رکا اور کونڈا والا نے سامنے پلیٹ کی جانب متوجہ کیا۔

"وہ عمارت ہے جس پر ایس کے افضال لکھا ہوا ہے۔" ظفری نے سوال کیا۔

"ہاں وہی عمارت ہے' کیا میں جاؤں۔"

"ٹھیک ہے' آپ جا سکتے ہیں سیٹھ کونڈا والا۔" ظفری نے جواب دیا اور کار تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ ظفری اسی جگہ موٹر سائیکل کو اسٹینڈ لگا کر اس کے پلگ کھولنے لگا تھا۔ اس دوران اس کی نگاہیں بنگلے کے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ نئی آبادی ہونے کی وجہ سے اس طرح زیادہ رونق نہیں تھی۔ نئی آبادی ہونے کی وجہ سے اس طرف زیادہ رونق نہیں تھی۔ درمیانے طبقے کی آبادی تھی جن میں بنک آفیسر اور کمپنیوں کے ایسے ملازم شامل تھے جن کی آمدنی بس مناسب ہی ہوتی ہے۔ اور وہ اس آمدنی میں چھوٹے موٹے بنگلے ہی بنا سکتے ہیں۔ آبادی زیادہ نہیں تھی بہت سی جگہوں پر ابھی تعمیرات ہو رہی تھیں۔ ظفری نے موٹر سائیکل کے پلگ صاف کر کے دوبارہ لگائے اور پھر موٹر سائیکل سٹارٹ کر کے گھوم گیا۔ اس نے بنگلے کے گرد ایک چکر لگایا۔ بنگلے

میں زیادہ افراد نہیں معلوم ہوتے تھے۔ خاموش خاموش ویران سا۔ دوسرا بنگلہ بھی اس بنگلے سے تقریباً نصف فرلانگ دور تھا۔ گویا اس بنگلے میں داخل ہونے کی کوشش کی جائے اور بظاہر کوئی کوشش مشکل نہیں تھی۔ ظفری ذہن ہی ذہن میں پلاننگ کرتا ہوا واپس پلٹ پڑا اور پھر اس نے دفتر آکر سعدی کو تمام صورتحال سے آگاہ کیا۔

"کیا خیال ہے ظفری۔ کیا کہتے ہو ان معاملات میں تم۔" سعدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں ہے۔ دراصل سیٹھ کونڈا والا خود جس ہیئت کا انسان ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ بذات خود کسی کے خلاف کچھ کرنے کے قابل نہیں ہے۔ چنانچہ ایسے ہی افراد اپنے مددگار تلاش کرتے ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہ اسطرح ہم تک پہنچ گیا مجھے یقین ہے کہ وہ با آسانی ہمیں پچیس ہزار روپے ادا کر دے گا جب کہ وہ اس بلیک میلر کو ایک لاکھ روپے ادا کرنے کے لیے تیار تھا۔" سعدی نے اس بات سے پورا اتفاق کیا تھا۔ اس کے بعد تینوں پلاننگ کرنے لگے۔ ذہن میں کچھ وسوسے بھی تھے۔ کسی عمارت میں داخل ہونا بہرصورت ایک جرم تھا لیکن جس شخص کی یہ عمارت تھی وہ خود مجرم تھا۔ ظفری اور سعدی کو یہ احساس بھی تھا کہ ممکن ہے وہاں وہ خطرناک حالات سے دوچار ہو جائیں لیکن اس احساس کو یہ کہہ کر مٹایا گیا کہ ہم جن لائنوں پر کام کر رہے ہیں۔ ان میں خطرات تو قدم قدم پر موجود ہیں۔ ظاہر ہے مسز جمالی جیسی خاتون بار بار نہیں آئیں گی اور ایسے بے ضرر کیس نہیں ملیں گے جن میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنے سے ہی دولت آ جائے۔ کچھ نہ کچھ تو تحریک کرنا ہی ہوگی اور یہ سلسلہ اس کی ابتداء ہے۔ چنانچہ تمام تر ضروری معاملات طے کر لیے گئے اور فیصلہ کیا گیا کہ آج ہی رات اس پر عمل کیا جائے گا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مطلق صاحب سے اس سلسلے میں کیا بہانہ سازی کی جائے گی۔" ظفری نے پوچھا۔

"یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ہم لوگ گھر چلیں گے اور یہ پھر یہ کہہ کر واپس آئیں گے کہ ایک دوست نے آخری شو کی دعوت دی ہے اس کے ساتھ ایک فلم دیکھنے جا رہے ہیں۔"

سعدی نے کہا۔

''بالکل ٹھیک' بالکل ٹھیک' آسان ترکیب ہے۔ اگر دوست کا حوالہ نہ دیا گیا تو ممکن ہے محترم مطلق صاحب اور مسز مطلق خود بھی تیار ہو جائیں۔'' سعدی بولا اور ظفری اور شکیلہ دونوں ہنسنے لگے۔

وہی ہوا۔ تیاریاں مکمل کر لی گئیں تھیں۔ تینوں گھر سے نکل آئے اور کافی رات گئے تک ٹیکسی میں بیٹھ کر آوارہ گردی کرتے رہے۔ فلم وغیرہ کسے دیکھنا تھی بس ان پر کام کی دھن سوار تھی۔ تقریباً پونے گیارہ بجے ظفری انھیں لے کر اس علاقے میں پہنچ گیا جہاں وہ بنگلہ موجود تھا۔ سڑکوں پر لگے ہوئے کھمبوں کی ملگجی روشنیاں علاقے میں پھیلی ہوئی تاریکی اور سناٹے کو دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں۔ دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ماحول خاصا پراسرار معلوم ہوتا تھا۔ علاقے کے مکین اپنے اپنے بنگلوں میں گھسے ہوئے اپنے مشاغل میں مصروف ہوں گے۔ باہر کی فضا ایسی نہ تھی کہ وہ کھلے علاقے میں نکل کر چہل قدمی کرتے ان لوگوں نے ایک جگہ منتخب کی اور شکیلہ کو باہر چھوڑنے کا فیصلہ کر کے ظفری اور سعدی اندر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

''ماحول خاصا خاموش ہے شکیلہ' تمھیں خوف تو محسوس نہیں ہوگا۔'' سعدی نے پوچھا اور شکیلہ اکڑ کر بولی۔

''ارے جاؤ جاؤ۔ کیا بولتا پڑا بابا۔ اپن کا نام شکیلہ نہیں شکیل ہے۔'' اور ظفری اور سعدی ہنس پڑے۔ شکیلہ کے بارے میں وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ درحقیقت شکیلہ صرف نام کی شکیلہ تھی ورنہ اس نے جس طرح ان لوگوں کو الو بنا کر رکھ دیا تھا وہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ بہ مشکل تمام ان لوگوں نے اسے پیرو مرشد کہنا شروع کر دیا تھا۔ ورنہ یہ اندازہ وہ لگا چکے تھے کہ شکیلہ بآسانی ان کے کان کاٹ سکتی ہے۔

عمارت سنسان تھی۔ دروازے کے دونوں ستونوں پر دو چھوٹی چھوٹی روشنیاں لگی ہوئی تھیں جو دروازے کے آس پاس ماحول کو روشن کر رہی تھیں۔ بائیں سمت کی دیوار انھوں نے اندر

جانے کے لیے منتخب کی۔ ادھر چھوٹی چھوٹی گھاس لگی ہوئی تھی اور ایک خالی پلاٹ پڑا ہوا تھا۔ اس خالی پلاٹ کی سطح ہموار تھی اور کوئی ایسی چیز نہ تھی جو انھیں نقصان پہنچا سکتی۔ وہ دونوں اچھل کر تقریباً ساڑھے پانچ فٹ کی دیوار پر بآسانی چڑھ گئے اور پھر دوسری طرف کودنے میں بھی انھیں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ بنگلے میں دیواروں کے ساتھ ساتھ درختوں کے پودے لگانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ زمین نم تھی اور چھوٹی چھوٹی اینٹوں سے کیاریوں کی حد بندی کی گئی تھی۔ صدر دروازے پر بھی ایک بلب روشن تھا۔ بائیں سمت ایک راہداری عقبی حصے میں جاتی تھی۔ انھوں نے یہی راہداری منتخب کی اور اس میں داخل ہو گئے۔ مکان میں اس طرح خاموشی اور سناٹا طاری تھا۔ جیسے وہاں کسی انسان کا وجود نہ ہو۔ اس بات پر انھیں حیرت تھی۔ ممکن ہے وہاں زیادہ افراد نہ رہتے ہوں۔ وہ عقبی دروازے پر پہنچ گئے۔ سعدی نے اس دروازے کو ٹٹول کر دیکھا لیکن دروازہ اندر سے بند تھا۔ پھر وہ کسی اور دروازے کی تلاش میں عمارت کے گرد چکر لگانے گئے۔ داہنی سمت پر ایک بغلی دروازہ نظر آیا جس کا پٹ تھوڑا اندر کی طرف دبا ہوا تھا۔ اس دروازے کے پاس رک کر ظفری نے ہلکی سی درز پیدا کر کے اندر جھانکا۔ کمرے میں روشنی ہو رہی تھی۔ ہلکا پھلکا سا فرنیچر پڑا ہوا تھا۔ اور ایک گول میز کے گرد چند کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ گول میز پر ایک کتاب اس طرح اوندھی کر کے رکھی گئی تھی۔ جیسے پڑھنے والا اسے پڑھتے پڑھتے چھوڑ کر کسی ضروری کام سے چلا گیا ہو۔ باتھ روم میں روشنی تھی اور اندر سے پانی گرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سعدی نے ظفری کو اشارہ کیا اور دونوں دبے قدموں اندر داخل ہو گئے۔ سامنے ہی ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا۔ جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ کمرے میں رکے بغیر وہ اس دروازے میں داخل ہو گئے اور یہاں رک کر اپنی تیز تیز سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگے۔ یہ واقعی ایک اتفاق تھا کہ انھیں اس آسانی سے اندر داخل ہونے کا موقع مل گیا تھا۔ دروازے کی اس طرف جہاں وہ آئے تھے ایک اور کمرہ موجود تھا' جو شاید بیڈ روم تھا۔ اس بیڈ روم میں ایک اور دروازہ تھا جو اندر ہی سے بند تھا۔ انھوں نے بیڈ روم میں رکے بغیر اس دروازے کو کھولا اور ایک اور راہداری میں آ گئے جو کچن تک لے جاتی تھی۔ دروازے کے

بائیں سمت ایک اٹیچ باتھ روم تھا جس کا ایک دروازہ باہر بھی کھلتا تھا' چار کمرے تھے اس بنگلے میں لیکن یہ حیرت کی بات تھی کہ وہ کمرہ روشن تھا جس میں سے وہ اندر داخل ہوئے تھے۔ اس کا مطلب ہے بنگلے میں زیادہ افراد نہیں رہتے یا ممکن ہے اگر رہتے ہوں تو کم از کم وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ ورنہ کسی کی موجودگی کا تو نشان ملتا۔ یہ صورتحال بھی ان کے حق میں بہتر تھی۔ بنگلے کے محل وقوع کا جائزہ لینے کے بعد انھوں نے طے کیا کہ ایک ایک کمرے کی تلاشی لی جائے۔ ویسے وہ اس شخص کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگا سکتے تھے جو اس پہلے کمرے میں موجود تھا اور ایک کتاب پڑھتے پڑھتے باتھ روم میں چلا گیا تھا۔ تاہم انھوں نے اس کی ضرورت محسوس نہ کی۔ سب سے پہلے کمرے کا انھوں نے انتخاب کیا اور اس میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ پھر محدود روشنی والی ٹارچ کی ننھی سی لکیر کمرے کی مختلف چیزوں پر پڑنے لگی۔ الماری' کھڑکیاں' مسہری' رائٹنگ ٹیبل' قالین' ایک ایک چیز پر وہ گہری نگاہ ڈال رہے تھے۔ الماری ان کی توجہ کا مرکز بن گئی اور وہ اس کے نزدیک پہنچ گئے۔ ظفری نے جیب سے دو مڑے ہوئے تار نکالے جو اسی خاص مقصد کے لیے حاصل کیے گئے تھے اور الماری کے تالے کے سوراخ میں ڈال کر اسے کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر اس نے ہینڈل پکڑ کر کھینچا تو الماری کھل گئی۔ الماری میں سوٹ لٹکے ہوئے تھے۔ ایک تجوری بھی تھی جو لاک نہیں تھی۔ اس میں اچھی خاصی رقم موجود تھی۔ سعدی نے اسے بند کر دیا اور الماری کی دوسری چیزوں کا جائزہ لینے لگا۔ الماری کا جائزہ لینے کے بعد وہ رائٹنگ ٹیبل کی جانب متوجہ ہوئے۔ لیکن پورے کمرے میں انھیں کوئی ایسی چیز نہ ملی جو ان کے کام کی ثابت ہو سکتی۔ چنانچہ وہ اس کمرے سے نکل آئے۔ اس کے بعد دوسرے کمرے کا بھی جائزہ لیا گیا۔ تیسرے کمرے میں انھیں ایک آہنی ریک نظر آیا۔ جو ایک پردے کے پیچھے رکھا ہوا تھا۔ بظاہر یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس پردے کے پیچھے کوئی ایسی چیز رکھی گئی ہوگی۔ لیکن اتفاقی طور پر سعدی نے پردہ ہٹا کر دیکھ لیا تھا ریک کو کھولنے میں البتہ ظفری کو خاصی محنت کرنی پڑی تھی۔ معمولی تالا نہیں تھا اور ظفری ابھی ان معاملات میں مشاق بھی نہیں تھا۔ وہ الٹی سیدھی حرکتیں کرتے رہے۔ آخر کار

ریک کا تالا کھل گیا۔ ظفری کو یقین نہیں تھا کہ تالا اتنی جلدی کھل جائے گا۔ بہرصورت انھیں بے حد مسرت ہوئی۔ پھر ریک کا پہلا خانہ دیکھا گیا اس میں کچھ فائل رکھے ہوئے تھے لیکن ان میں سرخ فائل کوئی نہ تھا۔

''ممکن ہے فائل کا کور تبدیل کر دیا گیا ہو۔ کھول کر تو دیکھو۔'' سعدی بولا۔

اور ظفری محدود ٹارچ کی روشنی میں جلدی جلدی فائلوں کو دیکھنے لگا۔ بجلی کے بل' ایک کنسٹرکشن کمپنی کے کاغذات اور ایسی ہی دوسری الابلا ان فائلوں میں موجود تھی جو ظفری اور سعدی کی بھی سمجھ میں نہ آ سکی۔ انھوں نے دوسرا خانہ کھول لیا' طے یہ کر لیا گیا تھا کہ اگر سرخ فائل نہ ملا تو ان فائلوں کی گٹھڑی باندھ کر لے جائیں گے اور سیٹھ کونڈا والا سے کہہ دیں گے کہ وہ خود ان میں اپنا فائل تلاش کر لے لیکن دوسرے خانے میں ایک سرخ فائل دیکھ کر ان کی آنکھیں مسرت سے چمک اٹھیں۔ ظفری نے جلدی سے فائل نکالا۔ اس پر نمایاں الفاظ میں سیٹھ کونڈا والا لکھا ہوا تھا۔ ان کی حالت قابل قدر ہو گئی۔ کامیابی اتنی آسانی سے نصیب ہو جائے گی اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا انھوں نے۔ ظفری نے جلدی سے فائل کھول کر دیکھا۔ اس میں چند کاغذات لگے ہوئے تھے۔ اس نے فائل بند کر لیا اور پھر ریک کو اندر کی جانب دھکیل دیا۔ وہ دونوں پلٹے ہی تھے کہ ایک کھٹاک کی آواز کے ساتھ کمرے میں روشنی ہو گئی۔ اور دونوں بری طرح اچھل پڑے۔ ان کی پھٹی پھٹی نگاہیں دروازے میں کھڑے ہوئے اس دراز قامت بوڑھے کو دیکھ رہی تھیں جس کے سر اور داڑھی کے بال سفید تھے۔ تن و توش درمیانہ تھا اور چہرہ بھی شریف لوگوں کا سا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے تصورات نمایاں پائے جاتے تھے۔ اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

''کون ہو تم۔ کیا کر رہے ہو یہاں؟''

ظفری اور سعدی کے حلق سے آواز نہ نکل سکی۔ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہے تھے وہ۔ لیکن پھر دونوں نے ہی خود کو سنبھالا۔ ان حالات میں وہ خطرے کا شکار ہو سکتے تھے۔ سعدی ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"اندر تشریف لائیے محترم۔ ہم کون ہو سکتے ہیں اس کا اندازہ آپ ہی بخوبی لگا سکتے ہیں۔"

بوڑھا اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کے بدن کی لرزشیں بتاتی تھیں کہ وہ خوفزدہ ہے۔ ویسے سعدی اور ظفری نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ وہ سلیپنگ گاؤن پہنے ہوئے تھا۔ ایک ہاتھ خالی تھا اور دوسرے ہاتھ میں پستول کی بجائے وہ کتاب دبی ہوئی تھی جس کو تھوڑی دیر قبل انھوں نے میز پر اوندھے رکھے ہوئے دیکھا تھا۔ گویا اس کے پاس پستول نہیں تھا۔ اور وہ کتاب ہاتھ میں لیے کوئی آہٹ سن کر یہاں چلا آیا تھا۔ اس بات سے انھیں کافی سکون ہوا۔ ویسے یہ بوڑھا چہرے سے بلیک میلر نظر نہیں آ رہا تھا۔ اگر وہ بلیک میلر ہوتا تو اتنا غیر محتاط نہ ہوتا۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن یہ باتیں سمجھنے کا وقت نہیں تھا۔ ذرا سی گڑبڑ سے وہ مشکل میں پھنس سکتے تھے۔ پولیس کیس بن سکتا تھا یا پھر بوڑھا ہی ان کا حلیہ درست کر دیتا۔ چنانچہ وہ محتاط نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"اگر تم خود کو چور کہنا چاہتے ہو تو میں یہ تسلیم نہیں کرتا۔ کیونکہ تمھارے پاس یہ فائل موجود ہے۔ چوروں کو فائل کی بجائے دولت سے دلچسپی ہوتی ہے۔ یہ فائل مجھے دے دو۔ دوسرے کمرے میں ایک الماری ہے۔ اس کی تجوری میں تیس ہزار روپے رکھے ہوئے ہیں' تم وہ روپے لے کر یہاں سے جا سکتے ہو۔" بوڑھے نے [illegible] سعدی اور ظفری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ تو زمانہ قدیم کے ان نوابوں کی سی شان رکھتے ہیں محترم جو چوروں کو بھی اپنے گھر سے مایوس نہیں لوٹاتے تھے۔ آپ سے مل کر واقعی مسرت ہوئی لیکن براہ کرم آپ دروازے سے ہٹ جائیے ورنہ پھر۔" ظفری نے اس طرح جیب میں ہاتھ ڈالا جیسے پستول نکالنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اور بوڑھا خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔

"نہیں نہیں' اس کی ضرورت نہیں۔ سنو بات سنو۔ میں بوڑھا آدمی ہوں اور تم دونوں

نوجوان ہو۔ یقیناً تم ہتھیاروں سے مسلح بھی ہو گے جب کہ میں بالکل نہتا ہوں۔ ان حالات میں میں تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یقین کرو میں ویسے ہی دل کا مریض ہوں۔ تمھیں اگر میری موت سے دلچسپی نہیں ہے تو ایسی کوئی حرکت نہ کرو۔ میں تم سے بھرپور تعاون کروں گا۔"

بوڑھے کی آواز میں سچائی نمایاں تھی۔ ظفری اور سعدی نے ایک نگاہ ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر ظفری بدستور کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے ڈالے بولا۔

"تو پھر آپ اندر تشریف لے آیئے' ہم بھی وعدہ کرتے ہیں کہ بلاوجہ آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

بوڑھا لرزتے ہوئے قدموں سے اندر آ گیا۔ ظفری نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا اور وہ ہانپتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔

"جی تو آپ ہمیں تیس ہزار روپے کی پیش کش کر رہے تھے؟"

"ہاں دوست' اس وقت بھی میرے پاس موجود ہے۔ سچ مانو میں با خوشی یہ رقم تمھارے حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن خدا کے لیے یہ فائل مجھے واپس کر دو۔ یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔ اگر تم یہ فائل لے گئے تو صبح کو اس مکان سے میری لاش ہی برآمد ہو گی۔ میں زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ اس میں میری زندگی کی تمام خوشیاں چھپی ہوئی ہیں۔ یہ میری مکمل کنجی ہے۔ میں تم سے زندگی کی درخواست کرتا ہوں۔ تم اس فائل کا کیا کرو گے؟" بوڑھے کی آواز میں التجا تھی۔ ظفری اور سعدی کسی قدر متحیر ہو گئے۔ یہ صورتحال تو سیٹھ کونڈا والا کے معاملے سے کچھ مختلف نظر آتی تھی۔ بوڑھا کسی طور پر بلیک میلر معلوم نہ ہوتا تھا۔ پھر کیا معاملہ ہے۔ دونوں بری طرح الجھ کر رہ گئے۔ فائل ان کے ہاتھ لگ چکا تھا۔ پچیس ہزار روپے کھرے ہو گئے تھے۔ بوڑھے کی التجا بے مقصد تھی۔ بس یہاں سے نکل جانا تھا۔ پچیس ہزار روپے پورے پچیس ہزار روپے۔ لیکن سعدی اور ظفری فطرتاً شریر تھے۔ جرائم پیشہ نہیں تھے۔ کسی کو بے وقوف بنا کر روپیہ حاصل کرنا ہر چند کہ کوئی اچھی بات نہیں تھی لیکن ان کی فطرت میں ماحول سے بغاوت کرنے کا عنصر تھا۔ اس کا پس منظر تھا

جوان کے ذہنوں میں محفوظ تھا۔ اسی پس منظر نے انھیں اس انداز میں زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ لیکن اس زندگی میں بھی تھوڑی سی شرافت باقی تھی اتنی کہ کسی مظلوم اور تباہ حال انسان کو وہ دکھ نہیں دے سکتے تھے۔ مطلق صاحب کا بھی یہی معاملہ تھا۔ حالانکہ ظفری نے انتہائی چالاکی سے مطلق صاحب کی کمزوری کو پکڑ کر ان کے یہاں رہائش گاہ حاصل کی تھی۔ لیکن اس کے بعد مطلق صاحب کے رویے نے ان تینوں کو ہی اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ مطلق صاحب کو قطعی غیروں میں نا سمجھیں۔ بس اسے شرافت کا وہی عنصر کہا جا سکتا تھا کہ جوان کے رگ و پے میں اچھی طرح موجود تھا۔ چنانچہ بوڑھے کی التجا آمیز آواز نے انھیں متاثر کر دیا اور وہ صرف اپنا مقصد پورا کرنے کے بجائے حقیقت حال جاننے کے لیے مضطرب ہو گئے۔

”محترم بزرگ ہم اس فائل کی تاریخ جاننا چاہتے ہیں۔“ سعدی نے کہا۔

”میں تمھیں بتانے سے گریز نہیں کروں گا لیکن پہلے تم اپنے بارے میں مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہاں چوری کی نیت سے داخل ہوئے تھے یا تمھارے ذہن میں کچھ اور مقصد تھا۔“

”اگر ہم صرف چوری کرنے کی نیت سے داخل ہوئے ہوتے تو آپ کی الماری میں نوٹوں کی وہ گڈیاں موجود نہ رہتیں۔ آپ انھیں چیک کر سکتے ہیں۔ نوٹ جوں کے توں رکھے ہوئے ہیں چنانچہ یہ ثابت ہوا کہ ہم چور نہیں ہیں۔“

”تو پھر کون ہو؟“

”اس کے بارے میں آپ کو کچھ نہیں بتایا جا سکتا محترم۔ بس ہماری مطلوبہ چیز ہمارے پاس موجود ہے اور اس کے حصول کا ہمیں بہترین معاوضہ ملے گا۔ آپ اس کے ذریعے جو کچھ کرتے رہے ہیں۔ اب آپ کو اس کا موقع نہیں ملے گا۔ ایک طرح سے یہ ایک دیانت دارانہ چوری ہے۔“

”میں نہیں سمجھا میں اس کے ذریعہ کیا کرتا رہا ہوں۔“ بوڑھے نے سوال کیا۔

”بلیک میلنگ' ایک شریف آدمی کی زندگی تباہ کر رہے تھے آپ۔ ممکن ہے کچھ آپ کے

آلۂ کار بھی ہوں۔ اور آپ۔“ ظفری کہتے کہتے چونک پڑا۔ اسے دفعتاً ایک خیال آ گیا تھا۔ بوڑھے کی آواز وہ اس آواز پر غور کرنے لگا اور اس نے آہستہ سے سعدی کے کان میں سرگوشی کی۔

”سعدی ایک بات تو بتاؤ۔“ اور سعدی سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

”ٹیلی فون پر تم نے بلیک میلر کی جو آواز سنی تھی۔ کیا وہ یہی آواز تھی۔“ ظفری کے سوال پر سعدی چونک پڑا۔ اس نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر نفی میں گردن ہلا دی۔

”ہرگز نہیں' ہرگز نہیں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔“

”ہوں' اس کا مقصد ہے گھپلا۔“ ظفری نے کہا اور بوڑھا اداس نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

”دیکھو دوست' یہاں میں تنہا ہوں۔ ممکن ہے تم پوری عمارت کا جائزہ لے چکے ہو۔ اس عمارت میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی کے آنے کے امکانات ہیں۔ میں کمزور سا بوڑھا آدمی ہوں۔ تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکوں گا۔ یوں کہ تم دونوں شکل و صورت سے چالاک اور پھرتیلے معلوم ہوتے ہو۔ اگر تم مناسب سمجھو تو چند لمحات سکون سے بیٹھ کر میری بات سن لو۔ اس کے بعد تم جو بھی فیصلہ کرو گے ظاہر ہے میں تمھیں اسے نہ کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔“

”جی فرمائیے بلکہ آپ بیٹھ جائیے' ہم سن رہے ہیں۔“ ظفری نے کہا۔ بوڑھے میں شاید خود بھی زیادہ کھڑے رہنے کی سکت نہ تھی' وہ ہانپتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور پریشان سی نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگا۔ ”آپ افضال صاحب ہیں۔ میرا مقصد ہے بنگلے کے دروازے پر جو نیم پلیٹ لگی ہوئی ہے وہ آپ ہی کی ہے۔“ ظفری نے پوچھا۔

”ہاں مجھے ہی افضال کہتے ہیں۔ کسی زمانے میں میرا شمار ملک کے ممتاز تاجروں میں ہوتا تھا۔ لیکن بس تقدیر ساتھ نہ دے سکی۔ میں دیوالیہ ہو گیا اور میری زندگی محدود ہو کر رہ گئی۔ میرا ہی نام افضال ہے۔“ بوڑھا ہانپتے ہوئے بولا۔

"آپ سیٹھ کونڈا والا کو جانتے ہیں۔" ظفری نے بغور اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"سیٹھ کونڈا والا۔" افضال کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے تحیر کے آثار نظر آئے۔ پھر ہلکی سی مسکراہٹ، پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"ہاں جانتا ہوں، مجھے ہی کسی دور میں سیٹھ کونڈا والا کہا جاتا تھا اور میں اسی نام سے معروف تھا۔ بوڑھے نے جواب دیا اور دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر سعدی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"آپ کا کوئی عزیز بھی خود کو اس نام سے متعارف کراتا ہے۔ میرا مقصد ہے آپ کے خاندان کا کوئی فرد۔"

"میرے خاندان میں اب صرف دو افراد ہیں۔ میرا بیٹا اور میرا ایک ذلیل فطرت بھائی۔ میرا بھائی بھی خود کو میرے ہی نام سے منسوب کرتا ہے۔ اور کئی دفعہ وہ اس نام سے فائدہ اٹھا کر مجھے نقصانات پہنچا چکا ہے۔"

"کیا آپ اپنے بھائی کے بارے میں مزید تفصیلات بتانا پسند کریں گے۔" سعدی نے پوچھا۔

"اس کا نام محفوظ ہے اور اس کی تمام زندگی آوارہ گردی میں گزری ہے۔ جعل سازی، فریب دہی، اس کی زندگی کا مسلک رہا ہے۔ کسی فاحشہ سے شادی بھی کر لی تھی اس نے لیکن اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ربط نہ رہ سکا۔ خاندان میں کافی بدنامیاں ہوئیں ہیں اس کی وجہ سے۔ ہم لوگوں نے اس سے کوئی رابطہ نہیں رکھا کیونکہ اس نے زندگی میں برائیوں کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ میرا بیٹا سہیل اعلیٰ تعلیم کے لیے تقریباً بارہ سال سے یورپ میں گیا ہوا ہے۔ میری زندگی صرف اس کی ذات تک محدود ہو کر رہ گئی ہے بس آخری خواہش یہی ہے کہ وہ واپس آئے تو میرے پاس جو کچھ موجود ہے اس کے حوالے کر کے زندگی کے باقی لمحات پر سکون رہ کر گزار دوں۔ اس سے زیادہ میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔" بوڑھے افضال نے کہا اور سعدی اور ظفری گہری

سانسیں لیکن دیوار سے پشت لگا کر کھڑے ہو گئے۔ "تو محترم افضال صاحب آپ کے خیال میں اس فائل میں کیا ہے؟"

"میرے خیال میں۔" افضال پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"تم لوگ میرا خیال پوچھ رہے ہو۔ جب کہ یہ فائل میرا ہی ترتیب دیا ہوا ہے۔ اس میں میری جائیداد کے کاغذات ہیں۔ وہ کاغذات جو اگر میرے پاس نہ ہوں تو میں جائداد سے محروم ہو سکتا ہوں۔ بدبخت محفوظ نے کئی بار میرے ساتھ جعل سازی کر کے میری جائیداد کو ہڑپ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ خود کو اس جائیداد کا مالک نہ ثابت کر سکا۔ ایک بار اس نے کچھ ایسے کاغذات تیار کرا لیے تھے۔ جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ جائداد ہماری آبائی ہے اور اس میں آدھا حصہ محفوظ کا ہے۔ لیکن یہ ساری کی ساری جائداد میں نے اپنی محنت اور کوششوں سے بنائی تھی۔ جب کہ والدین کا چھوڑا ہوا کچھ نہ تھا۔ اس کے ثبوت میرے پاس محفوظ تھے، چنانچہ محفوظ کو منہ کی کھانا پڑی۔" بوڑھا آہستہ آہستہ یہ تمام باتیں بتا رہا تھا۔ لیکن پھر وہ ایک دم چونک پڑا اور تحیر آمیز نگاہوں سے انھیں دیکھتے ہوئے بولا۔ "سنو کیا تمھیں محفوظ نے تو اس بات پر آمادہ نہیں کیا کہ تم یہ فائل حاصل کر لو۔ صرف وہی ایک شخص ہے جسے فائل کے بارے میں تفصیلات معلوم ہیں۔"

"آپ ہمیں محفوظ صاحب کا حلیہ بتائیں گے۔" سعدی نے پوچھا۔

"کیا حلیہ بتاؤں درمیانہ قد ہے بلکہ درمیانے سے بھی کچھ کم بھاری بدن کا مالک ہے۔ گول سا چہرہ ہے۔ سر گنجا ہے اور مونچھیں کافی بھاری ہیں۔" بوڑھے افضال نے بتایا اور سعدی گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

یہ سیٹھ کونڈا والا کا ہی حلیہ تھا جس نے انھیں فائل حاصل کرنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کا مقصد ہے سیٹھ کونڈا والا نے ان سے فراڈ کیا تھا۔ اس نے یہی کہا تھا کہ یہ فائل ایک بلیک میلر کے پاس ہے۔ اور بلیک میلر اس کی زندگی تلف کرنے میں مصروف ہے۔ لیکن یہاں معاملہ ہی الٹا نکلا تھا۔ تاہم سعدی اور ظفری نے اس بات کو ملحوظ رکھا کہ بعض اوقات کچھ لوگ بڑی اچھی اداکاری کر

لیتے ہیں۔ یہ تو ممکن نہیں تھا کہ وہ ان کاغذات کی جانچ پڑتال کیے بغیر فائل واپس بوڑھے کو دے دیتے' ہاں انھوں نے دل ہی دل میں یہ ضرور طے کر لیا تھا کہ اگر سیٹھ کونڈا والا نے ان سے فراڈ کرنے کی کوشش کی ہے تو پھر سیٹھ کونڈا والا کو مزے ہی کرنے پڑیں گے۔ چنانچہ انھوں نے افضال سے کہا۔

"افضال صاحب ہم آپ کو تفصیلات بتانے میں عار محسوس نہیں کرتے درحقیقت آپ کے چھوٹے بھائی محفوظ نے ہی ہمیں اس فائل کو چرانے پر آمادہ کیا ہے۔ لیکن دوسرے حوالوں کے ساتھ' انھوں نے ہم سے یہ کہا تھا کہ کوئی بلیک میلر ان سے رقومات وصول کر رہا ہے اور اس فائل میں ان کے خلاف کچھ ایسا مواد موجود ہے جو انھیں تباہ برباد کر سکتا ہے۔ انھوں نے خود کو سیٹھ کونڈا والا کے نام سے ہی متعارف کراتے ہوئے کہا تھا کہ وہ یہاں نہیں رہتے ان کا قیام افریقہ میں ہے اور وہ صرف اس فائل کے حصول کے لیے ہی یہاں پہنچے ہیں۔ انھوں نے ہمیں ایک بہت بڑی رقم کی پیشکش بھی کی تھی لیکن افضال صاحب یہ فائل اگر آپ کا اپنا ہے اور اس میں بلیک میلنگ کا کوئی مواد موجود نہیں ہے تو پھر اس بات پر بھروسہ رکھیے کہ یہ آپ کو مل جائے گا اور ہم اس کے عوض کوئی بھی بڑی سے بڑی رقم وصول نہیں کریں گے لیکن یہ آپکو اسی وقت واپس ملے گا جب ہم اس کا اچھی طرح جائزہ لے لیں گے۔ سعدی نے کہا اور بوڑھے افضال کے چہرے پر اضطراب کے آثار پھیل گئے۔

"خدا کے لیے' خدا کے لیے' میری بات مان لو۔ اس فائل میں میری جائیداد کی خریداری کے علاوہ تمھیں کوئی اور چیز نہیں ملے گی۔ انسان لالچ کا پتلا ہے اگر وہ بدبخت محفوظ اسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا تو میں جانتا ہوں کہ میں اس کی ریشہ دوانیوں کے آگے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے میری آخری پونجی بھی چھین لے گا۔ مجھ بوڑھے کے پاس ایک ہی چیز ہے۔ یہ میرے اکلوتے بیٹے کی امانت ہے۔ اگر یہ بھی میرے پاس نہ رہی تو پھر میں اسے کیا دوں گا۔۔۔ میں۔۔۔ ہیں۔"

بوڑھے کی آواز بھرا گئی۔

"آپ اس بات پر یقین رکھیں افضال صاحب کہ جیسا ہم نے کہا ہے ویسا ہی ہوگا۔ اگر فائل میں بلیک میلنگ کا کوئی مواد مل گیا تو پھر آپ کے خلاف کوئی ٹھوس کارروائی کی جائے گی۔ اور اگر صرف جائیداد کی خریداری کے کاغذات ہوئے تو پھر یہ فائل کسی بھی قیمت پر دوسرے کے ہاتھوں میں نہ جا سکے گی۔ ہمیں اجازت دیں۔"

"سنو تو سنو تو۔" بوڑھا افضال ملتجی لہجے میں بولا۔ لیکن اس کے بعد ان لوگوں نے یہاں رکنا مناسب نہ سمجھا تھا چنانچہ وہ برق رفتاری سے کمرے سے باہر نکل آئے اور کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ بوڑھا یہ دروازہ کیسے کھولے گا اس بات سے انھیں کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ اتنا رسک نہیں لے سکتے تھے۔ ممکن ہے بوڑھا مظلومیت کے پردے میں انھیں بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہو لیکن اب اس قدر بے وقوف بھی نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ ان ہی راستوں سے ہوتے ہوئے باہر نکل آئے جن سے یہاں پہنچے تھے اور چند لمحات کے بعد شکیلہ کے پاس پہنچ گئے۔

"کام بن گیا اس نے سوال کیا؟" اور ظفری نے فائل نکال کر شکیلہ کے حوالے کر دیا۔ شکیلہ کے چہرے پر مسرت کے آثار پھیل گئے۔

مقررہ وقت میں ہی کام ہو گیا تھا۔ وہ تینوں گھر پہنچ گئے اور پھر سعدی نے شکیلہ کو بھی اپنے کمرے میں ہی بلا لیا۔

"ہمیں اس فائل کے سلسلے میں میٹنگ کرنی ہے۔" اس نے کہا۔

"کوئی خاص بات سعدی۔ تم نے کچھ بتایا ہی نہیں۔" شکیلہ نے پوچھا۔

"ہاں' انتہائی خاص بات۔ بیٹھو بلکہ دروازہ بند کر دو۔" سعدی نے کہا اور شکیلہ نے دروازہ بند کر دیا۔ فائل درمیان میں رکھ دیا گیا اور سعدی نے اسے کھول کر دیکھا۔ اس کے تمام کاغذات نکال لیے گئے اور پھر ایک ایک کاغذ کی جانچ پڑتال کی جانے لگی۔ درحقیقت یہ جائیداد کی خریداری کے کاغذات تھے اور ان میں کوئی ایسا مواد موجود نہ تھا جسے بلیک میلنگ مواد کہا جا سکے۔

سعدی، ظفری اور شکیلہ ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے لیکن چونکہ شکیلہ کو صورتحال معلوم نہ تھی اس لیے وہ حیران تھی۔

"یہ تو۔ یہ تو قطعاً خریداری کے کاغذات معلوم ہوتے ہیں۔ مختلف قسم کی عمارتیں اور زمینوں کی خریداری کے کاغذات۔" شکیلہ بولی۔

"ہاں، افسوس شکیلہ ہم اس کیس میں کچھ نہیں کما سکیں گے۔" سعدی نے کہا۔

"کیوں، خیریت مجھے تفصیل بتاؤ۔ یہ اتنی سنجیدگی کیوں طاری ہے آخر تم دونوں پر۔"

اور ظفری نے سعدی کے اشارے پر مکمل تفصیلات بتا دیں۔ شکیلہ حیران رہ گئی۔ تھوڑی دیر تک وہ سوچتی رہی پھر صاف لہجے میں بولی۔

"تو اس میں اتنی سنجیدگی کی کیا بات ہے۔ ہمارا کون سا میٹریل خرچ ہوتا ہے۔ صرف ذہنی کاوش اور جدوجہد کی تو بات ہے۔ دراصل سعدی ہم نے جو اصول بنائے ہیں۔ ہمارا ضمیر ان پر ہمیں ملامت نہیں کرتا۔ اگر آنکھ کے اندھوں اور گانٹھ کے پوروں کو بے وقوف بنا کر ان کی جیب سے کچھ نکلوا لیا جائے تو یہ دل کو نہیں چبھتا لیکن کسی کی یہ مجال کہ ہمیں اپنا آلہ کار بنا کر کسی کو ہمارے ہاتھوں دکھ پہنچائے اور وہ بھی ایک ایسے مظلوم شخص کو جو کمزور اور بوڑھا ہے۔ ایسے شخص کو ہماری طرف سے ضرور سزا ملنی چاہیے۔ باقی رہا کمائی کا مسئلہ تو لعنت ہے ایسی کمائی پر ہمارے کون سے بال بچے رو رہے ہیں جو ہمیں فکر ہو۔ ابھی بہت کچھ ہے ہمارے پاس۔" شکیلہ نے کہا اور تینوں کے ہاتھ آپس میں مل گئے۔ انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ سیٹھ کونڈا والا کو سزا دی جائے گی اور پھر اس سزا کے بارے میں بھی تعین کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن صبح کو ظفری ایک طرف روانہ ہو گیا اور شکیلہ اور سعدی دفتر پہنچ گئے۔ مضطرب صاحب حسب معمول تھے۔ کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ دفتر کی صفائی ستھرائی بہت اچھی طرح کی جاتی تھی اور اس معاملے میں مضطرب صاحب نے کبھی کسی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ البتہ ظفری کے بارے میں پوچھ لیا گیا۔

"یہ ظفری کہاں گئے؟"

"بس کچھ کام تھا۔ مضطرب صاحب آپ چائے پلا دیجیے۔"

"جی ابھی لایا۔" مضطرب صاحب نے کہا اور تھوڑی دیر بعد وہ اپنی پیالی بھی اٹھائے اندر آگئے۔

"ارے ہاں۔ مضطرب صاحب یہ مطلق صاحب آپ کو بہت یاد کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ایک ہی تو شاعر تھا اس روئے زمین پر وہ بھی ایسا نگاہوں سے اوجھل ہوا کہ اب اس کا نشان نہیں ملتا۔ آپ یقین کریں آپ کی یاد میں تین چار غزلیں کہہ چکے ہیں۔"

"بس بس کر لیا یقین۔ یہ غزلیں وہی ہوں گی جو میں ان کی یاد میں کہہ چکا ہوں۔" مضطرب صاحب نے کہا اور شکیلہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے مضطرب صاحب، جب آپ کہتے نہیں ہیں تو پھر اپنے نام سے منسوب کیوں کرتے ہیں؟"

"ارے واہ۔ یہی تو تم لوگوں کی غلط سوچ ہے۔ خیالات ہر انسان کے ذہن میں یکساں طور پر آسکتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی تعجب کی بات نہیں ہے۔ اب ان خیالات کو میں کچھ الفاظ دیدوں اور دوسرا بھی انھی الفاظ میں خیالات کا اظہار کر ڈالے تو چوری کیسے ہوئی۔ آخر ذہن تو ایک ہی ہے۔ ہر چیز میں کہیں کہیں چوری ہوتی ہے دوستو اس لیے یہ خیال غلط ہے کہ کوئی بھی غزل کسی کی ملکیت ہے، بس جو سنا دے اسی کی ملکیت ہے۔"

"تو پھر آپ کا مطلق صاحب سے جھگڑا کیوں ہوا تھا۔" سعدی نے پوچھا۔

"بھئی وہ الگ بات ہے۔ وہ بھی تو اس غزل پر حق جما رہے تھے۔ جب ایک آزاد ملکیت ٹھہری تو کوئی اس پر اپنا حق کیسے جتا سکتا ہے۔ یہاں انھوں نے غلطی کی تھی۔ اور پھر اپنی بڑائی کا فائدہ بھی اٹھایا تھا۔"

"بہر صورت وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کوئی تازہ غزل ان کے ذہن میں پھڑ پھڑا رہی ہے۔"

”تو یہاں کون سکون سے بیٹھا ہوا ہے۔ اگر وہاں ایک غزل پھڑ پھڑا رہی ہے تو یہاں کئی غزلیں موجود ہیں' مل لیں گے شام کو ان سے ضرور ملیں گے۔“ مضطرب صاحب نے کہا۔

چائے پینے کے بعد سعدی نے گھڑی دیکھی اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ سیٹھ کونڈا والا کے آنے کا وقت ہو چکا تھا اور اب صرف شکیلہ کو سیٹھ کونڈا والا سے تنہا ملاقات کرنی تھی۔ سعدی اور ظفری کو کچھ دوسرے کام انجام دینے تھے۔ باہر مضطرب صاحب موجود تھے جو سیٹھ کونڈا والا کے استقبال کے لیے تیار تھے۔ ٹھیک گیارہ بجے سیٹھ کونڈا والا اپنی لیموزین سے اترا۔ لیموزین اس نے فٹ پاتھ کے دوسری جانب کھڑی کی تھی۔ وہ پر اطمینان قدموں سے چلتا ہوا سڑک پار کر کے اس سمت کی فٹ پاتھ پر آ گیا جہاں اچھی خاصی بھیڑ تھی۔ اس وقت اس نے ہیلمٹ نہیں پہنا ہوا تھا' دفعتاً ایک زوردار تھپڑ اس کے سر پر پڑا اور سیٹھ کونڈا والا گرتے گرتے بچا۔ تھپڑ کی زوردار آواز چاروں طرف گونجی تھی۔ دو تین افراد اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ سیٹھ کونڈا والا حیرت سے منہ پھاڑے کھڑا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ اپنی کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ بہرصورت وہ لوگوں کی نگاہوں میں تماشا بننا نہیں چاہتا تھا۔ ایک اچھا خاصا آدمی اگر سڑک پر پٹ جائے تو لوگوں کے تاثرات کیا ہوں گے لیکن وہ یہ بھی نہ دیکھ سکا تھا کہ تھپڑ مارنے والا کون تھا۔ اس کی نگاہیں ادھر ادھر کا جائزہ لے رہی تھیں۔ لیکن کوئی ایسا چہرہ اس کی نگاہوں میں نہ آ سکا جسے دیکھ کر وہ یہ اندازہ لگا سکتا کہ یہ شرارت اس کی ہو گی۔ بامشکل تمام وہ بھیڑ کے درمیان سے نکلا اور اس زینے کے قریب پہنچا جہاں سے چڑھ کر وہ ظفری اور سعدی کے دفتر پہنچ سکتا تھا۔ لیکن ابھی سیڑھی پر پہلا ہی قدم رکھا تھا اس نے کہ ایک بار پھر اس کا توازن بگڑ گیا۔ کوئی چیز سر کی پشت پر آ کر لگی تھی۔ اچھی خاصی چوٹ بھی لگی تھی لیکن اس کے ساتھ ہی گردن بھی گیلی ہو گئی تھی۔ سیٹھ کونڈا والا کی آنکھوں میں جنون کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ غرا کر پیچھے کی طرف لپکا لیکن زینے کے سامنے یا آس پاس کوئی نہیں تھا۔ البتہ وہ گندہ انڈا اس کی گردن سے پھسل کر اس کے کوٹ کو گندہ کرتا ہوا نیچے گر پڑا تھا۔ اور اس کے چھلکے پیروں کے نیچے آ کر چرمرائے تھے۔ سیٹھ کونڈا والا نے گردن پر ہاتھ

رکھ کر دیکھا اور انڈے کی گندگی سے اس کے ہاتھ غلیظ ہو گئے۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور غصے کے ملے جلے اثرات نمایاں تھے۔ دانت بھینچے ہوئے تھے۔ بہرصورت اس نے ہاتھ سے گردن صاف کی اور پھر جیب سے رومال نکال کر زینے پر کھڑے ہو کر گردن اور کوٹ کا کالر صاف کرنے لگا۔ دوسرے لمحے اسے احساس ہوا کہ کہیں دوسرا انڈا اس کی تواضع نہ کر دے۔ چنانچہ وہ جلدی جلدی سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچ گیا اور اوپر پہنچ کر اس نے اپنے چہرے کے تاثرات تبدیل کیے۔ اور کراہتا ہوا دفتر کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

”ارے مر گیا۔ بابا مر گیا۔ بیڑا غرق ہوا ان کم بختوں کا' ستیاناس ہو جائے' کیڑے پڑیں' خدا کرے کیڑے پڑیں۔“ وہ چیختا چلاتا اندر گھسا تو مضطرب صاحب بے اختیار کھڑے ہو گئے۔ ”ارے ارے جناب عالی کیا ہوا؟“

”بکومت۔“ کونڈا والا مضطرب صاحب پر بگڑ گیا۔

”دیکھیے دیکھیے' تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیے۔ آپ تعلیم یافتہ لوگوں کے درمیان ہیں۔ کیسی گفتگو فرما رہے ہیں۔ یعنی دروازے سے داخل ہوتے ہی آپ نے چیخنا چلانا شروع کر دیا اور اس کے بعد ہم نے استفسار حال کیا تو آپ کی زبان سے یہ گندے الفاظ نکل پڑے۔“

”ارے بابا کیا بولتے ہو تم اپنی سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ دیکھو ادھر دیکھو۔“ سیٹھ کونڈا والا نے اپنا کوٹ مضطرب صاحب کی آنکھوں کے سامنے کر دیا اور مضطرب صاحب منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنس پڑے۔

”یہ یہ تو انڈا ہے۔“ انھوں نے ہنستے ہوئے کہا اور سیٹھ کونڈا والا انھیں خونی نگاہوں سے دیکھتا ہوا۔ سعدی کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ شکیلہ جو باہر سیٹھ صاحب کی آوازیں سن چکی تھی' ان کے استقبال کے لیے کھڑی ہو گئی۔ سیٹھ کونڈا والا اسی طرح چیختا کراہتا شکیلہ کے پاس پہنچ گیا۔

”ارے کدھر گیا بابا وہ لوگ' تم لوگوں نے اپن کا کیریئر تباہ کر ڈالا' برباد کر دیا' اب تو اپن کی کھوپڑی اس قابل نہیں رہی ہے کہ تھپڑ برداشت کر سکے۔ ارے اگر تم ولی نہ بنتا تو اس خبیث کو

پیسہ دے دیتا اور ہمارا جان چھوٹتا۔ دیکھو دیکھو ابھی تھوڑی دیر پہلے ہمارے سر پر چپت پڑا اور جب ہم زینے پر چڑھ رہا تھا تو کسی نے انڈا دے مارا۔ یہ دیکھو سر میں چوٹ بھی لگی ہے اور کپڑے بھی خراب ہو گئے۔" سیٹھ کونڈا والا کی حالت واقعی خراب ہو رہی تھی۔ شکیلہ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آپ کی زبان کو کیا ہو گیا سیٹھ صاحب۔ آپ کس انداز میں بات چیت کر رہے ہیں؟"

"ارے چھوڑو تم زبان کی بات کر رہی ہو یہاں اپنا ستیاناس ہو کر رہ گیا ہے۔ دراصل افریقہ میں ہم ایسی ہی اردو بولتے ہیں اس لیے وہی ہمیں یاد آ گئی ہے مگر ہمارا کوئی علاج کرو ورنہ کسی وقت ہمیں خودکشی ہی کرنا پڑے گی۔ باتھ روم ہے یہاں پر۔" شکیلہ نے باتھ روم کی طرف اشارہ کر دیا۔ سیٹھ صاحب باتھ روم میں چلے گئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ واپس آئے تو ظفری اور سعدی بھی پہنچ گئے تھے۔

"آ گئے تم لوگ۔ ہمارا تو ستیاناس کرا دیا تم نے۔ زندگی برباد کرا دی۔ اگر تم پہلے ہی ہماری بات مان لیتے تو بلاوجہ یہاں تک نوبت نہ پہنچتی۔" سیٹھ صاحب نے کہا اور کرسی پر بیٹھ گئے۔ ظفری اور سعدی گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کیا ہو گیا سیٹھ صاحب؟" ظفری نے پوچھا۔

"ہوا کیا وہی چپت وہی انڈا جان عذاب میں آ گئی ہے۔"

"مگر یہ آپ کے معمولات میں ہے اس وقت آپ ضرورت سے زیادہ ہی پریشان نظر آ رہے ہیں بھلا ایک چپت اور ایک انڈے سے کیا بگڑتا ہے آپ کا۔"

"مذاق مت کرو یار۔ یہ بتاؤ کہ تم نے میرا کام کر لیا کہ نہیں۔ اگر نہیں کیا تو میں کسی اور سے بات کروں گا۔ یہ بات تو میرے لیے بڑی پریشان کن ہے۔ تم نہیں سمجھتے کہ میری کیا کیفیت ہو جاتی ہے۔ میں تمھیں بتا نہیں سکتا۔" سیٹھ کونڈا والا کراہتے ہوئے بولا اور سعدی نے دروازے کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔

"مضطرب صاحب، مضطرب صاحب۔" اور مضطرب صاحب اندر تشریف لے آئے۔ "سیٹھ صاحب کے لیے ایک ٹھنڈی بوتل لائیے جلدی سے۔" سعدی نے کہا اور مضطرب صاحب باہر نکل گئے۔

"ارے بابا تم ہمارا دل ٹھنڈا کرو، ہمیں یہ بتاؤ فائل مل گیا یا نہیں۔" کونڈا والا نے پوچھا اور سعدی نے میز کی دراز میں ہاتھ ڈال کر فائل نکال لیا۔ سیٹھ کونڈا والا کی آنکھیں اس سرخ فائل کو دیکھتے ہی چمک اٹھی تھیں۔

"ارے زندہ باد زندہ باد۔ یہ ہوئی نہ بات، بس اب میری ساری تکلیفیں رفع ہو گئیں۔ اب کوئی شکایت نہیں ہے۔ ذرا ادھر دکھاؤ مجھے۔ ادھر دکھاؤ۔" سیٹھ صاحب بے خبری سے بولے اور سعدی نے یہ فائل ان کی جانب بڑھا دیا۔

"غور سے دیکھ لیں یہی فائل ہے یا اس میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے۔" سعدی بولا اور کونڈا والا اس فائل کو دیکھنے لگا۔ اس نے تمام کاغذات چیک کیے اور اس کے بعد پرمسرت انداز میں گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"بالکل ٹھیک، یہی ہے۔ یہی ہے۔" اس نے کہا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی گڈیاں نکال لیں۔ "یہ پچیس ہزار تمھارا معاوضہ اور یہ پانچ ہزار میری طرف سے انعام۔ تم نے وہ کام کر دکھایا جو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اب مجھے کسی بات کا فکر نہیں ہے۔ سیٹھ کونڈا والا زندہ باد۔" سیٹھ کونڈا والا نے کہا لیکن عقب سے ظفری نے ان سے یہ فائل چھین لیا اور اسے لے کر ایک کرسی کی جانب بڑھ گیا۔ سیٹھ کونڈا والا کی آنکھیں ایک بار پھر تعجب سے پھیل گئیں۔

"یہ کیا، یہ کیا۔" اس نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"اس فائل میں موجود کاغذات کے بارے میں آپ سے کچھ گفتگو کرنی ہے سیٹھ صاحب۔"

"کیا مطلب، کیا تم بھی اسے کھول کر دیکھ چکے ہو۔" سیٹھ کونڈا والا نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" سعدی نے جواب دیا۔ "اور یہ دیکھ کر ہمیں نہایت حیرت ہوئی سیٹھ کونڈا والا کہ اس فائل میں بلیک میلنگ کے بارے میں تو کوئی مواد موجود نہیں ہے۔ اس میں تو کسی جائیداد کی خریداری کے کاغذات ہیں۔ جائیداد کی خریداری کے کاغذات کا آپ کی بلیک میلنگ سے کیا تعلق ہے‘ یہ بات ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں۔"

"ارے بابا تمھیں تیس ہزار روپے مل گئے۔ تمھارا کام ختم ہو گیا۔ اب اس فائل میں کیا ہے یہ میں جانوں اور میرا کام۔ لاؤ فائل مجھے واپس دے دو۔"

"نہیں محفوظ صاحب‘ یہ فائل جس کی ملکیت ہے اسی کو ملے گا۔ باقی رہے یہ تیس ہزار روپے تو انھیں ہم بآسانی ہضم کر سکتے ہیں اور آپ کو دھکے دے کر باہر نکلوایا جا سکتا ہے کیونکہ آپ نے ایک شریف آدمی کی جائیداد پر قبضہ جمانے کے لیے ہمیں اپنا آلہ کار بنایا ہے۔ سیٹھ صاحب بلکہ سیٹھ محفوظ صاحب آپ انتہائی شاطر اور چالاک آدمی ہیں۔ آپ ڈھونگ بنا کر یہاں آئے۔ پچاس ہزار روپے ہماری میز پر ڈالے اور یہ اظہار کیا کہ یہ رقم آپ کسی بلیک میلر کو دینا چاہتے ہیں جس نے آپ کو ہمارا حوالہ دیا ہے۔ محفوظ صاحب اس کے بعد آپ کے کسی گرگے نے ہمیں بلیک میلر کی حیثیت سے ٹیلی فون کیا اور دس ہزار روپے کمیشن کی پیشکش کی۔ ان تمام حرکتوں سے آپ خود کو مظلوم ظاہر کر کے یہ فائل حاصل کرنا چاہتے تھے جو دراصل آپ کے بھائی کی ملکیت ہے۔ آپ کے بھائی افضال صاحب نہایت شریف آدمی ہیں۔ آپ کو شرم نہیں آئی کہ آپ نے ایک مظلوم شخص کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی۔ آپ نے اس کے بیٹے کو اس جائیداد سے محروم کرنے کی سازش کی۔ اس سازش کے الزام میں آپ کو پولیس کے حوالے بھی کیا جا سکتا ہے۔" سعدی نے کہا اور محفوظ کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں‘ اس کی شخصیت ایک دم بدل گئی۔

"تمھیں اس کا حق نہیں پہنچتا۔ تم کون ہوتے ہو ان معاملات میں دخل دینے والے۔ تم یہ دفتر کھول کر بیٹھے ہو دولت کمانے کے لیے۔ تیس ہزار روپے میں نے تمھیں دے دیے ہیں۔ تم چاہو تو میں اس میں اضافہ کر سکتا ہوں۔ یہ لو یہ بیس ہزار روپے اور لے لو اور فائل میرے حوالے کر دو۔" سعدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ محفوظ پھر بولا۔ "کیا تم اس کے لیے بھی تیار نہیں ہو۔ لو یہ رقم پوری ایک لاکھ روپے کیے دیتا ہوں۔ ساری زندگی تم یک مشت اتنی رقم نہیں کما سکتے۔ لاؤ فائل مجھے دے دو۔" محفوظ نے دوسری جیب سے اور نوٹوں کی گڈیاں نکال کر ان کے سامنے ڈال دیں اور سعدی بدستور مسکراتا رہا۔ "یہ فائل صرف افضال کی ملکیت ہے اور یہ اسی کو واپس چلی جائے گی۔ رہ گئے آپ تو آپ کے لیے ہم نے مناسب بندوبست کر لیا ہے۔" سعدی نے کہا اور ظفری کی جانب دیکھا۔ ظفری نے دروازے کی طرف رخ کر کے آواز لگائی۔

"میں نے کہا مضطرب صاحب مہمانوں کو بھیج دیجیے۔" اور دوسرے لمحے دروازہ کھلا اور ایک پولیس انسپکٹر دو سپاہیوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ سیٹھ کونڈا والا نے پلٹ کر پولیس افسر کو دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر سبک سی مسکراہٹ پھیل گئی لیکن دوسرے لمحے پولیس انسپکٹر چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی ایڑیاں بجی تھیں۔ اس نے سیٹھ کونڈا والا کو سلوٹ کیا تھا اور اب ان تینوں کے پریشان ہونے کی باری تھی۔ سعدی‘ ظفری اور شکیلہ ششدر رہ گئے۔ سیٹھ کونڈا والا اب بھی اپنی کرسی پر بیٹھا اسی انداز میں مسکرا رہا تھا۔ ان کی جانب متوجہ ہونے کے بجائے اس نے پولیس انسپکٹر سے پوچھا۔

"کیسے آئے انسپکٹر؟"

"وہ‘ وہ جناب ان لوگوں نے ہمیں ایک عجیب و غریب اطلاع دی تھی۔ انھوں نے ہمیں بتایا تھا کہ ایک شخص ان کی معرفت فراڈ کرنا چاہتا ہے۔ یہ لوگ اسے پولیس کے حوالے کرنے کے خواہش مند ہیں۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں ان لوگوں سے بات کر لوں گا۔ تم بالکل فکر مند نہ ہو۔" سیٹھ کونڈا والا نے کہا۔ انسپکٹر نے پھر ایڑیاں بجائیں‘ دوسرے لمحے وہ مڑ کر دروازے سے باہر نکل گیا۔ سعدی‘ ظفری اور شکیلہ کے حواس جواب دیتے جا رہے تھے۔ سیٹھ کونڈا والا نے مسکراتی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور نرم لہجے میں بولا۔

”فکر مند نہ ہو دوستو۔ مطمئن رہو۔ یہ میرا کارڈ ہے۔“ اس نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک ننھا سا وزیٹنگ کارڈ نکالا اور سعدی کے سامنے رکھ دیا جس پر آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی مسٹر ایس کے رحیم لکھا ہوا تھا۔ پولیس کا ایک بہت بڑا آفیسر ان کے سامنے موجود تھا۔ جسے وہ اب تک سیٹھ کوڑا والا کے نام سے جانتے رہے تھے۔

”جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ میرا تعلق اسپیشل پولیس سے ہے۔ دراصل مسٹر سعدی‘ ظفری اور شکیلہ آپ کو علم ہے کہ ہمارے ملک میں پرائیویٹ جاسوسی اداروں کا کوئی رواج نہیں ہے۔ یہاں اس قسم کے اداروں کو لائسنس جاری نہیں کیے جاتے اور اس کی بنیادی وجہ یورپ اور یہاں کی فضا کا تضاد ہے۔ تاہم کچھ ادارے ہمارے علم میں ہیں جو اس قسم کے کام کرتے ہیں اور ہمیں اکثر ان اداروں میں جرائم کی رپورٹیں ملی ہیں۔ ایسے تقریباً کئی اداروں کو ختم کیا گیا ہے۔ آپ کا اشتہار ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نام سے کافی عرصے سے اخبارات میں آرہا ہے چنانچہ اس کے خلاف تفتیش ہمارے سپرد کر دی گئی‘ ہمارا بھی خیال تھا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ بھی ایک ایسا ہی ادارہ ہے جو لوگوں کے لیے غیر قانونی کام انجام دیتا ہے۔ معاوضہ لے کر وہ ہر کام کرنے پر تیار ہو جاتا ہوگا چنانچہ میرے چیف ایس۔ کے افضال نے مجھے اس ڈیوٹی پر مقرر کیا اور میں آپ کے خلاف تفتیش کرنے لگا۔ جتنی معلومات مجھے حاصل ہو سکیں۔ انھیں جمع کر کے میں آپ تک پہنچا اور میں نے آپ کو کسی بلیک میلر کی کہانی سنائی۔ وہ بلیک میلر جس کے پاس پہنچ کر آپ فائل لے کر آئے ہیں دراصل اسپیشل ڈپارٹمنٹ کے چیف تھے۔ میری ان سے ملاقات ہو چکی ہے اور انھوں نے آپ کے بارے میں کافی اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ درحقیقت ایسے بہت کم لوگ ہوتے ہیں سعدی صاحب جو دولت دیکھ کر پھسل نہ جاتے ہوں آپ نے ایک اچھے کردار کا ثبوت دیا ہے۔ ہاں اگر کسی ضرورت مند کی مدد اس انداز میں کر دی جائے جس انداز میں آپ نے میرے کہنے پر کام شروع کیا تھا تو میں اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ میرا کارڈ آپ اپنے پاس محفوظ رکھیے میں آپ کے بارے میں اپنے ڈپارٹمنٹ کو جو رپورٹ دوں گا اس کے تحت آپ کی حیثیت ایک معزز شہری

کی سی ہوگی اور آپ کا ادارہ ایک معزز ادارہ کہلائے گا۔ آپ کو اپنا یہ مشغلہ جاری رکھنے کی اجازت دی جائے گی اور ایک پیشکش میری طرف سے بھی ہے کہ اگر کوئی ایسا سلسلہ ہو جس میں کوئی مجرم آپ کے سامنے آئے تو آپ بے تکلفی سے مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔ یوں سمجھا جائے کہ یہ آپ کے اور ہمارے درمیان اشتراک ہوگا اور ہم آپ سے مکمل طور سے تعاون کریں گے۔ نیز یہ کہ اگر کچھ کیس میرے علم میں آئے اور ان سے آپ کو کوئی فائدہ حاصل ہو سکا تو میں انھیں آپ کی طرف روانہ کر دوں گا۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔“

پولیس آفیسر اپنی کرسی سے اٹھ گیا۔ سعدی‘ ظفری اور شکیلہ پتھر کے بتوں کی طرح ساکت اور جامد کھڑے تھے۔ مسٹر ایس کے رحیم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اگر اجازت ہو تو نوٹوں کی یہ گڈیاں میں اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لوں جو دراصل سرکاری ملکیت ہے اور جن پر مارکنگ کی گئی ہے۔ اگر یہ اس فائل کے عوض آپ کی جیب میں ہوتیں تو آپ سب ہماری جیب میں ہوتے اور ہماری جیب سے پھر سرکاری جیب میں منتقل ہو چکے ہوتے۔“ ایس کے رحیم نے کہا اور سعدی نے جلدی سے نوٹوں کی گڈیاں اس کی جانب سرکا دیں۔ رحیم نے انھیں جیب میں رکھا اور سعدی اور ظفری سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ دونوں نے بادل نخواستہ ہاتھ ملائے اور پھر وہ شکیلہ کی جانب متوجہ ہو کر بولا۔

”اچھا محترمہ شکیلہ اجازت‘ پھر کبھی ملاقات ہوگی۔“ اور شکیلہ نے بندر کی طرح دانت نکال دیے۔ پولیس آفیسر پلٹا پھر کچھ سوچ کر ایک دم رک گیا اور ان کی طرف دیکھ کر بولا۔

”ہاں ایک بات تو رہ گئی۔ یہ میرے سر پر چپت کس نے ماری تھی اور یہ انڈا؟ میں اس کے لیے متحیر ہوں۔“

”سوری جناب‘ یہ حرکت میں نے کی تھی۔“ ظفری نے گردن جھکا کر کہا۔

”دراصل رات کو مسٹر ایس۔ کے افضال سے مل کر ہم آپ سے خاصے بدظن ہو گئے تھے۔ ہمیں علم ہو گیا تھا کہ کوئی آپ کے سر پر چپت نہیں مارتا‘ کوئی انڈا نہیں مارتا‘ یہ سب کچھ فراڈ تھا

جو آپ ہمیں بے وقوف بنانے کے لیے کر رہے تھے چنانچہ ہم نے طے کر لیا تھا کہ ان دونوں ہی چیزوں سے آپ کی تواضع کی جائے گی۔ جس وقت آپ فٹ پاتھ عبور کر رہے تھے تو میں آپ کی تاک میں تھا۔ میں شرمندہ ہوں۔" ظفری نے کہا اور ایس کے رحیم نے قہقہہ لگایا۔

"چلو بھئی ٹھیک ہے۔ بعض اوقات انسان کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے وہ پورا ہو جاتا ہے۔ ویسے تمہارا ہاتھ بڑا سخت پڑا تھا میرے سر پر۔ ابھی تک اثرات موجود ہیں۔ خیر کوئی بات نہیں اچھا اجازت۔" اور ایس کے رحیم دفتر کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ تینوں اب بھی بے وقوفوں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ دوسرے لمحے مضطرب صاحب نے جھانک کر کہا۔ "ہو گیا معاملہ۔"

"جی ہاں! اندر تشریف لائیے۔" سعدی نے منہ بنا کر کہا۔ اور مضطرب صاحب اندر آ گئے۔ ان کی نگاہیں میز پر نوٹوں کی گڈیاں تلاش کر رہی تھیں۔ پھر وہ چونک کر بولے۔ "لیکن یہ پولیس کیوں آئی تھی یہ کیا معاملہ تھا۔"

"مضطرب صاحب! پولیس آپ کو تلاش کر رہی تھی۔ جان بچالی ہے ہم نے آپ کی۔ جلدی سے مٹھائی منگالیں۔ جلدی' ظفری بولا۔ "مجھے تلاش کر رہی تھی۔" مضطرب صاحب متحیرانہ انداز میں کہنے لگے۔

"دو چار غزلیں چوری ہو گئیں ہیں۔ وہ چوری کی تفتیش کرنے آئی تھی۔" ظفری نے کہا اور مضطرب صاحب کا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب کی طرف چلا گیا جس میں کچھ کاغذات رکھے ہوئے تھے اور پھر وہ گردن جھکائے جلدی سے باہر نکل گئے۔ شاید مٹھائی کا ڈبہ لینے۔

☆......☆......☆

نو وارد پچاس اور پچپن کے پیٹے میں تھا۔ صحت عمدہ' لباس شاندار۔ آنکھوں میں گہری سنجیدگی کے آثار تھے۔ حسب معمول اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا تھا۔ سعدی ظفری اور شکیلہ تینوں ہی موجود تھے۔ نو وارد کرسی پر بیٹھ گیا۔

"یوں محسوس ہوتا ہے جیسے۔ جیسے میں صحیح جگہ پہنچ گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"اگر آپ کسی ایسی پریشانی کے شکار ہیں جس میں آپ پولیس کی مدد نہیں حاصل کرنا چاہتے ہوں اور نہایت راز داری سے اپنے کسی کام کو کرانے کے خواہشمند ہوں تو بلاشبہ یہ جگہ آپ کے لیے موزوں ترین ہے۔" ظفری نے کہا۔

"ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے۔ آپ کے ادارے کی شرائط کیا ہیں؟"

"کوئی ایسا غیر قانونی کام ہم نہیں کرتے جو قابل دست اندازی پولیس ہو۔ کسی کو ذہنی یا جسمانی نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا۔ ہاں اگر آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو اس کے جواب میں آپ کے دشمن کو زک دی جا سکتی ہے۔ یہ بنیادی اصول ہے ہمارا۔"

"میرے معاملے میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تو آپ مطمئن رہیں۔ آپ کی پریشانیوں کا حل ہمارے پاس موجود ہے۔"

"راز داری؟"

"ایمان۔" ظفری نے بھی مختصراً کہا۔

''معاوضہ؟''

''پچیس ہزار۔'' دوسرے اخراجات کے علاوہ۔ اگر کام مقامی ہے اور اس میں دوسرے اخراجات کے امکانات نہیں ہیں تو مزید کوئی معاوضہ نہیں۔'' ظفری بولا۔

''جی۔ یہ آپ کا معاوضہ۔'' اس نے سو سو کے نوٹوں کی تین گڈیاں نکال کر ان کے سامنے ڈال دیں۔

''مضطرب صاحب کو بلا کر رسید بنوا دیں۔'' ظفری نے شکیلہ سے کہا۔ اور شکیلہ نے گردن ہلا دی۔

''کام کیا ہے؟'' سعدی نے پوچھا اور نو وارد نے گردن جھکا لی وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ تینوں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔ اپنے طور پر وہ نو وارد کے بارے میں نتیجہ اخذ کر رہے تھے۔ متمول' لیکن شریف صورت اور شریف فطرت۔ اسے گردن جھکائے کافی دیر ہو گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ سو گیا ہو۔

اور پھر جب وہ وقفہ طویل سے طویل تر ہو گیا تو ظفری زور سے کھنکھارا اور وہ چونک کر سیدھا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو گئی تھیں۔ اس نے سرخ آنکھوں سے انھیں دیکھا اور پھر شکیلہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

وہ سب چونک پڑے تھے۔ ''گھپلا۔'' ظفری کے منہ سے نکلا۔

''ہمیں اسٹالن کی کوئی شرط منظور نہیں۔ ماسکو تباہ کر دیا جائے گا۔ ہم چپے چپے پر روسیوں کو شکست دیں گے۔ ہماری فوجیں۔ ہماری فوجیں کہاں ہیں۔'' وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں جیبیں ٹٹولنے لگا اور پھر کھڑا ہو گیا۔

''سازش' فریب۔ آئزن ہاور۔ تم مجھے فریب نہیں دے سکتے۔ مجھے فریب نہیں دیا جا سکتا۔

اسی وقت مضطرب صاحب فارم وغیرہ لے کر اندر داخل ہوئے۔ شکیلہ نے انٹر کام پر

انھیں ہدایت کی تھی۔ جیسے ہی نو وارد کی نگاہ ان پر پڑی وہ اچھل کر چیخا۔

''روز ویلٹ' تم ساری زندگی کوشش کرتے رہو' ہٹلر شکست سے آشنا نہیں۔ بجے بجرنگ بلی۔'' اس نے مضطرب صاحب پر چھلانگ لگا دی اور انھیں لپیٹ میں لیے ہوئے نیچے آ رہا۔

''بب۔ بخدا۔ ہم مضطرب ہیں۔'' مضطرب صاحب نیچے دبے ہوئے چیخے۔ ''اس نانجار سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں۔''

سعدی' ظفری اور شکیلہ کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ مضطرب صاحب کو بری طرح رگید رہا تھا چنانچہ انھیں چھڑانا ضروری تھا لیکن سعدی اور ظفری مل کر بھی اسے مضطرب صاحب سے علیحدہ نہ کر سکے۔ وہ کسی سانڈ کی طرح مضبوط تھا۔

شکیلہ نے چیخ چیخ کر دوسرے لوگوں کو بلایا اور چند لمحات ٹیٹو' جادو اور ڈھل اندر داخل ہو گئے' صورت حال دیکھ کر انھوں نے بھی نو وارد کو مضطرب صاحب کے اوپر سے ہٹانے کی کوشش کی' لیکن جیسے ہی ٹیٹو نے اس کی کمر کو ہاتھ لگایا۔ نو وارد اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ پھر اس نے ایک میز پر چھلانگ لگائی اور اس طرح میز سے ٹکرایا کہ میز الٹ گئی اس پر رکھی ہوئی تمام اشیاء نیچے لڑھک گئی تھیں۔ شکیلہ کی سریلی چیخ پھر سنائی دی اور وہ ایک صوفے پر چڑھ گئی۔

سعدی اور ظفری متحیرانہ انداز میں یہ سارا ہنگامہ دیکھ رہے تھے۔ اب صورت حال یہ تھی کہ نو وارد ایک میز سے دوسری میز پر چھلانگیں لگاتا پھر رہا تھا۔ اس نے کئی ڈیکوریشن پیس اٹھا اٹھا کر کمرے کی کھڑکیوں پر دے مارے تھے اور شیشے ٹوٹنے کی آوازیں چاروں طرف پھیل گئی تھیں۔

مضطرب صاحب بے چارے اچھے خاصے زخمی ہو گئے تھے۔ پھر اس نے پتھر کا ایک گلدان اٹھا کر ٹیٹو کے سر پر دے مارا اور ٹیٹو کی پیشانی زخمی ہو گئی۔ اتنا زبردست ہنگامہ ہوا کہ قرب و جوار کے لوگ بھی متوجہ ہو گئے اور اپنے اپنے دفاتر سے باہر نکل کر صورتحال کا جائزہ لینے لگے۔

نو وارد کسی طور پر قابو میں نہیں آ رہا تھا' وہ کسی وحشی درندے کی طرح ایک ایک چیز اٹھا اٹھا کر پھینک رہا تھا۔ توڑ رہا تھا اور اس کے حلق سے عجیب و غریب آوازیں نکل رہی تھیں۔

''اتحادیوں کو زبردست شکست ہوگی۔ ہٹلر پھر زندہ ہو گیا ہے۔ سمجھے۔ تم ہٹلر کو شکست نہیں دے سکو گے۔ احمق' کتو' یہ تمھارے بس کی بات نہیں ہے' تمھیں بدترین صورت حال سے دو چار ہونا پڑے گا۔

اس خوف ناک ہنگامے کو روکنا' ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ دفعتاً نو وارد نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی شئے نکالی اور پھر خوف ناک دھماکا ہوا۔ دھوئیں کا ایک بادل کمرے میں پھیل گیا تھا۔ نو وارد کمرے سے نکل بھاگا اور مضطرب صاحب کے کمرے میں گھس گیا' یہاں بھی اس نے خوب اودھم مچائی' ٹیٹو ہر چند کہ زخمی ہو گیا تھا۔ لیکن اب اسے غصہ آ گیا تھا' اس نے اپنی جیب سے رومال نکال کر پیشانی سے بہتے ہوئے خون کو صاف کیا اور پھر وہی رومال اپنی پیشانی سے کس لیا۔ اس کے بعد وہ وحشیانہ انداز میں کمرے کے دروازے سے باہر نکلا۔ اور اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں نو وارد توڑ پھوڑ مچا رہا تھا اب اس کے ہاتھ میں ایک لمبا راڈ تھا۔ جو وہیں سے اٹھایا گیا تھا۔ اس نے راڈ سے پورے کمرے کے شیشے توڑنے شروع کر دیئے' چھناکوں کی آوازیں دور دور تک ابھر رہی تھیں دھماکے کی وجہ سے بلڈنگ میں بھگدڑ مچ گئی تھی اور لوگ دفاتر سے دوڑ دوڑ کر باہر آ رہے تھے۔ شاید اس ایک دھماکے کے بم کے علاوہ اس کے پاس اور دوسرا کوئی بم نہ تھا۔ اگر اس کے پاس پستول ہوتا تو یقیناً وہ ان لوگوں پر گولیاں برسانے کی کوشش کرتا' اس پر جنون کا دورہ پڑا تھا۔

سعدی اور ظفری اس کمرے سے نکل آئے تھے جہاں پر بم کا دھماکا ہوا تھا' کیونکہ دھوئیں کی شدید بدبو کمرے میں پھیل گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں نیچے پولیس گاڑیوں کے سائرن سنائی دینے لگے۔ اس وقت ٹیٹو اس طاقتور نو وارد سے بھڑا ہوا تھا۔ دونوں میں شدید ہنگامہ آرائی ہو رہی تھی' سعدی' ظفری اور شکیلہ

اس ہنگامے کو روک نہیں سکتے تھے اس کا روکنا بھی ضروری تھا اور پھر یہ احساس بھی تھا کہ کہیں وہ شدید زخمی نہ ہو جائے' کیونکہ ٹیٹو بھی بکھر گیا تھا۔

اور پھر یہی ہوا۔

ٹیٹو نے جوڈو کراٹے کے داؤ استعمال کرنا شروع کر دیے تھے اور ان حملوں کے آگے نو وارد کا مضبوط بدن کوئی مدافعت نہیں کر سکا۔ ٹیٹو نے اسے مار مار کر ادھ مرا کر دیا اور پھر وہ بے ہوش ہو کر نیچے گر پڑا۔

پولیس شاید اوپر ہی آ رہی تھی۔ یہ جو کچھ ہنگامہ ہوا تھا' اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ سب ہکا بکا تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک پولیس انسپکٹر ان لوگوں کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ پولیس کے جوانوں نے اس دفتر کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ انسپکٹر نے اندر داخل ہو کر ایک ایک کو دیکھا اور اس کمرے کو دیکھنے لگا جس کے بند دروازے سے دھواں نکل رہا تھا۔

''یہ سب کیا ہے؟ کیا ہوا ہے یہاں؟'' اس نے پوچھا۔

''اوہ آفیسر ایک شخص۔ ایک شخص یہاں داخل ہوا اور اس نے یہ ہنگامہ آرائی کر دی۔''

''کہاں ہے وہ؟'' پولیس آفیسر نے پوچھا اور سعدی اسے لے کر دوسرے کمرے میں پہنچ گیا۔ پولیس آفیسر نے بے ہوش پڑے ہوئے شخص کی طرف دیکھا اور پھر ٹیٹو کی طرف' جواب بھی پر تولے کھڑا تھا کہ جیسے ہی نو وارد اٹھے' اسے پھر نیچے گرا دے۔ اس نے دو کانسٹیبلوں کو آواز دی اور کانسٹبل سے کہا اور کانسٹبل ٹیٹو کی جانب بڑھ گئے۔

''سنیے آفیسر سنیے۔ یہ صرف مدافعت کر رہا ہے' جارحیت نہیں۔ میرا خیال ہے یہ اس پر قابو پا چکا ہے۔''

''اس کے باوجود یہ شخص اس کے ہاتھوں زخمی ہوا ہے۔'' پولیس انسپکٹر نے کہا۔

''میں اس کی جوابدہی کر لوں گا۔ آپ بے فکر رہیں۔ اسے گرفتار کرنے کے بجائے

آپ اس شخص کی جیبوں کی تلاشی لیں کہیں کوئی اور مہلک چیز اس کے پاس موجود نہ ہو۔" سعدی نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"یہ بم اس نے ہی پھینکا تھا اور میرا خیال ہے کہ کمرے میں اچھی خاصی تباہی پھیلی ہے۔"

"ہوں۔ بہت لمبا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔ ٹیلی فون ہے آپ کے پاس؟"

"جی ہاں ٹیلیفون ہے۔" سعدی نے کہا۔ آفس میں کئی ایکسٹنشن تھے' ایک محفوظ کمرے میں لے جا کر سعدی نے انسپکٹر کو فون کے پاس چھوڑ دیا اور پولیس آفیسر ریسیور اٹھا کر ہیڈ آفس کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس نے وہاں سے کچھ اور مدد طلب کی تھی۔

شکیلہ کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔ تمام ہی لوگ مضطرب اور پریشان تھے' ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے؟ باہر کے لوگ بھی کچھ نہ سمجھ سکے تھے اور اچھی خاصی ہنگامہ آرائی ہو گئی تھی' جس کا وہ لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

مطلق صاحب آج دفتر نہیں آئے تھے' اس لیے وہ اس سارے ہنگامے سے لاعلم تھے' لیکن سعدی' ظفری اور شکیلہ پر جو بیتی تھی' وہ ان کا دل ہی جانتا تھا' ان کا تمام دفتر تباہ ہو کر رہ گیا تھا اور پھر وہ نووارد' یہ نہ جانے کیا مصیبت لائے۔ وہ سب دل ہی دل میں سوچ رہے تھے۔

تقریباً بیس منٹ کے بعد پولیس کی کچھ اور گاڑیاں وہاں پہنچ گئیں اور پولیس اوپر آ گئی۔ کمرے کا دھواں ٹوٹے ہوئے شیشوں کی وجہ سے منتشر ہو گیا تھا اور اب وہاں کی فضا پرسکون تھی۔ انسپکٹر نے اپنی نگرانی میں کمرے کا دروازہ کھلوایا اور اندر کا جائزہ لینے لگا۔ اندر جو تباہی نظر آئی' اس نے اسے دیکھ کر گہری گہری سانسیں لی تھیں۔

"یہ شخص۔ میرا مطلب ہے یہ بے ہوش شخص بلاوجہ ہی تو مشتعل نہ ہو گیا ہوگا' اس کی کچھ وجوہات ہوں گی۔" انسپکٹر نے سوال کیا۔

"آفیسر براہ کرم ان تمام باتوں سے گریز کریں' پہلے اس معاملے کو سنبھالیں' یہ جوابدہی ہم عدالت میں بھی کر سکتے ہیں' یہ کوئی پان کی دکان نہیں ہے کہ آپ یہیں تفتیش کرنے کھڑے ہو گئے۔

سعدی نے خشک لہجے میں کہا اور پولیس انسپکٹر چونک کے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بہر طور یہاں کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا بھی بہت ضروری ہے' آپ کے دفتر کے علاوہ کسی اور دفتر کو بھی نقصان پہنچا ہے؟"

"کیا اس دفتر میں کھڑے ہو کر ان تمام باتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟" سعدی نے پوچھا۔

"ہوں' ٹھیک ہے' براہ کرم تمام لوگ باہر نکل آیئے اور سنو' اس بے ہوش شخص کو نیچے لے چلو۔ اور اگر ضرورت محسوس کرو تو اسے اسپتال پہنچا دو۔"

"سر اسے اسپتال پہنچانا ضروری ہے' اس کے بدن کے مختلف حصوں سے خون بہہ رہا ہے۔ ایک ایس آئی نے کہا اور انسپکٹر مدبرانہ انداز میں گردن ہلانے لگا۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' اسے اسپتال لے جاؤ۔" انسپکٹر نے کہا۔ اور بے ہوش آدمی کو دو تین آدمی اٹھا کر نیچے لے گئے' باہر کھڑا ہوا ہجوم صورت حال جاننے کے بارے میں کوشش کر رہا تھا۔ پولیس نے ان لوگوں کو منتشر کیا اور پھر وہ نیچے اترنے لگے۔

انسپکٹر نے ان تمام لوگوں سے بھی دفتر سے نکل آنے کے لیے کہا اور ایک ایک کر کے وہ سب ہی باہر نکل آئے۔ سعدی نے انسپکٹر سے کہا۔

"اس آفس کی تلاشی لینے کی کوشش نہ کی جائے' بلکہ اسے بند کر دیا جائے' یہاں ہمارے اہم ترین کاغذات ہیں۔"

"کیا پولیس آپ کے ان کاغذات کو نقصان پہنچائے گی؟"

"میں یہ نہیں کہتا' لیکن میں اس کی اجازت نہیں دوں گا کہ آپ ابھی سے اندر گھس کر فضول قسم کے کام شروع کر دیں اس سلسلے میں براہ راست ڈی آئی جی صاحب سے رابطہ قائم کروں گا۔"

"ٹھیک ہے اسے بند کر دیا جائے' لیکن یہاں کوئی اور ایسی آتش گیر چیز تو نہیں رہ گئی ہے' جو آگ پکڑ لے۔" انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی ہاں یہاں بموں کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔" ظفری نے طنزیہ انداز میں کہا اور انسپکٹر اسے گھورنے لگا۔

"آپ لوگ میرے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کر رہے' قانون کے محافظوں کے ساتھ آپ کو تعاون کرنا چاہیے۔"

"ہم تعاون کرنا چاہتے ہیں انسپکٹر' لیکن آپ بھی اپنا رویہ تبدیل کریں' ہم پہلے ہی آپ سے کہہ چکے ہیں کہ یہ کوئی پان کی دکان نہیں ہے' ایک پروقار ادارہ ہے' جس کی بہت بڑی ساکھ ہے' چنانچہ اس سلسلے میں ہم براہ راست ڈی آئی جی صاحب کو جوابدہ ہیں' آپ غلط حرکات کے مرتکب نہ ہوں' دفتر بند کر دیا جائے۔"

انسپکٹر کو ان لوگوں کے لہجے سے اندازہ ہو گیا تھا کہ واقعی معاملہ کچھ گڑبڑ ہے۔ یوں بھی وہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں رکھتا تھا' چنانچہ اس نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور دفتر بند کر دیا گیا۔ پولیس کے دو کانسٹیبل یہاں تعینات کر دیے گئے' لیکن سعدی نے ایک اور کام بھی کیا۔

اس نے جادو اور ڈنھل سے کہا کہ وہ پولیس کانسٹیبلوں کے ساتھ رہیں اور اس بات کی نگرانی رکھیں کہ دفتر نہ کھولا جائے اور اگر دفتر کھولا جائے تو وہ چند لوگوں کو گواہ بنا کر سعدی اور ظفری کو اطلاع دیں۔"

جادو اور ڈنھل پولیس کانسٹیبلوں کے ساتھ وہاں جم گئے تھے' انسپکٹر نے بھی اس بات پر

اعتراض نہیں کیا تھا ویسے ان لوگوں کے بھی ہوش اڑے جا رہے تھے' سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا' نوادر کون تھا' اچانک اس پر جنون کا دورہ کیوں پڑا تھا؟ نوٹوں کی گڈیاں سعدی کی جیب میں موجود تھیں اس کے علاوہ بھی دفتر میں بہت کچھ تھا جسے بہر طور پولیس کی دسترس سے دور رکھنا چاہتے تھے۔

سعدی' ظفری اور شکیلہ اپنی کار میں تھے۔ مضطرب صاحب اور دوسرے لوگوں کو پولیس کار میں بٹھا دیا گیا تھا۔ نوادر کو غالباً اسپتال بھیج دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ علاقے کے پولیس اسٹیشن پہنچ گئے۔ یہاں ان تمام افراد کو ایک کمرے میں بٹھا دیا اور پولیس انسپکٹر نے سعدی سے کہا۔ "آپ براہ کرم اپنا بیان لکھوا دیجیے۔"

"جی ہاں' لیکن سب سے پہلے میں ڈی آئی جی صاحب کو فون کرنا چاہوں گا۔"

"کون سے ڈی آئی جی صاحب۔"

"آفتاب احمد صاحب۔"

"کمال ہے' آپ کو یہ علم نہیں کہ آفتاب احمد صاحب کا یہاں سے تبادلہ ہو گیا ہے' پچھلے دنوں اخبارات میں ان کے بارے میں تفصیلات بھی آئی تھیں۔" پہلی بار سعدی بوکھلایا تھا۔ آفتاب احمد صاحب کے اچانک تبادلے کا اسے کوئی علم نہیں تھا۔ ویسے کافی دن سے ان سے کوئی رابطہ قائم نہیں ہو پایا تھا۔ چنانچہ اس خبر سے وہ پریشان ہو گیا۔ اس نے متحیرانہ نگاہوں سے انسپکٹر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں نے اس سلسلے میں کوئی خبر نہیں سنی۔"

"اس میں میرا قصور کیا ہے؟" انسپکٹر نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔

"نئے ڈی آئی جی صاحب کون ہیں؟"

"ان کا نام احسان علی ہے اگر آپ ان سے بات کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔"

"نہیں' پھر براہ کرم آپ مجھے ہدایت پور ٹیلی فون کرنے کی اجازت دیں۔"

"ہدایت پور میں آپ کسے فون کریں گے؟"

"بیگم جہاں آراء ہدایت پور کو۔"

"ہوں۔ بہت بڑے بڑے تعلقات ہیں آپ کے' بہر صورت کر لیجیے۔" پولیس آفیسر نے کہا اور سعدی فون کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ریسیور اٹھایا اور ہدایت پور کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا۔ غالباً سیکریٹری بول رہا تھا۔ سعدی نے بیگم جہاں آراء سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو سیکرٹری نے کہا۔

"اوہ جناب بیگم صاحبہ تو موجود نہیں ہیں۔ پچھلے دنوں وہ کان کے علاج کی غرض سے یورپ گئی ہوئی ہیں۔"

"کک۔۔۔۔ کیا۔ کتنے دن پہلے کی بات ہے؟"

"غالباً ایک ہفتہ ہو گیا۔"

"سمن آراء ہیں؟"

"جی سمن بی بی موجود ہیں' انھیں بلاؤں؟" سیکرٹری نے پوچھا۔

"ہاں بلایئے فون پر۔" سعدی نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد سمن کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو' کون صاحب ہیں؟"

"سمن میں سعدی بول رہا ہوں۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے۔"

"اوہ سعدی صاحب کہیے' کیسے مزاج ہیں؟ ظفری کیسے ہیں' بہت دنوں سے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی؟"

"بھئی میں ایک مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔ اسی سلسلے میں بیگم صاحبہ کو فون کیا تھا لیکن پتا چلا کہ وہ یورپ گئی ہوئی ہیں۔"

"جی ہاں۔ کان میں بہت سخت تکلیف تھی' علاج ہو رہا تھا لیکن اس سے افاقہ نہ ہو سکا' چنانچہ امی نے لندن جانے کا فیصلہ کر لیا تقریباً ایک ہفتہ ہو گیا ہے انھیں گئے ہوئے' لیکن کیا

مصیبت آئی ہے؟"

"اگر ممکن ہو سکے سمن آراء تو تم یہاں پہنچ جاؤ۔ ہمارے دفتر میں ایک حادثہ پیش آیا ہے اس کی تفصیلات تو تمھیں بعد میں بتاؤں گا۔ یہاں پولیس اسٹیشن سے رابطہ قائم کر لینا ہمارے بارے میں معلومات حاصل ہو جائیں گی یا پھر مطلق صاحب سے مل لینا تم؟"

"ٹھیک ہے' میں آ رہی ہوں۔"

"بیگم جہاں آراء ہدایت پور سے آپ کا کیا تعلق ہے؟"

"میں ان باتوں کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔"

"ٹھیک ہے' آپ پولیس سے مستقل سختی کا سلوک کر رہے ہیں جو بہتر نہیں ہے ہم ذاتی مفاد کی بنا پر آپ کے خلاف کارروائی نہیں کر رہے بلکہ جو کچھ ہوا ہے اس سے آپ بھی واقف ہیں۔"

"ہاں۔ مجھے اس سے انحراف نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ پولیس ہمارے ساتھ بہتر رویہ اختیار کرے۔ ہم جرائم پیشہ لوگ نہیں ہیں بلکہ باعزت شہری ہیں۔"

"اگر آپ کو کوئی تکلیف پہنچی ہے تو میں معافی چاہتا ہوں۔ ویسے ڈی آئی جی آفتاب احمد صاحب سے آپ کا کیا تعلق ہے؟" پولیس آفیسر بولا۔

"وہ ہمارے مربی اور ہمارے دوسرے تھے۔ درحقیقت ان کے چلے جانے سے ہماری کمر ٹوٹ گئی ہے۔"

"ڈی آئی جی صاحب کو اچانک ہی یہاں سے ٹرانسفر کر دیا گیا ہے کچھ خاص وجوہات تھیں اس کی' جس کی بناء پر انھیں چند گھنٹوں کے اندر اندر دوسرے علاقے میں چارج لینے کی ہدایت کی گئی تھی۔" انسپکٹر کا رویہ اب نرم ہوتا جا رہا تھا۔

"ہم لوگوں نے ان کے ساتھ مل کر بہت سے ایسے معاملے نمٹائے جو پولیس کے لیے دردِ سر تھے۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

”انسپکٹر کیا آپ بھی شہر میں نئے آئے ہیں؟“

”ہاں۔ یہ حقیقت ہے کہ مجھے یہاں آئے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا میں ایک دوسری جگہ سے تبدیل ہو کر یہاں آیا ہوں۔ آپ براہ کرم مجھے بتائیے کہ آپ کا دفتر کس نوعیت کا ہے کیا کاروبار کرتے ہیں آپ لوگ؟“

”ہمارے دفتر کا نام ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ہے۔“

”خوب' کیا یہ کوئی دوائیں وغیرہ بنانے کی فرم کا دفتر ہے؟“

”نہیں بس مختلف امور یہاں طے کیے جاتے تھے۔ یوں سمجھ لیں کہ یہ ایک پولیس برانچ تھی اور ایسے کام جس میں پولیس براہ راست مداخلت کرنا پسند نہیں کرتی تھی' ہمارے سپرد کر دیے جاتے تھے۔“

”اوہ گویا' یعنی پرائیویٹ پولیس یعنی پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ؟“

”نہیں یہ تو نہیں کہا جا سکتا' بس یوں سمجھیے کہ لوگوں کی مشکلات حل کرنے کا یہ ادارہ تھا۔“

”تب تو اس کی حیثیت خود بخود مشکوک ہو جاتی بہر طور۔“ انسپکٹر نے کہا۔

”بیگم جہاں آراء ہدایت پور کو آپ جانتے ہیں؟“ سعدی نے پوچھا۔

”ہاں۔ میں جس علاقے میں تھا وہاں بیگم جہاں آراء ہدایت پور کا ایک محل تعمیر ہو رہا تھا' ان سے میری بھی ملاقات ہوئی تھی۔“

”اور ان کی بیٹی سمن آراء ہدایت پور سے؟“

”نہیں' ان سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی' غالباً آپ نے انھی کو بلایا ہے۔“

”ہاں۔ بیگم جہاں آراء ہدایت پور ملک سے باہر گئی ہوئی ہیں۔“

”آپ مطمئن رہیے' اگر کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے تو آپ کے ساتھ کوئی بدسلوکی نہیں کی جائے گی۔ ویسے اس بے ہوش شخص کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟“

”میں آپ کو بتا چکا ہوں انسپکٹر کہ ہمارا ادارہ لوگوں کو مشکلات سے نکالتا تھا لیکن تمام تر قانونی دائرہ کار میں رہ کر یہ شخص بھی معقول معاوضہ دے کر ہم سے اپنا کوئی کام کروانا چاہتا تھا۔ بڑا پرسکون ہمارے پاس آیا تھا اور ہم سے بڑی سلجھی ہوئی گفتگو کر رہا تھا کہ اچانک اس پر جنون کا دورہ پڑ گیا۔ اس نے میز الٹ دی' ہمارے ایک ساتھی کو زخمی کر دیا۔ وہ آپ کی تحویل میں ہے اس کا نام مضطرب ہے۔ ہم لوگوں نے اسے بچانے کی کوشش کی تو اس نے دفتر میں تباہی پھیلا دی۔ میزیں الٹ دیں' شیشے توڑ دیے اور پھر اس نے اپنے اندرونی لباس سے ایک بم نکال کر کمرے میں پھینک دیا' ہمارے اس آدمی نے بمشکل اسے قابو میں کیا جو جوڈو کراٹے سے واقفیت رکھتا ہے اگر وہ نہ ہوتا تو یقینی طور پر اس شخص کے ہاتھوں ہمارے کچھ اور لوگوں کو بھی نقصان پہنچ سکتا تھا میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس شخص کے پاس پستول نہیں تھا ورنہ شاید دو چار لاشیں دفتر میں پڑی ہوتیں۔“ سعدی نے کہا۔

”آپ اپنا یہ بیان لکھوا دیجیے ویسے میں ایس پی صاحب سے رابطہ قائم کر کے یہ رپورٹ انھیں پیش کرتا ہوں۔“ انسپکٹر نے کہا اور پھر وہ ہیڈ آفس فون کرنے لگا۔ ایس پی شاید اس ادارے سے واقف تھے لیکن انھیں سعدی یا ظفری سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ بہر صورت معاملہ لمبا گیا' سعدی اور ظفری کو ایس پی صاحب کے سامنے پیش ہونا پڑا۔ شکیلہ کو انھوں نے واپس گھر بھیج دیا لیکن اس سے کہا تھا کہ مطلق صاحب کو ابھی اس سلسلے میں کوئی تفصیل نہ بتائی جائے' ورنہ وہ اور بیگم صاحب پریشان ہو جائیں گے۔

ظفری اور سعدی کے بیانات لکھے گئے پھر مضطرب صاحب سے معلومات حاصل کی گئیں اور پولیس انسپکٹر نے ایک رپورٹ تیار کر کے ایس پی صاحب کے پاس بھجوا دی جہاں سے انھیں فوراً ہی طلب کر لیا گیا۔ باقی لوگوں کو لاک اپ میں نہیں بٹھایا گیا لیکن انسپکٹر نے کہا تھا کہ ضروری کارروائی ہونے تک وہ انھیں تھانے ہی میں روکنا چاہتا ہے۔

سعدی نے اس کی اجازت دے دی اور وہ ایس پی صاحب کے سامنے پہنچ گئے۔ ایس پی صاحب نے انھیں کرخت نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"تو آپ ہیں وہ حضرت جو یہاں ایک پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ چلا رہے ہیں؟"

"جو کچھ بھی آپ خیال فرمالیں ایس پی صاحب۔ ہمارا ادارہ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ نہیں ہے بلکہ بس ہم مناسب معاوضہ لے کر لوگوں کی مشکلات حل کرتے ہیں۔"

"کیسی مشکلات؟"

"وہ جو قانون کے دائرے کے اندر ہوں۔"

"مثلاً میں اس کی مثال چاہتا ہوں۔"

"مثلاً اگر کسی کے ذاتی اختلافات کسی سے ہوں تو ہم ان میں مفاہمت کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے ہی دوسرے چھوٹے موٹے معاملات۔"

"لیکن یہ کام تو پولیس کا ہے؟"

"ہرگز نہیں یہ کام عام لوگوں ہی کا ہے پولیس تو صرف جرائم کی بیخ کنی کرتی ہے۔"

"اور آپ کسی مجرم کی مدد نہیں کرتے؟"

"ہرگز نہیں۔ ہمارے قوانین میں یہ درج ہے ہم کوئی بھی ایسا کام ہاتھ میں نہیں لیتے جو پولیس کے لیے ناخوشگوار ہو۔"

"ہوں۔ یہ آڑ تو لی ہی جاتی ہے لیکن آپ لوگ باقاعدہ جرم کر رہے ہیں۔ پرائیویٹ جاسوسی کی ہمارے ملک میں اجازت نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن میں کہہ چکا ہوں کہ میرا ادارہ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ نہیں ہے۔"

"خیر یہ تمام تفصیلات تو بعد میں معلوم ہو ہی جائیں گی۔ ہمیں اس شخص کے بارے میں بتایئے جو اچانک آپ کے دفتر میں گھس آیا تھا اور جس نے آپ کے ادارے میں توڑ پھوڑ مچائی اور جسے آپ لوگوں نے مل کر شدید زخمی کر دیا۔"

"میں آپ سے درخواست کرتا ہوں ایس پی صاحب کہ اس شخص کے بارے میں براہ

کرم مجھے تفصیلات بتایئے تاکہ میں اس کے خلاف کسی کارروائی کا آغاز کر سکوں۔"

"ہوں۔ مسٹر ظفری اور مسٹر سعدی معاملہ الجھا ہوا ہے میں آپ کو حراست میں نہیں لینا چاہتا لیکن جو کچھ ہوا ہے اس کے لیے آپ کو کوئی بہتر ضمانت پیش کرنا ہوگی۔"

"بیگم ہدایت پور اس وقت یورپ گئی ہوئی ہیں۔ ڈی آئی جی آفتاب احمد صاحب کا اچانک تبادلہ ہو گیا ہے اگر آپ لوگ پسند کریں تو ان سے رابطہ قائم کر کے ہمارے بارے میں ہدایت لے سکتے ہیں۔"

"نہیں سوری ڈی آئی جی صاحب سرحد کے علاقے میں ہیں اور انھیں جس کام پر معمور کیا گیا ہے اس سلسلے میں وہ بہت معروف ہیں چنانچہ ہم کسی طور پر ان کو پریشان نہیں کر سکتے۔ خاص طور سے ایک ذاتی مسئلے میں!"

"تو پھر آپ جس طرح مناسب سمجھیں۔ ویسے سمن آراء ہدایت پور آتی ہوں ہم ان کا انتظار کر رہے ہیں۔" ایس پی صاحب خاموش ہو گئے۔ ان کا رویہ ان کے ساتھ بہتر نہیں تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ انھیں پسند نہ کرتے ہوں۔

"سمن آراء ہدایت پور پہلے پولیس اسٹیشن پہنچیں اور اس کے بعد پولیس ہیڈ آفس آ گئیں۔ یہاں انھوں نے سعدی اور ظفری سے ملاقات کر کے تمام تفصیلات معلوم کیں ایس پی صاحب بھی وہاں موجود تھے۔ سمن آراء اپنے ساتھ ضمانت کے لیے کاغذات لائی تھی ایس پی صاحب نے خود ان کا استقبال کیا تھا۔ سمن آراء نے کہا۔

"جو کچھ ہوا ہے مجھے اس کی نوعیت یا تفصیلات نہیں معلوم لیکن میں اس پورے ادارے کی ضمانت لینا چاہتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے آپ کی ضمانت قبول کی جائے گی مس ہدایت پور۔ براہ کرم آپ ضروری کاغذات پر کر لیں اور میں آپ لوگوں سے بھی عرض کرتا ہوں کہ پولیس سے بہتر تعاون کریں۔ ابھی دفتر کو کھولنے کی کوشش نہ کی جائے۔ ضمنی کارروائی ضروری ہے۔"

''بہتر' لیکن ایک درخواست کی جاتی ہے آپ سے کہ ہماری غیر موجودگی میں دفتر کو کھولنے کی کوشش آپ بھی نہ کیجیے گا۔''

''نہیں نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ ویسے بھی قانون اتنا خود مختار نہیں ہے۔'' ایس پی نے انھیں یقین دلایا۔ سمن آراء ہدایت پور نے تمام کاغذی کارروائی پوری کی اور پھر ان لوگوں کی ضمانت دے دی گئی۔

تھانے سے باقی لوگوں کو ریلیز کر دیا گیا تھا۔ سعدی اور ظفری سمن آراء کے ساتھ پولیس ہیڈ آفس سے نکل آئے۔ دونوں بری طرح الجھے ہوئے تھے۔ سمن آراء ہدایت پور بھی پریشانی کا شکار تھی پھر اس نے کہا۔

''کیا خیال ہے کہاں چلیں؟ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کے گھر چلوں یا پھر ہم لوگ کسی ہوٹل میں بیٹھ کر گفتگو کریں؟''

''گھر پر میں آپ کو کسی مناسب وقت پر خوش آمدید کہوں گا سمن' لیکن اس وقت براہ کرم کسی ہوٹل میں بیٹھ کر تفصیل سن لیجیے۔''

''ہاں آیئے آیئے۔'' سمن نے کہا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک ریستوران میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سعدی اور ظفری منہ ہاتھ دھو آئے تھے۔ سمن آراء پریشان نگاہوں سے انھیں دیکھ رہی تھی۔ ان ہنس مکھ لوگوں کے چہروں پر پریشانی کی یہ جھلکیاں پہلی بار دیکھی تھیں اور اسے دلی افسوس ہو رہا تھا۔

''ہاں تو صورت حال بتایئے۔'' اس نے کہا۔

اور ظفری اسے تمام تفصیلات بتانے لگا۔ سمن آراء بولی۔

''میں آپ لوگوں کے لیے اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں۔ کاش امی یہاں ہوتیں وہ تو ان معاملات کو سنبھالنے کی پوری پوری اہلیت رکھتی ہیں تاہم میں سیکرٹری کو بلا لیتی ہوں وہ آپ لوگوں کو تنہا نہیں چھوڑے گا۔ آپ بالکل مطمئن رہیے۔ ویسے میں خود بھی یہیں موجود ہوں اس شخص

کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو جائیں تو پتا چلے کہ وہ خود کیا چیز تھا ممکن ہے کہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ وہ ذہنی مریض تھا اور اس طرح آپ کی پریشانیاں دور ہو جائیں۔''

''شاید۔'' سعدی نے جواب دیا۔ تب سمن آراء بولی۔

''میرے لیے کسی ہوٹل میں کمرہ بک کرا دیجیے۔ یہ انتظام آپ ہی کو کرنا ہوگا۔''

''بسر و چشم۔ بسر و چشم۔ ویسے آپ سیکرٹری کو بھی فون کر دیں کیونکہ بیگم صاحبہ کے سیکرٹری کی حیثیت سے اس کی معلومات خاصی وسیع ہوں گی۔'' سعدی نے کہا۔ کچھ ایسا عجیب موقع آ گیا تھا کہ وہ لوگ خود کو ایک دم خالی خالی محسوس کر رہے تھے۔ انھیں یوں لگ رہا تھا جیسے اب تک وہ جو کچھ کرتے رہے ہوں' ایک کھیل سا ہو انھوں نے اپنی اتنی مضبوط جڑیں نہیں گاڑیں تھیں جتنی ضرورت تھی اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ وہ صحیح طور پر جاسوس نہیں تھے بلکہ یہ جاسوسی تو خود بخود ان پر مسلط کر دی گئی تھی۔ بہر طور ہوٹل میٹرو میں سمن آراء ہدایت پور کو مقیم کیا گیا اور ایک خوبصورت کمرہ اس کے لیے حاصل کیا گیا۔ سمن آراء نے وہیں سے سیکریٹری کو دارالحکومت پہنچنے کی ہدایت کی تھی اس نے ان لوگوں سے کہا کہ وہ اپنے طور پر جو کچھ کرنا چاہتے ہوں کرتے رہیں وہ یہاں سکون سے ہے کوئی ایسی مشکل نہیں جو اسے پیش آئے یہاں اس کی کئی سہیلیاں بھی ہیں جنھیں وہ طلب کر لے گی۔ اس نے انھیں اطمینان دلایا کہ وہ بے فکر رہیں وہ تمام معاملات کو کسی نہ کسی طرح سنبھال لے گی۔

ڈی آئی جی صاحب آفتاب احمد کے بارے میں اسے بھی معلومات نہیں تھیں کیونکہ ڈی آئی جی صاحب کی یہاں سے روانگی بالکل ہی اچانک ہوئی تھی۔ ورنہ وہ اس قسم کے نہیں تھے کہ ان سے ملاقات کر کے نہ جاتے۔ بہر طور سعدی اور ظفری وہاں سے واپس آ گئے۔ گھر پہنچے شکیلہ کو اس سلسلے میں تمام تفصیلات بتائیں۔ مطلق صاحب کو بھی ان تمام باتوں سے نا آشنا رکھنا حماقت تھی کیونکہ اب وہ خود بھی اس ادارے میں شامل ہو گئے تھے۔ آج مصروفیت تھی اس لیے نہیں گئے تھے لیکن کل بہر طور وہ جائیں گے اور انھیں حالات کا پتا چل جائے گا۔''

مطلق صاحب یہ تمام تفصیلات سن کر بری طرح پریشان ہو گئے تھے پھر انھوں نے کہا۔

"تو پھر اس سلسلے میں اب کیا ہوگا اس شخص کے بارے میں معلومات تو حاصل کی جائیں کہ وہ کون ہے؟"

"ہاں' میں بھی سوچ رہا ہوں۔ آؤ ظفری تیار ہو جاؤ' ہم اسپتال چلیں گے کم از کم پتا تو لگایا جائے کہ وہ شخص ہے کیا چیز۔" ظفری نے گردن ہلا دی تھی۔ شکیلہ خود بھی ان کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی اور تینوں تھوڑی دیر کے بعد تیار ہو کر کار میں چل پڑے مطلق صاحب نے بھی فرمائش کی تھی کہ وہ بھی ساتھ چلیں گے۔ لیکن سعدی نے ان سے کہا تھا کہ وہ دوسرے معاملات کے لیے خود کو تیار رکھیں پتا نہیں یہ سلسلہ کب تک جاری رہے اور کیا کیا مشکلات پیش آئیں۔

چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ اسپتال پہنچ گئے' یہاں اس کمرے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں دقت نہ ہوئی جس میں وہ شخص مقیم تھا پولیس وہاں موجود تھی لیکن جس وقت وہ لوگ کمرے کے دروازے پر پہنچے تو ان کی ملاقات پولیس انسپکٹر سے ہوئی وہ خود بھی وہیں آیا ہوا تھا اور ابھی کمرے میں داخل نہیں ہوا تھا اس وقت ان کا رویہ ان لوگوں کے ساتھ بہتر تھا اس نے مسکرا کر سعدی اور ظفری کو ہیلو کہا پھر بولا۔

"آپ کو علم ہو گیا کہ یہ شخص کون ہے میرا مطلب ہے وہ جس نے آپ کے آفس میں تباہی مچائی تھی۔"

"نہیں' ہم لوگ ابھی آ رہے ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

"شہر کا ایک بہت بڑا صنعتکار جاوید عمرانی غالباً آپ نے اس کا نام سنا ہوگا۔ بڑا دولت مند آدمی ہے۔ خاصی اچھی شہرت کا مالک۔" انسپکٹر نے بتایا۔

"اوہ۔ آپ اس سے مل چکے ہیں؟ میرا مطلب یہ ہے کہ کیا وہ ہوش میں آ گیا ہے؟"

"مجھے ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ وہ ہوش میں آ گیا ہے یہاں سے مجھے فون کیا گیا

تھا۔ ایس پی صاحب بھی تھوڑی دیر کے بعد آنے والے ہوں گے۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"آئیے' ہم اس سے ملیں۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ لوگ چند لمحات باہر توقف کریں۔ محسوس نہ کریں اس بات کو' دیکھیے نا پولیس کی اپنی ذمہ داریاں بھی کچھ ہوتی ہیں۔ مجھے آپ کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں تھیں اس لیے میرا رویہ بہتر نہ رہا' لیکن اس کے لیے میں نے آپ سے معافی مانگ لی ہے۔"

"کوئی بات نہیں انسپکٹر آپ چونکہ نئے ہیں اس لیے یہ بات نہیں جانتے کہ ہمارے پولیس سے بہت بہتر تعلقات رہے ہیں اور کبھی بھی پولیس کو ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔"

یقیناً' یقیناً ایسا ہی ہوگا۔ آپ کے تعلقات تو ویسے بھی بہت بڑے بڑے لوگوں سے ہیں۔ ایس پی صاحب تشریف لے آئیں' اس کے بعد میں ان سے ہدایت لے لوں گا کہ آپ کو اس شخص سے ملاقات کی اجازت دی جائے یا نہ دی جائے' آپ براہ کرم محسوس نہ کریں ویسے آپ تشریف رکھیے۔" انسپکٹر نے کہا اور اندر چلا گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی اور انسپکٹر کمرے سے باہر بھی نہیں نکلا تھا کہ ایس پی صاحب بھی پہنچ گئے۔

ان لوگوں نے ان سے ملنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایس پی صاحب کمرے کے اندر چلے گئے اور پھر تقریباً پانچ یا سات منٹ کے بعد انسپکٹر برآمد ہوا' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"براہ کرم آپ لوگ تشریف لے آئیے۔" سعدی' ظفری اور شکیلہ اندر داخل ہوئے۔ اندر ایک بیڈ پر وہ شخص موجود تھا۔ اس وقت وہ پرسکون نظر آ رہا تھا۔ زخموں پر ٹیپ چپکا دیے گئے تھے ویسے کوئی شدید زخم نہیں آیا تھا اس کو البتہ ٹیٹو نے اس کی اچھی خاصی پٹائی کر دی تھی جس سے اسے ابھی تک تکلیف ہو رہی تھی۔ انھیں دیکھ کر اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار پھیل گئے۔ اس نے کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کی لیکن قریب کھڑی ہوئی نرس نے کہا کہ وہ آرام کرے اور اسی طرح لیٹے لیٹے اپنے دوستوں سے باتیں کرے۔

"میں ایس پی صاحب کو اپنا بیان دے چکا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح آپ لوگوں سے معذرت کروں البتہ میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ جو نقصان آپ کو میری وجہ سے ہوا ہے اسے پورا کرنا میری ذمہ داری ہے۔ بدقسمتی ہی کہہ لیجیے اسے میری کہ مجھ پر کبھی کبھی جنون کے دورے پڑ جاتے ہیں۔ مجھے اپنے دورے کی کیفیت یاد رہتی ہے لیکن جو کچھ میں کر رہا ہوتا ہوں' وہ غیر اختیاری ہوتا ہے میں کوشش کے باوجود اپنے آپ کو باز نہیں رکھ سکتا۔ میں ایس پی صاحب کو بیان دے چکا ہوں کہ ان شریف لوگوں کا میرے معاملے میں کوئی قصور نہیں ہے۔ یہ جو کچھ ہوا ہے' میری وجہ سے ہوا ہے اور میں اس کا مکمل طور پر ذمہ دار ہوں۔ اب آپ لوگوں کو پریشان کرنے کے سلسلے میں مجھ پر جو بھی ذمہ داری عائد کی جائے گی میں اسے قبول کروں گا۔"

"جاوید عصرانی صاحب' آپ نے ان لوگوں کا پورا دفتر تباہ کر کے رکھ دیا ہے' ان کا کاروبار رک گیا اور انھیں خواہ مخواہ پولیس کے ہاتھوں پریشان ہونا پڑا۔ یہ ساری باتیں بڑی تکلیف دہ ہیں۔ لیکن آپ نے فرمایا ہے کہ آپ کو اس قسم کے دورے پڑتے ہیں۔ بہر طور آپ کا بیان ہمارا آدمی تحریر کرے گا اور اس کے بعد جو بھی کاروائی اس سلسلے میں آپ لوگوں کے درمیان طے پائے گی' وہی کی جائے گی۔ مسٹر سعدی' ظفری اور مس شکیلہ میں آپ لوگوں سے معذرت کرتا ہوں کہ آپ کو تکلیف اٹھانا پڑی۔ آپ اس سلسلے میں مسٹر جاوید عصرانی پر کیس قائم کر سکتے ہیں۔ اس کی آپ کو مکمل طور پر اجازت ہے۔" جاوید عصرانی غمناک نگاہوں سے انھیں دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

"ہاں۔ آپ لوگ مجھ سے جو بھی چاہیں گے میں کروں گا۔ جو کچھ میرے ہاتھوں ہو چکا ہے اسے میری بدنصیبی تصور فرمایئے اور آفیسر مجھے اجازت دی جائے کہ میں ان لوگوں سے آزادانہ طور پر ملاقات کر سکوں اگر پولیس میرے اوپر کوئی کیس قائم کرنا چاہتی ہے تو میرا وکیل اس سلسلے میں ملاقات کرے گا۔"

"وہ بم آپ کو کہاں سے حاصل ہوا تھا؟" پولیس افسر نے پوچھا۔

"خدا کی قسم مجھے اس کا علم نہیں۔ خدا بہتر جانتا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں آپ کے بیان سے مطمئن ہوں۔ پولیس ڈاکٹر سے مل لیتا ہوں' وہ آپ کے بارے میں جو کچھ بھی کہیں گے آپ کو اس کی اطلاع پہنچا دی جائے گی۔" ایس پی صاحب نے کہا اور پھر وہ اٹھ گئے۔ انھوں نے سعدی اور ظفری سے ہاتھ ملایا تھا۔ اور ایک بار پھر انھوں نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ لوگوں کو زحمت ہوئی۔ اب معاملہ آپ کے اور مسٹر عصرانی کے درمیان رہ گیا ہے۔ آپ لوگ خود بھی اس سلسلے میں جو فیصلہ کریں پولیس کو اس سے مطلع کر دیں۔"

پولیس آفیسر وہاں سے چلا گیا جاوید عصرانی نے نرس کے ذریعے اپنے گھر والوں کو فون کرا دیا تھا دو تین افراد وہاں پہنچ گئے جن میں جاوید عصرانی کی بیٹی بھی شامل تھی۔ اس صورت حال سے وہ لوگ بڑے پریشان نظر آتے تھے۔

بہر طور جاوید عصرانی کو اس اسپتال سے منتقل کر کے ایک دوسرے پرائیویٹ اسپتال میں لے جایا گیا۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ بھی چلے آئے تھے۔ واپس آ کر انھوں نے مطلق صاحب کو تفصیل بتائی پھر وہ سمن آراء ہدایت پور سے ملنے چل پڑے۔ اب اس کی ضرورت نہیں تھی سمن آراء کے پاس اس کا سیکریٹری پہنچ گیا تھا۔ اور وہ اس کو ہدایت جاری کر چکی تھی کہ ان لوگوں کو جس شکل میں بھی ممکن ہو سکے مدد دی جائے لیکن اب صورت حال ہی مختلف ہو گئی چنانچہ سمن آراء نے اپنے سیکریٹری کو فون کر کے واپس بلا لیا اور کہنے لگی۔

"یہ جو کچھ بھی ہوا ہے' مجھے اس کا افسوس ہے' اب مجھے بتاؤ میں کیا کروں' تمھارا آفس دوبارہ سیٹ ہونے میں بھی ابھی تو وقت لگے گا۔"

"کچھ حرج نہیں ہے مس سمن آراء' ہم ضروری تیاریاں کر لیں گے۔ آفس تو بہر طور جاری رہے گا لیکن سب سے بڑی الجھن ڈی آئی جی آفتاب احمد کے چلے جانے کی ہے۔ ان کی وجہ سے ہمیں بڑی ڈھارس تھی۔ یقین تھا کہ اگر میں انھیں ایک فون کر دیتا تو اس پولیس آفیسر کی یہ مجال نہ ہوتی کہ وہ میرے دفتر کو بند کر کے تالا لگا دیتا۔"

"ہاں' اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ بہرطور امی واپس آ جائیں اس کے بعد اس سلسلے میں بھی کوئی نہ کوئی مناسب کارروائی کر لی جائے گی۔" سمن آرا نے کہا۔

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے؟"

"میں اپنی ایک سہیلی کے ساتھ رات کو ایک پارٹی میں شریک ہوں گی۔ اس پارٹی کی دعوت مجھے پہلے سے تھی لیکن میں نے منع کر دیا تھا۔ اب یہاں آئی ہوں تو شامل ہو جاؤں اور اس کے بعد رات کو ہی کسی وقت واپس چلی جاؤں گی۔ میرے لائق اور کوئی خدمت ہو تو بتایئے آپ لوگ۔"

"نہیں' بہت بہت شکریہ آپ نے بروقت ہماری بھرپور مدد کی ہے ورنہ آپ نہ ہوتیں تو مشکلات میں کچھ اور اضافہ ہو جاتا۔"

سمن آرا ہدایت پور سے فارغ ہو کر بالآخر وہ گھر پہنچ گئے۔ اس وقت دفتر کی طرف رخ کرنا بھی حماقت تھی۔ بری طرح تھکن ہو گئی تھی۔ رات کو دیر تک اس سلسلے میں میٹنگ ہوتی رہی یہ بھی شکر تھا کہ اس بڑے آدمی نے اس بات کا اعتراف کر لیا تھا کہ اس کو جنون کا دورہ پڑا تھا اگر اس کی بے ہوشی ہی طویل ہو جاتی یا پھر ممکن ہے اسے یاد نہ رہتا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے تو بڑی مصیبت پیش آ سکتی تھی۔ خاصے ہنگامے ہوتے اور بات نہ جانے کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی۔ مضطرب صاحب زخمی ضرور ہوئے تھے لیکن اتنے نہیں کہ انھیں اسپتال پہنچانا پڑتا۔ تاہم وہ اچھے خاصے نڈھال محسوس ہو رہے تھے۔

دوسرے دن ٹیٹو اور دوسرے افراد گھر پہنچ گئے۔ جادو اور ڈھل نے بتایا کہ پولیس والے شام ہی کو واپس چلے گئے تھے لیکن وہ ساری رات دفتر کے سامنے پہرہ دیتے رہے تھے۔ صبح کو تمام تیاریوں کے ساتھ وہ لوگ دفتر چل پڑے۔ دفتر کھلوا گیا اور یہاں کی تباہی کا جائزہ لیا گیا۔ کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے تھے۔ سامان منتشر پڑا ہوا تھا۔ ڈیکوریشن پیس چور چور ہو گئے تھے۔ لیکن یہ تباہی ایسی نہیں تھی کہ جسے درست نہ کیا جا سکتا' تمام لوگوں نے مل کر میزیں

وغیرہ سیدھی کیں' قالین وغیرہ جھاڑے گئے اور اس کے بعد عارضی طور پر دفتر بھی لیا گیا۔

ایک شیشہ لگانے والے کو بلایا گیا تھا۔ وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ بہرطور یہ حادثہ ان لوگوں کو خاصا مضمول کرنے کا باعث بن گیا تھا۔ سمن آرا ہدایت پور بھی دن کو تقریباً گیارہ بجے ان کے پاس پہنچ گئی۔ دفتر کو دیکھ کر اس نے بڑے افسوس کا اظہار کیا تھا۔ وہ ہدایت پور جانے والی تھی لیکن رات کو اس کے دوستوں نے اسے روک لیا تھا۔ کافی دیر تک وہ ان کے ساتھ رہی اور دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد رخصت ہو گئی۔

سعدی' ظفری اور شکیلہ اسی مسئلے پر گفتگو کرنے لگے۔ جاوید عمرانی نے انھیں تیس ہزار روپے پیش کیے تھے۔ وہ ابھی تک ان کے پاس ہی محفوظ تھے۔ ویسے یہ بھی شکر تھا کہ دفتر کا ریکارڈ محفوظ تھا لیکن ان سب کو ڈی آئی جی آفتاب احمد کے چلے جانے کا افسوس تھا۔ سعدی نے کہا۔

"یہ معلوم کرنا ہو گا کہ آفتاب احمد صاحب کا ٹرانسفر سرحد کے کون سے علاقے میں ہوا ہے۔ ان سے ہمیں بڑی ڈھارس تھی۔"

"لیکن یہ بھی تو پتا چلا ہے کہ وہ کسی ایسے کام میں مصروف ہیں جس کی وجہ سے انھیں ڈسٹرب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بہتر یہ تھا کہ جب وہ خود ہی ہم سے رابطہ قائم کریں تو ہم ان سے ملاقات کریں۔"

"پتا نہیں یہ سب کیا چکر بازی ہے لیکن ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پر پہلی بار برا وقت پڑا ہے۔"

"برا وقت پڑا تھا لیکن اب تو وہ ٹل گیا۔" شکیلہ نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں' لیکن سوچنے کے لیے بہت کچھ چھوڑ گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہماری اپنی ذاتی حیثیت کیا ہے۔ ڈی آئی جی آفتاب احمد صاحب جب تک یہاں تھے ہم بالکل بے فکر تھے اور ہمیں امید ہوتی تھی کہ وہ ہمارے کسی بھی مسئلے کو سنبھال لیں گے۔ لیکن اب نئے ڈی آئی جی آ گئے ہیں' احسان علی صاحب کون ہیں' کیا ہیں اس بارے میں کچھ

معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ چنانچہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی کارروائیاں محدود کرنا ہوں گی اور ہمیں یہاں موجود چیزوں میں سے بھی کچھ کی ردوبدل کرنا ہوگی۔''

''یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بہر طور لوگ تسلیم کر چکے ہیں کہ ہمارا ادارہ تخریبی کام نہیں کرتا اور ہم بہر طور ایک نیک نام حیثیت رکھتے ہیں۔''

''ہاں' لیکن اب کچھ دن تک مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ اس حادثے نے میرے دماغ کی چولیں ڈھیلی کردی ہیں۔'' سعدی نے کہا۔

''یار سعدی بات صرف ایک ہے' ہم لوگ اس قابل ہیں ہی نہیں کہ اتنے بڑے ادارے کو سنبھال سکیں' اپنی اوقات سے بہت آگے بڑھ گئے تھے ہم۔ میرا خیال ہے ہمیں اپنی اوقات میں واپس آجانا چاہیے۔''

''اب واپسی مشکل ہے یہ اتنا سارا اسٹاف جو جمع کرلیا ہے اس کا کیا ہوگا؟''

''ان شریف لوگوں کے لیے بہر طور کوئی نہ کوئی بندوبست کریں گے بس ذرا بددلی سی ہوگئی ہے یا پھر یوں ہونا چاہیے کہ ہمیں اپنے تعلقات وسیع سے وسیع تر کرنے چاہئیں۔ ہمارے پاس دو ہی مہرے تھے' بیگم جہاں آراء ہدایت پور اور ڈی آئی جی آفتاب احمد صاحب۔ چلیے جہاں آراء ہدایت پور تو واپس آجائیں گی لیکن آفتاب احمد کی کمی پوری کرنا مشکل ہے۔ اس لیے اب نئے سرے سے کچھ سوچنا ہوگا۔ ورنہ یا گاڑی چلنا مشکل ہے۔'' ظفری نے کہا اور سب سوچ میں ڈوب گئے۔

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو اسی پیمانے پر آراستہ کردیا گیا تھا' لیکن ذہنی طور پر وہ خود کو ابھی تک ایڈجسٹ نہ کر پائے تھے۔ سب ہی اس حادثے سے متاثر معلوم ہوتے تھے' جاوید عصرانی کی طرف سے کئی بار ٹیلی فون آچکا تھا۔ وہ اسپتال سے گھر چلا گیا تھا لیکن ابھی آرام کررہا تھا' اس نے کہا تھا کہ کسی وقت ان کے دفتر کا معائنہ کرے گا۔ اس نے انتہائی معذرت کی تھی' ویسے ظفری ایک بار اس کے پاس جاکر اس کی دی ہوئی رقم واپس کر آیا تھا۔

جاوید عصرانی نے انتہائی کوشش کی تھی کہ وہ رقم وہ لوگ اپنے طور پر رکھ لیں اور اس

نقصان کا ازالہ کریں جو انہیں اس کے ہاتھوں پہنچا ہے۔ لیکن ظفری اس کے لیے تیار نہیں ہوا تھا' البتہ اس نے جاوید عصرانی سے پوچھا تھا۔

''میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں' بلکہ میں ہی نہیں' میرا پورا ادارہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ کیا آپ واقعی کسی مشکل میں گرفتار ہونے کے بعد ہمارے پاس پہنچے تھے؟''

اس کے جواب میں جاوید عصرانی نے جو کچھ بتایا تھا وہ بڑا حیرت انگیز تھا' اس نے کہا تھا۔

''نہیں میں کسی مشکل کا شکار نہیں ہوں۔ بس تقریباً دو یا ڈھائی ماہ سے مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی چیز میرے ذہن میں چبھ رہی ہے' بعض اوقات مجھے اپنے کانوں میں ایسی آواز محسوس ہوئی جیسے کوئی مجھے آپ لوگوں کے پاس پہنچنے کی ہدایت کررہا ہو' ایک عجیب سی ذہنی کیفیت میرے اوپر مسلط ہو جاتی ہے اور اس دن بھی میں ایسی ہی کیفیت کا شکار تھا۔ مجھ سے کہا گیا کہ میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ جاؤں اور آپ لوگوں کو اپنی کسی مشکل کے حل کے لیے آمادہ کروں' اس دن یہ آواز مجھ پر اس طرح حاوی ہوئی کہ میں اپنی ذہنی قوتیں کھو بیٹھا اور آپ لوگوں کے پاس پہنچ گیا۔ آپ یقین کریں مجھے اپنی اس حرکت پر سخت ندامت تھی۔ یعنی میری ذہنی قوتیں مسلسل کام کررہی تھیں' میں تخریب کاری نہیں چاہتا تھا۔ لیکن وہ آواز جو مجھ پر مسلط تھی' مجھے مسلسل مجبور کررہی تھی کہ میں وہی سب کچھ کروں' جو میں نے کیا۔ میں ایک لمحے کے لیے ساکت ہوگیا تھا۔ میں جو کچھ کررہا تھا' میرا ضمیر اس کی نفی کررہا تھا لیکن نہ جانے میں کس قوت کے زیر اثر تھا' مجھے ہدایات مل رہی تھیں' میں نہیں جانتا کہ میرے دماغ میں کیا خرابی ہوگئی تھی' میں نے وہی سب کچھ کیا جس کی مجھے فوری طور پر ہدایت ملی تھی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ہٹلر ہوں اور آپ سب لوگ اسی دور سے تعلق رکھتے ہوں' مجھے یاد نہیں کہ اس دوران میں نے کیا کیا بکواس کی تھی' لیکن عملی طور پر جو کچھ بھی کیا وہ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں اپنے آپ کو روکنا چاہتا تھا' لیکن میرے اعصاب میرے قابو میں نہیں تھے میری زبان میرے کنٹرول میں نہیں تھی جو کچھ کررہا تھا اسی ہدایت کے زیر اثر کررہا تھا۔''

"اوہ، یہ کیفیت کب سے ہے؟"

"میں نے کہا نا، ڈیڑھ یا دو ماہ کے عرصے میں یہ سب کچھ ہوا ہے۔"

"اس کی کوئی ایسی وجہ، جو آپ کے ذہن میں چبھتی ہو؟"

"نہیں، کچھ بھی نہیں یقین کریں کچھ بھی نہیں۔ مجھے یاد ہی نہیں آتا کہ میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں اور کب ہوا، کچھ سمجھ میں نہیں آتا، لیکن جب میں اس آواز کے اثر سے نکلتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں جو کچھ کر چکا ہوں غلط کر چکا ہوں، یہی سب کچھ اس وقت بھی ہوا تھا، ہوش میں آنے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں کوئی بہت بڑا گناہ کر کے آیا ہوں، میں نے اپنے ذہن پر زور دیا تو مجھے سارے واقعات یاد آ گئے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ میری وجہ سے مزید کسی پریشانی کا شکار نہیں ہوئے آپ کے دفتر میں جو کچھ ہوا اس کے لیے میں آپ سے ہمیشہ شرمندہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے عمرانی صاحب، بہر طور ان تمام حالات کے باوجود ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہے۔" ظفری نے کہا۔

"تو پھر بات تو بن گئی۔" عمرانی نے چونک کر کہا۔

"کیا مطلب؟ میں نہیں سمجھا۔"

"مطلب یہ کہ آپ اس آواز کا سراغ لگائیے۔" عمرانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں، اس طرح نہیں، یہ مناسب نہیں ہوگا۔"

"کیوں؟"

"اس انداز میں کام کرنا ہم لوگوں کو پسند نہیں ہے۔" ظفری نے کہا۔

"نہ جانے آپ کیا سوچ رہے ہیں ظفری صاحب، میں تو آپ لوگوں کو ایک کام کے لیے معاوضہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یوں سمجھیے کام تھا نہیں نکل آیا۔" جاوید عمرانی نے کہا۔

"خیر اس بات کو ابھی رہنے دیں، میں اس سلسلے میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کروں گا اور اس کے بعد کوئی فیصلہ کروں گا۔"

چنانچہ ظفری نے یہ سلسلہ سعدی کے سامنے پیش کر دیا لیکن سعدی نے انکار کر دیا تھا۔

"نہیں، ہم یہ کیس نہیں لیں گے۔"

"وہ کیوں سعدی؟" ظفری نے پوچھا۔

"ممکن ہے اس طرح عمرانی ہمیں ہمارے اس نقصان سے بچانا چاہتا ہو، چاہے بات کچھ بھی ہو، لیکن بہتر یہی ہے کہ ہم اسے اپنے آپ سے دور ہی رکھیں، میں اسے دوبارہ اپنے آفس میں دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

"اور وہ اگر کبھی آ گیا تو؟"

"دیکھا جائے گا، اس مسئلے میں پہلے سے سوچنا کسی طور مناسب نہیں ہے۔ اگر وہ کبھی آ ہی گیا تو اس پر وقت سے پہلے قابو پانے کی کوشش کرنا مناسب ہوگا۔" سعدی نے کہا۔ ظفری اور شکیلہ متفکرانہ انداز میں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے۔

چند دن اور گزر گئے، لیکن جاوید عمرانی نے ان کے دفتر میں آنے کی کوشش نہیں کی تھی، البتہ کئی بار وہ ان سے فون پر رابطہ قائم کر چکا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ اگر کوئی وقت ہو تو اسے بتا دیا جائے۔ بیگم ہدایت پور لندن میں ہی تھیں اور خیال یہ تھا کہ وہ وہاں طویل قیام کریں گی۔

حالات آہستہ آہستہ پرسکون ہوتے جا رہے تھے، بہت دن سے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو کوئی کیس نہیں ملا تھا، لیکن اس شام چار بجے انھیں ایک فون موصول ہوا۔

"ہیلو، ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ؟"

"جی فرمائیے کون صاحبہ ہیں آپ؟" سعدی نے پوچھا۔

"میں آپ لوگوں سے ملنا چاہتی ہوں۔ لیکن میرے اوپر کچھ ایسی پابندیاں ہیں، جن کی وجہ سے میں آپ کے پاس نہیں پہنچ سکتی۔"

"ملنے کا مقصد کیا ہوگا؟" سعدی نے پوچھا۔

"میں آپ کے ادارے سے ایک کام لینا چاہتی ہوں۔" نسوانی آواز نے کہا۔

”آپ کو ہمارے ادارے کے بارے میں تفصیلات معلوم ہیں؟“

”ہاں۔ یہ کہ آپ کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتے اور جو کچھ کرتے ہیں اس کا معاوضہ پچیس ہزار روپے طلب کرتے ہیں۔“

”بالکل ٹھیک‘ تو آپ کا کام بالکل غیر قانونی نہیں ہے؟“ سعدی نے پوچھا۔

”قطعی نہیں۔ بس میں اپنی ایک مشکل کا حل آپ کے ذریعے حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ براہ کرم اپنے کسی نمائندے کو اس پتے پر بھیج دیجیے۔ میں اس سے ملاقات کر لوں گی۔“

”پتا بتایئے۔“

”کراؤن ولا‘ ایک روڈ۔“ لڑکی نے جواب دیا۔

”براہ مہربانی اپنا نام بھی بتا دیجیے۔“

”جی ہاں‘ جی ہاں‘ آپ مجھے یہاں نسیم گل کے نام سے یاد کر سکتے ہیں۔“

”بہتر نسیم گل صاحبہ۔ آپ سے ملاقات کے لیے آنے والے کو کوئی قباحت تو نہیں ہو گی؟“

”ہرگز نہیں‘ آپ بے دھڑک یہاں آیئے۔ میرا نام معلوم کیجیے میں آپ سے مل لوں گی۔“

”لیکن آپ کو یہاں آتے ہوئے کیا مشکلات درپیش ہیں؟“

”سنیے میں نہیں چاہتی کہ کچھ لوگ مجھے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے آفس میں داخل ہوتے ہوئے دیکھیں۔“

”اوہ۔ اس کا مقصد ہے کہ کچھ لوگ آپ کی نگرانی کر رہے ہیں۔“

”ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے‘ اس لیے میں محتاط رہنا چاہتی ہوں‘ آپ اپنے نمائندے کو بھیج دیجیے‘ میں سارے معاملات یہیں طے کر لوں گی۔“ لڑکی یا عورت نے جواب دیا۔

”بہتر۔ تو آپ کس وقت ہمارے نمائندے سے ملنا پسند کریں گی؟“

”اگر شام میں کسی وقت مل لیں تو بہتر ہے‘ ورنہ کل صبح کا وقت بہت بہتر رہے گا۔“

”میرا خیال بھی یہی ہے‘ کل دس بجے صبح آپ ہمارے نمائندے سے ملاقات کر سکیں گی‘ وہ آپ کو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کارڈ پیش کرے گا اور اس کا نام ظفری ہو گا۔“

”بہتر‘ میں انتظار کروں گی۔“ دوسری طرف سے جواب ملا۔ اور ٹیلی فون بند کر دیا گیا۔

سعدی‘ ظفری کی طرف دیکھنے لگا‘ اور پھر آہستہ سے بولا۔

”کیا خیال ہے‘ کام کرنے کا موڈ ہے؟“

”کیوں نہیں بھئی؟ تم تو بری طرح نروس ہو گئے ہو‘ آخر ہمیں یہ کام جاری رکھنا ہے۔“

”ہاں جاری تو رکھنا ہے۔ بس ان حالات نے ذرا بد دل کر دیا ہے۔“

”تم ضرورت سے زیادہ محسوس کر رہے ہو۔ سعدی۔ پتا نہیں آئندہ کیا حالات پیش آئیں۔ ہمیں ہر طرح کے حالات سے نمٹنے کی صلاحیت پیدا کرنی چاہیے۔“ ظفری نے کہا۔

سعدی خاموش ہو گیا۔

شام سہانی تھی‘ مطلق صاحب ان حالات سے زیادہ متاثر نہیں معلوم ہوتے تھے‘ چنانچہ اس شام اچھی خاصی تفریحی نشست رہی۔ خاصے قہقہے لگائے گئے‘ وہ لوگ اپنے ذہنوں کو اس حادثے کے اثرات سے آزاد کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور اس میں کسی حد تک کامیاب بھی رہے تھے۔

دوسرے دن ساڑھے نو بجے ظفری اپنی رہائش گاہ سے براہ راست کراؤن ولا کی جانب چل پڑا۔ باقی لوگ دفتر پہنچ گئے تھے۔ ظفری نے کراؤن ولا کو تلاش کیا۔ ایک روڈ کی شاندار کوٹھیوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ دروازے پر ایک درباری چوکیدار موجود تھا۔ ظفری نے کار باہر ہی روک دی اور اتر کر پیدل چوکیدار کی طرف چل پڑا۔ چوکیدار سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”یہاں نسیم گل صاحبہ رہتی ہیں؟“ ظفری نے پوچھا۔

”چہ چوٹا بی بی (چھوٹی بی بی) رہتا اے‘ صاحب رہتا اے۔“

"انھیں اطلاع دو کہ ظفری آیا ہے۔"

"چہ ابی تھیر وام گیٹ سے نہیں ہٹ سکتا۔ کسی کو بلاتا اے۔" چوکیدار نے کہا اور پھر دور سے گزرتے ہوئے ایک آدمی کو آواز دی۔ جب وہ شخص قریب آیا تو چوکیدار نے کہا۔

"چہ نسیم بی بی کا مہمان آیا اے۔ اس کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔"

چنانچہ ظفری اس شخص کے ساتھ سرخ بجری کی روش سے گزرتا ہوا صدر دروازے تک پہنچا' دروازے کے بائیں سمت ایک اور دروازہ نظر آ رہا تھا' اس شخص نے وہ دروازہ کھولا اور ظفری کو بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔

ظفری ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ بہت ہی کشادہ اور حسین ڈرائنگ روم تھا۔ اس کوٹھی کے شایان شان' اسے انتظار کرتے ہوئے دو منٹ بھی نہیں لگے تھے کہ ایک خوبصورت بلند قامت لڑکی اندر داخل ہوئی' اس کے ہونٹوں پر شوخی کے تاثرات تھے لیکن آنکھیں اس کے چہرے کے تاثرات کا ساتھ نہیں دے رہی تھیں۔ وہ کسی قدر گمبھیری اور روئی روئی سی تھیں۔ اس نے ہلکی سی گردن خم کر کے ظفری کو سلام کیا اور انتہائی سنجیدگی کے عالم میں ڈرائنگ روم کے اطراف کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

"آپ غالباً مسٹر ظفری ہیں؟"

"جی ہاں' آپ نسیم گل؟" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں' میں ہی نسیم گل ہوں۔ لیکن ظفری صاحب بدقسمتی سے کچھ ایسے حالات کا شکار ہوں کہ آپ کو یہاں نہیں بتا سکتی۔ کیا آپ میرا مطلب ہے' محسوس کیے بغیر یہاں سے کچھ فاصلے پر چلیں گے؟"

"کوئی حرج نہیں' ویسے اگر آپ کوٹھی سے نکل سکتی تھیں تو پھر آپ نے دفتر آنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟"

"میں آپ کو تفصیل بعد میں سمجھاؤں گی۔ میں آپ کے دفتر نہیں جا سکتی۔ ابھی یہاں

سے میں آپ کے ساتھ چلوں گی اور ہم کسی ایسی جگہ کا انتخاب کر لیں گے' جو پرسکون ہو گی' آپ خود بھی اس بات کا جائزہ لیجیے گا کہ کہیں کوئی میرا تعاقب تو نہیں کر رہا۔" لڑکی نے کہا۔

"اوہ۔ گویا آپ گھر سے تنہا نکلتے ہوئے ڈرتی تھیں؟" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں' بس یوں سمجھ لیجیے' میری پرسکون زندگی میں خواہ مخواہ کچھ مشکلات پیدا ہو گئی ہیں۔"

"کوئی ہرج نہیں' میں تیار ہوں۔ آپ لوگوں کی مشکلات کا ازالہ کرنا ہی تو ہماری ذمہ داری ہوتی ہے۔" ظفری نے جواب دیا۔

"آپ مجھے صرف دو منٹ کی اجازت دیجیے' ابھی حاضر ہوئی۔" لڑکی بولی اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔

ظفری پرسکون انداز میں بیٹھا میز کی سطح کھٹکھٹاتا رہا تھا۔ لڑکی نے دو منٹ سے زیادہ نہیں لگائے' وہ لباس تبدیل کر کے آئی تھی' آنکھوں پر سنہرے فریم کی عینک رکھنے کے بعد اس کی شخصیت میں ایک عجیب سی گھمبیرتا پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے ظفری کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا اور وہ دونوں کمرے سے باہر نکل آئے' تب لڑکی نے پوچھا۔

"آپ کے پاس آپ کی گاڑی ہو گی؟"

"جی ہاں۔ گیٹ کے باہر کھڑی ہوئی ہے۔"

"کوئی ہرج نہیں ہے' ہم اسی میں چلیں گے' آپ کو مجھے یہاں واپسی میں چھوڑنے کی زحمت نہیں کرنا پڑے گی میں ٹیکسی سے چلی آؤں گی۔"

"کوئی بات نہیں ہے' آپ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال نہ کیجیے۔" ظفری نے کہا اور لڑکی اس کے ساتھ باہر نکل آئی۔ اس دوران کوئی اور شخص نظر نہیں آیا تھا اور نہ ہی انھیں کسی نے روکنے کی کوشش کی تھی۔

گیٹ پر کھڑے ہوئے چوکیدار نے جلدی سے ذیلی دروازہ کھول دیا اور دونوں

باہر نکل آئے۔ ظفری نے کار کا دروازہ کھولا اور پھر پچھلے دروازے کا لاک کھول دیا۔ وہ لڑکی کو ساتھ بیٹھنے کی دعوت نہیں دے سکتا تھا' لیکن لڑکی گھوم کر اس کے بائیں سمت والے دروازے پر آ گئی' اور ظفری نے اس دروازے کی نوب بھی کھول دی۔ چنانچہ لڑکی دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی تھی' اندر بیٹھ کر اس نے خود ہی پچھلے دروازے کی نوب دبا دی۔ دروازہ بند ہو گیا تھا۔ ظفری نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

''کہاں چلنا ہے' ہمیں؟'' اس نے پوچھا۔

''بس چلیے یہاں سے' راستے میں کسی جگہ کا انتخاب کر لیں گے۔'' لڑکی گھبرائے لہجے میں بولی۔

''آپ شاید پریشان ہو رہی ہیں؟'' ظفری نے کہا۔

''نہیں' نہیں آپ موجود ہیں پریشانی کس بات کی۔ بس ایسے ہی خواہ مخواہ طبیعت پر اضطراب سا چھا جاتا ہے۔'' اس نے کہا اور ظفری نے گردن ہلا دی۔

وہ کار ڈرائیو کرتا رہا' لڑکی کے بدن سے بھینی بھینی خوشبو اٹھ رہی تھی' ویسے بھی وہ اچھی شکل وصورت اور حسین خدوخال کی مالک تھی۔ ایک روڈ کے چوراہے سے وہ گرین اسکوائر کی طرف مڑ گئے۔ اس دوران ظفری نے تعاقب کا خیال رکھا تھا لڑکی نے اس کا خدشہ ظاہر کیا تھا۔ ظفری خود بھی محتاط رہنا چاہتا تھا۔

''اگلے سگنل کے بعد بلومون ریستوران ہے۔ وہاں بیٹھیں گے۔'' لڑکی بولی' اور ظفری نے گردن ہلا دی۔ بلومون سے کوئی ایک فرلانگ پہلے ٹریفک سگنل تھا۔ سرخ بتی پر ظفری نے کار روک دی۔ اس کی نگاہ سامنے اٹھی ہوئی تھی۔

پھر جیسے ہی اس نے سبز بتی پر کار آگے بڑھائی دفعتاً اس کے کان جھنجھنا کر رہ گئے۔ لڑکی کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی تھی۔

''بچاؤ' بچاؤ۔ آں بچاؤ۔ خدا کے لیے بچاؤ۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے ظفری پر حملہ کر دیا۔ اس کے لمبے ناخنوں نے ظفری کی گردن پر کئی سرخ لکیریں بنا دیں۔ وہ اسے بری طرح جھنجھوڑ رہی تھی۔ پھر اس نے ظفری کی قمیض کالر سے پکڑ کر پھاڑ دی۔

ٹریفک ابھی آگے بڑھا تھا۔ ظفری بدحواسی میں کسی کار سے ٹکرا سکتا تھا۔ اس کا پاؤں بریک کے بجائے ایکسیلیٹر پر دب گیا اور کار کی رفتار تیز ہو گئی' لیکن لڑکی اب اس پر سوار ہی ہو گئی تھی۔ اس نے پوری قوت سے ظفری کے شانے میں دانت گڑھ دیے۔ چوراہے پر کھڑے ٹریفک سارجنٹ نے چیخوں کی آوازیں سنی اور دوسرے لمحے اس کی طاقتور موٹر سائیکل حرکت میں آ گئی۔ اسے زیادہ دور تعاقب نہیں کرنا پڑا کیونکہ تھوڑی دور آگے جا کر کار فٹ پاتھ سے جا ٹکرائی تھی۔

انجن بند ہو گیا۔ ریڈی ایٹر پھٹ گیا اور اس سے پانی کی دھار نیچے بہنے لگی۔ کار رکتے ہی لڑکی نے دروازہ کھول کر نیچے چھلانگ لگا دی۔ اس کا چہرہ انگارہ ہو رہا تھا۔ وہ دہشت زدہ دکھائی دیتی تھی۔ سارجنٹ نے پھرتی سے ٹریفک روکی۔ پر رونق جگہ تھی۔ ظفری نیچے اترا تو بے شمار ہاتھوں کی گرفت میں آ گیا۔ چند پولیس والے بھی فوراً آ گئے تھے۔ سارجنٹ نے لڑکی کو سنبھال لیا۔

''کیا بات۔ ہے۔ کون ہے یہ؟ کیا افتاد پڑی ہے تم پر۔۔۔؟''

''اغوا۔ یہ مجھے اغوا کر رہا تھا۔ آہ۔ میں بچ گئی۔'' لڑکی زاروقطار رونے لگی۔

''اسے پکڑ لو۔ بار ہ لو' فرار نہ ہونے پائے۔'' سارجنٹ نے ٹریفک کانسٹیبلوں سے کہا۔ پبلک میں سے چند لوگوں نے لڑکی کے یہ الفاظ سنے۔ کچھ تھپڑ اور گھونسے ظفری کے پڑے لیکن ٹریفک والوں نے اسے بچا کر اپنی تحویل میں لے لیا۔ سارجنٹ نے وائرلیس پر پٹرول کار کو طلب کر لیا تھا۔

ظفری چند لمحات کے لیے بدحواس ہو گیا تھا۔ اسے کسی چیز کا احساس آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ جو کچھ ہو رہا تھا۔ وہ اس سے بیگانہ ہو گیا تھا۔

پٹرول کار پہنچ گئی۔ لڑکی اب کانپ رہی تھی۔ چنانچہ اسے پٹرول کار کے بجائے ایک

ٹیکسی میں بٹھایا گیا اور وہ اسے ہیڈ آفس لے گئے۔ ظفری کو پٹرول کار میں بٹھا دیا گیا تھا۔

بہر حال اس کی کیفیت بحال ہوگئی۔ ٹریفک سارجنٹ نے اسے سنبھالنے والوں کو تفصیلات بتا دی تھیں۔ چلتے وقت اس نے کہا تھا کہ وہ بھی تھوڑی دیر کے بعد پہنچ رہا ہے۔ پولیس ہیڈ آفس میں اسے کرائمز کنٹرول برانچ کے آفیسر انچارج کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ لڑکی کو بھی وہ لوگ وہیں لے آئے۔

"کیا معاملہ ہے؟" آفیسر نے پوچھا۔

"اغوا" ظفری کو لانے والوں نے بتایا۔

"لڑکی کون ہے؟"

"ابھی نہیں معلوم ہو سکا۔" جواب ملا۔ آفیسر انچارج نے ظفری کو بغور دیکھا اور پھر لڑکی کو دیکھنے لگا۔ دوسرے چند لوگ جو آفیسر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تمسخرانہ نگاہوں سے ظفری کو دیکھ رہے تھے۔

"کیوں اغوا کر رہے تھے تم اسے؟"

"کیا میں فون کر سکتا ہوں؟" ظفری نے پوچھا۔

"کسے فون کرو گے؟"

"اپنے ایک دوست کو۔"

"دشمن تو ہم بھی نہیں ہیں میری جان۔ ہمیں ہی بتا دو۔ آفیسر نے مسکراتے ہوئے۔ اس مسکراہٹ میں سفاکی تھی۔

"آفیسر۔ اگر آپ مجھے فون کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تو براہ کرم ایس پی انصاری صاحب سے ہی بات کرا دیں۔" ظفری نے کہا۔ آفیسر انچارج کے پاس بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے چونک کر ظفری کو دیکھا۔ پھر بولا۔

"ایس پی صاحب تمہیں جانتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"ایک منٹ رکو وہ یہیں موجود ہیں۔" اس شخص نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ درمیان میں خاموشی طاری رہی تھی۔ پھر وہ شخص ایس پی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ یہ وہی ایس پی تھا جو جاوید عصرانی والے کیس میں اس سے مل چکا تھا۔

ایس پی انصاری اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ "ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ تم یہاں کیسے؟"

"ایس پی صاحب میں پھر اسی جنجال میں پھنس گیا ہوں۔" ظفری نے گلا صاف کر کے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"نوعیت ذرا مختلف ہے لیکن صورت حال یکساں ہے پولیس آفیسر میرے ساتھ جو سلوک کر رہے ہیں ان کے نقطہ نگاہ سے درست ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ۔۔۔۔"

"کیا معاملہ ہے انصاری صاحب۔۔۔؟" آفیسر انچارج نے پوچھا۔

"بھئی یہ معزز آدمی ہیں۔ تم نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں سنا ہوگا اس کے یہ ایک اہم رکن ہیں۔ میں انہیں جانتا ہوں۔"

"مگر یہ اس لڑکی کو اغواء کرتے ہوئے پکڑے گئے ہیں۔ لڑکی نے شدید مدافعت کی ہے۔"

"میں جو کچھ بتاؤں اس کی تحقیقات کر لی جائے۔ اگر مجرم ثابت ہو جاؤں تو سزا کا مستحق ہوں۔" ظفری نے کہا۔

"بتاؤ۔"

"لڑکی کو یہاں سے ہٹا دیا جائے۔" ظفری نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ شاکر تم لڑکی سے تفصیل معلوم کر کے رپورٹ لکھو اس کے بعد اس کے سرپرستوں کو اطلاع دو۔" آفیسر انچارج نے کہا۔ اور دوسرا آدمی لڑکی کو ساتھ لے کر چلا گیا۔

انصاری صاحب نے ظفری سے بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔ پھر وہ چونک کر بولے۔

"تم زخمی ہو؟"

"ہاں۔ اس نے میری گردن میں ناخون مارے ہیں اور شانے میں دانت گڑ جائے ہیں۔"

"اوہ اور کوئی زخم تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"ہاں۔ تفصیل بتاؤ۔"

"پہلے جیسا کیس ہے۔ لڑکی نے کل فون کر کے ہم سے امداد طلب کی تھی اور کہا تھا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کوئی نمائندہ اس سے اس کی کوٹھی پر ملاقات کر لے۔"

"کون سی کوٹھی میں رہتی ہے وہ؟" ایس پی نے پوچھا۔

"کراؤن ولا۔ ایک روڈ۔" ظفری نے جواب دیا اور سب چونک پڑے۔

"کراؤن ولا میں تو درانی صاحب رہتے ہیں۔ سابق میئر اور بہت بڑے سماجی کارکن۔ تو کیا یہ ان کی بیٹی ہے؟ اگر ایسا ہوا مسٹر ظفری تو یوں سمجھ لیں کہ آپ کسی بڑی مصیبت میں پھنس گئے۔ درانی صاحب بے حد غصہ ور انسان ہیں۔ وہ کسی قیمت پر معاف نہیں کریں گے۔"

"گویا ثبوت اور شواہد کی کوئی حیثیت نہ ہوگی؟" ظفری نے کہا۔

"اس سلسلے میں تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"اگر آپ سچے دل اور ایمانداری سے ایک شریف شہری کی مدد کرنا چاہتے ہیں تو میرے سلسلے میں چند اقدامات کر لیں۔"

"ہاں ہاں کہو۔"

"کراؤن ولا کے چوکیدار کو طلب کر لیں۔ وہ اس بات کا گواہ ہے کہ مس نسیم گل کو اطلاع دے کر میں اندر گیا تھا۔ ایک ملازم بھی گواہ ہے جس نے مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا اور

پھر نسیم گل اپنی خوشی اپنی مرضی سے میرے ساتھ آئی تھیں۔ اغوا کی شکل تو دوسری ہوتی ہے۔"

"ہوں۔ لیکن مسٹر ظفری، ممکن ہے پہلے ان کے اور آپ کے درمیان مفاہمت ہوا ور اس کے بعد ایسے حالات پیدا ہوئے ہوں جن کی وجہ سے مس نسیم گل کو یہ خدشہ پیدا ہوا ہو کہ آپ اسے اغوا کر رہے ہیں۔" انصاری صاحب نے کہا۔

"اس کا پس منظر تو آپ معلوم کریں گے۔"

"یقیناً تحقیقات کے بعد ہی سب کچھ ہوگا۔ مگر افسوس کہ آپ پر صرف الزام ہی نہیں لگایا گیا بلکہ پولیس نے موقع پر آپ کو گرفتار کیا ہے۔ اس لیے ضروری کارروائی سے گریز نہیں کیا جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے، لیکن ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ فون کرنے کی اجازت تو مجھے ضرور مل جائے گی۔"

"فون موجود ہے۔ آپ فون کر سکتے ہیں۔" انصاری صاحب نے کہا اور ظفری نے فون پر سعدی کے نمبر ڈائل کیے۔ سعدی آفس میں موجود تھا۔

"کرائمز کنٹرول برانچ پہنچ جاؤ۔ میں یہاں موجود ہوں۔"

"اوہ خیریت؟" سعدی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔ آ جاؤ۔ انتظار کر رہا ہوں۔" ظفری نے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

سعدی نے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ وہ شکل سے پریشان لگ رہا تھا۔ تنہا آیا تھا۔ ظفری کے ساتھ ابھی تک کوئی بدسلوکی نہیں ہوئی تھی۔ سعدی کو اس سے ملاقات کی اجازت دے دی گئی۔ تمام تفصیلات سن کر سعدی ہکا بکا رہ گیا۔

"بالکل ویسا ہی کیس ہے۔"

"ہاں۔ لیکن اس بار حالات پہلے سے مختلف ہیں۔ تم لڑکی کے بیان کے بارے میں معلوم کرو۔"

"کیا ایک بار پھر کرسمن کو بلایا جائے؟"

"مسخرہ پن ہے یار۔ اب وہ اتنی گئی گزری بھی نہیں ہے کہ ہمارے لیے بھاگ دوڑ ہی کرتی رہے۔ کاروبار ہمارا ہے۔ اس سے کیا تعلق۔ اگر ہم کاروبار نہیں کر سکتے تو اسے بند کر دیں۔"

سعدی پریشانی سے گردن ہلانے لگا تھا' پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "یہ دونوں واقعات یکساں ہیں اور یہ یکسانیت بے معنی نہیں ہے۔ تاہم میں جو کوشش کر سکتا ہوں کروں گا۔"

لڑکی کا بیان رجسٹر ہو گیا۔ کم بخت نے بڑا ٹیڑھا بیان دیا تھا۔ اس نے کہا کہ ایک شخص جس کا نام ظفری ہے' اس کا نام پوچھتا ہوا کراؤن ولا آیا۔ میں نے اس سے ملاقات کر کے اس کی آمد کا مقصد پوچھا تو اس نے کہا کہ میری ایک دوست جس کا نام ایلی براؤن ہے ویسٹ جرمنی سے آئی ہوئی ہے اور مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔ ایلی براؤن میری اتنی اچھی دوست ہے کہ میں اس کا نام سن کر بے قرار ہو گئی اور کچھ سوچے سمجھے بغیر اس کے ساتھ چل پڑی۔ لیکن تھوڑی دور چلنے کے بعد دفعتاً اس کا رویہ بدل گیا۔ اس نے کہا کہ اس کا تعلق ایک ایسے گروہ سے ہے جو لڑکیوں کو اغوا کر کے ان کے والدین سے رقومات طلب کرتا ہے اور وہ ایک دولت مند باپ کی بیٹی ہے۔ اس لیے اس کے عوض بہترین رقم حاصل ہو گی۔ بس یہ معلوم کر کے تسیم گل نے اس کے چنگل سے نکلنے کی کوشش شروع کر دی اور اسی کوشش میں کار فٹ پاتھ سے ٹکرائی۔

بڑا سنسنی خیز بیان تھا۔ جب اس کے بارے میں سعدی کو بتایا گیا تو وہ ساکت رہ گیا تھا۔ اس نے تسیم گل سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی لیکن اسے اجازت نہیں دی گئی تھی۔ بہر حال اس نے شکیلہ کو فون کر کے مختصراً صورت حال سے آگاہ کیا گیا۔

"مطلق صاحب کو ابھی اس سلسلے میں تفصیل نہیں بتائی جائے۔ میں ظفری کی ضمانت کی کوشش کرتا ہوں اور ممکن ہے مجھے واپسی میں کافی وقت لگ جائے۔" شکیلہ نے پریشانی کا اظہار کیا تھا' بہر حال سعدی نے اسے پرسکون رہنے کی ہدایت کی تھی۔

خاں صاحب احمد گل درانی واقعی آتش فشاں تھے۔ تسیم گل کو پولیس کراؤن ولا لے گئی تھی اس وقت تک یہاں صورت حال کا کوئی علم نہیں تھا۔ خاں صاحب موجود تھے۔ پھر جب انہیں

حالات کا علم ہوا تو وہ غصے سے پاگل ہو گئے۔ رائفل نکال لائے اور بپھر گئے کہ ان کے مجرم کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔"

ظاہر ہے قانون کا معاملہ تھا انھیں اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی۔ بیٹی سے پوچھ گچھ کی۔ ایلی براؤن واقعی تسیم گل درّانی کی دوست تھی لیکن اس کے آنے کی کوئی خبر نہیں تھی۔ خاں صاحب ظفری کے حصول میں تو کامیاب نہ ہو سکے لیکن بپھرے ہوئے پولیس ہیڈ آفس پہنچ گئے۔

"کہاں ہے وہ مردود لفنگا جس نے میری غیرت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی۔ کون سے خاندان سے ہے اس کا تعلق' میں اس خاندان کے کسی فرد کو اس ملک میں نہیں رہنے دوں گا۔"

"میں ان کے خاندان کا ایک فرد ہوں خاں صاحب' آپ مجھے اس ملک سے نکال دیں۔" سعدی نے سرد لہجے میں کہا۔

"ایک ایک کو پھانسی پر چڑھا دوں گا۔ تم لوگ میری پہنچ سے واقف نہیں ہو۔"

"پہلے آپ یہ فیصلہ کر لیں خاں صاحب کہ ہمیں ملک بدر کریں گے یا پھانسی پر چڑھائیں گے۔" سعدی نے زیر خند سے کہا۔ پے در پے الجھنوں سے وہ بھی جھنجھلا گیا تھا۔

"تفصیل بتاؤ۔ مجھے ان لوگوں کے بارے میں تفصیل بتاؤ۔ ٹکے ٹکے کے لوگ اب میرے منہ آنے لگے۔" خاں صاحب غصے سے لرزتے ہوئے بولے۔

"تفصیل میں عرض کرتا ہوں خاں صاحب۔ میرا ادارہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نام سے کام کرتا ہے۔ اس کے دفتر کا پتا نوٹ فرما لیجیے۔ آپ کی صاحبزادی نے فون کر کے ہمیں اپنی کسی الجھن کے حل کے لیے طلب کیا تھا اور اس کے بعد انھوں نے یہ ڈرامہ کیا ہے۔"

"مسٹر سعدی' یہ سب فضول ہے۔ ظفری کی شخصی ضمانت کا بندوبست کیجیے۔ کیس درج ہو چکا ہے۔ ظفری حوالات میں رہیں گے آپ کسی وکیل کے ذریعہ باقی معاملات طے کیجیے۔" انصاری صاحب نے کہا۔ پھر بولے۔ "نہ خاں صاحب آپ کو ملک بدر کر سکتے ہیں اور نہ پھانسی چڑھا سکتے ہیں۔ نہ ہی آپ کو ان سے بدکلامی کی اجازت دی جائے گی۔ قانون آپ دونوں کی

خدمت کے لیے موجود ہے۔"

"لیکن خاں صاحب نے آپ لوگوں کے سامنے دعویٰ کیا ہے کہ وہ ہمیں پھانسی چڑھا دیں گے۔"

"وہ صرف غصہ تھا۔"

"میری درخواست ہے خاں صاحب سے کہ اگر وہ یہ سب کچھ نہ کر سکیں تو بہتر ہے کہ اپنی گردن میں پھانسی کا پھندا فٹ کر کے خود کو عزت دار ثابت کریں۔" سعدی نے کہا اور وہاں سے چلا آیا۔

صورت حال ایسی پر اضطراب تھی کہ بیان سے باہر۔ مطلق صاحب سے زیادہ چھپانا بے سود تھا۔ چنانچہ انھیں صورت حال بتا دی گئی اور وہ بے چارے سخت پریشان ہو گئے۔ سمن آراء ہدایت پور کو اب اس سلسلے میں مزید تکلیف دینا حماقت تھی۔ البتہ ایک خیال ان کے ذہن میں آیا۔

دوسرے دن شکیلہ اور ظفری جاوید عصرانی سے ملاقات کے لیے ان کے گھر پہنچ گئے۔ جاوید عصرانی بھی ایک معزز شخصیت کا مالک تھا۔ اس نے ان دونوں کا پر خلوص استقبال کیا تھا۔

"خیریت ہے۔ میں آپ لوگوں کی آمد سے مسرور ہوں لیکن آپ کے چہرے پر پریشانی کے آثار پا رہا ہوں۔"

"سوچا تو یہ تھا عصرانی صاحب کہ آپ کو کبھی پریشان نہ کریں گے لیکن تقدیر دوبارہ آپ کے پاس لے آئی۔"

"میرے ذریعے تم لوگوں کو جتنی تکلیف پہنچی ہے۔ میں اسے کبھی نہ بھول سکوں گا۔ میری دلی خواہش تھی کہ تمھارے سارے نقصانات پورے کر دوں لیکن تم نے منظور نہیں کیا ہے۔ بہر طور تمھارے الفاظ سے یہ پتا چلتا ہے کہ اس وقت تم میرے پاس کسی مقصد سے آئے ہو۔ میں تمھاری خدمت کر کے بے حد مسرت محسوس کروں گا۔"

"عصرانی صاحب پہلے آپ یہ فرمائیے کہ اس کے بعد تو آپ نے اپنے ذہن میں کوئی

تبدیلی محسوس نہیں کی جس کا تذکرہ آپ نے کیا تھا۔"

نہیں' اب میں پر سکون ہوں۔ دل و دماغ بہت ہلکا ہے۔" جاوید عصرانی نے جواب دیا۔

"لیکن کوئی ایسی شخصیت ہمارے پیچھے پڑ گئی ہے جو پراسرار قوتوں کی مالک ہے اور جو کسی بھی طرح انسانی ذہن پر دباؤ ڈال سکتی ہے اور اسے اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ ایک اور ایسا ہی واقعہ ہمارے ساتھ پیش آ گیا ہے اور ہم شدید مصیبت کا شکار ہو گئے ہیں۔"

اوہو۔ کیا واقعہ ہے ذرا مجھے بتاؤ۔" جاوید عصرانی نے کہا اور سعدی نے اسے پوری تفصیل بتا دی۔

"سو فیصدی میرے ہی جیسا کیس معلوم ہوتا ہے لیکن کیا ظفری اس میں الجھ گئے ہیں؟"

"بری طرح' خاں صاحب احمد گل درانی بڑی غصہ ور طبیعت کے مالک ہیں۔ وہ ظفری کو شدید سزا دلوانے کے خواہشمند ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کی ضمانت دیں اور اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر اس کی گلو خلاصی کرائیں۔"

"لیکن میاں اس میں ایک ذرا سی گڑبڑ ہے۔ میں تو بہر طور تھوڑی بہت دیر اس پراسرار قوت کے زیر اثر رہنے کے بعد نارمل ہو گیا لیکن وہ لڑکی مسلسل وہی بیان کیوں دیے جا رہی ہے۔"

"اس کے بارے میں ہم کوئی صحیح اندازہ نہیں لگا سکے ہیں عصرانی صاحب' ویسے اگر آپ کو کوئی دقت ہو تو پھر ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے۔"

"ارے نہیں میاں' مجھ سے جو کچھ ہو سکتا ہے ضرور کروں گا۔ سب سے پہلے تو میں ضمانت کا انتظار کرتا ہوں۔" جاوید عصرانی نے کہا' بلاشبہ وہ ان لوگوں کی شرافت سے متاثر ہو گیا تھا اور اسے اس بات کا احساس تھا کہ اس کی وجہ سے انھیں جو نقصان پہنچا تھا اس کا انھوں نے کوئی بدل نہیں لیا۔ وہ شکیلہ اور سعدی کے ساتھ باہر نکل آیا۔

پھر ایس پی انصاری صاحب سے ملا اور اس نے تمام تر صورت حال کہہ سنائی۔ انصاری صاحب بے چارے پولیس آفیسر ضرور تھے لیکن اتنی بُری طبیعت کے مالک نہ تھے۔ انھوں نے کہا کہ احمد گل درانی صاحب براہ راست ڈی آئی جی احسان علی کے پاس پہنچ گئے ہیں اور شاید کرائمز کنٹرول ڈیپارٹمنٹ کو کچھ ہدایات جاری کی جا رہی ہیں۔ تاہم انصاری صاحب نے کہا کہ میں بار پھر اس لڑکی کا بیان لینے کی کوشش کرتا ہوں اس کے لیے میں انتظامات کر کے آپ کو اطلاع دے دوں گا۔ اگر لڑکی نے اپنے بیان میں کوئی تبدیلی کر لی تو شاید ظفری کے لیے آسانیاں پیدا ہو جائیں۔ باقی رہی ضمانت کی بات تو وہ ایک قانونی عمل ہے جس کے لیے میں ابھی انتظامات کیے دیتا ہوں۔“

ظفری کی ضمانت ہو گئی۔ انصاری صاحب جاوید عصرانی کی وجہ سے مزید تعاون پر آمادہ ہو گئے تھے۔ چنانچہ انھوں نے ضروری انتظامات کیے اور احمد گل درّانی کی کوٹھی کراؤن ولا پر پہنچ گئے۔ احمد گل صاحب اس وقت کوٹھی میں موجود نہیں تھے۔

لیکن نسیم گل کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے پتا چل گیا کہ وہ اپنی خوابگاہ میں موجود ہے اس سے ملاقات کی درخواست کی گئی تو اس نے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ ویسے بھی پولیس کا معاملہ تھا اور شاید یہ خوش بختی ہی تھی ان کی کہ احمد گل درانی اس وقت وہاں موجود نہیں تھے۔ ورنہ ممکن ہے وہ بیٹی سے ملاقات کی اجازت نہ دیتے۔

نسیم گل نے متحیرانہ انداز میں سعدی اور انصاری صاحب کو دیکھا تھا۔ انصاری صاحب کے ساتھ ایک اور بڑا آفیسر بھی تھا۔ نسیم گل درانی نے پولیس کی آمد پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے اس آمد کی وجہ پوچھی تو انصاری صاحب پرمحبت انداز میں بولے۔

”بیٹی کل کے واقعے کا ہمیں جتنا افسوس ہے ہم تم سے بیان نہیں کر سکتے۔ بعض عناصر اس قسم کی حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ تمھاری کوششوں نے تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچنے دیا۔

”کک۔ کیا مطلب‘ مم میں نہیں سمجھی۔“ نسیم گل کا چہرہ ایک دم تاریک ہو گیا۔

”میں کل کے واقعے کا ذکر کر رہا ہوں۔ کیا ایک بار تم پھر مجھے بتانا پسند کرو گی کہ تمھیں اغوا کرنے کی کوشش کس طرح کی گئی تھی؟“

”اغوا؟“ نسیم گل چونک پڑی پھر وہ صوفے کی پشت سے ٹک گئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اس کے منہ سے آہستہ نکل رہا تھا۔

”میرے خدا۔ میرے خدا۔ تو وہ صرف خواب نہیں تھا بلکہ حقیقت تھی وہ واقعی حقیقت تھی۔“

”میں نہیں سمجھا بیٹی؟“ انصاری صاحب نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

”دیکھیے آفیسر مم۔ میں خدا کی قسم جو کچھ بھی کہہ رہی ہوں سچ کہہ رہی ہوں۔ آپ اسے فریب نہ سمجھیں۔ مم۔ میں پچھلے کئی دنوں سے اپنے آپ کو خواب کی سی کیفیت میں محسوس کرتی رہی ہوں۔ میں یوں محسوس کرتی ہوں جیسے میرے ذہن پر دباؤ پڑ رہا ہے۔ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے۔ ہاں‘ مجھے اس کے الفاظ یاد ہیں۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں اس نے کہا تھا کہ اسے فون کروں اور وہاں سے کسی نمائندے کو اپنی مدد کے لیے طلب کروں۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ایسا ہی کیا اور‘ اور کوئی شخص میرے پاس وہاں سے آیا تھا۔ پھر میں ان ذہنی ہدایات کے زیر اثر اس کے ساتھ گئی اور میں نے۔۔۔۔۔۔ میں نے۔۔۔۔۔۔ شاید اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ہاں مجھے یاد ہے‘ مجھے یاد ہے۔

موقعہ غنیمت جانا گیا وہ لوگ جلدی سے اسے پولیس کار میں بٹھا کر ہیڈ آفس لے آئے۔ کرائم کنٹرول برانچ کے آفیسر کو اس کی اطلاع دی گئی‘ کچھ اور آفیسر بھی جمع کر لیے گئے اور اس کے ساتھ ہی جاوید عصرانی کو بھی دعوت دے دی گئی۔ جاوید عصرانی اس معاملے میں پوری پوری دل چسپی لے رہا تھا وہ بھی ان لوگوں کے ساتھ مخلص تھا۔ چنانچہ وہ وہاں پہنچ گیا پھر جاوید عصرانی کا بیان لکھا گیا اور اس کے بعد نسیم گل کا‘ نسیم گل نے حلفیہ بیان دیا تھا کہ جو کچھ کہہ رہی ہے

سچ کہہ رہی ہے۔اس میں سراسر فرق نہیں ہے۔وہ کسی پُراسرار قوت کے زیرِ ہدایت یہ کام کرتی رہی تھی ورنہ نہ تو اس کی کوئی سہیلی یہاں آرہی تھی اور نہ ہی ایلی براؤن سے کافی عرصے سے اس کا کوئی رابطہ قائم ہوا ہے۔اس نے کہا کہ وہ صرف غیر اختیاری طور پر یہ سب کچھ کرتی رہی ہے اور اس کا وہ بیان بالکل صحیح الدماغی کی کیفیت میں نہیں تھا جو اس نے پہلے دن پولیس ہیڈ آفس میں دیا تھا۔

ان واقعات نے پولیس آفیسرز کو پریشان کر دیا تھا ابھی یہاں بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ احمد گل درانی آندھی اور طوفان کی طرح پولیس ہیڈ آفس پہنچ گئے۔ان کے ساتھ دو پولیس آفیسرز بھی تھے۔احمد گل درانی کے منہ سے جھاگ اڑ رہے تھے۔

''کس نے یہ جرأت کی' کس کی یہ مجال ہوئی کہ میری غیر موجودگی میں میری بیٹی کو پولیس ہیڈ آفس لایا جائے۔ارے یہ کیا تماشہ لگا رہا ہے تم لوگوں نے' کسی شریف آدمی کی عزت محفوظ نہیں رہی ہے ان پولیس والوں کے ہاتھوں۔میں کہتا ہوں کہ میری لڑکی میری اجازت کے بغیر یہاں تک کیوں آئی؟''

''درّانی صاحب آپ ایک شریف الطبع انسان ہیں۔میں جانتا ہوں کہ آپ صرف اس لیے بپھرے ہوئے ہیں کہ کسی کے نام کے ساتھ آپ کی بیٹی کے اغوا کا تذکرہ منسلک ہے۔بیشک آپ جیسا غیور آدمی ایسے آدمی کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ کیس ہی بالکل جداگانہ حیثیت کا حامل نکل آیا۔آپ کی بیٹی نے جو نیا بیان دیا ہے وہ اس بیان کی نفی کرتا ہے۔جو پہلے دے چکی ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ وہ صحیح الدماغی کی حالت میں وہ بیان نہیں دے پائی تھیں ان کے ذہن پر کوئی قوت حاوی تھی۔

''ہاں ڈیڈی' اس میں کوئی شک نہیں ہے' آپ مجھے معاف کر دیجیے جو کچھ ہوا وہ میرے اختیار کی بات نہیں تھی۔اب میں کیا بتاتی آپ کو جبکہ میں خود ہی صورت حال نہیں سمجھ سکی تھی۔سچ کہہ رہی ہوں ڈیڈی یہی ہوا تھا اس میں نہ کوئی چالبازی ہے اور نہ ہی میں نے کوئی فریب کرنے کی کوشش کی ہے۔کسی بے گناہ انسان کو مصیبت میں گرفتار کرا کے ہمیں کیا مل جائے گا۔''

''بکواس ہے' بکواس ہے میری بیٹی کو فوراً میرے حوالے کرو۔''

''ڈیڈی میرا تعلق درانی خاندان سے ہے اور میں احمد گل درانی جیسے انسان کی بیٹی ہوں بھلا میرے اوپر کوئی کیا دباؤ ڈال سکتا ہے۔میں جانتی ہوں کہ میرے اوپر دباؤ ڈالنے والے مصیبتوں کا شکار ہو جائیں گے۔پھر میں بھلا کسی کے دباؤ میں آکر اپنا بیان کیسے بدلتی اور میں یہ بھی جانتی ہوں ڈیڈی کہ میرے ڈیڈی غصہ ور ضرور ہیں۔وہ اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتے لیکن وہ ان کے دشمن بھی نہیں ہوتے جو بے گناہ ہوں۔ڈیڈی آپ ایک سچے انسان کی حیثیت سے اس شخص کی حفاظت کیجیے جو بے چارا بلا وجہ میری وجہ سے عذاب کا شکار ہوا ہے۔آپ تو تعمیری صلاحیتوں کو پسند کرتے ہیں۔وہ کوئی تخریبی قوت تھی جس نے میرے ذہن کو زیرِ اثر لے کر مجھے اس آدمی کے خلاف اکسایا آپ بتائیے کیا آپ کی بیٹی کسی کے دباؤ میں آسکتی ہے؟''

''ہرگز نہیں۔'' احمد گل درانی نے سینہ تان کر کہا۔

''تو پھر آپ یہ سوال مجھ سے کیوں کر رہے ہیں؟'' احمد گل درانی کے خدوخال ڈھیلے پڑ گئے تھے پھر وہ آہستہ سے بولے۔

''اگر واقعی یہ بات ہے تو پھر مجھے اس نوجوان سے کوئی شکایت ہے ڈی آئی جی صاحب آپ یہ کیس واپس لے لیجیے اور اس بے چارے کو رہا کر دیجیے۔'' ڈی آئی جی صاحب شانے ہلا کر رہ گئے تھے پھر انھوں نے اپنے ماتحتوں کو بلا کر ضروری کارروائی کے لیے کہہ دیا لیکن ذہنی طور پر وہ الجھ گئے تھے۔

سعدی ظفری اور شکیلہ کے بارے میں انھیں مکمل معلومات درکار تھیں۔انھوں نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں مکمل تفصیلات طلب کر لیں بہرطور ظفری کو اسی دن رہا کر دیا گیا تھا۔

ایسے حالات کا انھوں نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی بنیادیں ہل کر رہ گئی تھیں۔دو دن تک ظفری اور شکیلہ گھر سے باہر نہ نکلے۔ذہنی طور پر وہ پریشانی کا شکار تھے۔ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ان کا وہ کون دشمن ہے جو اس طرح انسانی ذہنوں پر دباؤ

ڈال کر انھیں ان کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس سلسلے میں دو دن تک وہ سر جوڑے بیٹھے رہے تھے۔ ہر وقت اس موضوع پر بات چیت ہوتی تھی۔ مطلق صاحب بھی شریک تھے۔ مضطرب صاحب آرام کر رہے تھے۔ باقی افراد کو بھی کچھ دن کے لیے چھٹی دے دی گئی تھی اور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا دفتر بند پڑا تھا۔ چنانچہ کسی پڑوسی نے انھیں فون پر اطلاع دی کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پولیس کے حصار میں ہے اور دفتر کے تالے توڑ لیے گئے ہیں یہ نئی افتاد تھی۔ سعدی ظفری اور شکیلہ فوری طور پر مطلق صاحب کے ساتھ کار میں بیٹھ کر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر پہنچ گئے۔

نیچے دو پولیس کاریں موجود تھیں اور دو تین پولیس کانسٹیبل ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ شاید ان لوگوں کو ٹیلی فون بھی کیا گیا تھا بہر طور جب یہ لوگ یہاں پہنچے تو کچھ پولیس آفیسر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ میں اندر داخل ہو کر اس کے ریکارڈ کی چھان بین کر رہے تھے۔ بے شمار کاغذات اور فائلیں وغیرہ تحویل میں لے لیے گئے تھے ایک افسر اعلیٰ نے ان لوگوں سے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"ڈی آئی جی احسان صاحب علی صاحب نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں ایک تحقیقاتی پینل مقرر کیا تھا۔ اس پینل نے جو رپورٹ پیش کی ہے اس کے تحت انھوں نے فوری طور پر اس کے احکامات صادر کیے کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا سارا ریکارڈ قبضے میں لے لیا جائے' ہمیں امید ہے کہ آپ ہم سے تعاون کریں گے۔" سعدی ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا تھا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہمیں قانون کے معاملات میں مداخلت کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہم یہاں رکیں ورنہ باہر چلے جائیں۔"

"جی نہیں' ہم ابھی آپ کا فون نمبر تلاش کر کے آپ کو گھر پر فون کیا تھا۔ پتا چلا کہ چند لمحات قبل آپ وہاں سے نکل چکے ہیں آپ کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ ریکارڈ تقریباً قبضے میں لے لیا گیا ہے دفتر سیل کر دیا جائے گا۔ آپ براہ کرم کسی بھی وقت ڈی آئی جی صاحب سے ہیڈ آفس میں آ کر ملاقات کر لیں۔ ویسے فوری طور پر ڈی آئی جی صاحب نے یہ احکامات صادر نہیں کیے کہ آپ کو بھی

ساتھ لایا جائے۔" آفیسر نے نرم لہجے میں کہا۔ اور سعدی نے گردن ہلا دی۔

"ہمارا فون نمبر آپ کے پاس موجود ہے جب بھی آپ حکم دیں گے ہم آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔" اس کے بعد وہ وہاں سے نکل آئے۔ سب کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ حالات جس قدر ہولناک و پریشان کن تھے انھوں نے انھیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اب ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی بقا مشکل ہے۔"

بہر طور گھر پہنچنے کے بعد تھوڑی دیر تک تو وہ ذہنی طور پر الجھے رہے پھر دفعتاً سعدی نے کہا۔

"یار ظفری ایک بات بتاؤ۔"

"ہوں۔"

"ہم نے اپنی ابتداء کہاں سے کی تھی؟"

"کیا مطلب؟"

"سڑکوں اور فٹ پاتھوں سے اٹھ کر ہم یہاں تک آئے تھے تمھارا کیا خیال ہے کیا ہم نے جاسوسی کی باقاعدہ تربیت لی یا اس کی تعلیم حاصل کرنے پر کچھ رقم خرچ کی؟ یہ تو بس یوں کہو کہ چار دن کی چاندنی تھی اور اس کے بعد پھر اندھیری رات آگئی ہے لیکن ہم ان اندھیروں میں گزارہ نہیں کریں گے بلکہ اپنے لیے نئے راستے تلاش کریں گے۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ تباہ ہوا ہے ہو جائے۔ جو ہونا ہے ہو جائے گا۔ ہم نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے جس کی ہمیں سزا دی جائے۔"

شام کو چھ بجے کے قریب انھیں ڈی آئی جی صاحب کی طرف سے بلاوا موصول ہوا پولیس ہیڈ آفس میں ہی انھیں طلب کیا گیا تھا۔ تینوں آدمیوں کا نام تھا۔ چنانچہ سعدی' ظفری اور شکیلہ ڈی آئی جی صاحب سے ملاقات کرنے چل پڑے۔

ڈی آئی جی احسان علی نے ان سے نرم روی سے ملاقات کی تھی۔

"مجھے آپ لوگوں سے کوئی ذاتی اختلاف نہیں ہے لیکن قانون ساز ادارے اور قانون

کے محافظ اپنے معاملات میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتے۔ قانون میں مداخلت قانون شکنی کے مترادف ہے۔ میں نے آپ کے دفتر پر چھاپہ مارنے کے احکامات کافی غور و خوض کے بعد دیے تھے۔ یہ دو واقعات جو یہاں کا چارج لینے کے بعد میرے علم میں آئے بہت سنگین تھے۔ میں نہیں سمجھتا کہ وہ کون سی قوت تھی جس نے دو انسانوں کے ذہنوں پر دباؤ ڈال کر پہلے انھیں آپ کے خلاف اکسایا پھر انھیں بیان بدلنے پر مجبور کر دیا۔ میرا خیال ہے کہ آپ لوگ لوگوں پر دباؤ ڈالنے پر بہتر وسائل رکھتے ہیں۔ ہر چند کہ ابھی تک میں اس بارے میں کچھ معلوم کرنے میں ناکام رہا ہوں لیکن میں ان دونوں واقعات کے دوسرے دور کی سچائی سے مشکوک ہوں۔ آپ کا ریکارڈ پولیس کی تحویل میں ہے۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کیا کاروبار کرتی ہے اس کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں ہے۔ یہ مددگار انسانیت ادارہ بھاری رقومات کے عوض لوگوں کے لیے اپنے دشمنوں کے خلاف محاذ آرائی میں معاون ہے اس کا ثبوت آپ کے ہاں کے ان فارموں سے ملتا ہے جن کے کالموں میں یہ تو لکھا ہے کہ آپ ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جو قانون کے خلاف ہو لیکن اس کا تعین آپ خود ہی کر لیتے ہیں۔ چونکہ آپ کے خلاف کسی غیر قانونی کام کی کوئی رپورٹ نہیں ہے اس لیے میں آپ کو گرفتار کر کے جیل میں تو نہیں ڈال رہا لیکن آپ کو ایک ایک لاکھ روپے کی تین ضمانتیں نقد جمع کرنا ہوں گی۔ اور کہنا ہو گا کہ آئندہ آپ پرائیویٹ جاسوسی کا کاروبار نہیں کریں گے۔‘‘

’’حکم حاکم ہے تعمیل ہو گی۔‘‘ سعدی نے ناخوشگوار لہجے میں جواب دیا۔

’’ضمانت کا انتظام کر لیجیے‘ آپ کا دفتر سیل کر دیا گیا ہے۔‘‘ ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

’’کل صبح تک اس کا بندوبست ہو جائے گا۔‘‘ سعدی نے کہا۔

’’میں آپ کو ذاتی اعتماد کی بنا پر چھوڑ رہا ہوں آپ جا سکتے ہیں۔‘‘ ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

باہر نکل کر سعدی نے ایک قہقہہ لگایا تھا۔ مطلق صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

’’کیوں بھئی ہنسی کیوں آئی؟‘‘

’’زندگی میں تبدیلیاں ضروری ہیں مطلق صاحب۔ اس کاروبار میں پڑے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے۔ دراصل ہم نے زندگی کی ابتداء فٹ پاتھ سے کی تھی جو کچھ کمایا عیش کیا۔ اب نئے سرے کسی زندگی کا آغاز کریں گے۔‘‘

’’ہاں میاں‘ مردوں کی زندگی میں یہ الٹ پھیر تو آتے ہی ہیں۔‘‘ مطلق صاحب نے ان کا دل بڑھاتے ہوئے کہا۔

’’تو پھر آج رات ایک زوردار مشاعرہ ہو جائے۔‘‘ ظفری بولا۔

’’بب۔ بخدا۔ سچ کہہ رہے ہو۔ اماں تمہیں واللہ۔‘‘

’’واللہ۔‘‘ ظفری نے چہک کر کہا۔ اور شکیلہ بے اختیار ہنس پڑی۔

محفل مشاعرہ جاری تھی۔ قدر علی جانباز غزل سنا رہے تھے کہ بیگم صاحبہ نے فون کی اطلاع دی۔ سعدی معذرت کر کے اٹھ گیا تھا اس نے فون ریسیو کیا۔ ’’کون صاحب بول رہے ہیں؟‘‘

’’فدوی کو توپ الملک کہتے ہیں۔ بردباد تخلص کرتا ہوں اور آداب پیش کرتا ہوں۔‘‘

’’کس سے بات کرنی ہے آپ کو؟‘‘

’’ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ بول رہا ہے نا؟‘‘

’’جی جی۔ فرمایئے۔‘‘

’’اس چھبر مار نام سے گلوخلاصی کی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ آپ اس دفتر میں بیٹھ کر اپنی صلاحیتیں ضائع کر رہے تھے۔ اس خاکسار نے آپ کو اس جنجال سے نکال لیا۔ شکریہ ادا کیجیے۔‘‘

’’بہت بہت شکریہ۔ یہ خدمت آپ نے کس طرح سرانجام دی؟‘‘ سعدی نے پوچھا۔

’’بس کچھ ہپناٹزم سے دل چسپی تھی۔ اسی کو بروئے کار لایا۔ لیکن آپ کو میرا مزید شکر

گزار ہونا چاہیے کہ میں نے آپ کو دائمی مصیبت میں گرفتار نہیں ہونے دیا۔

"وہ کیسے؟"

"میاں عقلمند ہو۔ عزیزم جاوید عمرانی ایک سال تک میرے ٹرانس میں رہ سکتے تھے۔ ایک سال تک وہ اپنے موقف پر قائم رہتے تو کیا ہوتا۔ اندازہ لگا لو اور پھر احمد گل درانی معمولی شخصیت کے مالک نہیں ہیں اگر ان کی برخورداری مسلسل اپنے بیان پر اڑی رہتیں تو ظفری میاں کو دو تین سال کی سزا سے کون بچا سکتا تھا جھوٹ کہا میں نے؟"

"نہیں درست فرمایا۔ لیکن قبلہ بردباد صاحب' آپ نے یہ زحمت کیوں کی؟"

"میاں تمہاری شرافت سے ایک بڑا نقصان پہنچا تھا ہمیں۔ جو عقدے حل کیے ہیں تم نے ان میں ہمیں تلاش کر لو۔ جب حقیقت جان کر ہمارے پاس آؤ گے تو پچیس ہزار روپے تیار رکھے ہوں گے۔ کیسی رہی؟ بس ہم نے تہیہ کر لیا تھا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا وجود قائم نہ رہنے دیں گے سو اس پر عمل ہو گیا۔ اس سے زیادہ نقصان بھی پہنچا سکتے تھے مگر ہم نرم دل ہیں تمہاری جوانی پر رحم کھا گئے۔ اب کوئی دوسرا کاروبار کرو عزیزی۔ کیا رکھا ہے ان حماقتوں میں۔"

"تو حضور قبلہ توپ الملک صاحب' ایک قول اپنے اس خادم کا بھی ذہن نشین فرما لیجیے۔ ہم بددل ہو گئے تھے اس کاروبار سے اور سوچ رہے تھے کہ واقعی اسے ترک کر دیں گے۔ لیکن آپ کی اس زحمت نے ہمارے دل میں نئے عزائم پیدا کر دیے ہیں۔ یہ سب کچھ جاری رہے گا لیکن نئے سازوسامان سے آراستہ ہو کر۔ اور قبلہ پچیس ہزار کا بندوبست رکھیے گا۔ ہم آپ کو بے نقاب ضرور کریں گے۔" جواب میں قہقہہ سنائی دیا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

☆......☆......☆

بقیہ حالات جاننے کے لئے

"گول مال" پڑھیں۔

گزار ہونا چاہئے کہ میں نے آپ کو دائمی مصیبت میں گرفتار نہیں ہونے دیا۔

"وہ کیسے؟"

"میاں عقلمند ہو۔ عزیزم جاوید عصرانی ایک سال تک میرے ٹرانس میں رہ سکتے تھے۔ ایک سال تک وہ اپنے موقف پر قائم رہتے تو کیا ہوتا۔ اندازہ لگا لو اور پھر احمد گل درانی' معمولی شخصیت کے مالک نہیں ہیں اگر ان کی برخورداری مسلسل اپنے بیان پر اڑی رہتیں تو ظفری میاں کو دو تین سال کی سزا سے کون بچا سکتا تھا جھوٹ کہا میں نے؟"

"نہیں درست فرمایا۔ لیکن قبلہ بردبادصاحب' آپ نے یہ زحمت کیوں کی؟"

"میاں تمہاری شرافت سے ایک بڑا نقصان پہنچا تھا ہمیں۔ جو عقدے حل کیے ہیں تم نے ان میں ہمیں تلاش کر لو۔ جب حقیقت جان کر ہمارے پاس آؤ گے تو پچیس ہزار روپے تیار رکھے ہوں گے۔ کیسی رہی؟ بس ہم نے تہیہ کر لیا تھا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا وجود قائم نہ رہنے دیں گے سو اس پر عمل ہو گیا۔ اس سے زیادہ نقصان بھی پہنچا سکتے تھے مگر ہم نرم دل ہیں تمہاری جوانی پر رحم کھا گئے۔ اب کوئی دوسرا کاروبار کرو عزیزی۔ کیا رکھا ہے ان حماقتوں میں۔"

"تو حضور قبلہ توپ الملک صاحب' ایک قول اپنے اس خادم کا بھی ذہن نشین فرما لیجئے۔ ہم بددل ہو گئے تھے اس کاروبار سے اور سوچ رہے تھے کہ واقعی اسے ترک کر دیں گے۔ لیکن آپ کی اس زحمت نے ہمارے دل میں نئے عزائم پیدا کر دیے ہیں۔ یہ سب کچھ جاری رہے گا لیکن نئے ساز و سامان سے آراستہ ہو کر۔ اور قبلہ پچیس ہزار کا بندوبست رکھیے گا۔ ہم آپ کو بے نقاب ضرور کریں گے۔" جواب میں قہقہہ سنائی دیا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

☆......☆......☆

بقیہ حالات جاننے کے لئے

"گول مال" پڑھیں۔

گول مال

ایم اے راحت

2

گول مال

ایم۔ اے راحت

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

2010

اہتمام ملک مقبول احمد

سرورق نوید ناصر

ناشر مقبول اکیڈمی

مطبع خورشید مقبول پریس

قیمت -/300 روپے

MAQBOOL ACADEMY
Chowk Urdu Bazar, Circular Road, Lahore.
Ph: 042-7324164, 7233165 Fax: 042-7238241

10-Dayal Singh Mansion, The Mall, Lahore.
Ph: 042-7357058 Fax: 042-7238241
Email: mqbool@brain.net.pk

چار جلدوں پر مشتمل
کہانی

اصلی وارث	گول مال
کاٹھ کا اُلو	آخری ثبوت

نواب ہدایت پور کے انتقال کے بعد بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے جس فراست اور ہوشیاری سے نواب صاحب کی عزت سنبھالی تھی۔ وہ ضرب المثل تھی۔ جاننے والے جانتے تھے کہ بیگم جہاں آراء شاخ گل کی مانند تھیں۔ وہ چھوئی موئی کا درخت کہلاتی تھیں۔ چشم فلک نے بھی مشکل ہی ان کے پیکر کی زیارت کی ہوگی۔ ستر پردوں میں رہتی تھیں' خاندانی طور پر پردہ نشین تھیں' ان کے خاندان میں پردے کے بارے میں طرح طرح کی روایات مشہور تھیں۔ سنا یہ گیا تھا کہ بیگم جہاں آراء کی خالہ کی جب شادی ہوئی تو نواب صاحب کے دوستوں نے تعجب سے پوچھا' کیا بڑے نواب صاحب کی کوئی چھوٹی بیٹی بھی ہیں؟ اس پر پتا چلا کہ ہاں بیٹی ہیں۔ محل میں ہی پیدا ہوئیں' محل میں ہی پروان چڑھیں' اور اپنی سترہ سالہ زندگی میں پہلی بار محل سے باہر قدم نکال رہی ہیں۔

بیگم جہاں آراء ہدایت پور ایسے خاندان کی فرد تھیں۔ نواب آف ہدایت پور کے محل میں آنے کے بعد بھی انھوں نے پردہ نشینی کی روایات قائم رکھیں اور ایک طویل عرصے تک کوئی بھی انھیں نہ دیکھ سکا سوائے ان چند افراد کے' جو نواب آف ہدایت پور کے عزیز و اقارب تھے۔

گو دور بدل چکا تھا' لیکن نواب صاحب نے چہیتی بیگم کے طور طریقے اپنی مرضی کے مطابق بدلنے کی کوشش نہ کی اور انھیں اسی شکل میں رہنے دیا۔ پھر جب نواب ہدایت پور کا انتقال

ہوا تو اپنے جاننے والوں نے دل میں سوچا کہ اب مشکلات کا ایک طوفان کھڑا ہو جائے کیونکہ بیگم صاحبہ اس دنیا کی عورت نہیں تھیں جس میں سانس لے رہی تھیں۔ لیکن ان رشتہ داروں نے بھی دیکھ لیا کہ بیگم صاحبہ سفید چادر اوڑھے منظر عام پر آئیں اور انھوں نے نواب صاحب کے تمام کارندوں کو جمع کر کے نئی ہدایات جاری کیں' لوگ عش عش کرتے رہ گئے تھے' پردے سے برآمد ہونے والی یہ خاتون اس قدر عقلمند اور زیرک ہوں گی کسی نے سوچا بھی نہیں تھا۔

بیگم صاحبہ نے وقت کی ضرورت کو تسلیم کیا اور سمن آرا ہدایت پور کو بھی پردے سے بے نیاز کر دیا۔ محل کے طور طریقے بدل گئے اور تمام کارندے جو اس خیال سے مسرت سے پھولے نہیں سما رہے تھے کہ پردے کی ہُو بُو بھلا انھیں ان کی من مانیوں سے کیسے روک سکیں گی' اپنا سا منہ لے کر رہ گئے' ان کے ارادوں پر اوس پڑ گئی تھی۔ ان کی تمام خوش فہمیاں رفع ہو گئی تھیں۔ بتا یہ چلا کہ بیگم صاحبہ نے کسی اسکول یا یونیورسٹی سے تو تعلیم نہیں حاصل کی تھی گھریلو طور پر انھیں دنیا کے تمام امور کی تعلیم دے دی گئی تھی اور یہ تعلیم اس وقت اس طرح کام آئی کہ کسی کو بھی دم مارنے کی مجال نہ ہوئی۔ یوں بدلتے ہوئے حالات پر بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے اس طرح قابو پالیا کہ صورت حال بالکل ہی مختلف ہو گئی۔

ریاستوں کا تو خیر اب کوئی وجود ہی نہیں تھا لیکن نواب ہدایت پور کے کاروباری معاملات اس قدر کشادہ تھے کہ ان کے لیے ایک شدید نگران کی ضرورت تھی' یوں تو ہر طرح کے ہر کارے' کارندے اور نمائندے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے لیکن بیگم صاحبہ خود بھی کاروباری دورے کرتی رہتی تھیں اور اپنے کاروباری امور کا بنظر غائر جائزہ لیتی رہتی تھیں۔ ان دنوں وہ اسی سلسلے میں یورپ کے مختلف ممالک کا دورہ کر رہی تھیں اور آج کل لندن میں مقیم تھیں۔

ہدایت پور کے معاملات سے انھیں بالکل تشویش نہیں تھی کیونکہ وہاں سارا حساب کتاب ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا اور ان کے اپنے وفادار آدمی کام کر رہے تھے۔ چنانچہ لندن کی حسین فضاؤں میں آج کل ان کا وقت گزر رہا تھا۔ چند ضروری کام باقی رہ گئے تھے۔ جن کا اختتام بالکل

قریب تھا۔

اس شام وہ ایک بھری پری سڑک سے گزر رہی تھیں کہ دفعتاً سیاہ رنگ کی ایک کار ان کے قریب آ کر رکی۔ کار اس طرح قریب آ کر رکی تھی کہ بیگم صاحبہ کو ٹھٹکنا پڑا۔ اس کا پچھلا دروازہ کھول کر ایک معمر شخص باہر نکلا۔ فرنچ کٹ داڑھی' انتہائی خوبصورت فریم کا چشمہ' بلند و بالا قد کا مالک' بالوں میں جگہ جگہ سفیدی' عمر کی غمازی کرتی ہوئی۔ وہ اتر کر سامنے آیا اور لکھنوی انداز میں انھوں نے بیگم صاحبہ کو سلام کیا۔

بیگم جہاں آراء ہدایت پور حیران کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔ پھر اس شخص نے کہا۔

"میرا خیال ہے آپ مجھے نہیں پہچانیں بھابی اپنے فرخ کو نہیں پہچانیں؟"

"فرخ؟" بیگم صاحبہ نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں بھابھی آپ۔ آپ بالکل وہی ہیں لیکن فرخ بہت بدل گیا ہے۔ اور کیوں نہ بدل جاتا بائیس تئیس سال کے بعد میں آپ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ یقین کیجیے اگر آپ بالکل ویسی نہ ہوتیں تو میں آپ کو کبھی نہیں پہچان سکتا تھا۔ لیکن عمر نے بس تھوڑا سا اضافہ کیا ہے آپ کی شکل و صورت میں۔ ورنہ آپ جوں کی توں ہیں۔"

"مگر محترم میں نہیں پہچان سکی آپ کو۔" بیگم جہاں آراء نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"بھابھی میرا نام فرخ لطیف ہے۔ شاید اگر آپ اپنے ذہن کو ماضی میں لے جائیں تو میں آپ کو یاد آ جاؤں۔ فرخ لطیف وہ جو جنوبی افریقہ سے آپ کے پاس پہنچا تھا اور نواب صاحب نے آپ سے کہا تھا کہ بیگم آپ نے ساری عمر پردہ کیا لیکن میرا ایک ایسا جگری دوست ہے جس سے اگر آپ پردہ نہیں کریں گی تو مجھے خوشی ہو گی۔ اور نواب صاحب کی خواہش پر آپ شرماتی لجاتی میرے سامنے آ گئی تھیں۔" فرخ لطیف نے انتہائی مہذب اور شائستہ لہجے میں کہا۔

بیگم صاحبہ کے ذہن میں ماضی کی بجلیاں کوندا ٹھیں۔ ایک خوبصورت سا لمبے سے قد کا نوجوان' شریر آنکھوں والا' چہرے پر بچوں جیسی مسکراہٹ اور معصومیت' جسے دیکھ کر خود بخود اس پر

پیار آ جائے‘ نواب ہدایت پور نے اس نوجوان کو اپنے کمرۂ خاص میں بٹھا کر ان سے اندر آنے کی درخواست کی تھی اور یہی الفاظ کہے تھے جو اس وقت فرخ لطیف نے ادا کیے تھے۔ شوہر کا حکم تھا‘ شوہر کی خواہش تھی‘ وہ بھلا کیسے ٹال سکتی تھیں۔ چنانچہ نگاہیں جھکائے اس کے قریب آ گئی تھیں‘ لیکن یہ نگاہیں زیادہ دیر تک جھکی نہ رہ سکیں۔ فرخ لطیف کے شگفتہ جملوں اور پرتہذیب مذاق نے بیگم صاحبہ کو بے حد متاثر کیا تھا۔ دفعتاً ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ارے فرخ میاں‘ میں پہچان گئی آپ کو۔“

”خدا کا شکر ہے بھابھی‘ اگر پہچان گئی ہیں تو براہ کرم آیئے اور گاڑی میں تشریف رکھیے‘ میرے گھر چلیے‘ کچھ دیر آپ کے ساتھ رہ کر دل کو مسرت نصیب ہوگی۔“

”مگر میری گاڑی؟“

”ڈرائیور سے کہیے کہ وہ میرے ساتھ ساتھ آ جائے۔“ فرخ لطیف نے کہا اور پھر جلدی سے بولا۔ ”یا اس سے کہیے کہ واپس چلا جائے‘ میں آپ کو آپ کی قیام گاہ تک پہنچا دوں گا۔“

فرخ لطیف کی پیش کش بیگم جہاں آراء ہدایت پور نہ ٹھکرا سکیں‘ ویسے بھی بے حد پراعتماد خاتون تھیں اور اب تو دنیا سے اس طرح ڈیل کرنے کی عادی ہو گئی تھیں کہ کسی قسم کا کوئی حجاب ہی نہیں رہا تھا۔ انھوں نے تھوڑے سے فاصلے پر کھڑے ہوئے ڈرائیور کو بلایا اور اسے ہدایت کی کہ وہ واپس چلا جائے۔ پھر وہ فرخ لطیف کی شاندار کار میں آ بیٹھیں اور فرخ لطیف کے ڈرائیور نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

فرخ لطیف کی رہائش گاہ بہت زیادہ کشادہ اور عالی شان تو نہیں تھی‘ لیکن صاف ستھری اور خوبصورت تھی‘ اس نے اپنے خوبصورت ڈرائنگ روم میں بیگم جہاں آراء ہدایت پور کو بٹھاتے ہوئے کہا۔

”ابھی دو ماہ قبل مجھے اطلاع ملی تھی کہ میرے بھائی نواب ہدایت پور اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ بدنصیبی میری یہ ہے کہ میں آپ کے پاس تعزیت کو بھی نہیں پہنچ سکا‘ لیکن یقین فرمایئے

ذہن کے گوشوں میں یہ بات ضرور تھی کہ اب جب وطن جا رہا ہوں تو سب سے پہلے تعزیت کے لیے آپ کے پاس پہنچوں گا۔“

”کیوں؟ دو ماہ قبل کیوں‘ اس سے پہلے تمھیں ان کی موت کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا؟ اب تو اسے طویل عرصہ گزر چکا ہے تم کہاں تھے؟“

”جیل میں۔ فرخ لطیف نے گہری سانس لے کر کہا۔ اس کے چہرے پر غم واندوہ کے تاثرات پھیلے ہوئے تھے۔ بیگم صاحبہ نے چونک کر اسے دیکھا اور تعجب سے بولیں۔

”جیل میں کیوں؟“

”لمبی کہانی ہے بھابھی۔ پہلے مجھے یہ بتایئے‘ میں آپ کی کیا خدمت کروں؟“

”کچھ نہیں۔ بس تمھیں اپنے دیور کے روپ میں دیکھا تھا انھوں نے تمھارے لیے ایسے الفاظ کہے تھے کہ اس لیے تم قابل احترام ہو میرے لیے‘ کسی تکلف کی ضرورت نہیں‘ تھوڑی دیر بیٹھوں گی مجھے بتاؤ کیا واقعات پیش آئے تھے تمھیں؟“

”بھابھی تھوڑی دیر نہیں میں آپ کو ایک دو دن اپنے ہاں سے نہیں جانے دوں گا۔“

”یہ ممکن نہیں ہے فرخ میاں۔ میری معذرت قبول کرو۔“ بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے کہا۔ پھر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھ کر بولیں۔

”ویسے میرے پاس ابھی کافی وقت ہے۔ تم اگر چاہو تو رات کا کھانا میں تمھارے ساتھ کھا سکتی ہوں۔“

”مجھے بے حد مسرت ہوگی۔“ فرخ لطیف نے بیل بجا کر ملازم سے کوئی مشروب لانے کے لیے کہا اور اسے رات کے کھانے کے بارے میں کچھ ہدایات بھی دے دیں۔ بیگم جہاں آراء ہدایت پور اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں پھر انھوں نے کہا۔

”تمھارے گھر میں کوئی اور نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے تم نے شادی وادی نہیں کی؟ اس وقت تک تو شاید تم نے نہیں کی تھی شادی۔“

"جی ہاں بھابھی' میں نے اس وقت شادی نہیں کی تھی' لیکن بعد میں کر لی تھی اور اس کے بعد۔" اس کے بعد فرخ لطیف کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

"ہاں ہاں بولو' اس کے بعد کیا ہوا؟"

"کیا آپ میری کہانی سننا پسند کریں گی۔"

"کیوں نہیں بھئی کیوں نہیں؟ میری اپنی کہانی تو مختصر ہے۔ نواب صاحب داغ مفارقت دے گئے' اور میں نے پردہ چھوڑ دیا ہے۔ منظر عام پر آئی کیونکہ یہ میرے لیے بے حد ضروری تھا اپنی بچی کی پرورش کے لیے صحیح نگہداشت کے لیے میرا میدان میں آنا ناگزیر ہو گیا تھا' چنانچہ اب جو کچھ ہوں تمھارے سامنے ہوں اور تمھاری کہانی سننا چاہتی ہوں۔"

"تو سنیے بھابھی۔ یہ آپ سے ملاقات کے تقریباً تین یا چار سال کے بعد کی بات ہے اس دوران نواب صاحب سے میری خط و کتابت ہوتی رہتی تھی۔ ایک دو بار ان سے ملاقات بھی ہوئی تھی۔ میرا یہ چھوٹا سا گھر اس وقت بھی اتنا ہی مختصر اور اتنا ہی محدود تھا' میں اس سلسلے میں زیادہ کروفر کا عادی نہیں ہوں۔ چھوٹا موٹا کاروبار چل رہا تھا کہ میری زندگی میں ایک بھونچال آ گیا۔ وطن سے کچھ ایسے ملازمین جو ہمارے لیے خاندانی حیثیت رکھتے تھے' میرے ساتھ آ گئے تھے' یہاں مجھے ان کی ضرورت تھی' کیونکہ مقامی ملازمین میری اپنی عادات سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ ان میں ایک شخص مہتاب خاں تھا۔ مہتاب خان اپنی ایک بہن کے ساتھ یہاں میرے پاس آ گیا تھا۔ اس کا پورا خاندان وہیں وطن میں تھا۔ مہتاب خان کو اپنی یہ بہن بہت عزیز تھی' لڑکی کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہیں تھی' بے پناہ خوبصورت لڑکی تھی' وہ کسی بھی صورت میں مہتاب خان جیسے آدمی کی بہن نہیں معلوم ہوتی تھی' شگفتہ صورت' شگفتہ مزاج اور بھولی بھالی۔ بھابھی میں اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا' حالانکہ وہ میری ملازمہ تھی' میرے ایک ادنیٰ سے ملازم کی بہن۔ میں بھابھی آپ سے زیادہ کھلے الفاظ میں گفتگو نہیں کر سکوں گا بس یوں سمجھیے کہ نوشابہ میری زندگی میں داخل ہو گئی۔ میں مہتاب خان سے کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکا کیونکہ وہ ذرا غصہ ور طبیعت کا

مالک تھا' اور کچھ ایسی باتیں میں اس کی زبان سے سن چکا تھا جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بہت ہی باعزت اور خوددار قسم کا آدمی ہے' اگر میں نے اس کی بہن کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ یہی سمجھے گا کہ یہ دولت مند کی بوالہوسی ہے' اس سے زیادہ اس بات کو اہمیت نہیں دے گا لیکن نوشابہ کو چھوڑنا بھی میرے لیے ممکن نہیں تھا' چنانچہ ایک دن میں نے مہتاب خان کو کسی کام سے بھیجا اور چوری چھپے قاضی کو بلوا کر نوشابہ کے ساتھ نکاح پڑھوالیا۔

ہم نے اپنی شادی کو پوشیدہ رکھا تھا' دراصل جرأت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ مہتاب خان کو اس بارے میں کچھ بتایا جائے نوشابہ میری بیوی بن چکی تھی لیکن ملازماؤں ہی کی طرح گھر میں رہتی تھی۔ مجھے اس بات کا بہت دکھ تھا' اور میں اس قسم کی ترکیبیں سوچ رہا تھا جن کے ذریعے مہتاب خان کو اصل صورت حال بتائی جائے ویسے بھی مہتاب خان خطرناک قسم کا آدمی تھا' گو میرے سلسلے میں تو وہ بہت ہی مخلص تھا۔ لیکن کئی بار میں اس کے جھگڑے دیکھ چکا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے انگریز غنڈوں کی اس بری طرح پٹائی کی تھی کہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی پانچ آدمی تھے وہ' لیکن مہتاب خاں نے مار مار کر ان کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ بعد کے معاملات مجھے سنبھالنے پڑے تھے' بہرطور وہ انتہائی غصہ ور اور خطرناک قسم کا آدمی تھا' اس لیے بعض اوقات مجھے پریشانی ہو جاتی تھی۔ میں یہ جرأت نہیں کر سکا' کوئی ایسی ترکیب میری سمجھ میں نہ آ سکی جس کے ذریعے میں مہتاب خاں کو اپنے اس سلسلے کے بارے میں کچھ بتا سکتا۔ لیکن تقدیر نے ایک اور گل کھلایا۔ نوشابہ میرے بچے کی ماں بننے والی تھی' مہتاب خاں کو مجھ پر اور اپنی بہن پر اعتبار تھا' اس لیے اس نے کبھی غور بھی نہ کیا اس کی بہن کی کیا حالت ہے ہاں جب نوشابہ نے بچے کو جنم دیا تو اس کے پیروں سے زمین نکل گئی' ساری رات وہ ایک جگہ ایک کونے میں سمٹا کھڑا رہا تھا۔

نوشابہ ماں بن گئی اور پھر مہتاب کا غضب جوش میں آ گیا۔ اس نے رائفل اٹھائی اور نوشابہ کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ میری نگاہیں اس پر جمی ہوئی تھیں۔ اب اس کا موقع نہیں تھا کہ میں تکلف کرتا یا پرہیز کرتا۔ میں اس کے سامنے آ گیا تو اس نے بڑی لجاجت سے کہا۔

"صاحب میرا راستہ نہ روکو' میں جانتا ہوں میری بہن بے قصور ہے بھولی ہے' اسے کسی مردود نے بہکایا ہے' لیکن وہ کیوں بہکی؟ اس لیے میرے لیے یہ ضروری ہے کہ میں اس کا خاتمہ کر دوں اس کے بعد میں اس شخص کو دیکھوں گا جو اس کی بربادی کا باعث بنا ہے۔"

بمشکل تمام میری زبان کھل سکی' میں نے مہتاب خان کو بتایا کہ یہ بچہ میرا ہے۔ اور وہ بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں اس نے خونی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

"تو وہ تم ہو صاحب؟ تم نے ہزاروں میل دور ہمیں بلا کر ہماری عزت لوٹی ہے' تم نے بہت برا کیا ہے صاحب بہت برا کیا ہے۔"

"سنو تو مہتاب خان بات تو سنو۔ میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔۔۔"

"مت بتاؤ صاحب مت بتاؤ۔ بس ہم کچھ اور نہیں سنیں گے۔" وہ واپس لوٹ گیا۔

میری انتہائی کوشش کے باوجود اس نے میری پوری بات نہیں سنی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اب اس کا ردعمل کیا ہوگا لیکن اس خطرناک آدمی کی طرف سے میں بہت پریشان تھا' پھر ایک رات وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔

میں نے گولی چلنے کی آواز سنی' نوشابہ کی پیشانی کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ یقیناً اسے مہتاب خاں نے ہلاک کیا تھا لیکن میرے فرشتے بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ مہتاب خاں ایک معمولی سا آدمی اتنا سازشی ذہن رکھتا ہے۔ جب میں اس جگہ پہنچا جہاں نوشابہ کی لاش پڑی ہوئی تھی تو مہتاب خاں ایک گوشے سے نکل آیا' اس نے وہ پستول میرے ہاتھ میں تھما دیا جس سے گولی چلائی گئی تھی اور اس کے بعد اس نے مجھے پستول سمیت دبوچ کر شور مچا دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایسی سازش کرے گا میرے خلاف' مجھے گرفتار کر لیا گیا اور جب مقدمہ چلا تو مہتاب خاں نے اپنے سازشی ذہن سے کچھ اس طرح کے منصوبے تیار کر لیے کہ میں کسی طور اپنی گلوخلاصی نہیں کرا سکا۔ اس نے عدالت میں بیان دیا کہ میں اس کا مالک ہوں بارہا میں نے اس کی بہن پر

ڈورے ڈالے' اس کی بہن نے اپنے بھائی کو بتایا کہ میں اس پر بری نگاہ رکھتا ہوں لیکن مہتاب خاں مجھے سمجھاتا رہا یہاں تک کہ میں نے اسے دھوکا دیا جس کے نتیجے میں وہ ایک بچے کی ماں بن گئی۔

ان پے در پے حالات نے میرا ذہن اس قدر خراب کر دیا تھا کہ میں اپنے بچاؤ کا کوئی بندوبست نہیں کر سکا۔ میری ذہنی کیفیت ہیجانی سی ہو گئی تھی' میں مہتاب خان کو جان سے مار دینا چاہتا تھا اور ہوا بھی۔ یہی' ایک بار میں نے بھری عدالت میں اس پر قاتلانہ حملہ کیا' ایک انسپکٹر کا ریوالور چھین کر اس پر اندھادھند فائرنگ کی' مہتاب خان زخمی ہو گیا لیکن مجھے مار مار کر ادھ مرا کر دیا گیا' اس طرح میرا مقدمہ سخت ہو گیا' مجھے خطرناک مجرم قرار دیا گیا اور سات سال قید سخت کی سزا دے دی گئی۔

قید کی زندگی میں بھی مجھ پر ذہنی دورے پڑتے رہے تھے' مجھے نہیں معلوم تھا کہ باہر کی دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ نوشابہ مر چکی تھی لیکن میرا بچہ زندہ تھا۔ مجھے بار بار اس کا خیال آتا تھا اور مجھ پر جنونی کیفیت طاری ہو جاتی۔

باہر کی دنیا سے میرا رابطہ بالکل ہی کٹ چکا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے؟ مہتاب خان کس حال میں ہے اور میرا بچہ کہاں ہے؟ معلومات حاصل کرنے کی کوئی کوشش کارگر نہیں ہوئی تھی۔ میرا کوئی ملازم وغیرہ کبھی مجھ سے ملنے نہیں آتا تھا۔ لیکن پھر ایک دن میرا ایک ملازم مجھ سے ملنے آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ مہتاب خان بچے کو لے کر واپس وطن جا رہا ہے۔"

مجھ پر ایک بار پھر جنون کا دورہ پڑ گیا اور میں نے جیل سے فرار ہونے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں جیل کے دو محافظ میرے ہاتھوں شدید زخمی ہو گئے' بعد میں ان میں سے ایک نے اسپتال جا کر دم توڑ دیا اور میرے اوپر ایک نیا مقدمہ قائم کر دیا گیا۔ میری قید سخت کر دی گئی' اور اس نئے مقدمے کے تحت مجھے مزید سات سال کی قید سنا دی گئی۔

مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ایک باقاعدہ مجرم قرار دیا گیا تھا جس کے نتیجے میں میرے ساتھ حادثات ہوتے رہے یوں میں نے جیل میں تقریباً انیس سال گزارے۔

انیس سال کے بعد مجھے جیل سے رہائی نصیب ہوئی' دنیا بدل چکی تھی' میرا کاروبار بند ہوگیا تھا لیکن میرے اثاثے محفوظ تھے' بس میں نے انھیں سنبھالا' جذبات کا وہ بھوت اتر چکا تھا۔ ہرچند کہ مجھے اپنے بچے کی یاد ستاتی تھی' نوشابہ جب بھی یاد آتی' اس کے ساتھ ہی مجھے اپنا بچہ بھی یاد آتا تھا' مہتاب خان سے مجھے شدید نفرت محسوس ہوتی تھی۔ بارہا میرے دل میں انتقامی جذبے ابھرے لیکن میں نے خود کو سنبھالے رکھا۔ زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ ضائع ہوچکا تھا۔ اب مزید حماقتیں کرکے زندگی کو تباہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ اب میں تین چار سال سے اپنے کاروبار میں مصروف ہوں' لیکن دل میں یہی احساس چٹکیاں لیتا رہتا ہے کہ پتا نہیں میرا بچہ زندہ ہے یا مرگیا ہے' کس حال میں ہے' کہاں گیا۔ میں اس کے لیے سخت پریشان ہوں۔ میں نے مختلف ذرائع سے کوشش کی کہ مہتاب خان کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکے' اور جس قدر معلومات مجھے حاصل ہوئیں ان سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ وطن واپس چلا گیا تھا اور اب وہیں ہے' بچے کے بارے میں مجھے کوئی معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ یہ حیرت انگیز بات ہے بھابھی صاحبہ کہ آپ سے ملاقات ہوگئی' میں ایک آدھ ہفتے کے اندر وہاں جانے والا ہوں۔''

فرخ لطیف کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ اس کا گمبھیر چہرہ کچھ اور سنجیدہ ہوگیا تھا اس کے چہرے میں وہی معصومیت وہی وقار اب بھی باقی تھا جو بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے بہت پہلے دیکھا تھا اس کی کہانی سے وہ بہت متاثر ہوئی تھیں۔ پھر انھوں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''زندگی میں بعض لغزشیں ایسی ہوتی ہیں جس کا طویل نقصان بھگتنا پڑتا ہے۔''

''ہاں بھابھی آپ اندازہ لگا لیجیے' میں نے اپنی زندگی کے انیس سال جیل میں گزارے ہیں۔ سخت ترین مشکلات میں گھیر کر' میں برا آدمی نہیں تھا لیکن جیل کی زندگی میں مجھے برا آدمی قرار دیا گیا تھا اور اس کی وجہ میری کوئی خرابی نہیں بلکہ میرا وہ جنون تھا جو میرے ذہن میں سمایا ہوا تھا۔''

''تم کب وہاں جارہے ہو فرخ؟'' بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے پوچھا۔

''بس ایک ہفتے کے اندر اندر' میں تمام تیاریاں مکمل کرچکا ہوں۔''

''کیا تمھیں علم ہوچکا ہے کہ مہتاب خان وہاں کس جگہ رہتا ہے؟''

''جی ہاں' اس کا تعلق جمال گڑھی نامی ایک بستی سے تھا اور یقیناً وہ وہیں ہوگا' گو صحیح شواہد تو نہیں مل سکے لیکن اشارے یہی ملے ہیں کہ وہ جمال گڑھی میں موجود ہے اور زندہ ہے۔''

''اور تمھارا بچہ؟''

''اس کے بارے میں مجھے کچھ نہیں معلوم ہوسکا۔ لیکن میں وہاں پہنچ کر یہ تمام معلومات حاصل کرلوں گا۔''

''اتفاق کی بات ہے کہ میں بھی ایک ہفتے کے اندر اندر واپس جارہی ہوں' یوں کرو تم میرے ساتھ چلو' میں تمھیں تمھارے اس کام میں مدد بھی دے سکوں گی۔''

''بہت شکریہ بھابھی جان' یہ تو بہت ہی اچھی بات ہوگی' میں آپکے ساتھ چلوں گا۔''

بیگم جہاں آراء ہدایت پور تھوڑی دیر تک وہاں رکیں۔ رات کا کھانا کھایا اور اس کے بعد فرخ لطیف انھیں ان کے ہوٹل تک چھوڑ گیا۔

بیگم جہاں آراء ہدایت پور فرخ لطیف کی کہانی سے بے حد متاثر ہوئی تھیں ان کے شوہر کا چہیتا دوست تھا اب یہ دوسری بات تھی کہ انتہائی طویل عرصہ گزر چکا تھا ان سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی بیگم جہاں آراء کو بھی اس کا خیال نہیں آیا تھا کبھی کوئی ایسا موقع ہی نہیں آیا تھا کہ جب فرخ لطیف ذہن میں آتا۔ بہرطور اب وہ اس کی مدد کا تہیہ کیے ہوئے تھیں۔ وطن واپس ہوتے ہوئے راستے میں انھوں نے فرخ لطیف سے اس کا پروگرام پوچھا تو اس نے کہا۔

''وہاں مجھے آپ کا بہت بڑا سہارا ہوگا بھابھی صاحبہ' لیکن میں علی الاعلان مہتاب خان تک نہیں پہنچوں گا ورنہ مجھے یقین ہے کہ وہ روپوش ہوجائے گا اور میرے بیٹے کو بھی کہیں چھپا دے گا۔ اس کے دل میں میرے لیے انتقام کا جذبہ ہے جسے وہ پورا کیے بغیر باز نہ آئے گا۔ بلکہ میری

زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔"

"ہوں۔" بیگم جہاں آراء ہدایت پور کچھ سوچنے لگیں پھر دفعتاً چونک کر بولیں۔

"ارے واہ۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ تم فکر نہ کرو فرخ' یوں کرنا کہ تم دارالحکومت اتر جانا' وہاں کسی ہوٹل میں قیام کرنا' میں تمہیں ایک ایسا پتا بتا دوں گی اور ایسے لوگوں سے تمہاری ملاقات کرا دوں گی جو تمھارے لیے بے حد کارآمد ہو سکتے ہیں۔ میرے ذہن میں یہ بات پہلے نہیں آئی تھی ان سے بہتر آدمی اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"کون ہیں وہ؟" فرخ لطیف نے سوال کیا اور بیگم جہاں آراء کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ڈی۔ ڈی۔ ٹی لمیٹڈ۔"

"یہ کیا چیز ہے؟"

"یہ چیز تین افراد پر مشتمل ہے اور یہ تینوں آسمان میں سوراخ کرنے والوں میں سے ہیں۔ میرے خیال میں ان سے عمدہ آدمی اور کوئی نہیں ہو سکتا تمہارے لیے۔ ویسے اگر تم چاہو گے تو میں تمھیں پولیس کی بھی بھرپور مدد دلوا سکتی ہوں لیکن پولیس کا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہو جائے گا۔ بہت سی باتیں سامنے آئیں گی اور تمھارے لیے مشکلات پیدا ہوں گی ان لوگوں سے ملنے کے بعد تم اپنے سارے معاملات طے کر سکتے ہو۔ میں تمھیں ان کے لیے ایک خط دے دوں گی یا پھر اگر موقعہ ہوا تو خود بھی ان کے پاس چلوں گی۔"

"نہیں آپ صرف اتنا کریں بھابی صاحبہ کہ مجھے ان کے نام ایک رقعہ دے دیں میں ان سے ملاقات کر لوں گا' آپ مطمئن رہیں میرے اس کام سے جب مجھے فرصت مل جائے گی تو پھر میں ہدایت پور آ کے آپ کے پاس کچھ عرصے قیام کروں گا۔"

"یقیناً یقیناً۔ خدا کرے اس وقت تمھارا بیٹا بھی تمھارے ساتھ ہو۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور فرخ لطیف آبدیدہ ہو گیا۔

دارالحکومت کے ایک شاندار ہوٹل میں بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے فرخ لطیف کے قیام کا انتظام کیا اور اس کے بعد انھوں نے سعدی کے نام ایک خط لکھ دیا جس میں اس سے کہا گیا تھا کہ باقی معاملات وہ خود طے کریں گے یہ لوگ فوری طور پر فرخ لطیف کے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو جائیں۔ یہ خط دینے کے بعد انھوں نے فرخ لطیف سے اپنے لیے مزید خدمات پوچھیں اور پھر اس سے رخصت ہو کر ہدایت پور چلی گئیں۔

فرخ لطیف دوسرے دن ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ جانے کا پروگرام بنا چکا تھا' اس کے پاس اس دفتر کا مکمل پتا موجود تھا اس کے دل میں بے شمار خیالات جنم لے رہے تھے' اپنے بیٹے کا تصور اس کے لیے بہت ہی دل خوش کن تھا۔ نوشابہ تو اس دنیا سے چلی گئی تھی لیکن اس کا بچہ۔۔۔۔ میں اسے بہترین زندگی دوں گا' میرا جو کچھ ہے اس کے لیے ہے۔ فرخ لطیف سوچتا۔ دوسرے دن گیارہ بجے وہ بیگم جہاں آراء کے دیے ہوئے پتے پر پہنچ گیا۔ بلڈنگ ٹھیک ٹھاک تھی' وطن کو دیکھے ہوئے عرصہ گزر گیا تھا اس کی گلیاں' سڑکیں اور بازار اسے عجیب سے لگ رہے تھے' بہر طور وہ اسی عمارت میں پہنچ گیا جہاں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا دفتر بتایا گیا تھا لیکن جب وہ اس دفتر کے دروازے پر پہنچا تو اس نے وہاں ایک بورڈ لگا ہوا دیکھا جس پر بڑے خوبصورت انداز میں لکھا ہوا تھا' روٹی کپڑا اور مکان' یہ بات فرخ لطیف کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے قریب سے گزرتے ہوئے ایک شخص سے پوچھا۔

"بھائی یہاں کوئی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا دفتر ہے؟"

"آپ اس کے سامنے ہی کھڑے ہیں جناب۔ اب وہ دفتر ختم ہو چکا ہے اور یہاں روٹی کپڑا اور مکان بکتا ہے۔" اس شخص نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اندر چلے جائیے۔ مطلب خود بخود سمجھ میں آ جائے گا۔"

فرخ لطیف نے شانے جھٹکے اور اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ سامنے ہی ایک

پارٹیشن بنا ہوا تھا جس میں تین راہداریاں رکھی گئی تھیں۔ ان راہداریوں میں اشاراتی بورڈ لگے ہوئے تھے جن میں سے ایک پر لکھا تھا روٹی' دوسرے پر لکھا تھا کپڑا اور تیسرے پر مکان۔ تینوں بورڈ تین مختلف راہداریوں کی جانب اشارہ کرتے تھے فرخ لطیف کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے بہرطور جو راہداری سب سے پہلے سامنے نظر آئی وہ اس میں داخل ہو گیا اس پر لکھا ہوا تھا کہ مکان۔ راہداری سے گزرنے کے بعد وہ ایک خوبصورت سجے سجائے کمرے میں داخل ہو گیا۔ سامنے ہی ایک بڑی سی میز لگی ہوئی تھی اس کے اطراف میں صوفے پڑے ہوئے تھے' میز کے پیچھے ایک خوبصورت سی لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اور کسی کام میں منہمک تھی۔ فرخ لطیف کو دیکھ کر اس نے آنکھوں پر لگا ہوا چشمہ اتار کر نیچے رکھا اور خوش اخلاقی سے کہنے لگی۔

''تشریف لائیے۔ مسٹر تشریف لائیے۔''

''شکریہ۔ وہ دراصل میں۔۔۔۔''

''یقیناً آپ کو مکان کی ضرورت ہوگی' کیسا مکان چاہیئے آپ کو؟ کرائے پر یا خریدنا ہے؟ کون سے علاقے میں کتنا بڑا ہو؟ اور کس صورت حال کو آپ زیادہ پسند کریں گے؟''

''ہاں' ہاں گھبرائیے نہیں' تشریف تو رکھیے' مکان آپ کی پسند کے مطابق آپ کو مل جائے گا۔''

''وہ مجھے مکان نہیں چاہیئے محترمہ۔۔۔۔''

''پھر کیا چاہیئے روٹی' اگر آپ کو روٹی چاہیئے تو براہ کرم دوسری راہداری میں چلے جائیے وہاں آپ کو سیٹھ ظفری بھائی روٹی والا ملے گا وہ آپ کے لیے ہر طرح کا بندوبست کر دے گا۔''

''محترمہ۔ میری بات تو سن لیجئے پوری۔ مجھے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ارکان سے ملنا ہے ایک بہت اہم مسئلے میں میں حاضر ہوا ہوں۔''

''کمال کی بات ہے یوں لگتا ہے جیسے آپ اخبارات نہیں دیکھتے یا اگر دیکھتے ہیں تو انھیں بغور نہیں پڑھتے۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ختم ہو چکا ہے۔ ویسے آپ کو کیا کام تھا۔''

''میں اس ادارے کے کسی ذمہ دار فرد سے ملنا چاہتا تھا۔''

''غالباً کوئی قدیم اخبار آپ کی نگاہوں سے گذرا ہوگا اور اس میں آپ ہمارا اشتہار پڑھ کر آئے ہوں گے۔ بہرطور آپ سعدی بھائی کپڑا والا سے مل لیجیے یا پھر آیئے میں ہی ان سے آپ کو ملوا دوں۔'' لڑکی نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

فرخ لطیف متحیرانہ انداز میں اس کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا اس راہداری میں آ گیا جس میں کپڑا' کا بورڈ لگا ہوا تھا وہ اندر داخل ہو گئے یہاں بھی ویسی ہی ایک میز لگی ہوئی تھی اور اسی کے پیچھے ایک سبک سا نوجوان بیٹھا کسی کام میں منہمک تھا اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک ضعیف العمر شخص بیٹھا ہوا تھا جو ٹائپ رائٹر کے بٹنوں پر خواہ مخواہ کھٹ کھٹ کر رہا تھا۔ جبکہ یہ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ٹائپ رائٹر سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔''

''سعدی بھائی کپڑے والا۔ لڑکی نے اس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اور سعدی جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تشریف رکھیے۔ تشریف رکھیے۔ غالباً آپ کپڑے کے بیوپاری ہیں یا پھر کپڑے کا کوئی کاروبار شروع کرنا چاہتے ہیں۔ تشریف تو رکھیے آپ۔'' سعدی نے بڑے اخلاق سے کہا اور فرخ لطیف گہری سانس لے کر بیٹھ گئے۔

''شکیلہ تم ذرا ظفری بھائی روٹی والا کو ادھر بلا دو۔'' سعدی نے کہا اور شکیلہ نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد ظفری بھی وہاں پہنچ گیا اور تینوں فرخ لطیف کی شکل دیکھنے لگے۔

''بھائی یہ روٹی' کپڑا اور مکان تو میری سمجھ میں نہیں آیا لیکن ایک خط میں آپ لوگوں کے لیے لے کر آیا ہوں۔''

''خط کس کا ہے؟'' اس دوران فرخ لطیف بیگم جہاں آرا ہدایت پور کا لفافہ نکال چکا تھا اس نے وہ لفافہ سعدی کی طرف بڑھایا۔ سعدی نے لفافہ کھول کر دیکھا اسے پڑھا اور پھر ایک گہری سانس لے کر چاروں طرف دیکھنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔

"محترم قسم کھائیے کہ آپ کا تعلق کسی طرح محکمہء پولیس سے تو نہیں ہے؟"

"میں نہیں سمجھا جناب۔" فرخ لطیف نے کہا۔

"بس یوں سمجھیے کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ختم ہو گیا اور اب روٹی' کپڑا اور مکان کا کاروبار چل رہا ہے۔ یہ مس شکیلہ ہیں جو پراپرٹی ڈیلر ہیں ہر قسم کے مکانات کی خرید و فروخت کرتی ہیں' کرائے پر دلواتی ہیں اور یہ ظفری بھائی روٹی والا ہیں اناج کے بڑے بڑے سودے کراتے ہیں خاکسار کا تعلق کپڑے سے ہے بڑی بڑی ملوں سے کپڑا خریدا جاتا ہے اور فروخت کیا جاتا ہے ہر قسم کے اسٹاک اور ہر طرح کے کاروبار میں ہم آپ سے تعاون کر سکتے ہیں۔ یہ بیگم جہاں آراء ہدایت پور یہ محترمہ کب تشریف لائی ہیں؟"

"ہم دونوں ساتھ ساتھ یورپ سے واپس آئے ہیں۔"

"کب؟"

"پچھلے دن۔"

"اوہ غالباً یہ ہدایت پور چلی گئی ہوں گی؟"

"جی ہاں۔ میں ایک اہم مسئلے میں آپ سے امداد چاہتا ہوں۔"

"ایک منٹ محترم' ایک منٹ۔ صورت حال کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ ہم بڑے محتاط ہو گئے ہیں میں ذرا بیگم صاحبہ سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔" سعدی نے کہا اور ہدایت پور کے لیے ٹیلی فون کال ملانے لگا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد ہدایت پور کال مل گئی اور سعدی نے بیگم صاحبہ سے گفتگو کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ چند ہی لمحے کے بعد بیگم صاحبہ کی آواز سنائی دی۔

"جی میں سعدی بول رہا ہوں۔"

"اوہ۔ سعدی میاں خیریت' کیسے ہو؟ کیا حال چال ہیں؟"

"حال چال ابھی آپ کو معلوم نہیں ہوئے ہمارے شاید؟"

یہاں کے کچھ معاملات الجھے ہوئے تھے انھی میں مصروف ہوں تو خیر خاص باتیں تو

آپ کو ذرا تفصیل سے بتائیں گے میں ان حضرات کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں جو آپ کا خط لے کر میرے پاس آئے ہیں۔"

"ان کا نام فرخ لطیف ہے خط میں میں نے جو کچھ لکھا ہے بالکل ٹھیک ہے تم ان سے بھرپور تعاون کرو گے۔ انھیں ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچاؤ گے۔"

"شکریہ بس یہی معلوم کرنا تھا آپ سے۔" سعدی نے کہا اور فون رکھ دیا پھر وہ بڑے تذبذب سے فرخ لطیف کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"ہاں محترم اب فرمائیے آپ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"بھائی نہ مجھے روٹی چاہیے نہ کپڑا اور نہ مکان یہ بتاؤ کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کیا ہوا؟"

"میں نے عرض کیا نا وہ ختم ہو چکا ہے لیکن ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔"

"جو کہانی میں تمھیں سناؤں گا اس میں تم میرا ساتھ دینے کا وعدہ کرتے ہو۔"

"بخدا دل و جان سے۔" سعدی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور فرخ لطیف انھیں اپنی کہانی سنانے لگا۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ بغور اس کہانی کو سن رہے تھے۔ پوری کہانی سننے کے بعد سعدی کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ مضطرب صاحب جو ٹائپ رائٹر پر بیٹھے کھٹ کھٹ کر رہے تھے اب ساکت و جامد ہو گئے تھے اور وہ بھی اس کہانی کو پورے غور سے سن رہے تھے۔ دفعتاً وہ بول پڑے۔

فرخ لطیف صاحب کا بیان درست ہے۔ سعدی صاحب جمال گڑھی میں مہتاب نامی ایک شخص رہتا ہے آپ کو علم ہے کہ جمال گڑھی میں میری خالہ زاد بہن رہتی ہے اور میں اکثر وہاں جاتا رہتا ہوں۔ جمال گڑھی کے مہتاب خان کو کون نہیں جانتا مگر وہ تو بڑے غنڈے قسم کا آدمی ہے وہیں پر اس نے ایک چھوٹا سا ہوٹل کھول رکھا ہے' ہوٹل کیا تم اسے سرائے کہہ سکتے ہو جمال گڑھی چھوٹی سی جگہ ہے وہاں کوئی بڑا ہوٹل نہیں ہے۔" مضطرب صاحب کے الفاظ سن کر سعدی' ظفری اور شکیلہ چونک پڑے تھے۔

"اوہ۔ آپ مہتاب صاحب کو براہ راست جانتے ہیں۔"

"براہ راست تو نہیں جانتا لیکن واقف ضرور ہوں۔ میں نے اس کے بارے میں سنا ہے کہ وہ غنڈا ہے۔"

"ممکن ہے یہ وہ مہتاب خان نہ ہو۔"

"ہاں۔ یہ بھی ممکن ہے لیکن بہرطور جمال گڑھی کا نام اس کے ساتھ منسوب ہے اس لیے میں نے یہ بات کہی تھی۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"پھر بھی اگر اس کا تعلق جمال گڑھی سے ہے تو ہم اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ ممکن ہے یہ وہی مہتاب خان ہو۔ ایک بات بتایئے مضطرب صاحب کو اس مہتاب خان کو وہاں رہتے ہوئے کتنا عرصہ گزر گیا۔"

"بھائی یہ تو معلوم نہیں، مجھے بھی وہاں گئے ہوئے تین چار سال ہو گئے ہیں جبھی میں نے مہتاب خان کے بارے میں یہ باتیں سنی تھیں اور اس کا ہوٹل یا سرائے دیکھی تھی۔

"ہاں۔ فرخ لطیف صاحب ٹھیک ہے ہم آپ کی اس سلسلے میں مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ مطمئن رہیں۔

بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے مجھے جو ہدایت دی ہیں اس کے تحت کام کرنا شروع کر دیا جائے گا۔ دراصل ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں آپ کو تھوڑی سی تفصیلات بتا دوں، بلکہ یہ تفصیلات بیگم جہاں آراء صاحبہ کو بھی معلوم نہیں۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ لوگوں کے لیے ایک مددگار ادارہ تھا ہم مناسب معاوضہ لے کر لوگوں کی مشکلات حل کرتے تھے۔ یعنی وہ مشکلات جن کے بارے میں وہ پولیس سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے لیکن نئے ڈی آئی جی صاحب نے تشریف لا کر صورت حال بگاڑ دی اور ہمارا ادارہ ختم کر دیا گیا اور اس کے بعد مجبوراً ہمیں دوسرے کاروبار کرنے پڑے۔ ابھی پچھلے دنوں ایک فلم کمپنی کھولی تھی لیکن بس اس کی تفصیلات نہ پوچھیے۔ پھر ہم نے یہی فیصلہ کیا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو روٹی، کپڑا اور مکان کا کاروبار بنا دیا جائے۔ چنانچہ اب یہاں کپڑے کی آڑھت بھی ہوتی ہے گندم کی آڑھت بھی یہاں ہے اور ایک پراپرٹی ڈیلر بھی یہاں ہے اس طرح

یہ تینوں مسئلے یہاں حل کر دیے گئے ہیں لیکن ان کے در پردہ ہم نے وہ کام بھی شروع کر دیا ہے جو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کرتا تھا لیکن محتاط انداز میں۔ اب ہم ایسے کیس اپنے ہاتھ میں لیتے ہیں جن کے بارے میں ہمیں یقین ہوتا ہے کہ پولیس ان کی طرف متوجہ نہیں ہوگی یا پھر وہ پولیس کے لیے دخل اندازی کا باعث نہیں ہوں گے۔"

"اوہ تم تمہیں یہاں اپنا کام کرنے میں خاصی مشکلات پیش آتی ہیں۔"

"اجی ابھی کام شروع ہی کہاں کیا ہے۔ آپ پہلے آدمی ہیں جو اس سلسلے میں تشریف لائے ہیں ورنہ اب تک ظفری کوئی چالیس من گندم بیچ چکے ہیں، میں بھی اچھا خاصا کپڑا بیچ چکا ہوں، شکیلہ چار مکان کرائے پر اٹھا چکی ہیں اور دو مکانوں کا سودا کرا چکی ہیں جن کا کمیشن ابھی ہمیں نہیں ملا۔ بہرطور اس طرح مشترکہ طور پر یہ کاروبار چل رہا ہے۔"

"خاصے دلچسپ لوگ معلوم ہوتے ہیں آپ، ذہین تعلیم یافتہ آپ نے اپنے بچاؤ کا یہ بہترین طریقہ نکال لیا ہے۔"

"مجبوری تھی فرخ لطیف صاحب۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا ویسے اب یہ فرمایئے کہ آپ کا قیام کہاں ہے؟"

"ابھی تو یہیں ایک ہوٹل میں مقیم ہوں لیکن آپ نے یہ امید دلا دی ہے تو پھر جیسا آپ چاہیں گے۔ اگر آپ چاہیں گے تو آپ کا ساتھ بھی دے سکتا ہوں۔ آپ چاہیں تو یہاں بھی رہ سکتا ہوں۔ اگر یہ کام مناسب نہ ہو تو پھر ہدایت پور چلا جاؤں گا بیگم صاحبہ میری بھابھی ہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ ہم اس سلسلے میں بیگم صاحبہ سے رابطہ رکھیں گے۔"

"تو پھر آپ میرے سلسلے میں کب سے کام شروع کر رہے ہیں؟"

"یوں سمجھ لیجیے کہ کام شروع ہو گیا۔" سعدی نے جواب دیا اور فرخ لطیف گردن ہلانے لگا پھر اس نے دبے ہوئے لہجے میں کہا۔

”معاف کیجئے گا مجھے آپ کے معاوضے کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ بیگم صاحب سے آپ کے جو تعلقات ہوں لیکن کاروبار' کاروبار ہے۔ میں وہ معاوضہ آپ کو ادا کرنا چاہتا ہوں۔“

”معاوضے وغیرہ کا مسئلہ چھوڑ دیجیے' بیگم ہدایت پور کا خط ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ فرخ صاحب آپ آرام کیجیے ہم انشاءاللہ تعالیٰ آپ کا کام کریں گے۔“

رسمی گفتگو کے بعد فرخ لطیف وہاں سے چلا گیا۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ مضطرب صاحب کی خالہ زاد بہن جمال گڑھی میں رہتی تھیں وہ وہیں سے ٹیٹو کو لے کر آئے تھے۔ چنانچہ ٹیٹو کا تعلق بھی وہیں سے تھا۔ ٹیٹو کو واپس بلا لیا گیا تھا۔ دراصل فلم کمپنی فلاپ ہونے کے بعد کافی دن تک یہ لوگ ذہنی طور پر پریشان رہے تھے کوئی کاروبار سمجھ میں نہیں آتا تھا ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا دفتر خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے مشورہ کر کے روٹی' کپڑا اور مکان کا یہ دفتر کھولا تھا۔ شکیلہ کو پراپرٹی ڈیلر بنا دیا تھا۔ سعدی بھائی کپڑا والا بن گئے تھے اور ظفری بھائی روٹی والا۔

اس طرح انھوں نے چھوٹے موٹے پیمانے پر کاروبار شروع کیا تھا لیکن ذہن میں یہی بات تھی کہ اگر کوئی اس انداز کا کیس ہاتھ لگ جاتا ہے تو پھر اس پر بھی کام کرتے رہیں گے اور جب پولیس ان کے راستے میں مزاحم تھی تو انھیں اس انداز میں کام کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا تھا اور یہ اس سلسلے میں ان کا پہلا کیس تھا۔

”سب سے پہلی بات تو یہ ہے ظفری صاحب کہ ہمیں اس سلسلے میں انتہائی محتاط انداز سے کام کرنا پڑے گا اس سارے معاملے میں معاوضہ ملوث نہیں ہے کیونکہ یہ بیگم ہدایت پور کا کام ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بیگم صاحبہ واپس آ گئی ہیں۔ انھیں صورت حال کا علم تو نہیں ہوگا ورنہ وہ پہلے ہم سے ملنے کے لیے ضرور آتیں ان تمام باتوں کو بعد میں طے کیا جائے گا لیکن اب مسئلہ یہ ہے کہ اس سلسلے میں کیا پروگرام بنایا جائے؟“

”مہتاب خان کو میں جانتا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ وہی مہتاب خان ہوگا۔ وہاں جا کر اس سلسلے میں معلومات ہو سکتی ہیں۔“ مضطرب صاحب نے کہا۔

”تو پھر میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے مضطرب صاحب۔“

”کیا؟“

”آپ اور للوا۔ میرا مطلب ہے مارشل ٹیٹو جمال گڑھی سے بخوبی واقف ہیں۔ دوسرا آدمی ظفری ہوگا۔ جو وہاں مہتاب خان کو شیشے میں اتارنے کا کام کرے گا۔ ظفری تم یوں کرو کہ مہتاب خاں کی سرائے میں جا کر ٹھیرو اور اپنے مضطرب صاحب اور بھائی للوا یعنی ٹیٹو الگ جائیں گے۔ مضطرب صاحب اپنی خالہ زاد بہن کے ہاں ٹھیریں گے تم سب سے پہلے تو یہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو کہ کیا یہ وہی مہتاب خاں ہے جو لندن میں رہ چکا ہے اور وہ کسی بچے کو لے کر آیا تھا اگر وہ بچہ لے کر آیا تھا تو اب وہ کہاں ہے اور اگر مہتاب خاں سے یہ معلومات حاصل ہو جائیں تو پھر مضطرب صاحب اور تم سب مل کر کسی نہ کسی طرح اس بچے کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جو یقیناً اب بڑا ہو چکا ہوگا۔“

”ہوں۔“ ظفری پر خیال انداز میں داہنا گال کھجانے لگا۔ پھر بولا۔

”میرا خیال ہے سعدی میرا اس حلیے میں جانا مناسب نہیں ہے۔ میں ایک دیہاتی کا حلیہ اختیار کر لوں گا اس حلیے میں اگر میں وہاں ٹھیروں گا تو مہتاب خان میرے سلسلے میں محتاط ہو جائے گا۔ جیسا کہ اس کے بارے میں سنا گیا ہے کہ وہ محتاط آدمی ہے۔“

”ہاں بالکل صحیح پروگرام ہے۔ تم تیاریاں کرو ہم اس نئے کیس پر کام شروع کرتے ہیں۔“

”یار مگر بلا معاوضہ کیس ہے۔“

”کیسی باتیں کر رہے ہو احمق آدمی' بیگم جہاں آراء ہدایت پور کے کم احسانات ہیں ہمارے اوپر اور پھر دیکھو اب وہ آ گئی ہیں آئندہ ہمارے لیے کیا ہوتا ہے اس سلسلے میں وہ ہماری

بہترین معاون ثابت ہوگی۔'' سعدی نے کہا اور ظفری پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

جمال گڑھی ایک پس ماندہ پہاڑی تھی خوبصورت موسم اور خوبصورت مناظر کی بستی ریلوے اسٹیشن سے کافی فاصلہ طے کرنا ہوتا تھا۔ یہ فاصلہ تقریباً چار فرلانگ کے قریب تھا اور اس راستے پر کوئی سواری نہیں ملتی تھی۔ تینوں ساتھ ساتھ ہی بستی میں داخل ہوئے تھے۔ لیکن بستی میں داخل ہونے کے بعد انھوں نے رخ بدل لیے۔ مضطرب صاحب اور ٹیٹو تو ایک سمت چل پڑے جہاں مضطرب صاحب کی خالہ زاد بہن رہتی تھیں اور ظفری کو مضطرب صاحب نے مہتاب خان کی سرائے کا پتا بتا دیا۔ ان لوگوں کے درمیان باقی معاملات طے ہوگئے تھے کہ کس طرح ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھا جائے گا ظفری مہتاب خان کی سرائے کی طرف چل پڑا۔ جس کے بارے میں پتا چلا تھا کہ وہ ایک پگڈنڈی سے اترنے کے بعد پہاڑی کے دامن میں بنی ہوئی ہے۔ یہ پگڈنڈی بیچ در بیچ کھیتوں کے درمیان سے گزرتی تھی۔

ظفری بادلوں کی سرمئی چھاؤں میں گنگناتا ہوا راستہ طے کر رہا تھا۔ اس کے بدن پر دیہاتیوں کا سا لباس تھا۔ حلیے میں بھی معمولی سی تبدیلی پیدا کر لی گئی تھی تا کہ وہ ایک خالص دیہاتی معلوم ہو یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ اس بستی میں نمایاں نہ ہو جائے۔ لوگ اس پر شک نہ کرنے لگیں وہ کھیتوں کے درمیان سے گزر ہی رہا تھا کہ دفعتاً ایک کھیت میں سے ایک عورت معمولی سے سادہ سفید لباس میں ملبوس باہر نکلی۔ مرجھایا ہوا سا چہرہ لیکن خدوخال اچھے خاصے تھے۔ وہ ٹوکرے میں کوئی چیز اٹھائے ہوئے تھی جسے اس نے سر پر رکھا ہوا تھا۔ چند ہی قدم چلی تھی کہ ظفری کو دیکھ کر اس کے ہاتھ سے ٹوکرا چھوٹ گیا۔ وہ بھونچکی سی رہ گئی۔ ظفری نے اس کا گرا ہوا ٹوکرا دیکھا اور پھر اس عورت کے چہرے کی طرف لیکن عورت کے چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔

''کیا ہوا؟ کیا ہو گیا تمھیں؟'' اس نے حیرت سے پہلے اسے اور پھر ٹوکرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن دوسرے لمحے عورت نے ایک چیخ ماری اور تیزی سے ظفری کی طرف دوڑی۔

''گلاب۔ گلاب۔ تو آ گیا گلاب۔ تو آ گیا۔ بے وفا ہرجائی۔ میں تو جانتی تھی تیرے بارے میں' تیرے بارے میں' میں اچھی طرح جانتی تھی۔ میں نے پہلے ہی بابا سے کہا تھا کہ مجھے تیرے پلے میں نہ باندھیں تو چھوڑ جائے گا مجھے۔ رانی اور سدو تیرے بارے میں ٹھیک ہی کہتی تھیں۔ تو آ گیا گلاب کہاں مر گیا تھا کہاں مر گیا تھا۔ میری نہیں تو اپنے بچوں کی بھی فکر نہیں تھی تجھے چل میرے ساتھ۔''

''ارے ارے کیا دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا۔ میں نہ گلاب ہوں نہ موتیا میرا نام تو جمن ہے۔''

''مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کر میں اڑتی چڑیا کے پر گن لیتی ہوں سمجھا تو۔ اب تو میرے ہاتھ سے نکل کر کہاں جائے گا' دیکھتی ہوں میں۔'' اس نے کہا اور کھیتوں میں گھس کر ایک لمبی سی لکڑی اٹھا لی۔

''چل میرے ساتھ گھر چل' اچھا نہیں ہوگا۔ دیکھ گلاب میں تجھ سے کہے دیتی ہوں۔ اچھا نہیں ہوگا۔''

''ارے ارے پاگل ہو گئی ہے تو کیا بدتمیزی ہے یہ۔'' ظفری بوکھلا کر چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ عورت نے لکڑی گھمائی اور ظفری اس کی زد سے نکل کر ایک طرف ہو گیا۔ اس نے دوڑ لگانے کی سوچی ہی تھی کہ عورت اس کے راستے میں پھر آ گئی۔

''دیکھ گلاب میں تیری بیوی ہوں۔ میرے بچے ہیں۔ دونوں بچے تجھے اتنا یاد کرتے ہیں کہ تو ان کی حالت دیکھ ذرا چل کر ایک بار ان پر نگاہ ڈال لے پھر بھی تیرا دل نہ پسیجے تو تیرا جہاں دل چاہے چلا جائیو۔'' عورت نے کہا۔

''میں کہتا ہوں۔ میں کہتا ہوں۔ ہٹ جا میرے سامنے سے میرا نام گلاب نہیں' جمن ہے۔ دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تیرا' زبردستی اپنا شوہر بنا رہی ہے۔''

''زبردستی تو نے پچیس آدمیوں کے بیچ مجھ سے نکاح کیا تھا' دیکھتی ہوں کہاں جائے گا

بچ کر۔"

"ارے جا جا لکاح کی بچی تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے مجھے مہتاب خان کی سرائے جانا ہے۔"

"جا جا چلا جا دیکھ لوں گی تجھے اچھی طرح۔ دیکھ لوں گی۔" عورت نے کہا۔ اور اپنے ٹوکرے سے گرے ہوئے سامان کو سمیٹنے لگی۔

ظفری کافی دیر بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے شانے اچکائے اور آگے بڑھ گیا۔ اس نے بڑی پریشانی کے انداز میں سوچا تھا کہ یہ ایک بیوی یہاں داخل ہوتے ہی گلے پڑ گئی اب پتا نہیں یہ کیا رنگ لائے گی۔ کوئی غلط فہمی ہوئی ہے اس عورت کو۔ یا پھر ممکن ہے کہ وہ صحیح الدماغ ہی نہ ہو۔ چہرے مہرے سے تو ایسی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ یہی باتیں سوچتا ہوا وہ پگڈنڈی پر آگے بڑھ گیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اسے مہتاب خان کی سرائے نظر آ گئی۔

کچی مٹی کی دیواروں اور گھاس پھوس کی چھتوں سے بنا ہوا یہ ہوٹل۔ رہائشی بھی تھا اور تفریحی بھی۔ سامنے کے حصے میں ایک بڑا برآمدہ تھا۔ پچھلے حصے میں چند کمرے بنے ہوئے تھے جن کی چھت گھاس پھونس ہی کی تھی۔ سامنے ہی کے حصے میں ایک چبوترہ سا بنا ہوا تھا جس میں دیگیں دفن کر دی گئی تھیں ان کے صرف دہانے نظر آ رہے تھے۔ ان دیگوں میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں نیچے چولہے نظر آ رہے تھے اور ان کے پیچھے ایک لمبا چوڑا قوی ہیکل آدمی بیٹھا تھا جس کی عمر پچاس پچپن کے قریب ہو گی لیکن چہرے ہی سے خطرناک نظر آتا تھا۔ ظفری نے سوچا یہی مہتاب خان ہو سکتا ہے۔ وہ اس کے قریب پہنچا' مہتاب خان نے اسے دیکھا اور اس کی پیشانی پر لکیریں سی پڑ گئیں۔

"کون ہے بھائی تو۔ کیا بات ہے؟" اس نے سوال کیا۔ چھوٹی چھوٹی سی میزوں اور کرسیوں پر چند افراد بیٹھے نظر آئے تھے کوئی چائے پی رہا تھا کوئی کھانا کھا رہا تھا۔

"مجھے تمہاری سرائے میں رہنے کے لیے جگہ چاہیے۔"

"مگر تجھے پہلے کہاں دیکھا ہے' کیا نام ہے تیرا؟"

"جمن ہے بھائی میرا نام؟ کیا تمہاری سرائے میں مجھے جگہ مل جائے گی؟"

"ہاں ہاں' مل سکے گی۔ ایک روپیہ روز ہوتا ہے کمرے کا۔ کھانے کے پیسے الگ۔" مہتاب خان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے' میں چند روز تمہاری سرائے میں رہوں گا۔"

"دس روپے پیشگی دو اس کے بعد جو حساب کتاب ہو گا وہ بعد میں دیکھا جائے گا۔" سرائے کے مالک نے کہا اور ظفری نے جیب سے جلدی سے دس روپے کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" وہ تھڑے پر سے اٹھ گیا اور پھر ظفری کو ایک کمرے میں لے گیا۔ کمرہ کیا اچھی خاصی کال کوٹھڑی تھی۔ بالکل گندہ غلیظ ایک طرف چارپائی پڑی ہوئی تھی۔ اس پر دری بچھی ہوئی تھی اور ایک طرف چادر رکھی ہوئی تھی اور ایک میلا سا گندا سا تکیہ۔

"یہ ہے تیرا کمرہ کیا نام بتایا تھا؟"

"جمن۔"

"ٹھیک ہے جمن۔ لیکن تیری شکل جانی پہچانی سی لگتی ہے۔"

"تمہارا کیا نام ہے؟" ظفری نے پوچھا۔

"مہتاب خان ہوں میں' کون نہیں جانتا مجھے لندن پلٹ ہوں لندن پلٹ۔ یہ سرائے بڑی کامیابی سے چلا رہا ہوں۔" مہتاب خان نے اکڑ کر کہا اور ظفری نے ایک گہری سانس لی۔ اس کے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا تھا۔ لندن پلٹ مہتاب خان۔ ظاہر ہے کہ یہ اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ بہر طور ظفری اس کمرے میں منتقل ہو گیا اس نے مہتاب خان سے کہا کہ دوپہر کے لیے اسے کھانا بھجوا دیا جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد مہتاب خان خود ہی کھانے کے برتن لے کر آیا اور بولا۔

"لونڈا بھاگ گیا ہے۔ آجکل مجھے ہی کام کرنا پڑ رہا ہے برتن تم خود میرے پاس پہنچا دینا۔"

"ٹھیک ہے مہتاب خان ویسے تمہاری شخصیت مجھے بڑی دل کش معلوم ہوتی ہے۔ ایسا شاندار آدمی میں نے پہلے نہیں دیکھا کیا عمر ہوگی تمہاری؟" مہتاب خان نے مونچھوں پر تاؤ دیا اور پھر بولا۔

"پچپن سال پورے پچپن سال۔"

"کمال ہے پچپن سال میں یہ شاندار صحت۔"

"صبح کو دو گھنٹے زور کرتا ہوں پورے دو گھنٹے۔ جان بنا کر رکھی ہے میاں۔ کوئی معمولی بات نہیں ہوتی اس عمر میں اپنے آپ کو بنائے رکھنا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ میں نے تو تمہاری عمر کے لوگوں کو کمر پر ہاتھ رکھ کر چلتے دیکھا ہے۔"

"ہاں میاں حرکتوں کی بات ہے لندن میں رہ کر آیا ہوں۔ کئی سال لندن میں رہا ہوں مگر کیا مجال جو کسی چھپکلی کے چکر میں پڑا ہوں۔ چلو کھانا کھاؤ برتن پہنچا دینا۔"

ہو باہر نکل گیا ظفری کو پہلے ہی مرحلے میں کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ مہتاب خان کے بارے میں وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔ بہرصورت آدمی خطرناک معلوم ہوتا تھا اور ظفری کو اس سے اس کا راز اگلوانا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ برتن دینے کے لیے خود مہتاب خان کے پاس پہنچا لیکن ابھی اس نے برتن رکھے ہی تھے کہ دفعتاً اسے دور سے تین چار آدمی آتے ہوئے نظر آئے اور ان کے پیچھے جو کوئی تھی اسے دیکھ کر ظفری کی جان نکل گئی۔ یہ وہی عورت تھی جو اسے پگڈنڈی پر ملی تھی۔

آنے والے بھی لمبے لمبے تھے' ہاتھوں میں بڑی بڑی لاٹھیاں پکڑی ہوئی تھیں۔ وہ مہتاب خان کے پاس پہنچ گئے اور پھر دفعتاً عورت نے چیخ کر کہا۔

"وہ دیکھو۔۔۔۔۔۔ وہ دیکھو چھپا ہوا ہے کمینہ" مہتاب خان کے پیچھے چھپا ہوا ہے۔"

"ہوں۔" لمبے چوڑے آدمی آگے بڑھ آئے اور پھر وہ ظفری کو غور سے دیکھنے لگے۔

"کیوں بے کہاں مر گیا تھا تو؟ اور اب یہاں کیوں آ چھپا ہے گھر نہیں تھا تیرے لیے جو سرائے میں ٹھیرا ہے؟" ان میں سے ایک نے کہا۔

"بھائی صاحب۔ بھائی صاحب آپ کون ہیں؟" ظفری نے سوال کیا۔

"ابے سالے ہیں تیرے۔ جانتا نہیں ہے سالے پہلوان کو؟" ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔

"سالے۔ سالے۔"

"ہاں اور اسے بھی پہچاننے سے انکار کر دے جو تیری جورو ہے۔ سالے پچیس آدمیوں کے بیچ نکاح کیا تھا اور دو پلے چھوڑ گیا تھا اب انھیں کون پالے گا۔" سالے صاحب نے پلوں کی طرف اشارہ کیا۔ ان میں سے ایک کی عمر چار سال تھی اور دوسرا کوئی ساڑھے پانچ چھ سال کا تھا۔ دونوں خالی قمیصیں پہنے ہوئے تھے۔ پاجامہ پہننے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تھی' سر گھٹے ہوئے تھے ناک نکلی ہوئی تھی۔ یہ دونوں پلے ظفری کے ساتھ منسوب کیے جا رہے تھے۔

"تت۔۔۔۔۔۔ تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نام گلاب نہیں جمن ہے۔ میں نے اس لڑکی سے بھی یہی کہا تھا۔"

"یہ لکڑی دیکھ رہا ہے میرے ہاتھ میں' ایک پڑتی ہے' سر کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔ چل' چل ادھر سے۔"

"بات کیا ہے؟" مہتاب خان نے اس سلسلے میں مداخلت کی۔

"مہتاب بھائی پہچانتے ہیں اس سسرے کو؟ یہ اپنا گلاب ہے۔ اپنی گلو کا شوہر۔ آپ نہیں پہچانتے۔ آپ بھی تو اس نکاح میں شریک تھے۔"

"مجھے اس کی شکل تو جانی پہچانی لگ رہی تھی مگر۔۔۔۔۔۔ مگر کچھ فرق ہے۔ سالے

پہلوان کچھ فرق ہے اس میں اور گلاب میں۔"

"بھائی صاحب میں گلاب نہیں ہوں' قسم کھاتا ہوں۔ میں گلاب نہیں ہوں۔"

"ہائے ہائے قسم بھی کھانے لگا اب تو۔ ارے تیرا ستیاناس میری نہیں تو اپنے بچوں کی ہی فکر کر۔" گلو نے بین کرتے ہوئے کہا۔

"چلو پکڑ لے چلو سالے کو۔"

"سنو تو سہی' سنو تو سہی۔ میں گلاب نہیں ہوں جمن ہوں جو کچھ تم کر رہے ہو اس کا صلہ تمہیں بھگتنا پڑے گا۔"

"سن تو سہی سالے پہلوان۔ اب ایسے بھی کسی آدمی کو پکڑ کر لے جانا صحیح نہیں ہے۔ ممکن ہے یہ گلاب نہ ہو۔ تجھے غلط فہمی ہو رہی ہو۔" مہتاب خان نے کہا۔

"اور میری بہن کو بھی غلط فہمی ہو رہی ہے۔ کیوں تیری آنکھیں تو چربی سے بھر گئی ہیں مہتاب خان اب تو بھی تو اس نکاح میں شریک تھا۔ یہ سراجہ کا گھر تھا نہ بار تھا' ہمارا بہنوئی بن گیا اور اس کے بعد دو بچے پیدا کر کے یہاں سے بھاگ گیا چھوڑیں گے نہیں اس کو۔"

"سنو۔ اگر یہ کہتا ہے کہ یہ گلاب نہیں ہے جمن ہے تو تمہیں غور کرنا پڑے گا۔ ماننی پڑے گی اس کی بات اس طرح تم اسے یہاں سے نہیں لے جاسکتے۔"

"دیکھو مہتاب خان تم اس سلسلے میں مداخلت نہ کرو۔ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔ لے جائیں گے قتل نہیں کریں گے۔ آخر ہماری بہن کا شوہر ہے۔ داماد ہے ہمارا سمجھائیں گے بجھائیں گے۔"

"پھر کسی وقت سمجھا بجھا لینا۔ میں اس سے صورت حال معلوم کر کے خود تمہارے پاس لے آؤں گا۔ پوچھوں گا تو سہی کہ آخر معاملہ کیا ہے؟" مہتاب خان نے کہا۔

"تم وعدہ کرتے ہو؟"

"ہاں وعدہ کرتا ہوں اس سے بات چیت کرنے کے بعد میں اسے تمہارے پاس ضرور

لے آؤں گا۔" مہتاب خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے گلو چل۔ یہ جائے گا کہاں بچ کے میں بھی ساری بستی کی ناکہ بندی کرا دیتا ہوں۔ مجال ہے اس کی کہ یہ اب یہاں سے نکل جائے۔" سالے پہلوان نے کہا اور وہ سب لاٹھیاں ہلاتے ہوئے واپس چلے گئے۔

"ظفری کو پسینے آرہے تھے یہ زبردستی کی بیوی تو گلے پڑی ہی تھی۔ دو ناک سڑکتے ہوئے بچے اور پھر یہ سالے پہلوان واقعی یہ سارے کے سارے پہلوان بھی تھے وہ بدحواس سا ہو گیا تھا۔ مضطرب صاحب اور ٹیٹو کو اس سلسلے میں بتانا ضروری تھا وہ بے چارے ظفری پر پڑنے والی اس افتاد سے ناواقف ہوں گے۔ مہتاب خان ظفری کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے اندر لے آیا پھر اس نے ایک چارپائی پر بیٹھنے کی پیشکش کی۔

"بیٹھ جاؤ گلاب میاں' بیٹھ جاؤ۔ معاملہ کیا ہے؟ مجھے بتاؤ۔"

"مہتاب خان تم مسلمان ہو نا؟" ظفری نے پوچھا۔

"الحمدللہ' پکا مسلمان ہوں۔ پانچوں وقت کی نمازیں پڑھتا ہوں۔"

"تو تم یقین کرو' میں بھی خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا نام گلاب نہیں ہے۔ نہ میں اس بستی میں پہلے کبھی آیا ہوں اور نہ میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے۔"

"مگر تمہاری شکل تو استاد اس سے ملتی جلتی ہے کچھ تھوڑا سا فرق مجھے لگ رہا ہے۔ مگر غور سے دیکھنے پر ہی پتا چلتا ہے۔"

"ان سے میری جان چھڑا دو۔ وہ نہ میری بیوی ہے نہ بچے ہیں خواہ مخواہ کسی کی عزت پر ہاتھ ڈالنے سے کوئی فائدہ نہیں۔"

"بات تو تو ٹھیک کہتا ہے۔ اچھا مجھے کچھ سوچنا پڑے گا۔ ویسے تیری شکل بہت ملتی جلتی ہے گلاب سے۔ اب مجھے بھی یاد آ گیا۔ خیر چھوڑو اس مسئلے کو دیکھیں گے طے کریں گے اس مسئلے کو۔ تو آیا کہاں سے ہے اور کہاں جائے گا؟"

"بس ایسے ہی اس بستی میں نکل آیا ہوں مصیبت کا مارا ہوں۔ کچھ دن یہاں رکوں گا پھر یہاں سے آگے چلا جاؤں گا۔"

"ان لوگوں کو سمجھانا پڑے گا۔ یہ سارے کے سارے میرے ساتھ اکھاڑے میں زور کرتے ہیں۔ میرے جان پہچان کے ہیں مگر ایک بات سن لو۔ نکلنا مت یہاں سے جب تک میں اس مسئلے کو حل نہ کرالوں۔ اگر تو نکل گیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ مہتاب خان کی عزت خاک میں مل جائے گی۔"

"آپ پرواہ نہ کریں مہتاب صاحب۔ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک آپ حکم نہ دیں۔"

"یہ ہوئی نا' مردوں کی سی بات۔ ٹھیک ہے بیٹا اگر تو گلاب نہیں ہے تو پھر مہتاب خان تیری مدد کرے گا۔" ظفری اس وقت پریشان تھا کہ یہ کیا مصیبت گلے پڑ گئی ہے بہر طور کسی نہ کسی طرح اس مصیبت سے تو نکل ہی جائے گا لیکن مہتاب خان سے اس طرح دوستی ہو جانے سے اسے خوشی تھی اب اس کا کام آسان ہو گیا تھا۔ شام کو چھ ساڑھے چھ بجے سالے پہلوان اپنے ابا جان کے ساتھ دوبارہ آئے۔ یہ ابا جان بھی کسی زمانے میں پہلوان ہی ہوں گے۔ اب بھی اچھی صحت کے مالک تھے۔ انھوں نے بغور ظفری کو دیکھا اوپر سے نیچے تک دیکھا پھر گھوم پھر کر دیکھا اور بولے۔

"یہ وہی بدمعاش ہے مہتاب خان اسے ہمارے حوالے کردو' ہم اس کی ہڈیاں پسلیاں ایک کردیں گے۔ ٹھیک کرلیں گے تم دیکھنا کل ہی یہ چیختا چلاتا تمھارے پاس پہنچے گا کہ وہاں یہ گلاب ہے گلو کا میاں۔" سسر صاحب نے کہا۔

"دیکھو حافظ جی میں تمھیں بتادوں' ہمارا تمھارا پرانا ساتھ ہے۔ بہت عرصے سے ہم یہاں رہتے ہیں اگر تمھیں کوئی غلط فہمی ہوئی تو اس کے ذمے دار تم خود ہو گے۔ یہ شریف آدمی کہتا ہے کہ وہ زندگی میں پہلی بار اس بستی میں آیا ہے۔ ممکن ہے وہ سچ کہہ رہا ہو۔ بیٹی کی عزت پوری بستی

کی عزت ہوتی ہے۔ کوئی خراب آدمی تمھاری اس بات سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ذرا عقل سے سوچو حافظ جی مردذات کو کس نے بیڑیاں ڈال کر رکھا ہے۔ یہ اگر کہہ دے کہ ہاں جی میں گلاب خاں ہوں۔ تمھارے گھر پہنچ جائے' خوب کھائے پیے عیش کرے اور پھر چپکے سے بھاگ جائے تو تم کیا کرلو گے۔ کیا باندھ کر رکھ لو گے اسے؟ جلدی مت کرو۔ دو چار سیانوں سے مشورہ کرلو۔ اوروں سے پہچان کراؤ۔ گلاب ہی نکلے تو پھر مہتاب خان سے بھاگ کر کہاں جائے گا؟"

"یہ سدا کا نکھٹو ہے۔ میری بیٹی کی تقدیر پھوٹ گئی۔ چلو تمھاری بات بھی ٹھیک ہے۔ میں سیانوں کی پنچائت بٹھاؤں گا' پہچان کراؤں گا دوسروں سے۔ مگر پہلوان تم ذمہ دار ہو۔"

"پکا ذمہ دار ہوں میں۔ جاؤ آرام کرو۔ یہ کہیں نہیں جائے گا۔" مہتاب خان نے کہا۔

بڑی مشکل کے بعد وہ دونوں میرے بغیر جانے پر راضی ہوئے۔ سالے پہلوان اس طرح لاٹھی سنبھالے کھڑے تھے جیسے مرغا گھیر رہے ہوں کہ نکل نہ بھاگے۔ ان کے جانے کے بعد مہتاب خان نے کہا۔

بڑی مشکل کے بعد وہ دونوں میرے بغیر جانے پر راضی ہوئے سالے پہلوان اس طرح لاٹھی سنبھالے کھڑے تھے جیسے مرغا پکڑ رہے ہوں کہ نکل نہ بھاگے۔ ان کے جانے کے بعد مہتاب خان نے کہا۔

"دیکھو دوست مہتاب خان کی عزت تیرے ہاتھ ہے۔ ذرا گاہکی نمٹ جانے دے پھر تجھ سے بات ہوگی۔"

ظفری نے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس بات کا اقرار کیا کہ وہ کہیں نہیں جائے گا اور گاہکی نمٹ جانے کے بعد مہتاب خان سے اس کی پکی بات چیت ہوگی۔ یہ گاہکی تقریباً نو ساڑھے نو بجے نمٹ گئی تھی۔ اب سرائے میں الو بول رہے تھے' کوئی نہیں تھا سب کے سب جا چکے تھے۔ بستی تاریکی میں ڈوب گئی تھی۔ ویسے بھی جمال گڑھی چھوٹا سا علاقہ تھا اور یہاں زیادہ تر رات تک لوگ نہیں جاگتے تھے' بہر طور برآمدے کی ایک چارپائی پر ظفری مہتاب خان کے سامنے آ بیٹھا۔ مہتاب

خان نے حقہ بھر کے سامنے رکھ لیا تھا۔ اس نے ظفری کو بھی حقے کی پیشکش کی۔ لیکن ظفری نے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ حقہ نہیں پیتا۔ مہتاب خان گردن ہلانے لگا تھا۔ حقے کے دو تین کش لینے کے بعد وہ ظفری سے بولا۔

"ہاں بیٹا اب تو کھل جا مہتاب خان کے سامنے۔ اپنی پریشانی بھی بتا۔ اگر تو سچ مچ گلاب ہے تو یہ بتا اب کیا چاہتا ہے' جورو کو رکھنا چاہتا ہے یا نہیں' اگر نہیں رکھنا چاہتا تو طلاق دے دے اسے۔ حافظ جی غلط آدمی ہیں اگر ان کا مغز پھر گیا تو خون خرابہ ہو جائے گا۔ اگر تجھے جورو کو چھوڑنا ہی تھا تو بستی کیوں آیا تھا؟ یہ ساری باتیں بتا مہتاب خان کو' مہتاب خان تیرا کھیل نمٹا دے گا۔"

"دیکھو خان صاحب میں ایک بار کہہ چکا ہوں کہ میرا نام گلاب نہیں ہے' میں جمن ہوں اور بس یونہی گھومتا گھامتا اس بستی میں نکل آیا ہوں' اگر میں گلاب ہوتا تو مجھے اعتراف کرنے میں کیا دقت ہوتی اگر میرے دل میں ایسی کوئی بات ہوتی تو میں اس بستی کا رخ ہی کیوں کرتا میں یہ تو جانتا ہوتا کہ یہاں میری بیوی اور سالے وغیرہ رہتے ہیں انھیں میں چھوڑ کر بھاگ چکا ہوں۔"

"دو بچے بھی۔" مہتاب خان نے ٹکڑا لگایا۔

"ہاں دو بچے بھی' تم خود سوچو مہتاب خان بھلا سب کو آدمی چھوڑ دیتا ہے' اپنے بچے کو کون چھوڑتا ہے۔"

"یہ بات کھری ہے۔" مہتاب خان نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی پھر بولا۔ "اچھا اگر تو گلو نہیں ہے تو یہ بتا دے کہ کون ہے؟"

"بتایا نا جمن ہے میرا نام۔"

"ابے جمن تو ہے پہلے کہاں رہتا تھا' کیا کام کرتا ہے' تیرے رشتہ دار کہاں کہاں رہتے ہیں۔" "اتنے دنوں تک تو کہاں رہا وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔"

"مہتاب خان تنہا آدمی ہوں۔ زندگی میں بہت بڑے نشیب و فراز دیکھے ہیں' تم نے

لندن کا نام لیا تھا نا تم نے کہا تھا نا کہ تم لندن پلٹ ہو۔"

"ہاں کہا تھا۔" مہتاب خان سینہ ٹھونک کر بولا۔

"میں بھی لندن میں رہ چکا ہوں۔"

"اچھا کب کیسے؟"

"ایک انگریز صاحب کا خانساماں تھا' انھی کے ساتھ کام کرتا تھا' سات آٹھ سال تک کام کیا ان کے ساتھ' پھر انگریز صاحب مر گئے' اور میں بیکار ہو گیا۔ پھر وہیں جھگڑا ہو گیا ایک دفعہ ایک گورے صاحب سے اور اس نے مجھے جیل کرا دی۔ تین سال تک لندن جیل میں رہا' اس کے بعد رہا ہو کر اپنے ملک آ گیا۔"

"ابے واہ کب کی بات ہے' کب آیا تو وہاں سے؟"

"تقریباً اس بات کو بھی تین چار سال ہو گئے۔"

"ابے واہ یار' شکل سے تو نہیں معلوم ہوتا کہ تو لندن پلٹ ہے' اچھا یہ بتا' مجھے لندن کے کچھ علاقوں کے نام بتا دے۔"

"کیوں نہیں' تم سے جھوٹ بول کر میں کیا پاؤں گا" ظفری نے بڑی چالاکی سے مہم کا آغاز کر دیا تھا۔

اس نے لندن کے بیشتر اہم مقامات کے نام ان کی خصوصیات کے ساتھ بتائے یہ نام اس نے لندن کے جغرافیے وغیرہ میں پڑھے تھے۔ لندن کی بیشتر کہانیاں اس نے سنی تھیں۔ اس طرح اسے مہتاب خان کو یہ باور کرانے میں کوئی دقت نہ ہوئی کہ وہ بھی لندن میں رہتا تھا۔ اور اس سے خوب اچھی طرح واقف ہے۔

"ابے واہ تو چھپا رستم نکلا۔ ان حافظ جی کی ایسی تیسی۔ بھلا ان کا داماد گلاب کہاں اور تو کہاں۔ لندن جیل میں کیسے گزری؟"

"واہ مہتاب خان' لندن جیل کی کیا بات ہے۔ گھر سے زیادہ مزے ہیں وہاں۔ ارے

ہاں مہتاب خان ایک بات یاد آ رہی ہے۔"

"کیا؟"

"اوہ میرے خدا تم سو فیصدی وہی مہتاب خان ہو۔" ظفری نے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا کر لیے تھے۔

"کون سا مہتاب خان؟"

"یہ بتاؤ کہ کسی فرخ لطیف کو جانتے ہو؟" ظفری نے پوچھا۔

اور اس بار جیسے مہتاب خان کو کرنٹ لگا۔ وہ ظفری کو گھورنے لگا تھا۔ پھر اس کے منہ سے سرد سی آواز نکلی۔ "تو اسے کیسے جانتا ہے؟"

"پہلے تم میری بات کا جواب دو۔"

"تو اسے کیسے جانتا ہے؟" مہتاب خان نے اس کی سنی ان سنی کر کے کہا۔ اس کا لہجہ اچھا نہیں تھا۔

"لندن جیل میں ملاقات ہوئی تھی اس سے۔ لمبی سزا کا قیدی تھا۔ بڑا عجیب آدمی تھا۔

"میرے بارے میں اس نے کیا بتایا تھا تجھے؟"

"کوئی کہانی سنائی تھی جس میں جمال گڑھی کا ذکر بھی تھا اور کسی مہتاب خان کا بھی۔"

"کہاں ہے وہ قیدی؟"

"کیا میں اسے جیب میں رکھ لایا تھا۔ جیل میں ملا تھا اور چونکہ ہمارا تعلق ایک ہی ملک سے تھا اس لیے یا اللہ ہو گئی تھی۔ ہفتوں ساتھ رہے تھے۔ اس کے بعد میری سزا ختم ہو گئی اور میں نکل آیا۔ بعد کی کہانی میں تمھیں سنا چکا ہوں۔"

"مہتاب خان کے چہرے پر دیر تک زلزلے کے آثار نظر آتے رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ پرسکون ہو گیا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ہاں میں وہی مہتاب خان ہوں۔"

"ہے نا عجیب بات۔ میرے دماغ سے تو وہ کہانی نکل بھی گئی تھی۔ لندن کا ذکر آیا تو

جیل یاد آ گئی۔ جیل یاد آئی تو وہ یاد آیا اور وہ یاد آیا تو تمھارا نام بھی یاد آ گیا اگر تم یہ نہ بتاتے کہ تم لندن میں رہ آئے ہو تو میں تمھارے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"ہوتا ہے۔ اس طرح ہوتا ہے۔ لندن میں، میں نے بہت کچھ کھویا ہے۔ اس منحوس شہر نے مجھے ایک بہت بڑے نقصان سے دوچار کر دیا ہے۔ وہاں، وہاں۔ میں نے اپنی بیٹی کھو دی ہے۔۔۔"

"بیٹی؟"

"کیا حال ہے اس کمینے کا؟"

"فرخ لطیف کا؟"

"ہاں۔"

"بہت بری حالت تھی۔ ممکن ہے اب مر کھپ گیا ہو۔ ٹی بی کی بیماری ہو گئی تھی۔ بار بار جیل سے اسپتال جاتا تھا۔"

"اس سے بھی بدتر حال ہونا چاہیے تھا اس کا۔"

"بات کیا ہوئی تھی خان صاحب؟"

"قاتل تھا وہ۔ اعتماد کا قاتل، بھروسے کا قاتل، اناؤں کا قاتل۔ ہم اس کے نوکر تھے۔ مالک تھا وہ ہمارا۔ مگر اس نے۔ مگر اس نے میری عزت پر ڈاکہ ڈالا۔ اس نے مجھ سے میری بہن چھین لی جسے میں نے بیٹیوں کی طرح پرورش کیا تھا۔

"مگر وہ تو کہتا تھا۔"

"کیا کہتا تھا وہ؟" مہتاب خان نے جذباتی ہو کر پوچھا۔

"وہ تو کہتا تھا کہ وہ بے گناہ ہے۔ قاتل مہتاب خان تھا اس لڑکی کا بھائی۔"

"بے گناہ۔" وہ نفرت سے بولا۔ "تم ایسے شخص کو بے گناہ کہو گے جمن، جس نے کسی لڑکی کو ورغلایا ہو؟"

"اسے قتل کس نے کیا؟" ظفری نے پوچھا۔

"میں نے۔" مہتاب خان نے کہا۔ "کیوں وہ عزت سے زندہ رہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔"

"لیکن وہ معصوم تھی اسے تو ورغلایا گیا تھا۔ پھر اس کا قتل کیا معنی رکھتا ہے؟" ظفری نے پوچھا۔

"اس کی زندگی بے مقصد ہوگئی تھی اور مجھے انتقام لینا تھا۔ اس نے ایک بچے کو جنم دیا تھا۔ بتاؤ میں دنیا کو اس کے بارے میں کیا بتاتا۔ کیا کہتا اس سے؟"

"اوہ تم نے بچے کو بھی قتل کر دیا؟"

"نہیں ایک قتل کرنے کے بعد میں بزدل ہوگیا۔ وہ بچہ مجھ سے نہ مارا گیا۔ میں اسے قتل نہ کر سکا۔"

"پھینک دیا تم نے اسے، مگر کہاں؟"

"نہیں پھینکا۔ یہاں لے آیا۔ مگر اس کی شکل مجھے میری بہن کی یاد دلاتی تھی۔ میں نے اسے اپنے پاس نہیں رکھا۔" مہتاب خان کے حلق سے سسکیاں نکل گئیں۔ اس کے رخسار آنسوؤں سے تر ہوگئے تھے۔

"پھر کہاں گیا وہ؟" ظفری نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"خاموش ہوجاؤ۔ خدا کے لیے خاموش ہوجاؤ۔ تم نے میرے زخموں کو ہرا کر دیا ہے۔ خاموش ہوجاؤ۔ مہتاب خان پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ظفری بے تابی سے اس کے بولنے کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر اس نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

"دل کا بوجھ ہلکا کرلو مہتاب خان کہاں ہے وہ بچہ؟"

"دے دیا تھا کسی کو؟"

"کس کو؟"

"وہ بے چاری اسی بستی کی ایک بے اولاد عورت تھی۔ اس نے اس کی پرورش کی تھی۔"

"پھر کیا ہوا؟" ظفری نے پوچھا۔

"جہنم گیا سب کچھ بھول گیا ہوں۔ مجھے یاد نہ دلاؤ۔ بس اب اس موضوع کو ختم کر دو۔" اس نے آنکھیں خشک کر کے کہا۔ اندازہ یہ ہوتا تھا کہ اب وہ کچھ اور نہیں بتائے گا۔ دو چار ہاتھ لب جام رہ گیا تھا، لیکن مہتاب خان جیسے چالاک آدمی کو اس سے زیادہ کریدنا مناسب نہیں تھا۔ پھر کسی وقت سہی۔ بہرحال ظفری کو کافی حد تک کامیابی ہوئی تھی۔

دوسرے دن ناشتا وغیرہ کر کے وہ سرائے سے باہر جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ مہتاب خان ٹھیے پر موجود تھا۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

"قیدی تو نہیں ہوں مہتاب خان؟"

"بالکل نہیں مگر ان سے ہوشیار رہنا۔"

"فکر مت کرو۔" ظفری نے کہا۔ "ابھی وہ سرائے سے نکلا بھی نہیں تھا کہ ایک بار پھر سسر پہلوان اور سالے پہلوان آتے نظر آئے اور ظفری رک گیا۔ ان کم بختوں نے اچھی مصیبت گلے ڈال دی ہے۔ مہتاب خان نے انھیں دیکھا اور پھر ظفری کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنی دیر میں وہ قریب آگئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک عورت اور ایک مرد بھی تھے۔

"دیکھو شکورے، دیکھ بشیرا۔ کون ہے یہ؟" سسر پہلوان نے ظفری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"لے اور کون ہے۔ گلو میاں ہے۔" عورت نے کہا۔

"ابے گلاب بھائی حد کر دی تو نے۔ ابے جورو کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ یہ مردوں کی شان نہیں ہے۔" مرد بولا۔

"حافظ جی ایک بات کہوں میں۔" مہتاب خان بولا۔

"کہو خان صاحب اب کیا کہتے ہو؟"

"تقدیر والے ہو۔ آدمی شریف مل گیا۔ ورنہ ناک پر چھری چلا کر بھاگ جاتا۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ گلاب نہیں ہے جمن ہے۔ لندن میں نوکری کر چکا ہے میں نے سب معلوم کر لیا ہے۔ پاگل پن مت کرو۔ عزت بچاؤ۔ شکل ملتی ہے مگر آدمی وہ نہیں ہے۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو مہتاب بھائی۔" حافظ جی حیرت سے بولے۔

"ہاں۔ اور تم جانتے ہو میں کیسا آدمی ہوں۔"

"پر میں نہ مانوں۔" حافظ جی بولے۔

"نہ مانو تو لے جاؤ گھر میں اور پھر زندگی بھر سینہ پیٹتے رہو۔ ابے تو کیوں مرا جا رہا ہے جمن چلا جانا' حافظ جی مفت میں داماد بنا رہے ہیں تجھے' بڑی عزت والے ہیں۔۔۔ عزت والے کیا حرج ہے۔"

"مہتاب خان کیسی باتیں کر رہے ہو تم۔" حافظ جی کے چھوٹے صاحبزادے یعنی سالے پہلوان بولے۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں کہ یہ گلاب نہیں ہے جمن ہے۔ میں اس کی تصدیق کر چکا ہوں۔ میری بات نہیں مانتے تو جو دل چاہے کرو۔ اور یہ۔ یہ سسرا خواہ مخواہ کا شریف بنا پھر رہا ہے۔ ابے جا عیش کر کھا پی جب تک دل چاہے رہنا جب دل چاہے پھر بھاگ لینا۔ تیری ٹانگیں کون کاٹے گا۔" مہتاب خان نے کہا اور وہ لوگ ساکت رہ گئے۔ تھوڑی دیر تک وہ پریشان نگاہوں سے کبھی مہتاب خان کو اور کبھی ظفری کو دیکھتے رہے۔ اس کے بعد سالے پہلوان کہنے لگے۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں بھی دیکھوں گا کہ کیا کر سکتا ہوں۔ دیکھوں گا کہ کب تک جمن بنا رہتا ہے۔ چلو بے چلو۔" انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ پھر وہ واپس لوٹ گئے۔ اس کا مطلب تھا کہ ان کے ذہن میں شبہ پیدا ہو گیا تھا۔

ظفری نے سکون کی سانس لی۔ کچھ وقت کے لیے ان سسر اور سالوں سے نجات مل گئی تھی۔ مہتاب خان نے مسکرا کر گردن ہلائی اور ظفری وہاں سے چل پڑا۔ مضطرب صاحب اور مارشل ٹیٹو سے اس موضوع پر گفتگو کرنی تھی اور انھیں یہ بتانا تھا کہ صورت حال کہاں تک پہنچ چکی ہے۔ ان لوگوں سے کسی مدد کی تو ضرورت نہیں تھی لیکن بہر صورت ممکن ہے مضطرب صاحب اپنی خالہ زاد بہن کے حوالے سے اس شخص کا پتا لگوا سکیں جس کے حوالے مہتاب خان نے اس بچے کو کر دیا تھا۔ راستہ اسی پگڈنڈی سے گزرتا تھا جس سے ہو کر وہ یہاں آیا تھا اور جہاں سے گلو ملی تھی آج بھی گلو وہیں موجود تھی۔ پتا نہیں پگڈنڈی کو تکتی رہتی تھی یا پھر اتفاقیہ اس نے ظفری کو دیکھ لیا تھا اس وقت بچے بھی اس کے ساتھ تھے۔

آس پاس میں اور کوئی موجود نہیں تھا۔ بچے تھوڑے فاصلے پر ایک گندے جوہڑ کے کنارے مٹی گوندھ کر کھیل رہے تھے۔ وہ سراپا یاس بنی' ظفری کے پاس پہنچ گئی۔ ایسا کرب' ایسی حسرت تھی اس کے انداز میں کہ ظفری کا دل ایک لمحے کے لیے کانپ گیا۔ اچھے نقوش کی خوبصورت لڑکی تھی۔ عمر بائیس تیئس سال سے زیادہ نہیں ہو گی لیکن حسرت اور غربت نے شکل بگاڑ کر رکھ دی تھی اس کی آنکھوں کی کیفیت دیکھ کر ظفری کے قدم ایک لمحے کے لیے ڈگمگا سے گئے تھے۔

"گلاب' کیا۔ بھول ہو گئی مجھ سے۔ مانے گا نہیں۔ قصور میرا تو نہیں ہے۔" اس نے درد بھرے لہجے میں کہا اور ظفری ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر آہستہ سے بولا۔

"دیکھو گلو۔ سچ جانو میں گلاب نہیں ہوں' تم غور تو کرو' کیسی بیوی ہو تم' گلاب کے دو بچوں کی ماں بن چکی ہو اور اپنے شوہر کو نہیں پہچانتی۔ میری آواز پر غور کرو۔ میرے بولنے کے انداز پر غور کرو۔ کیا گلاب اسی طرح بولتا تھا؟ کیا وہ اسی طرح چلتا پھرتا تھا؟ قد و قامت پر غور کرو گلو کیوں بیوقوف بن رہی ہو؟ اگر میں نے ایک مرد کی حیثیت سے تمھیں غلط طریقے سے اپنانے کی کوشش کر بھی لی تو کیا تمھارا دل تمھیں مطمئن کر سکے گا' ہمیشہ تڑپتی رہو گی۔ اگر میری شکل گلاب سے ملتی ہے

گلوتو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے تم خود غور کرو ذرا اچھی طرح غور کرو مجھ پر کیا میں واقعی گلاب ہوں۔ اگر اس کے باوجود تمہارا یہ خیال ہے تو پھر ٹھیک ہے جو کچھ تم کہو گی میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔"

ظفری کے الفاظ پر لڑکی کے چہرے پر ایک دم تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ اس نے بغور ظفری کو دیکھا تھا' اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

"خدا جانے اصلیت کیا ہے تم بالکل گلاب جیسے ہو۔ مگر۔ مگر۔۔۔"

"ہاں۔ ہاں مگر کیا؟" ظفری نے پوچھا۔

"تمھاری باتیں' تمھاری باتیں شہریوں کی سی ہیں تم گلاب کی طرح نہیں بولتے۔ وہ تو جاہل تھا' نرا' پر پر۔۔۔ بڑا ہی پیارا تھا مجھے۔"

"وہ چلا کیوں گیا؟" ظفری نے سوال کیا۔

"وہ۔ وہ۔ وہ۔ آہ' کاش تم گلاب ہوتے؟"

"مجھے بتاؤ گلو' وہ چلا کیوں گیا؟"

"وہ مجھ سے ناراض ہو کر نہیں گیا' وہ اپنے سسرال والوں سے ناراض ہو کر گیا ہے۔ میرے گھر کے حالات بے حد عجیب ہیں۔ میں تمھیں بتاؤں میرے بھائی اور باپ مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں لیکن میری ماں نے ان تمام محبتوں کو ملیا میٹ کر دیا ہے۔ وہ سوتیلی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ میری سوتیلی ماں کا سلوک میرے ساتھ کیا ہے۔ تم دیکھو میرے بھائیوں کے گھر چار چار بھینسیں ہیں وہ اچھی خاصی کمائی کرتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش ہیں لیکن میں وہاں بھکارن کی طرح پڑی ہوں مجھے کھیتوں میں کام کرنا پڑتا ہے اور اس کے بعد میں اپنے اور اپنے بچوں کے لیے روٹی مہیا کرتی ہوں۔"

"گلاب تمھیں بھی بتا کر نہیں گیا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟"

"بس ایک بار کہہ رہا تھا کہ شہر چلا جاؤں گا۔ سب کچھ چھوڑ دوں گا۔ اور اس نے ایسا ہی

کیا اور اگر تم گلاب نہیں ہو تو بتاؤ میں کیا کروں؟" اسی وقت دونوں بچوں نے بھی ظفری کو دیکھ لیا اور مسرت بھرے انداز میں مٹی وٹی پھینک کر ظفری کی طرف دوڑے۔

"ابا ابا۔ تم آ گئے۔ ابا ہمیں پیسے دو۔ جب سے تم گئے ہو ابا ہم نے کچھ نہیں کھایا۔ چوہدری کی دکان پر گڑ کے لڈو ملتے ہیں ابا ہم نے وہ بھی نہیں کھائے۔"

"اور میں نے۔ میں نے عید پر نئے کپڑے بھی نہیں پہنے۔" دوسرے لڑکے نے کہا۔ دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ ظفری کی نگاہیں ان دونوں کے چہروں کا جائزہ لینے لگیں دونوں کے چہرے حسرت و یاس کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ معصوم آنکھوں کا یہ کرب ظفری سے برداشت نہیں ہو پا رہا تھا۔ اس نے دونوں بچوں کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اچھا اچھا بیٹے ہم تمھیں پیسے دیں گے فکر مت کرو ہم تمھیں پیسے دیں گے۔"

"ابا ہمیں اپنے ساتھ لے چلو نانی ہمیں مارتی ہے ماموں بھی ہمیں مارتے ہیں دیکھو نانی نے میری پیٹھ پر کتنی زور سے چٹکی نوچی تھی۔" ایک بچے نے اپنا کرتا' شانوں تک اٹھا دیا اور حقیقت اس کی پیٹھ پر ایک سرخ نشان بنا ہوا تھا۔ عورت تڑپ کر بچے کے پاس پہنچ گئی۔

"میرے ننھے' میرے لعل کب نوچا تھا نانی نے تجھے؟"

"رات کو روز ہی مارتی ہیں۔ وہ تو ہم تمھیں نہیں بتاتے۔ اس لیے کہ وہ ہمیں اور ماریں گی۔ کہتی ہیں کہ کسی نہ بتایا کریں۔" بچوں نے کہا۔ ظفری ایک نئی اور عجیب و غریب صورت حال سے دوچار تھا۔ پھر اس نے جیب سے کچھ روپے نکال کر گلو کی طرف بڑھائے۔

"یہ رکھ لو گلو۔ میں سچ مچ گلاب نہیں ہوں۔ اگر میں گلاب ہوتا تو پتھر کا انسان تو نہیں ہوں' میں تمھیں اپنا لیتا۔ یقین کرو میں گلاب نہیں ہوں۔ تم میری بات مان لو۔" گلو نے کوئی جواب نہیں دیا اس نے نوٹ بھی نہیں لیے تھے۔

"یہ رکھ لو گلو تمھارے کام آئیں گے۔"

"نہیں اگر تم گلاب نہیں ہو تو اس رقم پر میرا کوئی حق نہیں ہے۔ ہاں اگر تم گلاب ہو تو خدا

کے لیے میرا قصور معاف کر دو میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم جانتے ہو کہ میں نے تمھیں پریشان نہیں کیا تھا۔"

"گلو۔ آخری بار کہہ رہا ہوں کہ میں گلاب نہیں ہوں۔ بہرطور تم فکر مت کرو۔ تمھارے بارے میں کچھ سوچوں گا۔ بچوں کے لیے ہی سہی یہ پیسے رکھ لو۔"

"اتنا پیسہ میرے پاس دیکھا تو وہ لوگ مجھ پر شک کریں گے۔ تم جانتے نہیں وہ کیسے انسان ہیں۔" گلو نے درد بھرے لہجے میں کہا اور ظفری ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا پھر اس نے بچوں کو تھوڑے تھوڑے پیسے دیے اور گلو کو تسلی دے کر آگے بڑھ گیا۔ لیکن اس کا ذہن پراگندہ ہو گیا تھا۔ شہر میں گلاب کو تلاش کرنا آسان کام نہیں ہوگا لیکن کیا ان کرب زدہ انسانوں کو اس طرح چھوڑ دیا جائے؟ دونوں معصوم بچے ناک سڑکتے ہوئے گندے میلے کچیلے لیکن ان کے چہرے بہت اچھے تھے اگر انھیں صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس کر دیا جاتا تو وہ بہت بہتر معلوم ہوتے۔

انھی الجھنوں میں پھنسا ہوا وہ مضطرب صاحب کے اس مکان تک پہنچ گیا جس کی تفصیلی نشاندہی انھوں نے کر دی تھی۔ وہاں اسے وہ مکان تلاش کرنے میں دقت نہ ہوئی۔ مضطرب صاحب اور ٹیٹو اسے مل گئے تھے۔ مضطرب صاحب نے پریشان لہجے میں کہا۔

"بھئی میں بے چینی سے تمھارا انتظار کر رہا تھا۔ بس یوں سمجھو کہ اب تمھارے پاس پہنچنے ہی والا تھا ظفری میاں۔"

"کہیے مضطرب صاحب آپ نے کچھ معلومات حاصل کیں؟"

"بھئی ہمارا ذہن اس قدر دور رس کہاں ہے بس اس میں تو غزلیں نظمیں اور رباعیاں بھری رہتی ہیں۔"

"خدا کے لیے اس وقت انھیں باہر نہ نکلنے دیں۔ آپ سے ایک کام لینا تھا۔"

"فرمائیے فرمائیے ظفری صاحب کچھ کام تو ہم لوگوں کو کرنا چاہیے کیوں ٹیٹو؟"

"بے شک' بے شک' کسی کو قتل کرنا ہے' کسی کی ہڈی پسلی توڑنی ہے' ٹیٹو کی خدمات حاضر ہیں۔"

"بے کار باتیں مت کرو۔ مضطرب صاحب آپ یہ معلوم کریں کہ مہتاب خان جب دوبارہ اس بستی میں واپس آ گیا تھا' حالانکہ بات تو بہت پرانی ہے۔ لیکن بہرطور کسی نہ کسی بزرگ کو یاد ہی ہوگا کہ جب وہ دوبارہ اس بستی میں آیا تھا تو اس نے بچے کو کس کے حوالے کیا تھا؟"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ یہ بات میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا؟"

"آپ یہ بات معلوم کریں اور ٹیٹو تمھیں ایک اور کام کرنا ہے۔"

"یس سر۔" ٹیٹو نے اٹین شین ہو کر کہا۔

"تم شہر واپس چلے جاؤ اگر ممکن ہو سکے تو سعدی سے کہنا کہ وہ فرخ لطیف صاحب کو اس بستی میں بھیج دے۔ صورت حال کی تمام رپورٹ میں تمھیں لکھ کر دے دیتا ہوں یہ تم سعدی تک پہنچا دینا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں چلا جاؤں گا جناب۔" ٹیٹو نے جواب دیا اور ظفری نے مضطرب صاحب سے کہا اسے قلم وہ کاغذ مہیا کر دیا جائے مضطرب صاحب کی خالہ زاد بہن کے گھر میں یہ دونوں چیزیں ملنا مشکل ثابت نہ ہوا اور ظفری نے تمام تر تفصیلی رپورٹ سعدی کو لکھا کر دے دی اور اس سلسلے میں اپنا خیال بھی ظاہر کیا۔ اس نے کہا کہ امکانات اس بات کے ہیں کہ اس کا پتا چل جائے لیکن اگر فرخ لطیف صاحب کو اس پروگرام کے تحت یہاں لے آیا جائے کہ وہ خود مہتاب خان سے ملیں ایک بار پھر اپنی بیگناہی کے ثبوت پیش کریں تو ممکن ہے مہتاب خان بچے کا راز اگل دے۔"

"ویسے وہ آج بھی فرخ لطیف کا جانی دشمن ہے لیکن بہرطور کسی نہ کسی طرح اسے رام کرنے کی کوشش کی جائے گی۔" یہ تفصیلی رپورٹ لکھ کر اس نے ٹیٹو کو دے دی اور ٹیٹو نے اس وقت روانگی کے انتظامات شروع کر دیے۔

سالے پہلوان سے کئی بار سرِ راہ ملاقات ہوئی تھی لیکن بس دور دور سے گھورنے کی حد تک۔

ظفری خود بھی اس کے قریب نہیں گیا تھا۔ مضطرب صاحب اس دوران اس کھوج میں لگے رہے تھے کہ مہتاب خان کا ماضی تلاش کریں۔ اب وہ سرائے بھی پہنچ جاتے تھے۔ تین دن کی تگ و دو کے بعد انھوں نے معلوم کر لیا تھا کہ اس وقت مہتاب خان کی دوستی جمال گڑھی میں صرف ایک شخص سے تھی اور وہ تھے حاجی محمود خان صاحب۔ متمول آدمی تھے ہر سال حج پر جاتے تھے۔ مہتاب خان جب لندن سے واپس آیا تھا تو حاجی صاحب کے پاس ہی ٹھہرا تھا۔ اس وقت اس کے ساتھ اور کون تھا اور اس نے کیا کیا یہ محمود خان کے علاوہ کسی اور کو نہیں معلوم تھا اور محمود خان صاحب ان دنوں حج پر گئے ہوئے تھے۔ حج ہو چکا تھا اور واپس آنے والے تھے کیونکہ ان کے بیٹے ان کی واپسی کے استقبال کی تیاریاں کر رہے تھے۔

"محمود خان کے علاوہ یہ بات اور کوئی نہیں بتا سکے گا۔" مضطرب صاحب نے کہا تھا۔

"انتظار کرنا ہوگا۔" ظفری نے کہا۔

"مہتاب خان زبان نہیں کھول رہا؟" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"نہیں' وہ بہت سخت آدمی ہے۔"

"میں کوشش کروں؟"

"کھیل بگڑ جائے گا۔ اسے شک ہو جائے گا۔ ہم لوگ اس لڑکے کے بارے میں اس قدر کھوج کیوں کر رہے ہیں؟"

"شعر و شاعری سے کوئی دل چسپی ہے اسے؟" مضطرب صاحب نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"کیوں؟"

"دوستی گانٹھوں گا اس سے۔ ممکن ہے کچھ اگل دے۔"

"میرے خیال میں اسے صرف ڈنڈے سے دل چسپی ہے۔ بارہ انچ لمبا چاقو رکھتا ہے

نپٹنے میں۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" مضطرب صاحب جلدی سے بولے۔ اور پھر انھوں نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔" ظفری کوشش کر چکا تھا لیکن مہتاب خان نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

"لندن کیا بات اور ہے جمن لیکن اس کے نام سے میرا دل دکھتا ہے تو اب میرے سامنے لندن کا نام نہ لیا کر۔" ظفری خاموش ہو گیا تھا۔

بس ذرا سی کیل اٹکی رہ گئی تھی اب کچھ پتا چل گیا تھا لیکن یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ وہ بچہ کہاں ہے۔ فرخ لطیف کو اس نے بلوا ضرور بھیجا تھا لیکن اس بارے میں بھی اسے اطمینان نہیں تھا کہ اس کے آجانے سے کوئی بات بن جائے گی بس اب محمود خان کا انتظار تھا۔ وہ آجائیں تو بات کچھ ہے۔ اس نے اس دوران محمود خان کے اہل خاندان سے بھی ربط و ضبط بڑھانے کی کوشش شروع کر دیں تھیں۔

"پھر ایک شام مضطرب صاحب ہانپتے ہوئے سرائے پہنچے۔ انھوں نے ظفری کو بتایا کہ فرخ لطیف آگئے ہیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"میں نے اپنے ساتھ ٹھہرا لیا ہے۔"

"تنہا ہیں؟"

"ہاں۔" "یہ خط لائے ہیں سعدی میاں کا۔" مضطرب صاحب نے ایک بند لفافہ ظفری کو دے دیا۔ ظفری نے خط کھول کر پڑھا۔ لکھا تھا۔

"ظفری' ٹیٹو کے ذریعے رپورٹ موصول ہوئی۔ مبارکباد قبول کرو۔ فرخ لطیف صاحب بہت جذباتی ہو گئے ہیں۔ انھیں سنبھالے رکھنا۔ میں نے بیگم صاحبہ سے وعدہ کیا ہے کہ ان کی حفاظت کی جائے گی۔ تم میرے بہتر نمائندے کی حیثیت سے اپنا یہ فرض انجام دو گے۔ حالات کے تحت فرخ لطیف صاحب کو مہتاب خان کے سامنے لے جانا۔ انھیں کوئی نقصان نہ پہنچنے

پائے۔"

سعدی۔

ظفری نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر لفافہ جیب میں ڈال لیا۔ اب وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

رات کو اس نے سرائے کے برآمدے میں ایک بار پھر مہتاب خان سے بات کی۔

"خان صاحب آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟"

"جوانی بیت گئی' فرصت ہی نہ دی حالات نے۔"

"کبھی کسی لڑکی سے عشق وشق بھی نہیں ہوا؟" ظفری نے سوال کیا۔

"میری عمر ان باتوں کی ہے' حماقت کی باتیں مت کر میاں صاحبزادے! ہم نوکر قسم کے آدمی بھلا ایسی چیزوں کے لیے وقت کہاں رکھتے ہیں۔ تقدیر نے جوانی کے دور میں بھی اتنی فرصت ہی نہیں دی کہ اس کے بارے میں سوچتے۔"

"خان صاحب اگر آپ لندن میں ہوتے تو کوئی نہ کوئی چھپکلی ضرور آپ کے گلے میں پڑ گئی ہوتی۔"

"ہاں میاں لندن کی بات دوسری تھی' بڑی غلط جگہ تھی' لاحول ولا قوۃ۔"

"خان صاحب میں آپ سے ایک بات کہوں' برا تو نہیں مانیں گے؟"

"نہیں نہیں کہو۔" خان صاحب کا موڈ آج کچھ اچھا معلوم ہوتا تھا۔

"اگر آپ اس بات کی تصدیق کر لیتے کہ فرخ لطیف نے آپ کی بہن سے شادی کر لی ہے یا نہیں تو شاید صورت حال اتنی نہ بگڑتی۔ آپ جذباتی ہو گئے تھے اگر جذبات سے ہٹ کر کچھ کام کی بات ہو جاتی تو زیادہ بہتر ہوتا۔"

"پرانی بات ہے میاں' اب کیا کہیں اس سلسلے میں' اس بدنصیب کی موت اپنے ہی ہاتھوں لکھی تھی سو ہو گیا' یہ سب کچھ بڑی یاد آتی ہے کبھی کبھی اس کی' پر اب کیا ہو سکتا ہے؟"

"خان صاحب آپ نے اس کے بیٹے کو بھی اس طرح پھینک دیا' کم از کم اسے ہی آپ سینے سے لگائے رکھتے۔ ویسے فرخ لطیف کو ٹٹولنا تو چاہیے تھا' دیکھنا تو چاہیے تھا کہ وہ اپنی باتوں میں کس قدر مخلص تھا' اگر وہ مخلص تھا تو اپنی دولت' اپنی جائیداد اپنے بیٹے کے نام کرتا۔"

"نہیں میاں ہمیں کسی کی دولت کسی کی جائیداد سے کوئی غرض نہیں ہے' اس نے ایسا کیوں کیا آخر۔ ہم تو رعایا تھے اس کی' رعایا کے ساتھ کیا یہی سلوک روا ہوتا ہے؟"

"ہاں صاحب انسان غلطیوں کا پتلا ہے۔"

"خیر میاں چھوڑو ان باتوں کو۔ گزرنی تھی گزر گئی۔ اپنی گزر رہی ہے کسی دن موت آ جائے گی تو اللہ میاں کے پاس پہنچ جائیں گے۔" خان صاحب نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی۔

دوسرے دن ظفری فرخ لطیف اور انہیں لے کر ایک طرف نکل گیا۔ فرخ لطیف صاحب بے حد سنجیدہ تھے۔

"سعدی نے مجھے بتایا ہے کہ مہتاب خان سے تم نے کچھ معلومات حاصل کی ہیں۔"

"ہاں' مجھے یہ پتا چل چکا ہے کہ مہتاب خان بچے کو لے کر آیا تھا۔ یہاں آ کر اس نے وہ بچہ کسی بے اولاد عورت کے سپرد کر دیا اور اس عورت نے بچے کی پرورش کی۔ مہتاب خان نے بچہ دینے کے بعد اس سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ یہ پتا نہیں چل سکا کہ اس نے بچہ کس کو دیا تھا اور اب وہ بچہ کہاں ہے؟"

"یہ بھی نہیں پتا چل سکا کہ وہ اس بستی میں ہے یہ کہیں اور ہے؟" فرخ لطیف نے پوچھا۔

"نہیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔ اس کے لیے ہمیں ایک کردار کا انتظار کرنا ہے' اس کا نام محمود خان ہے حج پر گیا ہوا ہے اور چند روز میں اس کی واپسی متوقع ہے۔"

"آہ کاش ایک بار ایک بار مہتاب خان میری بات مان لیتا' اس نے جو کچھ کیا' خدا اس کے لیے اسے معاف کرے۔ میں آج بھی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نوشابہ میری بیوی تھی۔ میں نے

باعزت طریقے سے اس سے شادی کی تھی بس غلطی یہی ہو گئی تھی کہ اس میں اس کے بھائی کی مرضی شامل نہیں ہو سکی تھی بس ایک لغزش تھی' ایک حماقت تھی۔" فرخ لطیف صاحب نے کہا۔ پھر بولے۔ "اگر میں ایک بار مہتاب خان سے ملنے کی کوشش کروں تو؟"

"صورت حال خطرناک ہو جائے گی۔"

"کوشش کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"جلد بازی مناسب نہیں ہوگی فرخ لطیف صاحب۔ آپ کو میں نے اسی ارادے سے بلایا تھا لیکن اب میں خود الجھ گیا ہوں۔"

"تم مجھے کوشش تو کر لینے دو آگے اللہ مالک ہے۔" فرخ لطیف نے کہا اور ظفری کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن ہمیں احتیاط رکھنا ہوگی۔ میں آپ کو بتادوں گا کہ کب اس سے ملنا ہے۔"

ظفری نے اس بارے میں بہت کچھ سوچا اور پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ فرخ لطیف کو مہتاب خان سے ملا دیا جائے لیکن اس کے لیے اس نے انتظامات کر لیے تھے۔ مارشل ٹیٹو' مضطرب صاحب کو خصوصی ہدایات دی گئیں اور ایک رات اس وقت جب مہتاب خان حسب معمول اپنے سارے کاموں سے فارغ ہو کر ظفری کے پاس برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا' فرخ لطیف سرائے میں داخل ہو گئے۔

مہتاب خان اجنبی نگاہوں سے انھیں دیکھ رہا تھا۔ ظفری ہوشیار ہو گیا تھا۔ پھر جب فرخ لطیف صاحب بالکل قریب پہنچے تو مہتاب خان اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو گئیں' رگیں پھول گئیں اور اس کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

"تم؟"

"ہاں مہتاب خان یہ میں ہوں۔"

"تم زندہ ہو۔"

"بدقسمتی سے۔"

"یہاں کیوں آگئے؟"

"تمھارے ہاتھوں مرنے تاکہ مجھے میری حماقت کی پوری پوری سزا مل جائے۔"

"ایک بار پھر تم مجھے قاتل بناؤ گے؟"

"ہاں مہتاب خان' مجھے قتل کرو اور دیکھو کہ جیل کیسی ہوتی ہے۔ سزا کیا ہوتی ہے۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں مہتاب خان۔ موت کے بالکل قریب ہوں اور خدا کو یاد کر کے ایک بار پھر تم سے کہتا ہوں کہ میں نے گناہ نہیں کیا۔ تمھیں دھوکہ دینے کے علاوہ میں نے اور کوئی گناہ نہیں کیا۔ نوشابہ میری بیوی تھی۔ میں نے اس سے نکاح کیا تھا۔ اس کا بیٹا میری جائز اولاد تھی۔"

"کمینے مردود۔ کیا حق تھا تیرا اس پر ہم نوکر تھے تیرے اگر ایسی کوئی بات تھی تو تو مجھ سے کہہ سکتا تھا۔"

"یہ غلطی ہوئی تھی مجھ سے جس کی میں نے بڑی سزا بھگتی ہے۔ میرے دل میں بڑی آرزو تھی کہ بس ایک بار۔ بس ایک بار مجھے معاف کر دو۔ اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔"

"تو نے۔ تو نے میری ساری زندگی تباہ کر دی۔ اور میں تجھے معاف کر دوں۔ کمینے تو نے یہاں آنے کی ہمت کیسے کی؟ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تجھے ختم کر دوں گا۔"
مہتاب خان چارپائی سے اٹھا اور اس نے فرخ لطیف پر حملہ کر دیا۔ ظفری ایک قدم درمیان میں آگیا تھا۔

"ہٹ جا جمن۔ میرے سامنے سے ہٹ جا ورنہ خون کر دوں گا تیرا' ہٹ جا۔" مہتاب خان نے زور سے ظفری کو دھکا دیا۔ لیکن ٹیٹو اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے ظفری کو سنبھالا اور پھر مہتاب خان کے سامنے آگیا۔

"ہاں ماسٹر۔ شروع ہو جاؤ۔ دیکھوں تم میں کتنی جان ہے۔" اس نے مارشل آرٹس کا ایک پوز بنا کر کہا۔

"للوا؟" مہتاب خان کا منہ کھلا رہ گیا۔

"آجاؤ۔ آجاؤ۔ تم نے اپنی موت کو للکارا ہے۔ میں تمھاری ہڈی پسلی ایک کردوں گا۔" ٹیٹو نے کہا۔

"ہوں۔ تو کھچڑی پک چکی ہے۔ باپ بیٹے مل گئے ہیں اب تم دونوں مجھ سے انتقام لینا چاہتے ہو۔ کمینے باپ کی اولاد۔ میں تم دونوں کے لیے کافی ہوں۔"

ظفری اور فرخ لطیف سکتے کی سی کیفیت میں رہ گئے تھے۔ ان کی پھٹی پھٹی آنکھیں ٹیٹو پر جمی ہوئی تھیں۔ مہتاب خان نے غلط فہمی میں ایک ایسا انوکھا انکشاف کیا تھا کہ ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ لیکن ٹیٹو اس انوکھی حقیقت سے ناواقف تھا اس کی نگاہیں مہتاب خان پر جمی ہوئی تھیں۔ مہتاب خان کچھ ڈھیلا پڑ گیا تھا۔

"ہاہا۔ ڈر رہا ہے باس۔ ٹیٹو دی بلیک بیلٹ سے ڈر رہا ہے آؤ استاد جوڈو جانتا ہوں میں۔ ذرا ہاتھ لگا کر بتاؤ ان میں سے کسی کو۔" اس نے چہکتے ہوئے کہا۔

مہتاب خان لڑکھڑانے لگا۔ اس کے پاؤں کانپ رہے تھے۔ پھر اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ "میں جانتا ہوں کہ گھٹنے پیٹ ہی کی طرف مڑتے ہیں۔ مردود کی اولاد بھی مردود ہی ہوتی ہے۔ چلے جاؤ تم سب میرے سامنے سے' میں اسے نہیں مار سکتا۔ یہ میری بہن کی نشانی ہے۔ اس کے چہرے پر میری نوشابہ کے نقوش ہیں۔ خدا کی قسم تم باپ بیٹے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ لے جاؤ فرخ لطیف اپنی اولاد کو چلا جا یہاں سے۔ تو نے اپنے بیٹے کو پالیا' اب اور کیا چاہیے مجھ سے۔"

"فرخ لطیف صاحب کیسی حیرت کی بات ہے۔ یہ آپ کا بیٹا ہے یہ ٹیٹو آپ کا بیٹا ہے۔"

"ہاں۔ اس کے چہرے کے نقوش میں میری نوشابہ کی جھلک ہے۔ فرخ صاحب بولے اور دوڑ کر ٹیٹو سے لپٹ گئے۔

"اے باس' بڑے بھائی کو کیا ہوگیا۔ انھیں سنبھالو۔ مجھے دشمن سے نمٹنے دو۔"

"ٹیٹو یہ تمھارے ماما ہیں۔ اور یہ تمھارے باپ۔" ظفری نے کہا اور ٹیٹو کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"جاؤ گے نہیں تم لوگ چلے جاؤ یہاں سے۔ میں کہتا ہوں چلے جاؤ۔ چلے جاؤ۔"

مہتاب خان دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر سسکیاں لینے لگا۔

محمود خان اسی رات حج سے واپس آگئے تھے۔ دوسرے دن ان لوگوں نے ان سے ملاقات کی تو محمود خان نے بتایا۔ "ہاں' مہتاب خان ایک غیور آدمی ہے۔ اٹھائیس سال پہلے وہ یہاں آیا تھا۔ اس وقت ایک شیر خوار بچہ اس کے ساتھ تھا۔ اس نے مجھے پوری کہانی سنائی تھی۔ وہ سخت ہیجان کا شکار تھا۔ بچے کو پالنے کی وہ سکت نہیں رکھتا تھا۔ اسے ہلاک بھی نہیں کرسکتا تھا۔ تب میں نے جھیمو نامی ایک بے اولاد عورت کو وہ بچہ دلوا دیا اور مہتاب خان سے کہہ دیا کہ اب وہ اس بچے کو بھول جائے اور نئی زندگی کا آغاز کرلے۔"

محمود خان کی اس بات سے تصدیق ہوگئی کہ جھیمو کا للوا عرف مارشل ٹیٹو فرخ لطیف کا بیٹا ہے۔ ظفری مہتاب خان سے بہت متاثر تھا۔ اس نے بقیہ لوگوں کو روانہ کردیا۔ فرخ لطیف نے پیشکش کی تھی کہ اگر مہتاب خان اسے معاف کردے تو وہ پوری زندگی اسے اپنے ساتھ رکھنے کو تیار ہے اور ظفری اسی ارادے سے رک گیا تھا کہ مہتاب خان کو سمجھائے۔

لیکن مہتاب خان ٹھوس انسان تھا۔ اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"میں مرد ہوں۔ اگر مردود کو اس کا بیٹا نہ مل جاتا تو میں اسے بتاتا۔ میں نوشابہ کی اولاد کو ختم نہیں کرسکتا تھا۔" ظفری مایوس ہوگیا۔ اور پھر اس دن وہ سرائے کا حساب کتاب چکا کر واپسی کے لیے چل پڑا۔ راستے میں وہی پگڈنڈی پڑتی تھی۔ اور اس پگڈنڈی پر گلو کھڑی حسرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے دونوں بچے اس کے پاس موجود تھے۔

"ابا ہمیں یہاں سے لے چلو۔ ہمیں لے چلو ابا نانی بہت مارتی ہے۔"

ظفری پریشان ہوگیا تھا۔ پھر اس نے کوئی فیصلہ کیا اور گلو کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑا۔

"مجھے اپنے گھر لے چلو گلو۔" اس نے کہا اور گلو حیران رہ گئی۔

بستی میں شور مچ گیا۔ گلاب واپس آ گیا تھا۔ اس نے سسر پہلوان اور سالے پہلوان کے سامنے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ گلاب ہے اور اب وہ اپنے بیوی بچوں کو شہر لے جا رہا ہے۔ اس کے تمام گھر والے خوش تھے۔

دوسرے دن ظفری' سعدی اور شکیلہ کو اپنی درد بھری کہانی سنا رہا تھا۔ "اور اس طرح اب میں دو بچوں کا باپ ہوں جو مجھے ابا کہتے ہیں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری دم نکل آئی ہے حضرات' میں آپ کو پچیس ہزار روپے کا چیک اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے پیش کرنا چاہتا ہوں۔" ظفری رو دینے والے انداز میں بولا۔

"وہ کس سلسلے میں؟"

"میرے بچوں کے باپ کو تلاش کیجیے اور ثواب دارین حاصل کیجیے۔"

"وہ لوگ کہاں ہیں ظفری؟ شکیلہ نے پوچھا۔

"فی الحال انھیں ایک ہوٹل میں رکھا ہے۔ مطلق صاحب سے بات کر کے ابھی تو انھیں گھر لے جاؤں گا۔ بعد میں ان بچوں کے باپ کو تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔"

"تمھارا کیس لے لیا گیا ہے ظفری۔ ہم سب مل کر گلاب کو تلاش کریں گے۔ اور ہاں تمھاری واپسی کا انتظار تھا۔ بیگم ہدایت پور نے ہمیں ایک پارٹی دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ پارٹی فرخ لطیف عرف چھمو کا للوا مارشل ٹیٹو کی بازیابی کی خوشی میں ہے۔"

"ٹیٹو کہاں ہے؟" ظفری نے پوچھا۔

"ہدایت پور میں ہے۔ کل شام سمن آراء کے ساتھ ایک سفید مرسڈیز میں آیا تھا۔ شارک کا سوٹ پہنے ہوئے کمبخت اس طرح بچ رہا تھا کہ نگاہ نہیں ٹھیرتی تھی۔" شکیلہ نے کہا اور سعدی مسکرانے لگا۔

"تھوڑی سی دیر میں اس نے اپنی انگلش بولی ہے کہ اب انگریزی زبان سے نفرت محسوس ہونے لگی ہے۔" سعدی نے کہا اور شکیلہ ہنس پڑی۔

☆......☆......☆

جمعرات تھی اور مطلق صاحب اپنی بیاض تیار کر چکے تھے۔ انھیں رات ہونے کا انتظار تھا۔ بچوں کے بارے میں وہ کئی بار پوچھ چکے تھے جو ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ "آ جائیں گے لکھنے پڑھنے والے بچے ہیں کسی کام میں الجھ گئے ہوں گے' ایسی کیا پریشانی ہے؟"

"اُفوہ۔ مشاعرے کے انتظامات دکھانے تھے انھیں۔ کوئی کمی تو نہیں رہ گئی۔ مگر تمھاری سمجھ میں کیا آئے گا۔" مطلق صاحب منہ ٹیڑھا کر کے بولے۔

"سمجھ میں تو ان کی بھی کچھ نہیں آئے گا مگر برداشت کریں گے بیچارے تمھارے گھر میں جو رہتے ہیں۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔ اور مطلق صاحب بھڑک اٹھے۔

"کیا مطلب ہے یعنی کیا مطلب ہے؟ تم اپنی طرح سب کو جاہل مطلق سمجھتی ہو۔ گویا میرے اشعار ان کی سمجھ میں نہیں آئیں گے؟ ایں۔"

"پہلے کبھی کسی کی سمجھ میں آئے ہیں جو ان کی سمجھ میں آئیں گے۔ اب میرا منہ نہ کھلواؤ۔ اچھی خاصی محلے میں عزت بنی ہوئی تھی جو تمھاری وجہ سے خاک میں مل گئی۔ لوگ دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ کہیں اندر سے کوئی شعر نہ سنائی دے جائے۔ پکڑے نہ جائیں۔ ابتداء میں تمام محلے والوں نے ملنا جلنا شروع کیا تھا۔ سب کے سب مزاج پرسی کو آتے تھے مگر جب سے تم نے اپنی غزلیں سنانا شروع کیں' ایک ایک کر کے سب کھسک لیے۔" بیگم صاحبہ تفصیل بیان کرنے لگیں۔ مطلق صاحب منہ پھاڑے یہ لاف و گزاف سن رہے

تھے۔ ان کی آنکھوں سے حیرت جھانک رہی تھی۔ بیگم صاحبہ خاموش ہو گئیں تو انھوں نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔

"گویا یہ ہیں آپ کے خیالات ہمارے اور ہماری شاعری کے بارے میں۔ اور گویا آپ بڑی مشکل سے خود کو ہماری زوجیت میں برداشت کر رہی ہیں۔ سچ ہے۔ سچ ہے بیگم، قصور آپ کا نہیں ہے۔ مرزا نوشہ بھی اسی غم کا شکار تھے۔ ادیب اور شاعر ایسی ہی لکھا کر لاتے ہیں خود مطلق اور بیگم جاہل مطلق۔ لاحول ولاقوۃ۔"

"خالو میاں، دیکھ لیجیے سب ٹھیک ہو گیا۔" ایک اندرونی کمرے سے شکیلہ باہر نکل آئی۔

"خاک ٹھیک ہو گیا صاحبزادی۔ سب کچھ بگڑ گیا۔ لعنت ہے ان خالو جان قبلہ پر۔ تقدیر تو کھوٹی لکھ کر لائے تھے ہائے دل خون ہوتا ہے بعض اوقات۔"

"بس بین کرنے بیٹھ گئے، انوکھی عادتیں ہیں۔" خالہ جان یعنی بیگم صاحبہ بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئیں۔

"میں نے چاندنی بچھا دی ہے۔ گاؤ تکیے لگا دیے ہیں۔ کتنے افراد شرکت کرنے آ رہے ہیں مشاعرے میں؟"

"تین۔ جناب سعدی، حضرت ظفری اور خاتون شکیلہ۔ دیکھ بیٹی یوں نہ کہہ دینا کہ شعر و شاعری سے دل چسپی نہیں ہے۔ اچھا شعر روح کی غذا ہوتا ہے اور بالیدگی روح کے لیے۔۔۔۔"

"پسی ہوئی مرچوں کا پیکٹ۔" باہر سے آواز آئی۔ مطلق صاحب ایک لمحے کے لیے رکے اور پھر جھونک میں بولے۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ بالیدگی روح کے لیے پسی ہوئی مرچوں کا پیکٹ۔ مم۔ میرا مطلب ہے لاحول۔۔۔۔"

"سوا روپے کا لہسن بھی لے آنا۔ چھٹانک بھر آئے گا۔ چیزوں پر تو آگ پڑ رہی ہے۔

خدا کی پناہ بیس روپے سیر مرچیں۔ بیس روپے سیر لہسن۔ یہ لو پیسے دونوں چیزیں ہی گھر میں نہیں ہیں۔" بیگم صاحبہ نے دس کا نوٹ مطلق صاحب کے ہاتھ میں تھما دیا۔

"دیکھا تو نے۔ یوں شعر کی چٹنی پستی ہے اس گھر میں اور ہم زندہ ہیں۔ ابھی آیا بیٹی، پھر آ کر گفتگو ہو گی تم سے۔" مطلق صاحب لہسن اور پسی ہوئی مرچیں لینے چلے گئے۔

رات کے کھانے کے بعد محفل مشاعرہ جمی۔ شاعر تنہا حضرت مطلق تھے اور سامعین میں تین افراد تھے۔ اس افتاد کی تیاری تو پہلے ہی کر لی گئی تھی۔ انھیں اندازہ ہو گیا تھا کہ ہفتے بھر کا کرایہ اسی دن شعر سن کر ادا کرنا ہو گا۔ چنانچہ مطلق صاحب غزلیں سنا رہے تھے اور سعدی اور ظفری سر دھن رہے تھے۔ شروع شروع میں تو شکیلہ بھی موڈ میں تھی اور ہر شعر کی داد دے رہی تھی لیکن اس بیچاری کو صورت حال کا پتا نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دو ایک غزلوں میں چھٹی ہو جائے گی لیکن یہ تو ایک کے بعد دوسری غزل برآمد ہوتی جا رہی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے یہ سلسلہ ختم نہیں ہو گا۔ سعدی اور ظفری کی بات دوسری تھی وہ تو ان حاصل شدہ سہولتوں کی ادائیگی کر رہے تھے لیکن وہ براہ راست بیگم صاحبہ کی بہن کے شوہر کی بہن کی بیٹی تھی اس لیے اس پر مطلق صاحب کا کوئی احسان نہیں تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد اس نے مداخلت کر دی۔

"ان حضرات میں کوئی شاعر نہیں ہے؟" سوال مطلق صاحب سے تھا اور اشارہ سعدی اور ظفری کی طرف تھا۔ مطلق صاحب رک گئے۔ صحرائے غزل میں بھٹک رہے تھے، واپسی ہوئی۔ سوال سمجھا، مسکرائے اور بولے۔

"ہو جائیں گے، آہستہ آہستہ ہو جائیں گے۔"

"ابھی تک کیوں نہیں ہوئے؟"

"ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں بی بی۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن۔"

"سات دن۔" ظفری آہستہ سے بولا۔

"تو پھر مشاعرہ ختم۔" شکیلہ نے گردن جھٹک کر کہا۔ اور مطلق چونک کر اسے دیکھنے

تھے۔

"کیوں؟ کیوں ختم؟"

"قانون ہے حضرات! مشاعروں کے بھی آداب ہوتے ہیں۔ ایک شاعر کی زیادہ سے زیادہ غزلیں' اگر حد سے تجاوز کر گئے تو تین اور اگر نشے کی حالت میں ہوئے تو اخلاقاً چار۔ اس کے بعد انہیں ڈائس سے اٹھا کر نیچے بٹھا دیا جاتا ہے۔ آپ پانچ غزلیں سنا چکے ہیں خالو جان۔" شکیلہ نے کہا۔

"بڑی۔ بڑی شریر بچی ہے۔ ہاں تو سعدی میاں۔" مطلق صاحب نے بات مذاق میں ٹالنے کی کوشش کی۔

"ہرگز نہیں' ہرگز نہیں خالو جان۔ کوئی تبدیلی ہونی چاہیے۔ اچھا چلیں میں آپ کو اپنی تازہ غزل سناتی ہوں۔"

"اماں واللہ۔ کچھ کہہ لیتی ہو۔ سناؤ اگر یہ بات ہے تو ضرور سناؤ۔" مطلق صاحب کا کلیجہ خون ہو گیا تھا۔ لیکن بہتر ماحول کو برقرار رکھنے کے لیے یہ کڑوے گھونٹ پی لینا ہی مناسب خیال کیا۔ اور شکیلہ کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"عرض کیا ہے۔ نکتہ چیں ہے غمِ دل۔۔۔"

"کیا مطلب' کیا مطلب؟" مطلق صاحب تڑپ کر بولے اور شکیلہ نے مصرعہ ادھورا چھوڑ دیا' وہ مطلق صاحب کو گھورنے لگی۔

"ترجمہ بعد میں ہو جائے گا پہلے شعر سنیں۔" اس نے بگڑ کر کہا۔

"مم۔۔۔ مگر بی بی' تم اسے اپنے نام سے منسوب کر رہی ہو۔ یہ تو مرزا نوشہ کا شعر ہے اور میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں' غالب کے ساتھ کوئی مذاق نہیں برداشت کر سکتا۔"

"تو پھر ادا کر دیجیے ایک ہزار سات سو تیس روپے سات آنے معہ سو سالہ سود کے۔" شکیلہ ناک چڑھا کر بولی۔

"کیا مطلب؟ کیا مطلب؟" مطلق صاحب حیرت سے منہ پھاڑ کر بولے۔

"یہ غزل ہمارا خاندانی ورثہ ہے۔ اسد اللہ خاں نے گروی رکھی تھی میرے پرنانا کے پاس۔ بعد میں چھڑا ہی نہیں سکے۔" شکیلہ اطمینان سے بولی۔

"تاریخ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تاریخ میں تو بہت کچھ ہے خالو جان' قرض کی پیتے تھے مے' یاد نہیں آپ کو میں کہتی ہوں کیوں پیتے تھے۔ حکیم نے نسخے میں لکھی تھی' ساری زندگی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ بیوی بچے بیچارے دانے دانے کو محتاج تھے اور نوشہ میاں ادھار قرض لے کر' مے پیتے رہتے تھے۔ واہ کوئی بات ہوئی پورے ایک ہزار سات سو تیس روپے سات آنے۔ ذرا غور کریں تو اس وقت کتنی بڑی رقم ہو گی۔ اب تو سارا دیوان گروی رکھا جا سکتا ہے ان کے عوض۔" شکیلہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئی۔

"کیا فضولیات ہیں بھئی سعدی' ظفری۔ کیا ہو گیا اس لڑکی کو؟"

"کوئی نہیں بول سکتا اس مسئلے میں۔ خاندانی معاملہ ہے۔ ارے ہاں ہم بھی غریب لوگ ہیں۔ پیسے کی ضرورت کسے نہیں ہوتی' اب ایک غزل بھی نہ سنائیں۔ میں تو اس میں تخلص بھی اپنا استعمال کروں گی۔"

"یہ نہیں ہو سکتا۔" مطلق صاحب بگڑ گئے۔

"ہو گا۔ یعنی کہ' سر پھوڑنا شکیلہ' شوریدہ حال کا۔ یاد آئے ہے مجھے تری دیوار دیکھ کر' اور وہ۔ شکن ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوش اشک سے۔"

"شکن۔ یعنی شکن؟" مطلق صاحب بھنا کر کھڑے ہو گئے۔

"امی مجھے پیار سے شکن ہی کہتی تھیں۔" شکیلہ نے دانت نکال کر سعدی سے کہا۔ اور پھر بولی۔ "ہاں۔ وہ کون سا شعر تھا؟"

"یہ لڑکی۔ یہ لڑکی مجھے چڑھا رہی ہے۔ لعنت بھیجو میاں اس مشاعرے و شاعرے پر۔"

بس اب نہیں ہوگا۔ ایک شعر نہیں ہوگا۔'' مطلق صاحب غصے سے ہانپنے لگے تھے۔

''ارے نہیں قبلہ مطلق صاحب۔'' ظفری نے کہا۔

''حرام ہے۔ حرام ہے جو اب ایک مصرعہ بھی سناؤں۔ اور۔۔۔۔ اور۔۔۔۔'' انھوں نے گھور کر شکیلہ کو دیکھا اور جملہ پورا کیے بغیر باہر نکل گئے۔ شکیلہ بھاڑ سا منہ کھول کر جماہیاں لے رہی تھی۔

دونوں بیک وقت آگے بڑھے۔ انھوں نے شکیلہ کا ایک ایک ہاتھ پکڑا اور اسے چوم کر آنکھوں سے لگالیا۔ ''پیرومرشد۔ یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔''

''بیوقوف مت بناؤ۔ اس دور میں احسان وحسان کوئی چیز نہیں ہے۔ کوئی تمھارے لیے کچھ کرے تو نقد ادائیگی کردو اس کے احسان کی چلو ایک ہزار سات سو تیس روپے سات آنے میں سے دو سو تیس روپے سات آنے ہی دے دو۔ پورے پندرہ سو رہ جائیں گے۔ اور آئندہ بھی مناسب معاوضے پر تمھیں غزلوں اور مشاعروں سے بچایا جاسکتا ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں تم دن رات غزلیں سنو گے۔ کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ خالو جان سنانے کو ترسے ہوئے انسان ہیں۔ جب بھی اور جہاں بھی بیٹھوں گی ان سے غزل کی فرمائش کردوں گی' بات سمجھ رہے ہو نا؟'' شکیلہ نے کہا۔

''ہاں ہاں' کل دفتر میں حساب ہوجائے گا۔ دفتر تو آؤ گی نا۔''

'یقیناً یقیناً۔ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اچھا پھر خدا حافظ۔'' شکیلہ نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ اور اپنی خواب گاہ کی طرف چلی گئی۔

اپنے کمرے میں بستر پر لیٹ کر سعدی بولا۔ ''یار ظفری لڑکی واقعی کام کی ہے۔ میرے خیال میں اسے خلوص سے اپنے ساتھ شریک کرلیا جائے یوں بھی اس نے ہماری دکھتی رگ پکڑ لی ہے اور پھر درحقیقت ہمیں لیڈی ایڈوائزر کی بھی ضرورت ہے۔''

دوسری صبح ناشتے سے قبل بیگم صاحبہ کے کمرے میں ان دونوں کی طلبی ہوگئی۔ کمرے

میں مہابھارت جاری تھی۔ مطلق صاحب بپھرے ہوئے تھے لیکن بیگم صاحبہ ہمیشہ کی طرح ان پر حاوی تھیں۔

''پوچھو۔ پوچھو اب کیا ہوا تھا؟ خود ہی پوچھ لو۔'' وہ کلکلا کر بولے۔

''ارے بس پوچھ لیا۔ بھگا دو ان سب کو بھی' اور پھر اکیلے بیٹھے کوئے ہانکتے رہو۔ جنم میں کرم پہلی بار میری کوئی رشتے دار میرے پاس آئی اور دو دن میں تمھاری آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ نکال دو بچی کو پڑی رہے گی کسی کونے میں۔ زیادہ سے زیادہ لوگ یہی کہہ لیں گے کہ بہن کے نندوئی کی بہن کی بیٹی۔۔۔۔''

''کون نامعقول یہ کہہ رہا ہے کہ اسے نکال دو۔ لیکن وہ غالب کے دیوان کی ٹھیکیدار بن جائے یہ میں کبھی نہیں برداشت کرسکتا۔'' مطلق صاحب نے بیگم صاحبہ کی بات اچک لی۔

''کوئی بات ضرور ہوگی۔ میرے رشتے داروں میں یہی تو خوبی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ لین دین کا کوئی مسئلہ ہے تو دونوں کو آمنے سامنے بٹھالو۔ چار آدمیوں کے درمیان بات ہوجائے گی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا' بچی کے پیچھے کیوں پڑ گئے۔''

''کیسے آمنے سامنے بٹھالوں؟'' مطلق صاحب بولے۔

''انھی غالب والب کو' کہاں رہتے ہیں وہ؟'' بیگم صاحبہ نے پوچھا اور مطلق صاحب نے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔

''سنا تم نے؟ سن لیا سعدی۔ بلاؤ بیچارے غالب کو۔ او خدایا۔ او خدایا۔ کیا زندگی ہے میری بھی۔'' مطلق صاحب جھلائے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ سعدی اور ظفری گردن جھکائے کھڑے تھے۔

''ارے جاؤ آرام کرو تم دونوں۔ میں ناشتے کی تیاری کرتی ہوں۔ جاؤ بچو ان کی تو عادت ہی ایسی ہے۔'' اور دونوں بچے کمرے سے باہر نکل آئے۔

اس دن مطلق صاحب ناشتہ کرکے بھی نہیں گئے تھے۔

بہرحال تیاریوں کے بعد وہ دونوں دفتر چل پڑے۔ جیب میں رقم موجود تھی نیچے چائے والے سے کہہ گئے تھے۔ دفتر میں بیٹھ کر حساب کتاب ہونے لگا۔ اس بات کی پرواہ دونوں میں سے کسی کو نہیں تھی کہ زاہد جیسے عاشق نامراد کے لیے کیا کرنا ہے۔ البتہ یہ بات طے ہوگئی تھی کہ دوسو بتیس روپے سات آنے نہایت شرافت کے ساتھ شکیلہ کو ادا کر دیے جائیں۔

دس بجے کے قریب شکیلہ آگئی۔ معمولی سے لباس میں تھی۔ پہلے جیسی آن بان ختم ہوگئی تھی۔ دونوں نے اس کا استقبال کیا اور وہ بیٹھ گئی۔ ''کوئی ٹھنڈی چیز مل جائے گی بڑی گرمی لگ رہی ہے۔''

''صاف اور شیریں پانی پیش کروں؟'' سعدی بولا۔

''ان پیالوں میں آپ لوگ پانی پی رہے تھے؟'' وہ نتھنے پھلا کر بولی۔

''اوہ نہیں۔ وہ چائے۔ ظفری مس شکیلہ کے لیے۔۔۔''

''کوک لے آؤ'' شکیلہ نے جملہ پورا کر دیا اور ظفری نے نتھنے پھلا کر گردن ہلا دی۔ پھر میز کی دراز سے اس نے ایک گول پتھر نکالا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ ''یہ پتھر کیوں جمع کر رکھے ہیں آپ لوگوں نے؟''

''اوہ کچھ نہیں۔ بس بار بار ان سیڑھیوں کا استعمال خطرناک ہوتا ہے۔ نیچے ہوٹل میں ایک پتھر پھینک دینا کافی ہوتا ہے۔ باہر والا اوپر آجاتا ہے۔''

''آپ لوگوں نے نہایت گھٹیا عمارت میں دفتر قائم کیا ہے۔ اگر یہی دفتر پوری شان و شوکت کے ساتھ کسی عمدہ سی عمارت میں۔۔۔''

''بس بس۔ ایسی دل ہلا دینے والی گفتگو نہ فرمائیں مس شکیلہ۔ عمدہ دفتر کا کرایہ بھی دینا پڑتا ہے اور دوسرے اخراجات بھی۔'' سعدی نے جواب دیا۔ ظفری پتھر پھینک کر واپس آگیا تھا۔

''پہلے یہ بتایئے آپ لوگوں نے خلوص دل سے مجھے اپنے کاروبار میں شریک کیا ہے یا نہیں؟''

''اب اس میں کسی شک کی گنجائش کہاں ہے۔'' ظفری بولا۔

''میں آپ کے اس کاروبار کو چمکا کر رکھ دوں گی۔ تنہا انسان کچھ نہیں کر سکتا۔ ہم تین مل کر یہاں دولت کے انبار لگا دیں گے۔''

''خدا کے لیے اس بلڈنگ میں نہیں۔ یہ زیادہ بوجھ نہیں برداشت کر سکتی۔'' ظفری بولا اور تینوں ہنسنے لگے۔

''اچھا اب مجھے دفتر کے حسابات چیک کرائیں۔ آمدنی اور اخراجات کی پوزیشن بتائیں۔ ٹیلی فون کا بل باقاعدگی سے ادا ہو رہا ہے یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔''

''یہ ٹیلی فون بغیر بل کا ہے۔ یعنی اس کا کنکشن کہیں نہیں ہے۔ ہمیشہ سے خراب ہے اور ہمیشہ خراب رہے گا انشاء اللہ۔ دفتر کے کرائے کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ دس بیس سال تک نہ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہوگا۔ باقی سب خیریت ہے۔''

''خوب' خوب گویا کاروبار بڑی باقاعدگی سے جاری ہے۔ مطلق صاحب کی کیا پوزیشن ہے؟''

''نہایت نازک۔ ہفتہ وار مشاعرہ۔ روٹی اور سر چھپانے کی جگہ کپڑوں وغیرہ کا بندوبست خود ہی کرنا ہوگا۔''

''کوئی اور چکر؟'' شکیلہ نے پوچھا۔

''ہرگز نہیں۔ ایسے مخلص اور معصوم لوگوں کو اس سے زیادہ تکلیف دینا ذلالت ہوگی۔ ہم ضرورت مند ضرور ہیں ذلیل نہیں۔''

''عمدہ بات ہے۔ ضرورت مند کبھی ذلیل نہیں ہوتا۔ درحقیقت دونوں مخلص اور معصوم لوگ ہیں اس سے زیادہ ان کے ساتھ زیادتی کمینگی کے مترادف ہوگی۔'' شکیلہ نے کہا۔ اور دونوں نے اس سے اتفاق کیا۔

''اچھا جناب! تو ایک پارٹنر کی حیثیت سے میں کچھ تجاویز پیش کروں گی۔ مثلاً اخبار

میں ایک اشتہار۔ اب تک آپ کے جو اشتہارات آتے رہے ہیں وہ کسی قدر غیر موثر رہے ہیں۔

در حقیقت اشتہار بازی بھی ایک فن ہے۔ اشتہار کا مضمون ایسا ہونا چاہیے کہ لوگ متوجہ ہوں۔ آپ اگر اپنے اشتہار میں لکھتے ہیں کہ اس کے پڑھنے سے بہت سوں کا بھلا ہوگا' کنوارے تو جوان اور لڑکیاں متوجہ ہوں' وغیرہ وغیرہ تو لوگ اسے ایک بازاری اشتہار سمجھ لیتے ہیں۔ اشتہار ہمیشہ ایسا ہونا چاہیے کہ لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرے۔ چنانچہ میرے خیال میں' میں ایک مضمون بنا کر اشتہار ریلیز کیے دیتی ہوں۔ اس کے بعد دیکھیے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔"

"مگر بی بی اشہار معمولی سے پیسوں کا نہیں ہوتا۔ ہم پہلے ہی اپنے ایک جرنلسٹ دوست کے کافی مقروض ہیں۔ اشتہار دینے کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے؟" سعدی نے کہا۔

"ایسے کاروبار زیادہ پیسوں سے نہیں کیے جاتے۔ بہر صورت ایک پارٹنر کی حیثیت سے یہ ذمہ داری میں سنبھالے لیتی ہوں۔ البتہ آپ لوگوں کو ایک رعایت ضرور کرنی ہوگی میرے ساتھ۔"

"وہ کیا مس شکیلہ؟" ظفری نے پوچھا۔

"بھئی دیکھیے دو سو بتیس روپے کی بات تو ہوگئی ہے آپ سے۔ وہ تو بہر صورت میرا حق بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی مجھے دو تین سو روپے درکار ہوں گے۔ جن کا مصرف میں آپ کو بتائے دیتی ہوں۔ مثلاً دو تین جوڑی کپڑے۔ اب تک میں مسز غیر کی بیٹی کے کپڑے استعمال کرتی رہی تھی۔ لیکن ظاہر ہے اب میں ادھر کا رخ نہیں کر سکتی۔ آپ جانتے ہیں لباس انسان کی پہلی ضرورت ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میں نہایت احتیاط سے یہ رقم خرچ کروں گی۔ اور کلائنٹس کو ڈیل کروں گی۔ چنانچہ کم از کم مجھے تین سو روپے اور درکار ہوں گے۔" شکیلہ نے کہا اور دونوں مسکرانے لگے۔

"ویسے حقیقت یہ ہے مس شکیلہ کہ ہم دونوں آپ کے ہاتھوں بیوقوف تو نہیں بنے البتہ آپ کی ذہانت نے ہمیں متاثر کیا ہے۔ رقم آپ کو ابھی ادا کر دی جائے گی۔ آپ کاروبار کا آغاز

کریں۔"

"بہت بہت شکریہ۔ تو آپ رقم عنایت فرما دیں اور رسید لے لیں تاکہ سند رہے اور وقت ضرورت کام آئے۔" شکیلہ نے کہا۔ اور سعدی اور ظفری نے اپنے اپنے حصے کی رقم میں سے دو سو اڑسٹھ اڑسٹھ روپے نکال کر شکیلہ کے سامنے رکھ دیے۔ شکیلہ نے شکریہ ادا کر کے یہ رقم جیب میں ڈال لی تھی۔ پھر اس نے کہا۔ "اس کے بعد جو کچھ آمدنی ہوگی۔ اس کے تین حصے ہوا کریں گے۔"

"یقیناً۔ یقیناً بھلا سوچنے کی کیا بات ہے۔" سعدی نے خلوص دل سے کہا اور یوں تینوں کے درمیان یہ کاروباری معاہدہ ہوگیا۔

مطلق صاحب اور ان کی اہلیہ کے بارے میں کچھ اصول طے پا گئے تھے۔ یہ بات بھی ایک دوسرے پر واضح کر دی گئی تھی کہ تعلیمی مشاغل کے سوا ان سے کسی اور بات کا تذکرہ نہ کیا جائے اور اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ دفتری معاملات گھر پر نہ پہنچیں۔

شام کو سب مختلف اوقات میں گھر پہنچے۔ شکیلہ تو دو بجے ہی واپس چلی گئی تھی۔ ساڑھے چار بجے ظفری اور سعدی بھی گھر پہنچے بیگم صاحبہ باورچی خانے میں مصروف تھیں۔ مطلق صاحب ابھی دفتر سے واپس نہیں آئے تھے۔ معلومات کرنے پر پتا چلا کہ جب بھی گھر میں جھگڑا ہوتا ہے۔ مطلق صاحب دیر سے آتے ہیں۔ ہنستے ہوئے بیگم صاحبہ نے بتایا۔

"میں ان کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ صبح کو گھر سے ناشتہ کر کے نہیں گئے۔ دفتر میں بھی کچھ نہ کھایا ہوگا۔ بھوک سے بیتاب ہو رہے ہوں گے۔ گھر واپس آئیں گے۔ اگر حالات بہتر نہ ہوئے تو رات کا کھانا بھی گول کر جائیں گے۔ پورے دو دن کا فاقہ کر لیتا ہے یہ آدمی' پتا نہیں کیسا ہے۔"

اور تینوں نے اظہار تشویش کرتے ہوئے اس کا حل پوچھا۔

"حل تو بس تھوڑی دیر کے بعد دیکھ لینا۔ میں نے انتظام کر لیا ہے۔ لیکن پیسے کچھ زیادہ خرچ ہوگئے۔" بیگم صاحبہ نے ہنس کر کہا۔

"کیا مطلب چچی جان ہم نہیں سمجھے؟" ظفری بولا۔

"بھئی تین کلو مرغ لائی ہوں۔ جس کا قورمہ اور بریانی پکے گی جس وقت قورمہ بگھارا جائے گا اور اس کی خوشبو فضا میں منتشر ہوگی تو مطلق صاحب کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔ بے چین ہوجائیں گے باورچی خانے میں آنے کے لیے۔ طرح طرح کے بہانے ڈھونڈیں گے۔ کھانا ان کی بہت بڑی کمزوری ہے اور ہے ہی کیا ہم لوگوں کی زندگی میں۔ قدرت نے اولاد سے محروم رکھا ہے۔ بس کھا پی کر بسر کی ہے اب تک۔ تم دیکھنا بس تھوڑی دیر میں آنے والے ہوں گے۔ جب وہ آئیں گے تب ہی میں یہ تمام چیزیں بگھاروں گی۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور تینوں ہنسنے لگے۔ ہوا بھی یہی مطلق صاحب دفتر سے تشریف لائے اور اپنے کمرے میں گھس گئے۔ شکیلہ تو ذرا دور دور ہی رہی تھی۔ کیونکہ بنائے فساد وہی تھی۔ لیکن سعدی اور ظفری عیادت کے لیے مطلق صاحب کے کمرے میں پہنچ گئے۔

"آؤ میاں آؤ۔" مطلق صاحب پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اور کمزور کمزور سے نظر آ رہے تھے۔

"اوہ۔ جناب مطلق صاحب یہ کیا کیفیت ہوگئی ہے؟"

"کہاں میاں کہاں؟ ٹھیک ہوں بالکل۔ ہٹا کٹا ہوں۔ کیا سمجھتے ہو۔ اب بھی سو جوانوں پر بھاری ہوں۔ ایک ہفتے تک مستقل فاقہ کروں جب بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔"

"لیکن جناب عالی۔ فاقہ کیا ہی کیوں جائے؟"

"بس بھئی یہ بیگم صاحبہ کی جہالت برداشت نہیں ہوتی۔ زندگی عذاب کر دی ہے۔ اب مرزا نوشہ کی یہ بے عزتی میں کیسے برداشت کر سکتا ہوں۔ ارے وہ تو ایسا شاعر ہے کہ بچہ بچہ اس سے واقف ہونا چاہیے لیکن یہ خاتون خدا کی پناہ۔ میاں کہہ رہی تھیں کہ دونوں کو آمنے سامنے بٹھا لو۔ اور یہ لڑکی تو آفت کی پرکالہ ہے۔"

"اوہو۔ نہیں مطلق صاحب۔ شکیلہ تو دن بھر افسردہ رہی ہے۔ کہنے لگی میں نے ناحق

اتنے نفیس انسان کو ناراض کر دیا۔ بس کیا بتاؤں میں بھی سنک جاتی ہوں۔ بہت ہی شرمندہ تھی۔ نہ جانے کیا کیا تیاریاں کرتی رہی ہے آج دن بھر۔ ہمیں ہوا بھی نہیں لگنے دی۔"

"تیاریاں۔ کیسی تیاریاں؟" مطلق صاحب حیرت سے بولے۔

"پہلے تو کہہ رہی تھی میں یہاں سے چلی جاتی ہوں۔ میں ان نیک انسانوں کے درمیان بنائے فساد نہیں بن سکتی۔ کہیں بھی جا کر رہ لوں گی۔ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ لیکن بیگم صاحبہ نے بڑی مشکل سے اسے سمجھایا کہ مطلق صاحب دماغ کے تیز ضرور ہیں، لیکن دل کے بہت صاف اور نفیس انسان ہیں۔ چنانچہ جو کچھ انھوں نے کہا غصہ کے عالم میں کہا ہے۔ غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو اپنی بیٹیوں کی طرح ہی تمھیں سینے سے لگا لیں گے اور شکیلہ رونے لگی۔" سعدی نے کہا۔ اور مطلق صاحب چونک پڑے۔

"رونے لگی کیوں رونے لگی؟"

"بس نازک دل کی بچی ہے۔ شاید اس کا بھی اس جہاں میں کوئی نہیں ہے۔ آپ ہی لوگوں کو اپنا سب کچھ سمجھ بیٹھی ہے۔ کہنے لگی زبان ہی خراب ہے کیا کروں۔ اس زبان نے مجھے در بدر کیا ہے اور آئندہ بھی نجانے کہاں کہاں پھرنا پڑے گا مجھے۔"

"لو۔ پھرنا کہاں پڑے گا۔ بے وقوف ہے۔ نالائق ہے بھلا۔ غصے سے اور گھر سے کیا تعلق۔ اس کا اپنا گھر ہے۔ جب تک دل چاہے رہے۔ ہمارا کیا جاتا ہے۔ ہماری اور کون سی اولاد بیٹھی ہوئی ہے۔ نہیں بھئی تم لوگ اسے روکو۔ ایسی کوئی حماقت نہیں ہونی چاہیے۔" مطلق صاحب بے چینی سے بولے۔

"چچی جان نے روک لیا ہے اسے۔ کہنے لگی رات کو بات ہو جائے گی۔ بات ہو جائے اس کے بعد تم چلی جانا۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ کہیں نہیں جائے گی وہ۔" مطلق صاحب جذباتی ہو گئے۔

"یقیناً آپ چاہیں گے تو نہیں جائے گی۔" ظفری نے تائید کی۔

اسی وقت باورچی خانے سے چھنن چھنن کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اور اس کے ساتھ ہی مصالحے کی خوشبوئیں فضا میں چکرانے لگیں۔ چچی جان نے خاموشی سے پہلا وار کر ڈالا تھا۔ خوشبو مطلق صاحب کی ناک تک پہنچی تو وہ چونک پڑے۔

"یہ یہ کیا پک رہا ہے؟" وہ رازداری سے بولے۔

"کچھ نہیں شاید چچی جان نے مرغی منگوائی تھی بازار سے۔ قورمہ پکا رہی ہیں اور مرغی کی بریانی۔"

"لاحول ولا قوۃ۔ یعنی کے۔ یعنی کہ۔۔۔۔۔"

"جی ہاں۔ صبح سے چچی جان نے بھی کچھ نہیں کھایا۔ کہہ رہی تھیں رات کو بھی کھانا نہیں کھاؤں گی۔ بچوں کے لیے پکا رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ نہیں کھایا تو بہت اچھا کیا۔ اور ہم ہی کون سا کھائیں گے۔ ہم بھی ذات کے کھرے ہیں۔ کوئی دھنیے جلا ہے نہیں ہیں جی ہاں۔ مگر یہ بریانی۔۔۔" وہ بے خیالی میں ہونٹ پر زبان پھیرنے لگے پھر چونک پڑے۔ "ہاں تو کیا گفتگو ہو رہی تھی؟"

"قورمہ اور بریانی۔" ظفری نے کہا۔

"نہایت نامعقول چیزیں ہیں دونوں کی دونوں۔ وہ شکیلہ کہاں ہے؟"

"وہ بھی کچن میں مصروف ہے۔"

"اور اس کا مطلب ہے تیاریاں زوردار ہیں۔ میرا خیال ہے دونوں چیزیں تیاری کے قریب ہوں گی؟"

"جی ہاں قطعی۔"

"اونہہ ہوں گی ہمیں کیا۔ ہم بھی دھن کے پکے ہیں۔ ویسے بیگم صاحبہ کی کیا کیفیت ہے فاقہ کشی سے؟"

"ہلدی کی طرح پیلی پڑ گئی ہیں۔ پان بھی نہیں کھایا صبح سے۔" سعدی نے مطلق

صاحب کو چانس دیا۔ اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئے پھر بولے۔

"یہ ذرا تشویش کی بات ہے۔ بات دراصل یہ ہے میاں کہ ان کے والد صاحب قبلہ نہایت نفیس انسان تھے۔ ان کا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دیتے ہوئے انھوں نے رو کر کہا تھا' صاحبزادے خدا کے بعد تمھیں سونپ رہا ہوں۔ میں نے بڑے ناز و نعم سے پالا ہے۔ کبھی بھوکا نہ سونے دینا اور پھر نان نفقے کا کاغذ بھی لکھا ہے ہم نے ہم بھوکے رہیں کوئی بات نہیں ہے' لیکن انھیں بھوکا نہیں رہنا چاہیے۔ اور پھر مرغ بریانی۔ لاحول ولا۔ کوئی ہماری کمزوری تھوڑی ہے۔ بس ان کے والد صاحب مرحول کا خیال ہے ورنہ۔۔۔۔"

"ہم بات کریں چچی جان سے۔ صلح کرادیں آپ کی؟" ظفری نے پوچھا۔

"تمھاری مرضی ہے ورنہ میں تو۔ ٹھیک ہے' جاؤ کوشش کرلو۔" مطلق صاحب بولے اور سعدی اور ظفری اپنی جگہ سے اٹھ گئے بیگم صاحبہ واقعی مطلق صاحب کی رگ رگ سے واقف تھیں۔ قورمے اور بریانی کی وہ مار ماری تھی کہ حضرت مطلق چت ہو گئے تھے۔

بہر حال ان دونوں کی کوششوں سے صلح ہو گئی اور دسترخوان سج گیا۔ دوسرا دن حسب معمول تھا۔ شکیلہ پورے دن دفتر نہیں آئی تھی۔ وہ کاروباری مصروفیات میں گم رہی تھی جس کا نتیجہ تیسرے دن ظاہر ہو گیا۔ اخبار میں اشتہار چھپا ہوا تھا:

ایک حسین دوشیزہ کو ساتھی کی تلاش۔

نیچے لکھا تھا۔ "میری عمر انیس سال ہے۔ بے سہارا ہوں۔ دولت مند ہوں لیکن دل کا ہر گوشہ کسی کے پیار سے خالی ہے' کسی زندگی بھر کے ساتھی کی تلاش ہے۔ جو شوہر کی حیثیت سے میرا دوست اور میرا محافظ بن جائے۔"

رابطہ قائم کیجیے:

دفتر شادی۔ سویا رام سوجارام بلڈنگ۔ کمرہ نمبر اٹھارہ۔

سعدی اور ظفری نے یہ اشتہار بیحد پسند کیا تھا۔ شکیلہ نے اپنی چند تصویریں بھی ان کے

حوالے کردیں۔ اور اب دفتر میں اس کی موجودگی مناسب نہیں تھی۔ چنانچہ وہ چلی گئی۔

یہ دن تو خالی گیا لیکن دوسرے دن سے امیدوار آنے شروع ہوگئے بھانت بھانت کے جانور تھے۔

سرکاری دفتر کے ایک ہیڈ کلرک تھے۔ کنپٹیاں سفید تھیں لاغر۔ پتلون بشرٹ پہنے ہوئے آنکھوں پر موٹا چشمہ لگائے ہوئے۔ آواز نصف زنانہ نصف مردانہ۔ "بفضل تعالیٰ چودہ سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ سرکاری کوارٹر میں رہتا ہوں۔ زندگی سکون سے گزر رہی ہے۔ کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

"تو آپ پریشان ہونا چاہتے ہیں؟" ظفری نے ان کے کوائف لکھتے ہوئے کہا۔

"جی نہیں۔ شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"تجربہ ہے شادی کا؟"

"جی۔ جی ہاں۔ اہلیہ عزیزہ مرحومہ ہوگئی ہیں۔ پانچ سال پہلے داغ مفارقت دے گئی ہیں۔ تین بچے ہیں اور بس۔"

"بہتر ہے۔ آپ کے یہ کوائف خاتون کو پہنچا دیے جائیں گے۔ کوئی تصویر ہے آپ کے پاس؟"

"لایا ہوں۔ یہ ہے قبول فرمایئے۔" ہیڈ کلرک صاحب نے ایک بوسیدہ تصویر نکال کر دیدی جو تقریباً پندرہ سال قبل کی ہوگی۔

"آپ کی تصویر درکار ہے حضرت۔"

"میری ہی ہے۔ میری ہی ہے۔ بس چند روز پرانی ہے آپ یہی دکھا دیں۔ عین نوازش ہوگی۔" ہیڈ کلرک نے کہا۔ سعدی اور اس دوران رجسٹریشن فارم بھر چکا تھا۔ ہیڈ کلرک صاحب نے بخوشی رجسٹریشن فیس ادا کردی تھی۔ دوسرے امیدوار ایک شاعر تھے۔ کہنے لگے۔

"اشتہار میں ایک درد بھری پکار ہے۔ تنہائی کرب سے چیخ رہی ہے۔ کسی محافظ کسی

ساتھی کو پکار رہی ہے۔ میں اس پکار کو سن کر چلا آیا۔ میں اس دوشیزہ کا ساتھ چاہتا ہوں۔ میں اس کا سائبان بنوں گا۔"

"بڑا نیک جذبہ ہے آپ کا' کیا کرتے ہیں؟"

"دردمندی' غمگساری۔ شاعری۔" شاعر صاحب بولے۔

"خوب۔ تین تین کاروبار ہیں۔ آمدنی کیا ہے؟"

"بس عزت سے دال روٹی مل جاتی ہے۔"

"رجسٹریشن فیس لائے ہیں؟" سعدی نے انھیں گھور کر دیکھا۔

"جی ہاں۔ کیا نذر کیا جائے؟"

"کل ایک سو تیس روپے چھ آنے۔"

"کچھ رعایت فرمادیں اتنے نہ دے سکیں گے۔"

"کتنے ہیں آپ کے پاس؟"

"اس وقت صرف تیس روپے ہیں۔ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔"

"شام کا کھانا کہاں سے کھائیں گے؟" ظفری بولا۔

"مشاعرہ ہے رات کو طعام کا بھی بندوبست ہے۔ اور پھر رازق حقیقی کا وعدہ بھی ساتھ ہے وہ بھوکا نہیں سلاتا۔"

"کوئی تصویر ہے آپ کے پاس؟"

"جی ہاں۔ یہ صبح وطن میں چھپی تھی۔ حاضر خدمت ہے۔" شاعر صاحب نے اخبار کا ایک تراشہ پیش کردیا۔ جس میں کسی مشاعرے کا گروپ فوٹو چھپا تھا۔ ایک شاعر کی گردن پر موصوف کی تھوتھنی جھانک رہی تھی جو زبردستی گھسیڑ دی گئی تھی۔ بہرحال تیس روپے قبول کرلیے گئے۔

تیسری اور چوتھی شخصیت بھی رجسٹر کرلی گئی۔ البتہ پانچویں شخصیت ان سب پر بھاری تھی۔

یہ شخصیت جب دفتر کی عمارت کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھی تو دور دور تک پتا چل رہا تھا کہ

کوئی آیا ہے۔ دروازہ کھلا اور وہ جھک کر اندر داخل ہو گئے۔

بیالیس انچ چوڑا سینہ اڑتالیس انچ چوڑی توند۔ بوسکی کے شلوار کرتے میں ملبوس۔

گردن میں کالے ڈورے میں لٹکا ہوا تعویذ۔ بھنورے جیسے سیاہ بالوں میں خوشبودار تیل پڑا ہوا۔

ہاتھ میں گولڈ لیف کا پیکٹ اور ماچس۔ بڑے ٹھسے سے مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔

ظفری اور سعدی نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور پہلوان جی نے سامنے پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھنے کی کوشش کی لیکن اول تو کرسی ڈھیلی ڈھالی تھی۔ دوئم اس میں ہتھے لگے ہوئے تھے جو پہلوان جی کی چوڑائی سے کافی کم تھے۔ اس سے قبل کہ کوئی حادثہ ہو جاتا۔ ظفری نے جلدی سے دوسری کرسی لا کر پہلوان جی کے سامنے رکھ دی جس میں ہتھے نہیں لگے ہوئے تھے۔ پہلوان جی مسکراتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئے۔

''دولہا خاں ہے جی ہمارا نام۔'' انھوں نے تعارف کرایا۔

''سبحان اللہ۔ صورت سے ہی دولہا معلوم ہوتے ہیں۔ فرمایئے ہم کیا خدمت کر سکتے ہیں؟''

''او جی اشتہار پڑھ کر آئے ہیں۔ شادی کرنی ہے۔''

''ضرور کریں۔ بغیر شادی کے آپ نامکمل دولہا ہیں۔''

''تو پھر کرا دو جی۔''

''ہو گئی' یوں سمجھیں بس ہو گئی۔ لڑکی بھی آپ جیسے تندرست اور توانا آدمی کی خواہشمند ہے۔''

''ضرور جی۔ آجکل کے مریل لونڈوں میں کیا رکھا ہے۔ گردن پکڑ لو تو دم نکل جائے۔
تو پھر کدھر ہے جی چھوکری موکری۔''

''چھوکری اپنی موکری کے ساتھ اپنے گھر میں ہے پہلوان صاحب' آپ اپنی کوئی تصویر لائے ہیں؟''

''او جی! اس ٹیم تو نہیں لائے۔ اب کے آئیں گے تو لے آئیں گے تو پھر کیا کرنا پڑے گا شادی کے لیے۔''

''اپنے بارے میں تفصیلات بتا دیں۔ اور بھی کئی امیدوار آئے ہیں اس اشتہار کے جواب میں۔ ہم ساری تفصیلات اس لڑکی کو پہنچا دیں گے۔ وہ جسے بھی پسند کر لے۔''

''اور بھی آئے تھے۔ اور ان میں رفیق تو نہیں تھا؟'' پہلوان جی چونک کر بولے۔

''کون رفیق؟''

''او جی نہ پوچھو۔ نہ پوچھو اس کے بارے میں۔ اپنا پرانا دشمن ہے اکھاڑے میں چت کیا تھا ہم نے ایک بار اسے۔ بس اسی وقت سے دشمنی لگ گئی ہے۔ ہم نے دس بھینسیں پالیں تو اس سسرے نے بیس پال لیں۔ حرام کا مال آتا ہے اس کے پاس۔ تو وہ ہم سے پہلے ادھر آ گیا۔''

''نہیں رفیق نامی کوئی امیدوار نہیں آیا پہلوان جی۔ آپ مطمئن رہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ تصویر لا دیں گے ہم۔ چھوکری کی کوئی تصویر ہے تمھارے پاس؟'' دولہا خاں نے پوچھا اور سعدی نے شکیلہ کی تصویر ان کے سامنے رکھ دی۔ پہلوان جی نے تصویر دیکھی اور مر مٹے۔ ان کے چہرے سے لگ رہا تھا کہ وہ تصویر پر عاشق ہو گئے ہیں۔

''لو جی پھر کرا دو شادی ہماری۔ ہمیں لڑکی پسند ہے۔''

''آپ کا کیا کاروبار ہے دولہا میاں؟'' ظفری نے پوچھا۔

''دودھ بیچتے ہیں اور پہلوانی کرتے ہیں۔ مہینے میں دو چار جوڑ مار لیتے ہیں۔ اس سے بھی آمدنی ہوتی ہے۔ بڑی آمدنی ہے جی دولت کی کوئی فکر نہیں ہے۔ بس تم اس سے شادی کرا دو۔''

''ہم پوری کوشش کریں گے۔ آپ رجسٹریشن فیس ادا کر دیں۔''

''کتنی ہوتی جی؟''

''چار سو اسی روپے بنتے ہیں کل۔''

"لو جی یہ پانچ سو رکھو ہماری طرف سے۔ دولت کی کوئی کمی نہیں ہمارے پاس۔"

پہلوان جی نے پانچ سو روپے کے نوٹ نکال کر ان کے سامنے ڈال دیے اور تصویر جیب میں رکھ لی۔" کام ضرور بننا چاہیے ہمارا۔ تم یوں کرو کہ دوسرے امیدواروں کی بات ہی نہ کرو اس سے اس طرح ہم اکیلے رہ جائیں گے اور ہمارا کام بن جائے گا۔"

"اس طرح مشکل ہو جائے گی پہلوان جی۔" سعدی بولا۔

"او کیا مشکل ہو جائے گی بھائی؟"

"دوسرے تین امیدواروں کی فیس واپس کرنی پڑے گی۔"

"تو کر دو واپس۔ تین امیدواروں نے پندرہ سو روپے دیے ہوں گے تمھیں۔ لو یہ ہم سے لو۔ دولت کی کوئی کمی نہیں ہے ہمارے پاس۔" پہلوان جی نے نوٹوں کی گڈی نکالی اور پندرہ سو روپے مزید ادا کر دیے۔

"ٹھیک ہے ظفری دوسرے امیدواروں کے فارم پھاڑ دو پہلوان جی کے سامنے۔"

سعدی نے کہا اور ظفری نے فارم پھاڑ دیے۔ پہلوان جی مطمئن ہو گئے تھے۔ پھر وہ اٹھ گئے۔ اور پھر دیر تک ان کے قدموں کی دھمک سنائی دیتی رہی۔

سعدی اور ظفری ایک دوسرے کے گلے لگ گئے تھے۔" یار ظفری یہ شکیلہ تو بڑی بھاگوان ثابت ہوئی ہے ہمارے لیے۔ یہ سب اس کی برکت ہے دو تین دن میں پانچ ہزار کما لیے۔ اگر اسی طرح یا کاروبار چلتا رہا تو۔۔۔۔۔۔"

"بس بس۔ خوش فہمی کا شکار مت بنو۔ یہ کاروبار چند روزہ ہے۔ جس روز کسی کے چنگل میں پھنس گئے تو نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

"اس وقت دیکھا جائے گا یا۔ فی الحال مستقبل کے اندیشوں کا شکار نہ بنو۔ اور پھر اس میں شکیلہ کی کارکردگی بھی تو ہو گی۔" سعدی نے کہا اور ظفری خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد کوئی اور امیدوار نہیں آیا۔ ہاں دفتر بند ہونے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی تھی کہ ایک بار پھر شاید پہلوان جی اس

بلڈنگ میں داخل ہوئے تھے۔ قدموں کی دھمک یہی بتا رہی تھی۔ اور پھر یہ گرج چمک انھی کے دروازے پر ختم ہوئی۔ لیکن اندر داخل ہونے والے پہلوان جی نہیں تھے بلکہ ابھی کا ہم پلہ ایک اور شخص تھا۔ یہ شخص بہترین تن و توش کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ کسی قدر خوف ناک شکل کا مالک بھی تھا۔ اندر آ کر اس نے کرسی گھسیٹی اور بیٹھ گیا۔

"ایک بات بتاؤ بھائیو! تم میں سے اس دفتر کا مالک کون ہے؟"

"ہم دونوں ہیں۔ کیا بات ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ اب دوسری بات بتاؤ۔ دولہا خاں گھوسی ادھر آیا تھا؟"

"دولہا خاں۔ ہاں پہلوان دولہا خاں آئے تھے۔ انھوں نے رجسٹریشن کروایا ہے اپنا۔"

"کیسا رجسٹریشن؟"

"شادی کے لیے۔"

"لڑکی پسند آ گئی ہے اسے؟"

"بہت زیادہ۔" سعدی نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔ لڑکی کے گھر والوں سے بات ہو گئی اس کی؟"

"ابھی نہیں۔"

"پھر بن گیا کام۔ لو جی سگریٹ پیو باہر کا مال ہے۔" اس نے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر ان کے سامنے کر دیا اور دونوں کی معذرت کے بعد خود ایک سگریٹ نکال کر ہونٹوں میں دبا لی۔" لالے کی جانو۔ تمھیں اپنا کام کرنا ہے ایک۔ مال کی پرواہ نہیں جتنی رقم لگے لگاؤ۔ پر شادی اس لڑکی کی ہم سے ہونی چاہیے۔"

"آپ کا نام رفیق ہے؟" سعدی نے پوچھا۔

"اوئے تمھیں کیسے معلوم؟" دوسرے پہلوان نے تعجب سے پوچھا۔

"دولہا خاں نے پوچھا تھا آپ کے بارے میں وہ آپ کو کشتی میں ہرا چکے ہیں۔"

"اوئے اس کے علاوہ وہ کیا کہہ سکتا ہے۔ بس ایک ہی تو غلطی ہو گئی تھی ہم سے۔ لنگوٹی پھنس گئی تھی پلٹی لگائی تو کمر لگ گئی مٹی سے۔ پر اب وہ نہیں لڑتا ہم سے۔ جان بچا کر بھاگا پھرتا ہے بہانہ یہ بتایا ہے کہ ہارے ہوئے سے وہ نہیں لڑتا۔ پر بہت ہی کمینہ انسان ہے۔ ہم نے اسے ہر جگہ شکست دی ہے جی دس بھینسیں اس کی ہیں تو بیس ہماری۔ آٹھ بیگھہ زمین اس نے خریدی ہے تو سولہ بیگھہ ہماری ہے۔ کہیں اس سے کچی نہیں کھائی۔ پر بس کیا کریں لنگوٹی پھنس گئی تھی۔ پلٹی کھائی تو کمر لگ گئی۔ ہاں تو دوستو پھر بولو اس لڑکی سے شادی کرنی ہے جسے اس نے پسند کیا ہے۔"

"مشکل کام ہوگا۔" سعدی بولا۔

"مال کی پرواہ مت کرو۔ تمھیں یہ کام کرنا ہے۔ کتنی رقم دی ہے اس نے؟"

"پانچ ہزار۔"

"ہم سے چھ ہزار لو۔ کام بن جانے پر ایک ہزار اوپر سے۔ مگر کام ہونا چاہیے۔"

"ہم کوشش کریں گے۔" ظفری بولا۔

"کام ہونا ہی چاہیے بادشاہو۔ یہ نوٹ سنبھالو اور کوشش شروع کر دو۔" رفیق پہلوان نے کہا اور چھ ہزار روپے گن کر رکھ دیے۔ ظفری اور سعدی کا دل دھڑک رہا تھا۔ رفیق پہلوان کے جانے کے بعد انھوں نے دفتر بند کیا اور نیچے اتر آئے۔ ان کے قدم لرز رہے تھے۔ ساری زندگی اتنی بڑی رقم ہاتھ نہیں آئی تھی۔

وہ ایک ریستوران میں داخل ہو گئے۔ گھر جانے سے پہلے کچھ گفتگو کرنی تھی۔ دونوں خاموش تھے۔ "کیا سوچ رہے ہو ظفری؟" سعدی نے پوچھا۔

"یار گھپلا نہ ہو جائے سعدی۔ میری رائے تو یہ ہے کل سے دفتر بند کر دو۔ امیدوار خطرناک ہیں آسانی سے جان نہ چھوڑیں گے۔"

"اونہہ۔ ایسی بزدلی بھی اچھی نہیں ہے۔ شکیلہ سے بھی تو مشورہ کر لو۔ اگر وہ دونوں کو ناپسند کر دے تو یہ لوگ کیا بگاڑ دیں گے ہمارا؟"

"وہ تو ٹھیک ہے، بہرحال جیسی تمھاری مرضی۔ دیکھیں شکیلہ اس سلسلے میں کیا کہتی ہے۔" رات کو شکیلہ کے ساتھ میٹنگ ہوئی اور انھوں نے آج کی کمائی اس کے سامنے رکھ دی۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ آپ دونوں حضرات ہی بزدل ہیں۔ کہیں اس طرح کام ہوتا ہے، چلنے دیں دونوں کو جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" شکیلہ نے ہنس کر کہا اور رقم میں سے اپنا حصہ وصول کر لیا۔

"تو پھر اب کیا کیا جائے؟"

"رجسٹریشن کرتے رہیں۔ ان میں سے ایک کو کل بارہ بجے کا وقت دیدیں اور دوسرے کو پرسوں بارہ بجے کا۔" میں ان دونوں سے دفتر میں ہی ملاقات کر لوں گی۔" شکیلہ نے کہا۔ اور اس نے ان دونوں کو کافی تسلیاں دی تھیں۔

پہلوان دولہا خاں دوسرے دن ساڑھے دس بجے آئے تو انھیں بارہ بجے کا وقت دے دیا گیا۔ ٹھیک بارہ بجے شکیلہ دفتر میں داخل ہوئی تھی۔ خوبصورت لباس میں وہ واقعی حسین لگ رہی تھی۔ سعدی نے اسے اندر کمرے میں پہنچا دیا۔ کرسیاں کمرے میں ڈلوا دی گئی تھیں۔ پھر دولہا خاں پہنچ گئے۔

"لڑکی آ چکی ہے۔ آپ تشریف رکھیے ہم اسے یہاں بلائے لیتے ہیں۔" اور دولہا خاں بیٹھ گئے۔ ظفری شکیلہ کو بلا لایا تھا۔ پہلوان جی ریشہ خطمی ہو گئے۔ پھر انھوں نے شرمائے لہجے میں کہا۔

"آیئے جی۔ تشریف رکھیے۔ اور آپ لوگ اندر جاؤ جی۔ ہم ذرا تنہائی میں باتیں کریں گے۔"

"بہت بہتر۔" دونوں نے کہا اور اندر چلے گئے۔

"تو آپ ہیں دولہا خاں؟"

"پہلوان۔" دولہا خاں بولے۔

"وہ تو شکل سے لگتے ہیں۔" شکیلہ بولی۔

"تو پھر کیا سوچا جی آپ نے؟" دولہا خاں نے پوچھا۔

"بات دراصل یہ ہے دولہا خاں کہ میں نئے زمانے کی لڑکی ہوں۔ میرے شوہر کو بھی میری طرح ماڈرن ہونا چاہیے۔"

"ہو جائیں گے جی آپ کے لیے۔"

"آپ سوٹ نہیں پہنتے؟"

"ابھی تک تو نہیں پہنتے۔"

"مگر میں آپ کو سوٹ میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ کوٹ' پینٹ ٹائی۔ مجھے ایک اسمارٹ شوہر کی تلاش ہے۔"

"کل ہی لو جی ارجنٹ بنوالیں گے۔"

"تو پھر اس کے بعد آپ کو دیکھ کر فیصلہ کروں گی۔ ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" شکیلہ نے کہا۔

"کچھ تو کہو جی۔ ہم تو کل سے بہت پریشان ہیں۔ قسم خدا پاک کی بس تصویر دیکھ دیکھ کر جی رہے ہیں آپ کی۔"

"سوٹ پہن کر آئیں اس کے بعد بات ہوگی۔" شکیلہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے جی مگر ایک وعدہ تو کر لیں۔ جب تک ہم سے دوسری ملاقات نہ ہو کسی اور کو پسند نہ کریں۔" پہلوان جی نے کہا اور شکیلہ نے وعدہ کر لیا۔ پہلوان جی رخصت ہو گئے اور سعدی اور ظفری باہر نکل آئے دونوں ہی مسکرا رہے تھے۔

"واہ شکیلہ تم نے تو نہایت آسانی سے مسئلہ حل کر دیا۔ مگر اب کیا ہوگا اگر وہ سوٹ پہن کر آ گئے تو؟"

"اس وقت دیکھا جائے گا۔ مستقبل کی فکر کیوں کرتے ہو۔" شکیلہ نے لاپروائی سے

جواب دیا۔

طے یہ ہوا کہ زیادہ ہوس اچھی نہیں ہوتی۔ جب تک یہ سلسلہ نہ ختم ہو جائے کوئی دوسرا اشتہار نہ دیا جائے۔ یوں بھی اس دوران تین رجسٹریشن اور ہوئے تھے اور ابھی تک اس اشتہار کے اثرات باقی تھے۔ دولہا خاں تو اس دن کے بعد ابھی تک نہیں آئے تھے لیکن رفیق پہلوان تین دفعہ آ چکے تھے۔ چوتھے دن ان سے ملاقات کا پروگرام بن گیا تھا۔

مطلق صاحب کے ہاں کے معاملات حسب معمول چل رہے تھے۔ بیگم صاحبہ سے اس کے بعد کوئی نئی جھڑپ نہیں ہوئی تھی اور حالات پر سکون تھے۔ بہرحال چوتھے دن رفیق پہلوان اس وقت دفتر میں داخل ہوئے جب شکیلہ بھی پہنچ چکی تھی۔ تینوں بیٹھے انہی کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔

"آئیے رفیق صاحب۔ آپ ہی کا انتظار ہو رہا تھا۔" سعدی نے خوش اخلاقی سے کہا۔ رفیق صاحب کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔ وہ کسی اور کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوئے تھے۔

"تو آپ ہیں شکیلہ بی بی؟"

"جی ہاں میں ہوں۔ تشریف رکھیے۔"

"شکریہ جی ان لوگوں نے۔۔۔۔"

"مجھے آپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے جی؟"

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ آپ کو دیکھوں گی' پرکھوں گی اس کے بعد ہی فیصلہ کر سکتی ہوں۔ اس دفتر کی معرفت آپ سے ملاقات ہو گئی۔ اس کے بعد ہم دوسری ملاقات یہاں سے باہر کریں گے۔"

"ضرور جی! فلم دیکھتی ہیں آپ؟"

"ہاں۔ لیکن تنہا۔ آج تک کسی اور کے ساتھ فلم دیکھنے نہیں گئی۔"

"ہمارے ساتھ تو چلیں گی جی۔" رفیق صاحب دانت نکال کر بولے اور شکیلہ مسکرانے لگی۔

"ابھی نہیں رفیق صاحب پہلے میں۔۔۔" ابھی شکیلہ نے اتنا ہی کہا تھا کہ دروازے سے ایک عجیب الخلقت انسان اندر داخل ہو گیا۔ گہرے نیلے رنگ کے چوخانے کے سوٹ میں ملبوس جو اس کے بدن پر ٹائٹ تھا۔ گردن میں ٹائی بھی تھی جو لٹک کر ڈھیلی ہو گئی تھی۔ بری حالت تھی اس گرم سوٹ میں ان کی' اور یہ دولہا خاں تھے۔

وہ مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔ لیکن انھیں دیکھ کر بقیہ لوگوں کی مسکراہٹ کافور ہو گئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے سب کے سب گم صم ہو گئے تھے۔ لیکن پھر ظفری نے اپنے آپ کو سنبھال کر پرتپاک انداز میں کہا۔

"اوہ دولہا خاں صاحب آپ؟"

"اوئے رفیقے تو۔ تو یہاں کیا کر رہا ہے؟" دولہا خاں صاحب باقی تمام لوگوں کو بھول گئے۔ رفیق کو دیکھ کر ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ رفیق بھی تن کر کھڑا ہو گیا۔ سعدی ضروری سامان سمیٹنے لگا تھا۔

"ہاں تمھارا یار رفیق چوہدری۔"

"تو یہاں کیسے آیا؟"

"سیڑھیاں چڑھ کر دولہا خاں۔ شادی ہو رہی ہے اپنی اس بی بی سے۔" رفیق نے شکیلہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ شکیلہ بھی اس اچانک افتاد سے گھبرا گئی تھی۔ دولہا خاں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"یہ نہیں ہو سکتا رفیقے۔ وہ میری جورو بننے والی ہے۔"

"ایسا تو ہو گا دولہا خاں۔ بلکہ دو ایک دن میں ہو جائے گا۔ رفیق چوہدری کسی سے کم نہیں ہے مگر یہ تمھیں کیا ہو گیا دولہا خاں یہ پہنے کیا ہوئے ہو؟" رفیق ہنس پڑا۔

"دانت نکال دوں گا رفیقے۔ اپنی اوقات میں رہ کر بات کر۔"

"اوئے تو اپنی اوقات کی بات کر دولہا خاں۔ ہمیشہ مجھ سے بھاگتا ہے۔ ایک بار ٹنگوی لگ گئی۔ بار بار تھوڑی لگے گی۔ شادی تو اب میری ہی ہو گی شکیلہ سے۔"

"اوئے تم لوگوں نے رفیقے سے بات کیوں کی جب میں نے تمھیں رقم دی تھی۔" دولہا خاں کو اچانک ان دونوں کا خیال آ گیا۔

"یہ دفتر شادی ہے جناب۔ یہاں سب کو آنے کی اجازت ہے۔" سعدی بولا۔

"تمھاری بھینسوں کا باڑہ نہیں ہے دولہا خاں۔ میری بیس بھینسیں ہمیشہ تمھاری دس بھینسوں پر بھاری رہیں گی۔"

"ان سالوں سے تو میں بعد میں نمٹ لوں گا رفیقے۔ آج تیری شامت ضرور آئے گی۔ آ کھڑا ہو جا فیصلہ ابھی ہو جائے گا۔"

"اوئے سوٹ پہن کر فیصلہ کرو گے۔ دولہا خاں؟ آ جاؤ تمھاری مرضی۔" رفیق پہلوان بھی کھڑا ہو گیا۔

"پوزیشن۔ پوزیشن پلیز۔ کرسیاں ایک طرف ہٹا دی جائیں۔" ظفری بولا اور اس نے خود ہی درمیان سے کرسیاں ہٹا دیں۔ رفیق اور دولہا خاں ایک دوسرے کے مقابل آ گئے تھے اور ظفری ان دونوں میں ریفری کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ شکیلہ اور سعدی کو اس نے دروازے کی طرف کھسکنے کا اشارہ کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ دونوں غیر محسوس انداز میں دروازے کی طرف کھسک رہے تھے۔

پہلوان ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لیے پینترے بدل رہے تھے اور ظفری خود ان دونوں کی لپیٹ میں آنے سے بچنے کے لیے چوکس تھا۔ جونہی دونوں پہلوان ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوئے سعدی اور شکیلہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔ وہ تیزی سے سیڑھیاں طے کر رہے تھے اس بلڈنگ کا کیا ٹھکانہ۔

اور ہوا بھی یہی۔ بلڈنگ میں بھونچال آ گیا تھا۔ لوگ اپنے اپنے دفتروں سے نکل

آئے تھے اور ایک دوسرے سے احوال پوچھ رہے تھے۔ "شاید زلزلہ آگیا ہے بھاگو۔" سعدی نے کہا اور اس کے بعد بلڈنگ میں بھگدڑ مچ گئی۔ ظفری بھی نیچے اتر آیا تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے صورتحال بتائی۔

"رفیق پہلوان اکھاڑے میں اپنی شکست کا بدلہ لے رہا ہے۔ ابھی تک وہ دولہا خاں پر حاوی ہے۔ میز درمیان سے دو ٹکڑے ہو چکی ہے دونوں کرسیاں فرش بوس ہیں اور ان کے اعضاء بکھر گئے ہیں۔ غرض یہ کہ فرنیچر نام کی اب کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے پھر اب دیواروں اور کھڑکیوں کی باری آنے والی ہے۔"

"گویا یہ دفتر ختم؟" سعدی گلوگیر آواز میں بولا۔

"دفتر ختم نہ ہوا تو پھر ہمیں ختم ہونا پڑے گا۔ دونوں بگڑے ہوئے سانڈ جب تھک جائیں گے تو ہمارے بارے میں سوچیں گے اور پھر اس رقم کے بارے میں جو ہمیں دے چکے ہیں۔"

"پھر کیا کیا جائے؟"

"آؤ یہاں سے چلیں' بلڈنگ کی حالت بہت خراب ہوگئی ہے۔ ممکن ہے کچھ دیر بعد ہماری تلاش شروع ہو جائے۔" ظفری نے کہا اور تینوں واپس چل پڑے۔ رخ مطلق صاحب کے مکان کی جانب تھا بلکہ پہلے وہ کسی جگہ پہنچ کر تھوڑی دیر سکون کی سانسیں لینے کے خواہش مند تھے تاکہ اس ناگہانی سے نمٹنے کے لیے کوئی موثر ترکیب سوچی جاسکے۔

ایک چھوٹے سے ریستوران کی میز کے گرد تینوں جا بیٹھے۔ ٹھنڈے مشروبات طلب کیے گئے اور انھیں معدے میں اتارنے کے بعد تینوں گفتگو کے لیے تیار ہو گئے۔

"ہاں تو صاحبان علم و دانش اس حادثے سے کئی سوال پیدا ہو گئے ہیں جن پر غور کرنا ضروری ہے۔ اول بلڈنگ والوں پر اس حادثے کے کیا اثرات مرتب ہوئے۔ دوئم ان دونوں کی کیا کیفیت رہی کہیں ان میں سے کوئی شدید زخمی نہ ہو گیا ہو۔ اگر یہ صورت حال رہی تو ہم پریشانی کا شکار ہو سکتے ہیں۔ ہرچند کہ لوگوں کو ہمارے بارے میں کچھ معلومات حاصل نہ ہو سکیں گی لیکن

اس کے باوجود اس خیال کو مدنگاہ رکھا جائے کہ ہم اس شہر میں ہیں اور یہیں رہنا ہے۔ کسی مشکل میں پھنسے تو بیچارے مطلق صاحب بھی پریشانیوں کا شکار ہوں گے۔ اور یہ بات کسی قیمت پر برداشت نہیں کی جاسکتی۔"

"بیشک۔" تائید کی گئی۔

"تو پھر ان حالات کی روشنی میں کیا کیا جائے؟"

"دفتر کا خاتمہ ضروری ہے۔ یوں بھی اس بلڈنگ کی کیفیت بیحد مخدوش تھی کسی بھی وقت کوئی خوف ناک حادثہ ہوسکتا تھا۔ دفتر شادی کی ہی کی بات ہے تو کہیں اور بھی قائم کیا جاسکتا ہے۔" شکیلہ نے کہا۔

"ضروری نہیں ہے کہ دفتر شادی ہو۔ کہیں بھی اور کوئی کاروبار کیا جاسکتا ہے۔ بس سوال اس دفتر کا ہے۔"

"کون سا دفتر؟" ظفری بولا۔

"میں اسی دفتر شادی کی بات کر رہا ہوں۔" سعدی نے کہا۔

"تمھیں کیا ہو گیا ہے سعدی۔ نہ جانے کون سے دفتر کی بات کر رہے ہو۔ ہمارا کوئی دفتر نہیں تھا۔ رہی سویا رام سوجا رام بلڈنگ کی بات تو اب بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کیا جائے ورنہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ اور دینے کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ کیوں مس شکیلہ؟" ظفری نے کہا۔

"میں آپ سے متفق ہوں ظفری۔"

"چنانچہ اب ہمیں کسی دوسرے کاروبار پر غور کرنا ہے۔ ویسے چند روز آرام بھی کیا جاسکتا ہے۔ یونیورسٹی اچانک بند ہو گئی ہے اس لیے اب گھر پر گزارا کرنا پڑے گا۔"

"ہاں بیگم صاحبہ کی خدمت بھی تو فرض ہے۔ آخر جنت کمانی ہے۔ ٹھیک ہے بہت سے کام رکے ہوں گے۔ ہماری وجہ سے ہمیں چاہیے کہ انھیں انجام دیں۔ بلڈنگ کے سلسلے میں جو ہوگا

دیکھا جائے گا۔"

اور یہ بات طے ہوگئی لیکن ابھی وہ تینوں ریستوران میں ہی تھے کہ ایک نوجوان شخص ریستوران میں داخل ہوا اور ظفری اسے دیکھ کر چونک پڑا۔ "اوہ یہ مصیبت کہاں سے آگئی۔ ہاں ہاں پلٹ کر مت دیکھنا۔"

"کون ہے؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"زاہد۔ آپ کے عاشق نامدار۔" ظفری نے جواب دیا۔

"زاہد؟" شکیلہ نے دہرایا۔ اور پھر چونک پڑی۔ لیکن اس نے پلٹ کر اب بھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ پھر اس نے پوچھا۔ "کہاں ہیں حضرت؟"

"بیٹھ چکے ہیں تھکے ہوئے ہیں شاید۔ ابھی تک انھوں نے مجھے نہیں دیکھا ہے۔"

"ہیں کون یہ موصوف کچھ مجھے بھی تو معلوم ہو؟" سعدی نے بے چینی سے پوچھا۔

"افوہ۔ سمجھتے کیوں نہیں سعدی۔ مسز نیر کے صاحبزادے جو شکیلہ سے عشق کا دعویٰ رکھتے ہیں اور جو ہمیں ڈھائی ہزار روپے ادا کر چکے ہیں۔"

"تم نے ان سے کوئی وعدہ کیا تھا؟" سعدی نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ بس ڈھائی ہزار روپے اور ایک سوٹ لے کر زبان بند کر لی تھی۔"

"کیا خیال ہے شکیلہ؟"

"میں بھی انہی لائنوں پر سوچ رہی ہوں بھائی جان۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"بھائی جان؟" سعدی چونک پڑا۔

"تو اور کیا۔ پرسوں ہی تو آپ سعودی عرب سے آئے ہیں اور بڑی مشکل سے میں آپ کو ملی ہوں۔ آہ کس قدر تکلیفیں اٹھائی ہیں میں نے آپ کی غیر موجودگی میں۔" شکیلہ نے درد بھرے لہجے میں کہا اور ظفری ہنس پڑا۔

"ونڈر فل آئیڈیا۔ بس سعدی زیادہ تر خاموش رہنا ہماری گفتگو سے تم نتیجہ تو اخذ کر ہی

سکتے ہو۔ ان حالات کی روشنی میں۔"

"مگر کوئی پروگرام؟" سعدی نے دانت پیس کر کہا۔

"ابھی کوئی پروگرام ذہن میں نہیں ہے۔ لیکن کچھ نہ کچھ بن ہی جائے گا۔" ظفری نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"ارے کہاں چلے؟" سعدی بولا۔

"پہلے باتھ روم اور وہاں سے واپسی پر جناب زاہد نیر سے ملاقات کروں گا۔" ظفری نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ سعدی پر خیال نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تھا اور باتھ روم ریستوران کے دوسرے کونے پر تھا وہاں سے واپسی میں ظفری نے جان بوجھ کر ایسا راستہ اختیار کیا کہ زاہد سے اس کا سامنا ہو جائے اور یہی ہوا۔ زاہد نے خود ہی اسے مخاطب کیا تھا۔

"ارے اوہ فاروقی صاحب۔ اوہ فاروقی صاحب۔" اس نے پکارا اور ظفری چونک کر رک گیا۔ پھر وہ مسکراتا ہوا زاہد کے پاس پہنچ گیا۔

"اوہ زاہد صاحب! خوب ملاقات ہوئی آپ سے کیسے مزاج ہیں؟"

"جی رہے ہیں بس۔ کٹ رہی ہے زندگی۔ آپ سنائیے۔ شکیلہ سے دوبارہ ملاقات ہوئی یا نہیں؟"

"بڑے انوکھے اتفاقات ہوئے ہیں ان دنوں۔ آپ سنیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔"

"خیریت ویسے شکیلہ سے آپ کی ملاقات ہوئی؟"

"ہاں۔" ظفری گہری سانس لے کر بولا۔

"کہاں۔ وہ خیریت سے تو ہے؟"

"تھوڑے دن قبل خیریت سے نہیں تھی لیکن اب سب ٹھیک ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"طویل کہانی ہے پھر کبھی تفصیل سے۔" ظفری بولا۔

"نہیں فاروقی صاحب تشریف رکھیے۔ آپ کو قسم ہے۔ آپ نہیں جانتے کہ ان دنوں میں اس کی تلاش میں کس قدر پریشان رہا ہوں۔ براہ کرم تشریف رکھیے بیرا۔ اے بیرا۔" زاہد نے بیرے کو بلا کر ظفری کے لیے بھی ایک مشروب کا آرڈر دے دیا۔ اور ظفری بیٹھ گیا۔

"کیا آپ کو شکیلہ کی قیام گاہ معلوم ہے؟" زاہد نے پوچھا۔

"دونوں بھائی بہن شاید کسی ہوٹل میں مقیم ہیں۔"

"بھائی بہن؟"

"ہاں شکیلہ کے سعدی فاروقی سعودی عرب سے واپس آ گئے ہیں۔ میں نے کہا نا ایک لمبی کہانی ہے۔"

زاہد کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے طویل سانس لے کر لجاجت سے کہا۔ "بھائی نوید فاروقی۔ تم سے میری ملاقات ایک دلچسپ اتفاق کے تحت ہوئی تھی۔ لیکن اب تو ہم دونوں ایک دوسرے کے شناسا ہیں۔ کیا ہم گہرے دوست نہیں بن سکتے؟"

"بن سکتے ہیں بلکہ کسی قدر بن گئے ہیں۔" ظفری نے کہا۔

"میں تمھیں دل کی بات کسی حد تک پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ مزید سن لو کہ میں شکیلہ سے عشق کرتا ہوں۔ دل و جان سے چاہتا ہوں اسے۔ وہ ہمارے گھر ٹیوشن کرنے آتی تھی لیکن میرا بس چلتا تو اسے اس گھر کی مالکہ بنا دیتا۔ تاہم میں اس سے شادی کا خواہشمند ہوں۔ کیا تم اس سلسلے میں میری مدد نہیں کر سکتے؟"

"سو فیصدی کر سکتے ہیں۔" ظفری نے گردن ہلا دی۔

"آہ پیارے بھائی۔ اس سلسلے میں میری مدد کرو میں تمھارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ مجھے ان دونوں سے ملا دو۔ میں۔۔۔ میں۔۔۔" زاہد بیتابی سے بولا۔

"لیکن مسٹر زاہد! کیا آپ کی والدہ آپ کو اس شادی کی اجازت دے دیں گی۔ ظاہر ہے آپ بڑے لوگ ہیں اور آپ کی والدہ شکیلہ کو ایک معمولی لڑکی کی حیثیت سے جانتی ہے۔ پھر یہ

کیسے ممکن ہے؟"

"میں کسی نہ کسی طرح اسے ممکن بنا لوں گا۔ بس تم ان لوگوں سے ملاقات کرا دو۔"

"یہ کام میں بہت جلد کر دوں گا۔ دراصل بیچاری شکیلہ نے بڑی مشکل زندگی گزاری ہے۔ وہ اپنے والد کے ساتھ رہتی تھی۔ اس کا بھائی سعدی فاروقی باپ سے ناراض ہو کر ملک سے باہر چلا گیا تھا۔ اس کے بارے میں شکیلہ کو کوئی اطلاع نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے۔ پھر اچانک باپ کا انتقال ہو گیا اور بیچاری شکیلہ دربدر ہو گئی۔ عزت کی زندگی اس کے لیے دشوار ہو گئی۔ ایک تنہا اور بے سہارا لڑکی نہ جانے کس کس طرح زندگی گزارتی رہی۔ باہمت تھی اس لیے عزت و عفت بچا کر زندگی کے برے وقت کو ٹالتی رہی اور۔۔۔ پھر تقدیر کی سیاہی چھٹ گئی۔ شکیلہ کی زندگی کی تاریک رات ڈھل گئی۔ اس کے بھائی کو کسی طرح اپنے باپ کی موت کا علم ہو گیا اور وہ سعودی عرب سے واپس آ گیا۔ پھر اس کے بعد کیا ہوا یہ۔۔۔"

ظفری کو کسی فلم کا ریڈیو پروگرام یاد آ گیا تھا۔ چنانچہ اس کا لہجہ ویسا ہی ہو گیا تھا۔ لیکن زاہد اس کہانی سے بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگے تھے۔ اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"بہت درد بھری کہانی ہے اس کی۔ آہ کاش وہ مجھے بتا دیتی' سب کچھ بتا دیتی۔"

"سعدی یہاں آ گیا لیکن وہ بے حد پریشان ہے۔"

"کیوں؟" زاہد نے پوچھا۔

"اجنبی ہے نا اس کے لیے۔ بچپن ہی سے گھر سے باہر رہا ہے۔ نہ کوئی پرسان ہے اور نہ شناسا۔ کوئی کاروبار کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے لیے بھی جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی دفتر جہاں بیٹھ کر وہ زندگی کی گاڑی کو آگے بڑھانے کا کاروبار شروع کرے۔ تم نہیں جانتے زاہد عزت دار آدمی کے لیے عزت بچانا کتنا مشکل کام ہے۔"

"بالکل ٹھیک' لیکن اس سلسلے میں میں ان کی مدد کر سکتا ہوں۔"

"تم؟"

"ہاں۔ میں انھیں دفتر مہیا کرسکتا ہوں۔ یہاں کے ایک بہترین کاروباری علاقے میں میرا ایک دفتر جو خالی پڑا ہے۔ ایک بلڈنگ تعمیر ہو رہی تھی میں نے اس میں دفتر حاصل کر لیا جو خالی پڑا ہے۔"

"آہ۔ مگر وہ خوددار۔ وہ غیور آدمی تمھاری مدد کیسے قبول کرے گا؟"

"میں بھی تو ان کا اپنا ہوں۔" زاہد شرمیلے لہجے میں بولا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن مسٹر زاہد! کچھ اور قربانی دینی ہوگی آپ کو۔" ظفری کے ذہن میں فوری طور پر ایک پلان آ گیا تھا۔

"کیا؟"

"وہ میں ابھی نہیں بتاؤں گا۔ پہلے یہ بتاؤ کہ سعدی اور شکیلہ سے ملاقات کرنا چاہتے ہو؟"

"تمھاری نوازش ہوگی دوست۔" زاہد لجاجت سے بولا۔

"تب اٹھو۔ تم خوش قسمت ہو۔ میری طرف سے اس خوش بختی کی مبارک باد قبول کرو میں تمھیں ابھی اور اسی وقت ان لوگوں سے ملوا سکتا ہوں۔ اٹھو۔" ظفری نے کہا اور زاہد جلدی سے اٹھ گیا۔

ظفری کے ساتھ چند قدم چل کر وہ اس میز پر پہنچا جہاں سعدی اور شکیلہ بیٹھے ہوئے تھے اور پھر ان دونوں کو دیکھ کر اس کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ شکیلہ نے اسے دیکھ کر چونکنے کی اداکاری کی تھی۔ لیکن زاہد منہ پھاڑے کھڑا رہا تھا۔

"جناب سعدی فاروقی صاحب۔ میں آپ کو اپنے ایک عزیز ترین دوست سے ملانا چاہتا ہوں۔" ظفری نے کہا۔

"ضرور ضرور۔ تشریف رکھیے آپ لوگ۔" سعدی نے کہا۔

"بیٹھو بھئی۔" ظفری بے تکلفی سے بولا۔ اور زاہد احمقوں کی طرح بیٹھ گیا۔ "یہ ہیں زاہد نیر۔ شکیلہ صاحبہ چند ماہ ان کے گھر میں ٹیوشن پڑھا چکی ہیں۔"

"کیسے مزاج ہیں زاہد صاحب؟" شکیلہ نے کہا۔

"ایں۔ اتنی جلدی؟" زاہد بولا۔

"کیا مطلب؟ میں نہیں سمجھی؟"

"اوہ۔ کچھ نہیں مس شکیلہ۔ میرے اور زاہد کے درمیان ایک بات تھی۔ ویسے زاہد میاں ہم جیسے بزرگوں کے ساتھ رہو گے تو یہی عیش ہوں گے۔" ظفری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر سعدی سے بولا۔ "تو جناب سعدی فاروقی صاحب یہ زاہد نیر ہیں اور خادم سے تو آپ واقف ہیں آپ کا دوست نوید فاروقی۔"

"آپ لوگ خیریت سے ہیں؟" سعدی نے پوچھا۔

"کرم گستری ہے آپ کی میرے دوست! زاہد آپ سے ملاقات کے بہت خواہشمند تھے۔ میرے خیال میں یہ نیک انسان آپ کی مشکلات کا حل بن سکتا ہے۔ یوں بھی اس دور میں زاہد جیسے سعادت مند اور مخلص لوگ ملنا مشکل ہیں۔ بس ایک ذرا سا تذکرہ کیا تھا میں نے فوراً ہی ایک پیش کش کر دی زاہد صاحب نے۔"

"اوہ کیسی پیشکش؟" سعدی نے پوچھا۔ پھر بولا۔ "پہلے یہ بتایئے کیا پئیں گے آپ؟"

"میں ابھی زاہد صاحب کے ساتھ ایک مشروب پی چکا ہوں۔ ہاں تو زاہد صاحب وہ پیشکش آپ خود کر دیں اپنے دہن مبارک سے۔"

"اوہ میں کس قابل ہوں جناب۔۔۔ بس وہ فاروقی صاحب نے ذکر کیا تھا۔ برنیٹو روڈ پر ایک آفس خالی پڑا ہے۔ آپ کے کسی کام آ جائے تو اس سے زیادہ مسرت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"آفس۔ اوہ کیا واقعی؟" سعدی خوشی سے اچھل پڑا۔ یہ مسرت حقیقی تھی۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ظفری نے کوئی کام دکھا دیا ہے۔

"جی ہاں مجھے آپ کی یہ خدمت کر کے مسرت ہوگی۔" زاہد نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''ہم آپ کے اس احسان کا بدلہ کیا دے سکیں گے زاہد صاحب۔ آپ نے تو ہماری بہت بڑی مشکل حل کر دی ہے۔''

''ارے نہیں۔ وہ اس میں احسان کی کیا بات ہے۔ یہ تو فرض تھا میرا۔ میں دو چار دن میں آفس تیار کرا دوں گا۔''

''ہمیں کیا پیش کرنا ہوگا اس سلسلے میں؟'' سعدی بولا اور زاہد برا مان گیا۔

''خلوص اور محبت میں جو کچھ پیش کیا جا سکتا ہے آپ دیدیں۔ باقی تو مجھے کچھ نہیں چاہیے۔''

''اوہ زاہد میاں! میں اس احسان کو کبھی نہیں بھولوں گا۔ بڑی تکلیف دی ہے ہم نے تمہیں۔'' سعدی مسکرانے لگا۔

''وہ شکیلہ صاحبہ! آپ کو شاید کہیں جانا تھا۔ میرا خیال ہے زاہد صاحب آپ کو چھوڑ دیں گے۔ میں ذرا سعدی صاحب سے کچھ باتیں کروں گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' شکیلہ نے صورت حال کی نزاکت سمجھ کر کہا اور پھر وہ اٹھ گئی۔ ''تو ہم جائیں بھائی جان؟''

''ایں ہاں بھئی اگر زاہد صاحب کو تکلیف نہ ہو تو چلی جاؤ۔ تو زاہد میاں آپ سے کب ملاقات ہوگی؟''

''میں معلوم کر لوں گی بھائی جان۔'' شکیلہ نے کہا اور زاہد نے گردن ہلا دی۔

''ہاں یہ معلوم کر لیں گی۔'' زاہد احمقانہ انداز میں بولا۔ اور پھر دونوں باہر نکل گئے۔

جب وہ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو سعدی گہری سانس لے کر بولا۔ ''واقعی تم نے ایک معرکہ سرانجام دیا ہے ظفری۔ کسی دفتر کے بغیر ہم بالکل بے سایہ ہو گئے تھے۔''

''ہم جیسے درویشوں کے ساتھ رہو گے تو ایسے ہی عیش کرو گے۔'' ظفری نے جواب دیا۔

شکیلہ زاہد کے ساتھ اس کی کار میں جا رہی تھی اور زاہد کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی ہے۔ ''زہرہ کیسی ہے؟'' شکیلہ نے پوچھا۔

''تمہارے سامنے کچھ بھی نہیں۔'' زاہد جلدی سے بولا۔

''کیا مطلب؟ میں زہرہ نیر کی بات کر رہی ہوں۔'' شکیلہ تعجب سے بولی۔

''ارے اوہ! ہاں۔ میں سمجھا تم زہرہ بیگ کے بارے میں پوچھ رہی ہو۔ لاحول ولا۔ میرے منہ سے بھی کیسی فضول باتیں نکل جاتی ہیں۔'' زاہد بوکھلا کر بولا۔

''میرے بارے میں کیا گفتگو ہوتی ہے؟''

''میں نے سب ٹھیک کر لیا ہے۔ امی کو میں نے بتایا تھا کہ وہ شخص فراڈ تھا اور میں اسے پولیس کے حوالے کر آیا ہوں۔''

''کون شخص؟'' شکیلہ نے پوچھا۔ اور زاہد کو خیال آ گیا کہ وہ کیا بک گیا ہے نوید فاروقی تو اس کا محسن تھا۔ ظاہر ہے شکیلہ کو یہ بات نہیں معلوم ہوگی کہ اس کے اور نوید فاروقی کے درمیان کیا طے پایا تھا۔

''ایسے ہی بس ایک واقعہ یاد آ گیا تھا۔''

''آپ کچھ الجھے ہوئے ہیں زاہد صاحب کیا بات ہے؟''

''کوئی۔ کوئی خاص بات نہیں شکیلہ بس وہ۔ بس وہ میں آپ سے محبت کرنے لگا ہوں۔ اور۔ اور میں شکیلہ باقی باتیں میں نے فاروقی بھائی کو بتا دی ہیں۔ آپ مس شکیلہ۔ آپ برا تو نہیں مانیں؟''

''نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ کبھی کبھی انسان کو ایسا ہو جاتا ہے ویسے آپ نے میرے بھائی جان کی بہت بڑی مشکل حل کر دی۔''

''کون سی مشکل؟''

''وہی دفتر والی۔ کہیں وہ مذاق تو نہیں تھا؟''

''ارے نہیں۔ میں بھلا ان سے مذاق کروں گا۔ تم فکر مت کرو شکیلہ میں بہت عمدہ دفتر بنا کر دوں گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس کل ہی سے میں اس کی تیاری شروع کر دوں گا۔ ٹیلی فون

بھی موجود ہے اس میں۔ میں نے لکھوایا نہیں تھا لیکن اب لکھوا دوں گا۔'' زاہد نے کہا۔

''لیکن زاہد صاحب۔ اگر مسز نیر میرا مطلب ہے آپ کی امی کو معلوم ہو گیا تو؟''

''اول تو معلوم نہیں ہو گا۔ دوسرے یہ کہ میں اپنی مرضی کا مالک ہوں۔ میں کہہ دوں گا کہ میں نے وہ دفتر سعدی صاحب کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے۔''

''یہ بہت اچھا رہے گا۔ آپ وہ دفتر میرے نام کر دیں۔ ظاہر ہے میں اور آپ الگ الگ تو اب نہیں ہیں۔''

''کل ہی۔ کل ہی۔'' زاہد نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہا۔ شکیلہ کے ان جملوں نے اسے نہ جانے کون سے جہانوں کی سیر کرا دی تھی۔

''تو پھر اب کہاں ملاقات ہو گی آپ سے؟''

''جہاں آپ کہیں۔'' زاہد بولا۔

''مجھے دفتر دکھا دیں۔ کل وہیں آ جاؤں گی میں اور آپ مل کر دفتر سجائیں گے۔ کیا خیال ہے؟''

''بالکل نفیس۔ نہایت عمدہ۔ پہلے دفتر چلتے ہیں۔'' اور تھوڑی دیر کے بعد بریٹو روڈ کی ایک خوبصورت بلڈنگ کے سامنے زاہد نے کار روک دی۔ دفتر بہت کشادہ اور شاندار تھا۔ شکیلہ اس کی ڈیکوریشن کے بارے میں بتاتی رہی اور زاہد نے تمام تفصیلات نوٹ کر لیں۔

''آپ مجھے کوئن اسکوائر چھوڑ دیں۔ کل دن میں گیارہ بجے میں دفتر پہنچ جاؤں گی۔'' شکیلہ نے کہا اور زاہد نے گردن ہلا دی۔

کوئن اسکوائر کے چوک کے قریب زاہد نے کار روک دی اور شکیلہ نیچے اتر گئی۔ نزدیک ہی بس اسٹاپ تھا لیکن بس اسٹاپ پر کھڑے ایک شخص کو دیکھ کر شکیلہ اچھل پڑی تھی۔ طویل القامت شخص دولہا خاں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ دولہا خاں نے بھی اسے دیکھ لیا۔ اور دوسرے لمحے وہ شکیلہ کی طرف لپکا۔ ''مکار، چار سو بیس۔ اب کہاں بھاگ رہی ہو۔ کہاں گئے تمہارے دونوں ساتھی؟''

شکیلہ نے بے بسی سے زاہد کی کار دیکھی جو اب دور نکل چکی تھی۔ قرب و جوار میں بھی کوئی نہیں تھا جو اس کی مدد کر سکتا۔ پھنس گئی تھی، لیکن ذہین لڑکی تھی۔ اس نے گردن جھکا لی اور اس کی ناک کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

''جواب دو لڑکی۔ میں نے تمہارے لیے بڑی رقم خرچ کی ہے۔''

''تم بھی ایسی باتیں کرو گے دولہا خاں۔ میرے لیے اب اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ میں خودکشی کر لوں۔'' شکیلہ نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

''ارے ارے اب رونا شروع کر دیا۔ رونے کی کیا بات، مجھے ان دونوں کا پتا بتا دو میں نمٹ لوں گا۔''

''رفیق سے کیا بات ہوئی دولہا خاں؟'' شکیلہ نے ناک سے شرپ شرپ کرتے ہوئے پوچھا۔

''وہ بھی پانچ ہزار روپے دے چکا ہے ان دونوں کو، سالے چار سو بیس کہیں گے۔ مجھ سے بھی تین ہزار لے گئے۔''

''آں دولہا خاں تم نے میرے لیے اتنے پیسے خرچ کر دیے، لیکن میں، میں اس وقت بھی در بدر ماری ماری پھر رہی ہوں۔ خیر تقدیر میں یہی ہے کیا کر سکتی ہوں۔'' شکیلہ پھر رونے لگی۔

''رو و نہیں لڑکی۔ میں بہت نرم دل انسان ہوں۔ مجھے بتاؤ تمھیں کیا پریشانی ہے اور وہ دونوں کہاں مر گئے؟''

''تھانے میں بند ہیں۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔ اور دولہا خاں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''کیوں؟ کیوں بند ہیں؟''

''نیچے اترے تو پولیس نے ہم تینوں کو گرفتار کر لیا۔ تھانے لے گئی بیانات لیے۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا کہ دونوں فراڈ ہیں۔ میرے نام سے اشتہار دیا اور پیسے کمائے جبکہ میں ان

کے پاس نوکری کی تلاش میں گئی تھی۔ آہ زمانہ کتنا خراب ہوگیا ہے کسی پریشان حال انسان کے لیے تو اس دنیا میں کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔"

"تو وہ اشتہار تمھاری طرف سے نہیں تھا؟" دولہا خاں نے گردن ہلا کر کہا۔

"میں ایسا اشتہار دوں گی۔ میں جو تین دن کے فاقے سے ہوں۔ آہ مجھے یوں لگ رہا ہے۔ جیسے' جیسے میں بے ہوش ہو جاؤں گی۔ میں نے ان سے نوکری مانگی تھی۔ مگر میرے ساتھ کیسا سلوک ہوا۔ تم نے دیکھ لیا دولہا خاں؟"

"مجھے بہت افسوس ہوا ہے بی بی۔ میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟" دولہا خاں نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور سو روپے کے دو نوٹ نکال لیے۔ "اس وقت یہی ہیں میرے پاس۔ تم میرے ڈیرے پر مجھ سے مل لینا وہاں آرام سے باتیں کریں گے۔ لو رکھ لو تمھارے کام آئیں گے اور ان سالوں سے تو میں اچھی طرح نمٹ لوں گا۔ نکلنے دو تھانے سے۔"

شکیلہ نے نوٹ قبول کر لیے' پھر بولی۔ "ان دونوں نے تمھارا اور رفیق کا نام بھی تھانے میں لکھوا دیا ہے۔ جانتے ہو انھوں نے کیا بیان دیا؟"

"ایں۔ میرا نام بھی لکھا دیا۔ کیا کہا تھا انھوں نے؟"

"یہی کہ دولہا خاں ایک اوباش انسان ہے اور اکثر انھیں پریشان کرتا رہتا ہے۔ وہ اس لڑکی کو ساتھ لے جانے پر مصر تھا اور رفیق اس کی عزت بچانا چاہتا تھا۔"

"یہ کہا انھوں نے؟ مگر تمھارے بیان نے میری پوزیشن صاف کر دی ہو گی؟"

"پولیس نے یقین نہیں کیا میرے بیان پر۔ انسپکٹر نے چار پولیس والوں کو تمھاری اور رفیق کی تلاش میں بھیجا ہے۔" شکیلہ نے کہا اور دولہا خاں کا چہرہ اتر گیا۔

"پپ۔۔۔ پولیس میری بھی تلاش میں ہے؟" اس نے کسی قدر خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ وہ دیکھو۔ وہ دونوں پولیس والے تمھاری طرف اشارے کر رہے ہیں۔"

شکیلہ نے کہا۔ اس کی نگاہ اتفاق ہی سے ایک طرف اٹھ گئی تھی جہاں دو پولیس مین کھڑے ہوئے تھے۔

دولہا خاں بدحواس ہو گئے۔ پھر انھوں نے کہا۔ "اچھا میں چلتا ہوں۔ دو چار دن کے بعد میرے ڈیرے پر ضرور آنا۔ میں تمھاری مدد کروں گا۔ آؤ گی نا؟" اور شکیلہ نے گردن ہلا دی۔ دولہا خاں تیز تیز قدموں سے ایک طرف چل پڑے تھے۔

مطلق صاحب اور بیگم صاحبہ بہت خوشگوار موڈ میں تھے۔ تین شعر سنا چکے تھے مطلق صاحب موقع کے۔ لیکن بیگم صاحبہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ سعدی اور ظفری موجود تھے۔ چائے پر شکیلہ کا انتظار ہو رہا تھا۔

"لو وہ آ گئی شکیلہ۔ اب اس موقع کا کوئی شعر بھی پڑھ دو۔"

"بخدا نظر لگ جائے گی بیگم۔ اس طرح فرمائش نہ کرو۔ ویسے ظفری میاں تقدیر کچھ بدل رہی ہے۔ ممکن ہے تم لوگوں کے قدموں کی برکت سے اپنے حالات کچھ بہتر ہو جائیں۔ آؤ شکیلہ بیٹی بہت تھکی ہوئی لگتی ہو؟"

"ہاں خالو جان۔ بہت تھک گئی ہوں۔ خالہ جان میری چائے۔" اور بیگم صاحبہ چائے بنانے لگیں۔

رات کو شکیلہ نے دن کی رپورٹ دی۔ اور خصوصی انکم ان کے سامنے رکھ دی۔ ظفری نے سر پکڑ لیا تھا۔ پھر اس نے سعدی سے کہا۔ "یا سعدی میرے خیال میں ہمیں پورے خلوص سے پیرومرشد کی مریدی میں آ جانا چاہیے۔ اگر پیرومرشد کی نظر کرم رہی تو میرے خیال میں بہت جلد ہمارے دن پھر جائیں گے۔"

"ایسا ہی لگتا ہے۔ بہرحال شکیلہ بی بی اس لکڑی کے گھوڑے کو ہینڈل کرنے کا پورا پروگرام ترتیب دینا ہے۔"

”لکڑی کا گھوڑا؟“

”ہاں۔ میری مراد زاہد نیر سلمہٗ سے ہے۔“

”دفتر میں دیکھ چکی ہوں۔ کل گیارہ بجے سے کام شروع ہو جائے گا۔ میرے خیال میں۔ یہ دفتر ہمارے مستقبل کے لیے بہت بڑا سہارا ہوگا۔“

”انشاء اللہ۔ انشاء اللہ۔ لیکن کاروبار؟“

”دفتر شادی کے علاوہ کچھ بھی۔ یہ سب کچھ دفتر میں بیٹھ کر ہی سوچیں گے۔“ شکیلہ نے جواب دیا اور تینوں مستقبل کے خوش آئندہ خیالوں میں کھو گئے۔

☆......☆......☆

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی ہنگامہ آرائیاں ختم ہو چکی تھیں۔ درحقیقت یہ ادارہ خوب چمکا تھا۔ اور یہ بھی درست تھا کہ انھوں نے اس مختصر عرصہ میں خوب کمایا تھا۔ ان کے پاس اتنا تھا کہ سال دو سال میانہ روی سے زندگی گزارتے تو کوئی مشکل پیش نہ آتی لیکن زندگی کو جو ڈگر مل گئی تھی اس سے ہٹنے کے بعد وہ بڑی تکلیف محسوس کر رہے تھے۔

ڈیڑھ ماہ ہو چکا تھا کھیاں مارتے ہوئے۔ گو اس ڈیڑھ ماہ میں انھوں نے خود پر اداسی مسلط نہیں ہونے دی تھی۔ خوب مشاعرے ہوئے تھے، خوب تفریحات کی گئی تھیں۔ لیکن زندگی میں جو ایک خلا پیدا ہو گیا تھا اسے پر کرنے کی کوئی شکل نظر نہیں آ رہی تھی اور وہ اس بارے میں بڑی سنجیدگی سے غور کر رہے تھے۔

گروہ ٹوٹ گیا تھا۔ اسٹاف کو چھٹی دے دی گئی تھی۔ لیکن چند لوگ ایسے تھے جنھیں چھٹی نہیں دی جا سکی تھی۔ مثلاً مضطرب صاحب۔

”آپ کا اب کیا پروگرام ہے مضطرب صاحب؟“

”جو آپ لوگوں کا۔“

”فی الحال تو ہم ڈنڈے بجا رہے ہیں۔“

”دو ڈنڈے میں بھی کہیں نہ کہیں سے تلاش کر لوں گا بجانے کے لیے۔“ مضطرب صاحب نے سکون سے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"دیکھو میاں! سچی اور کھری بات یہ ہے کہ مضطرب کیا تھا؟ تم نے اسے کیا کچھ نہیں دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ سالوں بیٹھ کر کھا سکتا ہوں۔ لیکن بیٹھوں گا تمھارے ہی ساتھ میں کہاں جاؤں گا کوئی ٹھور ٹھکانہ اور پھر تم میں دل ایسا لگ گیا ہے کہ اب کہیں اور نہ لگے گا۔ دو روٹیوں کا ہی معاملہ ہے نا؟ وہ کہیں سے بھی مل جائیں گی تو پھر یہیں کیوں نہ کھاؤں۔"

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

"ممکن ہے۔ میں مطلق صاحب سے بات کر چکا ہوں۔"

"کیا بات کر چکے ہیں؟"

"مضطرب صاحب کا کہنا ہے کہ وہ کچن سنبھالیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ بہت اچھے باورچی بھی ہیں اور کل وہ پہلی ٹرائی دے رہے ہیں۔" دروازے سے مطلق صاحب کی آواز سنائی دی۔ پھر وہ اندر آ گئے۔ "اور میں نے ان کی یہ پیشکش قبول کر لی ہے۔ معاوضے کے طور پر وہ صرف ہماری ہانڈی سے اپنا حصہ نکال لیں گے اور ہمیں اس میں کوئی دقت نہ ہوگی۔" مطلق صاحب کا لہجہ فیصلہ کن تھا چنانچہ اب کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

"اور پھر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔ جب شروع کرو گے تو مضطرب بھی ساتھ ہوگا۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

چھمو کے للوا نے ایک بینک میں گن مین کی نوکری تلاش کر لی تھی لیکن وہ کہہ کر گیا تھا کہ جب بھی اس کی ضرورت ہو اسے طلب کر لیا جائے اور اس سے وعدہ کر لیا گیا تھا۔

کیا زندگی گزر رہی تھی۔ ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا تھا مستقبل کے بارے میں لیکن اکثر وہ سر جوڑ کر بیٹھ جاتے تھے اور اس مسئلے پر غور ہوتا۔ بیکاری انھیں بری طرح کھل رہی تھی۔

"بھئی ہماری ذمہ داری بھی کیا ہے۔ بیوی نہ بچے۔ لے دے کر ایک مطلق صاحب ہیں اور ایک چچی جان۔ انھیں پنشن ملتی ہے مکان کا کرایہ آتا ہے۔ ان کی گزر ہو جاتی ہے۔ رہ گئے

بدمرشد تو ان کے لیے کوئی احمق تلاش کر کے اس کی تقدیر پھوڑ دی جائے۔ چھٹی ہو۔ ہمارا کیا ہے، ایک بار پھر فٹ پاتھ پر آباد کر لیں گے۔" ظفری نے کہا۔ اس وقت بھی وہ اس موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔

"کیا کہا۔ دماغ تو درست ہے تمھارا ظفری؟" شکیلہ بھڑک بولی۔

"میں نے کچھ غلط کہا؟"

"شادی کراؤ گے میری؟" شکیلہ آنکھیں نکال کر بولی۔

"اے۔ اس موضوع پر شرما کر گفتگو کی جاتی ہے۔ شرمانا آتا ہے تمھیں؟" ظفری نے کہا۔

"سر پھوڑنا آتا ہے مجھے۔ سمجھے تم؟"

"شوہر کا۔ صرف شوہر کا سر پھوڑنے کی مہارت ہونی چاہیے۔ باقی سب چلتا ہے۔" ظفری بولا۔

"سعدی اسے منع کر لو۔ مجھے واقعی غصہ آ جائے گا۔" شکیلہ ناک چڑھا کر بولی۔

"بھئی ظفری بور مت کرو کوئی کام کی بات سوچو۔" سعدی نے کہا۔

"مستقبل کے فیصلے تو کرنے ہی ہوں گے سعدی۔ جوان جہاں لڑکی کو گھر میں بٹھائے رکھو گے تو لوگ کیا کہیں گے۔" ظفری بوڑھیوں کے سے انداز میں بولا۔

"سعدی اس موضوع کو پھر کسی وقت کے لیے ملتوی کرو۔ یہ ظفری سنجیدہ نہیں ہے۔" شکیلہ نے کہا۔

"ارے نہیں نہیں بیٹھو۔ میں سنجیدہ ہوں۔"

"پھر صرف کام کی بات ہوگی۔"

"کام' کام' کام۔ میں کہتا ہوں یہ سکون کے شب و روز تمھیں کیوں کھل رہے ہیں یا پھر اس موضوع کو پر اثر بنانے کے لیے وہی نکلسن' والی بات کر رہی ہو۔"

"نکلسن والی۔" سعدی دلچسپی سے بولا۔

"صاحبزادی جوان ہو چکی تھیں۔ والدین کو شادی کی فکر تھی ایک دن سو رہی تھیں کہ والدین نے دینی تذکرہ نکالا۔ امی جان بولیں۔ "اے اب کوئی لڑکا تلاش کرو لڑکی جوان ہے۔ کروں تو سہی۔ بھاگوان مگر پاس پلے تو کچھ ہو۔ بھئی زیور کی تم فکر مت کرو۔ میرے پاس ایک نکلس موجود ہے۔ اسے تڑوا کر پورا سیٹ بنوا لیں گے اور رہی دوسری چیزوں کی بات۔۔۔۔"

"اوں ہوں۔ لڑکی کے سامنے تو ایسی باتیں مت کرو۔ ممکن ہے جاگ جائے۔" ابا میاں بولے۔ صاحبزادی کی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ بڑی دلچسپی سے یہ گفتگو سن رہی تھیں۔ بی اماں خاموش ہو گئیں تو انہیں بڑی کوفت ہوئی۔ دیر تک انتظار کرتی رہیں پھر صبر نہ ہو سکا تو بول پڑی۔

"امی ابو آپ آرام سے نکلس کی باتیں کریں میں تو گہری نیند سو رہی ہوں۔"

"تم باز نہیں آؤ گی ظفری۔" شکیلہ غصے سے کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھو شکیلہ! ظفری سنجیدہ ہو جاؤ۔"

"چلو بھائی ہو گیا کام کی بات کرو۔ ویسے شادی کی بات پر خیال آیا۔ کیوں نہ وہی پرانا کاروبار دوبارہ جاری کر دیا جائے۔"

"کون سا کاروبار؟"

"دفتر شادی۔"

"نہیں یار۔ یہ اب ممکن نہیں۔ یہ نئے ڈی آئی جی صاحب تو خاصے مخلص ہیں کسی کا نقصان ہوتے نہیں دیکھ سکتے پھر پیچھے لگ جائیں گے اور پھر ہم لوگ واقعی اتنے ذہین نہیں ہیں کہ پولیس کو چکمہ دے سکیں۔ ہم پر جو چھاپ لگی ہے اسے ذہن میں رکھا جائے گا۔"

"لیکن یہ کوئی غیر قانونی کام تو نہیں ہے۔"

"شادیوں میں اکثر فراڈ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی فراڈ ہمارے ذریعے ہو گیا تو پھنس جائیں گے اپنا ریکارڈ ویسے بھی خراب ہے۔"

"سعدی کا خیال درست ہے ظفری۔" شکیلہ نے کہا۔

"تو دیکھو بی بی۔ ظفری کسی دفتر میں کلرکی تو زندگی بھر نہیں کرے گا' خواہ فٹ پاتھ پر سونا پڑے۔ کرنا کوئی اپنا ہی کاروبار ہے اسے لکھ لو تم لوگ۔"

"نوکری تو ہم میں سے کوئی نہیں کرے گا۔" سعدی نے کہا۔

"تو پھر کریں گے کیا؟"

"ایک آئیڈیا ہے غور کر لو۔" شکیلہ بولی۔

"ارشاد ارشاد" ظفری بولا۔

"ایک فلم بنا ڈالی جائے۔" شکیلہ نے کہا اور سب بھونچکے ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگے۔

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ظفری نے آگے بڑھ کر شکیلہ کے پاؤں پکڑ لیے۔

"پیرو مرشد بات دل کو لگتی ہے۔"

"سنجیدہ ظفری سنجیدہ گڈ آئیڈیا۔ پسند آیا۔ واقعی کام بن جائے گا۔"

"گفتگو آگے بڑھائی جائے پیرو مرشد۔" شکیلہ بولی۔

"دفتر۔ اشتہار۔ اور پھر کوئی لمبا ہاتھ۔" شکیلہ بولی۔

"ظفری پنسل کاغذ" سعدی چیخا اور ظفری جلدی سے ایک رائٹنگ پیڈ اور بال پوائنٹ لے آیا۔

"ہاں شکیلہ پورا آئیڈیا بتاؤ۔"

"فلم کمپنیوں کے معاملات تم سے سن رکھے ہیں۔ سرمایہ لوگوں کا عیش دوسروں کے۔ اب بھی لوگ اس چکر میں پھنستے ہیں۔"

"سو فیصد پھنستے ہیں۔ لیکن ابتداء؟"

"سب سے پہلے تو یہ فیصلہ کرنا ہو گا کہ دفتر وہی رہے گا یا بدلا جائے گا۔"

"میٹنگ۔" ظفری نے سر آگے بڑھایا اور سعدی مسکرانے لگا۔ چند لمحات وہ سوچتے

رہے پھر شکیلہ ہی نے کہا۔

"میرا خیال ہے وہ دفتر مناسب نہیں رہے گا۔ قرب وجوار کے لوگ ہمیں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نمائندوں کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے اشتہارات بھی کیونکہ چھپتے رہے ہیں ابھی تمام لوگوں کو تو علم نہیں ہوگا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ختم ہوگیا ہے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ ہمارے پاس پہنچیں۔ ممکن ہے' خود ڈی آئی جی صاحب اور پولیس کے کچھ لوگ ہی اس چکر میں ہوں کہ ہماری آئندہ مصروفیات کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں اور اس بات کا بھی امکان ہے کہ وہ اپنا بھی کوئی نمائندہ وہاں بھیجیں اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ ہم وہ کاروبار جاری رکھے ہوئے ہیں یا ہم نے بند کر دیا ہے۔ پھر پاس پڑوس کے آدمی تمسخرانہ نگاہوں سے بھی دیکھیں گے۔ بہرطور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی رروائیاں خاصی آگے کی چیز رہی ہیں۔"

"بات درست ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ دفتر کہیں اور بنایا جائے اور لیکن اس میں یہ بھی قباحت ہے کہ اس دفتر پر پولیس کی نگاہ بہرطور پڑ سکتی ہے۔"

"پڑ جائے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اس کے بعد پولیس چھان بین کرتی رہے۔ ظاہر ہے ہم وہ سب کچھ تو نہیں کر رہے جو کرتے رہے ہیں۔"

"ہوں۔" "ٹھیک ہے میں تم سب سے متفق ہوں۔ لیکن دفتر کسی عمدہ سی عمارت میں ہونا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ ہم اس دفتر کو فروخت ہی کر دیں۔ اچھی خاصی رقم وصول ہو جائے گی۔ دفتر کی رقم دفتر پر ہی لگا دی جائے گی کچھ رقم بچ بھی جائے گی جو دوسرے لوازمات میں کام آئے گی۔"

"اس سلسلے میں ڈھولا رام جی بلڈنگ بہترین رہے گی وہاں کئی فلم کمپنیوں کے دفاتر بھی ہیں اور وہاں دفتر حاصل کرنے میں بہت زیادہ دقت بھی نہیں ہوگی کیونکہ کافی بڑی بلڈنگ ہے اور ابھی اس کی بہت سی منزلیں پوری کی پوری خالی پڑی ہیں۔"

"ٹھیک ہے فی الحال یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ ڈھولا رام بلڈنگ میں ہمارا دفتر یعنی ہماری فلم کمپنی کا دفتر موجود ہے۔"

"ٹھیک ہے اس کے بعد؟" ظفری نے پوچھا۔

"اس کے بعد فلم کی پبلسٹی شروع کر دی جائے۔ یہ دور پبلسٹی کا ہے۔ ہم خواہ مخواہ ایک دو فلموں کے نام اناؤنس کر دیتے ہیں۔ دس پانچ ہزار روپے ان کی پبلسٹی پر خرچ آئیں گے لیکن اس طرح پبلک کی توجہ حاصل ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے فلم کی پبلسٹی منظور کر لی گئی لیکن اس کے بعد؟"

"اس کے بعد ہیرو اور ہیروئن کی تلاش ہوگی کہانی نویس کی ضرورت ہوگی فلم کے لیے ڈائریکٹر کی ضرورت ہوگی اور جب یہ تمام حضرات جمع ہو جائیں گے تو پھر فنانسر"

"کیا مطلب؟" ظفری حیرت سے بولا۔

"فنانسر جو اس سلسلے میں سب سے اہم چیز ہوتی ہے۔"

"لیکن۔ لیکن کیا ہم لوگ اپنے طور پر فنانسر نہیں بنیں گے؟"

"دماغ خراب ہوا ہے تمھارا۔ ہم بھلا ایک فلم میں پیسہ کہاں سے لگا سکتے ہیں۔ یہ چند روپے جو ہمارے بینکوں میں بیلنس کی حیثیت سے پڑے ہوئے ہیں' کیا فلم بنانے کے کام آ سکتے ہیں' ارے بھائی یہ تو ہمارا مستقبل ہے ان میں سے تو ایک پیسہ بھی خرچ کرنا مناسب نہیں ہوگا چنانچہ اس کے لیے کسی فنانسر کی ضرورت ہوگی۔ بس کام ذرا ایسے سائنٹیفک انداز میں ہونا چاہیے کہ لوگ پھنسیں اور پھنستے رہیں۔"

"مگر رقم کی وصولیابی کا کیا طریقہ ہوگا؟"

"دیکھو فوری رقم فوراً وصول نہیں ہوگی۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ یہ ذہنی جمود ٹوٹے گا خالی بیٹھ کر جو ہم بوریت کا شکار ہو رہے ہیں وہ دور ہو جائے گی۔"

میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا ہے آجکل ہر تیسرا نوجوان ہیرو ہے' نہیں ہے کم از کم اپنے آپ کو سمجھتا ہے لڑکیوں کا معاملہ خیر تم چھوڑ دو وہ ابھی اس قدر پاگل نہیں ہوئی ہیں لیکن

لڑکے سڑکوں پر، فٹ پاتھوں پر، تفریح گاہوں پر ہیرو نظر آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے آپ کو کسی نہ کسی ہیرو سے مشابہ کر لیتا ہے۔ ان میں اچھے خاصے خاندانوں کے لڑکے بھی ہیں۔ ہم ہیرو کا چانس دینے کے لیے جس لڑکے کا انتخاب کریں گے وہ ہمارے معیار پر پورا اترنا چاہیے۔ مثلاً یہ کہ باپ زندہ ہو تو بالکل گاؤدی ہو یا ملک سے باہر رہتا ہو۔ اگر نہ ہو تو یہ بات قابل ترجیح ہوگی لیکن شرط یہ ہوگی کہ کم از کم چالیس پچاس لاکھ روپے کا بینک بیلنس چھوڑ کر مرا ہو اور پھر ظاہر ہے فلم کے بنانے میں جو کچھ اخراجات آئیں گے ہیرو کم از کم اس میں کچھ نہ کچھ تعاون کرے گا ہی ورنہ پھر وہ کیسا ہیرو ہوگا۔"

"ٹھیک گڈ ویری گڈ۔"

دوسری چیز ایک فلم ڈائریکٹر جو دو چار فلمیں بنا چکا ہو کامیاب ہوئی ہوں یا نہ ہوئی ہوں بلکہ ناکام ہوئی ہوں تو زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ ناکام فلموں کا ڈائریکٹر کچھ زیادہ مستعد ہوتا ہے اور وہ اپنی ساکھ بنانے کے لیے ہاتھ پاؤں بھی مار سکتا ہے۔ مثلاً اس کے ہاتھ پاؤں مارنے میں فنانسر کی تلاش بھی شامل ہوگی۔ تیسری بات کہانی نویس کے لیے ہے۔ اشتہار دیں گے تو کہانی نویس آئیں گے۔ ہم ان کی کہانی سنیں گے اور اس سلسلے میں ہمارے ساتھ کچھ اور افراد بھی موجود ہوں گے۔"

"بات ٹھیک ہے لیکن رقم دینے والا ان میں سے کوئی نہیں ہوگا۔ میرا مطلب ہے ڈائریکٹر کو تو تنخواہ دینی پڑے گی اور کہانی نویس کو بھی معاوضہ دینا پڑے گا۔ بات صرف ہیرو کی رہ جاتی ہے۔"

"ہاں ہیرو اور اس کے بعد نمبر دو فنانسر بلکہ اگر ہیرو اتنا ذہین ہو کہ اپنے باپ کو فنانسر بنا سکے یا خود کسی فلم کو فنانس کر سکے تو پھر تو مزے ہی مزے۔"

"چچتی ہے۔ چچتی ہے خدا کی قسم چچتی ہے۔"

"تو پھر طے۔"

"یقیناً۔ اس فارمولے کو آخری شکل دے دی جائے گویا ہماری کاغذی کارروائیاں آج

ہی مکمل ہونی چاہئیں۔"

"اب اس میں کاغذی کارروائی کوئی نہیں رہ گئی۔ مرحلے وار تمام کاموں کو رکھ لو۔ سب سے پہلے کل دن میں ڈھولا رام بلڈنگ میں کوئی دفتر تلاش کر لیا جائے۔"

"یہ کام خادم اپنے ذمے لیتا ہے۔" ظفری نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

"بس تو خادم صاحب کل آپ یہ کام کر لیں بقیہ گفتگو اس کام کی تکمیل کے بعد فرنیچر ہمارے پاس موجود ہے۔ کم از کم ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے فرنیچر کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر کی فروخت کے لیے بھی کوئی اشتہار دے دیا جائے تاکہ اس کا کام بھی چلتا رہے۔ اس دوران اگر کوئی دفتر مل جاتا ہے تو ہم اپنی جیب سے اخراجات کر لیں گے۔ بعد میں وہ بیلنس پورا کر لیا جائے گا۔"

"نہایت مناسب۔" یہ فیصلہ کرنے کے بعد یہ میٹنگ برخاست ہوگئی۔ مطلق صاحب ایک مصرعہ طرح دے چکے تھے اور ہر شخص کو دعوت دے دی گئی تھی کہ اس پر اس زمین میں کچھ کہے۔ چنانچہ لوگ کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے اور رات کو اس مشاعرے کا اہتمام کر لیا گیا تھا۔

دوسرے دن ظفری اپنے کام پر چل پڑا۔ ڈھولا رام بلڈنگ نئی نئی بنی تھی۔ اس میں بہت سی فلم کمپنیوں کے وکیلوں کے کچھ امپورٹ ایکسپورٹ کی فرموں کے دفاتر قائم تھے لیکن ابھی اس کے بہت سے دفتر خالی پڑے ہوئے تھے۔

نیچے بنے ہوئے آفس میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی اور جب ظفری نے دفتر لینے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ صاحب اس کی راہ میں بیٹھ گئے انھوں نے فوراً ظفری کے لیے ٹھنڈا منگایا اور ٹھنڈے کے دوران ٹھنڈی ٹھنڈی گفتگو ہونے لگی۔ ظفری نے دوسری منزل پسند کی تھی۔ دوسری منزل کا کارنر کا دفتر ظفری کو مل گیا۔ اس سلسلے میں اس نے دو ہزار روپے ایڈوانس دے دیے تھے۔ باقی اٹھارہ ہزار روپے کی رقم اس نے کہا کہ دفتر کی پوزیشن لینے کے بعد ادا کر دی جائے گی۔"

یہ رقم زیادہ نہیں تھی حیرت انگیز بات تھی کہ ڈھولا رام بلڈنگ میں دفتر اتنا سستا مل گیا جبکہ یہ بلڈنگ شہر کے ایک مصروف ترین علاقے میں تھی۔ بہرطور اس سنہری موقعہ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا۔ پھر ظفری نے ان لوگوں سے ملاقات کر کے دفتر کے حصول کی اطلاع دی اور پھر فلم کمپنی کا نام تجویز کیا جانے لگا۔ اس سلسلے میں مطلق صاحب کو بھی دعوت دے دی گئی کیونکہ اب وہ لوگ جو کچھ بھی کرنا چاہتے تھے اس سے مطلق صاحب کو باخبر رکھنا چاہتے تھے۔ مطلق صاحب نے فلم کمپنی کا شاعرانہ نام شاخ گل فلمز تجویز کیا تھا کیوں تجویز کیا تھا۔ اس کی کوئی وجہ تسمیہ وہ خود بھی نہ بتا سکے۔ لیکن بہرطور ان کی خواہش تھی کہ یہ نام رکھ لیا جائے۔ چنانچہ فلم کمپنی کا نام تجویز کر لیا گیا۔ سعدی نے کہا کہ کل دن میں وہ ایک خوبصورت سا بورڈ بنوا کر لگوا دے گا۔ شکیلہ کو دوسرے کام سونپے گئے۔ اور ظفری نے فرنیچر منتقل کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔

چنانچہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا تھوڑا سا فرنیچر وہاں سے ہٹا کر شاخ گل فلمز میں منتقل کر دیا گیا۔ بورڈ چند گھنٹوں کے نوٹس پر تیار ہوا تھا لیکن بہت خوبصورت تھا۔ چنانچہ اسے سعدی نے اپنی نگرانی میں آویزاں کرا دیا اور دفتر سیٹ ہو گیا۔ جب دفتر کھل گیا تو بھلا مضطرب صاحب باورچی خانے میں کیوں رہتے۔ چنانچہ شاخ گل فلمز کا افتتاح مضطرب صاحب کے ہاتھوں ہی ہوا تھا۔

مضطرب صاحب مسرت سے پھولے نہیں سما رہے تھے اس نئے دفتر کے قیام کے بارے میں انھیں تفصیلی اطلاعات نہیں تھیں لیکن اب انھیں سب کچھ بتا دیا گیا تھا اور فلم کے نام پر تو ان کے منہ میں پانی بھر آیا تھا۔

”فلم بنے گی کیا سچ مچ فلم بنے گی؟“ انھوں نے پرمسرت انداز میں پوچھا۔

”مضطرب صاحب۔ بس! آپ کی دعائیں چاہئیں اس سلسلے میں آپ متحیر کیوں ہیں؟“

”نہیں۔ نہیں۔ میں خالی دعائیں نہیں دوں گا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ تو موقعہ ملا ہے کچھ کر دکھانے کا۔“

”کیا مطلب؟ فلم میں آپ کیا کریں گے؟“

”میاں گیت لکھوں گا۔ چھوٹے موٹے رول کروں گا۔ ذرا دیکھو تو سہی مضطرب صاحب کے ہاتھ کیا کیا ہاتھ دکھاتے ہیں۔“

”فی الحال آپ ہاتھ نہ دکھایئے بلکہ ہاتھ کی صفائی دکھایئے۔ دفتر اتنا ہی خوبصورت ہونا چاہیے جتنا آپ کی موجودگی سے رہنا چاہیے۔“

”ایسا ہی ہوگا ایسا ہی ہوگا۔“ مضطرب صاحب نے جواب دیا۔ فلم کمپنی کا دفتر باقاعدگی سے جاری ہو گیا۔ شکیلہ نے کچھ اشتہارات اخبارات کو دے دیے تھے۔ بڑے باقاعدہ اشتہارات تھے جس میں شاخ گل فلمز کی طرف سے ایک نئی فلم کے بارے میں تفصیلات دی گئی تھیں۔ اس میں کچھ ضرورتوں کے اشتہارات دیے گئے تھے چنانچہ تانتا لگ گیا۔

آنے والوں میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے۔ ہیرو ولن' ایکسٹرا رول کرنے والے۔ ہیروئنیں' ہیروئنوں کی امائیں۔ غرض طرح طرح کے اور بھانت بھانت کے لوگ تھے ان لوگوں کو سنبھالنا بے حد مشکل کام تھا۔ مضطرب صاحب کی ذمہ داریاں ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔

بہرطور چونکہ کافی دنوں کے بعد کوئی کام شروع ہوا تھا اس لیے ان ذمہ داریوں سے کوئی بھی اکتا نہیں رہا تھا۔ سب سے پہلے ڈائریکٹر کی تلاش ہوئی اور یہ اتفاق ہی تھا کہ گلزار بھائی انھیں مل گئے وہ پھر ایک فلم کمپنی کے دفتر سے نیچے اتر رہے تھے کہ اس نئے دفتر کا بورڈ دیکھا اور اندر داخل ہو گئے۔ ظفری' سعدی اور شکیلہ اپنے آفس میں میزوں کے گرد بیٹھے خواہ مخواہ مصروف تھے۔ فلم کی کہانی کے آئیڈیے تجویز کیے جا رہے تھے کہ گلزار بھائی مضطرب صاحب کے ساتھ اندر داخل ہوئے انھوں نے شاید مضطرب صاحب سے اپنا تعارف کرا دیا تھا۔

”گلزار بھائی فلم ڈائریکٹر ہیں۔ بہت سی فلمیں ڈائریکٹ کر چکے ہیں اور آپ لوگوں سے ملنا چاہتے تھے۔“ مضطرب صاحب نے کہا۔ اور ان تینوں نے کھڑے ہو کر ان لوگوں کا استقبال کیا۔

”آئیے گلزار بھائی آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی تشریف رکھیے نا۔“

”اے مسرت تو ہمارے کو بھی ہوا بابا' اپن کا کام ہی یہ ہے۔ اور پھر تعار پھ مار پھ تو ہونا ہی چاہیے۔ ذری اپن کو یہ بتاؤ کہ تم کون سا پھلم بنا تا پڑا۔“ گلزار بھائی نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔

”بس گلزار بھائی اس کا سلیکشن تو آپ ہی لوگ کریں گے۔ میری مراد یہ ہے کہ سب سے پہلے ہمیں ایک فلم ڈائریکٹر کی ضرورت تھی۔ ایک ایسے فلم ڈائریکٹر کی جس کی فلمیں ہٹ ہوئی ہوں۔“

”یا ہونے والی ہوں۔“ گلزار بھائی نے ٹکڑا لگایا اور پھر مسکراتے ہوئے بولے۔

”اپن سمجھ گیا۔ اپن صحیح جگہ آیا ہے۔ گلجار بھائی کے بارے میں اگر معلوم کرتا ہے تو پھلم انڈسٹریز میں جا کر معلوم کرو۔ لوگوں سے پوچھو گلجار بھائی کیا ہے۔ ابھی اپن چار پھلم دائریکٹ کرتا پڑا اور چاروں ہٹ ہوگا۔“

”اس سے پہلے آپ نے کون کون سی فلمیں ڈائریکٹ کی ہیں گلزار بھائی۔“

”اے ٹائم ہی کدھر ملا بابا اپن بہت مصروف آدمی ہے۔ اپن کا بہت بڑا کاروبار ہے۔ پھر تھوڑا تھوڑا کر کے اس پھلم انڈسٹری کے شوق میں کھتم کر دیا۔ لاکھوں روپیہ کھرچ کرنے کے بعد بس اپن کو تجربہ حاصل ہوا۔ اور اب اپن اپنے اس تجربے سے کروڑوں روپیہ کمائے گا کروڑوں۔“

”گویا اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ چار فلمیں آپ نے حال ہی میں شروع کی ہیں۔“

”ہاں بابا اپن شروع کیا اور اس کے بعد میں کھتم کرے گا تم دیکھنا ہٹ پھلم ہوں گا۔“

”کوئی فلم ابھی نہیں لگی آپ کی؟“

”ابھی لگیں گا لگیں گا۔ جرا دیکھتے رہو کیسا لگیں گا اور کیسا باکس آفس پر ہٹ ہوئیں گا۔“ گلزار بھائی نے کہا۔

”آہ۔ گلزار بھائی ہمیں آپ ہی جیسے فلم ڈائریکٹر کی ضرورت تھی۔ کیا آپ ہمارے لیے کام نہیں کریں گے؟“

”ارے کائے کو نہیں کریں گا بابا۔ اپن اتنا پھلم کمپنی کا دفتر کھلوایا گلزار بھائی بہت رحمدل آدمی ہے اپن تمھارے ساتھ کام کریں گا۔ پن ایک بات سن لو۔ لین دین کے معاملے میں اپن کھرا آدمی ہے۔ ابھی اپن تم سے پانچ ہجار روپیہ ایڈوانس لیں گا اور اس کے بعد پانچ ہجار روپیہ اپن کا پگار ہوئیں گا۔“

”ٹھیک' ایک بات بتائیے گلزار بھائی کہ آپ کام کیا کریں گے؟“

”کیا نہیں کریں گے بابا پھلم کمپنی سے متعلق جو باتیں اپن کو معلوم ہیں تم کو نہیں معلوم۔ ابھی تم لوگ کوئی اور پھلم بنایا ہے؟“

”نہیں۔ میں نے کہا نا کہ ابھی تو ہم ابتداء کر رہے ہیں۔“

”تو بس سمجھ لو گلجار بھائی کے اور آنے کے بعد کسی اور کا جرورت نہیں رہیں گا۔ اپن تمھارے کو ہر آدمی جیسا کریں گا۔ ابھی بیٹھو اور امارے سے بات کرو کیا کیا کام تم لوگ کرتا پڑتا ہے کیا کر لیا اے اور کیا کرنے کو منگتا۔“

”گلزار بھائی سب سے پہلے تو ہمیں فلم کے لیے کہانی کی تلاش ہے۔ کہانی مل جائے تو پھر اس کے لیے کرداروں کو تلاش کرنا پڑے گا کردار مل جائیں تو پھر ہمیں فنانسر کی تلاش ہوگی۔“

”اے کیا بولتا ہے بابا! ابھی تم پھلم فنانس بھی نہیں کرے گا؟“

”کہاں سے کریں گا بھائی جب اپن پانچ ہزار روپے تنخواہ دیں گا تو پھر فلم کے لیے پیسہ کدھر سے لائیں گا۔“

”اوہ۔ ایسا ایسا مافق بولتا' ابھی گلجار بھائی کو اگر تم پانچ ہجار دیں گا تو پھر تم کو فنانسر بھی ضرور ملیں گا۔ گلجار بھائی کا ہاتھ بہت لمبا ہے۔“

”ٹھیک ہے گلزار بھائی آپ کو پانچ ہزار روپے پے منٹ مل جائے گا لیکن ایک ہفتے

کے بعد۔"

"خیر کوئی بات نہیں اپن ایک ہفتے بعد لے لیں گا تو پھر معاہدہ سائن کرلو بابا۔" فوری طور پر ایک سادہ کاغذ پر ایک معاہدہ سائن ہوگیا اور گلزار بھائی شاخ گل فلمز کے لیے ایک فلم کے ڈائریکٹر بن گئے۔ انھوں نے اپنے لیے ایک میز تلاش کر لی اور آج ہی سے اپنا کام شروع کر دیا۔ شاید فلم کمپنیوں کے دفاتر کے چکر لگاتے لگاتے کافی دن گزر گئے تھے اور بیٹھنے تک کی کوئی جگہ نہیں ملی تھی لیکن صورت حال ذرا مختلف ہوگئی تھی۔ پانچ ہزار روپے ایڈوانس ملنے کا چانس مل گیا تھا اور پھر فلم کے لیے بھی چانس دکھانے کا موقعہ مل گیا تھا۔ وہ چار فلمیں جنھیں وہ ڈائریکٹ کر رہے تھے یا کرنے والے تھے یا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ابھی تک منظر عام پر نہیں آئی تھیں۔ ان کا کوئی نام نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ یہ تمام تفصیلات معلوم ہوگئیں۔ لیکن گلزار بھائی بہرطور کام کے آدمی تھے۔ کم از کم فلمز انڈسٹریز کے چکر لگاتے لگاتے انھیں پورے فلم انڈسٹری کے تجربات حاصل ہوگئے تھے۔ جتنی باتیں انھوں نے ان لوگوں کو بتائی وہ سب کام کی باتیں تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا سعدی اور ظفری کے علاوہ شکیلہ نے بھی اسے تسلیم کیا۔

ہر چند کہ یہ اس ماحول سے بالکل ناواقف تھے لیکن بہرطور اس ماحول کی کہانیاں تو ان کے علم میں آئی تھیں اور گلزار بھائی انھی کہانیوں کا ایک جیتا جاگتا کردار تھے۔

انھوں نے باقاعدگی سے کام شروع کر دیا تھا اور ایسے ایسے مفید مشورے دیے تھے ان لوگوں کو کہ ان کی آنکھیں کھل کر رہ گئی تھیں۔ فلم انڈسٹری کے ڈھول کا پول ان کے سامنے آرہا تھا۔ گلزار بھائی نے انھیں بہت سی کہانیاں سنائی تھیں۔ اور بتایا تھا کہ بڑے بڑے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر کس طرح فلم بنالیتے ہیں۔"

بہرطور گلزار بھائی کی آمد کو بہتر سمجھا گیا۔ چند روز میں ان کا جائزہ لے لیا گیا اور اس کے بعد پانچ ہزار روپے انھیں عطا کر دیے گئے۔ دراصل تھوڑی بہت رقم خرچ کر کے یہ لوگ اپنے اس نئے کاروبار کے بارے میں تمام تفصیلات حاصل کرنے کے خواہشمند تھے۔ پھر کہانی کے سلیکشن کا

پروگرام بنایا گیا اور یہ کام گلزار بھائی کے سپرد کیا گیا تھا۔ باقی گلزار بھائی نے ایک چھوٹی سی تختی لگا دی تھی اور اس پر لکھ دیا گیا تھا کہ جن لوگوں کو بلایا گیا ہو وہی آئیں باقی حضرات تکلیف نہ کریں۔

چنانچہ آج مصنفین کے انٹرویو کا پروگرام بنایا گیا۔ انٹرویو کے لیے آنے والے حضرات کو باہر کمرے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ سعدی، ظفری اور شکیلہ اور گلزار بھائی، چار افراد پر مشتمل یہ پینل انٹرویو لینے کے لیے تیار تھا۔ باہر کے کمرے میں مصنفین حضرات آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور ان کے ناموں کی فہرست ان لوگوں کے سامنے پہنچا دی گئی تھی دفعتاً ظفری نے کہا۔

"گلزار بھائی۔"

"ہاں۔ جمہری بھائی بولو کیا بولتا پڑا؟"

"بن لوگوں کے ناموں کی یہ فہرست ہے، ان میں سے پہلے بھی کسی نے کوئی فلمی کہانی لکھی ہے؟"

"اے کیا بولتا، جمہری بھائی ہم سب فالتو لوگ چھانٹی کیا ایسا لوگ جس نے پہلے کبھی کوئی فلمی کہانی نہیں لکھا یہ سب وہ لوگ ہے جو ایک دم ہٹ اسٹوری لکھتا پڑا اے بابا۔" سعدی نے چونک کر گلزار بھائی کی شکل دیکھی۔ اس کی پیشانی شکن آلود ہوگئی تھی۔ تب اس نے ایک گہری سانس لے کر بولا۔

"گلزار بھائی ایک بات غور سے سن لو۔ وہ لوگ جو فلمیں بنا رہے ہیں، فلمیں لکھ رہے ہیں، ان میں کام کر رہے ہیں ان میں سے ایک بھی ہمارے معیار کا نہیں ہے جیسی فلمیں وہ لوگ بنا رہے ہیں ہمیں ان سے نفرت ہے۔ پھر ان لوگوں نے اس صنعت پر قبضہ کر رکھا ہے۔ نئے ذہن، نئے چہرے صرف اس لیے پیچھے جا پڑے ہیں کہ آپ جیسے لوگ انھیں آگے نہیں آنے دیتے۔ آپ جانتے ہیں گلزار بھائی کہ فلم بنا کر ہم دولت نہیں سمیٹنا چاہتے ہمارا مقصد کچھ اور ہے۔ چنانچہ آپ خیال رکھیں یہاں آنے والوں کے ساتھ عام فلم کمپنیوں کا سا سلوک نہیں ہونا چاہیے جو بھی آئے اسے ہمارے پاس ضرور بھیجا جائے اگر زیادہ لوگ آگئے اور وقت کا معاملہ ہوا تو ہم انھیں پھر آنے کا

وقت دے دیں گے۔"

"ٹھیک ہے بابا خیال رکھیں گا۔" گلزار بھائی نے اتفاق کیا۔

"نہیں گلزار بھائی پریشانی کی بات نہیں ہے ہم نے آپ کو بتا دیا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں بس آپ اس پر عمل کرتے رہیں۔"

"ٹیک ہے' ٹھیک ہے بابا ابھی اپن ایک آدمی کو بلاتا پڑا ہے۔ اس سے ملو۔" گلزار بھائی نے کہا۔ اور ایک مشہور اسٹوری رائٹر کا نام پکار لیا گیا۔ فرقان فرقانی اندر داخل ہوئے تو ان کو دیکھ کر سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کہاں سے فرقان ہیں کہاں سے فرقانی۔ قد ساڑھے چار فٹ' گھٹنوں تک لمبی بشرٹ پہنے جس پر دو فلمی اداکاروں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ کالے رنگ کی پتلون پیروں میں اسفنج کی چپل' جسامت کے لحاظ پھیلاؤ کچھ زیادہ بھدے خدوخال' پیشانی مدارد' آنکھوں سے کچھ اوپر بے بی اسٹائل کے کترے ہوئے بال پڑے ہوئے تھے اور سر پر ایک پورا بیابان نظر آ رہا تھا۔ الٹے ہاتھ میں بریف کیس پکڑے سیدھے ہاتھ سے لکھنوی انداز میں سلام کرتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ اتفاق کی بات تھی کہ سب سے پہلی نگاہ سامنے بیٹھی ہوئی شکیلہ پر پڑی۔ بے تکلفی سے اس کے سامنے پڑی ہوئی کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ پہلے بریف کیس میز پر رکھا اور پھر ایک کہنی میز کی سطح پر لٹکا کر اس کی طرف جھکے اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہے' دیکھتے رہے' دیکھتے رہے' دیکھتے رہے' دیکھتے رہے۔ پھر ایک دم پیچھے ہٹ گئے اور اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے تھے۔ سعدی' ظفری اور گلزار بھائی کو انھوں نے ایک دم نظر انداز کر دیا تھا۔

"پیشانی کی چمک۔" فرقان فرقانی کی آواز ابھری۔ "ابرو کا خم' ہونٹوں کی مسکان انداز نشست' تیرے وقار' تیرے عزوجلال کی خبر دے رہا ہے۔ اے حسینہ ہم اہل خرد مستقبل کے دریچوں میں جھانک لیتے ہیں اور پیش گوئی کرتے ہیں کہ شاخ گل پر سجا ہوا یہ آشیانہ فلمی دنیا کی پیشانی کا نور بن جائے گا لیکن اسے فرقان کا پسینہ درکار ہے تو حاضر ہے تیرے لیے سمجھ لے اور فرقان ایک

ایسی کہانی تشکیل دے گا جو آفاقی ہوگی لوگوں پر سحر طاری کر دے گی۔ میں اس سے بڑا اخراج تیرے حسن کو نہیں پیش کر سکتا۔" انھوں نے دو قدم پیچھے ہٹ کر کہا پھر دو قدم آگے بڑھ کر دوبارہ کرسی گھسیٹی۔ شکیلہ اس طرح نیچے جھکی جیسے پاؤں کی جوتی اتار رہی ہو۔ اور فرقان فرقانی بیٹھتے بیٹھتے پھر کھڑے ہو گئے ایک لمحے کے لیے ان کے چہرے پر تردد کے آثار نظر آئے تھے۔ جب شکیلہ اپنا پیر کھجا کر سیدھی ہو گئی تب ان کی جان میں جان آئی اور وہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئے۔

سعدی اور ظفری نے شکیلہ کی یہ حرکت دیکھی تھی اور ان کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی تھی بہر طور انھوں نے اس سلسلے میں کوئی مداخلت نہیں کی۔ معاملہ شکیلہ پر آپڑا تھا تو اب وہی اس فرقان فرقانی سے نمٹ سکتی تھی۔

"کیا لکھتے ہیں آپ؟"

"ایں۔ کیا نہیں لکھتے ہم۔ یہ فرمائیے کیا نہیں لکھتے۔"

"کچھ لکھ کر لائے ہیں؟"

"اوہ۔ شاید تم فرقان فرقانی سے واقف نہیں ہو۔ خوبرو لڑکی۔ فرقانی نے جو بھی کہانی لکھی وہ کبھی ناکام نہیں ہوئی تم بتاؤ شاخ گل کے لیے ہم کیا کریں؟"

"میری مانیں گے؟ شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آہ۔ تمھاری نہ مانیں گے تو اس دنیا میں کس کی مانیں گے۔ کہو۔ بے تکلفی سے کہو جو کچھ کہنا چاہتی ہو کہو۔"

"ذرا یہ بریف کیس اٹھائیے۔" اور فرقان فرقانی نے سامنے رکھا ہوا بریف کیس اٹھا لیا۔

"ذرا کرسی سے اٹھیے۔" فرقان فرقانی کرسی سے اٹھ گئے۔

"اب دروازے تک جائیے۔"

"ایں ہم سمجھ نہیں سکے۔"

"جائیے جائیے پلیز جائیے تو سہی۔" شکیلہ نے لجاجت سے کہا اور فرقان فرقانی

دروازے تک پہنچ گئے۔

"اب دروازہ کھولیے اور باہر نکل جائیے۔"

"ایں ہم سمجھے نہیں۔"

"گیٹ آؤٹ۔" شکیلہ حلق پھاڑ کر دھاڑی اور فرقان فرقانی بے اختیار دروازے سے باہر نکل گئے۔ گلزار بھائی کا قہقہہ چھوٹ گیا تھا۔ سعدی اور ظفری بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکے تھے۔ "گڈ گڈ ویری گڈ۔ پہلا انٹرویو نہایت کامیاب رہا۔" ظفری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ رائٹر تھا یا بھانڈ۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"اوہ۔ ممیں ممیں شکیلہ بی بی۔ آپ نہیں سمجھتا۔ ابھی خدا کا قسم میرے کو معلوم نہیں تھا کہ اپنا پھرکان پھرکانی اتنا پہنچا ہوا پھکڑ ہے۔ امارے کو آج تک نہیں معلوم تھا۔"

"گلزار بھائی فضول باتوں سے پرہیز کیجیے دوسرے رائٹر کو بلائیے۔" شکیلہ نے کہا۔

"ابھی بلاتا پڑا ہے۔ ابھی بلاتا پڑا ہے۔" گلزار بھائی نے فہرست دیکھی اور پھر آواز لگائی۔

"ناجک دلبری۔"

"جی کیا فرمایا آپ نے؟"

"ناجک دلبری کئی پھلم لکھا۔ اچھا رائٹر ہے اچھا رائٹر ہے۔" اور تھوڑی دیر کے بعد نازک دلبری اندر تشریف لے آئے۔ نام ہی سے نازک نظر آتے تھے۔ دیکھنے میں بھی دھان پان سے تھے۔ پورا منہ اگالدان بنا ہوا تھا۔ دانتوں کو چھالیہ سمجھ کر کتر چکے تھے۔ صرف ان کے نشانات باقی رہ گئے تھے جو کتھے کی کتری ہوئی ڈلیاں معلوم ہوتے تھے۔ قدیم دور کے پاجامے اور شیروانی میں ملبوس تھے۔ بغل میں فائل دبی ہوئی تھی اور چال میں بڑی نزاکت اور لچک تھی۔ شرماتے ہوئے اندر آئے اور جھک جھک کر کئی سلام کر ڈالے۔

"اللہ اکبر۔" ظفری نے زوردار آواز میں کہا۔

"وعلیکم سلام وعلیکم سلام حضور۔ وعلیکم سلام۔" وہ دونوں ہاتھ لیے ہوئے مصافحے کے لیے لپکے اور فائل بغل سے نکل کر نیچے گر پڑی۔ مصافحہ بھول کر فائل کی طرف لپکے اور اسے سمیٹنے میں لگ گئے لیکن شیروانی کی جیب سے فاؤنٹین پن نکل کر نیچے گر پڑا تھا۔ سماعت بھی کمزور تھی اور شاید بصارت۔ اس لیے اللہ اکبر کو السلام علیکم سمجھے تھے۔ اس لیے جواب دے کر مصافحے کے لیے دوڑ پڑے تھے۔ بھلا ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں جو سلام کرنے میں پہل کریں۔ بہر حال بمشکل تمام وہ اپنا سامان سمیٹنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس دوران مصافحہ بھول چکے تھے۔ فائل سمیٹتے ہی میز کے نزدیک آ کھڑے ہوئے۔

"تشریف رکھیے۔" ظفری نے کہا۔

"الحمد اللہ دعائیں ہیں آپ کی۔" نازک صاحب نے نزاکت سے کہا۔

"سبحان اللہ میں نے کہا تشریف رکھیے۔" اس بار ظفری نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

شکیلہ پھر مسکرا پڑی تھی۔

"اوہ نوازش نوازش۔" نازک صاحب کرسی پر بیٹھ گئے۔

"ناجک صاحب ذرا اونچا سنتے ہیں۔" گلزار بھائی نے کہا۔

"فرمائیے ناجک صاحب آپ کیا لائے ہیں۔" اس بار سعدی اونچی آواز میں بولا۔

"بندہ پروری ہے آپ کی۔ ورنہ خادم کس لائق ہے۔"

"سنبھالیے گلزار بھائی آپ ہی سنبھالیے۔" ظفری گہری سانس لے کر کرسی پر ٹک گیا اور گلزار بھائی اپنی کرسی کے پیچھے سے نکل کر نازک صاحب کے پاس پہنچ گئے۔

"اے ناجک صاحب کیا مغج پھر گیا ہے تمھارا۔ ارے وہ تمھارا سننے والا آلہ کدھر ہے۔ ادھر کیسے بات کریں گا تم؟" نازک صاحب سوالیہ انداز میں گلزار بھائی کی طرف دیکھ رہے تھے پھر وہ مڑ کر رازدارانہ انداز میں ظفری سے بولے۔

"کیا کہہ رہے ہیں گلزار بھائی؟" اور ظفری قہقہہ ہضم نہ [illegible] وہ بری طرح ہنس پڑا

تھا۔ سعدی اور شکیلہ بھی ہنسنے لگے۔

''آکہ' ساعت کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔'' ظفری نے بمشکل تمام ہنسی روک کر کہا۔

''محبت۔'' نازک صاحب نے مسکرا کر کہا۔ ''حضرت محبت کے بغیر کوئی کہانی مکمل نہیں ہوتی۔ میری کہانی میں محبت کا سمندر موجزن ہے۔ ایک پاکیزہ رومان' وہ کپڑے دھوتی تھی۔ اس نے دنیا کو بہت نیچے رہ کر دیکھا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ گاؤں کا سب سے بڑا زمیندار لاکھوں روپے کی جائیداد کا مالک اس کے قدموں پر قربان کر دے گا لیکن معاشرہ اس دھوبن کو کیسے قبول کر سکتا تھا۔ درجات کی پابندیوں نے دلوں کے اصولوں کو کیسے کچل کیا ہے۔ اندھے سماج کو کیا معلوم کہ دلوں کی دھڑکنیں کیوں ہم آہنگ ہوتی ہیں۔ اس کی نگاہیں دلوں کے اندر کب پہنچتی ہیں۔''

''او ناجک صاحب ناجک' خدا کے واسطے کائے کو مسکری کرتا اے۔'' گلزار بھائی چیخ کر بولے۔

''حسین واقعات پر مشتمل پاکیزہ کہانی محبت کے جذبات سے مزین۔''

''ابے ا تم اٹھو ادھر سے نکل پڑو۔'' گلزار بھائی کی قوت برداشت جواب دے گئی تھی۔ انھوں نے نازک صاحب کا بازو پکڑا اور طاقت لگا کر انھیں کھڑا کر دیا۔ نازک صاحب تعجب سے انھیں دیکھنے لگے تھے۔

''چند ٹکڑے اور ہیں انھیں سنا دوں۔'' انھوں نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

''ارے تم اٹھتا ہے ادھر سے یا تمھیں دھکا مارے۔ خدا قسم اگر تم نے اور پریشان کیا تو ہم تمھارے ٹکڑے کر دیں گا۔'' گلزار بھائی نازک صاحب کو کھینچ کر اٹھاتے ہوئے بولے اور نازک صاحب بمشکل کھڑے ہو گئے۔

''تو حضور خیال رکھیے گا خدا حافظ۔'' انھوں نے پھر مصافحہ کرنے کے لیے لپکنے کی

کوشش کی لیکن گلزار بھائی نے ان کی کمر پکڑ لی تھی۔ اب صورت حال یہ تھی کہ نازک صاحب مصافحہ کرنے کے لیے زور لگا رہے تھے اور گلزار بھائی انھیں باہر نکالنے کے لیے جب دونوں میں کوئی کامیاب نہ ہوا تو نازک صاحب نے خود ہی مسکراتے ہوئے گلزار صاحب کی طرف دیکھا اور شرما کر بولے۔

''بڑے ظریف الطبع ہیں اپنے گلزار بھائی۔''

''اے جر پسھ کا بچہ کائے کو ہماری اجت کے پیچھے پڑ گیا ہے باہر جاؤ خدا کے واسطے باہر جاؤ۔'' بالآخر گلزار بھائی نازک صاحب کو باہر کھینچ کر لے گئے تھے۔ شکیلہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی تھی ظفری اور سعدی بھی بے تحاشہ ہنس رہے تھے۔ اور کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو کم از کم ان دو آدمیوں سے ملاقات نے طبیعت صاف کر دی تھی لیکن باہر گلزار بھائی کسی باقاعدہ مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ کھینچ تان کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شاید نازک صاحب کو اپنی توہین کا احساس ہو گیا تھا۔ پھر دروازہ بڑی زور سے کھلا اور ایک نئی شکل نظر آئی لیکن دوسرے لمحے اسے کسی نے پیچھے سے باہر کھینچ لیا تھا اس کے بعد پھر وہی شکل اندر گھس آئی۔ اس کے پیچھے گلزار بھائی اور مضطرب صاحب دوڑے ہوئے آئے تھے انھوں نے دونوں طرف سے اس نئے آدمی کو پکڑ لیا۔

''میں نے تیرے کو بولا ابھی اندر نہیں آنے دیں گا جبردستی کائے کو کرتا پڑا۔'' گلزار بھائی نے ہانپتے ہوئے کہا۔

''کیا بات ہے گلزار بھائی' کیا بات ہے؟'' سعدی نے پوچھا۔

''حضور میں ایک انقلابی ادیب ہوں' انقلابی کہانیاں لکھتا ہوں اور خود بھی انقلابات کا شکار ہوں۔ سماج کے ٹھیکے دار یہ ظالم سرمایہ دار کسی غریب کو ابھرنے نہیں دیتے۔ میرا داخلہ بند کیا جا رہا ہے جبکہ میں بھی اپنی کہانی آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔'' گلزار بھائی کے بجائے نووارد نے کہا۔

''او بابا میں نے تیرے کو کدھر منع کیا ہے اپنا باری تو آنے دے بھائی۔'' گلزار بھائی

بولے۔

"حق چھیننے سے ملتے ہیں مانگنے سے نہیں۔ میں انتظار نہیں کر سکتا۔ انسان صدیوں سے انتظار کر رہا ہے۔ اور صدیوں تک انتظار کرتا رہے گا کیا انتظار کبھی ختم نہیں ہوگا۔ میری نئی کہانی کا نام انتظار ہے۔"

"چھوڑ دو گلزار بھائی اسے چھوڑ دو۔" ظفری نے کہا اور گلزار بھائی اور مضطرب صاحب نے نووارد کو چھوڑ دیا۔

"شکریہ جناب۔ ذرا غور فرمایئے کیا انوکھا خیال ہے۔ انقلابی حیثیت کے مالک لوگ محلوں اور کوٹھیوں کی بات کرتے ہیں۔ لاکھوں میں کھیلنے والوں کی بات کرتے ہیں۔ ملوں اور فرموں کی بات کرتے ہیں۔ وہ غریبوں کے مسائل سے بالکل ناواقف ہیں انھوں نے پسماندہ بستیوں سے بالکل آنکھیں بند کر لی ہیں۔ میں نے ایک نان بائی کے مسائل پیش کیے ہیں وہ چھبیس سال کا ایک بانکا نوجوان تھا تندور پر روٹیاں پکاتا تھا۔ گرمی میں' سردی میں' برسات میں' بھری دنیا میں تنہا تھا اور پھر اس کی دنیا میں رانو آئی چیتھڑوں میں ملبوس ایک شرمیلی بھکارن اس نے ہاتھ پھیلایا اور نوجوان نے دل نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا وہ بے سدھ ہو گیا۔ اسے دنیا کی خبر نہ رہی اور بھکارن کی جھیل سی جیسی آنکھوں میں ڈوب کر بے گانہ ہو گیا۔"

"کیا آئیڈیا مارا خدا قسم ارے بابا تندور میں جو روٹیاں جلیں گا اس کا پیسہ کون دے گا؟" گلزار بھائی طنزیہ انداز میں بولے اور نووارد نے اداس نگاہوں سے گلزار بھائی کو دیکھا پھر بولا۔

"عشق دیوانہ کسی نقصان کی پروا کب کرتا ہے۔ گلزار بھائی آگے سنو۔"

"ایک منٹ ایک منٹ۔" ظفری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا محترم۔"

"خادم کو ٹھاکر تلواری کہتے ہیں۔"

"خدا کی پناہ' آپ کی زبان بھی تلوار ہی کی مانند چلتی ہے۔"

"سنیے سنیے' کہانی سنیے۔"

"اے بھائی نان بائی نہیں چلیں گا۔" گلزار نے دخل دیا۔

"کیسے نہیں چلے گا۔ تم لوگ پیسے کے اعتبار سے انسان کی حیثیت پر دباؤ نہیں ڈال سکتے۔ عشق ایک انقلابی حقیقت ہے اور انقلاب دبائے نہیں جا سکتے۔ رانو اس کی زندگی بن گئی تھی۔ بھکارن بھوکی تھی وہ پیٹ بھرنا چاہتی تھی اور عشق سے پیٹ نہیں بھرتا۔"

"عزت خدا قسم عزت' ابھی ادھر سارا شاعر ماعر بولتا لوگ کہتا پڑا کہ جب انسان کو عشق ہو جاتا ہے تو کھانا مانا چھوٹ جاتا ہے خیر۔"

"جھوٹ بولتے ہیں بکواس کرتے ہیں' پیٹ ایک آسمانی حقیقت ہے بھوک ہر جذبے کو فنا کر دیتی ہے۔" ٹھاکر تلواری زوردار لہجے میں بولے اور پھر کہنے لگے۔

"اور جب بھکارن نے اسے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا تو۔ تو نان بائی کا دل لرز کر رہ گیا۔ آہ اس کی محبوبہ بھوکی تھی۔ اس کا پیٹ اس کی پیٹھ سے چپکا ہوا تھا۔"

"کٹ کٹ۔ یہ سین سنسر اڑا دے گا۔ سیکس مارتا پڑا! ہے یار فلم ڈبے میں بند کرائیں گے۔" گلزار بھائی چیخے۔

"نہیں کاٹ سکے گا تم کب تک بھوک کو چھپاتے رہو گے ایک نہ ایک دن یہ اس زور سے ابھرے گی کہ انسان انسان کو کھانا شروع کر دے گا بھوک ایک انقلاب۔ انقلاب ایک ازلی بھوک۔" ٹھاکر تلواری نے مکا لہرا کر کہا اور گلزار بھائی نے جلدی سے اپنا منہ پیچھے کر لیا ورنہ ان کا منہ اس مکے کی زد میں تھا۔ دفعتاً ظفری بولا۔

"معاف کیجئے گا تلواری صاحب کیا آپ ناشتہ کر چکے ہیں؟"

"جی۔" تلواری صاحب ایکدم چپ ہو گئے پھر شرما کر بولے۔

"کر لوں گا جی۔"

"گلزار بھائی۔" ظفری نے گلزار بھائی کو مخاطب کیا۔

"جی سرکار۔" گلزار بھائی جلدی سے بولے۔

"آپ ایسا کریں سامنے والے ہوٹل میں لے جا کر تلواری صاحب کو ناشتہ کرا دیں اور باقی لوگوں سے معذرت کر لیں ہم ذرا آپس میں تبادلہ خیال کریں گے۔"

"بہت اچھا صاحب۔" جیسی آپ کی مرجی اور باقی لوگ جو ادھر بیٹھا پڑا بڑا بڑا رائٹر ہے صاحب ابھی آپ ان سے ملیں گا تو طبیعت خوش ہو جائیں گا۔"

"ہماری طبیعت خوش ہو چکی ہے گلزار بھائی بس اتنا ہی کافی ہے آپ لے جائیے۔"

"جو آپ کا حکم۔ گلزار بھائی پانچ ہزار کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ اپنا سارا کروفر بھول گئے تھے اور مالکان کے حکم کو مانتے تھے چنانچہ تلواری صاحب کو لے کر باہر نکل گئے۔

"خدا کی پناہ۔" شکیلہ نے ہنستے ہوئے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ ظفری اور سعدی ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"کیا خیال ہے پیرو مرشد اس ماحول کے بارے میں؟"

"پاگل کر دینے والی حقیقتیں سامنے آ رہی ہیں۔ کیا سچ مچ یہ لوگ اس دنیا سے تعلق رکھتے ہیں سعدی۔" شکیلہ نے پوچھا۔

"ہاں اس دنیا سے فلم انڈسٹری کی دنیا کسی سیارے کی دنیا ہے یہاں عام انسان نہیں ہوتے۔ ان کا ہلکا سا مظاہرہ تو تم نے دیکھ لیا ہوگا ابھی تو ہمیں نہ جانے کیا کیا دیکھنا پڑے۔"

"فلم تو خیر ہم کیا بنائیں گے۔ بس یوں لگتا ہے کہ ہنستے ہنستے پیٹ کے مریض بن جائیں گے۔" شکیلہ نے کہا۔

"ویسے شکیلہ یہ تفریح بری نہیں لگ رہی۔"

"تفریح تو بری نہیں لگ رہی لیکن تفریح کے ساتھ ساتھ کچھ کام کی باتیں بھی ہونی چاہئیں نا۔" شکیلہ نے کہا۔

"ہو جائیں گی بھئی وہ بھی ہو جائیں گی۔ اب جب شاخ گل فلمز قائم کیا ہے تو ان نازک دلبری اور ٹھاکر تلواری جیسے لوگوں سے بھی ملنا ہی پڑے گا ابھی تو بہت سے کردار باقی ہیں ہماری نئی فلم کے سلسلے میں۔"

"تو کیا طے کیا؟"

"دیکھیں گے دیکھیں گے ہم کسی ایسے ادیب کی کہانی لیں گے جو غیر معروف ہو تو ہو لیکن ہوشمند ضرور ہو۔"

"قصور ان لوگوں کا بھی نہیں ہے سعدی لیکن بہر حال یہ اہل قلم ہیں لیکن دولت خرچ کرنے والے دنیا کے سب سے بڑے عقلمند ہوتے ہیں۔ وہی مناسب اور موزوں ہوتا ہے جو وہ سوچتے ہیں ان کے قلم پر انھی کی سوچ مسلط ہوتی ہے یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ خود سوچنے لگتے ہیں کہ ان کا علم ان کا ادب بے کار شئے ہے کار آمد وہی ہے جو سیٹھ ڈھولر بھائی بولتا ہے۔"

"بہر حال کہانی تو مل جائے گی۔ اصل بات تو اس لائن کے لوگوں سے ملاقات تھی۔ واقعی بڑے بڑے تماشے ہوتے ہیں اس زندگی میں۔ ابھی تو اور بھی بہت سے شعبے باقی ہیں ان میں بھی نایاب لوگوں سے ملاقات ہوگی۔ ان لوگوں کا یہ خیال درست تھا کہ کہانی کی تلاش جاری رہی۔ اخبارات میں اشتہارات نکلتے رہے تھوڑے دن بعد انھیں تسلیم کرنا پڑا کہ ان لوگوں سے نمٹنا بڑی جان جوکھم کا کام ہے ہر شخص اپنے فن میں یکتا۔ ہیرو ہیروئن ولن اور نہ جانے کون کون سے ادا کار آ رہے تھے اور دفتر میں اداکاری کے مظاہرے ہوتے اور روز نیا ہنگامہ دیکھنے میں آتا۔

بلاشبہ یہ سارے ہنگامے دل چسپی کا باعث تو تھے لیکن ابھی تک ان میں آمدنی کی کوئی صورت نہیں نکل پائی تھی اور مالکان کا گروہ جو تین افراد پر مشتمل تھا سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہونا چاہیے۔"

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم ان آنے والوں پر کوئی فیس لگا دیں تو ان سے بھی

معقول آمدنی ہو جائے گی لیکن یہ فیس کس شکل میں لگائی جائے۔"

"مجھے اس سے اختلاف ہے۔" سعدی بولا۔

"کیوں؟" ظفری نے سوال کیا۔

"بھئی اس لیے کہ اس طرح یہ ادارہ ان فراڈ اداروں میں شمار ہو جائے گا جو عموماً کھلتے رہتے ہیں اور بند ہو جاتے ہیں۔ مختلف لوگوں سے فلم بنانے کا لالچ دے کر کسی نہ کسی شکل میں کچھ نہ کچھ وصول کرتے ہیں اور اس کے بعد رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ ہماری ساکھ اس طرح بنے گی کہ ہم ان لوگوں سے کچھ نہ لیں۔"

"کچھ نہ لیں تو یہاں بیٹھنے کا فائدہ کیا ہوگا سعدی صاحب۔" ظفری نے سوال کیا۔

"میں سمجھ رہی ہوں سعدی کی بات۔ دراصل سعدی کا کہنا یہ ہے کہ ایسے بہت سے ادارے تو کھلتے ہی رہتے ہیں۔ ہم خود اخبارات میں اشتہارات دیکھ کر ان کی طرف توجہ نہیں دیتے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ کسی کو ہیرو بنا دیں گے کسی کو ہیروئن بنا دیں گے۔ سنہری مستقبل کے غنچے دے کر وہ تھوڑا بہت پیسہ بٹور لیتے ہیں۔ عموماً ایسے اداروں کی طرف رخ نہیں کیا جاتا لیکن چونکہ ہمارے ادارے نے کوئی ایسی شرط نہیں رکھی اس لیے لوگ دھڑا دھڑ آ رہے تھے ممکن ہے کوئی فنانسر بھی اس طرح متوجہ ہو ہی جائے۔ اصل مسئلہ فنانسر کا ہے۔ اگر وہ ہمارے ہاتھ لگ گیا اور کوئی صحیح چیز ہاتھ لگ گئی تو پھر یوں سمجھ لو کہ ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ ورنہ اس سے پہلے ایسے اداروں کی طرف فنانسر متوجہ نہیں ہوتے۔"

"ہوں بات کچھ کچھ سمجھ میں آ رہی ہے۔" پھر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن انتظار طویل انتظار۔"

"دیکھو ظفری انتظار تو کرنا ہی ہے فلم کمپنی کا یہ دفتر کم از کم ہمارے لیے دل چسپی کا باعث ضرور ہے۔ اگر اس سے کچھ بات بنی تو ٹھیک ہے ورنہ کچھ اور سوچیں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے گویا ابھی اپنی جیب سے خرچ کیا جا رہا ہے؟"

"ہاں یوں سمجھو کہ ابھی ہم آرام کر رہے ہیں اور اس آرام کے دوران جو یہ تفریحات ہو رہی ہیں وہ بری نہیں ہیں سب سے بڑا مسئلہ تو مطلق صاحب کا ہے جن کو میں آجکل بڑی مشکل سے ٹال رہی ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی مطلق صاحب کہتے ہیں کہ ان کے لیے بھی اس دفتر میں جگہ بنائی جائے تم اندازہ لگا لو اگر مطلق صاحب یہاں پہنچ گئے تو پھر یہ تفریحات ختم ہو جائیں گی۔"

"ہاں واقعی اس میں کوئی شک نہیں تو پھر کیا طے پایا ہے۔ مطلق صاحب سے؟"

"میں نے یہی کہا ہے کہ ابھی وہ آرام سے بیٹھیں ابھی ان کی ضرورت نہیں ہے ان کے بہت اصرار پر میں نے ان سے کہا کہ کاروبار چلانے کے لیے جو چالیں چل رہے ہیں اس میں اگر وہ موجود ہوئے تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ اس بات پر مطلق صاحب خاموش ہو گئے۔"

"واقعی انھیں تو یہاں سے دور رہنا چاہیے۔ یہاں ان کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔" ظفری نے کہا اور سعدی مسکرانے لگا۔

بہت سے نئے نئے تجربات ہوئے تھے انھیں گلزار صاحب کے بارے میں پتا چلا کہ انھوں نے آج تک کوئی فلم ڈائریکٹ نہیں کی۔ ہاں کچھ ڈائریکٹروں کے ساتھ لگے لگے ضرور پھرتے رہے ہیں اور کوشش کرتے رہے ہیں کہ کم از کم انھیں اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہی مقرر کر لیا جائے لیکن کوئی بھی ڈائریکٹر اس بات پر رضامند نہیں ہوا البتہ ایکسٹرز لائٹ مینوں سے کیمرہ مینوں سے فلم ڈائریکٹروں سے فلم پروڈیوسروں سے فلم فنانسروں سے ان کے کافی تعلقات تھے۔ ہر شخص کے پیچھے لگنے والوں میں سے تھے۔ چرب زبان آدمی تھے اس لیے چل ہی جاتی تھی کہیں نہ کہیں تھوڑی بہت۔

لیکن ابھی تک وہ کسی فلم کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکے تھے۔ بہر طور کم از کم گلزار بھائی کی یہ کوالٹی بھی ان لوگوں کے لیے قابل قبول تھی کہ وہ ہر شخص سے بے تکلفی سے بات ضرور کر لیتے

تھے اور خود کو خواہ مخواہ فلم ڈائریکٹر سمجھا کرتے تھے' اگر گلزار بھائی پانچ ہزار کے عوض کسی فنانسر کو پھانسنے میں کامیاب ہو ہی جاتے ہیں تو پھر کیا برا ہے' سعدی کو یقین تھا کہ وہ ایسی کسی کوشش میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے' چنانچہ وہ انھیں بھی باقاعدہ تربیت دے رہا تھا۔ اور گلزار بھائی آج کل فنانسر کی تلاش میں تھے۔ اس دوران دوسرے بہت سے کردار بھی سامنے آتے رہتے تھے۔

چنانچہ ایک دن اس فلم کے لیے جس کا ابھی کوئی نام نہیں تھا کوئی کہانی نہیں تھی' ہیرو کے رول کا کردار انجام دینے کے لیے چند نوجوانوں کو مدعو کر لیا گیا اور آج ان کے انٹرویو کا دن تھا۔

ہیرو حضرات باہر ہال میں انٹرویو کے لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ فلم انڈسٹری کے نامور ہیرو تو خیر اس طرح انٹرویو میں آنا پسند نہیں کرتے تھے' ان کی دال روٹی خوب چل رہی تھی' ہاں وہ لوگ جو ہیرو بننے کے خواہشمند تھے' آ گئے تھے۔ گلزار بھائی ان سب کو باہر ریسیو کر رہے تھے۔ انھوں نے سعدی وغیرہ سے پورا پورا تعاون کیا تھا اور اس بات پر آمادہ ہو گئے تھے کہ بالکل نئے لوگوں کی ٹیم بنا کر کام شروع کیا جائے۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ تیاریوں میں مصروف تھے۔

مضطرب صاحب ہماری آواز کے منتظر تھے' تھوڑی دیر کے بعد گلزار بھائی اندر آ گئے اور انھوں نے ڈائریکٹر کی سیٹ سنبھال لی۔ پھر انھوں نے گھنٹی بجائی اور مضطرب صاحب نے پہلے ہیرو کو اندر بھیج دیا۔

دروازے سے ایک بانکے چھبیلے نوجوان اندر تشریف لے آئے' بالوں میں خوب تیل چپڑا ہوا تھا' سینہ چھبیس انچ' کمر اٹھارہ انچ' قد ساڑھے پانچ فٹ' گال پچکے ہوئے' دانت پیلے' سرخ رنگ کی بشرٹ اور نیلے رنگ پتلون' چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں جوانی کا خمار زبردستی بھرے ہوئے لچکتے مٹکتے' اندر داخل ہو گئے۔

''خادم کو حسین مہ جبیں کہتے ہیں۔'' انھوں نے اپنا تعارف کرایا۔

''خوب خوب۔ اس سے قبل کسی فلم میں کام کیا ہے؟'' سعدی نے پوچھا۔

''جی،''

''کون سا رول ادا کرتے ہو؟''

''جی وہ بس' پہلی فلم میں' میں بار والا بنا تھا اور پھر اس کے بعد۔۔۔''

''اس کے بعد کیا ہوا؟'' ظفری نے تمسخرانہ لہجے میں پوچھا۔

''پھر چانس نہیں ملا۔ لیکن یہ میرے پاس کچھ تصویریں ہیں' دیکھیے میں نے ان میں اداکاری کے جوہر دکھائے ہیں۔'' انھوں نے جیب سے ایک پیکٹ نکال کر میز پر پٹخ دیا اور تصویریں بکھر گئیں۔ کسی تصویر میں موصوف بوتل ہاتھ میں لیے ناچتے نظر آ رہے ہیں' کسی میں بڑا عشقیہ پوز بنائے ہوئے تھے' کسی میں اپنے ہی جیسے دو چار لوگوں سے نبرد آزما تھے۔

''اٹھایئے انھیں۔'' ظفری کڑک کر بولا۔

''جی وہ ایک بار چانس دے دیجیے۔ پھر اداکاری دیکھیے۔'' وہ جھجکتے ہوئے بولے۔

''تصویریں اٹھاؤ۔'' گلزار بھائی گرجے اور موصوف نے جلدی جلدی تصویریں سمیٹنا شروع کر دیں' پھر وہ انھیں پیکٹ میں بھرتے ہوئے بولے۔

''تو پھر کیا فیصلہ کیا حضور نے۔''

''فیصلہ یہ کیا ہے کہ اگر آپ دو منٹ کے اندر اندر اس عمارت سے باہر نہ نکلے تو اٹھا کر پھکوا دیے جاؤ گے۔'' ظفری کرسی کھسکاتا ہوا بولا۔

''اوہ آپ بہت زندہ دل ہیں مذاق فرما رہے ہیں۔'' لیکن ظفری ان کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''اے جاؤ نا بابا پہلے اپنا کمر سیدھا کر کے آؤ' ٹانگیں ٹیڑھا ہوتا پڑا اور ہیرو بننے کر آیا۔ اے جاؤ نا یار۔'' گلزار بھائی کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔ اور حسین مہ جبیں نے موقع کی نزاکت کا خیال کر لیا۔ اس لیے وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکتے ہوئے بولے۔

''دیکھیے اگر کوئی چانس ہو تو مجھے نہ بھولیے گا۔''

''نہیں بھولیں گے' کبھی نہیں بھولیں گے' جاؤ شاباش جاؤ۔'' ظفری نے کہا اور مہ جبیں باہر نکل گیا۔

"جی گلزار بھائی، دوسرے کو بلایئے۔" گلزار بھائی نے پھر گھنٹی بجا دی۔

اس کے بعد جو شخص آیا وہ قبول صورت ضرور تھا لیکن لباس اس کا بھی ناقابل قبول تھا، اندر آ کر اس نے بڑے پروقار انداز میں کہا۔

"جاوید رحیم شوقین۔"

"ہائے اس جان ناتواں پر تین تین ناموں کا بوجھ۔ کیا آپ ایک نام سے کام نہیں چلا سکتے بھائی صاحب۔" ظفری تمسخرانہ انداز میں بولا۔

"جاوید میرا نام ہے جناب، رحیم بخش باپ کا نام ہے۔ اور شوقین میرا تخلص ہے،" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شاعری بھی کرتے ہیں؟"

"نہیں نہیں بس لوگ مجھے اسی نام سے پکارتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے اداکاری کون سے نام سے کریں گے؟"

"میرے بہت قریبی جاننے والے مجھے مستانہ ماہی کہتے ہیں اگر آپ اجازت دیں گے تو میں یہ نام اختیار کر لوں گا۔"

"صرف ماہی سے کام چلائیں تو آپ کے بارے میں کچھ سوچا جا سکتا ہے۔" ظفری بولا اور شکیلہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"کوشش کروں گا! کوشش کروں گا۔"

"اداکاری آتی ہے آپ کو۔" سعدی نے پوچھا۔ لیکن اس سوال کے نتائج کا اسے کوئی احساس نہیں تھا کیونکہ مستانہ ماہی کی مشینری ایک دم سے خراب ہو گئی۔ ایک جھٹکے سے انھوں نے گھٹنا زمین پر ٹکایا، ایک ہاتھ سینے پر رکھا اور رخ شکیلہ کی طرف کر لیا۔ پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"صنوبر۔ آہ صنوبر، مجھے ان آنکھوں سے نہ دیکھ۔ میں نے جرم محبت کیا ہے، ہاں میں نے پیار کیا ہے۔ اگر تو پیار کو پیار سمجھے تو مجھے پیار کی ہر سزا قبول ہے۔ صنوبر۔ صنوبر تجھے کیا معلوم دیوانی میری راتوں کا سکون برباد ہو گیا ہے، ہر وقت تو ہی نگاہوں کے سامنے رہتی ہے۔ میں مر جاؤں گا صنوبر میں مر جاؤں گا۔" انھوں نے چیخ مار کر کہا اور شکیلہ کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ پھر انھوں نے اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش بھی کی، لیکن دوسرے لمحے سامنے رکھا ہوا پیپر ویٹ ان کے سر پر پڑا تھا۔ چنانچہ جاوید رحیم شوقین گرتے گرتے بچے، انھوں نے دونوں ہاتھوں کا سہارا لے کر اپنے آپ کو روکا تھا۔

"آئی، آئی، آئی ایم سوری میڈم۔ یہ اداکاری تھی۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولے۔

"جایئے چلے جایئے۔" ظفری نے کہا۔

"م۔ میرا خیال ہے مجھ سے کچھ غلطی ہو گئی۔" مستانہ ماہی ہکلائے۔

"جاؤ بیٹا جاؤ، شاباش باہر نکل جاؤ۔ ورنہ پھنکوا دیے جاؤ گے۔" ظفری نے کہا۔

"اوہ، آپ لوگ آج۔ آج میرے فن کی قدر نہیں کر رہے بہت بڑے خسارے میں رہیں گے آپ، ایک دن، ایک دن میں آسمان فلم پہ ستارہ بن کر جگمگاؤں گا، وہ وقت دور نہیں ہے۔" اس نے کہا اور سست قدموں سے باہر نکل گیا۔

"گلزار بھائی۔" ظفری نے تھکے تھکے انداز میں پکارا۔

"جی۔"

"اس سے بھی معقول آدمی کوئی اور ہے؟"

"دو اور بیٹھے ہیں حضور۔"

"تو پھر دونوں کو ایک ساتھ ہی بلا لو۔" ظفری نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ اور گلزار بھائی اس بار خود اٹھ کر باہر نکل گئے۔ پھر وہ باہر بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کو ساتھ لے کر اندر آئے تھے۔ ان میں سے ایک زنانی سی شکل، لیکن اچھے تن و توش کا آدمی تھا، دوسرا اچھی سی شکل کا چھریرے بدن کا نوجوان تھا۔ اسے دیکھ کر یہ لوگ ایک لمحے کے لیے چونک گئے تھے۔ پہلی بار ایک

معقول شکل نظر آئی تھی۔ اس کا لباس بھی سادہ تھا' سفید معمولی پتلون' سفید قمیض چہرے پر بھی سادگی' عمر ستائیس اٹھائیس سال سے زیادہ نہیں ہوگی۔

''تشریف رکھیے۔ سعدی نے دونوں کو اشارہ کیا اور پھر زنانی شکل والے کی جانب متوجہ ہوکر بولا۔ ''آپ کا نام؟''

''دلیر خان۔'' اس نے بھاری لہجے میں جواب دیا۔

''اس سے پہلے کسی فلم میں کام کیا ہے؟''

''نہیں صاحب پر اپن فلموں میں کام کرنے کا بہت شوق رکھتے ہیں۔ اداکاری بھی جانتے ہیں اور جوڈو بھی جانتے ہیں اور مار کٹائی میں تو اپن کا جواب ہی نہیں۔''

''مگر ہماری فلم مار کٹائی والی نہیں ہوگی۔ وہ سوشل فلم ہے۔''

''کوئی بات نہیں' اپن رونے پیٹنے میں بھی ایکسپرٹ ہے جناب۔ اگر آپ بولو تو اپن اداکاری کا جوہر دکھائیں۔'' اس نے کہا۔

''دکھایئے۔ ظفری بولا۔ اور وہ ایک دم کرسی سے کھڑا ہوگیا۔ پھر اس کے چہرے کے زاویے بدل گئے۔ منہ ٹیڑھا ہوگیا اور ڈائیلاگ ادا ہونے لگے۔

''اگر یونہی ٹھکرانا تھا تو میری زندگی میں کیوں آئی تھیں۔ بولو جواب دو۔ میں زندگی کا بوجھ لیے کہاں کہاں پھرتا رہوں۔ خدا کے لیے اپنے ہاتھوں سے مجھے زہر دے دو۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔'' پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ شکیلہ نے بڑی مشکل سے اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھ کر خود ہنسنے سے روکا تھا۔

''دوسرا ایکشن۔'' اس نے اکڑ کر کہا۔ پھر اس کے حلق سے دھاڑ نکلی۔ ''اوئے چھوتے کے بھی پر نکل آئے ہیں ہٹ جا سامنے سے' اوئے دلیر خان کے سامنے آتا ہے تو لوہے کے چنے چبا کر آؤ۔ نہیں جائیں گا' تو یہ لے۔ ہا۔ ہو۔'' اس نے جوڈو کے داؤ دکھانا شروع کر دیے۔ ''ہی ہا ہو۔ ہی ہا ہو۔'' اس نے کرسی پر بیٹھے ہوئے دوسرے نوجوان کی گردن پکڑ لی اور وہ گھبرا کر کھڑا

ہوگیا۔

''سوری ماسٹر' اپن بھڑک بھی لگا سکتا ہے۔ یا۔'' وہ مٹھیاں بھینچ کر کھڑا ہوگیا۔

''بس بس اب تم باہر جاؤ۔ اگر تمھارا سلیکشن ہوگیا تو تمھیں اطلاع دے دی جائے گی۔'' سعدی نے کہا۔

''او کے تھینک یو۔ بس ذرا خیال رکھیے گا اپن کا۔'' اس نے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

''اب آخری آدمی رہ گیا تھا۔ سعدی نے اس آخری آدمی کی طرف دیکھا اور پوچھنے لگا۔'' آپ کا نام؟''

''جی مجھے سلطان کہتے ہیں۔''

''اداکاری کا شوق کب سے ہے آپ کو؟'' ظفری نے پوچھا۔

''پیدائش کے فوراً بعد سے۔ بھوکا تھا' ماں سے دودھ مانگنے کے لیے رونے کی اداکاری کی اور کامیاب رہا۔ اس کے بعد جوں جوں زندگی کی منازل طے کرتا رہا۔ حقیقت پر لبادے پڑتے گئے اور اداکاری آتی گئی۔ کیونکہ اس کے بغیر زندگی نامکمل رہتی ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''تعلیم کتنی ہے؟''

''بی اے ہوں۔''

''کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ ایک کامیاب اداکار بن سکیں گے؟''

''جی نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟''

''کامیاب اداکار ہوتا تو اب تک ملازمت مل گئی ہوتی' میں لوگوں کو اپنی پریشانی' اپنی ضرورت اپنی قابلیت کا یقین دلانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوا۔''

''خوب' پھر فلمی دنیا میں آپ کو کامیابی کا یقین کیوں ہے؟'' ظفری نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یقین نہیں ہے' لیکن کوشش کرنے میں کوئی ہرج بھی نہیں سمجھتا' میں ہیرو بننے کے لیے نہیں آیا۔ بلکہ ایک کہانی لکھی ہے میں نے۔ دراصل ہر شخص کو ادیب بننے کا خبط ہوتا ہے۔ بلکہ ہر شخص جو پڑھنے لکھنے سے ذرا بھی دل چسپی رکھتا ہے' سمجھتا ہے کہ وہ خود بھی کہانیاں لکھ سکتا ہے۔ میں نے بھی ایک کہانی لکھی ہے۔ صرف ایک' میں جانتا ہوں کہ میں دوسری کہانی نہیں لکھ سکتا' کیونکہ اس کہانی کا تعلق میری زندگی سے نہیں ہوگا' لیکن یہ کہانی اگر آپ زحمت فرمائیں تو ممکن ہے آپ کو پسند آجائے۔"

"اول تو آپ ہیرو کے رول کے لیے نہیں آئے؟"

"نہیں۔ اس لیے کہ میں اداکاری نہیں کرسکتا۔ میں اپنی پریشانیوں کا شکار ہوں۔ مسکراتے ہوئے مجھے دکھ ہوگا۔ میں مصنوعی طور پر رو بھی نہیں سکتا' محبوب کا تصور میری زندگی کے کسی گوشے میں نہیں ہے میرا محبوب میری ماں ہے' میرا باپ ہے اور میری چھوٹی بہن ہے۔ میں ان کے لیے کچھ کرنے کا خواہشمند ہوں اور اس وجہ سے جگہ جگہ پھر رہا ہوں۔"

"ٹھیک' کہانی ہے آپ کے پاس؟"

"جی' لایا ہوں!" اس نے کہا اور مسودہ ان لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔

"لیکن سلطان صاحب آپ ہمیں یہ مسودہ پڑھنے کا موقع تو دیں گے؟"

"یقیناً' جب آپ فرمائیں گے حاضر ہوجاؤں گا اور اگر آپ کو یاد نہ آؤں تو شکایت نہیں کروں گا کیونکہ اس مسودے کی بہت سی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں میں نے کرالی ہیں۔"

"گڈ گڈ۔ ہم آپ کا بہت زیادہ وقت نہیں لیں گے' آج سے تیسرے دن آپ تشریف لے آیئے جو بھی صورت حال ہوگی ہم بتا دیں گے۔"

"خدا حافظ۔" اس نے کہا اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

شکیلہ' ظفری اور سعدی اس سے متاثر نظر آرہے تھے۔ "رکھا جاسکتا ہے اس شخص کو کسی نہ کسی شکل میں' لیکن ابھی نہیں' بہتر یہ ہے کہ ہم اس کی کہانی کا جائزہ لے لیں۔"

"تو پھر آج کے ہیرو تو ختم ہوگئے' پہلے کہانی پڑھ لی جائے۔" ظفری بولا اور یہ لوگ اس بات پر متفق ہوگئے۔ کہانی واقعی حیرت انگیز طور پر اچھی تھی۔ ایک ایسے گھرانے کی کہانی تھی جو مصائب کا شکار تھا' بڑی ہی خوبصورت بندشوں کے ساتھ یہ کہانی آگے بڑھتی تھی۔ محبوبہ کا ذکر بھی تھا اس میں' یعنی ہیروئن کا موقع بھی نکل آیا تھا۔ لیکن حقیقت سے اس قدر قریب کہ ان واقعات کو جھٹلایا نہیں جاسکتا تھا۔ تینوں کو یہ کہانی بے حد پسند آئی تھی۔ چنانچہ طے یہ کیا گیا کہ کہانی خرید لی جائے۔

سلطان تیسرے دن حسب وعدہ آیا تو اس سے کہانی کا سودا کیا گیا۔ "کیا واقعی وہ آپ کو پسند آئی ہے؟"

"ہاں اچھی کہانی ہے۔ کیا معاوضہ ہوگا اس کا۔"

"میرے چھوٹے سے مکان کا چھ ماہ کا کرایہ۔ دکاندار کے آٹھ سو چالیس روپے۔ ایک جوڑی جوتے اور پانچ سو روپے نقد۔ کیا خیال ہے۔ زیادہ تو نہیں۔"

"کیا ٹوٹل بنا؟" ظفری نے پوچھا۔

"دو سو روپے ماہوار کرائے سے بارہ سو روپے آٹھ سو چالیس دکاندار کے' دو ہزار چالیس' ایک سو بیس روپے کا جوتا' دو ہزار دو سو ساٹھ روپے اور پانچ سو نقد کل دو ہزار سات سو ساٹھ روپے بنتے ہیں۔"

"یہ پانچ ہزار روپے قبول فرمایئے۔ اس کے علاوہ آپ ملازمت تلاش کرتے رہیں۔ ہفتے میں ایک دن کوئی بھی وقت ہمیں دے دیا کریں اگر کہانی میں کوئی ردوبدل کرنے کی ضرورت پیش آئی تو آپ کو زحمت کرنی ہوگی۔ ہر ہفتے دو سو روپے آپ کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے۔" سعدی نے کہا۔

سلطان کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ اس نے آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہر انسان پر ایک وقت ایسا ضرور آجاتا ہے۔ جب وہ تقدیر سے مایوس ہو کر انسانوں کے سہارے قبول کرنے لگتا ہے۔ آپ کی اس عنایت کو میں یاد رکھوں گا۔ خدا حافظ۔ وہ باہر نکل

گیا۔ اس کے جانے کے بعد کافی دیر تک تکدر کا شکار رہے تھے۔"

کہانی گلزار بھائی کو سنائی گئی تو وہ دیر تک خاموش بیٹھے رہے تھے۔

"کیوں گلزار بھائی کیا بات ہے؟"

"صاحب کہانی تو بڑھیا ہے پن۔ پبلک ٹیسٹ نہیں بنتا۔"

"پبلک ٹیسٹ آپ نے خراب کیا ہے گلزار بھائی۔ بے ہودہ اور لچر فلمیں دکھا دکھا کر آپ نے ایک بڑے طبقے کی فلم سے دلچسپی کھو دی ہے۔ چند گھٹیا لوگوں کے ٹیسٹ کو آپ پبلک ٹیسٹ کیوں کہتے ہیں؟"

"اس لیے مائی باپ کو انھی گھٹیا لوگوں کا رش ہوتا ہے سینما پر۔ بڑھیا لوگ تو ڈسکو ہال، کلب اور ہوٹلوں میں نظر آتے ہیں پن ٹھیک ہے آپ کو پسند ہے کہانی تو ہمیں بھی پسند ہے۔"

"بس تو اب آپ فنانسر کی تلاش شروع کر دیں۔"

"کوشش کرتا ہے صاحب۔ اللہ مالک ہے۔" گلزار بھائی نے کہا۔ گلزار بھائی کی کوششیں رنگ لائیں نہ جانے کس طرح انھوں نے ایک فنانسر کو پھانس لیا۔

سیٹھ ربڑی والا کا نام کئی فلموں کے سلسلے میں سنا ہوا تھا۔ وہ انھیں وقت دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ لیکن یہ وقت ان کے دفتر میں نہیں تھا۔ بلکہ ایک فلم کی شوٹنگ ہونے والی تھی۔ سیٹھ ربڑی والا نے انھیں وہاں وقت دیا تھا۔ بہر حال انھوں نے اس میں حرج نہیں سمجھا تھا۔

چنانچہ مقررہ دن وہ لوگ تیار ہو کر چل پڑے۔ شکیلہ آسمانی رنگ کی ساڑھی میں بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔

"یار سعدی، شکیلہ کی حفاظت کا معقول بندوبست کرنا ضروری ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس آسمانی رنگ میں وہ آسمان سے ہی اتری ہوئی معلوم ہو رہی ہے اور تم نے اب تک دیکھا ہے کہ تان یہیں ٹوٹتی ہے۔"

"گدھے ہو تم ظفری۔ فنانسر کو آج اس فلم میں پیسہ لگانے کے لیے مجبور ہی کرنا ہے اور تم جانتے ہو کہ میں اس کام میں ماہر ہوں۔"

"آہ نہیں۔ ہم اس طرح اپنی عزت نیلام نہیں کر سکتے!" ظفری نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"بکواس کی تو تھپڑ مار دوں گی۔ خاموش رہو۔" شکیلہ نے کہا اور سعدی مسکرانے لگا۔

شوٹنگ پوائنٹ بے حد خوبصورت تھا۔ چاروں طرف شامیانے لگے ہوئے تھے۔ رنگین چہرے اور رنگین لباس ہر طرف جگمگا رہے تھے۔ مہمانوں کی نشستوں کا الگ بندوبست کیا گیا تھا۔ گلزار بھائی نے بہت سے لوگوں سے ان کی ملاقات کرائی۔ شاخ گل فلمز کے اشتہارات کافی نگاہوں سے گزر چکے تھے۔ چنانچہ ذرا سی دیر میں مجمع جمع ہو گیا۔ ہیرو، ہیروئنیں اور ایکسٹرا لڑکیاں ان کے گرد چکرانے لگیں ان کے انداز میں بڑی اپنائیت تھی۔

"اللہ اکبر سعدی، اور کچھ ہو یا نہ ہو لیکن پذیرائی۔ یہ جان نثاری بڑی قیمتی ہے۔"

"گدھے مت بن جانا۔ یہاں چاروں طرف سنہرے جال بکھرے ہوئے ہیں قلعی کھلنے میں دیر نہیں لگے گی۔" سعدی آہستہ سے بولا۔

"اوہو یہ گلزار بھائی کو دیکھو۔ جوانی کی یادیں تازہ کر رہے ہیں شاید۔ آؤ ذرا قریب سے سنیں۔" ظفری نے کہا۔ گلزار بھائی ایک ادھیڑ عمر خاتون پر نثار ہو رہے تھے۔

"ظفری، شکیلہ کو دیکھو۔" اور ظفری کی نگاہ بھی اس طرح اٹھ گئی۔ شکیلہ کا انداز نہایت خطرناک تھا۔ وہ ایک گنبد نما شخص کے پاس بیٹھی ہوئی تھی جو تھری پیس سوٹ میں ملبوس ایک عجیب شے نظر آ رہا تھا۔ وہ بار بار قہقہے لگا رہا تھا۔

"یا خدا۔ یہ کیا ہوا؟"

"ایک منٹ۔" سعدی نے کہا اور پھر گلزار بھائی کو آواز دی۔ گلزار بھائی جلدی سے ان کے پاس آ گئے تھے۔

"سیٹھ ربڑی والا کون سے ہیں؟" سعدی نے پوچھا۔

"ایں۔" گلزار بھائی ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ پھر انھوں نے تھری پیسو گنبد کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "وہ کیا بیٹھا پڑا ہے۔"

"ہوں۔" سعدی نے گہری سانس لی۔ پھر آہستہ سے ظفری سے بولا۔ "ظفری پیرو مرشد نے میدان مار لیا۔" ظفری گردن ہلانے لگا تھا۔

"اور تم کیا کر رہے ہو گلزار بھائی؟"

"اپن بھی پورپھٹ کرتا ہے جفری بھائی۔ ابھی اسے دیکھو یہ نینی کا ماں ہے۔"

"نینی کون ہے؟"

"ابھی بھوت بڑا ہیروئن ہے۔ اسے پھلم میں لوسب پھٹ۔ ابھی تم گلجار بھائی کا آلاٹ دیکھو۔ اجازت دو میرے کو۔" گلزار بھائی آگے بڑھ گئے۔ سعدی اور ظفری اس عجیب و غریب ماحول کو دیکھتے رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد شکیلہ نے اشارے سے انھیں پاس بلایا اور یہ دونوں آگے بڑھ گئے۔

"ارے سعدی ظفری ان سے ملو۔ یہ سیٹھ ربڑی والا ہیں۔ ہماری فلم کے فنانسر۔ اتنے دل چسپ آدمی ہیں کہ کیا بتاؤں۔ ہنساتے ہنساتے پیٹ میں بل ڈال دیے ہیں۔"

"ابھی ان لوگ کو بھی ہنسائیں گا۔ بیٹھو پاپے بیٹھو۔"

"پاپے۔" ظفری نے سعدی کو دیکھا اور سعدی نے آنکھیں نکالیں۔ دونوں بیٹھ گئے تھے۔

"سیٹھ صاحب ہماری فلم فنانس کریں یا نہ کریں لیکن ہمیں ایک ایسا دلچسپ دوست مل گیا کہ بس جواب نہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"اے تم بھی تو میرے کو مل گیا۔ پھلم کیسے نہیں پھائنس ہوئیں گا۔ ابھی کل میں تمھارے آفس آئیں گا کیوں پپو؟" انھوں نے شکیلہ کو دیکھا۔

"مہربانی ہے آپ کی۔" شکیلہ نے تھوک نگل کر کہا۔ لیکن اس پپو پر ظفری کو مزہ ہی آ گیا تھا۔ واپسی پر اس نے شکیلہ کو پپو کہہ کہہ کر رلا دیا۔ وہ جھلا کر بولی۔

"اب اگر بکواس کی تو سر پھاڑ دوں گی ہاں۔ خود تو مرے ہوئے چوہے کی طرح منہ لٹکائے پھرتے رہے۔ میں نے کام کیا تو اب مذاق اڑا رہے ہو وہ رہانسے انداز میں بولی۔

"اور ظفری سنبھل گیا۔ دوسرے دن گیارہ بجے سیٹھ ربڑی والا دفتر میں موجود تھے۔ گلزار بھائی ان کے قدموں میں بچھے جا رہے تھے۔

"ایک لطیفہ سنو۔" ربڑی والا نے شکیلہ سے کہا۔

"جی ضرور ضرور۔" شکیلہ بولی۔

"اے نسے میں فنٹی لگائے ایک للو گلی میں پڑیلہ۔ اسے اپنا گھر بھی نہیں مالوم تھا۔ ایک آدمی بولا۔ "اے بابا کائے کو ادھر پڑیلہ؟ للو بولا۔ "جا بابا اپنا کام کر۔ اور سارا گھر گھومتا پڑا۔ جب اپن کا گھر سامنے آئیں گا اپنا گھس جائیں گا۔" ربڑی والا نے گھن گرج قہقہہ لگایا اور وہ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہے۔ لیکن شکیلہ بے اختیار ہنس پڑی۔ وہ بری طرح ہنس رہی تھی۔ وہ ہنس رہ ہی کافی تھا۔ دوسرے ہنسیں یا نہ ہنسیں۔ ربڑی والا نے کئی لطیفے سنائے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آئے تھے سوائے شکیلہ کے۔ بڑی مشکل سے انھیں مطلب پر لایا گیا۔

"آپ کے پاس وقت ہوگا سیٹھ صاحب۔ ہم اپنی فلم کی کہانی آپ کو سنانا چاہتے ہیں۔"

"اے میڈم سکیلہ اس کی جرورت نہیں ہے۔ اپن تمھارے کو بول دیا۔ تمھارا پھلم بنے گا جرور بنیں گا۔"

"بہت بہت شکریہ سیٹھ صاحب۔ لیکن کہانی، دراصل ہم آپ کے تجربے سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔" سعدی بولا۔

"سناؤ پاپے سناؤ۔"

"ہیرو ایک درمیانے طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ امیر نہ غریب وہ وکالت کا امتحان

پاس کرتا ہے۔اور ایک ایماندار وکیل کی حیثیت سے ایسے کیس لینا چاہتا ہے۔ جو غلط نہ ہوں۔تب اس کے پاس زمانے کا ستایا ہوا ایک شخص آتا ہے۔ یہ ایک بیٹی کا باپ ہے۔ایک غریب سے محلے میں رہتا ہے۔ایک بدمعاش نے اس کی زندگی تلخ کر رکھی ہے اور ہیروئن کا باپ چاہتا ہے کہ اس کی بیٹی کی عزت کے ساتھ اس کے گھر سے رخصت ہو جائے۔اس بدمعاش کے سلسلے میں وہ قانونی تحفظ چاہتا ہے لیکن کوئی ایسا قانون نہیں ہے جو جرم ثابت ہونے سے قبل مظلوم کی فریاد سنے۔وکیل کے لیے یہ ایک مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔وہ قانون سے سوال کرتا ہے۔"

"کیا کرتا ہے؟" سیٹھ صاحب نے پوچھا۔

"سوال۔"

"اے کیا بولتا بابا۔اس کو سوال کرنے کا کیا جرورت ہے۔ابھی وہ جوڈو کراٹے ماسٹر ہے۔وہ بدمعاش کے پاس جاتا ہے اور بولتا ہے۔اوئے لفنگے۔او تیری موت آئی ہے میرے ہاتھوں اور پھر وہ غنڈے کا پٹائی کرتا ہے۔ہیروئن اسے دیکھتا ہے اس پر مرمٹتا ہے۔اور غنڈہ بولتا ہے اپن تیرے کو دیکھیں گا۔"

"یہ کیسے ممکن ہے سیٹھ صاحب۔ہیرو صرف وکیل ہے۔جوڈو فائٹر نہیں ہے۔" سعدی نے کہا۔

"کوئی وکیل مکمں ہے۔یار۔ابھی جوڈو کراٹے سب جانتا پڑا ہے۔گاؤں کا دیہاتی ہے۔شہر میں جوڈو لڑتا پڑا ہے۔ساری جندگی ہل چلایا مگر لڑائی کے ٹیم وہ سب کر لیتا پڑا۔ابھی اس میں جوڈو ڈالو۔چلنے کو منگتا ہے۔"

"کہانی میں تبدیلی کرانی پڑے گی۔ڈانس کدر ہے؟"

"ڈانس کی کیا ضرورت ہے سیٹھ صاحب؟"

"پھلم ڈبے میں بند کریں گا کیا بابا۔دو سیکسی ڈانس جرور ڈالو اس میں۔"

"مگر اس کی گنجائش؟"

"نکل آئے گی میرے سے پوچھو۔ہیرو کو غنڈہ کلب میں بلاتا ہے ادھر ہیرو گانا گاتا ہے اور کلب ڈانسر ڈانس مارتا ہے پھر غنڈہ بولتا ہے کہ اب بولو بولتا پڑا۔"

"مگر غنڈہ کلب نہیں جاتا۔"

"کیوں؟"

"وہ ایک گھٹیا سا آدمی ہے۔"

"کٹ کٹ۔وہ اس کلب کا مالک ہے۔"

"واہ مگر سیٹھ صاحب۔"

"اے بابا تجربہ تیرے کو ہے یا میرے کو۔ابھی تیرا رائٹر کون ہے؟"

"سلطان محمود۔"

"ابھی کیا بولتا یار۔پھر کان پھر کافی سے کہانی ٹھیک کراؤ۔وہ سب فٹ کر دیں گا۔"

ظفری کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آئے تھے۔لیکن شکیلہ نے اس کا شانہ دبا کر اسے خاموش کر دیا۔

"ٹھیک ہے سیٹھ صاحب ہم آپ کی ہدایت کے مطابق کام کریں گے۔آپ اپنی زیر نگرانی ہمیں ہدایات دیں۔"

"میں پھر کان کو بول دیں گا' اسے سمجھا دیں گا۔"

"آپ خود بھی اس کے ساتھ ہوں گے سیٹھ صاحب۔" شکیلہ نے ناز سے کہا۔اور سیٹھ صاحب پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

"ابی کائے کو نئیں ہوئیں گا۔اپن تو روج ادھر ہوئیں گا۔ابھی کل معاہدہ سائن کر لو۔ چیک دے دیں گا پھلم اسٹارٹ کرو۔"

"تھوڑی دیر کے بعد سیٹھ صاحب رخصت ہو گئے۔شکیلہ انھیں باہر تک چھوڑنے گئی تھی۔واپس آئی تو سعدی اور ظفری سر پکڑے بیٹھے تھے۔

"کیا ہو گیا تم لوگوں کو؟"

"شکیلہ کیا ہم یہ کاروبار کر سکتے ہیں؟"

"پہلے نہیں سوچا تھا؟"

"اس حد تک تو نہیں سوچا تھا۔" سعدی اداس لہجے میں بولا۔

"غلطی تھی تمھاری۔ فلم انڈسٹری کی زبوں حالی سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکے۔ پردہ سکرین پر ہٹ فلمیں دیکھ کر بھی تمھیں کوئی اندازہ نہیں ہوا۔ سیٹھ صاحب واقعی تجربے کار ہیں۔ ہیروئن پچاس غنڈوں میں گھر کر جنگ کرتی ہے۔ جمناسٹک کی عالمی چیمپئن ہوتی ہے۔ مجرا گاتی ہے۔ اور غنڈوں کو مار کر صاف نکل جاتی ہے۔ ہیرو دیہاتی ہوتا ہے لیکن ہیلی کاپٹر پائلٹ کر لیتا ہے اور عین وقت پر کہیں سے نمودار ہوتا ہے۔ یہی فلمیں ہیں سعدی اور اگر فلم بنانی ہے تو یہی بنانی پڑے گی۔"

"اور وہ خوبصورت کہانی؟"

"فرقان فرقانی بہ آسانی اسے بدصورت بنا دے گا۔"

"سلطان کو کیا عذر دکھائیں گے؟"

"سنو سعدی۔ تم نے کہانی خرید لی۔ سلطان کو دس ہزار روپے اور دے دو اور اس سے بات کر لو کہانی اس کے نام سے نہیں آئے گی۔ پھر فرقانی کو کرنے دو جو کچھ وہ کرتا ہے۔"

"آہ یہ بہت مشکل ہے۔"

"تو پھر کل سے دفتر بند کرو۔"

"کوئی اور ترکیب نہیں؟"

"ہرگز نہیں۔" شکیلہ نے جواب دیا اور وہ لوگ گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگے۔

دوسری شام سلطان حسب وعدہ آ گیا۔ اس سے گفتگو کرنے کی ذمہ داری بھی شکیلہ کو سونپی گئی تھی۔

"سلطان صاحب آپ اس کہانی سے کوئی جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں؟"

"ہاں۔ اس نے میرے بہت سے مسائل حل کیے ہیں۔ اس نے میری عزت بچائی ہے۔" سلطان نے جواب دیا۔

"اگر اس میں کوئی عامیانہ ردوبدل کی جائے تو؟"

"اب یہ آپ کی ملکیت ہے۔"

"آپ کو دکھ نہ ہوگا؟"

"دوا کڑوی ہوتی ہے شکیلہ صاحبہ۔"

"یہ آپ کے نام سے بھی نہیں آئے گی۔"

"میں عرض کر چکا ہوں کہ میں کوئی دوسری کہانی نہیں لکھوں گا۔ بس یہ ایک ہی کہانی تھی میرے ذہن میں۔"

"تو پھر یہ دس ہزار روپے قبول فرمائیے۔ کہانی کا معاوضہ پانچ ہزار روپے اور اس کے ساتھ جو زیادتی ہوگی اس کی قیمت یہ دس ہزار روپے۔"

"اوہ نہیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ مجھ پر بہت مہربانیاں کر رہے ہیں۔"

"اپنی جیب سے نہیں دے رہے سلطان صاحب۔ جو کچھ بنتا ہے وہ آپ سے برداشت نہیں ہوگا۔ اس کے لیے آپ کو طاقت کی دواؤں کی ضرورت ہوگی۔ پلیز رکھ لیجیے۔"

سیٹھ صاحب دن میں چکر لگا چکے تھے۔ دوسرے دن انھوں نے پانچ لاکھ روپے کا چیک دے دیا۔ اور ساتھ میں فرقان صاحب کو لے آئے۔ فرقانی صاحب نے ظرف سے کام لیا اور پچھلی ملاقات کا تذکرہ نہیں کیا۔ ایک بار پھر کہانی دہرائی گئی اور یہ لوگ مشوروں میں شریک ہو گئے۔

"ابی پھر کانی ڈانس کتنے آئے؟"

"تین سرکار۔"

"پھائٹ؟"

''چار۔''

''کا پھی ہیں لاسٹ پھائٹ کا کوئی جبردست آئیڈیا مارو۔''

''میرے ذہن میں آئیڈیا ہے سیٹھ صاحب۔'' فرقانی صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو بولو نی یار' کائے کو سسپنس مارتا پڑا ہے۔ بولو کیا آئیڈیا ہے؟''

''سیٹھ صاحب حالات حد سے بگڑ چکے ہیں۔ ہیرو جو وکیل تھا اور سچائی کا پیامبر تھا بالآخر یہ تسلیم کرلیتا ہے کہ سچائی کی اس دنیا میں کوئی حقیقت نہیں تھی' وہ جرائم کے راستوں پر نکل جاتا ہے۔ اپنی حسین مہ جبیں کو بچانے کے لیے وہ بالآخر اپنی زندگی کا آخری داؤ لگا دیتا ہے۔ ذہین آدمی ہے' تعلیم یافتہ بھی ہے' چنانچہ وہ ایک ہیلی کاپٹر میں دشمنوں کے اڈے پر پہنچ جاتا ہے۔''

دشمنوں کا یہ اڈہ بہت مضبوط ہے۔ پتھروں کی مضبوط دیواروں سے زیر زمین ایک عظیم الشان تجربے گاہ بنائی جاتی ہے۔ یہ تجربے گاہ سمندر کے کنارے ہے' سمندر میں ایک جہاز ہے جو صرف خالی پڑا رہتا ہے' کوئی نہیں جانتا کہ اس جہاز کا مالک کون ہے' بس کبھی اس جہاز پر کچھ پر اسرار لوگ نظر آتے ہیں' لیکن در حقیقت یہ جہاز ولن کا ہے۔ ولن نے اس جہاز پر عیاشی کا بہت بڑا اڈا بنا رکھا ہے۔ یہ آخری لمحات ہیں اور جہاز پر ایک رقاصہ رقص کر رہی ہے۔ ولن نشے میں مست ہے کہ ہیرو ہیلی کاپٹر لے کر اس کے اڈے پر پہنچ جاتا ہے۔ اس نے ہیلی کاپٹر میں ایک ایسی گن فٹ کی ہے جس سے ٹینک کے گولے نکلتے ہیں' بمباری کا آئیڈیا تو بہت پرانا ہے سیٹھ صاحب اور پھر ہیلی کاپٹر سے بم پھینکنے کا مسئلہ بھی بہت ٹیڑھا ہے' لیکن وہ اپنی گن کا رخ ہیڈ کوارٹر کی طرف کرتا ہے اور ہیڈ کوارٹر کی عمارت کے پرخچے اڑا دیتا ہے۔ لیکن ابھی زیادہ دیر نہیں گزری کہ ولن کو پتا چل جاتا ہے کہ ہیرو ہیلی کاپٹر سے اس کا ہیڈ کوارٹر تباہ کر چکا ہے۔ چنانچہ وہ غصے میں بپھر کر رقص بند کرا دیتا ہے۔ اور پھر خود جہاز پر کمانڈ کرنے آجاتا ہے۔ جہاز کا ماحول ایک دم چینج ہو جاتا ہے۔''

رقص و سرور کی محفل تو ختم ہو جاتی ہے' لیکن یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ جہاز زبردست قسم کا جنگی جہاز بھی بنایا گیا ہے۔ مختلف جگھوں سے اینٹی ایئر کرافٹ گنیں نکل آتی ہیں اور ہیرو کے

ہیلی کاپٹر پر فائرنگ شروع ہو جاتی ہے' ہیرو ہیلی کاپٹر بچاتا ہے لیکن بالآخر ہیرو کے ہیلی کاپٹر میں آگ لگ جاتی ہے اور ہیرو زمین پر کود آتا ہے۔

دوسری طرف ولن اپنے اڈے کو دیکھنے کے لیے بھاگتا ہے اور جب وہ اپنے تباہ شدہ اڈے پر آنسو بہا رہا ہوتا ہے اسی وقت ہیرو اس کے سر پر پہنچ جاتا ہے اور پھر سیٹھ صاحب ولن کو موت بھی اسی طرح ہوتی ہے کہ ہیرو اس کے بدن پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دیتا ہے۔ اب ولن بری طرح ادھر سے ادھر بھاگ رہا ہے' اس کا بدن کسی مشعل کی طرح جل رہا ہے اور ہیرو قہقہے لگا رہا ہے' آخری قہقہہ لگاتے ہی ہیروئن اس کے پاس پہنچ جاتی ہے اور دونوں گلے مل جاتے ہیں۔''

سیٹھ صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں' منہ کھلا ہوا تھا۔ پھر وہ اٹھے اور انھوں نے فرقان فرقانی کو سینے سے لگا لیا۔

''ونڈر پھل' ونڈر پھل' دیکھا جھمری بھائی' دیکھا سادی بھائی یہ ہے اپنا پھرکان پھرکانی' جو بھی آئیڈیا سوچتا ہے لاجواب سوچتا ہے۔ طے۔ طے تمھارا بات مان لیا اور پھرکان پھرکانی۔ یہ لو سو روپے کا نوٹ' یہ تمھارا انعام ہے۔''

''سیٹھ صاحب کی نوازش ہے' فرقان کی یہی خواہش ہے کہ فلم انڈسٹری میں تباہی مچا دے۔''

''وہ تو آپ مچا چکے ہیں فرقان صاحب۔'' ظفری نے بے چارگی سے کہا۔ اور فرقان صاحب اس کے الفاظ کا غلط مطلب نکال کر اسے آداب کرنے لگے۔ بہرصورت آخری سین بھی طے ہو گیا۔ اب ہیرو ہیروئن کاسٹ کرنا تھا۔

گلزار بھائی نے جو ایک مظلوم ڈائریکٹر تھے ہیروئن کی حیثیت سے نینی کا نام پیش کیا۔ جو تسلیم کرلیا گیا۔ ہیرو بھی ایک معروف ہیرو تھا۔ مجال تھی اس کی جو ربڑی والا کی فلم میں کام نہ کرے۔

چنانچہ کاغذی تیاری آخری مراحل میں داخل ہو گئی۔ پانچ لاکھ مل چکے تھے۔ ہیرو اور

ہیروئن کو ایڈوانس دے دیا گیا۔ شکیلہ کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا نہ جانے اس نے سیٹھ صاحب کو کس طرح شیشے میں اتارا تھا۔ بہرحال وہ ایک مضبوط کردار کی لڑکی تھی۔ اس لیے کوئی گھٹیا بات اس کے بارے میں نہیں سوچی جاسکتی تھی۔

پھر فلم کی صورت ہوگئی۔ اس دن سیٹھ صاحب نے مزید دو لاکھ روپے کا چیک دوسرے معاملات کے لیے دے دیا تھا۔ ہیروئن نینی اب اکثر ان کے دفتر آتی رہتی تھی۔ اور پھر دفتر میں ہی ایک نئے کردار سے ملاقات ہوئی۔ یہ ایک نوجوان اور اسمارٹ لڑکا تھا۔

''میرا نام کریم بھائی ربڑی والا ہے۔''

''سیٹھ ربڑی والا سے آپ کا کیا تعلق ہے؟''

''بیٹا ہوں ان کا۔''

''اوہ۔ تب تو آپ ہمارے فنانسر ہوئے۔''

''میں آپ لوگوں سے ایک کام لینا چاہتا ہوں۔''

''فرمائیے۔''

''یہ فلم آپ میری نگرانی میں بنائیں۔ میں آپ کی ہر طرح کی مالی مدد کرسکتا ہوں۔ بس آپ لوگ میرے باپ سے درخواست کریں کہ وہ مجھے اس فلم کی نگرانی سونپ دیں۔''

''مگر آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟''

''یہ آپ کو بعد میں بتادوں گا۔ لیکن یہ بھی سوچ لیجیے کہ اگر آپ نے میری مدد نہیں کی تو یہ فلم کبھی نہیں بن سکے گی۔''

''کوئی حرج نہیں ہے۔ سیٹھ صاحب سے اجازت لے لی جائے گی۔'' شکیلہ نے کہا۔

شکیلہ کی بات کو سیٹھ صاحب نہیں ٹال سکتے تھے۔ چنانچہ کریم بھائی ربڑی والا نے یہ نگرانی سنبھال لی اور انھیں بہت جلد یہ معلوم ہوگیا کہ کریم بھائی نے اس فلم کی نگرانی کیوں سنبھالی ہے کریم بھائی کا نینی سے معاشقہ چل رہا تھا لیکن نینی کی گھاگ ماں ہر وقت اس کے پیچھے لگی رہتی تھی۔ کیونکہ یہاں

کے بارے میں اسے اطمینان تھا اس لیے نینی یہاں تنہا آجاتی تھی۔

''اب صورت حال بالکل مختلف ہوگئی۔ نینی اس فلم میں بڑی محنت سے کام کررہی تھی۔ تمام اخراجات کے بعد ابھی تک ان لوگوں کا بینک بیلنس آٹھ لاکھ روپے بن چکا تھا۔ اور وہ مطمئن تھے کہ برا نہیں رہا لیکن انھیں سکون نہیں تھا۔

''یہ کریم بھائی کیا کررہا ہے؟'' ایک دن شکیلہ نے کہا۔

''عشق۔''

''اور ربڑی والا کو معلوم ہوگیا تو؟''

''ہمارا کیا جاتا ہے۔ باپ بیٹے نمٹ لیں گے۔'' ظفری بولا۔

''لیکن ظفری اچھا نہیں لگ رہا یہ سب کچھ۔ یوں لگتا ہے جیسے ہم فلم نہیں بنا رہے بلکہ۔۔۔۔۔''

''میں سمجھ رہا ہوں سعدی۔ یہ ہماری پہلی اور آخری فلم ہوگی جو بن نہ سکے گی۔ اس کے بعد ہم یہ ادارہ بند کردیں گے۔''

''کیا مطلب؟''

''انتظار کرو۔'' ظفری نے پراسرار انداز میں کہا۔

''کوئی خاص بات ہے؟'' سعدی بولا۔

''ہاں بہت خاص بات۔''

''آخر بتاؤ تو سہی۔''

''ابھی نہیں سعدی۔ لطف خراب ہوجائے گا۔'' ظفری نے مسکراتے ہوئے کہا اور دونوں خاموش ہوگئے۔ ایک شام شکیلہ بہت بپھری ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہورہی تھیں۔

''خیریت شکیلہ؟''

"کوئی بات نہیں ہے۔بس یہ دفتر بند کرنے کا انتظام کرلو۔"

"کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں۔اب اس سیٹھ ربڑی والا کی ربڑی بنانے کا وقت آگیا ہے۔اس نے میرے لیے سوئزرلینڈ کی سیٹ بک کرالی ہے۔"

"سبحان اللہ' کب جارہی ہو؟"

"بکواس مت کرو ظفری۔میرا موڈ بہت خراب ہے۔اس نے مجھ سے کہا ہے کہ پندرہ دن کا پروگرام ہے اور بھی بہت سی بیہودہ باتیں کی ہیں اس نے۔"

"لعنت بھیجو ظفری اس سب گورکھ دھندے پر۔کل سے دفتر بند۔"

"یوں مناسب نہ ہوگا سعدی۔ہمیں حساب دینا پڑے گا میں جو کچھ کر رہا ہوں اس میں بس تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے۔"

"آخر کیا کر رہے ہو تم۔کچھ بتاؤ تو سہی۔"

"برادرم کریم بھائی ربڑی والا میرے شکار ہیں۔نینی سے شادی کر رہے ہیں دو چار دن میں اور اس کے بعد وہ اسے فلم میں کام نہیں کرنے دیں گے۔یہ بات میں نے سمجھائی ہے انھیں۔ظفری نے کہا اور وہ سب اچھل پڑے۔

"اماں نہیں واللہ۔"

"سچ کہہ رہا ہوں سعدی۔بس اب ذرا اور تیزی پیدا کردوں گا اس کھیل میں۔" ظفری نے کہا۔" لیکن ظفری کو کچھ کرنے کی ضرورت نہ پیش آئی۔تیسرے دن صبح کے اخباروں میں فلمسٹار نینی اور کریم بھائی کی تصویر چھپی تھی جس میں ان کی شادی کی خبر تھی۔دونوں نے ایک اور ہیروئن کے گھر میں شادی کرلی تھی اور کریم بھائی نے اعلان کیا تھا کہ نینی اب ایک باعزت خاتون ہیں۔وہ پردہ کریں گی اور آئندہ کسی فلم میں کام نہیں کریں گی۔"

فلمی دنیا میں زبردست ہنگامہ ہوگیا۔بہت کنٹریکٹ تھے نینی کے۔بیشمار فلمیں ڈبے

میں بند ہوگئیں۔بہت سے فلمسازوں نے نینی اور کریم بھائی پر ہرجانے کا دعویٰ کردیا۔سیٹھ ربڑی والا مصیبت میں پھنس گئے تھے۔ایک ہفتے کے بعد وہ منہ لٹکائے ہوئے ان کے دفتر میں آئے۔

"میں نے پھر کان پھرکانی کو بولا ہے کہ وہ تمھاری کہانی میں چینج کردے۔نینی کی موت دکھادی جائے اور دوسری ہیروئن۔۔۔"

"کیا بکواس کر رہے ہیں سیٹھ صاحب۔آپ کے بیٹے نے ہمارا کیریئر تباہ کردیا۔ہماری پہلی فلم ہی ادھوری رہ گئی۔ہائے اب ہم کیا کریں گے۔"

"ارے اس نے تو اپن کا بھی کباڑہ کردیا باپ۔اپن جانتا ہے۔اپن کو نہ جانے کس کس کا ہرجانہ بھرنا پڑے گا۔ارے مری گیو رے۔بس شکیلہ پتو جلدی سے تیاری کرلے۔اپن سوئٹ جرلینڈ چلتے ہیں۔واپس آکر سب دیکھا جائے گا۔" سیٹھ صاحب غلط ملط انداز میں بولے۔

"دماغ خراب ہے آپ کا۔ہمارا بال بال قرضے میں بندھ گیا ہے نہ جانے کس کس کو کیا کیا دینا ہے۔اور آپ کو سوئزرلینڈ کی سوجھی ہے میرے خیال میں تو آپ کسی پاگل خانے میں چلے جائیں۔"

"ہائے اب ساتھ چھوڑیو۔اے بپا اپن کیا کرے۔اے کریم بھائی کھدا تیرے کو غارت کردے۔" سیٹھ صاحب کراہتے ہوئے باہر چلے گئے اور ان لوگوں نے سکون کا سانس لیا۔

"اب بہتر یہی ہے ظفری کہ دفتر کو تالا لگا کر بھول جایا جائے۔اور آئندہ اس طرف کا رخ نہ کیا جائے۔تھوڑے آئے کو بہت جانو پھر کوئی نیا کاروبار سوچیں گے۔"

"تو پھر اٹھو دیر ہو رہی ہے۔مضطرب صاحب دفتر میں تالا لگائیے۔" ظفری نے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد چاروں گھر جا رہے تھے۔اس نہ بننے والی فلم سے انھیں نو لاکھ ستر ہزار روپے کی آمدنی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

پورے چھ سال کے بعد عادل مدثر نے سرزمین وطن پر قدم رکھا تھا۔ اسے احساس ہوا کہ وطن کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس کی مٹی اس کی ہواؤں سے بچپن وابستہ ہوتا ہے اور بچپن کی یادیں زندگی کی آخری سانسوں تک ساتھ رہتی ہیں۔ پھر یہاں تو نجمہ بھی تھی اس کی روح اس کی زندگی نجمہ اس کی پھوپھی زاد بہن تھی بچپن ہی سے دونوں ایک دوسرے سے متاثر تھے۔ لیکن پھوپھی جان نے ہمیشہ مدثر کو یعنی عادل مدثر کے باپ کو سوتیلا بھائی ہی سمجھا۔ جبکہ حامد احسان فطرتاً بہت مختلف تھے۔ وہ ہمیشہ بڑے بھائی کی عزت کرتے رہے۔ مجال ہے جو کبھی ان کے سامنے سر اٹھایا ہو۔ پھوپھی جان ان پر طنز کرتی رہتی تھیں کہ حامد تو سوتیلے بھائی کی دولت پر ریجھا ہوا ہے۔ لیکن حامد صاحب نے کبھی بہن کی بات پر کان نہ رکھا۔ اپنا فرض انجام دیتے رہے یہاں تک کہ مدثر احسان کار کے ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ بیوی پہلے ہی مر چکی تھی لے دے کے ایک عادل رہ گیا جو جرمنی میں تعلیم پوری کر رہا تھا۔

دولت اور جائیداد کے سارے معاملات حامد احسان کے شانوں پر آ پڑے۔ عزیزوں رشتہ داروں نے لاکھ باتیں بنائیں طنز کیے کہ اب تو حامد میاں کے بو پارہ ہیں۔ بھائی کی دولت پر عیش کریں گے۔ لیکن حامد میاں نے پروا نہ کی۔

"دنیا کچھ بھی کہتی رہے مجھے پروا نہیں جب تک عادل اپنی تعلیم مکمل نہ کر لے گا وہ اس گھرانے کو سنبھالے رہیں گے۔ اگر کسی کو اس سلسلے میں کوئی تشویش ہے تو وہ جو دل چاہے کر سکتا

ہے۔ میں ان باتوں سے متاثر ہو کر اپنا فرض نہیں چھوڑوں گا۔" اور درحقیقت وہ اس بات پر عمل کرتے رہے۔"

صورت حال کچھ یوں تھی کہ احسان عبداللہ نے پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسری شادی کر لی تھی۔ پہلی بیوی سے مدثر احسان تھے اور دوسری بیوی کی دو اولادیں تھیں۔ ایک بیٹی خدیجہ اور ایک بیٹا حامد احسان۔ درمیانے درجے کے آدمی تھے لیکن مدثر احسان نے کاروبار کی ابتداء کی اور دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتے ہوئے ایک بڑے کاروباری بن گئے۔ سوتیلے بہن بھائی الگ رہتے تھے۔ خدیجہ بیگم کی شادی ایک اچھے گھرانے میں ہو گئی۔ حامد احسان ملازمت پیشہ تھے اور ان کے حالات بہتر نہ تھے۔ مدثر احسان ہر طرح ان کی اعانت کرتے تھے۔ بھائی کو کبھی سوتیلا نہ سمجھا اور بالآخر مجبور کر کے اپنے ساتھ ہی منیجر کی حیثیت سے رکھ لیا۔

خدیجہ بیگم نے حامد میاں کو بہت برا بھلا کہا۔ لیکن حامد صاحب نے ان کی نہ سنی۔ حامد صاحب کا بھی ایک ہی بیٹا تھا۔ ناظر حامد۔ مولوی قسم کا تھا۔ بچپن ہی سے گاؤدی۔ ادھر خدیجہ بیگم کی ایک بیٹی نجمہ تھی۔ اور حیرت انگیز طور پر مدثر صاحب کا بھی ایک ہی بیٹا ہو۔ یعنی عادل عادل بچپن ہی سے نجمہ سے متاثر تھا اور یہ تاثر اتنا گہرا تھا کہ اس نے نجمہ کو اپنی زندگی بنا لیا۔ اس کا اظہار بھی کر دیا گیا اور مدثر صاحب نے بہن کے سامنے درخواست کر دی کہ وہ عادل کو اپنی فرزندی میں قبول کر لیں۔ خدیجہ بیگم تو شاید اسی وقت انکار کر دیتیں لیکن ان کے شوہر ذرا سلیقے کے آدمی تھے۔ انھوں نے بیوی کو کوئی بدتمیزی نہ کرنے دی اور نرمی سے کہا۔

"بھائی صاحب نجمہ آپ ہی کی بچی ہے وقت آنے دیں فیصلہ کر لیں گے۔ ابھی کیا جلدی ہے۔ سنا ہے کہ عادل میاں جرمنی جا رہے ہیں؟"

"ہاں مجھے اسی لیے جلدی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے منسوب کر دیا جائے۔ بعد میں شادی وغیرہ کر لیں گے۔"

"یہ مناسب نہ ہو گا بھائی صاحب ہم وقت کے فیصلے کا انتظار کریں گے۔ اور فیصلہ آپ

کی مرضی سے ہی ہوگا۔"

مدثر صاحب مطمئن ہوگئے۔ اور عادل جرمنی چلا گیا۔ نجمہ سے حسن و عشق کے معاملات طے نہیں ہوئے تھے لیکن عادل اسے اپنی زندگی کی ساتھی تعین کر چکا تھا۔ نجمہ کی شرمگیں مسکراہٹ اور یگانگت نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ اس کی چاہت یک طرفہ نہیں ہے اس لیے وہ مطمئن تھا۔ خطوط وغیرہ لکھتا وہ دائرہ تہذیب میں ہوتے۔ اکثر نجمہ کے لیے تحائف بھیجتا رہتا تھا۔ لیکن نجمہ نے کوئی خط کبھی اسے نہ لکھا۔

پھر بے چارے مدثر صاحب کار کے حادثے میں ہلاک ہوگئے۔ عادل کو پورے تین ماہ کے بعد یہ اطلاع دی گئی تھی اور مدثر صاحب کی وصیت سے بھی آگاہ کر دیا گیا تھا کہ عادل تعلیم مکمل کر کے ہی وطن واپس لوٹے۔ چنانچہ عادل نے صبر کیا تھا۔ باپ کی کمی شدت سے محسوس ہوئی تھی لیکن اب تو وہ مٹی ہو چکے تھے۔ بہرحال اب اس کی زندگی میں نجمہ کی یاد اور اس کے تصور کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ چچا کو رازِ دل لکھ کر بھیجا اور کہا کہ نجمہ اس کی امانت ہے اس کا خیال رکھا جائے۔

طبیعتاً بے حد ضدی تھا۔ یہ بات سب کو معلوم تھی۔ بہرطور وقت گزرتا رہا۔ اور چھ سال پورے ہوگئے۔ ان چھ سالوں میں ایسے بہت سے واقعات اور حادثات پیش آگئے تھے جن کی اسے کوئی اطلاع نہیں تھی۔

ایئرپورٹ پر حامد احسان ان کا بیٹا ناظر مولوی، بیگم صاحبہ اور چند ملازمین اس کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ حامد صاحب نے کئی منٹ تک اسے بھینچے رکھا تھا۔ بیگم صاحبہ نے پیار کیا۔ ناظر نے گرمجوشی سے مصافحہ کیا اور عادل ہنس پڑا۔

"ایں واہ مولوی۔ تم پر تمہارا نام مسلط ہو ہی گیا آخر۔ بڑی کلاسیکل چیز لگ رہے ہو۔ اور کوئی نہیں ہے چچا جان۔"

"آ۔ ہاں اور کوئی نہیں ہے۔"

"پھوپھی جان کو میری آمد کی اطلاع نہیں دی گئی کیا؟"

"دی گئی ہے لیکن ایئرپورٹ آنے کے لیے مجبور نہیں کیا گیا آؤ۔" حامد صاحب نے کہا۔

"کیا بات ہے وہ لوگ خیریت سے تو ہیں نا؟" عادل نے غور سے حامد صاحب کو دیکھ کر کہا۔

"بالکل۔ شاید کوٹھی پر ملنے آئیں۔"

"اوہ۔ میں پھوپھی جان کی عادت سمجھتا ہوں لیکن۔۔۔۔ کوئی بات نہیں ہے۔ میں خود ہی ان سے ملاقات کرلوں گا۔ وہ اسی پرانے گھر میں ہیں نا؟"

"ہاں اسی میں ہیں۔"

راستے میں مدثر صاحب کا تذکرہ آیا تو حامد صاحب رو پڑے۔

"بھائی صاحب کو تمہاری واپسی کی خوشی نصیب نہ ہوئی۔"

"ہاں۔ میں ان کی زبردست کمی محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن ہم حقیقتوں کو قبول کرنے کے لیے مجبور ہیں۔" عادل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"خدا کو یہی منظور تھا۔" بیگم صاحبہ بولیں۔

"اماں وہ منظور صاحب کی دکان۔" مولوی نے کار کی کھڑکی سے ہاتھ باہر نکال کر جلدی سے کہا۔

"ہاتھ اندر کرو۔" حامد صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔ اور ناظر نے سہمے ہوئے انداز میں ہاتھ اندر کرلیا۔

"اماں واہ مولوی۔ گویا اوپر سے ابھی تک خالی ہو۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ اب تک آدمی بن چکے ہو گے۔"

"ایں؟" مولوی ناظر حیرت سے بولے۔ اس کے بعد سارے راستے خاموشی طاری رہی تھی۔ کوٹھی پر ملازمین پھولوں کے ہار لیے استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ کچھ کاروباری لوگ

بھی تھے۔ سب نے گرمجوشی سے خیر مقدم کیا لیکن عادل کی نگاہوں میں ایک خلاء تھا۔ وہ اس خلاء میں ایک تصویر تلاش کر رہا تھا۔ جو کہیں نہ تھی۔ ایک ایک لمحے اسے پھوپھی جان اور نجمہ کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر اسے ناظر کی آواز نے چونکا دیا۔

''ایک بات پوچھوں عادل بھائی۔ ایمان سے سچ بتانا۔''

''ہوں۔ پوچھو۔''

''میں آدمی نہیں لگتا؟''

''کیا بکواس کر رہا ہے بے۔ چل گاڑی سے سامان اتروا۔'' حامد صاحب کی کڑک دار آواز سنائی دی۔ اور ناظر جلدی سے دوڑ گیا۔ اس فضول آدمی کو زیادہ منہ نہ لگانا عادل۔ ہمیشہ اوٹ پٹانگ باتیں کرتا ہے۔''

''اب وہ بڑا ہو گیا ہے چچا جان۔ آپ اس کی یوں توہین نہ کیا کریں۔ اور ہاں چچا جان' ایک زحمت اور دوں گا۔ رات کو دو بجے جرمنی سے آنے والی فلائٹ ایک سو آٹھ سے میرا کتا آرہا ہے۔ اسے ائیر پورٹ سے وصول کر لیا جائے۔ کچھ قانونی الجھنیں پیش آگئی تھیں جن کی وجہ سے وہ اس فلائٹ سے میرے ساتھ نہ آسکا۔''

''کتا؟'' حامد صاحب پریشانی سے بولے۔

''ہاں۔ میں نے اسے بچپن سے پالا ہے۔ اور آپ ابھی تک کتوں سے ڈرتے ہیں۔''

''یاد ہے تمھیں۔ چودہ انجکشن لگے تھے میرے۔ بہر حال تمھارا کتا ہے۔ سر آنکھوں پر۔'' حامد میاں بولے۔

''آپ مطمئن رہیے۔ وہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ میری اجازت کے بغیر۔'' عادل نے ہنستے ہوئے کہا۔

بائیس گھنٹے گزر گئے تھے عادل کو آئے ہوئے۔ خدیجہ بیگم کی طرف سے کوئی خبر گیری نہیں ہوئی تھی۔ عادل لمحہ لمحہ ان کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ بے حد بے چین تھا' خود ان کے ہاں پہنچ جانے

میں کوئی قباحت نہ تھی لیکن کم از کم صورت حال تو معلوم ہوتی۔ خدیجہ بیگم پھوپھی تھیں خواہ سوتیلی ہی سہی۔ اتنی سنگدل کیوں ہو گئی تھیں اور پھر معاملات ایسے تھے کہ عادل کو یقین تھا کہ ادھر سے کوئی نہ کوئی خبر ضرور لی جائے گی۔ اس کے دل میں بہت سے شکوک و شبہات جنم لے رہے تھے۔ ممکن ہے حامد احسان نے انھیں اطلاع ہی نہ دی ہو۔ لیکن یہ بات بھی حلق سے نہیں اترتی تھی۔ آخر حامد احسان اسے خدیجہ بیگم سے کیسے دور رکھ سکتے تھے۔ جب صورت حال ناقابل برداشت ہو گئی تو وہ حامد احسان کے کمرے میں جا بیٹھا۔ وہ اپنی بیگم کے ساتھ کسی ضروری مسئلے پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ عادل کو دیکھ کر دونوں ٹھٹک گئے۔ پھر حامد صاحب کے ہونٹوں پر جو مسکراہٹ بکھری' وہ سو فیصدی خصوصی تھی۔ کم از کم عادل کو اتنا اندازہ ضرور تھا۔

''آؤ بیٹے بیٹھو۔'' انھوں نے بڑے پیار سے عادل کو بیٹھنے کی پیشکش کی۔

''چچا جان' مجھ میں یہ جرأت تو نہیں ہونی چاہیے کہ آپ کے سامنے بے تکلفی سے ہر موضوع پر گفتگو کر لوں لیکن کیا کروں۔ بدنصیبی ہے میری۔ اصل میں ابو کی موت' یہاں آنے کے بعد میرے اعصاب پر بہت برا اثر ڈال رہی ہے۔ میں قدم قدم پر ان کی کمی محسوس کر رہا ہوں۔ یہ حقیقت ہے چچا جان کہ آپ ان کے بدل ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ میں جتنی بے تکلفی سے ان سے اپنے دل کی بات کہہ دیتا۔ آپ سے کہتے ہوئے مجھے جھجک محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن اب مجبوری انتہا کو پہنچ چکی ہے اور میں آپ کے سامنے گستاخی کرنے پر مجبور ہوں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ پھوپھی خدیجہ بیگم ابھی تک مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئیں۔ میں خود بھی ان کی قدم بوسی کے لیے حاضری دے سکتا تھا لیکن کچھ اصول ہوتے ہیں' کچھ آداب ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہاں پہنچنے سے قبل میں یہ معلوم کر لوں کہ ان کی اس سخت روی کی کوئی خاص وجہ ہے یا نہیں؟''

''عادل میاں بہتر ہو گا کہ اب تم ان کے پاس چلے جاؤ۔'' حامد صاحب نگاہیں نیچی کیے ہوئے بولے۔

''وہ تو میں جا ہی رہا ہوں چچا جان لیکن ان حالات سے آگاہی چاہتا ہوں جن... کر تحت

انھوں نے ابھی تک مجھ سے ملاقات نہیں کی ہے؟''

''میں نے کہا نا بہتر ہوگا کہ تم خود ان سے مل لو صحیح صورت حال سے واقفیت ہو جائے گی۔''

''گویا آپ نہیں بتانا چاہتے؟''

''ہاں' یہی سمجھ لو۔'' حامد صاحب کسی قدر تلخ لہجے میں بولے۔ اور عادل تعجب سے انھیں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے' آپ کی اجازت نہ لینا بھی گستاخی تھی۔ میں ان کے پاس جا رہا ہوں وہ اسی گھر میں مقیم ہیں نا۔''

''ہاں۔ اسی گھر میں ہیں۔'' حامد صاحب ناگواری کے سے انداز میں بولے۔ لیکن عادل اس سے زیادہ ان سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا تھا۔ خود وہ بھی بے پناہ ضدی طبیعت کا مالک تھا چنانچہ وہ تیزی سے اٹھا اور باہر نکل آیا۔ کار نکلوائی اور ڈرائیور سے کہنے لگا۔

''تمھیں پھوپھی خدیجہ کا مکان معلوم ہے؟''

''جی صاحب۔'' ڈرائیور نے جواب دیا۔

''وہاں لے چلو۔'' راستے بھر وہ ان واقعات و معاملات کے بارے میں سوچتا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد کار پھوپھی خدیجہ بیگم کے اس جانے پہچانے مکان پر پہنچ گئی جہاں اس کی محبوب نظر رہتی تھی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ وہ اندر داخل ہوا۔ برآمدے میں ہی پھوپھا میاں سے ملاقات ہوگئی۔ وہ اسے دیکھ کر مسرت سے اچھل پڑے اور پھر آگے بڑھ کر انھوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''بڑی شکایت ہے پھوپھا میاں مجھے آپ سے۔۔۔۔ مجھے آئے ہوئے تقریباً چوبیس گھنٹے گزر گئے لیکن آپ لوگوں نے میری طرف رخ بھی نہیں کیا۔''

''میاں عادل ہم تو ابتداء ہی سے جورو کے غلام مشہور ہیں۔ ایسے بے دست و پا آدمی سے تم اتنے سخت سوالات کیوں کرتے ہو۔ آؤ اندر آؤ۔ خداوند قدوس تمھیں خوش رکھے۔ تمھیں

دیکھ کر واقعی دلی مسرت ہوئی ہے اور سنو اگر ہماری چغلی نہ کھاؤ تو عرض کر دیں کہ تمھارے آنے کی خبر سنتے ہی بیگم صاحبہ سے تین بار ملاقات کے لیے کہا ہے۔ پہلی بار ذرا نرمی سے منع کر دیا گیا' دوسری بار سخت نگاہوں سے دیکھا گیا کہ آخر ہمارا تم سے براہ راست کیا رشتہ ہے وہ پھوپھی ہیں۔ بہتر جانتی ہیں اور جب تیسری بار کہا تو اچھی خاصی ڈانٹ پڑ گئی۔ اب بتاؤ میاں اس گھر میں رہنا ہے۔ سمندر میں رہ کر مگر مچھ سے بیر ذرا مشکل ہوتا ہے نا۔''

''لیکن پھوپھی جان کو بھی مجھ سے کیا شکایت ہے۔ میں نے تو ہمیشہ ان کا احترام کیا ہے؟''

''عرض کیا نا اس سلسلے میں ہم بھی کوئی جواب نہیں دے سکتے۔ اندر چلو براہ راست یہ سوال کر سکتے ہو۔'' پھوپھا جان نے کہا اور عادل اندر داخل ہو گیا۔ پھوپھی جان اسی کمرے میں تھیں۔ عادل کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے بھونچکی رہ گئیں۔ مگر پھر مصنوعی اخلاق سے بولیں۔

''آؤ بیٹے۔ خدا خوش رکھے تمھیں' کیسے ہو؟''

''بہت خراب حالات ہیں پھوپھی جان' مجھے آپ لوگوں سے یہ امید نہیں تھی۔'' پھوپھی جان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ عادل نے سر جھکایا تو سر پر ہاتھ پھیر دیا۔ لیکن اس میں کسی چاہت یا کسی محبت کا اظہار نہیں تھا۔ عادل کے دل کو ٹھیس پہنچی تھی۔

''پھوپھی جان۔ بھلا آپ کی مجھ سے ناراضگی کیا معنی رکھتی ہے؟''

''نہیں میاں' ہم بھلا کسی سے کیوں ناراض ہوں گے؟''

''میں' کسی' نہیں ہوں پھوپھی جان۔ آپ کا عادل ہوں۔ آپ کا اپنا عادل۔''

''کاش تم ہمارے اپنے عادل ہوتے؟'' پھوپھی جان نے جواب دیا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

''میں سمجھانا بھی نہیں چاہتی۔ سب ٹھیک ہے نا۔ تمھاری تعلیم مکمل ہو گئی؟''

''جی ہاں۔ تعلیم مکمل ہو گئی لیکن سب ٹھیک ہے والی بات کا میں پہلے ہی جواب دے چکا

ہوں۔ آپ یہ بتایئے آپ مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئیں؟"

"بھئی اس گھر میں ہمارا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ وہاں تو حامد میاں کی حکومت ہے اور پھر سچی بات یہ ہے بیٹے کہ حامد میاں کی للو چپو کو وہی لوگ جا سکتے ہیں جنھیں ان سے کچھ امداد حاصل کرنا ہو۔ تمھارے اہل خاندان بہت سے ایسے ہیں جن کی روٹیاں حامد میاں کے نام سے چلتی ہیں اور حامد میاں انھی سے خوش ہوتے ہیں۔ ہمارے پاس تو اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ پھر ہمیں کیا پڑی ہے کہ خواہ مخواہ کی الجھنوں میں پڑیں۔"

"پھوپھی جان۔ اگر آپ کو چچا جان سے کوئی شکوہ یا شکایت ہے تو اس سے میرا تعلق۔ آپ دونوں تو بہن بھائی ہیں۔"

"ہاں میاں، بہن بھائی ضرور ہیں لیکن دولت کی چمک آنکھوں کی بینائی چھین لیتی ہے۔ سگے رشتے بھی ٹوٹ جاتے ہیں پھر بھلا تم کس گنتی میں ہو۔"

"بھئی خدیجہ بیگم کم از کم اردو تو صحیح بول لیا کرو۔ تمھیں اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ناراضگی کا اظہار تو مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے۔" پھوپھا جان نے خدیجہ بیگم کے ان دل شکن الفاظ کا بہت احساس کیا تھا۔

"تم چپ رہو جی' میں جو کچھ کہہ رہی ہوں سچ کہہ رہی ہوں۔ اسے حقیقتوں سے آگاہ کرنا تو ضروری ہے۔ کیا سوچے گا اپنے دل میں۔"

"حقیقتیں جاننا چاہتا ہوں پھوپھی جان۔"

"جو بتا چکی ہوں' وہی حقیقتیں ہیں۔ حامد بھائی میری ماں کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ابتداء ہی سے وہ مدثر بھائی کا دم بھرتے رہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ وہی ان کے سگے تھے انھوں نے مجھے سوتیلا سمجھ لیا تھا اور سگے ہونے کی وجہ بھی خوب جانتی ہوں میاں۔ دولت کی چمک کھرے کھوٹے کی پہچان چھین لیتی ہے۔ ماں کی کوکھ بھول گئے اور غیر کوکھ کو یاد رکھا۔ اسی کے کلیجے میں بیٹھے رہے اور کیوں نہ بیٹھتے ان کا مستقبل جو تابناک ہے۔"

"پھوپھی جان خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کیجیے میں تو آپ ہی لوگوں کے سہارے یہاں واپس آیا ہوں۔ آپ کے علاوہ میرا ہے کون آپ بھی اگر ایسی باتیں کریں گی تو بتایئے بھلا میری اپنی کیا کیفیت ہوگی؟"

"خیر میاں تم نے خود تذکرہ نکالا تو میں نے کہہ دیا۔ میں اسی لیے تمھارے پاس نہیں گئی عادل میاں کہ خواہ مخواہ جھوٹی سچی محبت جتانے والوں میں شمار کی جاؤں گی۔ لوگ سوچنے لگیں گے کہ شاید خدیجہ بیگم کے حالات بھی خراب ہو گئے ہیں۔ اور اب وہ بھتیجے کی طرف پینگیں بڑھا رہی ہیں تاکہ ان کا مستقبل بھی سنور سکے۔ لیکن میاں یہاں اللہ کا شکر ہے۔ آرام سے کھا پی رہے ہیں۔ عیش کر رہے ہیں۔" پھوپھی جان کی دل شکن باتوں سے عادل کو شدید صدمہ پہنچا۔ پھر اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نجمہ کہاں ہے؟"

"اللہ رکھے' اپنے گھر میں ہے' خوش ہے۔ مسعود بہت اچھا لڑکا ہے۔"

"جی۔" عادل بھونچکا ہو کر انھیں دیکھنے لگا۔ پھوپھا جان گردن جھکا کر بیٹھ چکے تھے۔ بمشکل تمام عادل کے منہ سے نکلا۔ "مم۔ مسعود کون ہے پھوپھی جان؟"

"نجمہ کا شوہر۔ دو مہینے ہو گئے اس کی شادی کو۔"

"پھوپھی جان نے بے دردی سے جواب دیا تھا اور عادل پر بجلی گر پڑی۔ دیر تک وہ سکتے کے عالم میں بیٹھا رہا تھا پھر اس کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"پھوپھی جان۔ یہ۔ یہ۔ آپ نے کیا کیا؟ نجمہ تو میری امانت تھی۔ ابو جان کی زندگی میں ہی یہ مسئلہ طے ہو گیا تھا۔ پھر۔ پھر میرے ساتھ یہ ظلم کیوں کیا گیا؟ مجھے بتایا بھی نہیں گیا۔"

"دیکھو میاں' میں ذرا صاف بات کرنے کی عادی ہوں۔ بیشک تمھارے ابو جان مرحوم نے یہ رشتہ مجھے پیش کیا تھا تمھیں علم ہوگا اس بات کا۔ اور سچی بات تو یہی ہے کہ ہمارے دل تو ابتداء ہی سے نہیں ملے۔ سگے سوتیلے کا سلسلہ ہمیشہ ہی اونچا رہا۔ میں نے کبھی دل سے اس رشتے کو

قبول نہیں کیا تھا۔ بس خاموشی اختیار کی ہوئی تھی ہم لوگوں نے۔ ان کے دل میں لچک تھی اور یہ مجھے مجبور کر رہے تھے کہ اس رشتے کو مان لوں۔ میں خاموش ہو گئی تھی۔ میں نے سوچا تھا کہ وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ تمھارا رویہ دیکھوں گی اپنے بارے میں اور فیصلہ کروں گی' لیکن تمھارے پیچھے کچھ ایسی باتیں ہوئیں۔ کچھ ایسے حالات ہوئے کہ میری خودداری کو چوٹ پڑی۔ حامد میاں نے علی الاعلان کہا کہ اب تو خدیجہ بیگم کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہیں۔ تنہا وارث ہے مدثر میاں کی جائیداد کا اسے داماد نہ بنائیں گی تو پھر کسے داماد بنائیں گی۔ میری خودداری کو ٹھیس پہنچی اور میں نے فیصلہ کر لیا کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اور پھر جونہی مجھے پہلا رشتہ ملا' میں نے اپنی نجمہ کے ہاتھ پیلے کر دیے۔ اللہ کے فضل سے وہ خیریت سے ہے۔"

"بہت برا کیا آپ نے پھوپھی جان' بہت برا کیا۔ میرا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ میں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا۔" عادل کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھوپھا جان ہمدردی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر انھوں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"عادل میاں' تم صاحب حیثیت ہو' اچھے سے اچھے رشتے مل جائیں گے تمھیں۔ جو کچھ ہو چکا ہے اس پر صبر کرو۔"

"نہیں پھوپھا جان صبر نہیں کروں گا میں۔ میرے دل میں سوراخ کر دیا گیا ہے' میں صبر نہیں کروں گا۔" عادل نے گمبھیر لہجے میں کہا اور تیزی سے اٹھ کر وہاں سے نکل آیا۔ چند لمحات کے بعد اس کی کار واپس اپنی رہائش گاہ کی طرف دوڑ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ابلے پڑ رہے تھے۔ وطن واپس آنے کے بعد صرف نجمہ کا ہی تصور ایسا تھا جو دلنواز تھا۔ یہ احساس دلاتا تھا کہ وطن میں اس کا کوئی موجود ہے۔ لیکن نجمہ اس سے چھین لی گئی تھی۔ وہ یقیناً اس سے پیار کرتی تھی۔ ہر چند کہ زبان سے کبھی اس کا اقرار نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن عادل نے اس کی آنکھوں میں جھانک لیا تھا۔ ان آنکھوں میں اسے ہمیشہ اپنی ہی تصویر نظر آئی تھی۔ نجمہ مطمئن ہو گی کہ عادل ہی اس کی زندگی میں داخل ہوگا۔ اسی لیے اس نے اپنی زبان قابو میں رکھی تھی۔ ورنہ شاید وہ عادل سے

اس کا اظہار بھی کر دیتی۔"

لیکن ان دونوں کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دی گئی تھی اور عادل اس دیوار کو دیکھ کر تلملا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں نہ جانے کیا کیا خیالات جنم لے رہے تھے۔ پھر آندھی اور طوفان کی مانند وہ حامد میاں اور ان کی بیگم کے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ دونوں ہی اس کے منتظر تھے۔ انھیں اس کی آمد کا علم ہو چکا تھا۔

"ہو آئے عادل میاں؟ میں یہ اطلاع اپنی زبان سے تمھیں نہیں دینا چاہتا تھا۔"

"جی ہاں چچا جان' ظاہر ہے آپ اپنے ہاتھوں سے کیسے خنجر اتارتے میرے سینے میں۔"

"یہ میں جانتا ہوں بیٹے کہ تمھارے کان خوب بھرے گئے ہوں گے۔ خدیجہ میری بہن ضرور ہے لیکن اس نے کبھی مجھے بھائی کی حیثیت نہیں دی۔ اسے مدثر نے کیا کیا تھا۔ اس کے ساتھ کیا بھائی کی تھی۔ مدثر میاں نے خدیجہ نے ہمیشہ ہی ان کو مطعون رکھا۔ ہمیشہ سگے سوتیلے کا سوال اٹھائے رہی وہ بد بخت۔ آخر کار وہ سب کچھ کر ڈالا جس سے اس تابوت میں آخری کیل ٹھک سکتی تھی۔ اور اب۔ اور اب میں جانتا ہوں کہ تمھیں آندھی اور طوفان بنا کر کس طرح بھیجا گیا ہوگا۔ صرف ایک بات سن لو کہ میں سازشی نہیں ہوں۔ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہو۔ میں نے آخری وقت تک اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس نے صاف صاف انکار کر دیا کہ وہ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرے گی۔ اس کی بیٹی ہے وہ جس طرح چاہے کر سکتی ہے۔"

"لیکن چچا جان اس کی اطلاع تو مجھے فوری طور پر دی جا سکتی تھی۔ میرے ساتھ یہ سب کچھ ہو رہا تھا اور مجھے خبر بھی نہ دی گئی۔"

"اس سلسلے میں بھی بھائی صاحب کی وصیت کو مدنگاہ رکھا گیا۔ ان کی موت پر تمھیں نہیں بلایا گیا تو پھر اس سلسلے میں' میں تمھیں کیسے بلا سکتا تھا۔ بھائی صاحب تمھاری تعلیم کی تکمیل چاہتے تھے۔ یقین کرو عادل یہ وصیت تھی ان کی۔"

"جی ہاں یہ وصیت تھی ان کی کہ میں لٹ جاؤں اور آپ لوگ خاموشی سے بیٹھے چین کی

بنسی بجاتے رہیں۔"

"جو تمھارا دل چاہے سمجھ لو۔ میں اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ ہر لمحہ اس کوٹھی سے نکلنے کے لیے تیار ہوں۔ میری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔ مدثر بھائی نے کبھی مجھے اپنے بھائی سے کم نہیں سمجھا۔ اس کے صلے میں، میں ہر بے عزتی اور ہر بات برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ جس سے ان کی روح کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔"

"مُردوں کا تو احساس کرتے ہیں چچا جان، زندوں کی روحیں جو تباہ ہو گئیں، ان کا کوئی احساس نہیں ہے آپ کو؟ کیا کہوں آپ سے میں کیا نہ کہوں۔"

"بیٹے، میں اپنے ناظر کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ ہم لوگوں نے کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا۔ ہم نے تو انتہائی کوشش کی تھی کہ خدیجہ بہن مان جائیں۔ اس کے باوجود اگر تم ہمیں غلط سمجھتے ہو تو اب یہ تمھاری مرضی ہے۔ ہمارے پاس اپنی صفائی کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔" چچی جان نے کہا اور دوپٹے سے منہ ڈھانپ کر رونے لگیں۔ عادل وہاں سے بھی باہر نکل آیا۔

"پھر سارا دن وہ اپنے کمرے میں پڑا رہا۔ دوسرا دن بھی گزر گیا۔ اس نے کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ ملازم کوشش کر کر کے ہار گئے تھے۔ لیکن اس شام کو جب وہ باہر نکلا تو تروتازہ نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک شرارت بھری مسکراہٹ تھی۔ اس نے ناشتہ طلب کیا۔ ہلکا پھلکا سا کھایا اور پھر اپنے کتے سے کھیلنے لگا۔

"یہ بلڈ ہاؤنڈ یورپ سے ہی آیا تھا۔ پتا نہیں کب سے عادل کے ساتھ تھا۔ بڑا خوفناک قسم کا کتا تھا یہ۔ بے چارے حامد میاں کتوں سے بہت ڈرتے تھے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ایک کتے نے انھیں کاٹ لیا تھا۔ انھوں نے عادل کے کتے کی رکھوالی کے لیے باقاعدہ ایک خادم رکھ لیا تھا اور خود اس کی طرف گزرنا چھوڑ دیا تھا۔

بہر طور عادل کی کیفیت میں نمایاں طور پر تبدیلی محسوس ہوئی تھی۔ پھر اسی شام حامد میاں نے اس سے ملاقات کی۔

"عادل میرے لیے کیا حکم ہے؟"

"جی۔ میں سمجھا نہیں چچا جان؟" عادل نے شفاف لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں، خدیجہ نے میرے خلاف تمھارے خوب کان بھرے ہوں گے۔ جو کچھ تم چاہتے ہو مجھے صاف صاف بتا دو۔ اور پھر ویسے بھی بیٹے، اب میں اس بوجھ سے تھک گیا ہوں۔ میں اب اپنے کاندھوں سے یہ بوجھ اتار دینا چاہتا ہوں۔"

"کون سا بوجھ چچا جان؟" عادل نے پوچھا۔

"کاروبار سنبھالو۔ حسابات چیک کر لو، میں تمھیں تمام آسانیاں فراہم کر دوں گا۔ اور اس کے بعد اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کرو۔ ہم لوگ اب اس عمارت میں رہنے کے قابل نہیں ہیں۔"

"گویا آپ ایک اور زخم دینا چاہتے ہیں مجھے چچا جان۔ گویا اب آپ بھی مجھے چھوڑ دینا چاہتے ہیں۔"

"میں نہیں چاہتا بیٹے، حالات یہی چاہتے ہیں۔"

"کوئی حالات نہیں ہیں کچھ نہیں ہے۔ جس طرح سے سب کچھ کر رہے ہیں، کرتے رہیں۔ میں ان بیکار باتوں کو نہیں سننا چاہتا ہوں۔"

"لیکن تمھارے دل میں میرے لیے کھوٹ ہے اور یہ بات مجھے پسند نہیں۔"

"کوئی کھوٹ نہیں ہے میرے دل میں۔ ٹھیک ہے جس نے جو کچھ اچھا ہی کیا۔ خود پھوپھی جان بھی تو سوچ سکتی تھیں میرے بارے میں۔ جب انھوں نے ہی نہ سوچا۔ نجمہ نے بھی کوئی احتجاج نہ کیا تو پھر یہ ساری باتیں بے کار ہیں۔ میں اپنے ذہن سے وہ سب کچھ مٹا چکا ہوں۔"

"بیٹے اگر یہ بات ہے تو مجھے اجازت دو کہ میں تمھاری شادی کا بندوبست کروں۔ تمھاری حیثیت جو کچھ ہے، اس کا اندازہ تم چند ہی روز میں کر لو گے۔ ہماری ملاقات شہر کے بڑے بڑے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں سے ہے۔ بہت بڑی عزت ہے خدا کے فضل سے ہم لوگوں کی۔ کون ایسا نہ ہوگا جو تمھیں اپنی بیٹی دینے میں خوش نصیبی محسوس نہ کرے گا۔"

”نہیں چچا جان، شادی تو مجھے فوراً کرنی ہے کیونکہ میں اپنی تنہائی دور کرنے کا خواہشمند ہوں لیکن میری شادی اب میری مرضی سے ہوگی۔ مجھے معاف کیجیے گا۔ اس سلسلے میں، میں کسی کا تسلط برداشت نہیں کرسکوں گا۔“ عادل نے کہا اور حامد میاں نے گردن جھکالی۔

”ٹھیک ہے۔ ہم اس سلسلے میں تم سے کوئی تعرض نہیں کریں گے۔“ انھوں نے جواب دیا۔

عادل کی مصروفیات کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہوسکا۔ یہ حقیقت تھی کہ شہر کے بڑے بڑے لوگ اس کے قرب کے خواہاں تھے۔ اکثر بیگمات اپنی خوبصورت اور حسین بیٹیوں کے ساتھ عادل سے ملاقات کرنے کے لیے آتی تھیں۔ ویسے بھی مدثر صاحب کی موت کے بعد حامد میاں کا حلقۂ اثر اتنا ہی وسیع تھا، جتنا مدثر صاحب کی زندگی میں تھا۔ وہ اس کاروبار کے متولی ہی نہیں تھے بلکہ ایک طرح کے مالک تھے۔

ناظر البتہ ایک بیوقوف سا لڑکا تھا۔ شروع ہی سے اس پر قنوطیت طاری تھی اور وہ انھی معاملات میں مصروف رہتا تھا۔ پتا نہیں اس کی دماغی کیفیت کیسی تھی۔ ہمیشہ احمقانہ قسم کی باتیں کرتا تھا اور محفل کو زعفران زار بنا دیتا تھا۔

کاروبار وغیرہ کے سلسلے میں اس نے کبھی حامد صاحب کی کوئی مدد نہیں کی تھی اور حامد صاحب بیٹے سے اکثر نالاں رہتے تھے لیکن عادل سے اس کی خوب گھٹنے لگی تھی۔ عادل اسے بہت زیادہ شہ دیتا تھا اور ناظر عادل کا دم بھرنے لگا تھا۔ بہرصورت وقت گزرنے لگا۔

حامد میاں اپنا کام بدستور کرتے رہے۔ اس کے بعد سے عادل کا رویہ بھی ان کے ساتھ برا نہیں رہا تھا۔ ٹھیک ٹھاک گفتگو کرتا تھا ان سے۔ پتا نہیں اس کے اپنے مشاغل کیا تھے۔ گاڑی لے کر نکل جاتا۔ بعض اوقات دن دن بھر گھر میں نہیں آیا کرتا۔ بعض دنوں میں راتوں کو بھی غائب رہتا۔ حامد میاں اس پر گہری نگاہ رکھ رہے تھے۔ لیکن ظاہر ہے اس کا پیچھا نہیں کرسکتے تھے۔ پھر ایک دوپہر جب وہ دفتر سے آ کر کھانا کھانے کے بعد قیلولہ کررہے تھے، انھیں عادل کا ٹیلی فون موصول ہوا۔ عادل نے فون پر ان سے رابطہ قائم کیا تھا۔

”ہیلو۔ ہاں عادل میاں کیا بات ہے؟ کہاں ہو اس وقت تم؟“

”یہ تو نہیں بتا سکتا کہ کہاں ہوں۔ اس وقت ایک اطلاع دینا چاہتا ہوں، آپ کو کچھ انتظامات کرنے ہیں۔“

”ہاں۔ ہاں کہو۔“

”وہ میں شام کو تقریباً ساڑھے پانچ بجے اپنی مسز کے ساتھ پہنچ رہا ہوں۔ ذرا تھوڑا سا اہتمام کروا دیجیے ان کا صحیح استقبال ہو اور برابر کا دوسرا کمرہ۔ میرا مطلب ہے اوپری منزل پر جو میری خوابگاہ کے برابر کا کمرہ ہے، اسے ذرا ٹھیک ٹھاک کرا دیجیے۔“

”کس کے ساتھ؟ کس کے ساتھ؟“ حامد میاں کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

”اپنی بیگم کے ساتھ۔ کیوں؟ آپ کو حیرت کیوں ہوئی؟“ عادل نے سوال کیا۔ لیکن حامد میاں سکتے کے عالم میں رہ گئے تھے۔

”عادل بیٹے تم مذاق کررہے ہو۔“

”جی نہیں، اپنی زندگی کے ساتھ میں اور بہت سے مذاق نہیں کرسکتا۔ جو مذاق ہوچکا ہے وہی کافی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ لوگ صحیح انداز میں میری بیوی کا استقبال کریں گے۔“ عادل نے کہا اور فون بند کردیا۔

حامد میاں ریسیور پکڑے اسے گھورتے رہے تھے۔ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہوگئے تھے۔ پھر انھوں نے تھکے تھکے انداز میں ریسیور رکھ دیا۔ پھر اچانک کمرے کے دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی۔ وہ اپنی بیگم کو اس عجیب و غریب اطلاع کے بارے میں بتانا چاہتے تھے۔

بیگم صاحبہ نے بھی یہ خبر سنی تو دنگ رہ گئیں۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہ گئے تھے۔

"اب کیا ہوگا؟" بیگم صاحبہ نے کہا اور حامد میاں چونک کر انھیں دیکھنے لگے۔

"یہ اچھا نہیں کیا عادل میاں نے۔ یہ اس کے حق میں بہت ہی برا ثابت ہوگا۔ اس نے درحقیقت ہم لوگوں سے بدترین انتقام لے لیا ہے۔ ہمارا اپنا ایک ماحول ہے' ایک اسٹیٹس ہے۔ عادل کے بارے میں سب ہی جانتے ہیں۔ شہر کے بڑے بڑے لوگ بڑے بڑے آدمی اپنی بیٹیاں اسے دینے کے لیے تیار تھے۔ لیکن عادل نے ہم سب کے منہ پر تھوک دیا ہے۔ وہ بیشک اپنی مرضی کا مالک اور مختار تھا لیکن اگر اس شادی میں ہمیں بھی شریک کر لیتا تو ہماری بھی عزت رہ جاتی۔ ہاں بیگم اس نے انتقام لیا ہے۔ یقیناً وہ ذہنی طور پر کمزور نہیں ہوگا۔ انتقام کے منصوبے بنا رہا ہوگا اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ بدترین انتقام ہے۔ بتاؤ دنیا کے سامنے میری حیثیت کیا رہ گئی ہے۔ کیا عادل نے یہ بات ثابت نہیں کر دی کہ میں اس کے باپ کے ملازم کے علاوہ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ میری اپنی اوقات اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔"

"اے تو اب کرو گے کیا یہ بتاؤ؟"

"کچھ نہیں کروں گا عادل نے جو کچھ کیا ہے اسے برداشت کرنا پڑے گا۔ وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ ہم کر بھی کیا سکتے ہیں کہہ بھی کیا سکتے ہیں۔" حامد میاں بے بسی کے عالم میں بولے اور پھر چونک پڑے۔

"بہرصورت اس نے جو کچھ کیا ہے' اسے بھگتنا پڑے گا۔ پتا نہیں کہاں جا کر پھنسا ہے' وہ دولت کی کان ہے' جس نے سنا ہوگا منہ میں پانی بھر آیا ہوگا۔ کوئی غلط خاندان ٹکرا گیا تو گنوا بیٹھے گا سب کچھ۔ پھر مجھے کیا بھگتنا ہے اب تو بھگتنا ہے۔" وہ باہر نکل آئے پھر انھوں نے ایک ملازم کو آواز دے کر ملازموں کی پوری فوج کو طلب کر لیا۔ اور انھیں ہدایات جاری کرنے لگے۔ عادل مدثر اور مسز عادل مدثر کے استقبال کی تیاریاں ہونے لگیں۔

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ بڑے کروفر سے چل رہی تھی۔ سب کے حلیے بدل گئے تھے۔ بہت بڑا اسٹاف اکٹھا ہو گیا تھا۔ ان لوگوں نے جو کچھ کیا تھا۔ اس میں ان کی کاوشوں کو بہت زیادہ دخل

نہیں تھا۔ تقدیر جب ساتھ دیتی ہے تو اسی طرح ساتھ دیتی ہے۔ اور سارے بگڑے کام بن جاتے ہیں۔

مطلق صاحب کا بڑھاپا بھی خوب سنورا تھا۔ عیش کر رہے تھے شعر و شاعری کی محفلیں اب کچھ اور وسیع ہو گئی تھیں اور چونکہ اب ان کے پاس ان کی اپنی ذاتی کار تھی۔ بہترین قسم کا لباس پہنتے تھے اور ہی شاندار قسم کی کوٹھی میں دوستوں اور شعراء حضرات کی دعوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس لیے ان کی ہر الٹی سیدھی غزل اردو شاعری میں سنگ میل قرار دی جاتی تھی اپنے گھر میں کوئی مشاعرہ ہوتا تو سب سے آخر میں پڑھنے والوں میں شمار کیے جاتے۔ مضطرب صاحب کی شاعری بھی چمک اٹھی تھی اور انھوں نے مطلق صاحب سے تعاون کر لیا تھا۔ اب ایک نیام میں دو تلواروں کو رہنا پڑ رہا تھا کوئی غزل بڑی جدوجہد کے بعد مضطرب صاحب کی ملکیت بنتی اور وہ مطلق صاحب کو سناتے اور اگر غزل مطلق صاحب کو پسند آ جاتی تو مطلق صاحب صاف کہہ دیتے۔"

"دیکھو میاں اضطراب یا مضطرب یہ تو تمھیں بھی پتا ہے کہ ہم بھی شاعر ہیں اور شاعروں کو پڑھتے رہتے ہیں۔ اس غزل میں تم نے جس طرح دس بارہ غزلوں کی کھچڑی پکائی ہے' ہمیں معلوم ہے لیکن اتفاق یہ ہے کہ ہم بھی آجکل یہی غزل تیار کر رہے تھے۔ اس لیے ہماری ملکیت پر ہاتھ صاف نہ کرو۔ اسے ہمارا ہی رہنے دو۔ تم کسی دوسری غزل کی کھچڑی پکا لو۔" مضطرب صاحب بڑی فراخدلی سے اپنی تازہ غزل مطلق صاحب کی نذر کر دیا کرتے تھے لیکن یہ اسی وقت ہوتا جب مطلق صاحب کو کوئی غزل ردیف و قافیے کے ساتھ پسند آ جاتی تھی۔ یوں کاروبار زندگی چل رہا تھا۔ مطلق صاحب نئے نئے جہانوں کی تلاش میں سرگرداں رہتے تھے۔ ریٹائرڈ زندگی میں جو لطف آیا تھا اس کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔

بیگم صاحبہ بھی اب بیگمات میں گھری رہتی تھیں۔ یہ بیگمات عموماً شعراء حضرات ہی کی ہوا کرتی تھیں یا پھر پاس پڑوس کے لوگ جو بہرصورت مطلق صاحب کو پہلے سے نہیں جانتے تھے۔ رات کرا کثر اجتماعات ہوتے تھے جن میں کچھ پرائیویٹ نوعیت کے ہوا کرتے تھے۔

مطلق صاحب کے پچھلے کچھ دنوں سے سعدی، ظفری اور شکیلہ کی کھوج میں تھے۔ پتا نہیں کس طرح انھیں بھنک مل گئی تھی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں، چنانچہ آج اسی سلسلے میں فیصلہ کن گفتگو کرنے کا پروگرام بنایا گیا تھا اور یہ اتفاق تھا کہ آج شام کو یہ حضرات بھی جلدی آگئے تھے۔ کھانے وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد مطلق صاحب ان کے کمرۂ خاص میں آ جمے۔ جو ضروری میٹنگوں کے لیے منتخب کرلیا گیا تھا۔

سب نے احترام سے مطلق صاحب کا استقبال کیا اور مطلق صاحب مسکراتے ہوئے بیٹھ گئے۔

"دیکھو میاں ہم تمہید کے قائل نہیں، اس کا اندازہ تم ہماری غزلوں سے لگا چکے ہوگے۔ کسی خوبرو حسینہ کے سراپا کا بیان کرنا ہو تو ہم بڑے اطمینان سے شروع ہو جاتے ہیں۔ تمہید نہیں باندھتے۔ اس لیے آج بھی جو کچھ کہہ رہے ہیں بلاتمہید کہہ رہے ہیں۔ بھائی خون میں جب رزق شامل ہوتا ہے تو اس رزق کی تقدیر خود بخود دکھنا شروع ہو جاتی ہے۔ بہت عرصے سے تم لوگ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ چلا رہے ہو۔ اور ہم نے کبھی اس ادارے کے بارے میں کوئی چھان بین نہیں کی ہے۔ لیکن جب اس طرف راغب ہوئے تو میاں ساری حقیقتیں کھل گئیں۔ ایک سوال کرنا چاہتے ہیں سعدی اور ظفری تم لوگوں سے، جب اضطراب احمد مضطرب جیسے لوگ تمھارے اس جاسوسی کے ادارے کے رکن بن سکتے ہیں تو کیا ہم ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ میاں غزلوں کی صفائی میں ہم بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے ہیں اگر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے کیس مضطرب صاحب حل کر سکتے ہیں تو مطلق تو پھر مطلق ہی ٹھیرے۔"

"اوہ۔ مطلق صاحب آپ کو یہ کس نے بتایا؟" ظفری نے حیرت سے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ جب خون میں یہ سب کچھ شامل ہو گیا تو جراثیم تو پیدا ہونے ہی تھے۔ ہم نے بھی جاسوسی کر ڈالی تمھارے ادارے کی اور یہ بھی معلوم کرلیا کہ بڑی کامیابی کے ساتھ جاسوسی کا یہ اڈہ چل رہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم اس کے رکن نہیں بن سکتے تھے؟"

"اوہ مطلق صاحب جب آپ کو ان ساری باتوں کا علم ہو ہی گیا ہے تو پھر آپ سے چھپانا بے سود ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ دور ہی ان چیزوں کا ہے۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ وہ قطعی غیر قانونی نہیں ہے پولیس کا ہمارے ساتھ بہترین تعاون ہے اور ہم نے اپنے لیے۔۔۔۔"

"ہاں ہاں یہ ساری باتیں میں معلوم کر چکا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ تم مجھے بھی اپنے ادارے میں شامل کرلو۔"

"لیکن مطلق صاحب۔۔۔؟"

"لیکن ویکن کچھ نہیں میاں۔ ہمارا وقت بھی ذرا خوش اسلوبی سے کٹ جائے گا۔"

مطلق صاحب نے کہا اور سعدی اور ظفری سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"وعدہ کرتے ہیں کہ دفتر میں مشاعرہ کبھی نہیں ہوگا۔" مطلق صاحب بولے۔

"نہیں مطلق صاحب یہ بات نہیں ہے دراصل ہمیں ایک بزرگ کی بھی ضرورت تھی جو گھر کی نگرانی کرتا رہے۔"

"وہ نگرانی جاری رہے گی اس کے لیے تم فکرمند نہ ہو۔ بس دل چاہ رہا ہے کہ ہم بھی کچھ جاسوسی وسوسی کریں اور تم سے صرف اتنی ہی درخواست ہے کہ کسی کیس میں ہمیں بھی شامل کر کے تو دیکھو۔ دیکھو ہم بھی تمھیں کیا کارنامے کر کے دکھاتے ہیں۔"

اس کا وعدہ مطلق صاحب کہ آپ کے شایانِ شان کوئی کیس ہمارے پاس آیا تو آپ کو ضرور زحمت دی جائے گی۔"

"بس بس یہی وعدہ لینا تھا۔" مطلق صاحب مسکراتے ہوئے بولے اور اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔

"بیڑہ غرق۔ مطلق صاحب اور جاسوسی۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پر بہت برا وقت آپڑا ہے سعدی۔" ظفری بولا۔

"کوئی حرج بھی نہیں ہے، کوئی مسئلہ آنے دو دیکھ لیں گے۔ اس نئے جاسوس کو بھی۔"

سعدی بولا اور شکیلہ نے اس کی تائید کی۔

''مطلق و مضطرب جہاں یکجا ہوئے وہاں مشاعرے کے علاوہ کچھ نہیں ہوسکتا۔ لکھ لو اس بات کو۔'' ظفری بولا اور سب ہنسنے لگے۔

ٹھیک پانچ بجے عادل کی کار کوٹھی میں داخل ہوگئی۔ کوٹھی کے تمام افراد پھولوں کے ہار لیے دو رویہ قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ سب سے آگے بیگم حامد اور حامد میاں موجود تھے۔ بہو کار سے اتری تو سب اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ شکل و صورت ٹھیک ٹھاک تھی لیکن میک اپ انتہائی بھونڈا تھا۔ ناز و انداز بازاری قسم کے تھے۔ چہرے ہی سے اول جلول لگ رہی تھی۔ لباس بے حد قیمتی تھا لیکن نہایت ہی بدسلیقگی سے پہنا گیا تھا۔

''ماہ رخ۔ یہ میرے چچا جان اور چچی جان ہیں۔'' عادل نے تعارف کرایا۔

''سلام سسر جی۔ سلام ساس جی۔ اللہ قسم بہت خوشی ہوئی آپ لوگوں سے مل کر۔ ہی ہی۔'' بہو بیگم نے پان چباتے ہوئے کہا۔

''خدا خوش رکھے تمھیں۔'' بیگم صاحبہ نے بہو کے سر پر ہاتھ رکھنے کی کوشش کی تو بہو نے پیچھے چھلانگ لگادی۔

''رہنے دو رہنے دو ساس جی۔ جوڑا خراب ہوجائے گا۔ سو روپے کینوں نے جوڑا بنانے کے لیے ہیں پورے۔ اے یہ بیوٹی۔ پار۔ پار۔ کیا کہتے ہیں جی؟'' بہو بیگم نے شوہر سے پوچھا۔

''بیوٹی پارلر ڈارلنگ۔'' عادل جھک کر بولا۔

''ہاں وہی۔ اچھا دھندہ ہے اللہ پٹیوں کا۔ چلو چلو اندر چلو۔'' بہو بیگم مٹکتی ہوئی اندر داخل ہوگئیں۔ سب کو ہار پہنانے کی حسرت دل میں ہی رہ گئی تھی۔

اول تو شادی اس انداز میں ہوئی تھی کہ حامد صاحب کو عزت بچانی مشکل ہوگئی تھی۔ دوسرے یہ بہو بیگم۔ کسی پہلو سے کوئی شریف خاندان کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ چند ہی گھنٹوں میں انھوں نے سب کی طبیعت خوش کردی لیکن عادل ان کی ناز برداریوں میں بچھا جارہا تھا تو دوسروں کی کیا مجال۔ حامد صاحب کا سر چکرا گیا تھا۔

بیگم حامد کسی کام سے گئیں تو بہو بیگم نے آواز لگائی۔ ''اے ساس جی اری ذری سنیو تو۔''

''ہاں دلہن کہو کیا بات ہے؟''

''اے خدا کی بندی پٹاری تو ہوگی تیرے کے۔ منہ سڑ گیا۔ ذری پان تو کھلا۔''

''پپ۔ پان۔ پان تو یہاں کوئی نہیں کھاتا۔'' بیگم حامد نے پریشانی سے کہا اور بہو بیگم نے ہنگامہ کردیا۔

''لو یہاں کوئی پان نہیں کھاتا۔ ارے پھر کیسے جیتے ہو تم لوگ؟ لو خدا کی مار'' اتنا ہنگامہ ہوا کہ فوراً ایک ملازم کو دوڑا دیا گیا۔ بڑا سا پاندان خریدا گیا۔ پان کے لوازمات خریدے گئے۔ عادل نے ایک ملازمہ بیگم صاحبہ کو پان کھلانے پر مقرر کردی۔

حامد صاحب کا چہرہ اتر گیا تھا دو ہی دن میں۔ یہ انوکھی بہو ان کی سمجھ سے باہر تھی۔ زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ عادل نے ولیمہ کرنے کا اعلان کردیا تھا اور سیکرٹری کو اس کی تیاریوں کی ہدایت کی گئی تھی۔ ظاہر ہے ولیمے میں شہر کے معززین شریک ہوں گے اور بہو بیگم کے لچھن سب کی نگاہوں میں آجائیں گے۔ لیکن حامد صاحب دم بخود تھے۔ کوئی بات جو سمجھ میں آتی ہو۔ کارڈ تقسیم ہونے لگے۔

پریشانی کے عالم میں حامد صاحب نے عادل مدثر سے ملاقات کی۔ عادل پر سکون تھا۔

''تمام انتظامات مناسب ہیں چچا جان۔ کہیں کوئی کمی تو نہیں محسوس ہو رہی۔''

''نہیں عادل میاں۔ اللہ کا فضل ہے لیکن۔۔۔۔''

''جی فرمائیے۔''

''وعدہ کرو جو کچھ کہوں گا برا نہیں مانو گے؟''

''نہیں۔ فرمائیے۔''

"بہو بیگم۔۔۔۔۔وہ۔اس کی شخصیت۔ان کا انداز ہم لوگوں سے میل نہیں کھاتا۔"

"اس بات کا ولیمے سے کیا تعلق؟"

"تعلق ہے۔گھر تک کی بات اور تھی۔لیکن اب دوسرے لوگ بھی آئیں گے۔میں بھی اسی خاندان کا ایک فرد ہوں۔لوگ مجھے اس خاندان کے سرپرست کی حیثیت سے جانتے ہیں۔میری ہی نہیں مرحوم مدثر بھائی کی عزت کا بھی سوال ہے۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں چچا جان؟"

"کچھ نہیں کہنا چاہتا بیٹے۔بس عزت سے ڈر رہا ہوں' تم نے جو کچھ کیا' اپنے لیے بھلا ہی سمجھ کر کیا ہوگا لیکن تمھاری عزت میرے لیے بھی بے حد قیمتی ہے۔یہ میری اور تمھاری نہیں بلکہ پورے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔تمھیں اس سلسلے میں غور کرنا ہوگا عادل۔" حامد صاحب نے کہا۔

"خدا کی پناہ چچا جان۔میں پوچھتا ہوں۔ہماری عزت کو کیا ہو رہا ہے؟" عادل نے کسی قدر ترش لہجے میں کہا۔

"بہو بیگم کو کنٹرول کرنا ہوگا۔تم جو کچھ دیکھ رہے ہو' مجھے یقین ہے کہ تم خود اس کے عادی نہیں ہو گے۔" حامد صاحب نے کہا۔

"بہو بیگم مکمل طور پر کنٹرول میں ہیں۔کیا خرابی دیکھی ہے ان میں آپ نے؟"

"ان کے طریقے اور ان کا انداز کچھ عجیب سا ہے' ویسے تم نے ان کے اہل خاندان کو بھی دعوت بھیجی ہوگی۔کارڈ بھیجے ہیں' کتنے افراد آئیں گے وہاں سے؟"

"جی نہیں۔کوئی نہیں آئے گا۔میں نے کسی کو دعوت نہیں بھیجی۔"

"لیکن مجھ سے یہ سوال تو کیا جا سکتا ہے کہ بہو کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟"

"اس سوال کو آپ میری طرف منتقل کر دیجیے گا۔سوال کرنے والے کو میں جواب دے دوں گا۔" عادل نے کہا۔

"گویا میری حیثیت اب اس گھر میں ختم ہو چکی ہے۔"

"نہیں چچا جان' میری نگاہوں میں آپ کی وہی حیثیت ہے۔اب آپ اگر خواہ مخواہ اسے خطرے میں سمجھ رہے ہیں تو اس کا علاج میرے پاس نہیں ہے۔اور پھر چچا جان اب میں ان تمام پابندیوں کو قبول بھی نہیں کرتا۔مجھے ذہنی طور پر تباہ کر دیا گیا ہے۔میں اب آپ سے کھل کر کہنے میں بھی یہ عار محسوس نہیں کرتا کہ میں نے یورپ کی زندگی میں بھی صرف نجمہ کے تصور میں وقت کاٹا ہے۔آپ سمجھتے تو ضرور ہوں گے کہ وہاں عورت اتنی اہمیت نہیں رکھتی' لیکن اس کے باوجود میں نے خود کو مشرقی رکھا تھا اور اس کی وجہ صرف نجمہ تھی' یہ آپ کا فرض تھا کہ میری امانت کا خیال رکھتے۔

"جو ہونا تھا ہو چکا ہے عادل میاں۔میرا اس میں اتنا بڑا قصور نہیں تھا۔تم خدیجہ بیگم کی فطرت کے بارے میں اندازہ لگا سکتے ہو۔میری کوششیں ناکام رہیں۔میں نے بھی بہت کوشش کی تھی اس سلسلے میں لیکن وہ' مجھے معاف کرنا' میری بہن ہے۔لیکن تم سے الٹی بغض رکھتی تھی۔جو ہونا تھا وہ ہو گیا جو کچھ تم نے کرنا تھا' وہ بھی تم کر چکے ہو' لیکن عادل میاں تمھیں بھی یہیں رہنا ہے۔ کروڑوں روپے کی جائیداد سنبھالنی ہے تمھیں' تمھارا مذاق اڑے گا تو مجھے خوشی نہیں ہوگی۔"

"کون اڑائے گا میرا مذاق' ہر شخص اپنی فطرت میں آزاد ہے۔میں ان تمام باتوں پر توجہ نہیں دینا چاہتا۔" عادل نے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسی تمھاری مرضی۔" میں اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں۔حامد صاحب نے کہا اور خاموش ہو گئے۔

ولیمے کا دن آ گیا۔کوٹھی کا عظیم الشان لان کرسیوں سے بھر گیا۔اور مہمانوں کی آمدورفت شروع ہو گئی۔بہو بیگم کے طور طریقے وہی تھے۔بیگم حامد نے ان سے درخواست کی تھی آج کا دن پان نہ کھائیں کم از کم مہمانوں کا خیال رکھیں۔ان کا یہ کہنا تھا کہ بہو بیگم ان پر الٹ پڑیں۔

"اے لو واہ۔ ساس صاحبہ دماغ درست ہے آپ کا؟ پان نہ کھاؤں گی تو جیوں گی کیسے۔ میں تو کھاؤں گی اور اسی طرح کھاؤں گی۔ کوئی روک سکتا ہے مجھے؟"

وہ اس طرح ہاتھ جھاڑ کر لڑنے مرنے پر آمادہ ہوگئیں کہ بیگم حامد کو واپسی میں ہی خیریت نظر آئی۔

بہر صورت مہمان آگئے اور جب دولہا دلہن محفل میں آئے تو حامد صاحب کا سر چکرا گیا۔ عادل تو ٹھیک ٹھاک لباس میں تھا۔ اس نے ایک خوبصورت سوٹ پہن رکھا تھا۔ لیکن بہو صاحبہ کا لباس خاصا عامیانہ تھا۔ اتنا بے تکلف میک اپ کیا ہوا تھا کہ عورت معلوم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

بیگمات نے حیران نگاہوں سے بہو بیگم کو دیکھا۔ ان کے طور طریقے دیکھے۔ جدید قسم کی محفل تھی' ہر چیز کا بندوبست کیا گیا تھا۔ ضرورت سے زیادہ فیاض دلی اور فراخدلی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ لیکن بہو بیگم نے احمقانہ حرکات سے بیگمات کو ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دیا۔ بذات خود وہ کسی کی ہنسی میں شریک نہیں ہو رہی تھیں۔ بلکہ حیرت سے وہ ایک ایک کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

ایک بہت ہی اچھے خاندان کی نوجوان لڑکی نے ان سے ان کے بارے میں سوال کر دیا۔

"آپ نے یہ میک اپ کرنا کہاں سے سیکھا؟"

"لو اپنی زندگی ہی گزر گئی میک اپ کرتے کرتے' کیوں تم ہنس کیوں رہی ہو؟" بہو بیگم نے ناک چڑھا کر پوچھا۔

"بس ایسے ہی۔ آپ کا غازہ اور لپ اسٹک ذرا بے جوڑ ہے۔"

"اے ہائے' آئی بے جوڑ کی بچی۔ ارے تو رئیس زادی ہوگی اپنے گھر کی۔ خبردار جو ایسی ویسی بات کی تو بتیسی نکال کر ہاتھ پر رکھ دوں گی۔ اے لو خدا کی مار اس پر۔ میرا میک اپ بے جوڑ ہے اور خود جو خون پینے والی سرخی میں بسی بیٹھی ہے' تو کوئی بات نہیں۔"

"مم میرا۔ میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"تو اور کیا مطلب تھا تیرا احمق کی بچی' نکل جا میری کوٹھی سے' ورنہ چوٹی پکڑ کر باہر نکلوا

دوں گی۔ میں جانتی ہوں کہ تم سب کی سب مجھے دیکھ کر ہنس رہی ہو۔ میرا مذاق اڑا رہی ہو۔ آئیں کہیں سے شریف زادیاں بن کر۔ ذرا اچھے کپڑے پہن لیے۔ موٹروں میں بیٹھ گئیں تو دماغ ہی ٹھکانے نہیں رہے۔ اے ہائے۔" بیگم صاحبہ جلاتے ہوئے انداز میں واپس اندر چلی گئیں۔

عورتیں چور سی بن گئی تھیں۔ پھر کچھ عورتوں نے ان باتوں کا شدید برا مناتے ہوئے واک آؤٹ کر دیا۔ عادل کو کسی بات کی پروا نہ تھی۔ ایک بزرگ نے حامد صاحب سے کہا۔

"بھئی حامد میاں ماشاءاللہ بہو تو کسی بہت ہی اچھے خاندان کی لائے ہو۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے میری بیگم نے مجھے ایک واقعہ سنایا ہے۔ سنا ہے کہ عورتوں کو دس بیس گالیاں دینے کے بعد اندر چلی گئی ہیں۔" حامد میاں بے چارے منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔

"ہم بھی جا رہے ہیں میاں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہو جاتا ہے ایسا اب کیا کہا جائے۔ مدثر صاحب کے بیٹے نے واقعی بڑی اچھی بہو کا انتظام کیا ہے۔ اگر خاندان کا پتا چل جاتا تو ذرا سکون ہو جاتا' ورنہ یہ ناز و انداز تو کہیں اور ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔"

حامد صاحب بے چارے کوئی جواب نہ دے سکے اور مرزا صاحب بکتے جھکتے رہے۔ پھر وہ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اپنی کار کی طرف بڑھ گئے۔ جہاں ان کی بیٹیاں اور بیگم پہلے ہی بیٹھ چکی تھیں۔

محفل جاری رہی۔ بیگم صاحبہ کو بڑی مشکل سے واپس لے آیا گیا تھا۔ پاندان حسب معمول ساتھ تھا اور ہر پون گھنٹے یا آدھے گھنٹے کے بعد پان کی ایک گلوری ان کے منہ میں چلی جاتی تھی۔ وہ کچھ ایسے کروفر سے بیٹھی ہوئی تھیں کہ لوگوں کو دیکھ کر ہنسی آجاتی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایک مسند پر پالتی مارے بیٹھی تھیں۔ حالانکہ بیٹھنے کا یہ انداز انتہائی عجیب تھا۔ لیکن وہ اس سے بے پروا نظر آتی تھی۔

عادل اپنے مہمانوں کے ساتھ خوش گپیاں کرنے میں مصروف تھا اس کے چہرے سے ذرا بھی اس بات کا احساس نہیں ہوتا تھا کہ اسے ان واقعات کی کوئی پروا ہے۔ پھر اس نے نجمہ کو

دیکھا۔ دبلے پتلے خوبصورت سے بدن کے آدمی کے ساتھ آئی تھی۔ اسے دیکھ کر عادل کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ اپنی جگہ کھڑا خالی خالی نگاہوں سے مسعود اور نجمہ کو دیکھتا رہا۔ پھر آگے بڑھا اور ان کا استقبال کیا۔

"ہیلو مسعود صاحب' ہیلو نجمہ' کیسے مزاج ہیں آپ لوگوں کے؟"

"بالکل ٹھیک ہیں عادل صاحب' حیرت کی بات ہے کہ ہم لوگ اتنے قریبی عزیز ہیں' لیکن آپ کی آمد کے بعد سے اب ہم لوگوں کی ملاقات ہو رہی ہے۔" مسعود نے کہا۔

"حیرت نہیں' اسے آپ بدقسمتی کہیے۔ اپنے اتنے دور ہو گئے ہیں کہ بس کیا کہا جائے۔ کیوں نجمہ میں نے غلط تو نہیں کہا؟" عادل نے نجمہ کی طرف دیکھ کر پوچھا اور نجمہ منہ کھول کر رہ گئی۔

"مجھے تمھارے شوہر بے حد پسند آئے نجمہ۔ مسعود مجھے یقین ہے کہ آپ اس محفل کو اپنی ہی محفل سمجھیں گے۔ کوئی تکلف نہ کریں پلیز۔"

"ارے نہیں نہیں' عادل صاحب' میں تو بہت زیادہ محفلوں کا قائل ہوں۔ میں تو شرمندہ ہوں کہ آپ سے اب تک ملاقات نہ ہو سکی۔ لیکن بہرحال اب اس انداز کو میں بدل دوں گا۔" مسعود نے جواب دیا۔

"وعدہ؟" عادل نے گرمجوشی سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں وعدہ۔" مسعود نے کہا۔

"دیکھتے ہیں آپ اپنا وعدہ کس طرح پورا کرتے ہیں' آیئے۔"

عادل احترام کے ساتھ انھیں مہمانوں کے درمیان لے گیا۔ نجمہ عورتوں میں پہنچ گئی تھی۔ بیگم عادل کو دیکھ کر اس کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔ لیکن اس نے کچھ کہا نہیں۔ محفل جاری رہی۔ عادل نے مخصوص طور پر مسعود پر توجہ دی تھی اور چند ہی لمحوں کے بعد مسعود کو محسوس ہونے لگا کہ وہ اپنے ایک قریبی اور دیرینہ دوست کے ساتھ ہے۔ وہ عادل سے

بے حد متاثر ہوا تھا۔ لیکن نجمہ کی ذہنی کیفیت بہو کو دیکھ دیکھ کر خراب ہوتی جا رہی تھی۔ سب ہی کی بری حالت ہو رہی تھی۔ نجمہ نے ایک گوشے میں بیگم حامد کو پکڑ لیا۔

"ممانی جان' یہ۔۔۔۔ یہ بہو بیگم۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے یہ۔۔۔۔"

"ہاں بی بی' ہم سب کا ایک ہی مطلب ہے' لیکن اس کا کوئی جواب نہیں ہے ہمارے پاس۔"

"لیکن یہ کیسے ہوا؟ آخر یہ کون؟ کس خاندان کی ہیں؟ کیا ان کے عزیز و اقارب محفل میں شریک ہیں۔ ذرا مجھے ان کی شکل دکھایئے۔"

"کوئی نہیں ہے۔ تنہا ہی ہیں۔ پتا نہیں عادل میاں نے کب ان سے شادی کی' کہاں کی۔ ہمیں کچھ نہیں معلوم۔ بس ایک دن بہو بیگم کو لے کر گھر آ گئے۔ تمھاری اماں نے ہم سب کا ستیاناس کر دیا بیٹی' ایسی عجیب داستان ہے' سنو گی تو حیران رہ جاؤ گی۔۔۔۔"

"چھوڑیں ممانی جان۔ میں تو حیران ہوں کہ عادل خوش نظر آ رہے ہیں اور یہ بات اور حیرانی کی ہے کہ شادی بھی ان کی پسند کی ہے۔"

"ہاں باتیں تو بہت سی حیرانی کی ہیں لیکن اب کیا کیا جائے۔ جو ہونا تھا' ہو گیا۔" رات کو شراب نوشی کی نشست جمی' یہ انتظام ایک علیحدہ کمرے میں کیا گیا تھا۔ اس نشست میں بہو بیگم نے وہ قیامت ڈھائی کہ لوگ حیران رہ گئے تھے۔ وہ اس طرح پی رہی تھیں کہ مرد بے چارے ان کے سامنے نگوں گئے۔

شراب نوشی کی اس محفل میں مجبوراً حامد میاں کو بھی شریک ہونا پڑا تھا کیونکہ شہر کے کچھ اور معززین بھی وہاں موجود تھے۔ حامد صاحب کے ان سے بڑے بڑے کاروباری تعلقات تھے۔ چنانچہ ان کی وجہ سے طوعاً و کرہاً یہاں رہنا پڑا تھا۔ لیکن جب بھی ان کی نگاہ بہو بیگم کی طرف اٹھتی' وہ پتھر کے بت کی طرح ساکت رہ جاتے۔ پھر انھوں نے مجبوراً ہی عادل کو متوجہ کیا تھا۔

"عادل میاں خدا کے لیے اسے روکو۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟"

"آخر کیوں چچا جان' آپ کو بیگم کا پینا ہی کیوں برا لگ رہا ہے یہاں کئی خاں بہادر' میاں اور لیڈیاں بھی تو پی رہی ہیں۔ وہ شیریں پورٹ اور نہ جانے کیا کیا اڑا رہی ہیں۔ اگر بیگم وہسکی لے رہی ہیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے چچا جان۔"

"عادل' عادل وہ بری طرح پی رہی ہے۔"

"تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" عادل نے شانے ہلا کر کہا۔ چند لمحات وہ سوچتا رہا' پھر بولا۔ "دیکھتا ہوں' روکنے کی کوشش کرتا ہوں انھیں۔" وہ آگے بڑھا اور بہو بیگم کے قریب پہنچ گیا۔

"بیگم اب ختم بھی کرو۔"

"ارے جی بھر کر پی لینے دو یار۔" وہ انگلی نچا کر بولی۔

"ہائے ہائے۔ ابھی کیسے بھر جائے گا جی۔ مورے نادان بالماں۔ ابھی تو پیاسے ہیں ہم۔ میرے بانکے سنوریا۔" وہ آہستہ آہستہ ترنگ میں آ کر گانے لگی۔ پینے والی عورتیں اور مرد سنبھل گئے تھے۔ بہو بیگم کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ وہ بہک گئی تھی' چنانچہ عادل نے اسے وہاں سے لے آنا ہی مناسب سمجھا۔ تمام لوگ حیرانی سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ پھر ایک بڑے صنعت کار نے حامد میاں سے کہا۔

"بہو بیگم پی کر بہک بھی جاتی ہیں؟" حامد صاحب بری طرح شرمندہ ہو گئے تھے۔ وہ گہری گہری سانسیں لے کر رہ گئے۔ بہرطور اس کے بعد بہو بیگم محفل میں نہیں آئی تھیں۔ عادل بھی چلا ہی گیا تھا۔ اس طرح یہ ولیمہ ختم ہوا۔ اور اس خاندان کے لیے ہمیشہ کے لیے رسوائی بن گیا تھا جس کی عادل کو ذرا بھی پروا نہیں تھی۔

حامد صاحب یوں اپنے کمرے میں منہ لٹکائے بیٹھے تھے جیسے ان کا سب کچھ لٹ گیا ہو۔ ابھی وہ بیٹھے ہوئے ہی تھے کہ مولوی ناظر پیچھے سے اندر پہنچ گیا۔

"ابا جان ہم بھی پئیں گے۔" اس نے شرمائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور حامد صاحب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"ابے میں تجھے پلاؤں ابھی۔ گدھے کہیں کے کس نے کہہ دیا تجھ سے؟"

"وہ جی وہ عادل بھائی کہہ رہے تھے کہ کبھی چکھ کر تو دیکھو۔"

"اوہ' عادل' عادل جو کچھ کر رہا ہے مجھے علم ہے اس کا۔ وہ مجھ بے قصور کو تباہ کر رہا ہے۔ وہ مجھے اپنے انتقام کا نشانہ بنا رہا ہے۔ میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں۔"

نجمہ کا شوہر مسعود اختر کچھ اس طرح عادل سے متاثر ہوا تھا کہ وہ روزانہ اس سے ملاقات کے لیے جانے لگا۔ کبھی کبھی نجمہ بھی اس کے ساتھ آ جاتی تھی۔ اس کے دل پر خوف و دہشت بھی سوار رہتی تھی کہ کہیں عادل مسعود اختر کو کسی غلط فہمی کا شکار نہ بنا دے۔ اس احساس سے اس کا دل ہمیشہ لرزتا رہتا تھا' لیکن عادل نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ کم از کم اس نے اتنے ظرف کا ثبوت ضرور دیا تھا نجمہ جب بھی بہو بیگم سے ملتی تو اس کا دل دکھنے لگتا۔ یہ بدحواس سی عورت عادل کے قابل تو نہیں تھی۔ ایک ایک حرکت ایسی بازاری قسم کی تھی کہ ناقابل برداشت ہو جائے۔ اس نے کئی بار بہو بیگم سے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

ویسے بھی بہو بیگم بہت تنک چڑھی تھیں۔ ایک دو باتوں کے جواب کے بعد ان کا پارہ چڑھ جاتا۔ کئی بار ایسا بھی ہوا کہ وہ نجمہ کو بیٹھا ہوا چھوڑ کر اپنے کمرے میں جا گھسیں اور پھر واپس ہی نہیں آئیں۔

اس طرح نجمہ نے آنا جانا ذرا کم ہی رکھا تھا۔ لیکن مسعود اختر عادل سے نہ جانے کیوں اتنا متاثر ہوا تھا کہ وہ روز ہی اس سے ملنے چلا جاتا تھا۔ عادل کا رویہ بھی اس کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ ایک شام ایک انتہائی ہولناک حادثہ پیش آ گیا۔

عادل نے حسب معمول مسعود کو اس کے دفتر ٹیلی فون کیا تھا اور کہا تھا کہ آج وہ ذرا دیر سے کوٹھی واپس آئے گا۔ اس لیے مسعود ساڑھے سات بجے تک اس کے پاس پہنچے۔ مسعود ٹھیک آٹھ بجے اس کی کوٹھی میں داخل ہوا تھا۔ چاروں طرف تاریکی پھیل گئی تھی۔ اپنی کار سے

اترنے کے بعد تقریباً پندرہ یا بیس گز کا فاصلہ طے کرتا تھا۔ وہ کوٹھی کے صدر دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا کہ دفعتاً کسی خوفناک بلا نے اس پر جھپٹا مارا' دوسرے لمحے اس کا نرخرہ خوفناک بلا کے دانتوں میں تھا۔ مسعود نے انتہائی جدوجہد کی لیکن قد آور کتا اس پر پوری طرح چھا گیا تھا۔ نجانے کیوں اس نے مسعود پر حملہ کر دیا تھا اور نہ جانے کس طرح اس کی وہ زنجیر کھل گئی تھی جس میں وہ ہر وقت بندھا رہتا تھا۔ ذرا سی دیر میں اس نے مسعود کا نرخرہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔ مسعود کی دل خراش چیخوں کی آواز سن کر ملازم اکٹھے ہو گئے تھے۔ لیکن اس کتے کو قابو میں کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔ حامد صاحب گھر میں موجود تھے۔ انھوں نے جب یہ شور ہنگامہ سنا تو وہ بھی آ گئے تھے اور پھر اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا کہ مسعود کے نرخرے کو دبائے ہوئے کتے کے گولی ماردی جائے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ رائفل کی دو گولیوں نے کتے کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔ عادل بھی پہنچ گیا تھا اور اس حیرت انگیز واقعے پر حیران نظر آرہا تھا۔

مسعود کو فوراً ہی ہسپتال لے جایا گیا لیکن اس نے راستے میں ہی دم توڑ دیا۔ کتے نے اس کا نرخرہ چبا ڈالا تھا۔ یہ ایک ایسا عجیب و غریب واقعہ تھا کہ تمام لوگ دہشت زدہ ہو کر رہ گئے تھے۔ مسعود کی موت کی خبر آن کی آن میں پورے خاندان میں پھیل گئی۔

خدیجہ بیگم نے سنا تو سینہ کوٹ لیا۔ طویل عرصے کے بعد سوتیلے بھائی کے گھر پہنچیں لیکن بین کرتی ہوئیں اور سب کو کوستی ہوئی۔ ان کا خیال تھا کہ کتا مسعود پر چھوڑا گیا ہے اور یہ خیال اگر گھر تک ہی محدود رہتا تو شاید بات اس قدر نہ بگڑنے پاتی۔ لیکن جب پولیس کا معاملہ آیا تو انھوں نے کھل کر یہ بیان دے دیا کہ کتا عادل کا تھا اور عادل مسعود کا دشمن تھا۔

پولیس نے تحقیقات کیں۔ ایک افسر اعلیٰ کو اس تحقیقات کے لیے متعین کیا گیا تھا۔ تمام شواہد جمع کیے گئے' عادل نے اس سلسلے میں خاموشی اختیار کر لی تھی۔ مسعود کی موت سے وہ بھی مضمحل سا نظر آرہا تھا۔ لیکن خدیجہ بیگم کے لگائے ہوئے الزام میں بڑا وزن تھا۔ انھوں نے باقاعدہ بیان دیا جس میں یہ تذکرہ بھی کیا گیا کہ عادل نجمہ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور خدیجہ بیگم

نے یہ شادی منظور نہیں کی تھی۔ یورپ سے واپسی پر بھی عادل ان کے پاس آیا تھا اس نے غم و غصے کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد اس نے خصوصی طور پر مسعود اور نجمہ سے پینگیں بڑھائیں اور انھیں اپنی کوٹھی پر مدعو کیا۔ اس کے بعد اس نے مسعود سے اس طرح لگاوٹ کا اظہار کیا کہ مسعود اس کے پاس آنے جانے لگا۔ اور بالآخر اس نے ایک دن مسعود کو ختم کر دیا۔ اس نے نجمہ کو بیوہ کر کے اپنا انتقام لیا۔ خدیجہ بیگم کا بیان بڑی اہمیت رکھتا تھا اور پولیس ان لائنوں پر سوچنے لگی تھی۔ تحقیقات کے دوران وہ زنجیر بھی پولیس کے ہاتھ لگ گئی جس سے کتا بندھا ہوا تھا۔ زنجیر کی ایک کڑی ریتی سے کاٹ دی گئی تھی اور وہ اتنی کمزور ہو چکی تھی کہ اگر طاقتور کتا جوش کے عالم میں زور لگائے تو وہ ٹوٹ جائے۔

''یہ تمام شواہد عادل ہی کے خلاف جاتے تھے۔ پولیس آفیسر نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ افسر اعلیٰ کو پیش کر دی گئی۔ معاملہ چونکہ ایک بہت بڑے آدمی کا تھا اس لیے بڑے بڑے اعلیٰ پولیس افسر اس کیس میں حصہ لے رہے تھے۔ نتیجے میں عادل کو مسعود اختر کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ اور اس حادثے کو حادثہ نہیں بلکہ باقاعدہ پلاننگ کے تحت قتل قرار دیا گیا۔

عادل نے اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کو ایک دم چپ سی لگ گئی تھی۔ نجانے اس کے دل پر کیا بیت رہی تھی۔ حامد صاحب کی اپنی پوزیشن بھی بڑی عجیب سی ہو گئی تھی۔ خدیجہ بیگم نے انھیں بھی نہیں چھوڑا تھا۔ وہ سب سے یہی کہتی پھر رہی تھیں کہ یہ سب ملی بھگت ہے۔ حامد میرے سگے بھائی ضرور ہیں لیکن وہ شروع ہی سے وہ ان کے ساتھ تھے اور میرے دشمن تھے۔ بہر طور حامد صاحب اپنے طور پر عادل کی گلوخلاصی کے لیے کوشش کرتے رہے لیکن ان شواہد کو کیا کرتے جو سراسر عادل کے خلاف جاتے تھے۔ ان کی اپنی پوزیشن بھی بڑی نازک ہو گئی تھی۔ چنانچہ مجبور ہو کر وہ اپنے تعلقات کو کام میں لانے لگے۔ ڈی آئی جی آفتاب احمد صاحب سے ان کے خصوصی مراسم تھے۔ چنانچہ ایک شام وہ ان کی کوٹھی پہنچ گئے۔ آفتاب احمد صاحب نے پرخلوص انداز میں ان کا استقبال کیا تھا۔ حامد صاحب ان کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔

"آفتاب بھائی ایک پریشان حال انسان کی حیثیت سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ خدا کے لیے میری مدد کیجیے۔"

"کیا بات ہے حامد خیریت تو ہے؟"

"عادل کا کیس آپ کے علم میں ہے؟"

"اوہ ہاں۔ واقعی تم اس سلسلے میں پریشان ہو گے۔ مجھے اندازہ تھا میں تمام تفصیلات سن چکا ہوں۔ مجھ تک پہنچ چکی ہیں یہ تفصیلات۔"

"آفتاب بھائی مجھے بتایئے اس سلسلے میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں سخت مشکل کا شکار ہو گیا ہوں۔"

"بھئی حالات یہ بتاتے ہیں کہ عادل نے واقعی یہ حرکت کر ہی ڈالی ہے۔ اسی کا کتا تھا اس کا تربیت یافتہ اور پھر زنجیر کی وہ کڑی بھلا اور کون ایسا ہے جسے مسعود سے پرخاش ہو سکتی تھی سوائے عادل کے۔ آپ کی بہن کا بیان بھی سراسر اس کے خلاف جاتا ہے۔"

"کیا عادل نے اقرار جرم کیا ہے؟" حامد صاحب نے پوچھا۔

"ابھی تک نہیں پولیس ابھی اس سے معلومات حاصل کر رہی ہے۔ حوالات میں وہ گم سم سا رہتا ہے۔ میں خود ایک بار اس سے مل چکا ہوں۔" آفتاب احمد نے کہا۔

"تو آفتاب بھائی اب بتایئے۔" "میں کیا کروں؟"

"دیکھیں حامد صاحب' اگر عادل نے قتل کیا ہے تو قانون اس کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر آپ کو اس میں کوئی شبہ ہے تو پہلے آپ عادل سے بات کریں۔ اس سے معلوم کریں کہ اس نے قتل کیا ہے یا نہیں۔ اگر وہ اقرار کر لیتا ہے تو پھر ہمارے پاس کچھ نہیں رہ جاتا' لیکن اگر آپ کو اس کے انکار پر یقین ہو جائے تو اس سلسلے میں تحقیقات کے رخ بدلے جا سکتے ہیں۔" آفتاب احمد صاحب نے کہا۔

"آپ اپنی موجودگی میں مجھے عادل سے ملوایئے۔ ممکن ہے میں اس سے کچھ معلومات

حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکوں۔"

"ایک بات اور بتایئے ذرا۔ یہ عادل کی بیگم کیا چیز ہے؟ اس دن ویسے میں نے انھیں دیکھا تھا' بڑی عجیب و غریب عورت تھی۔ کسی صورت سے کوئی شریف عورت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ اس کے چہرے اور انداز سے بازاری پن جھلک رہا تھا۔"

"ہاں۔ بس اس خاندان کی بدنصیبی ہے اور کیا کہہ سکتا ہوں۔ وہ کون ہے؟ عادل نے اسے کہاں سے حاصل کیا؟ یہ سب کچھ صیغۂ راز میں ہے۔ مجھے اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں معلوم ہو سکا۔"

"عادل کو کسی طرح زبان کھولنے پر مجبور کر سکتے ہیں آپ؟" آفتاب احمد صاحب نے پوچھا۔

"ایک بار ذرا اس سے ملاقات کرا دیجیے میری۔"

"تو پھر ٹھیک ہے' میں اسے یہیں بلوائے لیتا ہوں۔ آپ میرے سامنے اس سے گفتگو کریں۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

پھر انھوں نے متعلقہ محکموں کو ہدایت کی اور تھوڑی دیر کے بعد عادل کو وہاں پہنچا دیا گیا۔ عادل بدستور مضمحل اور پریشان تھا۔ ڈی آئی جی آفتاب احمد نے اس سے بڑی محبت سے گفتگو کی۔

"دیکھو عادل میاں الزامات تو لگائے ہی جاتے رہتے ہیں۔ لوگ اپنا جرم چھپانے کے لیے کسی نہ کسی کو ملوث کرنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں اور بعض اوقات ایسے شواہد پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے وہ الزام صحیح محسوس ہونے لگتے ہے۔ لیکن میں اس وقت ایک ڈی آئی جی کی حیثیت سے نہیں' بلکہ تمھارے ایک بزرگ کی حیثیت سے تم سے یہ سوال کر رہا ہوں' مجھے جواب دو۔ کیا قتل تم نے کیا ہے؟"

"کیا میرا جواب میری بے گناہی ثابت کر دے گا؟" عادل نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"کوشش کی جائے گی۔ وعدہ کیا جاتا ہے اس سلسلے میں انتہائی مخلصانہ طور پر کوشش کی

جائے گی۔"

"تو سنیے' میں کبھی بہت زیادہ مہذب کا قائل نہیں رہا۔ خدائے قدوس کی قسم میں نے مسعود کو قتل نہیں کیا نہ ہی میرے ذہن میں اس کے لیے کوئی ایسا منصوبہ تھا۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہوں گا۔ یہ سب کیسے ہوا؟ کس نے کیا؟ میں اس سے لاعلم ہوں۔" عادل نے جواب دیا اور ڈی آئی جی صاحب گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ پھر انھوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے عادل اس کے علاوہ تم سے اور کچھ نہیں کہا جائے گا۔ بہرطور اطمینان رکھنا۔ ہم لوگ پوری پوری کوشش کریں گے۔۔۔" آفتاب احمد صاحب نے عادل کو واپس روانہ کر دیا۔ حامد صاحب ان کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔

"اب آپ اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں آفتاب بھائی۔ میں درحقیقت جتنا پریشان ہوں اُس کا اندازہ آپ نہیں لگا سکتے۔"

"لگا سکتا ہوں میرے دوست۔ میں ایک مشورہ بھی دینا چاہتا ہوں تمھیں۔"

"جی۔ جی۔ فرمایئے۔"

"پولیس تو اس سلسلے میں جو معلومات حاصل کر رہی ہے وہ تو کرے گی ہی۔ اگر تم مناسب سمجھو تو میں تمھیں چند ایسے لوگوں کا پتا دے سکتا ہوں جو تمھارے بہترین مددگار ثابت ہوں گے۔"

"ضرور ضرور کون ہیں وہ؟"

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ اس ادارے نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ انتہائی حیرت انگیز ہے۔ تم ان سے رابطہ قائم کرو' ان سے کہو کہ وہ اس سلسلے میں تمھاری مدد کریں۔ اگر تم چاہو تو میرا حوالہ بھی دے سکتے ہو۔ سعدی اور ظفری ہیں اس ادارے کے سربراہ۔ وہ یقیناً تمھارے لیے بہترین آدمی ثابت ہوں گے۔"

"آج تو ممکن نہیں ہے۔ کل صبح دن میں تم ان کے دفتر پہنچ جانا۔ میں تمھیں ان کا پتا دیے دیتا ہوں۔" آفتاب احمد صاحب نے کہا اور پھر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا پتا ان کو دے دیا۔

بعد میں ان لوگوں کو علم ہوا کہ مطلق صاحب نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ میں شمولیت کی بات سرسری طور پر نہیں کی تھی۔ دوسرے دن ہی وہ ڈیوٹی پر پہنچ گئے تھے اور اس کے بعد سے بڑی باقاعدگی سے دفتر آ رہے تھے اور یہ بھی حقیقت تھی کہ انھوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جو ان لوگوں کو کسی طور پر گراں گزرتی۔

حامد احسان جس وقت ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پہنچے تو مطلق صاحب بھی ان لوگوں کے نزدیک ہی موجود تھے۔ ان کے سامنے ہی اس کیس کی تفصیلات سعدی' ظفری کے سامنے لائی گئیں۔ سعدی نے یہ کیس لے لیا تھا۔ حامد احسان صاحب نے فوراً ہی ان کی فیس بھی ادا کر دی۔ تھی اور بڑی عاجزی سے درخواست کی تھی کہ وہ فوری طور پر اس سلسلے میں کوئی قدم اٹھائیں۔

"آپ مطمئن رہیے۔ ہم بہت جلد ٹیلی فون پر رابطہ قائم کر کے آپ کو اپنی کارکردگی کے آغاز سے مطلع کر دیں گے۔" سعدی نے کہا اور اس کے بعد ان لوگوں نے حامد احسان کو رخصت کر دیا۔ مطلق صاحب سنجیدہ سی شکل بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔

"کیا خیال ہے آپ کا مطلق صاحب ان معاملات کے سلسلے میں؟"

"بھئی ابھی میرا خیال نہ پوچھو ابھی میں نے اس لائن کی ابتداء کی ہے۔ لیک میری درخواست ہے کہ تم لوگ کیس میں مجھے بھی براہ راست شریک رکھو۔"

"ہاں۔ ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہے۔" سعدی نے جواب دیا پھر وہ تینوں آپس میں مشورے کرنے لگے۔ اس کے بعد سعدی نے کہا۔

"بہتر یہ ہے کہ اس سلسلے میں ڈی آئی جی صاحب سے گفتگو کر لی جائے۔ چونکہ یہ کیس انھوں نے ہمارے پاس بھیجا ہے اس لیے وہ یقیناً ہماری مدد بھی کریں گے۔" ڈی آئی جی آفتاب احمد نے ان لوگوں کو شام کی چائے پر اپنے ہاں دعوت دے دی تھی۔ سعدی ظفری اور شکیلہ کے

ساتھ مطلق صاحب بھی موجود تھے۔ چاروں افراد کا ڈی آئی جی صاحب نے مخلصانہ استقبال کیا۔

چائے کے دوران یہ موضوع چھڑ گیا تو ڈی آئی جی صاحب کہنے لگے۔

"صورت حال کچھ سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ بیشمار شواہد ایسے ہیں جو عادل کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ضدی طبیعت کا انسان ہے اس سلسلے میں جو کردار اس کے ارد گرد بکھرے ہوئے ہیں میں تمھیں ان کی تفصیل بتا دوں۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا اور پھر عادل کے خاندانی پس منظر کے بارے میں تفصیلات بتانے لگے۔ انھوں نے حامد صاحب' پھوپھی خدیجہ بیگم اور دوسرے لوگوں کے بارے میں مکمل تفصیلات بتائیں آخر میں بولے۔

"میں نے محکمۂ پولیس میں طویل زندگی گزاری ہے' انسان شناسی کا دعویٰ بھی رکھتا ہوں۔ عادل بیحد ضدی طبیعت کا انسان ہے لیکن اس قتل میں اس کا ہاتھ نہیں ہے۔ یورپ کی زندگی میں جرائم بھی بہت ایڈوانس ہیں۔ وہ اگر مسعود اختر کو قتل کرنا چاہتا تو ایسا طریقہ کبھی استعمال نہ کرتا جس سے شبہ صاف طور پر اسی پر ہو جاتا۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔ لیکن اس سلسلے میں تو بہت سے افراد مشکوک ہیں۔" سعدی نے کہا۔

"ہاں' میں اس بارے میں تمھاری رائے جاننا چاہتا ہوں۔"

"نمبر ایک' حامد صاحب بذات خود بھی اس سلسلے میں ملوث ہو سکتے ہیں۔ معاملہ واقعی ایک عظیم الشان جائیداد اور کروڑوں روپے کی دولت کا ہے۔ وہ خود بھی ایک بیٹے کے باپ ہیں اور ساری جائیداد اور دولت ان کے کنٹرول میں ہے۔ کسی وقت بھی عادل مدثر ان سے ان کے اختیارات چھین سکتا ہے۔ تمام صورت حال سے وہ واقف تھے۔ جانتے تھے کہ عادل نجمہ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور شادی نہ ہونے سے بہت بددل تھا اتنا کہ کوئی سخت قدم بھی اٹھا سکتا تھا۔ انھوں نے اس بات سے فائدہ اٹھایا۔ عادل کو براہ راست قتل کرنے کے بجائے یہ قدم اٹھایا۔ عادل اگر راستے سے ہٹ گیا تو پھر دولت ان کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی ہے۔"

"اوہ۔ تمھارا خیال ہے کہ بعد کی ساری کوششیں صرف ایک ڈرامہ ہیں؟" ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

"ہم اس خیال کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔"

"ہرگز نہیں کر سکتے۔ بہت عمدہ سوچنے لگے ہو سعدی۔ نکھرتے جا رہے ہو اپنے فن میں۔ دوسری مشکوک شخصیت کون سی ہو سکتی ہے؟"

"عادل کی وہ نئی نویلی بیوی جس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ عادل کی بیوی ہے' اس کے بعد اس کی کل جائیداد کی مالک۔"

"ہاں۔ یہ دلیل بھی ٹھوس ہے۔ اور کوئی؟"

"مولوی ناظر۔ ممکن ہے حامد صاحب کو اس بارے میں معلوم ہی نہ ہو۔"

"ویری گڈ۔ سعدی بس کافی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اصلیت تلاش کر لو گے۔ اس سلسلے میں پہلا قدم کیا کرو گے؟"

"کسی طرح مجھے اس عمارت تک پہنچا دیجیے۔"

"میں ابھی حامد صاحب سے بات کیے لیتا ہوں۔" ڈی آئی جی نے کہا اور فون سامنے کھسکا لیا۔

حامد صاحب نے سب لوگوں سے اس کا تعارف کرایا تھا۔ یہ میرے انتہائی عزیز دوست احمد سلیم ہیں اور یہ ان کے بہو بیٹے۔ مسٹر اور مسز فراز۔ افسوس کہ اس موقعے پر آئے ہیں کہ ہم ان کی کوئی خدمت بھی نہیں کر سکتے لیکن اس کے باوجود انھیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔" حامد صاحب نے کہا۔

مطلق صاحب کو نیچے ایک کمرہ دیا گیا تھا اور ظفری اور شکیلہ دوسری منزل پر ایک پرتکلف بیڈروم دے دیا گیا تھا۔ سب لوگوں سے تعارف ہو گیا تھا اور اب کوئی مشکل نہیں تھی۔

رات کے کھانے کے بعد حامد صاحب نے اپنے دوست احمد سلیم کو اس حادثے کے بارے میں بتایا

جوان لوگوں کو پیش آیا تھا۔

احمد سلیم نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا۔ ''بڑا غم ہوا حامد میاں ایسے مناسب وقت میں ہم لوگ یہاں آئے۔ ہم تمھارے اور سب کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔''

''کوئی بات نہیں بس عادل کے لیے دعا کریں سلیم بھائی۔''

نوواردوں نے دعا کے ساتھ ساتھ دوا بھی شروع کردی۔ ظفری بہو بیگم کی دلجوئی کر رہا تھا۔ اس نے اپنی اوٹ پٹانگ حرکتوں سے بہو بیگم کو متاثر کرلیا تھا۔ بہو بیگم ابتداء میں تو بند بند رہیں۔ لیکن کھلیں تو ایسی کھلیں کہ ظفری کو لطف ہی آگیا۔ ظفری ایک شام ان کی خواب گاہ میں ان سے اظہار ہمدردی کر رہا تھا کہ پھوٹ پڑیں۔

''ہائے بھاڑ میں جائے مائی ملا۔ فراز جان تم مجھے یہاں سے لے کر بھاگ جاؤ۔ بھاگ چلو بالم ورنہ میں مرجاؤں گی۔ ہائے میں تو پھنس گئی یہاں پرآ کر۔''

''کیوں پھنس گئیں۔ عادل سے شادی کر کے تم بہت بڑی دولت کی مالک بن گئی ہو۔ سنا ہے تم دونوں ایک دوسرے کو بہت پیار کرتے تھے۔''

''جھاڑو پھرے ایسے پیار پر۔ بیس ہزار روپے دیے تھے اس نے میری ماں کو۔ تین مہینے کے لیے بیوی بنا کر لایا ہے۔ ہائے میرے مولا مجھے بچالے۔ اے فراز جان مجھے لے کر نکل چلو۔ وہ سور جیل چلا گیا ہے اور یہاں میں سولی پر لٹکی ہوئی ہوں۔ پولیس بار بار آتی ہے۔ کسی نے پہچان لیا تو میں تو ماری گئی۔''

''بیس ہزار تمھاری ماں کو دیے تھے عادل نے؟'' ظفری نے تعجب سے پوچھا۔

''ہائے ذکر نہ کرو۔ جان نہ جلاؤ۔ کہتا تھا راج کراؤں گا تین مہینے تک۔ کرائے کی بیوی بن جاؤ۔ لوگوں کو بے وقوف بنانا ہے۔ خود جیل چلا گیا۔''

''تمھاری ماں کہاں رہتی ہیں؟''

''غلام پور کے بالا خانے کے ہیں ہم لوگ۔ میرا اصلی نام لالہ جان ہے۔ اس نے لالہ

رخ رکھ دیا ہے۔''

''فکر نہ کرو لالہ جان' میں تمھارے ساتھ ہوں۔ لیکن خود کو سنبھالو۔ اگر میری بیوی کو پتا چل گیا تو مصیبت آجائے گی۔''

''ایسا نہ کہو میاں۔ ہم بہت بھولے ہیں لیکن ان معاملوں میں ہزار آنکھیں رکھتے ہیں۔ وہ ستی ساوتری آنکھ مٹکا کر رہی ہے اس داڑھی مرچنٹ سے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔'' بہو بیگم نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا۔

''کون داڑھی مرچنٹ؟''

''ارے وہی ہوا کیا نام ہے اس کا ناظر ہے کہ ناصر ہے لوگ باگ نام بھی تو ایسے ہی رکھ لیتے ہیں۔'' بہو بیگم نے کہا اور ظفری کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے لیکن دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا وہ سمجھ گیا تھا کہ یہاں آمد تفریحاً نہیں تھی شکیلہ نے بھی اپنا کام شروع کر دیا ہے۔

اور یہ حقیقت تھی کہ شکیلہ نے مولوی ناظر کا ایمان خراب کر کے رکھ دیا تھا ایسے ہتھکنڈوں سے تو وہ بخوبی واقف تھی کافی تیز و چالاک لڑکی تھی۔ مولوی ناظر چونکہ ان لوگ کی نگاہوں میں مشکوک حیثیت رکھتا تھا اس لیے پہلے ہی دن سے شکیلہ نے اسے اپنا شکار منتخب کر لیا تھا اور اس کے بعد اس نے ایسی ایسی چالوں سے مولوی ناظر کو اپنی طرف متوجہ کیا کہ مولوی ناظر اپنا تمام زہد و تقویٰ کھو بیٹھا وہ بری طرح شکیلہ کے جال میں جکڑا جا چکا تھا اور اب تو راتوں کو چھپ چھپ کر ملاقاتیں ہوا کرتی تھیں کبھی پائیں باغ میں کبھی چھت پر اور کبھی مولوی ناظر کے کمرے میں شکیلہ جیسی زیرک لڑکی اس احمق سے آدمی کسی جال میں نہیں پھنس سکی تھی مولوی ناظر کی تو اتنی ہمت بھی نہیں ہوتی تھی کہ وہ شکیلہ کے نزدیک ہی بیٹھ سکتا۔

لیکن شکیلہ نے بڑے بڑے گر استعمال کر کے مولوی ناظر سے تمام کچا چٹھا کھلوا لیا تھا۔

اور اس نے اپنے تجربے کی بنا پر فیصلہ کر لیا تھا کہ کم از کم مولوی ناظر کسی کو قتل نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ

ایسی گہری چالیں سوچ سکتا ہے۔

چنانچہ وہ تقریباً اپنا کام ختم کر چکی تھی۔ رات ظفری جب اپنی خوابگاہ میں داخل ہوا تو شکیلہ حسب معمول بیڈ پر دراز کوئی رسالہ دیکھ رہی تھی۔

"بھئی بیگم تمھارا یہ عدم التفات ہمیں تو تباہ کر دے گا۔" ظفری نے گہری سانس لے کر سینے پر پھونکیں مارتے ہوئے کہا۔

"دماغ میں کوئی خرابی ہوگئی ہے تو اسے خود بخود ٹھیک کر لو مجھے تکلیف دینے سے کیا فائدہ؟" شکیلہ غصیلے لہجے میں بولی۔

"کمال کی بات ہے ایک تو ہم جیسا صبر والا شوہر دیکھو کتنے دن ہوگئے اس تنہائی میں ایک خوابگاہ میں سوتے ہیں اور۔اور۔۔۔"

"ظفری بالکل مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں کچھ نہیں برداشت کروں گی سمجھے۔" شکیلہ نے نزدیک رکھا ہوا اگالدان اٹھالیا۔

"ارے واہ۔ وہ مولوی ناظر سے جو عشق ہو رہا ہے تو اس کی کوئی سند بھی نہیں ہم نے اس لیے نکاح کیا تھا تم سے بیگم اس لیے تم ہماری زندگی میں داخل ہوئی تھیں۔ یعنی اقرار کیا ہم سے وفادار رہنے کا اور مسل بیٹھیں اس بندر سے۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ تم یہاں خاصی محنت کر رہے ہو۔"

"کیا پتہ مولوی ناظر سے؟"

"پہلے یہ بتاؤ تمھیں کیسے پتہ چلا اس بات کا۔۔۔؟"۔

"نہ پوچھ بڑے دلچسپ معرکے ہوئے ہیں بہو بیگم سے۔"

"اوہو۔ بھئی اب تم سے کیا چھپانا دراصل وہ مجھے کافی پسند آگئی ہیں اور پھر آج کل ان کا شوہر بھی جیل میں ہے میں نے سوچا ان کی تنہائی ہی دور کر دوں۔"

"ہوں۔ ہوں کیا فیصلہ کیا تم نے ان کے بارے میں؟"

"کمال کی چیز ہیں بھئی وہ تو کہیں بالا خانے سے لائی گئی ہیں تین ماہ کے لیے بیس ہزار روپے کرایہ تھا ان کا اس بیس ہزار روپے کا ملال کر رہی ہیں"

"کک۔ کیا مطلب وہ۔ وہ میرا مطلب ہے کہ وہ عادل کی بیوی نہیں ہیں؟"

"نہیں یہ عادل بھی ذرا جینئس قسم کی چیز معلوم ہوتا ہے نجمہ کا کیس تمھارے سامنے آ ہی چکا ہے یوں لگتا ہے جیسے جھلا کر اس نے یہ حرکت کر ڈالی ہے اور یقیناً یہ حرکت حامد صاحب کے خلاف ہی ہوگی وہ اس طرح ان لوگوں کو تنگ کر کے شدید ذہنی تسکین حاصل کر رہا ہے۔"

"ہوں۔ یہ کرائے کی بیگم ہیں؟"

"یقیناً ویسے غضب کی چیز ہے کہنے لگی میرے بالم مجھے لے کر یہاں سے کہیں بھاگ چلو۔"

"تم سے کہنے لگی۔" شکیلہ ہنس پڑی۔

"ہاں۔ ہاں بھئی تم کیا سمجھتی ہو۔ ایک تم قبضے میں نہ آئیں تو تمھارا کیا خیال ہے کہ دوسری لڑکیاں بھی مجھے لفٹ نہ دیتی ہوں گی ارے سمن آراء ہدایت پور سے پوچھو کیا ہے اس کے دل میں۔"

"ہاں۔ ہاں سب جانتی ہوں سب جانتی ہوں بس آگے بڑھو۔"

"آگے کچھ نہیں بس میں نے جب اس سے کہا کہ بی بی بیوی والا ہوں کیسے میرا تمھارا معاملہ چل سکتا ہے تو بڑے حقارت آمیز لہجے میں بولیں۔ کہ اپنی بیوی کو دیکھنا ہے تو ذرا مولوی ناظر کے کمرے میں جھانک کر دیکھ لینا بس میں غصے سے آگ بگولہ ہوگیا۔"

"مولوی ناظر بھی کھوکا ہے کھوکا سمجھتے ہو؟"

"ہاں کس حد تک۔ تمھاری بگڑی ہوئی زبان سے اکثر سنتا رہتا ہوں۔"

"بہر طور جو کچھ بھی ہے مولوی ناظر اس سلسلے میں بالکل ملوث نہیں ہے۔ واقعی گاؤدی ہے میں اپنے تمام تر تجربے کی بنیاد پر کہہ سکتی ہوں۔"

"غیر مردوں کے بارے میں تمھارا تجربہ تو کچھ بھی نہیں ہے تم کیا جانو کہ ہم لوگ کیا کرتے ہیں۔"

"بس بس فضول باتوں سے گریز کرو اب یہ بتاؤ کہ اس تیسری شخصیت کے لیے کیا کیا جائے میرا خیال ہے اس سلسلے میں مطلق صاحب کارآمد ہو سکتے ہیں برابر کی عمر کے آدمی ہیں حامد صاحب کو وہی ٹٹول سکتے ہیں۔"

"مطلق صاحب۔" ظفری نے کسی قدر الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ پھر بولا۔

"ابھی وہ نئے ہیں ہماری فیلڈ میں میرا خیال ہے انھیں ٹرینڈ کرنے میں وقت لگے گا۔ حامد احسان اگر اتنا ہی چالاک آدمی ہے تو اسے ٹٹولنا معمولی بات نہیں ہوگی نہیں شکیلہ ہم یہ رسک نہیں لے سکتے حامد احسان کے بارے میں کچھ اور ہی سوچنا ہوگا۔"

"پھر بھی کل مطلق صاحب سے گفتگو کر کے تو دیکھا جائے کہ انھوں نے اس سلسلے میں کیا کیا ہے ویسے انھیں یہ ہدایت کر دیں گے کہ وہ حامد صاحب کو تھوڑا بہت ٹٹول کر دیکھیں۔"

"کہہ دینا ویسے مجھے اس کی امید نہیں ہے کہ وہ کارآمد ثابت ہوں گے۔" کیا خیال ہے میں ذرا ان کا جائزہ لے لوں؟"

"ابھی۔" شکیلہ نے پوچھا۔

"ہاں۔ کیا حرج ہے نچلی منزل پر جانا پڑے گا میرا خیال ہے ہم پر ایسی کوئی پابندی بھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے یہیں بلا لاؤ۔" شکیلہ بولی اور ظفری کمرے سے باہر نکل گیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس نے اطلاع دی تھی کہ مطلق صاحب اپنے کمرے میں موجود نہیں ہیں۔

"ارے۔ کہاں گئے!"

"خدا معلوم۔ ویسے میں نے باہر جا کر ایک دو ملازموں سے بھی پوچھ لیا ہے کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"کیا بھاگ گئے گھبرا کر حالانکہ ایسی کوئی بات تو نہیں تھی۔"

"اب یہ تو صبح ہی معلوم ہو سکے گا۔"

دوسری صبح سب سے پہلا کام یہی کیا گیا کہ مطلق صاحب کو ان کے کمرے میں دیکھا جائے وہ آرام سے غسل کر کے باہر آ رہے تھے۔

"خیریت مطلق صاحب۔"

"ارے ارے باپ سے اس طرح گفتگو کرتے ہو میاں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں ذرا ہوشیار رہو۔" مطلق صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ہے ناشتے کے بعد آپ کا کوئی پروگرام تو نہیں ہے۔" ظفری نے پوچھا۔

"نہیں بھئی بھلا ہمارا یہاں کیا پروگرام۔ پہلے ہی تمھیں حلف دے چکے ہیں کہ یہاں شعر و شاعری کا چکر بالکل نہیں چلے گا۔ ویسے دل تو چاہتا تھا کہ حامد صاحب کو کچھ اشعار سنائے جائیں باذوق آدمی معلوم ہوتا ہے کبھی کبھی شعر پڑھ دیا کرتا ہے۔"

"مطلق صاحب۔ وعدے کر چکے ہیں آپ شعر و شاعری اس لائن میں بالکل نہیں چلے گی۔"

"کب چل رہی ہے اگر چل رہی ہوتی تو اب تک بہت کچھ ہو گیا ہوتا بہر طور تمھارے لیے اہم اطلاعات ہیں ناشتے کے بعد ذرا باہر گھومنے چلیں گے کہہ دیں گے کہ ضروری کام ہیں بس اسی وقت باتیں ہو جائیں گی۔" مطلق صاحب نے کہا اور ظفری باہر نکل آیا ناشتہ کیا گیا کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا تھا گھر والوں پر وہی اضمحلال کی کیفیت تھی لیکن ظفری یہ اندازہ اچھی طرح لگا چکا تھا کہ بہو بیگم کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جا رہا اور بعض آنکھوں میں ظفری کے لیے بھی کچھ عجیب سے تاثرات ہیں۔

"اب یہ تو ممکن نہیں تھا کہ اتنے لوگوں کے بیچ رہ کر ظفری کی کاوشیں بالکل ہی نگاہوں سے محفوظ رہتیں ممکن ہے ظفری پر کوئی شبہ ہو گیا ہو بہر طور پر ظفری کو اس بات کی پرواہ نہیں تھی ناشتے کے بعد انھوں نے باہر جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو حامد صاحب نے انھیں کار مہیا کر دی وہ تینوں

کار میں بیٹھ کر چل پڑے ظفری نے خود ہی کار ڈرائیو کرنے کی ذمہ داری لے لی تھی اس لیے ڈرائیور کو ساتھ نہیں کیا گیا تھا بہر طور ان حالات میں وہ اپنے آفس کا رخ نہیں کر سکتے تھے اس لیے ایک ہوٹل ہی میں نشست جمائی گئی اور تینوں ایک گوشے کی میز کے گرد جا بیٹھے۔

"جی مطلق صاحب۔ کیا اطلاعات ہیں؟"

"بھئی اگر کچھ اہمیت دی جائے تو چند باتیں آپ کو بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔"

"ارشاد ارشاد۔"

"دیکھو میاں ایسی باتیں مت کرو تم خود ہی ہمیں ہوا دے رہے ہو۔"

"معاف کیجئے گا۔ مطلق صاحب غلطی ہو گئی۔ میرا مطلب ہے فرمائیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" ظفری جلدی سے بولا۔۔۔۔

"کوٹھی میں ایک ملازم ہے کہ نام نامی جس کا اصغر خان اور کام شاید گھر کی جھاڑ پونچھ ہے اور صفائی وغیرہ ہے کبھی کبھی باورچی خانے میں بھی دیکھا گیا ہے آج صبح بھی ناشتے کے کمرے میں ناشتہ لانے پر مامور تھا۔

"جی فرمائیے۔"

"کبھی غور کیا ہے اس پر خاصے تن و توش کا آدمی ہے چہرے مہرے سے بھی ملازم نہیں معلوم ہوتا بلکہ اگر غور کرو تو صاف پتہ چل جاتا ہے کہ اس نے ملازموں جیسا حلیہ بنا لیا ہے۔"

"واہ۔ خوب ہم نے غور نہیں کیا۔ بہر طور آگے فرمائیے۔"

"اس شخص کا نام اصغر خان نہیں بلکہ انور علی ہے اور اگر اس بینک میں جا کر اس کے بارے میں معلومات حاصل کرو گے جس میں کبھی ہم ملازمت کرتے تھے تو تمہیں ہماری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔"

"کیا!" شکیلہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں۔ انور علی بینک میں تین سال ملازمت کر چکا ہے دو تین بار اسے چھوٹی چھوٹی

باتوں پر سرزنش کی گئی لیکن تیسری بار اس نے بینک سے تقریباً چوالیس ہزار روپے کا غبن کیا اور بدقسمتی اسی کی یہ نکلی کہ یہ غبن فوراً ہی منظر عام پر آ گیا تحقیق کرنے سے پتہ چلا کہ غبن کرنے کا ذمہ دار انور علی ہے چیف اکاؤنٹنٹ نے صرف ازراہ انسانیت اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے قبل اپنے طور پر اسے سمجھانا چاہا کہ وہ رقم واپس کر دے تاکہ اس کی عزت بحال رہے اور اس نے انور علی کو اپنے کمرے میں بلایا تھا اور اسی وقت بلایا تھا جب بینک کی چھٹی ہو گئی تھی اور تمام اسٹاف جا چکا تھا۔ سوائے چوکیداروں کے انور علی کو جب اس بات کا علم ہوا کہ اکاؤنٹنٹ کو ساری پوزیشن معلوم ہو گئی ہے تو اس نے اکاؤنٹنٹ پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کرنے کی کوشش کی۔

اکاؤنٹنٹ بیچارا اپنی شرافت کا شکار ہو گیا انور علی اسے شدید زخمی کر کے فرار ہو گیا اپنی دانست میں وہ اکاؤنٹنٹ کو ہلاک کر گیا تھا لیکن اس کی تقدیر تھی کہ وہ بچ گیا اسپتال میں اس نے پولیس کو مکمل بیان دے دیا چنانچہ انور علی گرفتار کر لیا گیا اور پھر اسے پانچ سال کی یا سات سال کی سزا ہوئی تھی یہ واقعات میرے علم میں ہیں میں اسے بخوبی پہچان گیا ہوں کیونکہ اس کے نام کے ساتھ ایک ایسا اہم واقعہ وابستہ تھا جو مجھے آج تک یاد ہے لیکن وہ مجھے نہیں پہچان سکا اچھا خاصا تعلیم یافتہ آدمی ہے مجھے یقین ہے کہ وہ بی کام تو تھا ہی تو تم ذرا سوچو کہ ایک بی کام کا اتنی معمولی ملازمت کرنا کیا معنی رکھتا ہے بس ہم نے جاسوسی کی منزل میں پہلا قدم رکھنے کے بعد سب سے پہلا کام یہی کیا اور اس پر نہ صرف غور کیا بلکہ اس کا تعاقب بھی کیا گیا۔ رابسن روڈ کی کرم بلڈنگ میں فلیٹ نمبر بائیس اس کی ذات سے کوئی خاص رابطہ رکھتا ہے وہ فلیٹ نمبر بائیس میں دو دفعہ گیا ہے اور وہاں خاصا وقت گذار کر آیا ہے۔

"فلیٹ نمبر بائیس کی تفصیل یہ ہے کہ وہاں ایک خاتون نام جن کا سعیدہ بیگم ہے اپنے تین بچوں کے ساتھ رہتی ہیں بڑے بچے کی عمر تقریباً نو سال ہے باقی دو چھوٹی بچیاں ہیں یہ اس فلیٹ کے مکین کی پوزیشن ہے اس کا انور علی یا موجودہ اصغر خان سے کیا تعلق ہے یہ معلومات ہمیں نہیں حاصل ہو سکیں لیکن ہم نے اصغر خان کا تعاقب جاری رکھا اور یہاں بھی اس پر نگاہ رکھتے

رہے اس کے علاوہ ہم اس دوران مسلسل جھک نہیں مارتے رہے بلکہ اپنے طور پر جاسوسی کے جتنے اہم نکتے ہمارے سامنے آئے انھیں انجام دیتے رہے ہم نے خاص طور سے گیٹ کے چوکیدار سے رابطہ قائم کیا اور اس مرحوم کتے کے بارے میں معلومات حاصل کیں جو بڑی حد تک کارآمد ہیں چوکیدار نے بڑی سادگی سے بتایا کہ کتا بہت ہی شریف تھا اور عام لوگوں پر کبھی نگاہ بھی نہیں اٹھاتا تھا لیکن اس قتل سے تقریباً پندرہ دن پہلے سے کوئی دشمن راتوں کو اسے پریشان کرتا تھا کتے کو اکثر خونخوار انداز میں بھونکتے اور غراتے دیکھا گیا تھا۔

ایک بار چوکیدار نے اس کی کھوج کی تو اسے سوٹ میں ملبوس ایک شخص نظر آیا جو لکڑی سے کتے کو مار رہا تھا چوکیدار چیخ کر اس کی طرف دوڑا تو وہ دیوار پھلانگ کر بھاگ گیا چوکیدار نے اس بات کا تذکرہ کسی سے نہیں کیا تھا اس کا یہی خیال تھا کہ کوئی چور تھا۔ جو دیوار کود کر اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن مزاحمت کرنے پر فرار ہو گیا پھر اس کے بعد بھی جب کتے کو چھیڑنے کا سلسلہ برقرار رہا تو وہ پریشان ہو گیا لیکن اس بارے میں اس نے کسی کو کچھ بتایا نہیں یہ بات چھپانے میں اس کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا بس وہ یہی سوچ رہا تھا کہ کسی وقت رنگے ہاتھوں اسے پکڑ لے تو مالکان کے حوالے کرے۔ میرے خیال میں یہ اہم نکتہ ہے اسے ذہن میں رکھا جائے میں لارڈ۔ تو بات ہو رہی تھی۔ اصغر خان کی ہم نے اصغر خان کو تمام لوگوں کے کمروں میں چھپ چھپ کر جھانکتے اور کمروں میں ہونے والی گفتگو سنتے دیکھا ہے اور بغور دیکھا ہے وہ بڑا پر اسرار آدمی ہے ہماری اب تک کی معلومات کا لب لباب یہ ہے ممکن ہے تمھارے کام آسکے۔"

ظفری اور شکیلہ متحیرانہ انداز میں منہ پھاڑے بیٹھے ہوئے تھے ان کی زبان گنگ ہو گئی تھی اگر ان کا خیال غلط نہیں تھا تو یقیناً مطلق صاحب نے ایک ایسا حیرت انگیز کارنامہ انجام دے دیا تھا جس کی توقع ان سے نہیں کی جاسکتی تھی پھر ظفری بولا۔

"مطلق صاحب آپ کو یقین ہے کہ یہ شخص انور علی ہی ہے۔"

"میاں آنکھیں نکال کر باہر رکھ دیں گے اپنی اب اتنی بھی آنکھیں کمزور نہیں ہو گئیں

ہیں کہ ایک ایسے شخص کو نہ پہچانا جاسکے۔"

"کمال ہے لیکن لیکن فلیٹ نمبر بائیس بتایا تھا نا آپ نے۔"

"ہاں۔ فلیٹ نمبر بائیس کرم بلڈنگ۔"

"یہ معلوم کرنا ہے کہ اس کے مکین کون ہیں تم یوں کرو شکیلہ کہ اس سلسلے میں تم ہی مفصل معلومات حاصل کرو کسی بھی اشیاء کے چند پیکٹ خرید کر سیلز گرل کی حیثیت سے اس فلیٹ میں چلی جانا اور دیکھ کر آنا کہ کیا صورت حال ہے۔ میں ذرا ڈی آئی جی صاحب سے ملاقات کر لوں بات یہ ہے شکیلہ کہ ہم لوگ باقاعدہ جاسوسی تو نہیں کر سکتے لیکن اگر اصغر خان کو اس حیثیت سے پکڑ لیا جائے تو ڈی آئی جی صاحب پولیس کے مخصوص انداز میں اس سے اس کا راز اگلوا سکتے ہیں۔" شکیلہ اور مطلق صاحب نے اس بات سے اتفاق کیا تھا اس کے بعد یہ میٹنگ برخاست ہو گئی۔

آفتاب احمد صاحب نے کافی دلچسپی سے یہ واقعات سنے تھے۔ پھر وہ دیر تک سوچتے رہے اور پھر گردن ہلا کر بولے۔

"ٹھیک ہے اصغر خان یا انور علی کو اس بنیاد پر پکڑا جاسکتا ہے کہ وہ نام بدل کر اس کوٹھی میں ایک ایسا کام کر رہا ہے جو اس کے شایان شان نہیں ہے لیکن کسی بھی تعلیم یافتہ آدمی کو کوئی بھی کام کرنے سے روکا نہیں جاسکتا البتہ اس کے پرانے ریکارڈ کے تحت بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ وہی شخص ہے اس بات کا شبہ ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ وہ پہلے بھی ایک جرم کا مرتکب ہو چکا ہے بلکہ دہرے جرم کا اول تو چوالیس ہزار کا غبن دوسرے اکاؤنٹنٹ پر قاتلانہ حملہ چنانچہ میاں اس کوٹھی میں وہ کسی خاص ہی مقصد کے تحت گھسا ہوگا۔ لیکن جرم کرنے سے پہلے مجرم کو صرف شبے کی بنیاد پر قید نہیں رکھا جاسکتا۔

اس سلسلے میں ظفری کی بات کسی حد تک وزنی بھی ہے ممکن ہے کتے کو اشتعال دلانے والا یہی شخص ہو لیکن اور بھی بہت سی الجھنیں ذہن میں آتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر اس نے کتے کو اشتعال دلایا تو کتے نے مسعود پر حملہ کیوں کیا اور مسعود کے بارے میں کسی طور یہ بات نہیں سوچ

جاسکتی کہ وہ اس قسم کی کوئی حرکت کرتا ہوگا کیا خیال ہے کیا اس بارے میں مزید کوئی کوشش نہ کی جائے میرا مطلب ہے کچھ وقت تو لگے گا لیکن اگر ہم باقاعدہ طور پر اس شخص کی نگرانی کریں تو ممکن ہے ہمیں کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔

میرے ذہن میں یہ الجھن تھی ڈی آئی جی صاحب اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ ہم قانونی حیثیت نہیں رکھتے اور کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے جس سے قانون کھیل بن جائے اور کسی شخص کو ہمارے ہاتھ سے تکلیف پہنچ جائے جو بے گناہ ہو اس لیے میرے ذہن میں کوئی ایسی ترکیب نہیں آرہی کہ میں اس کی زبان کھلوا سکوں۔'' ظفری نے کہا۔ ڈی آئی جی صاحب تھوڑی دیر تک سوچتے رہے پھر گہری سانس لے کر بولے۔

''اچھا بھئی ٹھیک ہے میں اسپیشل والوں کو حکم دیتا ہوں کہ وہ کسی بدلے ہوئے روپ میں اصغر کو کوٹھی سے نہیں بلکہ کہیں باہر سے اٹھالیں اور پھر اپنے طور پر معلومات حاصل کریں۔ خدا مجھے معاف کرے اگر وہ اس سلسلے میں بے گناہ نکلا تو بڑی مشکل پیش آئے گی ٹھیک ہے میں یہ کام کرلوں گا۔ تم کوٹھی واپس جاؤ اور حالات پر نگاہ رکھو اگر کوئی خاص مسئلہ نہ نکلا تو میں تمھیں اس بارے میں اطلاع دوں گا۔ ڈی۔ آئی جی صاحب نے کہا اور ظفری نے گردن ہلا دی اور پھر وہ وہاں سے واپس چلا آیا تھا۔

کوٹھی کے معمول جاری تھے بہو بیگم کو جب بھی موقعہ ملتا تھا۔ وہ ظفری پر مسلط ہو جاتی تھیں اس وقت بھی یہی ہوا تھا انھوں نے ظفری کو اپنے کمرے میں بلایا تھا اور پھر ظفری کو مرجانے کی حد تک بور ہونا پڑا۔

مطلق صاحب واپس آگئے تھے اور شکیلہ بھی شکیلہ نے سعیدہ کے بارے میں بتایا کہ وہ شاطر عورت ہے اس نے اپنے بارے میں ہوا بھی نہیں لگنے دی اور پھر چونکہ اس کی پوزیشن ایسی نہیں تھی کہ وہ اس سے کوئی سوال کر سکتی وہ تو ایک سیلز گرل کی حیثیت سے وہاں گئی تھی چنانچہ سعیدہ کے بارے میں کوئی صحیح علم نہیں ہو سکا۔ گویا ابھی انتظار کرنا ہوگا۔

چنانچہ یہ لوگ انتظار کرتے رہے اصغر خان کوٹھی میں نظر آیا تھا رات کو بھی وہ وہیں ملا دوسرے دن صبح ناشتے پر بھی اسے دیکھا گیا لیکن ناشتے کے بعد سے وہ اچانک غائب ہو گیا مطلق صاحب نے اطلاع دی تھی کہ وہ کسی کام سے باہر گیا ہے۔ اور اس کے بعد وہ شام تک واپس نہ آیا رات کو بھی گھر نہ پہنچا تو ظفری کو یقین ہو گیا کہ اسپیشل پولیس والوں نے اپنا کام کرلیا ہے۔

پھر دوسری صبح حامد صاحب نے ڈی آئی جی صاحب کو فون کی اطلاع دی حامد صاحب چونکہ ان لوگوں کی پوزیشن جانتے تھے اس لیے انھوں نے ظفری کو ڈی آئی جی صاحب کے فون کے بارے میں بتایا تھا ظفری نے فون ریسیو کیا تو ڈی آئی جی صاحب کی آواز سنائی دی۔

''بھئی ظفری۔ میری طرف سے مبارکباد قبول کرو بات بن گئی حالانکہ حیرت انگیز طور پر ہی بنی ہے لیکن کمال ہو گیا بھئی بہر صورت تمھاری کاوشیں رنگ لائیں اگر تم کوٹھی میں داخل ہو کر اتنی گہری نگاہوں سے ہر شخص کا جائزہ نہ لیتے تو یہ کام آسان نہ ہوتا۔

''کیا ہوا۔ کیا ہوا جناب؟''

''بس آجاؤ تم لوگ واپس آجاؤ سارا کام بن گیا ہے ڈی آئی جی صاحب نے کہا اور اس کے بعد ان لوگوں سے صبر نہیں ہو سکا تھا۔ تینوں ہی سارے معاملات چھوڑ کر نکل بھاگے تھے ڈی آئی جی صاحب نے ظفری کا کارڈ دیکھ کے اسے ہیڈ آفس میں اپنے کمرے میں بلوا لیا تھا ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی انھوں نے انھیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ان کے لیے کافی طلب کرلی۔''

''بھئی مجرم پکڑا گیا میں تمھیں اس کے بارے میں تفصیلات بتاتا ہوں۔''

''گویا گویا وہی شخص۔ میرا مطلب ہے وہی شخص گویا مطلق صاحب کا خیال درست نکلا۔''

''سو فیصدی درست بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ یہ کیس مطلق صاحب ہی کا ہے انور علی نے جو کہانی سنائی ہے وہ بڑی دلچسپ ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ سعیدہ اس کی بہن ہے اور تینوں بچے مدثر احسان صاحب کی اولاد ہیں۔''

''کس کی؟'' تینوں چونک پڑے۔

"مدثر احسان کی، مدثر احسان صاحب نے خاموشی سے سعیدہ سے شادی کر لی تھی۔ یہ
دراصل ان دنوں کی بات ہے۔ جب انور علی جیل چلا گیا تھا وہ ایک مفلوک الحال آدمی تھا۔ اس دنیا
میں اس کا کوئی نہیں تھا بہن کو اچھی زندگی دینا چاہتا تھا اسی لیے اس نے بینک سے غبن کیا تھا لیکن
غبن کرنے کے بعد وہ کامیاب نہ ہو سکا اور دہرے جرم کا مرتکب ہو گیا جس کے نتیجے میں اسے
سات سال کی سزا ہوئی ان سات سالوں میں وہ ہر لمحہ جیل میں تڑپتا رہا سعیدہ کے بارے میں اسے
کچھ نہیں معلوم تھا۔ انہی دنوں کس طرح سعیدہ کی ملاقات مدثر احسان صاحب سے ہو گئی نجانے کیا
معاملات چلے مدثر احسان ان سے متاثر ہو گئے کافی دن تک سعیدہ ان کے ساتھ رہی اور پھر جب
اس کے ہاں بیٹا ہوا تو اس نے مدثر احسان صاحب کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں کہ اگر انھوں نے
اس سے شادی نہ کی تو وہ دنیا کو ان کے بارے میں بتا دے گی نتیجہ میں مدثر احسان صاحب نے اس
سے نکاح کر لیا لیکن اس شرط پر کہ وہ کبھی کسی کو اس بارے میں کچھ نہیں بتائے گی۔ انھوں نے سعیدہ
کو ایک فلیٹ لیکر دے دیا تھا وہی فلیٹ جو کریم بلڈنگ میں نمبر بائیس ہے وہ اسے اخراجات کے
لیے خاصی رقم دیتے تھے لیکن سعیدہ مطمئن نہیں تھی۔ اسے اپنا اور اپنے بچوں کے مستقبل کا خیال
کھائے جاتا تھا اگر دنیا کے سامنے مدثر احسان کی بیوی کی حیثیت سے نہ آئی تو ظاہر ہے مدثر
احسان کی جائیداد میں سے اس کے بچوں کو کچھ نہیں ملے گا اس سلسلے میں اس نے مدثر احسان
صاحب سے بات چیت کی تھی اور انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ سعیدہ اور اس کے بچوں کو اتنا دے
دیں گے کہ وہ کبھی کسمپرسی کا شکار نہ ہوں گے۔

لیکن یہ سب کچھ کرنے سے پہلے ہی وہ ایک اتفاقیہ حادثے کا شکار ہو کر مر گئے۔ اب
سعیدہ تنہا رہ گئی تھی حالات خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے اس کی اتنی ہمت نہیں پڑی تھی کہ وہ
مدثر احسان صاحب کے اہل خاندان سے جا کر اپنے بارے میں کہے اسی دوران انور علی چھوٹ کر
واپس آ گیا سعیدہ اسے مل گئی اور اس نے ساری تفصیل بھائی کو بتائی۔

انور علی جیل سے بہت کچھ سیکھ کر آیا تھا ویسے بھی جرائم پیشہ ذہن کا مالک تھا۔ چنانچہ وہ

منصوبے بنانے لگا۔ اور اس نے مدثر احسان صاحب کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لیں
اس کا خیال تھا کہ کسی نہ کسی طرح مدثر احسان صاحب کے بیٹے عادل مدثر کو قتل کر کے بالآخر سعیدہ
کو اس خاندان تک پہنچا دے گا سعیدہ کے پاس مدثر احسان صاحب سے شادی کا نکاح نامہ موجود
تھا۔ لیکن اگر وہ پہلے ہی یہ کوشش کر لیتا تو شاید اس سلسلے میں صحیح طور پر کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔

چنانچہ وہ منتظر تھا کہ کس وقت عادل مدثر یورپ سے واپس آئے اور یہاں کے
معاملات سنبھالے تو وہ اپنا کام کرے اس سلسلے میں اس نے اس کوٹھی میں ملازمت اختیار کر لی اور
اور وقت کا انتظار کرتا رہا اسکی خوش بختی تھی کہ وقت آ گیا لیکن یہاں رہ کر اور بھی بہت سے حالات
معلوم ہوئے تھے مثلاً نجمہ اور عادل کا معاملہ اور اس کے شیلانی ذہن نے بالآخر ایک منصوبہ بنا لیا۔
حالات اس کی مدد کر رہے تھے۔ عادل نے شادی والا ڈرامہ کیا اور ایسے میں مسعود اختر سے بھی
ملاقات ہو گئی مسعود اختر اور عادل اس طرح مل گئے کہ انور علی کو اپنے منصوبے کی تکمیل میں کوئی
رکاوٹ نہ رہی۔

چند روز میں دونوں خاصے گھل مل گئے اور مسعود ان کے ہاں روزانہ آنے جانے لگا تو
انور علی نے ایک رات نہایت چالاکی سے مسعود اختر کی رہائش گاہ میں داخل ہو کر اس کی الماری
سے ایک سوٹ چرا لیا۔ پھر یہ سوٹ پہن کر وہ راتوں کو کتے کو اشتعال دلاتا تھا ایسا کرتے وقت وہ
اپنا چہرہ چھپا لیا کرتا تھا کہ کتا اس کی شکل نہ پہچان سکے کتا صرف سوٹ کی بو سے مشتعل ہو جاتا تھا۔
پھر وہی ہوا جس کی منصوبہ بندی انور علی نے کی تھی ایک دن مسعود جب سوٹ پہن کر
کوٹھی میں آیا تو کتا اس پر دوڑ پڑا پروگرام کے مطابق انور علی نے کتے کی زنجیر کی ایک کڑی اس
طرح کاٹ دی تھی کہ اگر وہ جوش جذبات میں پاگل ہو جائے تو اسے زنجیر توڑنے میں دقت نہ ہو
انور علی دن کی روشنی میں یہ زنجیر بدل دیا کرتا تھا تاکہ کہیں کسی دن جب وہ کتے کو اشتعال دلا رہا ہو
کتا چھوٹ کر اس پر دوڑ نہ پڑے کیونکہ وہ ایک ملازم کی حیثیت رکھتا تھا اس لیے اسے یہ کام کرنے
میں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی۔ تم سمجھ گئے کہ کس طرح انور علی نے مسعود کو قتل کیا اور پھر اس کا الزام

عادل مدثر پر آ گیا عادل مدثر کے راستے میں ہٹ جانے کے بعد انور علی کا راستہ صاف تھا وہ وہ خود کہیں روپوش ہو جاتا اور سعیدہ کو ایک مظلومہ کی حیثیت سے آگے بڑھاتا اگر فرض کرو مسعود اختر کے قتل کے الزام میں عادل مدثر کو پھانسی کی سزا ہو جاتی تو پھر اس جائیداد کا حقدار سعیدہ اور اس کے بچوں کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ سب سے بڑا حق تو انہیں کا تھا اور پھر نکاح نامہ بھی موجود تھا اس سلسلے میں قانون بھی سعیدہ کو چیلنج نہیں کر سکتا تھا یہ تھی انور علی کی منصوبہ بندی لیکن اس بدبخت نے خاصی اذیتوں کے بعد یہ بات اگلی اسپیشل پولیس والوں نے جب اسے گرفتار کیا تو اس نے ان پر حملہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اور یہی کوشش اس کے لیے نقصان دہ ہو گئی۔ اسپیشل پولیس والے مشتعل ہو گئے تھے چنانچہ انھوں نے اس پر ایسا تشدد کیا کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آ گیا اور پھر اسے سب کچھ اگلتے ہی بن پڑا۔

”ہوں۔ تو گویا اب عادل مدثر کی گلوخلاصی ہو جائے گی۔

”ہاں بھئی یہ بھی تمھارے کامیاب کیسوں میں سے ایک کیس ہے۔“

”نہیں ڈی جی آئی صاحب یہ ہمارا کیس نہیں ہے یہ تو صرف تکا لگ گیا تھا۔ ظفری نے کہا اور مطلق صاحب کنکھارنے لگے ڈی آئی جی صاحب نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

”کوئی خاص بات نہیں ہے جناب والا بس دراصل یہ لوگ جسے جاسوس ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں میری کاوشوں کو تکا کہا جا رہا ہے میں اس پر احتجاج کرتا ہوں۔“

”نہیں مطلق صاحب جیسا کہ ظفری نے آپ کے بارے میں بتایا کہ درحقیقت آپ ہی نے انور علی کا انکشاف کیا تھا تو اس حساب سے یہ کیس میں آپ کی ذات سے منسوب کرتا ہوں۔“

”لیکن اب اس سلسلے میں مزید کیا کارروائی ہو گی۔“

”میاں بس عیش کرو انور علی ہمارے قبضے میں آ گیا ہے اس نے سب کچھ اگل دیا ہے اگلی پیشی پر اس بارے میں مکمل رپورٹ پیش کر دی جائے گی اور عادل مدثر رہا ہو جائے گا۔ ہاں اگر تم چاہو تو حامد صاحب کو یہ خوشخبری سنا سکتے ہو۔“

”لیکن سعیدہ کا کیا ہو گا؟“

”بھئی سعیدہ تو اس سلسلے میں بے قصور ہے اور یقینی طور پر جائیداد میں سے اسے آدھا حصہ ملے گا آدھا حصہ عادل مدثر کا ہو گا۔ اور آدھا حصہ سعیدہ اور اس کے بچوں کا وہ جب بھی قانون سے رجوع کرے گی۔ قانون یہی فیصلہ دینے پر مجبور ہو گا۔“ ڈی جی آئی صاحب نے کہا۔

ظفری، شکیلہ اور مطلق صاحب ڈی آئی جی صاحب سے رخصت ہو کر سعدی کی طرف چل پڑے تھے سعدی کو بھی تمام تفصیلات معلوم ہوئیں پھر ان سب نے حامد صاحب سے اپنے دفتر میں ملاقات کی انھیں فون کر کے دفتر میں بلا لیا گیا تھا۔

حامد صاحب یہ تفصیل سن کر دنگ رہ گئے ان کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔

”خداوند قدوس کا بڑا احسان ہے ہم پر کہ ہماری عزت محفوظ ہو گئی تم لوگ کیا سمجھتے ہو بچو میں عادل مدثر کے لیے نہیں اپنے لیے پریشان تھا کیونکہ مجھے شروع ہی سے اس سلسلے میں مطعون کیا جاتا رہا ہے کہ میں بھائی کی دولت پر نگاہ رکھتا ہوں میرا بیٹا معصوم ہے ہم لوگ بھائی کے بچے کے خلاف یہ حرکت نہیں کر سکتے تھے۔

”لیکن حامد صاحب اب سعیدہ اور اس کے بچوں کے بارے میں کیا کرنا ہے آپ کو۔“

”میاں۔ عادل مدثر چھوٹ کر آ جائے تو اس سے درخواست کر دوں گا کہ ان بچوں کو پوری شرافت و دیانت کے ساتھ ان کا حق دے دے وہ لاابالی سا انسان ہے مان جائے گا۔ میری بات۔“ حامد صاحب نے کہا اور پھر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولے۔

”تم لوگوں نے میری گردن پر بہت بڑا احسان کیا ہے میری طرف سے یہ حقیر سا تحفہ قبول کرو۔“ انھوں نے دس ہزار روپے کے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر سعدی کی طرف بڑھا دی تھی۔

”ارے ارے یہ کیا حامد صاحب۔ یہ۔ یہ نہیں لیا جا سکتا تھا۔ ویسے بھی آپ کا کیس کوئی ایسی اہمیت نہیں رکھتا تھا جس کے لیے ہم وہ پچیس ہزار روپے ہی وصول کرتے اگر آپ چاہیں تو وہ رقم بھی آپ کو واپس کی جا سکتی ہے۔

”نہیں میاں مجھے خوشی ہو گی اسے قبول کر لو تم نے میری لاکھوں کی عزت بچا لی ہے۔“

”کوئی حرج نہیں ہے سعدی اگر حامد صاحب خوشی سے دے رہے ہیں تو لے لو۔“

شکیلہ نے ٹکڑا لگایا۔ سعدی نے یہ رقم قبول کر لی تھی اس واقعے کو بارہ یا پندرہ دن گذرے ہوں گے کہ ایک دوپہر ایک اچھی خاصی فوج نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پر حملہ کر دیا اس میں حامد صاحب مولوی ناظر' عادل۔ مدثر بیگم صاحب اور چند دوسرے افراد شامل تھے۔

عادل مدثر نے آگے بڑھ کر ظفری کو گلے لگا لیا تھا۔

''ظفری صاحب آپ کا یہ احسان تا حیات میری گردن پر رہے گا۔ آپ نے میری عزت بچا لی میرے پاس اپنی صفائی کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ مجھے تمام تفصیلات معلوم ہو چکی ہیں کل ہی میرے کیس کا فیصلہ ہوا ہے اور مجھے باعزت طریقے سے رہا کر دیا ہے کیونکہ اصلی مجرم پکڑا گیا۔

''ہماری طرف سے مبارکباد قبول کرو پر خلوص مبارکباد مطلق صاحب نے عادی مدثر کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا دوران گفتگو کچھ دوسری دلچسپ باتیں بھی معلوم ہوئیں مثلاً بہو بیگم مزید دس ہزار لے کر ٹل گئی تھیں کئی دن تک وہ ظفری کے لیے آہیں بھرتی رہی تھیں گھر کے دوسرے لوگ بھی ان عجیب مہمانوں کو تلاش کرتے رہے تھے پھر حامد صاحب ہی نے ان کی تشفی کی دوسری خبر حامد صاحب نے سنائی تھی۔

''بھئی چند روز کے بعد تمہیں ایک دعوت نامہ موصول ہو گا۔ اور بڑی خوشیوں کی بات ہے کہ عادل مدثر جس سلسلے میں ان محترمہ بہو بیگم کو ہم پر مسلط کیا تھا وہ بخوبی حل ہو گیا ہے۔

''کیا مطلب۔'' سعدی چونک کر بولا۔

'''پوری کہانی تو آپ بھی سن چکے ہوں گے سعدی میاں بس خدیجہ بیگم کو عقل آ گئی۔ اس حادثے سے متاثر ہو کر ان کی طبیعت میں کافی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے بہر طور مسعود اختر کی موت کا سبھی کو رنج ہے لیکن خدیجہ بیگم نے عزیزی نجمہ سلمہا کو عادل مدثر کے عقد میں دینا منظور کر لیا ہے۔''

''مبارک مبارک' چاروں طرف سے آوازیں ابھریں اور عادل مدثر شرمائے ہوئے انداز میں مسکرانے لگی۔

☆......☆......☆

مطلق صاحب نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مضطرب صاحب کو دیکھا۔ محفل داد کے ڈونگرے برسا رہی تھی۔ ہر شعر مضطرب صاحب سے دوبارہ پڑھوایا جا رہا تھا اور اس شعر پر تو قیامت ہی آ گئی تھی۔

بے خط ہم کو پلا اے آسماں جو کچھ بھی ہے
ہاں نہیں یہ ساغرِ غم' اس میں کوئی سم نہیں

''حضور اب تک کہاں تھے۔۔۔۔؟'' کسی نے کہا۔

''یہ اضطراب پہلے کیوں نہ بڑھا۔۔۔؟؟''

''ابے بیری پتوں کی آڑ میں چھپی ہوئی تھی۔''

مضطرب صاحب نے پڑھا۔

پھول کے رخ پر نمی سی ہے جوان کے روبرو
ہے ندامت کا عرق' شادابی شبنم نہیں۔

''ابے عرق گاؤزبان ہو گا پیارے بھائی۔ فقرہ سنائی دیا۔ مطلق صاحب دم بخود تھے۔

مضطرب صاحب اوران کی شاعری سے اچھی طرح واقف تھے بڑے بڑے شاعروں کا تو تلفظ بھی صحیح ادا نہیں کر سکتے تھے کہاں مضطرب صاحب کہاں یہ غزل' بہر حال اللہ نے مضطرب صاحب کی خوب سنی تھی آج تو ان کی رگوں میں تازہ خون کے دریا بہہ رہے تھے۔ مطلق صاحب نے بھی پڑھا تھا اور جو کچھ پڑھا تھا بڑی ''احتیاط'' سے پڑھا تھا کئی دن کی ''محنت'' کے بعد پڑھا تھا مگر بات بنی نہیں تھی۔ بہت بڑا مشاعرہ تھا۔ نہ جانے اس میں شرکت کے لئے کیا کیا جتن کیے گئے تھے آرٹ کونسل کے ایک بڑے ممبر کی سفارش حاصل کی تھی تب کہیں جا کر چانس ملا تھا۔ مضطرب صاحب کو بس اسی لئے ساتھ لے لیا تھا کہ واپسی خاصی رات گئے ہوگی ایک صاحب ذوق ساتھی ساتھ رہے گا مگر مضطرب صاحب نے خوب فائدہ اٹھایا تھا اور اپنا نام بھی فہرست میں درج کرا لیا تھا۔

غزل ختم ہوگئی۔ مضطرب صاحب قریب آئے تو مطلق صاحب نے قہر آلود نظروں سے انہیں گھورا۔ پریس کے ایک نمائندے نے قریب آ کر کہا۔

''حضور دو شعر نامکمل رہ گئے۔ زحمت دوں گا۔ مکمل کرا دیجئے۔''

''کونسے مضطرب صاحب نے پوچھا اور پھر دونوں شعر مکمل کرا دیئے۔''

''حضور اس سے پہلے نہیں سنا آپ کو۔'' نمائندہ بولا۔

''بس کم ہی شرکت کر پاتے ہیں مشاعروں میں۔'' مضطرب صاحب شرما کر بولے۔

''ظلم کرتے ہیں آپ تو سخن کا سرمایہ ہیں آپ کو اس طرح عوام سے دور نہیں رہنا چاہیے۔''

''آئندہ خیال رکھیں گے۔'' نمائندہ چلا گیا تو مطلق صاحب نے غرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''کس کی تھی؟''

''اپنی۔۔۔۔''

''مجھ سے اڑ رہے ہو' بولو کہاں سے ماری۔۔۔۔؟''

''بس اللہ کی دین ہے۔'' مضطرب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بات آگے نہ بڑھ سکی کیونکہ ایک اور اخباری نمائندہ آ گیا تھا۔

''جناب مضطرب صاحب آپ کا پتہ درکار ہے۔'' اور مضطرب صاحب نے اطمینان سے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا پتہ نوٹ کرا دیا۔

مطلق صاحب نے بہت سے پینترے بدلے مگر مضطرب صاحب نے اس کے علاوہ اور کچھ نہ بس کہ یہ غزل اللہ کی دین تھی۔ غلط نہیں کہا تھا غزل بڑے دلچسپ انداز میں ان تک آئی تھی کسی کام سے گئے تھے پیدل واپس آ رہے تھے کہ سڑک کے کنارے ایک پرس پڑا نظر آیا۔ دم بخود ہو کر رک گئے ادھر ادھر دیکھا کوئی متوجہ نہیں تھا جھکے پرس اٹھا کر کرتے کی جیب میں ٹھونس لیا اور وہاں سے کھسک لئے دل میں پچھے لگے ہوئے تھے نہ جانے کیا کیا خیالات آ رہے تھے ایک مناسب جگہ رکے پرس کھول کر دیکھا اور دھت تیرے کی کہہ کر منہ بنا لیا' پرس میں ایک روپیہ بھی نہیں تھا ہاں کچھ کاغذات ضرور تھے جن میں دھوبی کی ایک رسید پرچون کا حساب اور ایک غزل تھی۔ غزل ان کی پسند کی چیز تھی اس پہ اکتفا کی اور محفوظ کر لیا۔ مگر اس وقت اس مشاعرے میں اس غزل نے ان کی قسمت جگا دی تھی سب نے اس کے شاندار ہونے کا اعتراف کیا تھا۔ مطلق صاحب تو جل بھن کر کباب ہو گئے تھے مگر مضطرب صاحب کی خوشی بے پایاں تھی۔

دوسری صبح انہوں نے بڑے اشتیاق سے اخبار کھولا تھا اور محفل مشاعرہ کی خبر تلاش کرنے لگے تھے۔ پھر ان کی مسرت کی انتہا نہ رہی مشاعرے کا حال بڑی تفصیل سے لکھا ہوا تھا۔ خود ان کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا تھا اس نے مضطرب صاحب کا سیروں خون بڑھا دیا تھا' اخبار میں لکھا تھا کہ محفل مشاعرہ بڑے بڑے نامور شاعروں کے درمیان چل رہی تھی کہ ایک گمنام شاعر نے اپنی غزل پڑھنے کی اجازت مانگی اور اس کے بعد مشاعرہ لوٹ لیا' مضطرب صاحب کے سنائے ہوئے اشعار بھی لکھے گئے تھے اور مشاعرے کا حال لکھتے ہوئے ان کو ملنے والی داد کے بارے میں بھی بتایا گیا تھا' یہاں تک کہ جوش میں آ کر انہیں علامہ مضطرب کہہ دیا گیا تھا اور کہاں گیا

تھا کہ ایسے شاعروں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیے تا کہ وہ اپنے کلام کے ساتھ گمنام نہ رہیں بلکہ ان کا کلام منظر عام پر آئے۔ حضرت علامہ مضطرب صاحب کی رہائش گاہ ڈی۔ ڈی۔ ٹی۔ لمیٹڈ کا پتہ بھی درج کر دیا گیا تھا۔ مضطرب صاحب کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اتنی عزت انہیں ملے گی انہوں نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ مست ہو رہے تھے اور سر دھن رہے تھے۔ پھر سعدی' ظفری اور شکیلہ وغیرہ بھی دفتر میں آ گئے' مضطرب صاحب کا خیال تھا کہ انہوں نے بھی اخبار میں یہ سب کچھ دیکھ لیا ہو گا لیکن ان کے چہرے سے کسی خاص بات کا پتہ نہیں چلتا تھا' مضطرب صاحب عالم اضطراب میں تھے اور رات کے مشاعرے کی داد اب یہاں وصول کرنا چاہتے تھے' لیکن سعدی' ظفری اور شکیلہ کچھ ایسے معاملات میں مصروف ہو گئے کہ مضطرب صاحب نے انہیں خالی ہی نہ پایا' البتہ ٹیٹو سے گفتگو کرنے لگے لیکن ابھی اخبار ٹیٹو کو دکھایا بھی نہیں تھا کہ ٹیٹو کی اندر طلبی ہو گئی اور مضطرب صاحب مایوس ہو کر اپنے دفتر میں جا بیٹھے' یہ سوچا تھا کہ لنچ میں ان لوگوں کو رات کی کارستانی سنائی جائے گی' پھر انہیں بھی مصروف ہو جانا پڑا اور تھوڑی دیر کے لئے رات کی محفل اور وہ سحر زدہ کر دینے والا مشاعرہ ان کے ذہن سے نکل گیا' ٹیٹو باہر بیٹھا ہوا تھا' دفتر وغیرہ کی صفائی ہو چکی تھی۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو پچھلے دنوں از سر نو آراستہ کیا تھا' خیال یہ تھا کہ اب اس کی کارکردگی کا دائرہ بڑھایا جائے' اب تک کا تمام کاروبار نہایت کامیابی سے ہوا تھا اور اس سلسلے میں انہیں بہترین مالی فائدے حاصل ہوئے تھے' حالات سدھر گئے تھے مطلق صاحب کو تو ایک گوشے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ مکان بھی نیا لے لیا گیا تھا' چچی جان عیش کر رہی تھیں' خدا نے انہیں ایک طویل عرصہ بے اولاد رکھا تھا لیکن بعد میں انہیں بے شمار اولادوں سے نواز دیا تھا جن میں سعدی' ظفری' شکیلہ وغیرہ وغیرہ تھے' اور اب ان لوگوں نے تمام صورت حال سنبھال لی تھی اور بیگم صاحب کو حقیقی معنوں میں عمر کے اس حصے میں زندگی کا لطف آیا تھا۔

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں ان لوگوں کا خیال تھا کہ اب اس میں مزید اسٹاف کی ضرورت ہے' کام خاصا بڑھتا جا رہا تھا اور لوگ اب اس کی جانب متوجہ ہونے لگے تھے' درحقیقت

کچھ لوگوں کے ذاتی مسائل ہوا کرتے ہیں' جنہیں سلجھانے کی ان میں نہ ہمت ہوتی ہے نہ طریقہ کار آتا ہے ایسے مسئلوں کو نمٹانے کے لئے اگر کچھ ساتھ مل جائیں تو بات بہت آسان ہو جاتی ہے اور اب لوگ خفیہ طور پر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں ایک دوسرے سے معلومات حاصل کرنے لگے تھے' خصوصاً اونچی سوسائٹی میں اس کا نام گونجنے لگا تھا اور یہ بات خاصی حد تک ذہنوں میں آتی جا رہی تھی کہ درحقیقت ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ ہے جو مختلف حیلوں بہانوں سے یہ کام کرتا ہے لیکن اس کا دم غنیمت ہے' کچھ ایسے لوگوں نے بھی دوسرے لوگوں تک یہ خبریں پہنچائی تھیں' جنہیں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے فائدہ حاصل ہو چکا تھا اور اس طرح ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی پبلسٹی ہوتی جا رہی تھی' جہاں تک پولیس کا معاملہ تھا تو چونکہ ان لوگوں کو بیگم جہاں آراء ہدایت پور کے توسط سے کچھ اعلیٰ ترین پولیس افسروں کی سرپرستی حاصل ہو چکی تھی اور پولیس افسروں کو یہ اعتراض اس لئے نہیں تھا کہ آج تک کا مکمل ریکارڈ ان کے سامنے تھا' ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ نے خود کبھی کوئی غیر قانونی کارروائی نہیں کی تھی لیکن غیر قانونی حرکتیں کرنے والوں کو گردن سے پکڑ کر پولیس کے حوالے کیا تھا اور اس طرح پولیس کی امداد بھی ہوئی تھی' چنانچہ ان لوگوں کے ساتھ خاصی رعایت برتی جاتی تھی اور بہت سی جگہوں سے تعاون بھی کیا جاتا تھا' ذاتی طور پر بھی ان کے تعلقات پولیس کے اچھے اچھے افسروں' انسپکٹروں اور دوسرے لوگوں سے ہو چکے تھے۔

چنانچہ ڈی۔ ڈی۔ ٹی لمیٹڈ کا نیا منصوبہ آہستہ آہستہ تکمیل کو پہنچتا جا رہا تھا' اسٹاف کے لئے شاندار فرنیچر لگوا لیا تھا' ابھی تک اسٹاف رکھا نہیں گیا تھا' بس یہی پانچ افراد ابھی یہاں کی گاڑی چلا رہے تھے۔ یعنی مسٹر ٹیٹو' ایم اے ای ٹی ایم' جناب مضطرب صاحب' اور ادھر سعدی' ظفری اور شکیلہ' لیکن منصوبے برق رفتاری سے عمل پذیر تھے اور بہت جلد ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ایک نئی صورت میں جلوہ گر ہوا چاہتا تھا۔ لیکن اس وقت جو شخصیت ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر میں جلوہ گر ہوئی وہ بھی اپنی مثال آپ تھی' قد کوئی پانچ فٹ ایک انچ' وزن غالباً پینتالیس کلوگرام گال پچکے ہوئے بس ان گالوں پر لمبی لمبی نوکیلی مونچھیں نہ ہوتیں تو یہ چہرہ چھوٹا سا بند گوبھی معلوم ہوتا' سر پر دو

پلی ٹوپی' جسم پر چوڑی دار پائجامہ اور کرتا۔ بدن تھا ہی کہاں جس کے بارے میں کوئی تذکرہ کیا جائے' پیروں میں سلیم شاہی جوتے' ہونٹوں پر پان کی دھڑی لیکن آنکھیں غصے سے سرخ' اندر داخل ہوتے ہی خوفناک نعرہ لگایا۔

"نہیں چھوڑوں گا اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔۔۔" ٹیٹو ہی سامنے تھا' وہ اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا' آنے والے نے فرش پر پاؤں پٹخے اور ٹیٹو کو گھورتا ہوا بولا۔

"تم تم ہو۔۔۔۔" ٹیٹو حیرانی سے ان کی صورت دیکھنے لگا' آنے والے حضرت خوفناک انداز میں آگے بڑھے تو ٹیٹو نے جلدی سے پوزیشن لے لی اور دونوں ہاتھ مارشل آرٹ کے انداز میں سیدھے کر کے حملہ آور سے مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔

"لڑو گے۔ لڑو گے اولاد کی قسم بنوٹ کا ماہر ہوں وہ پنجی دوں گا کہ ساری ہڈیاں کڑکڑا جائیں گی۔"

"چیلنج۔" ٹیٹو نے سینہ پھلا کر کہا۔ تب آنے والے حضرت کو احساس ہوا کہ غلطی سے جلدی بازی کر بیٹھے ہیں' خونی آنکھوں سے ٹیٹو کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"تو تم ہو؟"

"ہاں میں ہوں پھر۔۔۔۔" ٹیٹو نے کہا۔

"نہیں چھوڑوں گا' اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔"

"مگر تم ہو کون؟" ٹیٹو نے سوال کیا۔

"چمن گلاب پروانہ سمجھ گئے۔"

"سمجھ گیا۔" ٹیٹو نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"پیسے کہاں ہیں؟" چمن گلاب پروانہ نے ٹیٹو کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا اور ٹیٹو کے دونوں ہاتھ بے اختیار اپنی جیبوں کی جانب چلے گئے' پھر اس نے سنبھل کر کہا۔

"تمہیں کیا۔۔۔؟"

"نکالو ورنہ اچھا نہیں ہو گا' نہیں چھوڑوں گا اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔"

"مگر کیسے کیسے' کچھ منہ سے تو پھوٹو۔۔۔؟"

"ابے سارا کیا دھرا چوپٹ کر دیا تین مہینے گیارہ دن کی محنت خاک میں ملا دی' ہائے اللہ ہم تو مر جائیں۔" آنے والے صاحب کے انداز میں اچانک ہی ڈھیلا پن پیدا ہو گیا' ان کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے' ٹیٹو کی سمجھ ہی میں کچھ نہیں آیا تھا' کیا کہتا بیچارہ حیرانی سے صورت دیکھتا رہ گیا آنے والے حضرت ایک لمحے کے لئے گردن جھکا کر افسردگی سے کھڑے رہے اور ایک بار پھر ان کے اندر جوش پیدا ہو گیا۔

"نہیں چھوڑوں گا' اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا' ارے اسے کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری' ابے کچھ شرم و حیا ہے تمہارے اندر۔۔۔" اسی وقت گھنٹی بجی ٹیٹو کی اندر طلبی ہوئی تھی۔

"ایک منٹ رکو' ابھی آیا۔" ٹیٹو نے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔

"مضطرب صاحب کو بلاؤ۔۔۔" ظفری نے ٹیٹو سے کہا' مگر جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ پروانہ صاحب دھڑ سے اندر داخل ہو گئے۔

"نہیں چھوڑوں گا' اولاد کی قسم بنوٹ جانتا ہوں۔" سعدی ظفری اور شکیلہ اچھل پڑے تھے۔ انہوں نے تعجب سے آنے والے کو دیکھا۔ ٹیٹو بھی چونک پڑا تھا' پروانہ صاحب اس کی بغل سے گزر کر آگے بڑھ گئے۔ اور پھر اپنے مخصوص انداز میں بولے۔ "نہیں چھوڑوں گا۔ نہیں چھوڑوں گا۔"

"کون ہیں آپ۔۔۔؟" شکیلہ بولی۔

"احقر کو چمن گلاب پروانہ کہتے ہیں۔"

"مجھے تو آپ دیوانے لگتے ہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"ابا کا ہمشکل ہوں۔ سب یہی کہتے ہیں۔"

"جی۔۔۔؟"

"نہیں چھوڑوں گا۔ اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔" پروانہ صاحب پھر غرائے اور ٹیٹو کو گھورنے لگے۔

"کیا قصہ ہے ٹیٹو' کون صاحب ہیں یہ۔۔۔؟" سعدی نے ٹیٹو کو گھورتے ہوئے کہا۔

"پتا نہیں صاحب اچانک ہی گھس آئے اور کہنے لگے کہ نہیں چھوڑوں گا اولاد کی قسم' نہیں چھوڑوں گا۔ پھر چیلنج کرنے لگے کہ بنوٹ جانتے ہیں۔۔۔"

"تو پھر جھوٹ بول رہا ہوں مم۔۔۔ مگر مگر' ٹیٹو' ٹی ٹی۔۔۔ ٹی' ٹوٹو ٹو۔" پروانہ صاحب ہکلانے لگے۔

"ہاں یہ ٹیٹو ہیں آپ کو کس سے ملنا ہے۔۔۔؟"

"وہ کہاں گئے آپ کے شاعر اعظم' مضطرب صاحب' ابے شرم نہیں آئی۔ انہیں غیر کی منزل مشاعرے میں پڑھتے ہوئے' اپنا نام چھپوا لیا اخبار میں' ہم تو جیسے' نہیں چھوڑوں گا' اولاد کی قسم بالکل نہیں چھوڑوں گا۔۔۔"

"شادی شدہ ہیں آپ۔۔۔؟" ظفری نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"ایں نہیں کون کہتا ہے؟"

"پھر کس کی اولاد کی قسم کھا رہے ہیں؟"

"اماں چھوڑو' سارے کے سارے ایک جیسے لگتے ہو' میں کہتا ہوں وہ گئے کہاں' ذرا بلاؤ انہیں۔۔۔" پروانہ صاحب نے چیلنج کرنے والے انداز میں آنکھیں نچاتے ہوئے کہا' سعدی نے ٹیٹو سے کہا۔

"ٹیٹو جاؤ ذرا مضطرب صاحب کو بلا کر لاؤ۔۔۔" اور ٹیٹو باہر نکل گیا۔

"آپ تشریف رکھیے پروانہ صاحب۔۔۔"

"نہیں بیٹھوں گا۔" پروانہ صاحب غرا کر بولے اور سعدی' شکیلہ کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا' ٹیٹو نے شاید مضطرب صاحب کو کچھ بتایا نہیں تھا' بس طلبی کے بارے میں کہہ دیا تھا' مضطرب

صاحب اندر گھس آئے تو سعدی کہنے لگا۔

"مضطرب صاحب' آپ کے مہمان آئے ہیں۔"

"تو تم ہو' نہیں چھوڑوں گا اولاد کی قسم بالکل نہیں چھوڑوں گا۔" پروانہ صاحب اپنی جگہ سے اچھلے اور انہوں نے مضطرب صاحب کے سر پر ایک چپت لگا دی اور تھوڑے فاصلے پر جا کھڑے ہوئے' پھر وہاں سے دوڑ لگائی ایک بار پھر اچھلے اور مضطرب صاحب کے سر پر چپت لگا کر دوسری جانب نکل گئے اس طرح انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی چپتیں مضطرب صاحب کے سر پر لگا دیں اور مضطرب صاحب اس طرح بچنے لگے جیسے چیلیں ان کے سر پر جھپٹے مار رہی ہوں' سعدی' ظفری اور شکیلہ کا ہنستے ہنستے برا حال تھا' پروانہ صاحب اپنا دکھ تو بتا ہی چکے تھے اور مضطرب صاحب کے لئے یہ کام کوئی نیا نہیں تھا' اکثر اس قسم کی حرکتیں کھوپڑی پر چپت رسید کر کے دوسری جانب جا کر کرنے لگے تو ٹیٹو نے ان کی کمر پکڑ لی اور انہیں اس طرح اٹھا کر کندھے پر بٹھا لیا' پروانہ صاحب بری طرح اچھل رہے تھے۔۔۔

"نہیں چھوڑوں گا' خدا کی قسم نہیں چھوڑوں گا بس کہہ دیا میں نے اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔"

"تو پھر میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔۔۔" ٹیٹو نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اماں نیچے اتارو گر گیا تو ہڈیاں پسلیاں سرمہ ہو جائیں گی۔ آہ چھت سے تھوڑے ہی نیچے ہو اماں اتارو' میں کہتا ہوں نیچے اتارو۔۔۔"

"بیٹھو گے؟" ٹیٹو نے اوپر منہ کر کے کہا۔

"بیٹھوں گا۔۔۔"

"اچھلو گے تو نہیں۔۔۔"

"نہیں اچھلوں گا۔۔۔"

"تو پھر آؤ بیٹھ جاؤ شرافت سے کرسی پر۔۔۔" ٹیٹو نے کہا اور پروانہ صاحب کو کندھے

سے اتار کر کرسی پر رکھ دیا' پروانہ صاحب پھر مضطرب صاحب کی طرف گھوم گئے تھے اور مضطرب صاحب دونوں ہاتھ سر پر رکھے ہکا بکا کھڑے ہوئے تھے' ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا قصہ ہے' تب سعدی نے کہا۔۔۔۔

"جی' مضطرب صاحب' فرمایئے کیسے مزاج ہیں آپ کے۔۔۔؟"

"یہ کک۔۔۔کیا چیز ہے' یہ جھج ۔۔۔۔جھپٹے۔۔۔" مضطرب صاحب نے ہکلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ نے حرکت ہی ایسی کی ہے' کوئی غزل پڑھی ہے آپ نے مشاعرے میں۔۔؟"

"جی۔۔۔" مضطرب صاحب کی آنکھیں حیرت سے نکل پڑیں۔۔۔

"جی ہاں' یہ چمن گلاب پروانہ ہیں اور آپ پر اپنی غزل کی چوری کا دعویٰ رکھتے ہیں۔۔۔"

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا جناب کیا قصہ ہے۔۔۔؟"

"ابے جیب کترے' صورت ہی سے لگتے ہو اور کہتے ہو سمجھ میں نہیں آ رہا' پہلے میری پاکٹ ماری اس میں سے دو سو اٹھائیس روپے نکال لئے' دھوبی کی رسید نکال لی اور ساتھ ساتھ میری غزل بھی نکال لی اور پھر چوری اور سینہ زوری تو دیکھو کہ مشاعرے میں غزل بھی پڑھ ڈالی اخبار میں پتہ بھی چھپوا دیا میں کہتا ہوں' میں کہتا ہوں وہ غزل کیا تمہارے باپ کی تھی۔"

"تمہارے باپ کی تھی۔۔۔؟" مضطرب صاحب سنبھل کر غرائے۔

"تو اور کیا' جانتے ہو میرے باپ کا کیا نام تھا۔۔۔؟"

"میں کیا جانوں' تمہارا باپ تھا میرا تو کوئی نہیں تھا۔۔۔" مضطرب صاحب جھلا کر بولے۔

"ان کا نام بہار گلشن دیوانہ تھا' میرے بالکل ہمشکل تھے سمجھے غزل انہی کی تھی' میں نے بڑی احتیاط سے ورثے کے طور پر سنبھال کر رکھی تھی اور تین مہینے گیارہ دن تک میں نے اس میں ردو بدل کی تھی' تب کہیں جا کر وہ اس قابل ہوئی کہ میں اسے مشاعرے میں پڑھ سکوں تو نے بیٹا میری جیب کاٹی اور اس کے ساتھ ساتھ غزل بھی مشاعرے میں پڑھ دی' نکالو دو سو اٹھائیس روپے ورنہ نہیں چھوڑوں گا اولاد کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔۔۔" پروانہ صاحب نے ایک بار پھر کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی اور ٹیٹو نے دونوں ہاتھ دونوں سمت پھیلا دیئے چنانچہ پروانہ صاحب صابن کے جھاگ کی طرح نیچے بیٹھ گئے۔

"حضرات آپ ہی دیکھ لیجئے' میں ایک غریب شاعر' ابا کی غزل تھی' میری اپنی ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی' بڑی محنت سے سنبھال کر رکھا ہے ان کی بیاض کو اور اس میں سے یہ غزل نکالی تھی' پھر دن رات محنت کر کے اسے اس قابل بنایا تھا کہ کسی مشاعرے میں پیش کر سکوں' ان حضرت نے میری جیب کاٹ لی' دو سو اٹھائیس روپے نکال لئے' دھوبی کی رسید نکالی اور غزل بھی نکال لی چلو یہ سب کچھ تو ہوا ہی تھا لیکن غزل مشاعرے میں پڑھ بھی دی اخبار میں نام بھی چھپوا لیا' مضطرب ہائے ہائے مضطرب نہیں چھوڑوں گا اولاد کی قسم بالکل نہیں چھوڑوں گا۔۔۔" ساری بات سعدی' ظفری اور شکیلہ کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ مضطرب صاحب کے چہرے ہی سے لگ رہا تھا کہ وہ چور ہیں کچھ جھینپے جھینپے سے نظر آنے لگے تھے' پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"سنیئے پروانہ صاحب' آیئے ذرا الگ چل کر معاملہ طے کر لیں۔"

"چھوڑوں گا نہیں' کہہ دیا ہے میں نے ایک بار اولاد کی قسم کھائی ہے' معمولی بات نہیں ہے چھوڑوں گا نہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مم۔۔۔۔ مگر آپ اس بات پر یقین کیجئے میں جیب تراش نہیں ہوں۔"

"نہیں ہو' پھر میرے دو سو اٹھائیس روپے کہاں گئے۔۔۔؟"

"میں نہیں جانتا' آپ کا پرس کئی دن پہلے مجھے سڑک پر پڑا ہوا ملا تھا' ایک پیسہ بھی نہیں تھا اس میں بس یہ غزل تھی اور دھوبی کی رسید بھی تھی' وہ وہ میں نے وہیں پھینک دی اور یہ غزل' غزل

مجھے پسند آگئی تھی' معافی چاہتا ہوں اس کے لیے انتہائی شرمسار ہوں۔۔۔"

"اے ہے شرمسار ہو' اخبار میں جا کر اطلاع کرو کہ میں شرمسار ہوں' شرمساری چھپواؤ' ابے میں کہتا ہوں چوری کی غزلیں پڑھتے ہوئے شرم نہیں آتی۔۔۔؟"

"اب آئے گی آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔۔۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"مضطرب صاحب' آپ پروانہ صاحب کو دو سو اٹھائیس روپے بلکہ دو سو پچاس روپے ادا کیجئے گا اور ان سے معافی بھی مانگیے اور توبہ کیجئے کہ آئندہ چوری کی غزل نہیں پڑھی جائے گی' ورنہ ہم اخبار میں یہ بات چھپوائیں گے کہ یہ غزلیں پروانہ صاحب بلکہ چمن گلاب پروانہ کے والد بزرگوار' مرحوم۔۔۔۔؟" سعدی نے پروانہ صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پروانہ صاحب نے اثبات میں گردن ہلا دی ان کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی نظر آنے لگی تھی پھر انہوں نے چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں' مر چکے ہیں بیچارے۔۔۔۔"

"تو یہ غزل پروانہ صاحب کے والد' بہار گلشن دیوانہ کی تھی جو آپ نے غلطی سے مشاعرے میں پڑھ دی سمجھ رہے ہیں ناں آپ۔۔۔؟"

"جج۔۔۔جی ہاں سمجھ رہا ہوں۔۔۔۔"

"تو نکالیے ڈھائی سو روپے۔۔۔۔" سعدی نے کہا اور مضطرب صاحب نے جیب کے اندرونی حصے میں ہاتھ ڈال کر نوٹ نکالے سو سو کے نوٹ تھے پچاس کا کوئی نوٹ نہیں تھا ان کے پاس' انہوں نے تین سو روپے نکالنے کے بعد دو سو روپے ایک ہاتھ میں پکڑے اور پروانہ صاحب سے بولے۔

"سو کا کھلا ہے آپ کے پاس۔۔۔؟"

"نہیں ہے' صرف دو روپے پڑے ہیں جو واپسی کے لئے کرائے کے ہیں۔۔۔"

"تت۔۔۔تو پھر کیا کیا جائے۔۔۔؟"

"چلئے تین سو روپے دے دیجئے۔۔۔۔" سعدی نے کہا اور مضطرب صاحب کا منہ لٹک گیا پھر انہوں نے تین سو روپے پروانہ صاحب کے حوالے کر دیئے تھے۔۔۔ پروانہ صاحب اب بھی مضطرب صاحب کو گھور رہے تھے' پھر انہوں نے کہا۔

"ابا کی غزل تھی' میری ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی اور وہ دھوبی کی رسید؟"

"دھوبی سے بات کر لیجئے گا آپ ویسے بھی چہرے سے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں' رسید کے بغیر بھی وہ آپ کے کپڑے دے دے گا۔" ظفری نے انہیں چمکارتے ہوئے کہا۔

"وہ تو خیر ٹھیک ہے' کپڑے تو میں لے بھی چکا ہوں چلئے ٹھیک ہے' آئندہ ایسی حرکت سے گریز فرمایئے گا۔"

"والد صاحب کی بیاض میں اور بھی غزلیں ہوں گی۔۔۔۔" ظفری نے پوچھا۔

"پورا دیوان ہے۔" پروانہ صاحب مسکرا کر بولے اب ان کا موڈ بحال ہو گیا تھا۔

"تو ایک ایک کر کے یہ غزل بازار میں پھینکتے رہیے آپ کو تین سو روپے فی غزل کے حساب سے معاوضہ مل جایا کرے گا۔۔۔" پروانہ صاحب کسی سوچ میں ڈوب گئے پھر انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھا کاروبار ہے سوچوں گا' سوچوں گا آپ' آپ کو کچھ اور غزلیں تو نہیں چاہئیں۔۔۔۔؟"

"اماں جاؤ ورنہ کیا فائدہ میری بھی کھوپڑی گھوم گئی تو۔۔۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"چوری کریں گے تو یہی نتیجہ ہوگا۔" پروانہ صاحب نے عجیب سے انداز میں لچکتے ہوئے کہا اور شکیلہ ہنس ہنس کر دوہری ہو گئی' بمشکل تمام پروانہ صاحب کو ٹیٹو نے کمر سے پکڑ کر کمرے کے باہر اور پھر دفتر کے دروازے کے باہر دھکیلا تھا' مضطرب صاحب مسمسی سی شکل بنائے بیٹھے ہوئے تھے' ساری خوشی کافور ہو گئی تھی' پتہ نہیں کس کمبخت کا منہ دیکھ لیا تھا صبح ہی صبح' تین سو روپے کا نقصان بھی ہوا تھا' بے عزتی الگ ہوئی تھی' سعدی اور ظفری نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

”جی مضطرب صاحب تو رات کو آپ مشاعرے میں شریک تھے۔“

”جج۔۔۔۔۔جی ہاں جناب بدقسمتی سے یہ سب کچھ ہو گیا‘ مگر غزل بہت اچھی تھی اگر پروانہ صاحب کے والد صاحب کی بھی تھی تو بلاشبہ دیوانہ صاحب بہت اچھے شاعر تھے۔“

”ایک بات بتائیے تخلص نہیں تھا اس میں۔۔۔۔؟“

”تخلص ہوتا تو یہ مصیبت ہی کیوں پیش آتی۔۔۔۔“ مضطرب صاحب نے مضمحل لہجے میں کہا۔

”جائیے آئندہ خیال رکھیئے گا۔۔۔“

”مسئلے دو سو روپے اور بچے ہیں میرے پاس۔۔۔۔“ مضطرب صاحب بولے۔

”تو پھر۔۔۔۔؟“

”آپ کا کچھ کھانے پینے کا ارادہ ہو تو منگوا دوں۔۔۔۔“

”مطلب کیا ہے آپ کا۔۔۔؟“

”ایک عرض کرنا چاہتا تھا۔۔۔“

”کیا۔۔۔۔؟“

”مطلق صاحب کو نہ بتائیے ویسے ہی رات سے ان کے اور میرے تعلقات کشیدہ ہو گئے ہیں‘ دراصل مشاعرے میں مجھے کچھ ضرورت سے زیادہ ہی داد مل گئی تھی اور آج کے اخبار نے میرا نام اور پتہ وغیرہ چھاپ دیا تھا‘ غلطی ہو گئی اگر پتہ نہ دیتا تو یہ مشکل پیش نہ آتی لیکن اب جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی گیا ہے آپ سے درخواست ہے کہ مطلق صاحب کو اس بارے میں اطلاع نہ دیجئے‘ اب اپنے قدیم تعلقات کی بناء پر یہ درخواست کر رہا ہوں اور جواب چاہتا ہوں۔۔۔“

”ٹھیک ہے۔ مطلق صاحب کو نہیں بتایا جائے گا۔“ ظفری نے کہا اور جب مضطرب صاحب باہر نکل گئے تو تینوں پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنسنے لگے واقعی بڑا دلچسپ لطیفہ ہو گیا تھا صبح کا آغاز بڑا دلچسپ ہوا تھا۔ کاروباری طور پر بھی یہ دن ان کے لئے منافع بخش رہا۔ اس واقعے کے کچھ دیر بعد

ہی ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور سعدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے کسی خاتون کی آواز سنائی دی تھی۔۔۔۔

”معاف کیجئے گا آپ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے بول رہے ہیں۔۔۔“

”جی۔۔۔فرمائیے خیریت ہے۔۔۔۔“

”مجھے علم ہوا ہے کہ یہ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ ہے۔ اور آپ لوگ معاوضہ لے کر مشکل میں پھنسے ہوئے افراد کی مدد کرتے ہیں۔۔۔۔“

”یہ گفتگو آپ ٹیلیفون کے بجائے ہمارے دفتر آ کر نہیں کر سکتیں خاتون۔۔۔۔“

”کچھ مجبوریاں ہیں جناب۔۔۔۔جن کی بنا پر یہ ممکن نہیں۔۔۔۔“

”خیر فرمائیے۔۔۔کیا تکلیف ہے آپ کو۔۔۔۔؟“ سعدی نے پوچھا۔۔۔

”میں ایک بے گناہ کی زندگی بچانا چاہتی ہوں۔ ایک ایسا نوجوان موت کی دہلیز پر کھڑا ہوا ہے جس نے اپنی پوری زندگی میں کوئی جرم نہیں کیا۔ لیکن اسے ایک قتل کے الزام میں پھانس لیا گیا ہے۔ اور اس کا کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ اگر آپ اس کی مدد کر سکیں تو میں آپ کا وہ تمام معاوضہ ادا کرنے کے لئے تیار ہوں جو آپ کے ہاں مخصوص ہے۔“

”میڈم آپ نے بڑے اچھے وقت ہم سے رابطہ قائم کیا ہے۔ کیونکہ ابھی تک ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ میں کلیئرنس سیل چل رہی ہے۔ ہم صرف پچیس ہزار روپے معاوضہ لے کر مشکلات میں پھنسے ہوئے لوگوں کی مدد کرتے ہیں جبکہ اب تھوڑے ہی عرصے کے بعد معاوضے بڑھنے والے ہیں۔ دیکھئے نا مہنگائی کا دور ہے۔ رات کو ایک چیز کی قیمت سو روپے ہوتی ہے صبح کو ڈیڑھ سو روپے۔ کوئی پرسان حال نہیں ہے۔ صارفین کو بس اطلاع ملتی ہے کہ اب یہ شئے انہیں اس قیمت میں دستیاب ہو گی۔ اور وہ بیچارے دن بھر کلستے رہتے ہیں۔ پہلے دن اس شئے کو نہیں خریدتے۔ دوسرے دن اپنے آپ کو تیار کرتے ہیں۔ اور پھر تیسرے دن بحالت مجبوری اسے خرید لیتے ہیں۔ اس یقین کے ساتھ کہ آئندہ ماہ اس کی قیمت یقینی طور پر ڈیڑھ سو روپے سے بڑھ چکی ہو گی۔“

"اتنی باتیں کرنے کی بجائے اگر آپ صرف کام کی باتیں کرتے تو کیا حرج تھا۔"

"جی بالکل ہم اپنے گاہکوں سے ہمیشہ ان کی پسند کی گفتگو کرتے ہیں۔ تو ہمارا معاوضہ پچیس ہزار روپے مگر اخراجات آپ کو ادا کرنے ہوں گے اور پوری ایمانداری کے ساتھ ان کی رسید پیش کی جائے گی۔۔۔"

"معاوضہ کچھ بھی ہو اخراجات کچھ بھی ہوں آپ معاوضے اور اخراجات کے بجائے یہ بات کیجئے کہ آپ ہماری مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔۔۔"

"دل و جان سے خاتون۔۔۔ لیکن ایک بار پھر بھی عرض کیا جائے گا کہ اگر آپ براہ راست ملاقات کر لیتیں تو بہتر تھا۔۔۔"

"ابھی یہ ممکن نہیں لیکن آپ کا معاوضہ پچیس ہزار آپ کو پیشگی ادا کر دیا جائے گا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک بڑی رقم کا چیک بھی جسے آپ اخراجات کے طور پر خرچ کر سکیں گے ایسا طریقہ کار دریافت کر لیا جائے گا جس سے آپ کے اور میرے درمیان ٹیلیفون پر رابطہ رہے گا۔ اور آپ مجھ سے اپنی ضرورت کے مطابق معلومات حاصل کر سکیں گے۔" سعدی نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔۔۔

"ان حالات میں بھی کام برا نہیں رہے گا۔ اب آپ ذرا تفصیل فرما دیجیے۔ کون ہے وہ بے گناہ نوجوان جسے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا ہے۔۔۔"

"اس کا نام راحیل قریشی ہے۔۔۔"

"اوہو شاید مجھے یاد آ گیا ہے۔۔۔ اخبار میں اس شخص کے بارے میں خبر پڑھی تھی۔ اس نے غالباً کسی بزنس مین جمال الدین خان کو قتل کر دیا تھا۔۔۔"

"جی میں بالکل اسی کی بات کر رہی ہوں۔ حقیقت میں وہ نوجوان قاتل نہیں ہے۔ بلکہ اسے قتل کے الزام میں پھنسایا گیا ہے آپ اگر اس سلسلے میں تفتیش کریں گے تو آپ کو یقینی طور پر حقیقت معلوم ہو جائے گا۔ پولیس کے معاملات آپ جانتے ہی ہیں۔ اول تو وہ اس قسم کے کاموں

میں دلچسپی نہیں لیتی جس میں اسے کوئی خاص فائدہ نہ حاصل ہو رہا ہو اور خاص فائدہ حاصل ہو جائے تو پھر قاتل وہ ہوتا ہے جو کچھ لوگوں کی پسند کا ہو۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہیں آپ۔۔۔"

"جی بالکل بالکل۔۔۔ ظاہر ہے ہمارا واسطہ دن رات پولیس سے رہتا ہے۔"

"تو اب سے تھوڑی دیر کے بعد آپ کے پاس آپ کا معاوضہ اور وہ رقم پہنچ جائے گی جو اخراجات کے لئے ہو گی۔۔۔"

"ٹھیک ہے آپ کا کیس فوری طور پر رجسٹرڈ کر لیا جاتا ہے اور اب آپ یہ فرمائیے کہ آپ سے اس سلسلے میں رابطے کیسے ہو سکیں گے۔۔۔"

"میں دن میں تین بار آپ کو ٹیلیفون کروں گا۔ صبح گیارہ بجے دوپہر کو دو بجے اور شام کو جس وقت بھی آپ فرمائیں۔۔۔"

"شام کو میرا خیال ہے پانچ بجے ٹھیک رہے گا۔۔۔"

"یہ ٹیلیفون میں آپ کو کر کے آپ سے صورتحال معلوم کر لوں گی۔ اور جو ذمہ داری آپ میرے سپرد کرنا چاہیں گے اس کی تکمیل کروں گی۔۔۔"

"بے حد شکریہ۔ اب ہم رقم کا انتظار کر رہے ہیں۔۔۔" سعدی نے کہا اور دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔ ظفری اور شکیلہ سوالیہ نگاہوں سے سعدی کو دیکھ رہے تھے۔ سعدی نے انہیں تمام حقیقت بتائی اور ظفری ہونٹ سکیٹر کر خاموش ہو گیا۔ شکیلہ نے کہا۔۔۔

"معاملہ دلچسپ ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ایک نیا تجربہ بھی۔" زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ٹیٹو ایک ایسے شخص کو پکڑ کر اندر لے آیا جو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کر رہا تھا۔ بیوقوف سا سیدھا سادھا آدمی تھا۔ سعدی نے اس سے پوچھا۔۔۔

"کیا تکلیف ہے بھائی تجھے۔ ٹیٹو اسے کیوں لائے ہو۔۔۔؟"

"سر دروازے سے اندر داخل ہوا اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ ڈی ڈی ٹی کہاں ہے۔۔۔"

"ہوں۔۔۔ کیا بات ہے بھئی۔۔۔؟"

"جی ڈی ڈی ڈی یہی ہے نا۔۔۔؟"

"ہاں یہی ہے۔۔۔"

"آپ انہیں جانتے ہیں جو برقعہ پہنتی ہیں۔۔۔؟"

"اچھی طرح جانتے ہیں۔" ظفری نے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔

"نیچے ملیں تھیں مجھے دس روپے کا نوٹ مجھے دیا اور یہ لفافہ کہنے لگیں کہ اسے ڈی ڈی ڈی ڈی میں پہنچا دیا جائے یہ دس روپے میرے۔ تو صاحب یہ لفافہ آپ کا۔۔۔"

"ہوں دکھاؤ۔۔۔" ظفری نے لفافہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ لفافہ بادامی رنگ کے موٹے کاغذ کا تھا۔ اور کافی وزنی نظر آرہا تھا۔۔۔ ظفری نے اسے تھوڑا سا کھول کر دیکھا اور پھر جلدی سے بند کر دیا پھر اس نے اس شخص سے کہا۔۔۔"

"بالکل ٹھیک۔۔۔ یہ ہماری ہی ہے۔۔۔ لو یہ دس روپے تم ہم سے بھی لو۔ بہت بہت شکریہ تمہارا۔" سعدی اور شکیلہ تعجب سے ظفری کو دیکھ رہے تھے۔ ٹیٹو اس شخص کو لے کر باہر چلا گیا۔ تو سعدی نے سوالیہ انداز میں ظفری سے اس لفافے کے بارے میں پوچھا۔ اور ظفری نے لفافہ پورا پھاڑ دیا۔ پچیس ہزار روپے کے نوٹ ایک طرف رکھے ہوئے تھے۔ اور ہزار ہزار کے نوٹوں کی ایک گڈی الگ موجود تھی۔ یقینی طور پر یہ پورے ایک لاکھ روپے تھے اور پچیس ہزار الگ۔ ظفری نے گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔۔۔"

"یقیناً یہ انہی نیک اور ایماندار خاتون کا کارنامہ ہے جو برقعہ اوڑھتی ہیں۔ شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کہا۔۔۔

انتا کھرا اور نقد سودا غالباً اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا۔ اور اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آسامی بھی ذرا جاندار ہے۔

"تو پھر دیر کس بات کی۔ کام شروع کر دیا جائے۔ کلئیرنس سیل میں یہ آخری کیس ہے۔" سعدی نے کہا اور پھر وہ سنجیدہ ہو گئے۔ چند ہی روز پہلے جمال الدین خان کے قتل کے

بارے میں اخبار میں ایک خبر چھپی تھی۔ جو پورا اخبار جانتے ہوئے ان کی نگاہوں سے گزری تھی۔ لیکن ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی جس پر یہ بھرپور توجہ دیتے۔ لیکن اب صورتحال بدل گئی تھی۔ مضطرب صاحب یعنی ریکارڈ کیپر کو طلب کیا گیا اور اخبارات کا فائل نکلوا لیا گیا۔ بات چونکہ زیادہ پرانی نہیں تھی اس لئے وہ خبر فوراً ہی انہیں مل گئی۔ اور وہ سب اس پر جھک گئے۔ خبر بہت مختصر تھی اور صرف اتنا لکھا ہوا تھا کہ جمال الدین خان نامی ایک شخص کو اس کے میڈیکل ہاؤس میں قتل کر دیا گیا یہ کیس دن دہاڑے ہوا تھا۔ قاتل راحیل انور رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ پولیس کو قتل کی وجوہات نہیں معلوم ہو سکیں۔ تفتیش کی جارہی ہے۔ اس خبر سے کوئی ایسی خاص بات معلوم نہیں ہو سکی تھی لیکن اس کے بعد جو کاروائی انہیں کرنا تھی اس پر تھوڑی دیر تک گفتگو ہوئی پھر سعدی اور ظفری شکیلہ کو ہدایت دے کر وہاں سے نکل آئے۔ جس علاقے میں قتل کی واردات ہوئی تھی اس کے بارے میں معلوم کرنا تھا۔ اور پھر اس سلسلے میں فوق صاحب ہی کا سہارا لیا جاسکتا تھا۔ فوق صاحب سے ان کی تھوڑے دن پہلے شناسائی ہوئی تھی۔ بڑے اچھے اور تجربے کار وکیل تھے لیکن بدقسمت بھی تھے۔ کہ ان کی وکالت بہت زیادہ نہیں چلتی تھی۔ سعدی اور ظفری نے ان سے دوستی کرلی تھی۔ ویسے بھی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو اپنے معاملات میں ایک وکیل کی کمی ہمیشہ ہی محسوس ہوئی تھی۔ فوق صاب کے سپرد یہ ذمہ داری لگائی گئی تھی یہ لوگ جو کچھ بھی کریں وہ اس میں ایک وکیل کی حیثیت سے ان کی معاونت کریں۔ اس کا معاوضہ انہیں ادا کیا جائے گا۔ چنانچہ فوق صاحب ساری صورتحال سننے کے بعد تیار ہو گئے اور پھر ضروری معلومات حاصل کرنے میں بہت زیادہ دقتیں پیش نہیں آئیں۔ علاقے کے تھانے میں پہنچ گئے جہاں انچارج انسپکٹر مراد علی تھا۔ مراد علی کافی سخت مزاج آدمی تھا لیکن فوق صاحب کا شناسا بھی تھا۔ چنانچہ تھوڑی سی دیر کے بعد ان تینوں کو راحیل انور سے ملاقات کی اجازت مل گئی۔ جو ابھی تک لاک اپ ہی میں تھا۔ کیونکہ کیس کی تفتیش مکمل نہیں ہوئی تھی۔ نوجوان اور خوبصورت سا آدمی تھا۔ بری طرح تباہ حال نظر آرہا تھا۔ چہرہ سفید پڑا ہوا تھا۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور آنکھوں میں خوف کے آثار تھے۔ فوق صاحب نے جب اس سے کہا کہ وہ اس کی وکالت

کرنا چاہتے ہیں تو وہ بلک بلک کر رو پڑا۔۔۔

''کیا ملے گا آپ کو میری وکالت کر کے۔ میں تو آپ کی فیس بھی ادا نہیں کر سکوں گا۔ کوئی اتنا نہیں ہے جو میری خبر گیری کر سکے یا میرے سلسلے میں کوئی معاوضہ ادا کر سکے۔۔۔''

''میں تمہارے حالات جاننا چاہتا ہوں۔'' فوق صاحب نے کہا۔

''بس یوں سمجھ لیجئے کہ زمانے کی تباہ حالیوں کی منہ بولتی تصویر ہوں۔ ایک ماں ہے میری دو جوان بہنیں ہیں اور میں ہوں ان سب کی کفالت کر رہا ہوں۔ تین سال سے بے روزگار پھر رہا تھا۔ ابھی کوئی تین ماہ پہلے ملازمت ملی ہے تو تقدیر نے یہ کھیل کھلا دیا۔''

''جمال الدین خان سے تمہاری کب سے شناسائی تھی۔۔۔؟''

''شناسائی تھی ہی نہیں جناب۔ بس جہاں میں ملازمت کرتا تھا وہاں جمال الدین صاحب آتے جاتے رہتے تھے۔ میری فرم کے مالک رضا ہاشمی صاحب نے مجھے اس وقت جمال الدین خان کے پاس بھیجا تھا اور کہا تھا کہ جمال الدین خان صاحب جو کچھ دیں اسے احتیاط سے ان تک پہنچا دیا جائے۔ میں جمال الدین خان صاحب کے پاس پہنچا اور جس وقت میں دفتر میں داخل ہوا تو وہ اپنی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دفتر میں اس وقت اور کوئی نہیں تھا۔ لیکن چند قدم ہی آگے بڑھنے کے بعد جب میں ان کی میز کے سامنے پہنچا تو مجھے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ وہ احساس یہ تھا کہ جمال الدین خان صاحب کی آنکھیں پتھرائی ہوئی ہیں۔ پھر میں نے میز کے پاس ایک پستول پڑا ہوا پایا اور بے اختیار انداز میں اسے اٹھا لیا۔ مجھے فوراً ہی یہ احساس ہو گیا کہ جمال الدین خان صاحب کو کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔ اسی وقت ان کی سیکریٹری ایک خاتون اندر داخل ہوئی اور انہوں نے مجھے دیکھا پھر جمال الدین خان صاحب کو میرے ہاتھوں میں پستول دیکھ کر ہی وہ خوفزدہ ہو گئی تھیں اور انہوں نے شور مچا دیا تھا۔ چنانچہ مجھے گرفتار کر کے پولیس کے حوالے کر دیا۔ اس وقت تو مجھے یہ علم بھی نہیں ہو سکا تھا کہ اسی پستول سے جمال الدین خان صاحب کو گولی ماری گئی ہے۔'' فوق صاحب نے یہ تمام کارروائی سنی۔ سعدی اور ظفری بھی خاموشی سے اس کا بیان سن

رہے تھے۔ پھر سعدی نے سوال کیا۔۔۔

''آپ کی فرم کے مالک رضا ہاشمی صاحب کا جمال الدین خان سے کیا تعلق تھا۔۔؟''

''یہ بھی میں نہیں جانتا لیکن ایک ہی دن پہلے جمال الدین خان صاحب، رضا ہاشمی صاحب کے دفتر میں آئے تھے اور وہاں ان کے درمیان کوئی تلخی بھی ہو گئی تھی۔۔۔''

''ہوں، ٹھیک اور کوئی ایسی بات جو تم رضا ہاشمی صاحب کے بارے میں بتا سکتے ہو۔۔؟''

''جی اور کچھ نہیں۔'' راحیل انور نے کہا۔

''اپنے گھر کا پتہ بتاؤ۔'' سعدی نے پوچھا اور راحیل انور نے اپنے گھر کا پتہ بتاتے ہوئے کہا۔۔۔

''جناب عالی میں نے پولیس سے درخواست کی ہے کہ میری ماں اور بہنوں کو میرے بارے میں ابھی کچھ نہ بتایا جائے۔ میں نے صرف ایک اطلاع بھجوا دی ہے وہاں وہ یہ کہ میں دفتر کے کام سے کہیں باہر جا رہا ہوں۔ خدا کے لئے آپ ابھی ان لوگوں کو یہ سب کچھ نہ بتائیں۔ میری تقدیر کا فیصلہ ہو جانے دیں۔ اس کے بعد انہیں خود بخود پتہ چل جائے گا۔۔۔''

''اطمینان رکھو تمہاری اس خواہش پر عمل کیا جائے گا۔'' وہاں سے باہر نکلنے کے بعد فوق صاحب سعدی اور ظفری کے ساتھ ایک ریستوران میں آ بیٹھے۔ اور انہوں نے کہا۔۔۔

''یہ رضا ہاشمی اس سلسلے میں ذرا مشکوک معلوم ہوتا ہے۔ راحیل انور کے بیان کے مطابق اس کے جمال الدین خان کے درمیان کوئی تلخی بھی ہوئی تھی اور اس نے ایسے انداز میں راحیل انور کو وہاں بھیجا تھا جس سے۔۔۔'' فوق صاحب خاموش ہو گئے۔ ظفری کہنے لگا۔۔۔

''ویسے آپ کے خیال میں فوق صاحب، راحیل انور قاتل نظر آتا ہے۔۔۔''

''میاں یہ بات چھوڑو۔ جو کچھ نظر آتا ہے۔ بعض اوقات بالکل نہیں ہوتا اور جو نظر نہیں آتا وہ ہوتا ہے۔ اس کے بجائے ہمیں ثبوت حاصل کرنا چاہئے۔۔۔''

"خاصہ پراسرار معاملہ ہے راحیل انور کا اس طرح غریب ہونا کہ اس کے اہل خاندان کی کفالت بھی نہ ہو سکے اور اس کے بعد کوئی خاتون اس پر ایک لاکھ پچیس ہزار روپے خرچ کر دیتی ہیں۔ یہ کیا قصہ ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ بھئی وکالت ہم کر سکتے ہیں جاسوسی کرنا تمہارا کام ہے۔ ویسے ہماری تمام خدمات تمہارے لئے حاضر نہیں جو کچھ بھی کرو اس سلسلے میں ہم سے رابطہ رکھو۔" سعدی ظفری نے گردن ہلا دی ظاہر ہے فوق صاحب اور کیا کر سکتے تھے لیکن راحیل انور سے ملاقات کرنے کے بعد انہیں بھی اس بات کا اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے کسی جال میں پھانسا گیا ہے۔ یہ جال کس طرف ہو سکتا ہے اس کا اندازہ لگانا ضروری تھا کچھ دیر تک وہ خاموشی سے اس مسئلے پر غور کرتے رہے پھر سعدی نے کہا۔۔۔

"فوق صاحب آپ کے ماتحت کی حیثیت سے اگر ہم میں سے کوئی رضا ہاشمی سے ملے تو آپ کو اعتراض تو نہیں ہوگا۔۔۔؟"

"اس میں اعتراض کا کیا سوال ہے۔ ویسے میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ رضا ہاشمی کو ٹٹولنا ضروری ہے۔"

"تو پھر یوں کرو سعدی کہ تم رضا ہاشمی سے مل کر صورتحال معلوم کرو میں دفتر چلا جاتا ہوں اور شکیلہ سے اس موضوع پر گفتگو کر کے ہم کوئی اور عمل کریں گے۔" سعدی نے اس بات کو قبول کر لیا تھا۔ رضا ہاشمی ایک تقریباً اڑتیس اور چالیس سال کی عمر کا شخص تھا۔ چہرے سے ہی خاصہ مغرور نظر آتا تھا۔ اس نے سعدی کو سپاٹ سی نگاہوں سے دیکھا۔۔۔

"جی فرمائیے۔۔۔۔"

"معاف کیجئے گا ہاشمی صاحب میرا تعلق فوق احمد ایڈووکیٹ سے ہے اور فوق احمد صاحب نے آپ کے دفتر کے ایک ملازم راحیل انور کی وکالت قبول کر لی ہے۔ چنانچہ ہم اس سلسلے میں آپ سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔" رضا ہاشمی کا موڈ بگڑ گیا اس نے کہا۔۔۔

"میں نے پولیس کو جو بیان دینا تھا وہ دے دیا۔ اس سلسلے میں، میں فضول باتوں میں

نہیں پڑنا چاہتا۔۔۔۔"

"نہیں جناب قانونی طور پر آپ کو ہمارے سوالات کے جواب دینا ضروری ہوں گے۔۔۔"

"یہ جواب میں عدالت میں دے لوں گا شاید تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے کہ جمال الدین خان میرا دوست تھا اور راحیل انور میرا ادنیٰ سا ملازم۔۔۔"

"سنا یہ گیا ہے کہ راحیل انور بہت تھوڑے دن پہلے یہاں ملازم ہوا تھا۔۔۔۔"

"ہاں اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ وہ کسی منصوبے کے تحت ہی میرے دفتر میں آیا ہو۔۔۔"

"کیا آپ نے ملازمت کا کوئی اشتہار دیا تھا۔"

"نہیں بیوقوفی کی تھی۔" رضا ہاشمی نے جواب دیا۔۔۔

"جی میں سمجھا نہیں۔۔۔"

"وہ مجھے سر راہ مل گیا تھا۔ میری گاڑی خراب ہو گئی تھی اور اسٹارٹ نہیں ہو رہی تھی اس وقت وہی سامنے تھا۔ میں نے اس سے گاڑی میں دھکا لگانے کی فرمائش کی۔ اور جب گاڑی اسٹارٹ ہو گئی تو میں نے اس سے ازراہ ہمدردی کہا کہ اگر وہ کہیں جانا چاہتا ہے تو میں اسے چھوڑ دوں۔ وہ میرے ساتھ ہی گاڑی میں آ بیٹھا۔ اور وہیں دوران گفتگو مجھے پتا چلا کہ وہ تعلیم یافتہ نوجوان ہے۔ اور بہت عرصے سے بے روزگار۔ بس حماقت ہو گئی۔ میں نے اسے اپنے دفتر میں بلایا اور اسے ملازمت دے دی۔۔۔۔"

"کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے اسے جمال الدین خان کے ہاں کسی کام سے بھیجا تھا۔"

"بکواس ہے جھوٹ ہے۔ اس دن وہ نوکری پر سرے سے آیا ہی نہیں تھا۔۔۔۔"

"اس سے زیادہ آپ اس کے بارے میں کچھ جانتے ہیں۔۔۔۔؟"

"میں نے کہا نا کہ میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دینا چاہتا۔ پولیس کو اطلاع دے دی گئی ہے۔ قاتل گرفتار ہو چکا ہے۔ مقدمہ عدالت میں پیش ہوگا اگر عدالت کو میری

ضرورت پیش آئی تو میں اسے تفصیلات بتادوں گا۔ اس سے زیادہ میں تمہارے ساتھ اور کوئی تعاون نہیں کرسکتا۔۔۔"

"بے حد شکریہ رضا ہاشمی صاحب۔ بہر طور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر بھی آپ کو ذرا سا غور کرنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے راحیل انور بے گناہ ہو۔۔۔"

"تمہارے پاس اگر زیادہ وقت ہے تو کہیں اور صرف کرو میں معذرت چاہتا ہوں اب تم جاسکتے ہو۔" سعدی خاموشی سے رضا ہاشمی کے دفتر سے اٹھ گیا لیکن اس کے لئے وہ دل میں اچھے جذبات نہیں لایا تھا۔ دفتر پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ دو بجے ان خاتون کا ٹیلیفون دوبارہ آیا تھا۔ شکیلہ سے گفتگو ہوئی۔ شکیلہ نے انہیں ٹٹولنے کی کوشش کی لیکن کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ بعد میں ان لوگوں کے درمیان کافی دیر تک اس سلسلے میں میٹنگ ہوتی رہی۔ جاسوسوں کو بہتر طور جاسوسی کے لئے تھوڑی سی بے عزتی بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ شکیلہ کے سپرد ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ رضا ہاشمی کے اردگرد چکر لگائے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی یہ بھی طے ہوا کہ راحیل انور کی خواہش اپنی جگہ لیکن اس کے گھر والوں سے ملاقات کر کے انہیں صورتحال بتانا ضروری ہے۔ ہوسکتا ہے وہاں سے راحیل انور اور جمال الدین خان کے درمیان رابطے کا کوئی پتہ چل سکے۔ یہ ذمہ داری بھی شکیلہ ہی کے سپرد کی گئی تھی۔ پھر شکیلہ نے دو رپورٹیں ایک ساتھ ہی پیش کیں۔ دوسرے دن وہ خاص متجسس نظر آتی تھی۔ مقررہ وقت پر یہ سب ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر میں جمع ہو گئے۔ یہاں کے معاملات بخیر و خوبی چل رہے تھے شکیلہ کے چہرے پر سنسنی کے آثار دیکھ کر سعدی نے کہا۔

"یقیناً تم کوئی بہت ہی اہم انکشاف کرنے والی ہو۔۔۔"

"سو فیصدی۔" شکیلہ نے کہا۔

"کیا کل کی رپورٹ یقیناً شاندار ہوگی۔۔۔"

"ہاں۔ سب سے پہلے میں راحیل انور کے گھر پہنچی، اس کی دونوں بہنیں بہت اچھی فطرت کی مالک ہیں۔ ماں بوڑھی ہے اور بینائی کھو چکی ہے۔ وہ گھر بلاشبہ کسمپرسی کا شکار نظر آتا ہے۔ اس کی بڑی بہن لبنیٰ نے میری بہت اچھی خاطر مدارت کی اور میں نے اس سے راحیل انور

کے بارے میں تفصیلات معلوم کیں۔ راحیل انور نے ایم۔ اے پاس کیا ہے۔ اور اس کے بعد مسلسل بے روزگاری کا شکار رہا ہے۔ گھر کے حالات بہت زیادہ خراب ہو گئے ہیں۔ میں نے لبنیٰ سے اور بھی بہت سی باتیں کیں اور پھر اسے یہ افسوسناک خبر سنادی۔ دونوں بہنیں اس خبر کو سن کر دنگ رہ گئی تھیں۔ انہوں نے بھی یہی درخواست کی کہ ماں کو نہ بتایا جائے لیکن ان بیچاریوں کی بری حالت ہو گئی ہے۔ میں نے انہیں بہت تسلیاں دی ہیں۔ اور کہا ہے کہ وہ اس بات کو اپنے تک محدود رکھیں اور ابھی راحیل انور کے سلسلے میں کسی کو کچھ نہ بتائیں۔ میں ان سے ملاقات کرتی رہوں گی۔ اور پھر جناب سعدی صاحب ایک اور ایسی کارروائی ہو گئی جو میرے لئے بڑی کام کی ثابت ہوئی۔۔۔"

دونوں نے بے صبری سے سوال کیا۔۔۔۔ "وہ کیا؟"

"میں نے راحیل انور کی تصاویر وغیرہ دیکھنے کی فرمائش کی اور لبنیٰ نے اس سلسلے میں مجھ سے تعاون کیا۔ تصویروں کا ایک ہی البم تھا ان کے پاس۔ جس میں ان کی خاندانی تصویریں ہوتی تھیں۔ لیکن انہیں میں، میں نے ایک اور شکل بھی دیکھی۔ جس کے بارے میں، میں نے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ یہ تصویر راحیل انور کے ساتھ ہی ایک خاتون کی تھی جو اچھی شکل و صورت کی مالک تھیں۔ بہر طور میں نے اس وقت اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ بعد میں، میں رضا ہاشمی صاحب کے گھر پہنچی اور رضا ہاشمی صاحب کی غیر موجودگی میں ان کی بیگم صاحبہ سے ملی۔ بیگم صاحبہ رضا ہاشمی کی نسبت کافی کم عمر خاتون ہیں۔ چہرے ہی سے غمزدہ لگ رہی تھیں اور عجیب الجھی الجھی سی تھیں۔ میں نے ان سے اپنا تعارف ایک وکیل کی اسسٹنٹ کی حیثیت سے کرایا تھا۔ اور رضا ہاشمی صاحب کے دفتر میں ہونے والے قتل کے بارے میں انہیں بتایا۔ یہ بھی درخواست کی کہ رضا ہاشمی کو میری یہاں آمد سے لاعلم رکھا جائے۔ بہر حال نہ انہوں نے راحیل انور سے کسی شناسائی کا اظہار کیا اور نہ رضا ہاشمی کے بارے میں کوئی ایسی بات کہی۔ اپنے معاملات بتانے سے انہوں نے انکار کر دیا تھا۔ البتہ ایک اہم بات جو اس سلسلے میں ہوئی وہ آپ کے لئے یقیناً باعث دلچسپی ہوگی۔۔۔"

"کیا۔۔۔؟"

"یہ خاتون وہی تھیں جن کی تصویر میں نے راحیل انور کے البم میں دیکھی تھی۔ یعنی راحیل انور کے ساتھ۔" سعدی اور ظفری دونوں اچھل پڑے تھے اور معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر سعدی نے اچھلتے ہوئے کہا۔

"مار لیا پالا۔۔۔"

"کیسے۔۔۔؟"

"تعلق ظاہر ہو گیا۔ راحیل انور کا مسئلہ اس کا مقصد ہے او ہو او ہو رضا ہاشمی او ہو۔ او ہو۔" مضطرب صاحب اچانک ہی اندر داخل ہوئے تھے انہوں نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"غالباً کوئی مصرعہ ہو گیا۔۔۔"

"آپ فوراً باہر نکل جائیے۔" ظفری نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"جی۔ میں اس سلسلے میں کوئی مدد کر سکتا ہوں تو حاضر ہوں۔ مصرعہ اولیٰ کیا ہے؟"

جواب میں ظفری نے گھنٹی بجادی تھی۔ ٹیٹو فوراً ہی اندر آ گیا۔۔۔

"مضطرب صاحب کو اٹھا کر مصرعہ ثانی میں بند کر دو۔ میرا مطلب ہے کمرے میں بند کرو۔ اور اس وقت تک کوئی یہاں نہ آئے جب تک میں طلب نہ کروں۔" ظفری نے کہا مضطرب صاحب خود ہی باہر نکل گئے۔ ٹیٹو سے اچھی طرح واقف تھے وہ صرف احکامات کی تکمیل کرتا تھا۔ سعدی اور ظفری دیر تک اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ پھر دو بجے معمول کے مطابق ان خاتون کا ٹیلیفون موصول ہوا جو سعدی نے ریسیو کیا تھا۔

"میں نے وعدے کے مطابق ٹیلیفون کیا ہے۔ صبح گیارہ بجے بھی فون کیا تھا۔ دراصل میں یہ سب کچھ اس لئے کر رہی ہوں کہ آپ کو کسی وقت میری مدد کی ضرورت پیش آ جائے۔ تو آپ مجھے تلاش کرنے میں پریشان نہ ہوں۔۔۔"

"خاتون آپ سے بہت ہی اہم سوالات کرنے ہیں ہمیں۔ جواب دینا پسند کریں گی۔۔۔؟"

"جی کیوں نہیں۔۔۔"

"دیکھیں ہم نے اس سلسلے میں کافی کام کیا ہے۔۔۔ اور بہت مختصر وقت میں کافی کارآمد باتیں معلوم کر لی ہیں۔ آپ نے اگر واقعی یہ کیس حل کرانا ہے تو آپ کو یہ ڈرامائی کیفیت ختم کرنا ہو گی۔ ایک انسان کی زندگی کا سوال ہے۔ آپ اس سلسلے میں ہم سے بھرپور تعاون کریں۔"

جواب میں دوسری طرف کچھ دیر خاموشی طاری رہی پھر خاتون نے کہا۔

"میں نے آپ سے انکار کب کیا ہے۔ آپ فرمائیے میرے لائق کیا خدمت ہے میں حاضر ہوں۔"

"آپ براہ راست ملاقات نہیں کر سکتیں۔ مجھ سے۔۔۔"

"اس سلسلے میں کچھ دشواریاں حائل ہیں۔ براہ کرم مجھے اس کے لئے مجبور نہ کریں۔ کوئی ایسا ہی وقت اگر آ گیا کہ میرا آپ سے ملنا بے حد ضروری ہوا تو میں۔ تو میں حاضر ہو جاؤں گی۔"

"خیر ابھی آپ کو مجبور نہیں کیا جا سکتا لیکن اس بات کے امکانات بہت زیادہ ہیں کہ ہمیں آپ سے براہ راست گفتگو کرنا پڑے۔ خاتون میں پہلا سوال آپ سے یہ کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ ذاتی طور پر راحیل انور کو جانتی ہیں۔۔۔؟"

"جی ہاں۔۔۔"

"آپ کو اس بات کا علم ہے کہ وہ ایک انتہائی نادار اور پریشان حال انسان تھا۔۔۔؟"

"جی۔۔۔"

"اگر کسی ایسے شخص کو زندگی میں ہی سہارا دے دیا جائے میرا مطلب ہے اس کے برے وقت میں تو کیا یہ بہتر نہیں ہوتا جبکہ بعد میں آپ اس کی بے گناہی ثابت کرانے کے لئے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے خرچ کرنے پر آمادہ ہو گئی ہیں؟" اس سوال پر چند لمحات کے لئے پھر خاموشی طاری رہی اور اس کے بعد خاتون نے کہا۔۔۔

"یہ ایک ایسا ہی مسئلہ تھا جس کی وجہ سے اس وقت یہ نہیں ہو سکا۔۔"

"خیر یہ بات بھی چھوڑ دیئے۔ اب آپ ایک سب سے اہم سوال کا جواب دیجئے۔"

"جی۔۔۔"

"مسز ہاشمی سے راحیل کا کیا تعلق ہے۔۔۔؟" دوسری بار خاموشی طاری ہوئی جیسے خاتون کچھ سوچ رہی ہوں۔ پھر انہوں نے کہا۔

"میں نہیں جانتی۔۔۔"

"بہتر ہے۔ ہم کوشش کر رہے ہیں۔ آپ اطمینان رکھیے گا۔ کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ لیکن آپ سے جو کچھ میں نے کہا ہے وہ ایک یقینی عمل ہوگا یعنی آپ کو مجھ سے ملاقات کرنا ہوگی۔۔"

"جی میں نے اس سلسلے میں جو کچھ عرض کیا ہے اسے مدنگاہ رکھیں۔۔۔"

"اوکے۔ ویسے آپ کو شام کو ٹیلیفون کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کل دن میں گیارہ بجے فون ضرور کر لیجئے گا بلکہ بہتر ہے دو بجے ہی فون کریں۔ ہم لوگ کوشش کر رہے ہیں۔۔۔۔"

"جی بے حد شکریہ۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ شکیلہ فون کے دوسرے حصے پر گفتگو سن رہی تھی جب ٹیلیفون بند کر دیا گیا تو اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"دراصل میں کچھ اور اندازے قائم کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔"

"کیا۔۔۔" سعدی نے پوچھا۔

"میں اس آواز کے بارے میں یہ اندازہ لگا رہی تھی کہ یہ مسز ہاشمی کی آواز تو نہیں ہوسکتی۔" سعدی نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔۔۔

"میں بھی اسی سوچ میں گم تھا۔" پھر سعدی نے ٹیلیفون پر کسی کے نمبر ملائے اور جب نمبر مل گیا تو اس نے کہا۔۔۔

"فوق صاحب میں سعدی بول رہا ہوں۔۔۔"

"جی سعدی صاحب فرمائیے۔"

"فوق صاحب اتنا تو آپ ایک وکیل کی حیثیت سے کر سکتے ہیں کہ اس قتل کے بارے میں مکمل معلومات اور فائل وغیرہ حاصل کر لیں۔۔"

"بالکل کر سکتا ہوں۔۔۔ یہ سب کچھ کل تک کر لیا جائے گا۔۔۔"

"اس کے علاوہ مجھے پوسٹ مارٹم رپورٹ بھی درکار ہے۔۔۔"

"وہ بھی حاصل ہو جائیں گی۔ ظاہر ہے ایک وکیل کو اس کے حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے لئے مجھے باقاعدہ راحیل انور کا وکالت نامہ بھرنا پڑے گا۔۔۔"

"یہ کام آپ کر ڈالیے۔ اخراجات کی بالکل فکر نہ کریں۔ بلکہ اگر کچھ ضرورت ہو تو لے لیں۔۔۔"

"نہیں۔ بعد میں حساب ہو جائے گا۔" فوق صاحب نے کہا۔ فوق صاحب سے یہ گفتگو کرنے کے بعد یہ لوگ اسی موضوع پر بہت دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔ ان کا نکتہ نگاہ یہی تھا کہ رضا ہاشمی یقینی طور پر اس سلسلے میں باقاعدہ ملوث ہے اور جو کچھ وہ کہہ رہا ہے اس میں جھوٹ شامل ہے۔ مسز ہاشمی کا تعلق تو ظاہر ہو ہی گیا تھا چنانچہ اس کے بعد دو اہم امور طے ہوئے جن میں شکیلہ کو ہی عمل کرنا تھا۔ اسے ایک بار پھر راحیل انور کے گھر جا کر اس کی بہن لبنیٰ سے ملاقات کرنی تھی۔ اور مسز ہاشمی کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنی تھی۔ پھر اسے مسز ہاشمی سے بھی ملاقات کرنی تھی۔ دوسرے دن شکیلہ تو اس کام کے لئے روانہ ہوگئی۔ سعدی اور ظفری فوق صاحب کا انتظار کرنے لگے۔ فوق صاحب تقریباً بارہ بجے پہنچے تھے۔ بارہ بجے پہنچنے کے بعد انہوں نے اپنی کارروائی کی تفصیلات بتانا شروع کر دیں۔ فائل کی نقل حاصل کر لی گئی تھی یعنی سیکرٹری وردانہ نے جمال الدین خان کے دفتر میں قدم رکھا تو اس نے اس نوجوان کو دیکھا جس کا نام اسے بعد میں راحیل انور معلوم ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا اور مسٹر جمال الدین خان قتل ہو چکے تھے۔ یہ تھی صورتحال اس کے بعد جمال الدین خان کے قتل میں راحیل انور کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر پوسٹ مارٹم رپورٹ دیکھی گئی اور پوسٹ مارٹم رپورٹ کی تفصیل پڑھ کر سعدی ظفری حیرت سے اچھل پڑے۔ انہوں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔۔۔

"آپ نے محسوس کیا فوق صاحب پولیس کتنے لاپرواہانہ انداز میں ایسے کام سرانجام دیتی ہے۔۔۔"

''کوئی اہم نکتہ مل گیا مسٹر ظفری؟'' فوق صاحب نے سوال کیا۔۔۔

''آپ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں صاف پڑھ سکتے ہیں کہ گولی سر کی پشت میں لگی ہے اور جمال الدین خان صاحب کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے جبکہ ان کے آفس میں داخل ہونے والے کا رخ سامنے ہی کی سمت ہو سکتا تھا یعنی اگر کوئی شخص اندر داخل ہوا اور اس نے کرسی پر بیٹھے ہوئے جمال الدین خان پر گولی چلائی تو یہ گولی اس کی پیشانی میں لگنی چاہیے تھی۔ جبکہ گولی سر کے عقب میں لگی ہے۔۔۔''

''اوہ ہاں نکتہ ہے۔ یقینی طور پر اہم نکتہ ہے۔''

''میرے خیال میں اس نکتے سے ہمیں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ ظفری میرے خیال میں مزید کوئی کوشش کرنا بیکار ہوگا۔ آؤ جمال الدین خان کے دفتر کا جائزہ لے لیا جائے۔'' فوق صاحب خود بھی فارغ تھے۔ چنانچہ وہ بھی چل پڑے۔ جمال الدین خان صاحب کا میڈیکل ہاؤس ایک معروف شاہرہ پر تھا۔ لیکن اس کا عقبی حصہ بالکل سنسان پڑا رہتا تھا۔ وہاں کچھ موٹر گیراج بنے ہوئے تھے لیکن اس جگہ سے کافی فاصلے پر درمیان میں ایک میدان سا تھا۔ اور اس آفس کے پیچھے ایک بڑی سی کھڑکی کھلتی تھی۔ جس سے کوئی بھی شخص گولی چلا کر اندر موجود آدمی کو قتل کر سکتا تھا۔ یہ ثبوت اور یہ تمام نظریات ان لوگوں کے لئے بڑے معاون ثابت ہوئے۔ اور وہ اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ کوئی بھی شخص عقب سے یہ کام کر سکتا تھا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ میں اس فاصلے کا بھی تعین کیا گیا تھا جو گولی چلانے کے سلسلے میں درمیان میں تھا اور اس سے یہ بات بالکل ہی ثابت ہو گئی کم از کم راحیل انور نے جمال الدین خان پر گولی نہیں چلائی۔ بعد میں جب یہ لوگ واپس پہنچے تو خاصہ وقت ہو چکا تھا۔ شکیلہ دوپہر کا فون بھی نہیں موصول کر پائی تھی۔ اور تقریباً اسی وقت دفتر پہنچی تھی جب یہ لوگ یہاں آئے تھے۔ سعدی اور ظفری سوالیہ نگاہوں سے شکیلہ کو دیکھنے لگے۔ تو شکیلہ نے کہا۔

''میں جب بھی کوئی کام کرتی ہوں اس کی کوئی نہ کوئی حیثیت ہوتی ہے۔۔۔۔''

''یقیناً میڈم آپ کو جاسوس اعظم تسلیم کر لیا گیا۔ اب جلدی سے وہ انکشافات فرما

دیجیے جو اس کیس میں جان ڈال دیں۔'' ظفری کہنے لگا اور شکیلہ پر خیال انداز میں گردن ہلاتی ہوئی بولی۔۔۔

''یوں سمجھ لیجیے کہ معمہ حل ہی ہو گیا ہے۔۔۔''

''گڈ ویری گڈ۔۔ کس طرح حل ہوا۔۔۔؟'' سعدی نے سوال کیا۔

''سب سے پہلے میں راحیل انور کے گھر پہنچی۔ ان لوگوں کی حالت قابل دید ہے۔ دونوں لڑکیاں گھٹی گھٹی سی ہیں ماں بھی بار بار ان سے سوال کر رہی ہے۔ کہ ان کے خاموش اور پریشان ہونے کی وجہ کیا ہے۔ لیکن ابھی تک ماں کو انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔ مجھ سے رو رو کر درخواست کر رہی تھی کہ ان کا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے ان کی مدد کی جائے ان کے بھائی کو رہا کرانے کی کوششیں کی جائیں۔ میں نے بہت تسلی دی ہے انہیں اور یہ کہا ہے کہ میں انتہائی کوشش کروں گی اس سلسلے میں۔۔''

''ٹھیک۔ آگے۔''

''اس کے بعد میں نے ان سے وہی البم طلب کیا اور اسے دوبارہ دیکھنے لگی۔ البم میں وہ تصویر موجود تھی۔ اور اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ تصویر اب سے کم از کم پانچ چھ سال پہلے کی ہے۔ تب میں نے لبنیٰ سے اس تصویر کے بارے میں سوال کیا۔ تو اس نے اس کے لئے اہم انکشافات کیے۔ تصویر والی خاتون کا نام شمسہ حسین ہے۔ اور یہ خاتون راحیل انور کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی تھیں۔ ان کے اور راحیل انور کے درمیان گہرے مراسم تھے اور دونوں ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ بعد میں ان خاتون کی شادی ہو گئی اور اس کے بعد راحیل انور ذہنی طور پر بہت زیادہ مضمحل ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر بعد میں کبھی مسکراہٹ نہیں دیکھی گئی۔ پھر گھریلو مسائل نے اسے اپنے آپ میں الجھا لیا اور اس طرح یہ سلسلہ تقریباً ختم ہی ہو گیا۔ یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد مجھے یہ تصدیق ہو گئی کہ اس سلسلے میں مسز ہاشمی کا کوئی اہم کردار ہے۔ اور پھر مسٹر ہاشمی کو ان کے ٹیلیفون کرنے کے بعد یہ یقین کر کے کہ وہ دفتر ہی میں مصروف ہیں ان کے گھر پہنچ گئی۔ اور آج میں نے شمسہ ہاشمی سے ذرا مختلف انداز میں سوالات کیے۔ میں نے

ان سے کہا کہ مسز ہاشمی بہت سے معاملات منظر عام پر آ چکے ہیں۔اور آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ آپ اپنے بہت عزیز دوست کی موت کا انتظار کریں۔اور اس سلسلے میں خاموشی اختیار کریں۔بہتر ہے کہ مجھے اپنے اور ہاشمی کے معاملات سے آگاہ کر دیں۔مسز ہاشمی رو پڑی تھیں۔وہ سسکتی رہی اور اس کے بعد اس نے کہا۔''

''سنیے میں شام کو آٹھ بجے تک کی مہلت چاہتی ہوں۔آج مسٹر ہاشمی ایک میٹنگ میں شریک ہیں اس لئے آٹھ بجے وہ یہاں موجود نہیں ہوں گے۔آپ ٹھیک آٹھ بجے مجھ سے ملاقات کرلیں۔میں اس وقت آپ کو بہت کچھ بتا سکوں گی۔۔۔''

''پھر؟'' ظفری نے سوال کیا۔۔

''اس کے بعد مجبوری تھی۔انہوں نے اس وقت سب کچھ بتانے سے انکار کر دیا۔البتہ ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے رہے تھے۔'' سعدی، ظفری اور شکیلہ دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے۔بہر طور اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ آٹھ بجنے کا انتظار کیا جائے۔تینوں ہی وہاں پہنچے تھے۔شکیلہ کو اندر بھیج دیا گیا تھا، شکیلہ تقریباً بیس منٹ کے بعد واپس آئی۔تو اس کے پاس ایک لفافہ اور ایک ٹیپ ریکارڈر کا کیسٹ تھا۔۔۔

''خاتون نے یہ دونوں چیزیں مجھے دی ہیں اور کہا ہے کہ ان کا جائزہ لے لیا جائے۔صورتحال واضح ہو جائے گی۔'' سعدی اور ظفری پریشان ہو گئے تھے۔نجانے اس کیسٹ میں کیا ہے فوری طور پر اسے سننا ضروری تھا۔لیکن ان کے پاس کوئی بندوبست نہیں تھا۔بحالت مجبوری دفتر ہی واپس آنا پڑا۔ٹیٹو دفتر ہی میں رہتا تھا۔چنانچہ کوئی دقت نہیں ہوئی۔فوری طور پر ٹیپ ریکارڈر نکال کر کیسٹ اس میں لگایا گیا اور روائنڈ کیا جانے لگا۔وہ لوگ کافی متجسس تھے شکیلہ نے لفافہ کھولنے کی کوشش کی تو سعدی نے اسے روک دیا۔تاکہ پہلے ایک کام ہو جائے۔کیسٹ پر ایک فلمی گانا سنائی دینے لگا۔اور تقریباً تیس سیکنڈ کے بعد وہ بند ہو گیا۔پھر ایک آواز ابھری۔۔۔

''ہیلو شمسہ کیا ہو رہا ہے؟''

''تمہیں ایک خوشخبری سنانی تھی۔۔۔''

''کیا بات ہے رضا؟'' دوسری آواز سنائی دی۔

''میرا خیال ہے شمسہ آج میرے اور تمہارے درمیان یہ سرد جنگ ختم ہو گئی۔میں کوشش کروں گا کہ آئندہ تمہیں میری ذات سے کوئی تکلیف نہ ہو۔تمہیں بھی یہی عمل دہرانا چاہیے۔۔۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو رضا ہاشمی۔۔۔؟''

''شمسہ میں نے راحیل انور کا کھیل ختم کر دیا ہے۔میں نے اس کردار کو ہمیشہ کے لئے روئے زمین سے ہٹا دیا ہے جو میرے اور تمہارے درمیان مخالفت کی وجہ بنا رہتا تھا۔۔۔''

''کیا؟'' نسوانی چیخ سنائی دی۔۔

''ہاں۔۔''

''تت۔ت۔تو کیا۔تو کیا تم نے۔۔۔تم نے اسے قتل کر دیا۔۔۔؟''

''نہیں میں نے اسے قتل نہیں کیا۔وقت اسے خود بخود قتل کر دے گا۔۔۔''

''آہ رضا۔تم کیوں اس بیچارے کے پیچھے پڑ گئے ہو۔کیا میں تمہیں اس بات کا یقین نہیں دلا چکی کہ میرا اور اس کا اب کوئی واسطہ نہیں ہے۔۔۔''

''اسی بات پر تو میں نے یقین نہیں کیا شمسہ۔اگر اس بات پر یقین آ جاتا تو شاید ہمارا طرز زندگی مختلف ہوتا۔۔۔''

''مرد کے بارے میں میرا نظریہ ہے کہ اس سے زیادہ شکی اور کوئی نہیں ہوتا۔تم نے رضا ہاشمی میری زندگی تلخ کر کے رکھی دی ہے۔کیا کیا ہے تم نے اس بیچارے کے ساتھ مجھے بتاؤ تو سہی۔۔''

''کوئی خاص بات نہیں۔بس اس بیچارے سے ایک قتل ہو گیا ہے۔اور میں نے اسے اس قتل کے الزام میں گرفتار کرا دیا ہے۔۔۔''

''قتل۔۔۔راحیل انور سے۔۔۔جھوٹ بولتے ہو۔۔۔بالکل نہیں سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔وہ تو۔وہ تو اتنا نرم مزاج انسان ہے کہ کسی جانور کو بھی نہیں مار سکتا۔۔۔''

”ضروری تو نہیں تھا کہ یہ قتل وہ خود کرتا۔ قتل کسی نے بھی کیا ہو لیکن قاتل وہی قرار پائے گا۔ میں نے اس کا معقول بندوبست کر دیا ہے۔۔۔“

”تم۔۔۔تم۔۔۔۔وحشی ہو۔۔۔۔تم وحشی ہو۔۔۔۔یہ نہیں کرنا چاہئے تھا تمہیں۔۔۔۔۔میں آہ میں۔۔۔میں اس کے لئے کیا کروں۔۔۔“

”اس کے لئے تم اب بھی کچھ نہ کچھ کرنا چاہتی ہو اور کہہ رہی ہو کہ تمہارے اور اس کے رابطے ختم ہو گئے ہیں۔۔۔۔“

”تم بہت کمینے انسان ہو رضا ہاشمی۔۔۔۔تم بہت کمینے انسان ہو۔ بہت برا کیا ہے تم نے۔۔۔۔بہت برا کیا ہے۔۔۔آہ مجھے مجھے۔۔۔۔۔۔۔اس کی زندگی لینے کا تو کوئی حق نہیں تھا میری وجہ سے صرف میری وجہ سے اس کے ساتھ یہ سب کچھ ہوا۔“ اس کے بعد صرف رونے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

اور یوں یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ لیکن ان سب کے چہرے متجسس نظر آرہے تھے۔ یہ رضا ہاشمی اور اس کی بیوی کے درمیان ہونے والی گفتگو تھی۔ کیسٹ بند کرنے کے بعد لفافہ کھولا گیا اور اس سے ایک کاغذ برآمد ہوا۔۔۔۔

”دوستو تم لوگ اس سلسلے میں جو کچھ کر رہے ہو مجھے اس کا پورا پورا علم ہے۔ یہ کہانی تمہیں میری ہی زبانی سننے کو مل رہی ہے۔ سنو میرا نام شمسہ حسین ہے۔ درمیانے درجے کے گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ یونیورسٹی میں مجھے ایک نوجوان سے محبت ہو گئی۔ اس کا نام راحیل انور تھا۔ اس سے محبت کرنے والی ایک اور لڑکی بھی تھی جس کا نام دردانہ احمد ہے۔ لیکن راحیل انور مجھ سے متاثر تھا۔ ہم دونوں بے پناہ پیار کرتے تھے ایک دوسرے سے۔ لیکن تقدیر ہمارے آڑے آئی۔ رضا ہاشمی نے مجھے میرے والدین سے حاصل کر لیا اور میری مرضی کے خلاف میری شادی اس سے کر دی گئی۔ میں اس کے ساتھ انصاف نہ برت سکی جس کی بنا پر وہ مشکوک ہو گیا اور اس نے میرے بارے میں معلومات حاصل کرنا شروع کر دیں۔ راحیل انور ایک غریب نوجوان تھا۔ رضا ہاشمی کو اس کے بارے میں تفصیلات معلوم ہو گئیں اور میں نہیں جانتی کہ رضا ہاشمی نے کیسے اس پر قابو

پایا۔ لیکن لیکن اس نے اس نے راحیل انور کو مصیبت میں گرفتار کرا دیا۔ میں بہت پریشان تھی بہت سوچتی رہی تھی اس دوران کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں مشرق کی ایک روایتی عورت ہوں۔ اپنے شوہر کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتی تھی۔ لیکن راحیل انور کے بارے میں جب بھی سوچتی تو مجھے احساس ہوتا کہ اس کے ساتھ صرف زیادتی ہوئی ہے۔ اور بالآخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ اس زیادتی کا ازالہ کر دیا جائے۔ یہ گفتگو جو کیسٹ میں ریکارڈ ہے بالکل اتفاقیہ طور پر ریکارڈ ہو گئی۔ مجھے ریڈیو سے فلمی گانے کیسٹ پر ریکارڈ کرنے کا شوق ہے۔ یہی سب کچھ کر رہی تھی اس وقت کہ رضا ہاشمی اچانک ہی آ گیا۔ اور اس نے مجھ سے گفتگو شروع کر دی۔ لیکن اس وقت یہ گفتگو میرے بڑے کام آرہی ہے میں راحیل انور کی زندگی بچانا چاہتی ہوں میں نے اس کی دوسری ساتھی لڑکی یعنی دردانہ کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ آپ لوگوں سے رابطہ قائم کر کے راحیل انور کی زندگی کے لئے کوشش کرے میں نے اسے رقم بھی فراہم کر دی لیکن اب جبکہ مجھے اس بات کی امید ہو چکی ہے کہ رضا ہاشمی اپنے کئے کی سزا پائے گا اور راحیل انور کو بہتر زندگی ملے گی تو میں سمجھتی ہوں کہ میرا اب اس دنیا میں رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ چنانچہ اب جب تم دوبارہ مجھ تک پہنچو گے تو میں خودکشی کر چکی ہوں گی۔ میں دنیا پر یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی کہ میں ایک پاکباز مشرقی عورت نہیں ہوں اپنے شوہر کو میں نے صرف اس لئے سزا دلوانا چاہی ہے کہ اس نے ایک بے گناہ کو مصیبت میں پھنسایا ہے۔ راحیل کو میری وجہ سے عذاب کا شکار نہیں ہونا چاہئے تھا۔ دردانہ سے آپ لوگ ملاقات کر سکتے ہیں۔ ساری صورتحال اسے بتا دیجئے گا اور اس سے کہہ دیجئے گا کہ وہ راحیل کی زندگی میں شامل ہو جائے مجھے خدا کی ذات سے پوری طرح امید ہے۔ کہ راحیل بے گناہ ہے وہ یقیناً سزا سے بچ جائے گا۔“

لوگوں کی کوششیں بھی شامل ہونی چاہئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی راحیل کو میرا یہ خط دکھا کر اسے وصیت کر دیجئے گا کہ وہ دردانہ سے شادی کر لے اور خوش رہے۔ میرے لئے یہ دنیا ہمیشہ سے تنگ تھی چنانچہ میں آزادی حاصل کر رہی ہوں۔ شمسہ ہاشمی۔“ بڑا سنسنی خیز خط تھا اور اس کے بعد خاموشی بے معنی تھی لیکن سعدی' ظفری احمق نہیں تھے کہ فوراً ہی رضا ہاشمی کے گھر کی جانب

دوڑتے۔ انہوں نے سب سے پہلے ایس پی سرفراز صدیقی سے رابطہ قائم کیا جن سے ان کی گہری شناسائی تھی اس کے بعد فوق صاحب کو بھی طلب کر لیا اور پھر ساری تفصیلات ان لوگوں کو بتانے کے بعد وہ لوگ رضا ہاشمی کی کوٹھی پہنچے تھے۔ رضا ہاشمی کی کوٹھی میں ملازمین بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ غالباً شمسہ ہاشمی نے خودکشی کر لی تھی۔ رضا ہاشمی کی کار اس وقت گھر میں ہی نظر آ رہی تھی۔ جب یہ لوگ اندر پہنچے تو رضا ہاشمی' شمسہ کا سر گود میں لئے بیٹھا ہوا تھا اس پر عجیب سی کیفیت طاری تھی اس نے کہا۔۔۔۔

''شمسہ نے خودکشی کر لی۔ میری شمسہ مر گئی۔ ہاں میں اسے بہت زیادہ چاہتا تھا۔ میں جانتا ہوں اس کی موت کی وجہ کیا ہے۔ آہ میں جانتا ہوں اس کا قاتل میں ہی ہوں دو قتل کئے ہیں میں نے۔ ایک اپنے دوست جمال الدین خان کا اور دوسرا شمسہ کا۔'' رضا ہاشمی پر عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ بہرطور اسے تحویل میں لے لیا گیا۔ باقی معاملات بعد میں سامنے آ گئے تھے۔ رضا ہاشمی نے بیچارے راحیل انور کو ملازم رکھا اور اس کے بعد اپنی سازش کے تحت اس نے جمال الدین خان کے دفتر بھیجا جس کا اسے بہت بڑا قرض ادا کرنا تھا۔ پھر خود بھی پیچھے سے وہاں پہنچ گیا اور عقب سے جمال الدین خان کو گولی ماردی۔ اور اس کا الزام براہ راست راحیل انور پر آ گیا۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تھا۔ چنانچہ عدالت کو فوری طور پر راحیل انور کی رہائی کا حکم نامہ جاری کرنا پڑا۔

☆......☆......☆

اس کے بعد کے حالات جاننے کے لئے

''کاٹھ کا اُلّو'' پڑھیں

کاٹھ کا اُلو

ایم اے راحت

3
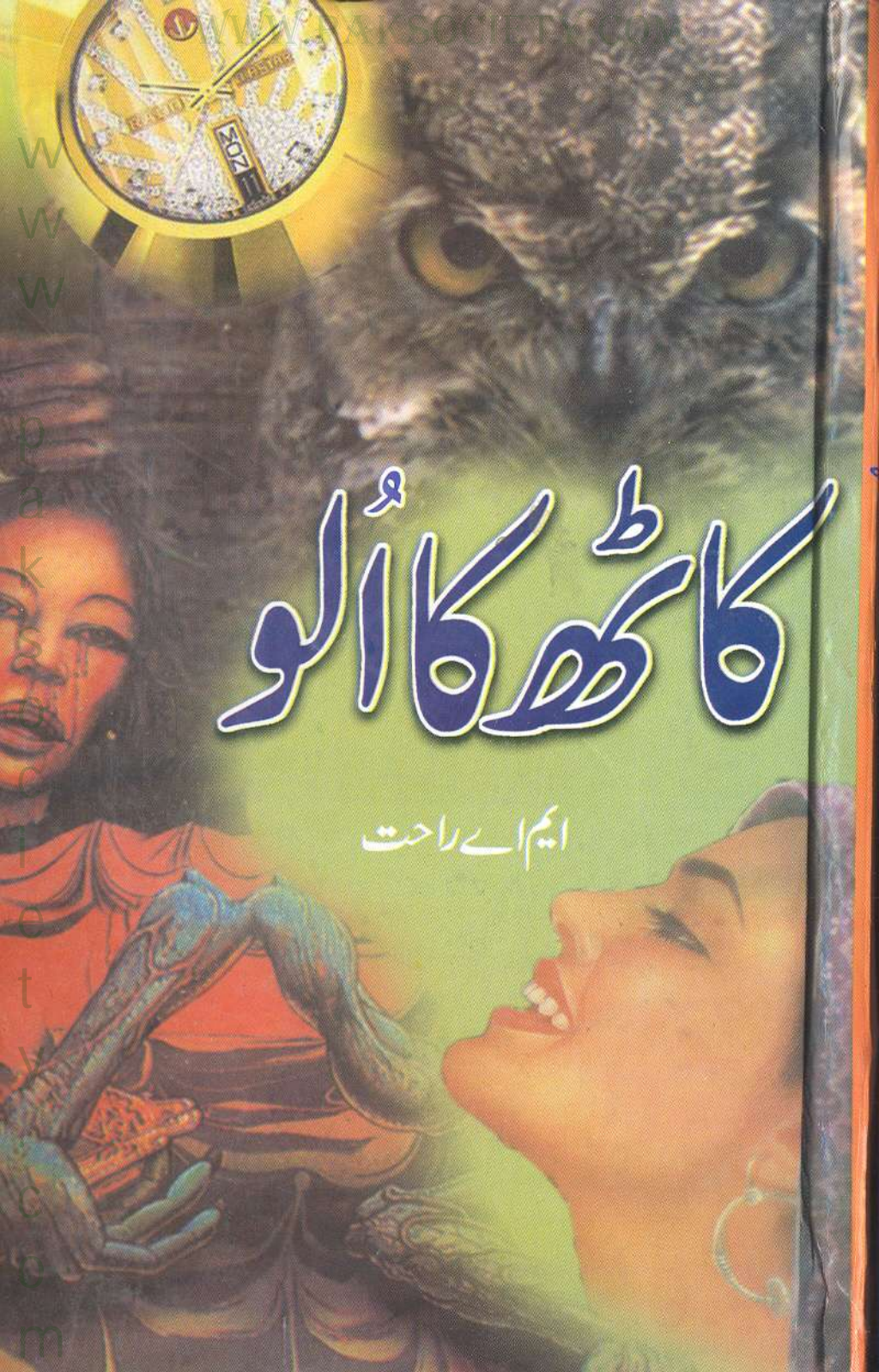
کاٹھ کا اُلّو

ایم۔ اے راحت

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

بیگم جہاں آرا ہدایت پور سے ملاقات کیا ہوئی ان کی تقدیر ہی کھل گئی۔ بیگم صاحبہ کچھ
ی لٹو ہوئی تھیں ان پر کہ بس عنایتوں پر عنایتیں ہو رہی تھیں۔ ڈی ڈی لمیٹڈ کا دفتر اس عمارت سے
ادیا گیا۔ شہر میں بیگم صاحبہ کی بے اندازہ جائیداد تھی۔ ایک شاندار پیمانے پر آراستہ دفتر' جس میں
نچ خوبصورت کمرے تھے' ان کے حوالے کر دیا گیا۔ بیگم صاحبہ نے ڈی ڈی لمیٹڈ کا بورڈ بھی خود
ں بنوا کر لگوا دیا تھا اور اس کے بعد ہی انھیں اس کی اطلاع دی گئی تھی۔ وہ لوگ بڑے جز بز ہوئے
ے لیکن بیگم صاحبہ خود ہی تشریف لائیں اور انھیں یہاں سے اٹھا لے گئیں۔ اس حسین دفتر کو دیکھ کر
ن کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔ بیگم صاحبہ کی محبت بھری ڈانٹ کے آگے ان کی ایک نہ چل سکی۔ ان
ے بعد محترمہ سمن آراء ہدایت پور تھیں۔ ہفتے میں ایک بار یہاں کا دورہ ضرور کرتیں اور ہر بار ایک
پیکٹ ساتھ لاتیں جن میں ڈیکوریشن پیس ہوتے۔ ایک بار ایک جوکر قسم کے نوجوان کو ساتھ
لے آئیں۔ ''یہ مٹھو ہے۔ جاسوسی کا شوقین۔ آپ لوگوں کے زیر تربیت رہے گا۔'' سمن آراء نے
رمایا۔

''سبحان اللہ! ہم تو اسے بھی کوئی ڈیکوریشن پیس سمجھے تھے۔ بہر حال شجرہ نسب کیا ہے
وصوف کا؟'' ظفری نے پوچھا۔

''چھیمو کا للوا ہے۔ چھیمو ہمارا تیس سالہ پرانا ملازم ہے۔ بالکل قابل اعتماد۔ یہ اس کا

بیٹا ہے۔ دیوار کی مانند ہے' جس کے نہ کان ہوتے ہیں نہ زبان۔ جو کہیں گے اس سے زیادہ نہ کرے گا۔ میری ضمانت ہے۔ کم بخت کو پڑھانے کی بہت کوشش کی لیکن جاسوسی ناولوں کے سوا کچھ نہ پڑھ سکا۔ اس لیے اب یہ آپ کے سپرد۔"

"کسی بات پر ناراض ہوگئی ہیں ہم سے۔" ظفری نے عاجزی سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ بس میں نے کہہ دیا۔" سمن آراء نے جواب دیا۔ اور یوں چھیمو کا لاڈلا عرف ٹیٹو اس دفتر کا پانچواں فرد بن گیا۔ جس دن اس نے آفس جوائن کیا۔ مضطرب صاحب نے ایک درخواست پیش کر دی۔ لکھا تھا:

حضور میں!

خدا دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ (ہر چند کے دفتر رات کو نہیں کھلتا) فدوی عرصہ دراز سے دفتر کے منتظم سے لے کر چپراسی تک کے فرائض انجام دے رہا ہے۔ اب چونکہ ایک رنگروٹ آ گیا ہے اس لیے فدوی اپنے عہدے میں ترقی کا خواہشمند ہے۔ فدوی کو دفتر کا رجسٹرار اور منیجر بنا دیا جائے۔ عین نوازش ہوگی۔"

نتیجے میں مضطرب صاحب کو طلب کر لیا گیا۔ سعدی نے پوچھا۔

"منیجر کے فرائض کیا ہوں گے؟"

"دفتر کی مکمل دیکھ بھال۔ اس کی ترتیب و تزئین۔ اس کی جملہ ضروریات کی تکمیل۔ جو بھی کیس آئے اس کے بارے میں مکمل کوائف رجسٹر کیے جائیں گے وغیرہ وغیرہ۔"

"لیکن مضطرب صاحب۔ دفتر کا فنڈ اس کی اجازت کہاں دیتا ہے۔ ہمارے اس چھوٹے سے دفتر کی بات اور تھی۔ اسے ہم اپنے بل بوتے پر چلا سکتے تھے۔ اس کے اخراجات کے بارے میں سوچ سوچ کر ہی۔۔۔۔"

"قطع کلامی کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ اس دفتر کے اخراجات تو بالکل نہیں ہیں۔ بجلی کا بل ریاست ہدایت پورا ادا کرتی ہے۔ ٹیلی فون کا بل بھی وہیں سے جاتا ہے۔ وہی چائے پانی کی

تات رہ جاتی ہے۔ اور پھر فدوی کے منیجر بننے سے اخراجات پر کیا اثر پڑے گا۔ میں کوئی تنخواہ تو طلب نہیں کر رہا۔"

"ہوں۔ تب ٹھیک ہے۔ آپ کا عہدہ تبدیل کیا جاتا ہے۔ ویسے یہ مسٹر للوا کیسے آدمی ہیں؟"

"زبردست۔ چائے کافی سب کچھ بنا لیتا ہے۔ موٹر سائیکل اور کار ڈرائیو کر لیتا ہے۔ بس لائسنس نہیں ہے۔ توانا اور پھرتیلا جوان ہے۔ اور پھر بے عذر ہے جس کام کے لیے کہو انکار نہیں کرتا۔ منیجر کی پوسٹ حاصل کرنے کے بعد میں یہاں بہت سی تبدیلیاں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک آپ ذمہ دار ہیں ہر معاملے کے۔ کوئی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔"

"تین ماہ آزمائشی رکھ لیں۔ اگر اس لائق پایا جاؤں تو مستقل کر دیں ورنہ نہیں۔"

مضطرب صاحب کے جانے کے بعد سعدی نے ظفری اور شکیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ بیگم صاحبہ جو کچھ کر رہی ہیں' ہمارے لیے اس سے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم ان کے عتابی ہو کر رہ گئے ہیں۔ جواب میں ہم کیا کریں گے ان کے لیے؟"

"تعلقات خراب کر لیں گے تاکہ کسی برے وقت کا امکان نہ رہے۔" ظفری پھٹ سے بولا۔

"یہ کام تم ذاتی طور پر کر سکتے ہو۔ ہم ایسے ناسپاس نہیں ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

بہرحال نیا دفتر کام کرنے لگا۔ کام ابھی کوئی نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ مضطرب صاحب اپنے ذاتی اکاؤنٹ سے دفتر کے لیے خریداری کر رہے تھے۔ درجنوں جاسوسی ناول خریدے گئے تھے۔ جو منیجر صاحب کے کمرے کے شیلف میں سجے ہوئے تھے۔ فن جاسوسی پر بے شمار کتابیں بھی مضطرب صاحب نے حاصل کی تھیں۔ سعدی ظفری نے اس سلسلے میں انھیں ٹوکا تھا لیکن آج کل وہ الجھن میں تھے۔ اس نئے دفتر میں ابھی تک کوئی کیس نہیں آیا تھا۔ حالانکہ اخبار میں تین اشتہار آ چکے تھے جن میں سے دو میں ڈی ڈی لمیٹڈ کے دفتر کی منتقلی کی اطلاع دی گئی تھی اور ایک اشتہار

حسب معمول تھا لیکن پہلا ہفتہ ختم ہونے کو تھا اور ابھی تک کوئی نہیں جھانکا تھا۔

ہفتہ ختم ہونے کا آخری دن تھا کہ مسٹر ٹیٹو مینجر صاحب کے کمرے میں داخل ہوئے۔
"ٹلا۔ انھوں نے بکری جیسی آواز لگائی اور مضطرب صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ پھر اچھل پڑے۔

"اے واہ واقعی ٹلافٹ ہوتا ہے۔ بالکل درست' شعر مکمل ہو گیا۔ مگر تمہیں کیسے معلوم؟"

"باہر کھڑا ہے۔" مسٹر ٹیٹو نے جواب دیا۔

"کون باہر کھڑا ہے؟"

"ٹلا!" ٹیٹو نے جواب دیا۔

"چھوٹا بھائی ہے تمہارا؟ میرا مطلب ہے (ٹ) کی مناسبت سے میں سمجھا تم نے میرا شعر مکمل کیا ہے۔ اس میں آخری لفظ ٹلا تھا۔ دوسرے مصرعے کا آخری لفظ۔ ابھی مضطرب صاحب اتنا کہہ پائے تھے کہ ایک پولیس کانسٹیبل نے اندر جھانکا۔

"مجھے جلدی ہے جناب اندر آنے کی اجازت دیجئے۔" وہ بولا۔ پولیس کی وردی دیکھ کر مضطرب صاحب سخت مضطرب ہو گئے۔ آواز بند ہو گئی تھی کانسٹیبل اندر داخل ہو گیا۔ "معافی چاہتا ہوں۔ اگر جلدی نہ ہوتی تو۔ یہ خط ہے ایس پی آفس سے۔ اگر آپ کوئی ذمہ دار آدمی ہیں تو اسے وصول کر لیں۔" اس نے ایک لفافہ پین بک میں رکھا اور مضطرب صاحب کی طرف بڑھا دیا۔

"ہم مینجر ہیں ہم یہاں کے۔ کیسا خط ہے؟ کیا کریں اس کا؟" بمشکل تمام مضطرب صاحب نے کہا۔

"بس یہاں دستخط کر کے اسے وصول کر لیں۔"

کانسٹیبل کے جانے کے بعد مضطرب صاحب دیر تک گریبان میں پھونکیں مارتے رہے۔ خط کو ہاتھ لگانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ لفافے پر مسٹر سعدی' ظفری اور مس شکیلہ لکھا ہوا تھا۔ بہر حال مضطرب نے خط انہیں پہنچا دیا۔ انوی ٹیشن کارڈ تھا۔ سالگرہ کی ایک تقریب میں ان

لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا اور یہ سالگرہ سپرنٹنڈنٹ پولیس آفتاب حسین کی صاحبزادی رخسانہ حسین کی تھی۔

"یعنی کمال ہے۔ اب ہم معمولی لوگ نہیں رہے۔" ظفری مسرت بھرے لہجے میں بولا۔ سالگرہ میں شرکت کا فیصلہ کر لیا گیا۔ ایک مشترکہ اور خوبصورت تحفے کے ساتھ وہ لوگ سالگرہ میں شریک ہوئے یہاں بیگم جہاں آراء اور سمن آراء بھی موجود تھیں۔

ایس پی صاحب گرمجوشی سے ان سے ملے۔ "بیگم صاحبہ نے آپ لوگوں کی اتنی تعریف کی کہ بڑا اشتیاق پیدا ہو گیا۔ ملاقات کا اس سے عمدہ موقع اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ ہر چند کہ ہمارے یہاں پرائیویٹ جاسوسی کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن آپ لوگوں کے بارے میں سب سن چکا ہوں۔ کسی بھی مسئلے میں تعاون کی پیشکش کرتا ہوں۔ جب بھی ضرورت محسوس کرو مجھے فون کر دینا۔ چہروں سے تم تینوں ذہین بچے لگتے ہو۔ اس کے علاوہ میں خود بھی تمہیں کچھ کیس بھجواؤں گا۔"

سالگرہ کی تقریب بہت دل چسپ اور خوشگوار رہی۔ دوسرے دن دفتر میں اسی موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی کہ مضطرب صاحب اندر داخل ہو گئے۔ انہوں نے ایک فارم ان کے سامنے رکھ دیا۔

"کیا ہے مضطرب صاحب؟" سعدی نے پوچھا۔

"ملاحظہ فرمایئے۔ مضطرب صاحب بولے۔ فارم پر نہایت خوبصورت الفاظ میں ڈی ڈی لمیٹڈ لکھا ہوا تھا اس کے نیچے ایک باریک لائن تھی۔ جس میں لکھا ہوا تھا۔" ہر قسم کے قانونی اور سماجی مسائل کے حل کرنے کا واحد ادارہ۔ پھر اس کے نیچے کالم بنے ہوئے تھے۔ ایک کالم میں لکھا تھا۔ "الجھن کی نوعیت قانونی ہے یا غیر قانونی۔ دوسرے میں لکھا تھا کہ اگر نوعیت غیر قانونی ہے تو کیس نہیں لیا جا سکتا۔ تیسرے میں لکھا تھا۔ معاوضہ کیس درج کرنے کے ساتھ ساتھ لیا جائے گا اور اگر جائز حل میں ناکامی ہوئی تو پورا معاوضہ قابل واپسی ہوگا۔ اسی طرح کے چند اور کالم تھے اور سب سے نیچے کسی تفضل حسین صاحب کے دستخط تھے اس کے اوپر والی لائن میں لکھا تھا۔

"میں نے فارم ہذا کے تمام اندراجات پڑھ لیے ہیں۔ میں ان سے متفق ہوں اور اپنا کیس ڈی ڈی لمیٹڈ کے سپرد کرتا ہوں۔"

تفضل حسین! سعدی نے پرخیال انداز میں مضطرب صاحب کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں باہر موجود ہیں اور میں نے کیس رجسٹرڈ کر دیا ہے۔"

"ویری گڈ ویری گڈ اور معاوضہ بھی وصول کر لیا ہوگا آپ نے؟" سعدی نے پوچھا۔

"نہیں نہ ابھی میں نے کیس معلوم کیا' نہ معاوضہ وصول کیا' یہ فارم تو ابتدائی حیثیت رکھتا ہے۔ فارم بھر کر میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا۔ اب آپ مؤکل کو طلب کر سکتے ہیں۔"

"بھئی واہ مضطرب صاحب' یہ فارم کب چھپوایا آپ نے؟" سعدی نے پوچھا۔

"اس کی تفصیل بعد میں عرض کر دی جائے گی۔ تفضل حسین حاضر خدمت ہونا چاہتا ہے۔" مضطرب صاحب نے کہا۔ اور سعدی نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے۔ آپ اسے ہمارے پاس بھیج دیں۔"

مضطرب صاحب باہر نکل گئے۔ اور چند لمحات کے بعد اچھی خاصی شخصیت کا مالک ایک شخص جس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں' بال بکھرے ہوئے تھے اور شکل وصورت سے وہ کافی پریشان لگ رہا تھا اندر داخل ہوا۔ اندر داخل ہو کر اس نے جھجکتی ہوئی نگاہوں نے ان تینوں کو دیکھا اور لکنت زدہ لہجے میں بولا۔

"مم۔ میں تفضل حسین ہوں۔ ابھی مینجر صاحب سے۔۔۔۔۔"

"جی ہاں' جی ہاں تشریف لائیے' تشریف رکھیے۔" سعدی نے اپنے سامنے پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور تفضل حسین کرسی پر بیٹھ گیا۔

"ڈی ڈی لمیٹڈ کے تینوں اعلیٰ افسران آپ کے سامنے موجود ہیں۔ فارم پر لکھے کوائف سے آپ نے اتفاق کیا ہے۔ اب ہم آپ کے کیس کی نوعیت سننا چاہتے ہیں۔"

"میں آپ کے مینجر سے معلوم کر چکا ہوں کہ اگر آپ لوگ میرا کیس نہ لیں اور ہمارے

درمیان معاوضے وغیرہ کا کوئی سلسلہ نہ ہو تو آپ میرے معاملات کو راز میں رکھیں گے؟"

"یقیناً یقیناً آپ کا مسئلہ جو کچھ بھی ہے' ہم اسے منظر عام پر کسی وقت پر نہیں لائیں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے میں معاوضہ ساتھ لایا ہوں' نووارد نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی ڈھائی گڈیاں نکال کر ان کے سامنے رکھ دیں ظفری نے جلدی سے ہاتھ آگے بڑھا کر گڈیاں اٹھائیں اور میز کی دراز میں ڈال دیں۔

"اب آپ پورے صبر و سکون سے ہمیں اپنی پریشانی بتائیے' ہم آپ کو اس کا تسلی بخش حل تلاش کر کے دیں گے۔ ہاں یہ تو فرمائیے کیا پئیں گے آپ؟" سعدی نے پوچھا۔

"کک' کچھ نہیں۔ براہ کرم تکلف نہ کریں۔ میرا کیس کسی الجھی ہوئی نوعیت کا نہیں ہے' لیکن جو کچھ ہوں صرف آپ کو بتا رہا ہوں۔ اور آپ مجھ سے وعدہ کر چکے ہیں کہ کیس لینے یا نہ لینے کی صورت میں آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے میری شخصیت کو راز میں رکھیں گے۔" تفضل حسین نے کہا۔

"ہاں ہاں وعدہ کر چکے ہیں اور اس کی پابندی کی جائے گی۔" سعدی نے جواب دیا۔

نووارد نے چند لمبے گہری گہری سانسیں لیں' پھر اپنے کوٹ کی اسی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک خوبصورت لاکٹ نکالا اور ان لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔ تینوں لاکٹ پر جھک گئے۔

عجیب ساخت کا لاکٹ تھا۔ سونے کی سنہری چین سانپ کی شکل کی تھی اور منہ کی جگہ سورج کا نشان بنا ہوا تھا بادی نگاہ میں بڑا پراسرار نظر آ رہا تھا یہ لاکٹ'

سعدی نے لاکٹ کو ہاتھ میں اٹھا کر دیکھا۔ دوسروں کو دکھایا اور پھر اسے سامنے رکھ دیا۔ "جی فرمائیے۔ یہ لاکٹ کیسا ہے؟"

آنے والا چند گہری گہری سانسیں لیتا رہا پھر بھاری لہجے میں بولا۔

"یہ۔۔۔ یہ میری زندگی کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ میری تقدیر کا سب سے عجیب دھوکا ہے۔ کیا تم یقین کرو گے کہ اس خوبصورت چیز نے میری زندگی وبال جان بنا دی ہے مجھے اس حد

تنگ پریشان کر دیا ہے کہ میں خودکشی پر آمادہ ہوں کیا تم یقین کرو گے میرے عزیز کہ جب سے یہ منحوس شے میرے پاس آئی ہے' میں اپنی زندگی کے بدترین نقصانات سے دوچار ہوتا رہا ہوں۔ میری رفیق حیات ایک حادثے کا شکار ہوگئی۔ میرے دو بچے مجھ سے بچھڑ گئے۔ مالی طور پر میں کنگال ہو کر رہ گیا۔

کیا تم یقین کرو گے میرے دوست کہ اس شئے نے مجھے زندگی سے اتنی دور لا پھینکا ہے کہ میں خودکشی کرنے پر تیار ہوں۔ میں اس بھری دنیا میں یکہ وتنہا رہ گیا ہوں اور یہ سب اس وقت سے ہوا ہے جب سے یہ منحوس شے میرے پاس آئی ہے۔" نووارد کے لہجے میں کچھ ایسی بے چارگی اور یاس تھی کہ وہ لوگ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ سعدی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"لیکن محترم آپ کو یہ کیسے اندازہ ہوا کہ یہ خوبصورت ہار آپ کی ان مصیبتوں کی وجہ بنا ہے؟"

"مجھ سے زیادہ اس کے بارے میں اور کون جان سکتا ہے۔ میں آپ سے پہلے ہی یہ اقرار لے چکا ہوں محترم کہ اگر آپ میری مدد کرنے پر نہ بھی آمادہ ہوں تو بہرطور ایک اچھے انسان کی طرح مجھے سینہ راز میں رکھیں گے اور میری تشہیر نہ کریں گے۔ اگر آپ خود کسی اچھے جذبے کے تحت مجھے تلاش کر لیتے تو پھر آپ کو یہ حق پہنچتا تھا کہ میرے بارے میں جسے چاہتے بتاتے' لیکن اب تو میں آپ کے اور آپ کے معزز پیشے کے درمیان ایک اعتماد کی حیثیت رکھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ اس اعتماد کو زخمی نہ کریں گے۔

"ٹھیک ہے آپ یقین رکھیں کہ آپ کو ہماری ذات سے کوئی نقصان نہ پہنچے۔

"میں جیب تراش ہوں۔ طویل عرصے سے یہ کاروبار کر رہا ہوں۔" میں جیب تراش کیوں بنا اس کی ایک لمبی تفصیل ہے' جس کا تعلق ان معاملات سے نہیں ہے' بہرطور ایک تعلیم یافتہ انسان ہونے کی حیثیت سے مجھے اعتراف ہے کہ میں اس معاشرے کا ایک اچھا فرد نہیں ہوں لیکن مجبوریاں انسان کو کون کون سے راستوں پر لا ڈالتی ہیں اس کا تھوڑا بہت اندازہ آپ لوگوں کو بھی

ہوگا۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ میں ایک جیب تراش ہوں اور اپنے پیشے کے ذریعے اپنے اہل خاندان کا پیٹ بھرتا تھا۔ میں بھول چکا ہوں اس بات کو کہ وہ شخص جس کے لباس سے میں نے یہ نیکلس نکالا تھا کس شکل وصورت کا مالک تھا' کیا حلیہ تھا اس کا' ایسی باتیں کون یاد رکھتا ہے اور نہ ہی اس کی جیب کاٹتے وقت مجھے علم تھا کہ اس کی جیب سے کوئی ایسی چیز برآمد ہو سکتی ہے۔ بہرطور میں نے دوسری چیزوں کے ساتھ اسے بھی رکھ لیا' اور اس کے بعد میری زندگی میں تبدیلیاں ہونے لگیں۔ مجھے بے شمار نقصانات سے دوچار ہونا پڑا۔ جیل جاتے جاتے بچا' زخمی ہوگیا' اس کے بعد حالات بگڑتے چلے گئے۔

زخمی ہونے کی وجہ سے مجھے اپنا یہ کاروبار بھی بند کرنا دینا پڑا۔ لیکن میں اتنا آسودہ حال تھا کہ مجھے چار چھ ماہ یا سال دو سال کے لیے کاروبار بند کر دینے سے کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ اسی دوران جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا کہ میری بیوی ایک حادثے کا شکار ہوگئی' میرے دونوں بچے گم ہوگئے۔ میں کیا بتاؤں آپ لوگوں کو کہ مجھے کس کس الجھن کا شکار ہونا پڑا' اس کی آواز رندھ گئی اور وہ ناک سے شوں شوں کرنے لگا۔

سعدی' ظفری اور شکیلہ' دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ہر چند کہ اس کی کہانی دلگداز تھی' لیکن جیب تراشی کا معاملہ ایسا تھا کہ اس نے ان کے دلوں سے یہ گداز ختم کر دیا تھا۔ بہرطور وہ اس کی کہانی سن رہے تھے۔

"میں نے بہت سوچا' بہت تجزیہ کیا کہ میرے ساتھ آن کی آن میں یہ سب کچھ کیسے ہوگیا اور کیوں ہوگیا' تب مجھے احساس ہوا کہ جب سے یہ منحوس شے' میرے پاس آئی' میرے حالات میں تبدیلیاں رونما ہونی شروع ہوگئیں۔ یہ لاکٹ میری بیوی کے پاس تھا اور وہ نہ جانے کیوں اس سے خوف کا اظہار کرتی رہتی تھی۔ کئی بار اس نے کہا تھا کہ مجھے اس سے ڈر محسوس ہوتا ہے' جب بھی اس لاکٹ کو دیکھتی ہوں' میرے ذہن میں نہ جانے کیسے کیسے وسوسے بیدار ہونے لگتے ہیں۔ میں نے اس وقت تو توجہ نہیں دی تھی اس بات پر' لیکن جب پے در پے حادثات رونما ہوئے

تو مجھے یقین ہو گیا کہ میں کوئی بہت ہی خوف ناک شے اپنے ساتھ لے آیا ہوں۔ میں چاہتا تو اسے کہیں بھی پھینک دیتا' لیکن میں جانتا ہوں کہ اس قسم کے معاملات بے حد پراسرار ہوتے ہیں' میں اسے اس کے مالک تک پہنچانا چاہتا ہوں۔ خدا کے لیے کسی بھی طرح اس کے مالک کو تلاش کر کے اس کی یہ امانت اسے واپس کر دیں' نجانے اس کی بددعا مجھے لگی ہے یا پھر یہ شے اس کے لیے کوئی خاص حیثیت رکھتی ہے۔ میرے ذہن میں ایسے ہی خیالات پیدا ہوتے رہتے ہیں' کوئی میرے کانوں میں سرگوشیاں کرتا ہے کہ اس لاکٹ کو اس کے مالک تک پہنچا دو۔ تمہارے حالات بہتر ہو جائیں گے۔ اس مصیبت بھری زندگی سے چھٹکارہ پا لو گے' لیکن میں کس طرح اس کے مالک کو تلاش کروں' اور پھر میری اپنی یہ حیثیت۔ میں کسی اور مصیبت میں گرفتار نہیں ہونا چاہتا۔ براہ کرم آپ میری مدد کریں۔ میں اخبار میں آپ کا اشتہار دیکھ کر حاضر ہوا ہوں۔"

سعدی' ظفری اور شکیلہ دل چسپ نگاہوں سے اس لاکٹ کو دیکھ رہے تھے۔ پھر سعدی نے اس شخص کی طرف دیکھ کر کہا۔

"آپ کا نام یقیناً تفضل حسین نہیں ہوگا۔ آپ نے یہ دستخط جعلی کیے ہوں گے؟"

"یہی سمجھ لیجیے۔ لیکن میں اپنا اصل نام آپ کو کبھی نہیں بتاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے تفضل حسین صاحب' لیکن ہم اس کے مالک کو کہاں تلاش کریں گے۔"

"میں آپ کے پاس اسی لیے تو حاضر ہوا ہوں' آپ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے عہدے داران ہونے کی حیثیت سے میرے لیے کام کریں اور مجھ سے معاوضہ وصول کریں۔"

"اگر ہم اس لاکٹ کی تشہیر کریں تو آپ کو اعتراض تو نہ ہوگا؟" سعدی نے پوچھا۔

"جو دل چاہے کریں' بس اب یہ مسئلہ مجھ سے منسلک نہیں رہنا چاہیے۔ میں اسے آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے تفضل حسین صاحب' لاکٹ اس کے مالک کو واپس پہنچ جائے گا۔ لیکن اگر اتفاق سے اس کا مالک نہ مل سکا تو ہم آپ کو اس کے بارے میں کہاں اطلاع دیں گے؟"

"خدا کے لیے نہیں۔ خدا کے لیے نہیں مجھے اس بارے میں اطلاع مت دینا۔ میں یہ شہر ہی چھوڑ دوں گا۔ میں اس ملک سے ہی چلا جاؤں گا۔ میں اس منحوس شے کے ساتھ یہاں نہیں رہ سکتا۔ میرا یہاں رہا ہی کون ہے۔" تفضل حسین نے جواب دیا۔ اور سعدی گردن ہلانے لگا۔

"ٹھیک ہے آپ کا کام ختم۔ اب آپ مطمئن ہو سکتے ہیں۔"

تفضل حسین چلا گیا۔ اور اس کے جانے کے بعد ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ڈائریکٹرز لاکٹ میز پر پھیلا کر اس پر جھک گئے۔ شکیلہ نے لاکٹ ہاتھ میں اٹھایا۔ اس کی چین کھولی اور اسے گلے میں ڈال لیا۔

"کیسا لگ رہا ہے ظفری؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ تم قدیم مصر کے فرعونی دور کی ملکہ معلوم ہو رہی ہو۔ واقعی شکیلہ تمہارے چہرے کے خدوخال بدلتے جا رہے ہیں۔ اوہ تمہاری آنکھوں میں دریائے نیل بہ رہا ہے اور اس کے اطراف میں اہرام پھیلے ہوئے ہیں' سعدی۔ سعدی پلیز ان آنکھوں میں جھانکو۔ دیکھو تو سہی ان آنکھوں میں۔" ظفری نے کہا اور شکیلہ ہنس پڑی۔

"بس بس بکواس بند کرو' تمہارے کپڑے بھیگ جائیں گے۔" شکیلہ نے لاکٹ اتار کر دوبارہ میز پر رکھ دیا۔

"غیر سنجیدگی ختم' کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں کیا اس کے بیان میں صداقت ہو سکتی ہے؟"

"پچیس ہزار روپے اور سونے کا یہ لاکٹ بہر طور صداقتوں کی جانب اشارہ تو کرتا ہے' لیکن حقیقت کیا ہے' یہ معلوم کرنا ذرا مشکل ہے۔ ویسے وہ شخص شکل و صورت سے اداکار نہیں معلوم ہوتا تھا۔" ظفری نے کہا۔

"شکل و صورت کے بارے میں تو اس دور میں کچھ کہا نہیں جا سکتا ظفری' ہم لوگوں نے عہد کیا ہے کہ شکل و صورت سے انسان کی شخصیت کا اندازہ لگانے کی کوشش نہیں کریں گے' تم

اس عہد کو بھول رہے ہو۔“

”نہیں نہیں یہ سو فیصد تمہاری اس بات سے متفق ہوں۔“ ظفری نے کہا۔

”تو پھر یہ سوچو وہ شخص ہم سے کیا چاہتا ہے۔“

”حماقت ہوگی۔ سو فیصدی حماقت؟“

”کیوں؟“

”وقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ بھلا ہمیں اس مسئلے میں سر کھپانے کی کیا ضرورت ہے؟“

”تو بقراط اعظم۔ تمہارے ذہن میں کیا ہے؟“

”بھائی سیدھا سادا راستہ اختیار کرو۔ لاکٹ کی تصویر اخبار میں چھپواؤ اور اس کے مالک کی تلاش کا اشتہار دے دو۔“

”کیا خوب۔ میرے خیال میں کل صبح ہمارے دفتر کے سامنے جم غفیر لگا ہوگا لاکٹ کے مالکوں کا۔“

”لگنے دو۔ اصل مالک کو ان میں سے بآسانی تلاش کیا جاسکتا ہے۔ اسے لاکٹ کی تاریخ بتانی ہوگی۔ اب اس سے یہ تو نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ لاکٹ کس جیب تراش نے اس کی جیب سے نکالا ہے۔ یہ بات تو اصل مالک ہی بتا سکے گا۔“

”ہوں“ خیال ٹھیک ہے۔ کیوں شکیلہ؟“

”ہاں سیدھا راستہ ہے۔“ شکیلہ نے جواب دیا اور مضطرب صاحب کو طلب کرلیا گیا مضطرب آموجود ہوئے تھے۔

”اس لاکٹ کی تصویر ایک مضمون کے ساتھ اخبار کر دینی ہے' ہمیں اس کے مالک کی تلاش ہے۔“

”کیوں؟“ مضطرب صاحب نے متجسس انداز میں لاکٹ کو ہاتھ میں اٹھالیا اور پھر

حیرت سے بولے۔ ”ارے یہ آپ کو کہاں سے ملا' یہ تو میری والدہ کی نشانی ہے جو مرحومہ نے۔۔۔۔“

”مضطرب' یہ ایک قتل کی واردات میں ملوث ہے۔ سوچ لیں آپ۔“ ظفری بولا۔

”ارے کمال ہے۔ آپ تو مذاق بھی نہیں سمجھتے۔ لایئے میں کاروائی مکمل کر لوں۔“ مضطرب جلدی سے بولے اور لاکٹ لے کر باہر نکل گئے۔

”ہیلو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ۔ شکیلہ نے ریسیور میں کہا۔ دوسری طرف خاموشی چھائی رہی۔ ”ہیلو“ شکیلہ دوبارہ بولی۔

”میں کسی ذمہ دار شخص سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“ ایک پروقار نسوانی آواز سنائی دی۔

”جی فرمایئے۔“

”بہری ہو تو۔ میں نے کہا ہے کہ میں کسی ذمہ دار شخص سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”میں آپ کو مطمئن کردوں گی خاتون۔ کیا تکلیف ہے آپ کو؟“

”تکلیف کی بچی۔ میں بیگم شکور رانا ہوں۔ کیا چاہتے ہو تم لوگ اب کیا موت پڑی ہے تم پر۔ کیوں میری زندگی کے گاہک بنے ہوئے ہو؟ جینے دو گے یا نہیں؟“ دوسری طرف سے بولنے والی برس پڑی۔

”ہمیں آپ کی زندگی پر کوئی اعتراض نہیں ہے خاتون۔ لیکن آپ کسی غلط فہمی کا شکار معلوم ہوتی ہیں؟“

”غلط فہمی۔ تم مجھ سے تین لاکھ وصول کر چکے ہو۔ زندگی اجیرن کر کے رکھ دی تم نے میری۔ اس سے زیادہ میری حیثیت نہیں ہے۔ میں اب تمہیں کچھ نہیں دے سکتی۔ مجھے جان دے دوں گی لیکن تمہیں ایک پیسہ بھی نہیں دوں گی۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ میں نے تو سوچا تھا کہ تم دفعان ہو چکے ہو۔ چار سال کے بعد تم کہاں سے آمرے؟“

”کیا نام بتایا آپ نے اپنا' بیگم شکور رانا؟“

"بکواس مت کرو۔ میرے بارے میں معلوم کر کے ہی تم نے یہ حرکت کی ہوگی؟"

"کون سی حرکت؟"

"میں اخبار میں تمہاری منحوس شکل دیکھ چکی ہوں۔ سانپ نما لاکٹ کے مالک کی تلاش۔"

"اوہ!" شکیلہ ایک دم چونکی ہوگی۔ "بیگم صاحبہ آپ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ تشریف لا سکتی ہیں؟"

"سودے بازی کرنی ہے نا؟ کہاں ہے تمہارا یہ دفتر' میں نے وہ جگہ نہیں دیکھی۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔ اور شکیلہ انہیں دفتر کا جائے وقوع بتانے لگی۔ بیگم صاحبہ نے جھٹکے سے فون رکھ دیا تھا۔ شکیلہ نے بھی ریسیور رکھ دیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ پھر اس نے پیڈ اٹھا کر وہ جملے یاد کیے جو بیگم شکوررانا نے کہے تھے اور پھر انہیں نوٹ کر لیا۔ تفضل حسین نے جو کچھ کہا تھا وہ ابھی تک ان لوگوں کی نگاہوں میں مشکوک تھا اور اس شک کی تصدیق بہت جلد ہوگئی تھی لاکٹ کا اشتہار اخبار میں آ گیا تھا اور آج پہلا دن تھا۔ سعدی اور ظفری کسی کام سے گئے ہوئے تھے۔ لیکن شکیلہ پر اعتماد تھی وہ خود بھی بیگم شکوررانا سے گفتگو کر سکتی تھی۔

سامنے رکھے ہوئے پیڈ کی تحریر سے وہ نتائج اخذ کرتی رہی' سیدھا سادا بلیک میلنگ کا کیس تھا اور تفضل حسین یا جو کچھ اس شخص کا نام تھا' بلیک میلر تھا۔ لیکن اس بلیک میلر نے یہ عجیب راستہ کیوں اختیار کیا تھا۔ وہ خود بھی یہ اشتہار دے سکتا تھا۔ بہرحال وہ تقدیر کو بھی مانتی تھی' پچیس ہزار روپے جو آئے تھے۔ ان کے پاس۔

دفعتاً اسے کچھ خیال آیا۔ اور اس نے مضطرب صاحب کو آواز دے لی۔ مضطرب صاحب اس کے پاس پہنچ گئے۔ "کیا ہو رہا ہے مضطرب صاحب؟"

"مقابلے کی تیاریاں۔ ایک ایسا کارنامہ انجام دے رہا ہوں کہ بس شعر کی دنیا میں تہلکہ مچ جائے گا۔"

"اوہ کوئی غزل ہو رہی ہے؟"

"ہاں جاسوسی غزل۔ ہر مصرعہ سسپنس فل' اسرار و رموز سے پر۔ دیکھتا ہوں حضرت مطلق اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔"

"بہرحال یہ تو بعد میں دیکھیں گے۔ ایک بیگم صاحبہ آنے والی ہیں۔ ابھی ان کا فون آیا ہے۔ آتش فشاں ہوں گی۔ ذرا خیال رکھیے گا۔"

"شوہر سے جھگڑا کر کے آ رہی ہوں گی؟"

"خدا جانے۔ وہ للوا کہاں ہے؟"

"باہر موجود ہے۔ ویسے اسے للوا نہ کہا کریں۔ وہ خود کو ٹیٹو کہلوانا پسند کرتا ہے۔"

"شکل سے تو للوا ہی لگتا ہے۔ بس جایئے آپ میرے خیال میں وہ خاتون پہنچنے والی ہیں۔" شکیلہ نے کہا اور مضطرب صاحب باہر نکل گئے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ باہر سے کچھ تیز آوازیں سنائی دیں اور شکیلہ تیار ہو کر بیٹھ گئی۔ دراز قامت اور بھرے بھرے بدن کی مالک تھیں۔ خدوخال جاذب نگاہ تھے۔ غصے کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور یہ سرخی ان کے حسن میں چار چاند لگا رہی تھی۔

"ہیلو۔" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے ان کا خیر مقدم کیا۔

"فون پر تمہاری ہی آواز تھی میں نے؟" خاتون درشت لہجے میں بولیں۔

"جی ہاں یہ گستاخی مجھ سے ہی ہوئی تھی؟"

"مجھے جانتی ہو میں کون ہوں؟"

"فی الحال تو آپ آتش فشاں کی بھتیجی معلوم ہو رہی ہیں۔ سلیقہ اپنایئے تشریف رکھیے۔" شکیلہ کا لہجہ خشک ہو گیا۔

"میں ایک اہم سماجی کارکن بیگم شکوررانا ہوں۔ شہر کی آدھی درجن ویمن سوسائیٹیوں کی سربراہ ہوں۔ میرے تعلقات اس قدر وسیع ہیں کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

"آپ اہم بھی ہیں؟ کمال ہے۔ بہر حال اس وقت میری مہمان ہیں۔ اس لیے صبرو سکون سے تشریف رکھیے۔ کچھ پئیں گی آپ؟" شکیلہ نے خشک لیکن نرم لہجے میں کہا۔

"میں۔ میں خون پینا چاہتی ہوں تم لوگوں کا۔ تم نے۔ تم نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ تم نے مجھے ایک طویل عرصہ سے خوف و ہراس کا شکار کر رکھا ہے۔ بعض اوقات تو میں خودکشی پر غور کرنے لگتی ہوں۔"

"عمل کر ڈالیں تو بہتر ہے۔ غصہ کرنے سے کیا حاصل۔" شکیلہ نے کہا۔

"ہاں ہاں۔ تم لوگ تو یہی چاہتی ہو کہ۔۔ کہ میں مر جاؤں۔ کیا ملے گا تمہیں میری موت سے۔ سوچو۔ کیوں دشمن بنے ہو میری جان کے؟" بیگم شکور رانا کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اور پھر وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ اس طرح رو رو کر ہمارا خون پئیں گی۔ کیوں؟ محترمہ خود کو سنبھالیے۔ میں فون پر بھی آپ سے کہہ چکی ہوں کہ آپ کسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ بجائے اس کے کہ آپ قاعدے سے گفتگو کریں۔ اس قسم کی باتیں کر رہی ہیں۔ اب آپ خود بتائیے اس ماحول میں گفتگو کیسے ہو سکے گی۔"

"ہاں ہاں کہو۔ اب کیا چاہیے تمہیں۔ اب اور کیا چاہیے؟ جواب دو مجھے تم۔ اب تو تم نے ایک باقاعدہ ادارہ کھول لیا ہے بلیک میلنگ کا۔ بتاؤ کس طرح میری گردن کاٹو گی؟" بیگم شکور رانا نے بدستور روتے ہوئے کہا۔

"میں آپ سے آخری بار عرض کر رہی ہوں کہ ذہن سے غلط فہمی نکال دیجیے۔ ہم لوگ آپ کو بالکل نہیں جانتے کہ آپ کون ہیں۔ نہ ہی ہمارا مقصد آپ سے کچھ حاصل کرنا ہے۔ کسی بھی قسم کی سودے بازی نہیں کرنا چاہتے ہم لوگ آپ سے جہاں تک اشتہار کا تعلق ہے تو وہ ایک صاف ستھرا اشتہار تھا' اور اس میں کوئی ایسی بات پوشیدہ نہیں تھی جو آپ کو اس قدر چراغ پا کر دے۔

براہ کرم خود کو سنبھالیے اور مجھے اپنے بارے میں تفصیلات بتائیے۔"

"تو تم خود کو بلیک میلر تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہو؟"

"محترمہ ہم خود کو بلیک میلر کہنے والے کو جیل بھجوانے میں ذرا بھی تردد نہیں کریں گے۔ آپ چونکہ خاتون ہیں اور شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہیں اس لیے آپ کے ساتھ اب تک نرم رویہ اختیار کیا جا رہا ہے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ایک باعزت ادارہ ہے' لوگوں کے مسائل حل کرنے کا ادارہ' آپ اگر چاہیں تو اپنی بہت بڑی شخصیت سے کام لے کر پولیس کو اس ادارے کے بارے میں بتا سکتی ہیں۔ آپ تو بہت اہم سماجی کارکن ہیں۔"

"طنز نہ کرو مجھ پر۔ میں جتنی پریشان ہوں تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتیں۔"

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پریشانیاں دور کرنے کا ہی ادارہ ہے۔ آپ اگر کسی مشکل میں گرفتار ہیں تو ہماری خدمات حاصل کریں۔ آپ کو مایوسی نہیں ہو گی۔"

"اخبار میں اشتہار تمہاری طرف سے ہی ہے نا؟"

"سو فیصدی۔"

"کیا مقصد ہے اس کا؟"

"وہی جو اس اشتہار میں درج ہے۔ یعنی اس کے مالک کی تلاش۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"بکواس۔ فراڈ۔ جھوٹ بول رہی ہو تم۔ یہ انداز۔ یہ انداز ہمیشہ اس کی آمد کا رہا ہے۔ وہ اس طرح مجھے اپنی آمد کی اطلاع دیتا ہے اور پھر۔ اور پھر مجھ سے رقوم وصول کرتا ہے۔"

"کون ہے وہ؟"

"کیا میں اسے جانتی ہوں؟" بیگم شکور رانا پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔

"ہوں۔ تو یہ کسی بلیک میلر کا نشان ہے؟ اور اس سے قبل بھی وہ اسی طرح اشتہار بازی کرتا رہا ہے؟"

"سو فیصدی۔"

''بیگم شکوررانا۔صبر و سکون سے آپ میری بات سنیں۔اخبار میں اشتہار ہم نے ہی چھپوایا ہے۔لیکن اس کا مقصد قطعی طور پر یہ نہیں ہے جو آپ نے سمجھا ہے۔یہ ادارہ لوگوں کی خدمت کرتا ہے اور اس کا معاوضہ وصول کرتا ہے۔ایک صاحب نے اس سلسلے میں ہماری خدمات حاصل کی ہیں' ان کی خواہش ہے کہ یہ لاکٹ اس کے مالکان تک پہنچا دیا جائے اور ہم نے اس کی خواہش کی تکمیل کے لیے یہ قدم اٹھایا ہے۔''

''تم سچ کہہ رہی ہو؟''

''جی ہاں۔میں ثبوت کے طور پر آپ کو وہ فارم دکھا سکتی ہوں جو ادارے کے اصولوں کے مطابق ہر اس شخص کو پر کرنا ہوتا ہے جو ادارے سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔''

''دکھایئے۔'' بیگم شکوررانا نے کہا۔اور شکیلہ نے مضطرب صاحب کو آواز دے لی۔

چند لمحات کے بعد بیگم شکوررانا فارم دیکھ رہی تھیں۔

''تفضل حسین! وہ زیر لب بولی ''یہ نام جعلی بھی ہو سکتا ہے۔''

''ان حالات میں سو فیصدی جعلی ہے۔بشرطیکہ آپ سچ بول رہی ہوں۔''

''آپ مجھے اس شخص کا حلیہ بتا سکتی ہیں؟''

''جی نہیں۔یہ ہمارے اصولوں کے خلاف ہے۔جب تک ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں درست ہے۔''

''خدا کی قسم۔خدا کی قسم میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں۔میں بڑی پریشان ہوں۔آپ یقین کریں میں۔۔۔۔میں۔۔۔۔'' بیگم شکوررانا پھر رونے لگی۔

''آپ نے فارم میں دیکھ لیا ہوگا کہ ہم لوگ کوئی ایسا کیس نہیں لیتے جو کسی طور پر غیر قانونی ہو۔یہ لاکٹ ہمارے پاس اس لیے لایا گیا ہے کہ کوئی ہمارے ذریعے کسی کو بلیک میل کرلے تو یہ سو فیصد۔ایک غیر قانونی حرکت ہے اور ان حالات میں ہم اس شخص کی مدد کرنے کی بجائے آپ کی مدد کرنے کے ذمہ دار ہیں۔اب آپ اپنے ذہن سے ہر قسم کا خوف نکال کر ہمیں

ان حالات کے بارے میں بتائیں۔''

''میں۔۔۔میں بلیک میل ہو رہی ہوں۔مجھے طویل عرصے سے بلیک میل کیا جارہا ہے۔اس وقت سے جب سے میں نے شکوررانا سے شادی کی' میں ایک بے سہارا لڑکی تھی' اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں اور ایک اچھے خاندان سے میرا تعلق ہے تقریباً چار سال قبل میں ایک اور شہر میں رہتی تھی اور ایک بہت بڑی فرم میں پروڈکشن منیجر کے عہدے پر فائز تھی۔شکوررانا اس فرم کے شیئر ہولڈر تھے۔انہوں نے مجھ سے متاثر ہو کر مجھے شادی کی دعوت دی اور میں نے اسے قبول کرلیا۔لیکن شادی کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد مجھے کچھ دھمکیاں ملیں اور میری ایک ایسی کمزوری کو میرے سامنے لایا گیا جو اگر شکوررانا کے سامنے آجاتی تو میرے اور شکوررانا کے تعلقات خراب ہو سکتے تھے۔بلیک میلروں نے مجھ سے ایک لاکھ روپے طلب کیے۔شکوررانا سے شادی کیے ہوئے مجھے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ایک لاکھ روپے کی رقم میرے لیے ناقابل حصول تھی لیکن مجھے اس طرح مجبور کر دیا گیا کہ میں مجرمانہ طور پر یہ رقم حاصل کرنے پر تیار ہوگئی۔ایک لاکھ روپے کی وصولیابی کے بعد مجھ سے پچاس ہزار روپے مانگے گئے اور تیسری بار ڈیڑھ لاکھ۔میں اپنے مستقبل کی بقاء کے لیے شکوررانا سے کسی نہ کسی طرح یہ رقومات حاصل کرتی رہی۔آخری بار مجھ سے ڈیڑھ لاکھ روپے طلب کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ یہ آخری رقم ہے۔اس کے بعد مجھ سے کچھ نہ مانگا جائے گا۔اور میں نے اس بات کو سچ سمجھ لیا۔پھر میں شکوررانا کے ساتھ یورپ چلی گئی اور ایک سال تک وہاں رہی۔شکوررانا باہر اپنا کاروبار پھیلا رہے ہیں۔اس سلسلے میں وہ اسی وقت سے ملک سے باہر ہیں۔سال کے سال آتے ہیں۔میں نے اپنا شہر چھوڑ کر یہاں سکونت اختیار کرلی ہے۔چار سال کے بعد مجھ پر یہ افتاد پھر آپڑی ہے۔بتاؤ میں کیا کروں۔اب تو میری سماجی حیثیت بھی ہے۔اگر۔۔۔اگر۔۔۔'' وہ پھر سسکنے لگی۔

''ہاں۔ہاں۔براہ کرم خود کو قابو میں رکھیں۔مجھے مزید تفصیلات درکار ہیں۔'' شکیلہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔بیگم شکوررانا رومال سے آنسو خشک کرنے لگی۔''آپ کا نام کیا ہے؟''

"عالیہ رانا۔"

"بیگم صاحبہ اس ہار کا کیا قصہ ہے؟"

"یہ اس کی آمد کی نشانی ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح یہ تصویر اخبار میں چھپواتا ہے اور پھر ٹیلی فون کرتا ہے اور اپنا مطالبہ دہراتا ہے۔ اس نے خود ہی بتایا ہے کہ یہ نیکلس اس کا نشان ہے۔"

"گویا جو رقومات آپ سے وصول کی گئیں اُن کے درمیان وقفہ تھا؟"

"ہاں۔"

"اور جب آپ سے دوبارہ رقم کی فرمائش کی گئی تو پہلے یہ تصویر اخبارات میں چھپی؟"

"ہاں۔"

"وقفہ کتنا تھا؟"

"تقریباً چھ ماہ۔"

"رقم کس طرح وصول کی گئی؟"

"ہر بار مختلف انداز میں۔ ایک دفعہ میں یہ رقم لے کر بازار گئی وہاں میرے ہاتھ سے بریف کیس لے لیا گیا۔ دوسری دفعہ میرے گھر کے پائیں باغ سے اور تیسری دفعہ ایک پارک میں۔"

"آپ نے رقم وصول کرنے والے کو دیکھا؟"

"نہیں بازار میں جس نے بریف کیس لیا وہ ایک گداگر تھا اور مجھے اس کے بارے میں فون پر اطلاع دے دی گئی تھی۔"

"فون پر آپ سے کئی بار رابطہ قائم کیا گیا۔ کیا ہر بار ایک ہی آواز تھی؟"

"نہیں۔ دو بار نسوانی آواز سنائی دی تھی اور ایک بار مردانہ۔"

"ہوں۔"

"آخری سوال کروں گی بیگم صاحبہ۔ بلیک میلنگ کی وجہ کیا تھی؟"

"بس میری لغزش۔ جو جرم نہیں ہے۔ لیکن لیکن۔"

"تفصیل بتانا پسند کریں گی؟"

"بس اتنا بتا سکتی ہوں کہ میرے کچھ خطوط اس کے پاس ہیں جو شکور رانا کو مجھ سے برگشتہ کر سکتے ہیں اور سوسائٹی میں میرا مقام کھو سکتے ہیں۔"

شکیلہ خاموش ہوگئی۔ چند لمحات سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"شاید آپ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی طرف مطمئن ہوگئی ہوں گی بیگم صاحبہ ہم وہ نہیں ہیں جو آپ کو بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔ ہاں اشتہار کی اشاعت کا کام ہمارے ذریعے ضرور کیا گیا ہے اور اس حد تک یہ کام غیر قانونی نہیں ہے۔ آپ اس کی رپورٹ پولیس میں کر سکتی ہیں۔ باقی مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ آپ اگر چاہیں تو اس سلسلے میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی خدمات حاصل کر سکتی ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ ادارہ آپ کو اس بلیک میلر سے نجات دلا سکتا ہے۔ ہمارا کام یہی ہے۔"

"خدا کے لیے ایسا کر دو۔ خدا کے لیے میری مدد کرو۔ میں تمہیں منہ مانگا معاوضہ ادا کروں گی۔ میری جان سولی پر لٹکی ہوئی ہے۔ میری مدد کرو۔"

"ہمارا معاوضہ پچیس ہزار روپے ہوتا ہے۔"

"میں تمہیں تیس ہزار روپے دے سکتی ہوں۔ مجھے اس سے نجات دلا دو۔" بیگم رانا نے کہا۔

"صرف پچیس ہزار بیگم صاحبہ۔ وہ بھی کام ہونے کی شکل میں۔ رقم ہم پیشگی لے لیتے ہیں۔ لیکن اگر کام نہ ہو سکے تو وہ رقم واپس کر دی جاتی ہے۔"

بیگم رانا نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پرس کھولا اور اس میں سے پچیس ہزار روپے کے نوٹ نکال کر شکیلہ کے سامنے ڈال دیے۔ غالباً وہ بلیک میلر کے لیے یہ رقم لے کر چلی تھی۔

شکیلہ نے مضطرب صاحب کو بلا کر فارم پر کرایا۔ اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بیگم شکور رانا وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد شکیلہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

سعدی اور ظفری ابھی دفتر میں داخل ہوئے ہی تھے کہ باہر سے عجیب سی آوازیں سنائی دیں۔ کوئی دھڑام سے نیچے گرا۔ ایک کراہ سنائی دی اور پھر ایک گھٹی گھٹی سی چیخ۔

دونوں بوکھلا کر باہر نکل آئے لیکن باہر کے منظر کو دیکھ کر ان کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئی تھیں۔ عمدہ تراش کے سوٹ میں ملبوس ایک شخص چاروں شانے چت پڑا تھا اور اس کے چند فٹ کے فاصلے پر مسٹر للوا ہاتھ میں پستول پکڑے اسے شکاری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے منہ میں چیونگم تھی اور چہرے پر سفاک تاثرات۔ مضطرب صاحب نے دروازہ کھول کر جھانکا۔ اور پھر غڑاپ سے گردن اندر کر لی۔ لیکن پھر انہیں خیال آیا کہ مالکان بھی باہر موجود ہیں تو دوبارہ باہر جھانکنے لگے۔

"کیا ہو رہا ہے مسٹر ٹیٹو؟ یہ کیا حرکت ہے؟"

"کچھ نہیں باس ایک گیدڑ شیروں کی کچھار میں گھس آیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ دیکھ لوں گا تم سب کو دیکھ لوں گا۔ میں بھی زندگی سے بیزار ہوں۔ گولی مار دو مجھے۔ گولی مار دو۔ مارو۔ مارو۔"

زمین پر پڑا ہوا شخص اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر جنون کے آثار نظر آ رہے تھے۔ دیکھنے میں وہ اچھا خاصا مہذب آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن صورت حال سب کی سمجھ سے باہر تھی۔ مسٹر للوا ہی کو اس سلسلے میں زحمت دی گئی۔

"یہ پستول کیسا ہے ٹیٹو؟ اور یہ سب کچھ کیا ہے؟ بتاتے کیوں نہیں؟"

"اوہ باس۔" ٹیٹو نے زبان حلق میں پھیراتے ہوئے کہا۔ "یہ شخص پستول لے کر یہاں داخل ہوا تھا اور دھمکیاں دے رہا تھا کہ سب کو مار دے گا۔ ہلاک کر دے گا سب کو۔ تو باس میں تمہارا خادم یہاں اس لیے نہیں ہے کہ ایک جھینگا دھمکیاں دیتا ہوا دفتر میں گھسے اور پستول اس کے

ہاتھ میں ہو۔ کرٹیو کے ایک ہاتھ نے پستول اس کے ہاتھ سے نکال کر میرے ہاتھ میں دے دیا اور اس کے بعد میں نے اسے دھوبی پاٹ مار دیا۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔" ٹیٹو نے دونوں شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیر یٹو؟" مضطرب صاحب بڑبڑائے۔

"ہاں ائیر مارشل آرٹسٹ میں سے ہوتا ہے۔" ٹیٹو یا للوا نے جواب دیا۔

"بس بس فضول باتوں سے گریز کرو۔ کیوں مسٹر کیا اس کا کہنا درست ہے؟" سعدی نے زمین پر بیٹھے ہوئے خوش پوش آدمی سے پوچھا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا آنکھوں میں ہیجان کے آثار تھے۔ دانت بھینچ کر اس نے سب کو دیکھا اور پھر پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔

"ہاں ہاں' دس بیس کو اور بلوا لو' تنہا ہوں نا۔ مار ڈالو' ہلاک کر ڈالو مجھے' ختم کر دو مجھے ذلیل کتو! تم لوگوں نے میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ فنا کر دوں گا تمہیں یا خود فنا ہو جاؤں گا۔ کہہ دیا ہے میں نے۔"

"شاعری کرنے آئے ہیں آپ' اگر شعر و شاعری کا موڈ ہے تو ہمارے مضطرب صاحب فی الوقت حاضر ہیں اور اگر کوئی کام کی بات کرنی ہے تو شریف آدمیوں کی طرح کھڑے ہو جائیں۔ یہ بتائیں کہ پریشانی ہے آپ کو؟ اور کیا تکلیف پہنچی ہے ہم سے۔"

"تکلیف۔ صرف تکلیف کی بات کرتے ہو۔ ہلاک کر دیا ہے تم نے مجھے۔ زندہ در گور کر دیا ہے۔ خدا تمہیں غارت کرے۔" اس شخص نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

عقب میں شکیلہ بھی نکل آئی تھی۔ اس نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"ظفری ان حضرت کو اندر لے آؤ۔ میں ان کے مرض سے واقف ہوں۔ ابھی ایک زندہ در گور خاتون یہاں سے تشریف لے گئی ہیں۔ لے آؤ۔ لے آؤ۔"

"ایں۔" سعدی اور ظفری کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"اٹھا لاؤ۔ خود نہیں اٹھ پا رہے تو اٹھا لاؤ۔ مسٹر ٹیٹو پستول منیجر صاحب کے پاس جمع کرا دو۔" شکیلہ

واپس مڑ گئی۔ سعدی اور ظفری چند لمحات تو حیران رہے۔ پھر انہوں نے زمین پر بیٹھے ہوئے شخص کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور اسے سہارا دیتے ہوئے اندر لے آئے۔ شکیلہ کی ہدایت پر اسے آرام کرسی پر بٹھا دیا گیا تھا۔

"پانی۔" شکیلہ نے کہا اور چند لمحوں کے بعد پانی آ گیا جسے نو وارد نے ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔ پھر وہ وحشت زدہ نگاہوں سے ان سب کو دیکھنے لگا۔

"کتنی رقم وصول کی جا چکی ہے آپ سے؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"ملعونو' بدبختو۔ چھ لاکھ اسی ہزار روپے دے چکا ہوں۔ چوپٹ کر دیا ہے تم نے مجھے۔ سارا کام ختم ہو گیا ہے میرا۔ قرض سے خود کو سنبھالے ہوئے ہوں اور تم اور تم۔ اب بھی میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہے۔"

"پچیس ہزار روپے ہوں گے تمہارے پاس؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟ لیکن اس بار یہ رعایت کیوں؟ اس کے بعد کیا مانگو گے۔

"کچھ نہیں۔ صرف پچیس ہزار۔ شکیلہ پراسرار انداز میں بولی۔

خدا تمہیں غارت کرے۔ کوئی پرسان حال نہیں ہے ہمارا۔ لیکن کان کھول کر سن لو۔ اس کے بعد ایک پیسہ بھی میں نہیں دوں گا۔ کچھ بھی ہو جائے۔ میں خودکشی کر لوں گا۔ خدا کی قسم میں خوش کشی کر لوں گا۔"

"کیش پلیز۔" شکیلہ نے ظالمانہ انداز میں کہا۔ اس شخص سے وہ ذرا بھی متاثر نہیں معلوم ہوتی تھی جبکہ سعدی اور ظفری کی کھوپڑیاں ہوا میں اڑی جا رہی تھیں۔ یہ سارا ہنگامہ ذرا بھی جوان کی سمجھ میں آیا ہو۔ وہ مظلومانہ انداز میں شکیلہ کو دیکھنے لگا۔ پھر نڈھال لہجے میں بولا۔

"میں اس وقت رقم نہیں لایا۔ لیکن اگر پچیس ہزار روپے ہی کی بات ہے تو میں یہ رقم تمہیں شام تک بھجوا دوں گا۔ اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے ہم آپ پر اعتماد کرتے ہیں مسٹر۔ کیا نام لیا جائے آپ کا۔" شکیلہ نے

پوچھا۔ اور نو وارد کینہ توز نگاہوں سے اسے گھورنے لگا۔

"تم میرا نام نہیں جانتیں؟"

"جی نہیں۔ نام بتایئے۔"

"سلام۔" اس نے جواب دیا۔ اسی وقت مضطرب صاحب اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے لفظ سلام سنا تھا۔ چنانچہ بڑے خشوع و خضوع سے انہوں نے وعلیکم السلام کہا۔ اور نو وارد انہیں گھورنے لگا۔ پھر شکیلہ کی طرف رخ کر کے بولا۔ "میرا نام سلام احمد ہے۔"

"گڈ' آپ سلام احمد ہی کے نام سے مشہور ہیں؟"

"ہاں لوگ مجھے سیٹھ سلام کہتے ہیں۔" لیکن تم نے مجھے وہ نہیں رہنے دیا جو میں تھا۔ اب میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں قلاش ہو چکا ہوں سمجھے تم لوگ میں قلاش ہو چکا ہوں۔"

"بہت بہتر سیٹھ سلام۔" "مضطرب صاحب براہ کرم فارم لے آیئے۔" شکیلہ نے کہا اور مضطرب صاحب نے دروازے سے باہر چھلانگ لگا دی۔ چند ہی لمحات کے بعد وہ فارم لیے اندر داخل ہو گئے۔ اور فارم سیٹھ سلام کے سامنے رکھ دیا گیا۔

"یہ کیا ہے؟ کوئی نئی چال ہے تمہاری؟" سیٹھ سلام پھاڑ کھانے والے انداز میں بولا۔

"میرا خیال ہے آپ کے لیے ایک گلاس پانی اور منگوایا جائے۔ اس کے بعد آپ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو سکیں گے۔

"فضول بکواس مت کرو۔ میں ٹھیک ہوں۔ سیٹھ سلام بولا۔

"تو پھر یہ فارم ملاحظہ فرمایئے۔ اور پھر اس پر دستخط کر دیجیے۔"

"کوئی دستخط وستخط نہیں کروں گا۔ تم لوگ مجھے کسی نئے جال میں پھانس رہے ہو۔"

"پھانس نہیں رہے سیٹھ صاحب۔ آپ کو جال سے نکالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"بکواس کرتے ہو تم۔ میں دستخط نہیں کروں گا۔"

"آپ کی مرضی ہے سیٹھ صاحب۔ قانون آنکھوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہے۔ آپ یقیناً

سانپ نما نکلس کا نشان دیکھ کر تشریف لائے۔"

"ہاں کیا کیا جائے۔ قانون آنکھوں پر ہاتھ رکھے بیٹھا ہے۔ تم لوگوں کو ہر طرح کی آزادی ہے۔ جو دل چاہے کرو۔ برباد کردو کسی کو۔ قتل کرو۔ جو دل چاہے کرو۔"

"آپ کو ذرا بھی یہ یقین دلانے کی کوشش نہیں کی جائے گی مسٹر سلام کہ اس اشتہار سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ اشتہار ہمارے ایک کلائنٹ نے شائع کرایا ہے لیکن ہمارے لیے یہ بات نئی ہے کہ وہ اس کے ذریعے کسی کو بلیک میل کرنا چاہتے ہے۔ ہماری صورت حال دوسری ہے۔"

شکیلہ نے سیٹھ سلام کو بڑی مشکل سے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں تفصیلات سمجھائیں اور بڑی ہی مشکل سے سیٹھ سلام نے اس بات پر یقین کیا۔ اور جب اسے یقین آیا تو وہ شرمندہ نظر آنے لگا۔ سعدی اور ظفری خاموشی سے اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے تھے حالانکہ ان پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ یہ سب کچھ ان کی سمجھ سے باہر تھا۔ لیکن شکیلہ کام کر رہی تھی وہ مطمئن تھے۔

بہرحال سیٹھ سلام کافی دیر بعد اعتدال پر آسکا۔ اس کی بھی کوئی لغزش بلیک میلر کے علم میں تھی۔ حالات ویسے ہی تھے جیسے بیگم رانا کے ساتھ پیش آئے تھے۔ بالآخر اس نے فارم پر دستخط کیے اور چلا گیا۔ رقم اس نے شام تک بھجوانے کا وعدہ کیا تھا۔

اس کے جانے کے بعد سعدی اور ظفری نے مسکراتے ہوئے شکیلہ کی طرف دیکھا۔

"پیرومرشد' کچھ ارشاد ہو جائے۔" ظفری بولا۔

"تقدیر کے دروازے کھل گئے ہیں بچو۔ کھاؤ' پیو' عیش کرو۔ یہ لو پچیس ہزار روپے۔ شام تک پچیس ہزار روپے اور پہنچ جائیں گے۔ اور ابھی تو بہت کچھ باقی ہے۔ کل کے اخبار میں اشتہار ریپیٹ ہونا چاہیے۔ شکیلہ نے دراز سے پچیس ہزار کے نوٹ نکال کر ان کے سامنے ڈال دیے۔

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ معجزے ہو رہے ہیں۔ مگر یہ سب کچھ ہوا کیسے پیرومرشد۔ اس دوران جو گفتگو ہوئی ہے اس سے تھوڑا بہت اندازہ تو ہم نے بھی لگایا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ پیرومرشد تفصیل سے اپنے ارشاد عالیہ سے نوازیں گے۔"

"جو کچھ تم سمجھ چکے ہو وہی ہے۔ حضرت تفضل حسین مبلغ پچیس ہزار روپے ادا کر کے ہمارے لیے خوشی کے دوازے کھول گئے ہیں۔ موصوف کسی طور بلیک میلر ہیں اور یہ اشتہار انہوں نے اپنے کلائنٹس کے لیے چھپوایا تھا۔ چار سال کے بعد کہیں سے تشریف لائے ہیں جن لوگوں کو انہوں نے بلیک میل کیا تھا۔ ان سے چار سال قبل انہوں نے رقومات وصول کی تھیں اور یہ سانپ نما لاکٹ یا لاکٹ نما سانپ درحقیقت ان کا نشان ہے۔"

"خدا کی پناہ۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ شخص فراڈ تھا۔"

"نہ نہ بھئی۔ اس کا نام احترام سے لو۔ وہ جو کوئی بھی تھا کم از کم ہمارے لیے بڑا منافع بخش ثابت ہوا ہے۔ اس کی تلاش کے لیے ہمیں ابھی تک پچاس ہزار روپے اور مل چکے ہیں۔"

"مگر پیرومرشد یہ معاملہ خاصا سنگین ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے ہم اس بلیک میلر کو کیسے گرفتار کر سکیں گے۔ اس کے خلاف ثبوت کیسے بہم پہنچا سکیں گے۔ شکل و صورت سے تو وہ شخص عجیب سا لگتا تھا۔ مرنجان مرنج قسم کا آدمی تھا۔ کیا آپ یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں پیرومرشد کہ وہ بلیک میلر تھا۔"

"اس سلسلے میں کچھ اور کوائف میں نے نوٹ کیے ہیں۔" شکیلہ نے اپنے سامنے رکھا ہوا پیڈ آگے کھسکاتے ہوئے کہا۔

"بھلا کیا؟" سعدی نے پوچھا۔

"چار سال قبل محترمہ بیگم شکور رانا اس شہر میں نہیں تھیں' کسی اور شہر میں تھیں وہ۔ وہاں ان سے تین بار رقومات وصول کی گئیں۔ آخری بار ان سے ڈیڑھ لاکھ روپے وصول کیے گئے تھے اور اس کے بعد انہیں آزادی نصیب ہو گئی تھی لیکن چار سال کے بعد یہ سنہرا سانپ انہیں دوبارہ نظر آیا

ہے۔ وہ بے تاب ہو کر میرے پاس دوڑی آئیں۔ انداز ان کا بھی یہی تھا' پستول وغیرہ تو ساتھ نہیں لائی تھیں' لیکن آنکھوں کے تیروں سے ہلاک کرنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ بشرطیکہ تم لوگ ہوتے۔ بہرطور نتیجہ یہ ہوا کہ پچیس ہزار روپے ادا کر کے چلی گئیں اور میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ بلیک میلر کو پوری توجہ کے ساتھ تلاش کیا جائے گا اس کے بعد یہ موصوف تشریف لائے۔ اور ممکن ہے ابھی کچھ لوگ اور بھی آئیں۔ بہرصورت لوگ آتے جاتے رہیں' لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ تفضل حسین صاحب دراصل بلیک میلر ہیں اور اب بس یہ سوچنا ہے کہ انہوں نے ہماری معرفت یہ اشتہار کیوں دیا؟ پچیس ہزار روپے خرچ کرنے کے بجائے وہ خود بھی چند سو روپے خرچ کر کے اخبار میں اشتہار دے سکتے تھے۔ بس الجھن صرف یہی ہے کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو اس سلسلے میں کیوں استعمال کیا گیا؟''

''ہوں۔'' سعدی اور ظفری گہری سوچ میں ڈوب گئے پھر سعدی نے کہا۔

''پیرومرشد مجھے ایک کمی کا اس وقت شدید احساس ہو رہا ہے۔''

''وہ کیا؟'' شکیلہ نے بھنویں اٹھا کر پوچھا۔

''ہمارے اسٹاف میں کچھ اور لوگوں کو شامل ہونا چاہیے۔ کچھ ایسے پراسرار قسم کے لوگ جو ہمارے اشارے پر اس قسم کے لوگوں کا تعاقب کریں اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ ان لوگوں کو چاہیے کہ وہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر کے سامنے ڈیرے جمائیں ان کے پاس اپنا کنوینس ہونا چاہیے اور ہمارے اشارے پر یہ اس قسم کے کلائنٹس کا تعاقب کریں۔ یہ بات صرف اس وقت کی نہیں ہے بلکہ پہلے بھی ہمارا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑ چکا ہے جن کے لیے بعد میں ہمیں احساس ہوا کہ ان کا تعاقب ضروری تھا!

''ہوں خیال تو درست ہے' لیکن ایسے لوگوں کا انتخاب آسان نہیں ہوگا اور پھر ظاہر ہے ہم انہیں ملازم ہی کر لیں گے اور ان کے اخراجات وغیرہ بھی اچھے خاصے ہوں گے۔''

''ویسے پیرومرشد وا گر اسی انداز میں ہمیں کیس ملتے رہے تو میرا خیال ہے ہم کافی بڑا

اسٹاف رکھ سکیں گے۔ یہ سب کچھ تو ہماری توقع سے کہیں زیادہ ہے۔''

''یقیناً۔ یقیناً۔ بہرطور اس بارے میں سوچنے کی بجائے اب آپ حضرات یہ سوچئے کہ تفضل حسین کو کس طرح ٹریس آؤٹ کیا جائے۔ ان سے ملاقات ضروری ہے اور یہ معلوم کرنا بھی بے حد ضروری ہے کہ اس بار وہ کیا چاہتے ہیں؟''

''ہوں۔ معاملات خاصے الجھے ہوئے ہیں۔ میرے خیال میں اس کا ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے۔''

''بھلا وہ کیا؟'' شکیلہ بولی۔

''تفضل حسین نے یہ اشتہار اپنے کلائنٹس کے لیے دیا ہے۔ ظاہر ہے اب وہ ان سے رابطہ بھی قائم کرے گا' اگر وہ ان لوگوں سے رابطہ قائم کرے تو یہ ہمیں اس بارے میں اطلاع دیں۔ کیا تم نے بیگم شکور رانا سے یہ بات نہیں کی۔''

''نہیں' یہ اس وقت میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔'' شکیلہ نے اعتراف کیا۔

''ظاہر ہے' ظاہر ہے' ہم لوگوں میں ابھی تھوڑی سی کمی ہے۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ بھی پوری ہو جائے گی۔ میرا خیال ہے بیگم شکور رانا اپنا ایڈریس تو ضرور دے گئی ہوں گی۔ جس طرح تم نے سیٹھ سلام سے ان کا ایڈریس اور فون نمبر لے لیا ہے۔''

''ہاں ہاں' بیگم شکور رانا کا فون نمبر اور ایڈریس میرے پاس موجود ہے۔'' شکیلہ نے جواب دیا۔

''بس تو تم ان ہر دو حضرات کو یہ اطلاع دے دو۔ اس کے بعد دوسری گفتگو ہوگی۔'' سعدی نے کہا۔ اور شکیلہ گردن ہلا کر ٹیلی فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔ بیگم شکور رانا تو اس وقت نہ مل سکیں۔ سیٹھ سلام دفتر میں موجود تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ جونہی بلیک میلر نے ان سے رابطہ قائم کیا وہ ان لوگوں کو اطلاع دیں گے۔''

سعدی اور ظفری یہ گتھی سلجھانے میں مصروف تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد شکیلہ نے بیگم

رانا سے دوبارہ رابطہ قائم کیا تو وہ مل گئی۔ شکیلہ نے اس سے اپنا مقصد بیان کیا تو وہ بول پڑی۔

"آپ نے اپنا نام شکیلہ بتایا تھا نا؟"

"جی ہاں۔"

"شکیلہ صاحبہ آپ کے دفتر سے میرے گھر تک میرا تعاقب کیا گیا ہے۔ ایک ٹیکسی مسلسل میرے پیچھے لگی رہی۔ اس میں کون تھا یہ تو میں نہیں دیکھ سکی لیکن وہ میرے گھر تک آئی اور جب میری کار اندر داخل ہوگئی تو ٹیکسی سیدھی نکل گئی تھی۔

"اوہ۔ گڈ۔" شکیلہ کے ذہن میں پھلجھڑیاں سی چھوٹنے لگیں چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ "بہر حال بیگم رانا۔ آپ میری ہدایت پر عمل ضرور کریں۔"

"بہتر۔ میں اپنا مستقبل آپ کے ہاتھ میں دے چکی ہوں۔ بڑی آس ہے مجھے آپ لوگوں سے۔ خدا کے لیے بھرپور جدوجہد کریں۔"

"آپ مطمئن رہیں بیگم صاحبہ۔ اب یہ معاملہ آپ کا نہیں' ہمارا ہے۔" شکیلہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔ سعدی صاحب اب کام کچھ بنتا نظر آ رہا ہے۔"

"ارشاد۔ ارشاد پیرو مرشد۔" سعدی بولا۔

"کچھ کچھ سمجھ میں آئی ہے بات۔ بیگم شکور رانا کا تعاقب کیا گیا ہے۔ اس طرح ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ذریعہ اشتہار دلوانے کی بات سمجھ میں آتی ہے۔ بلیک میلر اگر اپنے طور پر اشتہار دیتا تو ان لوگوں کے لیے ان سے رابطہ قائم کرنا مشکل ہوتا۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ بلیک میلر ان دنوں یا تو ملک میں نہیں تھا یا کسی الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے ان شکاروں کی موجودہ سکونت سے ناواقف تھا۔ ممکن ہے اسے اندازہ ہو گیا ہو کہ وہ اسی شہر میں ہیں اور وہ ان کی رہائش گاہوں سے واقف ہونا چاہتا ہو۔ اس کے لیے اس نے یہ کھیل کھیلا۔ ہماری معرفت اس نے اشتہار دلوایا۔ یہ لوگ بلبلاتے ہوئے ہم تک پہنچے اور جب یہاں سے واپس ہوئے تو اس نے ان کا تعاقب کر لیا۔ کیا یہ ممکن نہیں۔"

"سو فیصدی ممکن ہے۔" سعدی نے پرجوش انداز میں کہا۔

مسز رانا نے مجھے اطلاع دی ہے کہ ہمارے دفتر سے ان کے گھر تک ایک ٹیکسی ان کے تعاقب میں رہی ہے۔"

"جی ہاں۔ اور اس ٹیکسی میں وہ بدبخت میرا چشمہ بھول آیا ہے۔ پورے ایک سو ساٹھ روپے کا خریدا تھا میں نے۔" مضطرب صاحب جو کافی دیر سے ایک ریک سے کاغذات نکال رہے تھے' بول پڑے سب چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگے۔ شکیلہ نے کہا۔

"یہ آپ کی جاسوسی غزل کا کوئی مصرعہ تھا مضطرب صاحب۔"

"جی نہیں۔ ایک حقیقت تھی۔ ٹیکسی میں حضرت للو اعرف ٹیٹو تھے' جو مسز رانا کے تعاقب میں گئے تھے۔"

"للو میرا چشمہ ساتھ لے گئے تھے۔ تاکہ شکل بدل جائے لیکن اسے ٹیکسی ہی میں چھوڑ آئے۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"مگر۔ مگر وہ ٹیکسی میں مسز رانا کے پیچھے کیوں گیا تھا؟"

"اس وقت مسٹر سلام کے پیچھے گیا ہوا ہے۔ ابھی تک واپس نہیں پہنچا۔"

"مضطرب صاحب براہ کرم تفصیل۔" سعدی بولا۔

"منیجری پکی کر رہا ہوں ان دنوں۔ ایک جاسوسی ادارے کے منیجر کو بھی تو کچھ ہونا چاہیے۔ للو کی موجودگی سے میری یہ مشکل حل ہو گئی ہے۔ اب میں ہر اس شخص کا تعاقب کرتا ہوں جو کسی طور ہم سے معاملات پکے کر کے جاتا ہے۔ بیگم شکور رانا کا مکمل پتا میرے پاس درج ہے اور تھوڑی دیر کے بعد سیٹھ سلام۔۔۔۔"

"اوہ مضطرب صاحب' مضطرب صاحب۔ زندہ باد۔ براہ کرم جلدی سے بتائیے یہ انتظام آپ نے کب سے کیا ہے؟ ظفری نے مضطرب صاحب کی بات درمیان سے کاٹ دی۔

"جب سے مجھے منیجری کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔"

"آپ نے تفضل حسین کا تعاقب بھی کرایا تھا؟" ظفری بولا۔

"جی ہاں۔ ۱۲۷ گوہر کالونی، چھپرا روڈ۔ ریس کا شوقین ہے۔ اور شاید ریس کورس میں گھوڑوں کی نگرانی بھی کرتا ہے۔" مضطرب صاحب نے جواب دیا سعدی اور شکیلہ بھی خوشی سے اچھل پڑے تھے۔

"اتنی تفصیل کیسے معلوم ہوئی؟"

"بس وہی احمق انسان، میرا مطلب ہے للوا۔ آدھا دن خرچ کر کے واپس آیا تھا۔ مجھے تو تشویش لاحق ہو گئی تھی لیکن وہ حضرت پہلی پہلی جاسوسی کرنے نکلے تھے اس لیے اس کا شجرہ نسب ہی معلوم کرنے پر تل گئے۔ ویسے اس شخص کا نام بھی تفضل حسین نہیں بلکہ رحمت خان ہے۔ آئندہ کے لیے میں نے ٹیٹو کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ صرف اتنا کام کرے جتنا اس سے کہا جائے۔"

"واہ مضطرب صاحب۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ نے پہلے اسے یہ ہدایت نہ کی۔ ویسے یہ شخص، میرا مطلب ہے للوا واقعی کام کا آدمی نکلا اس سے یہ امید نہیں تھی۔"

"کہہ رہا تھا کنوینس میں وقت ہوتی ہے اگر کنوینس مل جائے تو اسے اپنے کام میں آسانی ہو۔"

"اس نے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس پر اسے انعام میں موٹر سائیکل بھی دی جا سکتی ہے مضطرب صاحب۔ بشرطیکہ اس کی معلومات صحیح ہوں۔"

"بالکل صحیح ہیں لیکن آپ یہ بھول گئے کہ وہ میری ڈائرکشن میں کام کر رہا ہے۔"

"آپ نے منیجر بن کر واقعی کام کیا ہے۔ مضطرب صاحب۔ بس ایک آخری کام اور کر دیں۔"

"ارشاد۔"

"عمدہ سی کافی کی سخت ضرورت ہے۔ ورنہ آپ کو تکلیف نہیں دی جا سکتی۔"

"ابھی پیش کرتا ہوں۔" مضطرب صاحب باہر نکل گئے۔ ان کے جاتے ہی شکیلہ نے کہا۔ "سعدی بھیمو کا للوا۔ عرف ٹیٹو۔"

"واقعی زندہ باد۔" سعدی نے کہا۔

"۱۲۷ گوہر کالونی۔ درمیانہ درجے کے لوگ رہتے ہیں۔ وہاں غالباً فلیٹ زیادہ ہیں۔ چند مکانات بھی ہیں۔ اس کے علاوہ ریس کورس سے بھی رحمت خان کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔" ظفری پرخیال انداز میں بولا۔

"یقیناً۔ لیکن اس طرح ہمارا پہلا خیال غلط ثابت ہو گیا۔ یعنی بلیک میلر نے اس لیے یہ اشتہار ہمارے ذریعے شائع نہیں کرایا۔"

"ہاں۔ لیکن اب اس پر زیادہ دماغ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تفضل حسین خود ہمارے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ اب وہ براہ راست ہی سب کچھ بتا دیں گے۔"

"پھر اب پروگرام بتاؤ۔ کیا طریقہ اختیار کرنا ہے؟" شکیلہ بولی۔

"اشتہار کل دوبارہ دینا ہے۔"

"ضروری ہے۔ ممکن ہے کوئی اور آ پھنسے۔"

"تو پھر انتظار کر لو ایک دو روز اور۔ اس دوران اگر چاہو تو حضرت للوا کی ڈیوٹی وہاں لگا دو۔"

"مناسب نہیں ہوگا۔ رحمت خان ایک باقاعدہ بلیک میلر ہے تو اتنا احمق نہیں ہوگا۔ ممکن ہے اس نے اپنی دوہری شخصیت بنا رکھی ہو اور اس کی اصلیت یہ نہ ہو۔"

"ہاں۔ اس کے امکانات ہیں۔"

"خیر مضطرب صاحب کو کل کے اشتہار کے لیے ہدایت کر دو۔ مضطرب صاحب کافی لے کر واپس آ گئے تو انہیں اس سلسلے میں ہدایات جاری کر دی گئیں۔

دوسرے دن کے اخبار میں بھی اشتہار موجود تھا۔ آج اس اشتہار پر زیادہ توجہ دی گئی تھی۔ سب سے پہلا فون کسی بچی کا ملا۔ مضطرب صاحب نے فون وصول کیا تھا۔ "دیکھیے۔ ہماری امی صاحبہ کی بہن کی شادی سے واپس آ رہی تھیں کہ راستے میں ان کا نکلس گر پڑا ہے۔ آپ ہمارا

نکلس واپس کردیں۔"

"کہاں فون کیا ہے تم نے؟" مضطرب صاب نے پوچھا۔

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ"

"یہ حاجی الٰہی بخش کی دکان ہے۔" مضطرب صاحب نے فون بند کردیا۔ اس وقت تک جب تک سعدی، شکیلہ اور ظفری دفتر آتے تقریباً دس افراد نکلس کے مالک ہونے کا دعویٰ کر چکے تھے۔ ان میں بھانت بھانت کے لوگ تھے۔

گیارہ بجے کے قریب ایک صاحب ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر میں داخل ہوئے۔ مخصوص طرز کے لباس میں تھے۔ شکل پر یتیمی برس رہی تھی۔ مضطرب صاحب نے انہیں ریسیو کیا۔ "جی فرمائیے۔"

"گے ہاپن رحیم بکس ہے بھابھا۔ گریب لگتا پڑا۔ گے ہاپن کا گھر والی ساس کا آنکھ ایک دم پھوپھڑ لگتا پڑا بھابھا۔ گے نکلس گرادیو تھیو اور گھر آکر بے ہوس تھیو گے ہابھی تک بے ہوس لگتا پڑا۔ گے بھابھا ہاپن کا نکلس دے دیو تمہارا بھوت مہربانی بھابھا۔"

"اوہ تو وہ آپ کا نکلس ہے؟" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"گے تو کسی ہور کے باپ کا تھیو بھابھا۔ ہاپن کا ہی ہے۔"

"ہوں۔ یہ فارم بھردو۔" مضطرب صاحب بولے۔

"گے ہاپن پڑھو لکھو نا، تھیو بھابھا۔ انگوٹھا لگوا لو۔"

"ٹھیک ہے انگوٹھا لگادو۔ مضطرب صاحب نے کہا اور فارم پر انگوٹھا لگوالیا۔" اب دو سو بیس روپے نکالو۔"

"ہے کیا بولتا پڑا ہے بھابھا؟"

"دو سو بیس روپے۔"

"گے ہاپن کے پاس ہک سوبارہ روپیہ ہے بھابھا۔ یہ لے لو اور ہمارا نکلس دے دو۔"

رحیم بخش نے ایک سوبارہ روپے نکال کر سامنے رکھ دیے اور مضطرب صاحب نے وہ فوراً جیب میں ڈال لیے۔ پھر انہوں نے الماری سے نکلس نکال کر رحیم بخش کو دکھایا۔ "یہی ہے نا تمہارا نکلس"

"تو اور کون سا ہے بھابھا۔ ہاپن اسے بمبئی سے خریدا تھا۔ گے لاؤ نا بھابھا ہاپن کی گھر والی بے ہوس پڑیلا۔"

"ایک منٹ منٹ۔ ایک منٹ۔ میں ذرا پولیس کو فون کردوں۔"

"گے پولیس کو کیوں پھون کرنا پڑا بھابھا؟"

"پولیس کو یہ لاکٹ لاش کے پاس پڑا ملا ہے۔ اور پولیس کی ہدایت ہے ہمیں اگر کوئی اسے اپنا کہے تو فوراً اس کی اطلاع دی جائے۔ وہی شخص قاتل ہے جو اس کا مالک ہے۔"

رحیم بخش صاحب بوکھلا کر کھڑے ہوگئے۔ "گے کیا بولتا، پڑا بھابھا گے کیا بولتا بھابھا۔ ابی ٹھیرو۔ گے پھون مت کرو بھابھا۔ گے رک جاؤ تھیو ہاپن کا گھر والی سالا پھراڈ کیا۔ گے یہ ہاپن کا نکلس نہیں ہے بھابھا۔"

لیکن مضطرب صاحب نے ریسیور کانوں سے لگا لیا تھا۔ "ہیلو پولیس اسٹیشن۔ جی ہاں قاتل پکڑا گیا ہے۔ جلدی آئیے۔ جی ہاں جلدی۔"

"گے بھابھا ہاپن کا پیسہ دے دو۔ گے ہاپن۔" رحیم بخش دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

"جلدی آئیے وہ بھاگ رہا ہے۔" مضطرب صاب چلائے اور رحیم بخش نے دروازے کی طرف چھلانگ لگادی اور پھر اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

مضطرب صاحب نے اطمینان سے ریسیور رکھ دیا۔ جیب سے ایک سوبارہ روپے نکالے اور پھر مسکرا کر انہیں دوبارہ جیب میں رکھ لیا۔ اسی وقت ایک خوبصورت سی لڑکی اندر داخل ہوگئی۔

"تشریف لائیے۔ تشریف لائیے۔ فرمائیے کیا خدمت کی جائے آپ کی؟" مضطرب

صاحب بولے۔ لیکن لڑکی کا چہرہ دیکھ کر چونک پڑے۔ اس کی آنکھیں سوج رہی تھیں اور یوں لگ رہا تھا جیسے روتی رہی ہو۔ "کیا بات ہے خیریت؟" مضطرب صاحب نے کہا۔ لڑکی نوعمر تھی چہرے سے معصومیت ٹپکتی تھی۔

"تم لوگ۔ تم لوگ درندے ہو۔ وحشی ہو۔ آہ کتنے کمینے ہو تم۔" وہ سسکتی ہوئی بولی۔

"سبحان اللہ' سبحان اللہ۔ تمہارے اندر تو شاعری کے جراثیم معلوم ہوتے ہیں بیٹی۔ شعر کہہ رہی ہو یا نثر میں بول رہی ہو؟" مضطرب صاحب دل چسپ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولے۔

"مذاق اڑا رہے ہو میرا۔ تم نہیں جانتے کہ میں۔ میں کن حالات میں گزارا کر رہی ہوں۔ کیا ہو گیا ہے ہم لوگوں کے ساتھ' تمہیں کیا معلوم۔ تم تو بس انسانوں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے رہو۔ خدا غارت کرے تمہیں۔ بلیک میلر کہیں کے۔"

"آہم۔" مضطرب صاحب سنبھل کر بیٹھ گئے۔ "تو تم مجھ سے کسی بلیک میلر کے دھوکے میں بات کر رہی ہو؟"

"دھوکا؟ کیا یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ نہیں ہے؟"

"ہے تو وہی' مگر بی بی جو کچھ تم کہہ رہی ہو اس کا ہم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"کیا اخبار میں اشتہار تمہاری طرف سے نہیں ہے؟"

"ہے' سو فیصدی ہے' مگر اس میں یہ درج نہیں ہے کہ تم اس طرح ہمارے دفتر میں آکر ہمیں گالیاں دو۔ یہ بات قطعی غلط ہے۔"

"ڈیڈی اتنے سخت بیمار ہیں کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ اگر وہ مر گئے تو میرا کیا ہوگا؟ ڈیڈی کے سوا میرا اس دنیا میں کون ہے۔ تم کیوں ان کی زندگی کے پیچھے پڑ گئے ہو؟"

"ہوں ہوں۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ کیا کیس ہے۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔" مضطرب صاحب نے کہا۔ اور پھر وہ لڑکی کو ساتھ لیے ہوئے سعدی' ظفری اور شکیلہ کے پاس پہنچ گئے۔

"یہ بی بی کچھ کہنا چاہتی ہے۔ سن لیجیے۔" مضطرب صاحب نے کہا اور واپس پلٹ گئے۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ نے متحیرانہ نگاہوں سے لڑکی کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں نے انہیں متاثر کر دیا تھا۔ سعدی نے نرمی سے کہا۔

"بیٹھو' کیا بات ہے بی بی؟"

"تم بھی۔ تم بھی اسی ادارے سے متعلق ہو؟" لڑکی نے کھڑے کھڑے پوچھا۔

"ہاں ہاں۔ تم بیٹھو ہمارا تعلق اسی ادارے سے ہے۔ کوئی کام ہے تمہیں ہمارے ادارے سے؟"

"تو۔ تو تم بھی بلیک میلر ہو۔ کیوں؟" لڑکی نے نم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ بیٹھ جاؤ بی بی' بیٹھ جاؤ۔" شکیلہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے نزدیک آ گئی۔

"ہاتھ مت لگانا مجھے۔ تم لوگ' سب کے سب لوگ وحشی ہو۔ وحشیوں کا ٹولہ ہے یہ۔ تم ہی میرے ڈیڈی کو بلیک میل کر رہی ہو نا' کیوں؟" لڑکی نے پوچھا۔

"بیٹھ جاؤ۔ ضد نہیں کیا کرتے۔ بیٹھ جاؤ۔" شکیلہ کسی قدر تحکمانہ لہجے میں بولی۔ لڑکی خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

"میرے ڈیڈی بیمار ہیں۔ اگر وہ مر گئے تو سوچ لینا' یا تو میں اپنی جان دے دوں گی یا تم لوگوں کو قتل کر دوں گی۔"

"کیوں بیمار ہیں تمہارے ڈیڈی؟"

"تمہارے اسی اشتہار کی وجہ سے' جب سے انہوں نے وہ اشتہار پڑھا ہے' ان پر دورے پڑ رہے ہیں۔ ان کا دل پہلے کافی کمزور ہے۔ ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ انہیں اپنے دل کا علاج کرانا چاہیے۔ لیکن وہ سنتے ہیں کسی کی۔ اور اب جب سے انہوں نے یہ اشتہار پڑھا ہے ان کی حالت مزید خراب ہو گئی ہے۔"

"ہوں تم نے معلوم کیا تھا بی بی کہ ان کی حالت کیوں خراب ہو گئی ہے؟"

"ہاں' وہ مجھے کچھ بتانے پر آمادہ نہیں تھے لیکن میں بھی بہت ضدی ہوں۔ میں نے اوپری منزل کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر ان سے پوچھا۔ بتائیے کیا بات ہے ورنہ میں نیچے چھلانگ لگا دوں گی۔ ڈیڈی جانتے ہیں کہ میں اتنی ہی ضدی ہوں۔ اگر وہ مجھے اس وقت بھی کچھ نہ بتاتے تو خدا کی قسم میں کھڑکی سے کود پڑتی۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"صبا۔"

"اور تمہارے ڈیڈی کا کیا نام ہے؟"

"عابد علی۔"

"کیا کرتے ہیں وہ؟"

"پہلے ہماری کپڑے کی بہت بڑی دکان تھی۔ اب چھوٹی سی دکان ہے۔ ہمارے مالی حالات بہت خراب ہیں۔ بہت قرض ہے ہم پر۔ ڈیڈی پہلے ہی بہت پریشان تھے اور اب۔ اب تم ان کی جان ہی لینے پر تلے ہوئے ہو۔"

"پتا کیا ہے تمہارا؟"

"نہیں بتاؤں گی' کچھ بھی نہیں بتاؤں گی۔ تم بتاؤ تمہیں کتنے پیسے چاہئیں؟ میرے پاس دس ہزار روپے ہیں صرف۔ یہ میں نے ڈیڈی سے چھپا کر جمع کیے تھے اپنے اکاؤنٹ میں۔ اب صرف دس روپے چھوڑ کر یہ سب لے آئی ہوں۔ خدا کے لیے یہ لے لو اور اب یہ اشتہار اخبار میں مت چھپوانا۔ ورنہ۔۔۔۔۔ ورنہ۔۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔ بے بی۔ تم سے وعدہ کہ اب یہ اشتہار اخبار میں نہیں چھپے گا لیکن اس کی ایک شرط ہوگی۔" سعدی نے کہا۔

"کیا شرط ہے؟" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"تم ہمیں اپنے ڈیڈی سے ملاؤ گی۔" سعدی بولا۔ اور لڑکی کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر

بولی۔

"تم لوگ ڈیڈی کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچاؤ گے؟"

"اگر انہیں ہمارے ذریعے کوئی نقصان پہنچے تو تم ہمیں گولی مار دینا۔"

"تمہارا رویہ بہت اچھا ہے۔ پھر نہ جانے تم بلیک میلنگ کیوں کرتے ہو۔ یہ اچھی بات تو نہیں ہے۔ بہرحال یہ دس ہزار روپے قبول کر لو۔"

"نہیں بے بی۔ یہ واپس اپنے اکاؤنٹ میں ڈال دو۔ اب ہم تمہارے ڈیڈی کو بلیک میل نہیں کریں گے۔"

"کیا میں اس بات پر یقین کر لوں۔"

"ہاں صبا۔ تمہیں یقین کر لینا چاہیے۔" سعدی نے مضبوط لہجے میں کہا۔ اور لڑکی ایک بار پھر آنکھیں خشک کرنے لگی۔

"رحیم بخش ہارڈ ویر اسٹورز۔ چوڑی بازار۔ نہایت ہی بے ایمان اور جھگڑالو آدمی ہے۔ پڑوس کے تمام لوگ اس سے بیزار ہیں۔ ایک بیوی اور چودہ بچے ہیں جن میں آٹھ لڑکیاں اور چھ لڑکے ہیں۔ تمام لڑکیاں لڑکوں سے بڑی ہیں۔" ٹیٹو نے مضطرب صاحب کو رپورٹ پیش کر دی اور مضطرب صاحب منہ پھاڑ کر رہ گئے۔

"تم اس کے پیچھے لگ گئے تھے؟"

"حسب ہدایت جناب!" ٹیٹو نے جواب دیا۔

"اوہ بھائی اشارے کا انتظار کیا کر۔ اب چائے والا آئے گا تو اس کا حسب نسب معلوم کرنے چل پڑے گا۔ صفائی کرنے والا آئے گا تو۔۔۔۔"

"اشارہ کیا ہوگا جناب؟" ٹیٹو نے پوچھا۔

"وہ بعد میں طے کریں گے۔"

"بہتر۔ انیس روپے ساٹھ پیسے عنایت فرما دیں۔"

"ایں۔ وہ کس سلسلے میں؟"

"نو روپے ساٹھ پیسے بنے تھے رکشے کے۔ دس روپے دیے کھلا نہیں تھا اس لیے رکشہ والے نے چالیس پیسے واپس نہیں دیے۔ واپسی میں صرف نو روپے بنے۔ ساٹھ پیسے کی چائے۔ کل میزان انیس روپے ساٹھ پیسے۔"

"چائے بھی پی ڈالی؟" مضطرب صاحب نے کہا۔

"چوڑی بازار میں ہوٹل والے سے ہی معلومات حاصل ہو سکی تھیں اس لیے یہ پیسے بھی حساب میں۔"

"اچھا۔ اچھا۔ یہ لو بیس روپے۔"

"کھلا نہیں ہے جناب۔ چالیس پیسے قرض۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے جاؤ۔ اور وہاں اشارے کے بغیر اب کسی کے پیچھے مت جانا۔" مضطرب صاحب نے کہا اور ٹیٹو واپس چلا گیا۔

تمام لوگ مصروف ہو گئے تھے۔ شکیلہ صبا کے ساتھ چلی گئی تھی ظفری ریس کورس روانہ ہو گیا تھا۔ سعدی البتہ دفتر ہی میں موجود تھا' لیکن وہ بھی مصروف تھا۔ دوپہر ڈھل چکی تھی۔ دوپہر کے بعد سے کسی قدر امن رہا تھا۔ ورنہ دوپہر تک ٹیلی فون ہی آتے رہے تھے۔ سعدی نے مضطرب صاحب کو منع کر دیا تھا کہ کل کے اخبار میں اشتہار نہ دیا جائے۔ بہرطور تقریباً تین بجے شکیلہ واپس آئی۔

چہرے سے تھکن کا اظہار ہو رہا تھا لیکن آنکھوں میں چمک تھی اور آنکھوں کی چمک بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ سعدی نے مسکراتے ہوئے شکیلہ کو دیکھا اور شکیلہ کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا رہا؟" اس نے پوچھا۔

"بس بلیک میلنگ کے بارے میں تمام تفصیلات معلوم ہو گئیں۔

ویسے عابد علی واقعی مظلوم آدمی ہے۔ ممکن ہے کچھ ایسے واقعات ہوئے ہوں جو مجرمانہ ہوں اور اسے انہی کی وجہ سے بلیک میل کیا جا رہا ہو۔ لیکن اب اس شخص کی حالت قابل رحم ہے۔ بہت اچھا وقت گزار چکا ہے لیکن آجکل کسمپرسی کی حالت میں ہے۔ بس ساکھ سے چل رہا ہے۔ لاکھوں روپے کا کاروبار اب ہزاروں میں رہ گیا ہے اور وہ شدت سے محرومیوں کا شکار ہے۔ یہ ایک ہی بیٹی ہے اس کی جسے بہت اچھی طرح رکھتا ہے۔ رہائش گاہ عمدہ ہے کیوں کہ اچھے وقتوں کی یادگار ہے' ویسے کوآپریٹو آدمی ہے اور مجھے یقین ہے کہ آئندہ بھی ہم سے تعاون کرے گا۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"تم کس حیثیت سے اس سے ملیں؟" سعدی نے پوچھا۔

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نمائندے کی حیثیت سے۔ میں نے اسے تمام تفصیلات بتا دیں اور اس نے مجھ پر یقین کر لیا۔ اس نے مجھے یہ تو نہیں بتایا کہ اسے کس لیے بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ لیکن صورت حال وہی ہے سعدی۔ یعنی چار سال قبل اس نے بھی اچھی خاصی ادائیگیاں کی ہیں اس بلیک میلر کو اور اس کے بعد اس نے یہ سمجھا تھا کہ جان چھوٹ گئی' یہی معاملہ یہاں بھی ہے' یعنی یہ کہ وہ کسی اور شہر سے یہاں منتقل ہوا ہے اور اس طرح اسے تلاش کیا گیا ہے؟"

"ہوں' ٹھیک ہے شکیلہ' اب معاملہ ظفری پر رہ گیا ہے۔"

"ظفری واپس نہیں آئے ابھی تک؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"نہیں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ وہ تفضل حسین صاحب کو تلاش کر کے ہی دم لیں گے۔" ابھی یہ لوگ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور سعدی نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف ظفری ہی تھا۔

"ہیلو ظفری بول رہا ہوں۔"

"ہوں بولو بولو بھائی' کیا رہا' کیا کر چکے ہو؟"

"جناب تفضل حسین یا رحمت خان آپ حضرات کے منتظر ہیں۔ میں انہیں زیرو

پوائنٹ پر لے آیا ہوں۔"

"اوہ کس طرح؟ کیا اغوا کر کے؟" سعدی نے پوچھا۔

"نہیں بھائی بڑی ذلیل چیز ہے۔ دھمکیاں دے کر لایا ہوں۔ گردن سے پکڑ لیا تھا میں نے اسے ورنہ وہ شاید یہاں نہ آتا۔ اب یہ فیصلہ تم لوگ خود آ کر کرو کہ وہ سچ بول رہا ہے یا جھوٹ؟"

"ٹھیک ہے ہم دونوں پہنچ رہے ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

"شکیلہ اس گفتگو سے ہی سمجھ گئی تھی کہ معاملہ کیا ہے۔ زیرو پوائنٹ وہ عمارت تھی جو بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے اس کے حوالے کی تھی اور انہوں نے اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا تھا۔ بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے درحقیقت اس ادارے کو ایک نیا رنگ بخش دیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں زیرو پوائنٹ کی طرف جا رہے تھے۔

رحمت خان بڑے اطمینان سے بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔ "گویا ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کورم پورا ہو گیا ہے۔ اب جلدی میری گلوخلاصی ہونی چاہیے۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟" سعدی نے پوچھا۔

"تفضل حسین، رحمت خان، محفوظ بخش یا اور کچھ ناموں سے کیا فرق پڑتا ہے جناب۔"

"بلیک میلنگ کے سلسلے میں تمہیں لمبی سزا بھی ہو سکتی ہے؟"

"نہیں ہو گی بابو صاحب۔ اس لیے کہ میں بلیک میلر نہیں ہوں۔ اور آپ لوگ شریف آدمی ہیں خواہ مخواہ کسی بے گناہ کو پھانسنے کی کوشش نہیں کریں گے۔"

"کیا بکواس ہے۔" سعدی غرایا۔

"بڑے بھائی سے میری تفصیلی بات ہو چکی ہے زیادہ قصوروار نہیں ہوں کسی چیز کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو تو پھر انسان بے قصور ہوتا ہے۔" اس نے ظفری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بڑے بھائی کا کہنا ہے۔" اس نے ظفری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"کہ میں بلیک میلر نہ سہی اس کا ساتھی ضرور ہوں۔ ایسی بات بھی نہیں ہے صاحب۔ میں ٹرینر ہوں۔ گھوڑوں کو تربیت دیتا ہوں اور ریس کورس کی دنیا بڑی عجیب ہوتی ہے۔ یہاں آنے والوں میں اور کوئی دوستی اور یگانگت ہو نہ ہو ایک قدر مشترک ہے۔ ایک چیز سے یہاں قدم رکھنے والے شدید نفرت کرتے ہیں اور وہ ہے سچائی۔ یہاں داخل ہو کر کوئی سچ نہیں بولتا اور ہم یہاں سچ کو تلاش بھی نہیں کرتے اس جگہ۔ جہاں سچائی نہ ہو وہاں اس کائنات کی تمام برائیاں جمع ہو جاتی ہیں اب یہ برائیاں مختلف شکلوں میں پھیلتی رہتی ہیں۔ کوئی کیا کرے۔"

"فلاسفر بننے کی کوشش مت کرو۔ وہ بلیک میلر کون ہے اس کا جواب دو۔" سعدی نے کہا اور رحمت خان ہنس پڑا۔

"سچی بات کہوں صاحب۔ وہ لاکٹ واقعی منحوس ہے۔ اب وہ آپ کو پریشان کر رہا ہے۔"

"رحمت خان ہمارا تعلق پولیس سے بھی ہے۔ تم واقعی مصیبت میں پھنس جاؤ گے ورنہ ہمیں صحیح بات بتا دو۔"

"یقین کر لو گے صاحب صحیح بات پر۔ تو سنو میں نہیں جانتا کہ وہ بیگم صاحبہ کون ہیں، عمر تیس بتیس سے زیادہ نہ ہو گی۔ قد لمبا اور بدن بھرا بھرا ہے۔ کافی خوبصورت اور پروقار ہیں۔ ریس کی شوقین ہیں اور گھوڑوں پر گہری نگاہ رکھتی ہیں۔ کئی مرتبہ انہوں نے مجھے ٹپ دی اور میں جیتا۔ اس طرح میری ان سے شناسائی ہو گئی۔ یہ شناسائی اس طرح تھی جیسی ایک بڑے آدمی اور چھوٹے آدمی میں ہوتی ہے۔ اکثر میں ان کے دوسرے چھوٹے موٹے کام بھی کر دیتا تھا۔ ایک دن ریس سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے یہ کام میرے سپرد کیا اور میں نے دوسرے کاموں کی طرح یہ بھی کر دیا۔" رحمت خان نے جواب دیا۔

"اتنے ہی شریف ہو کہ تم نے اس کام کی نوعیت بھی نہ معلوم کی۔"

"ہاں صاحب اتنا ہی شریف ہوں۔ آپ مجھ سے دوستی کر کے دیکھ لیں۔"

"کیا نام تھا ان کا؟"

"بیگم صاحبہ۔"

"کیا مطلب؟"

"میں یہی کہتا تھا انہیں۔ نہ میں نے ان سے نام پوچھا نہ انہوں نے بتایا۔"

"کار میں آتی تھیں؟"

"یقیناً کار میں آتی ہوں گی۔"

"کیا نمبر تھا ان کی کار کا؟"

"کبھی دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔"

"گویا تم کچھ نہیں بتاؤ گے اس کے بارے میں؟"

"جتنا جانتا تھا بتا دیا صاحب۔ اس سے زیادہ کچھ جانتا ہوتا تو ضرور بتا دیتا۔" رحمت خان بولا۔ سعدی جانتا تھا کہ واقعی اس سے زیادہ اس شخص سے معلوم کرنا ناممکن ہے۔ اس آدمی کا ٹائپ یہی بتاتا تھا۔ وہ نہایت لاپرواقسم کا آدمی تھا۔ ان حالات کی بھی اسے کوئی فکر نہیں معلوم ہوتی تھی۔

"کم از کم اتنا بتا دو رحمت خان کہ اب بھی وہ ریس کورس آتی ہیں یا نہیں؟"

"آتی ہیں صاحب۔ نہ آتی ہوتیں تو یہ کام کیسے ہوتا میرا۔ ظاہر ہے انہوں نے یہ بات مجھ سے ریس کورس میں کہی تھی۔"

"ریس کب ہے رحمت خان؟"

"کل ہے صاحب۔" رحمت خان بولا۔ اور سعدی کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"دیکھو رحمت خان تم نے اس عورت کا کام صرف ایک دوستانہ جذبے کے تحت کیا تھا۔ لیکن اگر تمہیں یہ معلوم ہو کہ اس کام کی نوعیت سو فیصدی غیر قانونی ہے۔ یہ بلیک میلنگ کی ایک

چھوٹی سی کوشش تھی جس کی وجہ سے چند انسانی زندگیاں ضائع ہو گئیں۔ تو کیا تم انصاف کو بھول کر صرف دوستی نبھاؤ گے؟"

"دیکھو صاحب' اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم بڑے جذباتی طور پر آپ سے کہیں کہ نہیں صاحب انصاف زندہ باد' قانون زندہ باد اور قانون کی مدد کرنا تو ہر شریف شہری کا فرض ہے تو پھر آپ یہ سمجھ لو کہ ہم شریف شہری نہیں ہیں۔ جہاں تک معاملہ ہماری دوستی کا ہے تو ہم نے دوستی نبھائی ہے اور اگر اس کی وجہ سے کوئی ایسی ویسی گڑبڑ ہو گئی ہے تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ اگر قانون ہمیں اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے تو سزا بھگت لیں گے۔ لیکن ہم سے یہ بات مت کہلواؤ کہ ہم کوئی بہت اچھے آدمی ہیں اس کے بعد جو چاہتے ہو وہ بتاؤ۔" رحمت خان نے جواب دیا اور سعدی اس کی شکل دیکھنے لگا پھر بولا۔

"رحمت خان پولیس تمہیں اس بلیک میلر کی معاونت کے الزام میں گرفتار کر کے بند بھی کر سکتی ہے' نادانستہ ہی سہی' تم بہر صورت اس کے آلۂ کار بنے ہو۔"

"ٹھیک ہے صاحب' ہم تو کہہ چکے ہیں کہ ہم سزا بھگتنے کے لیے تیار ہیں۔"

"مگر میں تمہیں ایک دوسرا مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ کل جب وہ ریس کورس میں آئے تو تم ہمیں اس سے روشناس کرا دو۔"

"ہوں۔ رحمت خان کسی سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔" ٹھیک ہے صاحب اس بیگم صاحب نے بھی ہمیں صورت حال نہیں بتائی تھی اور ہم سے اپنا کام لے لیا تھا۔ آپ بھی ہم سے کہہ رہے ہو ہم آپ کا بھی کام کرا دیں گے۔ ہم بتا دیں گے بیگم صاحبہ کو کہ یہی وہ لوگ ہیں جن کے پاس انہوں نے ہمیں بھیجا تھا۔ اب وہ اگر ہم سے یہ کہتیں کہ ہم آپ کو ان کے بارے میں نہ بتائیں تو شاید نہ بتاتے۔ لیکن یہ ہم کوئی بہت بڑا ثواب کا کام نہیں کر رہے ہیں صاحب' یہ ہم پہلے کہے دیتے ہیں۔ نہ ہمیں اس سے کچھ لالچ تھا نہ آپ سے کچھ لالچ ہے' نہ ہم نے اس سے کچھ لیا ہے نہ آپ سے کچھ لیں گے۔"

"ٹھیک ہے رحمت خان' مگر کل تک تمہیں ہمارا یہیں مہمان رہنا پڑے گا۔" سعدی نے

جواب دیا۔

''مہمان رہنا پڑے گا کہ قیدی؟'' رحمت خان نے پوچھا۔

''نہیں اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کر رہے ہو تو پھر خود کو مہمان ہی سمجھو دراصل ہم نہیں چاہتے کہ اس بیگم صاحبہ کو یہ شبہ ہو سکے کہ ہم اس کے پیچھے ریس کورس آئے ہیں۔''

''ٹھیک ہے صاحب' ہم زیادہ بحث نہیں کرتے نہ ہی ہم جھگڑے میں پڑنے والے لوگوں میں سے ہیں' حالانکہ باہر ہمارے بہت سے کام ہیں' گھوڑوں کو بھی دیکھنا ہے لیکن اگر آپ یہ سمجھتے ہو تو پھر ہم رہ جاتے ہیں۔'' رحمت خان نے جواب دیا۔

عجیب و غریب انسان تھا' اپنی ذات سے سارے ماحول سے لاپرواقسم کا' پتا نہیں فراڈ کر رہا تھا یہ درحقیقت اتنا ہی سادہ فطرت تھا بہر طور سعدی' ظفری اور شکیلہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ رحمت خان کو زیرو پوائنٹ پر ہی قید رکھا جائے اور اس کے لیے انہوں نے مضطرب صاحب اور للوا کی ڈیوٹی لگا دی' ظفری نے خود بھی یہاں رہنے کا ارادہ ظاہر کر دیا تھا۔ اس کے بعد سعدی اور شکیلہ واپس چلے آئے۔ دفتر آ کر مضطرب صاحب اور للوا کو بھی صورت حال بتا دی گئی اور ان دونوں کو پوائنٹ بھیج دیا گیا۔

دوسرا دن ریس کورس میں گزارا۔ لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ ویسے بھی انہیں احساس تھا کہ یہ طریق کار ٹھوس نہیں ہے۔ اگر رحمت خان نے انہیں بتا بھی دیا کہ وہ عورت ہے تو وہ کیا کریں گے۔ ظاہر ہے اس کی پیشانی پر تو نہیں لکھا کہ وہ بلیک میلر ہے۔ وہ رحمت خان ہی کو پہچاننے سے انکار کر دیتی۔

رحمت خان کو ریس کورس میں چھوڑ کر وہ واپس آ گئے۔ تینوں الجھے ہوئے تھے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ دفتر پہنچ کر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ لیکن کوئی حل نہ مل سکا۔

دوسرے دن صبا نے ٹیلی فون کیا۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ ''ہیلو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ؟''

''جی فرمایئے۔'' سعدی نے فون ریسیو کیا تھا۔

''میں صبا بول رہی ہوں۔ میں بہت پریشان ہوں۔''

''کیا بات ہے صبا؟ میں سعدی ہوں۔''

''ابھی تھوڑی دیر قبل مجھے اس بلیک میلر کا فون ملا ہے۔ کوئی عورت بول رہی تھی۔ اس نے ہم سے ایک لاکھ روپے کا مطالبہ کیا ہے اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر یہ رقم ایک ہفتے کے اندر اندر نہیں ادا کی گئی تو۔ ڈیڈی کہیں کے نہ رہیں گے۔ میں بہت پریشان ہوں سعدی صاحب۔ اگر ڈیڈی اس فون کو سن لیتے تو۔۔۔۔ تو شاید ان کا ہارٹ فیل ہو جاتا۔''

''اس نے تم سے کس حیثیت سے بات کی تھی صبا۔''

''میں نے اسے بتا دیا تھا کہ میں ان حالات کے بارے میں جانتی ہوں۔''

سعدی کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

''صبا میں تمہارے ڈیڈی سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ بہت ضروری ہو گیا ہے۔''

''آپ۔ آپ یہاں آ سکتے ہیں سعدی صاحب۔''

''میں آ رہا ہوں صبا۔'' سعدی سنجیدگی سے بولا۔ اور پھر رسمی گفتگو کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

صبا نے اپنے مکان کے برآمدے میں سعدی کا استقبال کیا تھا۔ خوبصورت مکان کے معمولی فرنیچر اور سادہ سے آرائشی سامان سے صبا کی باتوں کی تصدیق ہو گئی تھی۔ بہر حال وہ صبا کے ساتھ عابد علی سے ملا لیکن اس کے بعد اس نے صبا کو وہاں سے ہٹا دیا۔ بمشکل تمام وہ عابد علی کو اپنے ڈھب پر لا سکا اور پھر اس سے حقیقت حال معلوم کر کے سعدی کا ذہن کافی حد تک مطمئن ہو گیا۔

''اب سوال میرا نہیں ہے سعدی میاں۔ صبا کا مستقبل میرے سامنے ہے۔ کہیں میں اپنی معصوم بیٹی کی تباہی کا باعث نہ بن جاؤں' آپ جانتے ہیں کہ۔۔۔ کہ۔۔۔۔''

''میں۔۔۔ میں جانتا ہوں۔ لیکن ایک بات کا خواستگار ہوں آپ سے۔''

''کیا؟''

''جس طرح میں کہوں کریں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو اس جال سے نکال لوں گا۔''

"میں وعدہ کرتا ہوں۔" عابد علی نے کہا۔

سعدی دفتر پہنچا تو شکیلہ اور ظفری اس کے لیے وہی اطلاعات لیے بیٹھے تھے۔ بلیک میلر نے اپنے باقی دو شکاروں سے بھی مطالبے کر ڈالے تھے۔

"میں نے ایک تدبیر سوچی ہے شکیلہ۔ اگر یہ دونوں بھی میرے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو گئے تو سمجھو کام بن گیا۔ ظفری تم فوراً جواد سے ملو۔ اور اسے ایک کام پر آمادہ کرلو۔ اس کے لیے اسے دو چار ہزار روپے کی پیشکش بھی کر دینا۔"

"جواد وہ اخباری رپورٹر تھا جس سے ان کی دوستی تھی اور جو ابتداء میں ان کے اشتہار ادھار چھاپتا رہا تھا۔ اب وہ اس اخبار کا چیف رپورٹر بن گیا تھا۔

"کیا کام ہے؟" ظفری نے پوچھا اور سعدی اسے کام کی تفصیل بتانے لگا۔

شکیلہ اور ظفری اچھل پڑے تھے۔ پھر شکیلہ آہستہ سے بولی۔ "کاش یہ سب کچھ اسی طرح ہو جس طرح ہم چاہ رہے ہیں۔" شکیلہ نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "بلاشبہ اس سے عمدہ ترکیب اور کوئی نہیں ہو سکتی۔"

"بشرطیکہ وہ دونوں بھی تعاون کریں۔"

"تم اگر کہو تو میں بیگم شکور رانا اور سیٹھ سلام کو فون کر کے ان سے ملاقات کا ارادہ ظاہر کروں؟"

"ہاں ٹھیک ہے کرلو۔ پہلے بیگم شکور رانا سے ملوں گا۔ اور اس کے بعد سیٹھ سلام سے۔"

سعدی نے جواب دیا اور شکیلہ' بیگم شکور رانا کا فون نمبر ڈائل کرنے لگی۔ بیگم شکور رانا اور سیٹھ سلام دونوں ہی نے سعدی کو ملاقات کا ٹائم دے دیا تھا۔

ملک کے کثیر الاشاعت اخبار کا درمیانی صفحہ سماجی' معاشرتی اور شہری سرگرمیوں کا صفحہ تھا۔ ہفتے میں دو دن اس کے نمبر نکلتے تھے اور ان نمبروں میں اہم خبروں کے علاوہ تفریحی مضمون اور دوسری دل چسپ تحریریں بھی شامل اشاعت ہوتی تھیں۔ پتا نہیں یہ کسی کتاب کا اشتہار تھا یا پھر اخبار ہی کی طرف سے عوام کے لیے ایک دل چسپ مضمون۔ عنوان تھا "غیر ادیبوں کا ادب۔"

بڑے بڑے ادیب افسانہ نگار' کہانی کار اخبارات و رسائل میں ہر موضوع پر کہانیاں لکھتے ہیں۔ ان کے ناول اور افسانے عوام میں بھی مقبولیت حاصل کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ہم نے کچھ ایسے لوگوں سے رابطہ قائم کیا جو اپنے ذہن میں کوئی کہانی تو رکھتے ہیں لیکن تحریر کی دنیا سے ان کا کوئی رابطہ نہیں ہے۔"

ایسے لوگوں کی کہانیاں ہمارے خیال میں تفریحی ادب میں ایک گراں قدر اضافہ قرار پا سکتی ہیں۔ چنانچہ ہم نے اس کے لیے تگ و دو کی اور اپنے چند کرم فرماؤں سے درخواست کی کہ وہ اپنے ذہن میں مقید خیالات یا اپنی زندگی کے دل چسپ واقعات قلمبند کریں۔ بڑے بڑے ادیبوں کی افسانہ طرازیاں عام ہیں اور وہ ہر موضوع کو قلم کی زینت بناتے رہتے ہیں۔ تو کیوں نہ وہ لوگ جو تحریر کی دنیا سے دور کے آدمی ہیں اپنی خواہشات کی تکمیل اس طرح کریں کہ جو کچھ ان کے ذہن میں ہو اسے لکھ دیں اور ہم اس کی تراش خراش کر کے اسے تفریحی معیار کے مطابق پیش کریں اس سلسلے میں چند کہانیاں مختصراً پیش خدمت ہیں۔ مثلاً سیٹھ دولت علی جن کی ساری زندگی دولت کے حصول میں صرف ہوئی۔ تحریر کی دنیا میں لائے گئے تو انہوں نے اپنی داستان یوں سنائی۔

بچپن میں وہ سیٹھ دولت علی نہیں تھے بلکہ دولت کباڑیے تھے۔ پھر کباڑ کے سامان میں ان کی تقدیر کے ستارے چھپے ہوئے نکلے اور انہوں نے ترقی کر کے خود کو سیٹھ دولت علی بنا لیا۔

یا پھر ہم نے ایک مشہور سماجی کارکن بیگم شکور رانا سے رابطہ قائم کیا تو انہوں نے مسکراتے ہوئے بتایا کہ نوجوانی کی عمر میں ان کے ذہن میں عجیب سی اختراعات ہوتی تھیں۔ ان کا دل چسپ مشغلہ ایک فرضی محبوب کو عاشقانہ خطوط لکھنا تھا اور وہ ایسے خطوط لکھا کرتی تھیں' جن کا محور ان کا فرضی محبوب ہوتا تھا اور وہ ان خطوط میں بڑے سچے جذبوں کا اظہار ہوتا تھا۔ نمونے کے طور پر چند خطوط پیش کیے جا رہے ہیں۔ چند چھوٹے چھوٹے خطوط بیگم شکور رانا نے منصور نامی کسی شخص کو مخاطب کر کے لکھے تھے اخبار میں شامل اشاعت تھے۔ یہ خطوط رومانی چاشنی بھی رکھتے تھے اور ایک کنواری دوشیزہ کے احساسات کے مظہر بھی تھے۔

اس کے بعد سیٹھ سلام جیسے کاروباری شخص سے درخواست کی گئی تو انہوں نے ایک چھوٹا سا مضمون ہمیں دیا۔ یہ مضمون بھی پیشِ خدمت ہے۔

مضمون بہت دل چسپ تھا۔ سیٹھ سلام نے لکھا تھا۔

نوجوانی کی عمر بھی عجیب عمر ہوتی ہے۔ جوانی کی آمد حالات سے ماحول سے ایک خوف کا سا احساس پیدا کر دیتی ہے۔ ہر بات پر دل دھڑکتا ہے۔ ایک شکل نگاہوں میں آجائے تو سینکڑوں ہوائی قلعے بن جاتے ہیں۔ میں نے پہلی بار شمسہ کو دیکھا وہ میری ملازمہ تھی۔ بے حد خوبصورت بہت ہی دل کش۔ اور میں اس کے بارے میں نہ جانے کیا کیا سوچنے لگا۔ میں نے عالمِ تصور میں اس سے عشق کیا اور بہت سی فلمی کہانیاں میری نگاہ میں آگئیں۔ شمسہ میرے بچے کی ماں بن گئی۔ اس نے مجھے خودکشی کی دھمکی دی اور میں گھر سے بھاگ گیا۔ میں نے ان احساسات کو نوجوانی کی عمر میں مسودے کی شکل دی لیکن یہ مسودہ کبھی شائع نہ ہوسکا، شمسہ بے چاری کی شادی ہوگئی ہوگی۔ نہ جانے اس کے کتنے بچے ہوں گے۔ یہ صرف میرے احساسات تھے جو نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گئے تھے۔ آج بھی ان باتوں کو یاد کرتا ہوں تو خود پر ہنسی آتی ہے۔

عابد علی نامی ایک کاروباری آدمی نے لکھا تھا۔

مجھے کہانی لکھنا نہیں آتی، لیکن دل چاہتا ہے کچھ لکھوں۔ مثلاً ایک کہانی یوں ہے۔ میرا ایک دوست تھا جس کا نام عظیم الدین تھا۔ کچھ لوگ نام کے عظیم ہوتے ہیں اور کچھ واقعی عظیم۔ عظیم الدین کاروباری تھا اور لندن میں اس نے کچھ کاروبار کیا تھا۔ طویل عرصہ بعد اس کا دل وطن آنے کو چاہا تو اس نے مجھے لکھا کہ وہ وطن میں کاروبار کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے اپنے کاروبار میں شریک ہونے کی دعوت دی اور وہ یہاں آگیا۔ ہم دونوں نے مل کر کاروبار شروع کر دیا۔ عظیم الدین بہت سادہ لوح انسان تھا وہ مجھ پر پورا بھروسہ کرتا تھا لیکن میری نیت صاف نہ تھی۔ میں نے اپنی دولت محفوظ کرلی اور اس کی دولت سے تجربات کرتا رہا، لیکن یہ اتفاق تھا کہ میرے تجربات ناکام ہوتے رہے اور میں عظیم الدین کے سرمائے کو ڈبو بیٹھا۔ میرے عظیم دوست نے اس سلسلے میں مجھ سے کوئی باز پرس نہ کی۔ اور اپنی تباہی پر دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ اس نے

خودکشی کرلی۔ مجھے اس کی موت کا بہت صدمہ ہوا۔ آج بھی جب وہ مجھے یاد آتا ہے تو میرا دل لرزنے لگتا ہے۔

پھر کچھ اور چھوٹی چھوٹی کہانیاں تھیں۔ اور اس کے بعد ایک نوٹ۔

یہ سلسلہ کافی دل چسپ ہے اور ہم نے طے کیا کہ اسے جاری رکھیں گے۔ بشرطیکہ ہمیں ایسی کہانیاں ملتی رہیں۔ بعد میں ہم اسے کتابی شکل میں چھاپیں گے۔ آپ سے التماس ہے کہ ہمیں ہر وہ کہانی بھیجیں جو آپ کے ذہن میں ہو۔ ہم اسے تراش خراش کر کے قابلِ اشاعت بنائیں گے۔ امید ہے آپ لوگ ہم سے تعاون کریں گے"۔

اس اشاعت کے تیسرے دن ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر میں ایک شعلہ بداماں خاتون داخل ہوئیں۔ سعدی، ظفری اور شکیلہ نے ان کا استقبال کیا تھا۔

"تو تم لوگ ہو وہ شیطان۔ تم نے مجھے تباہ کر دیا۔ برباد کر دیا۔ میں۔۔۔۔ میں تم سے انتقام لوں گی۔ سمجھے تم؟ میں۔۔۔۔ میں تمہیں۔۔۔۔"

"ہم سمجھے نہیں خاتون۔ غالباً آپ کسی پریشانی کا شکار ہیں۔"

"میں جانتی ہوں، اخبار میں ان لوگوں کی کہانیاں تم نے شائع کرائی ہیں۔ اس طرح تم نے میرے پاس ان کے خلاف جو مواد تھا، وہ بیکار کرادیا۔ کیوں یہی بات ہے نا؟ تم نے ان خطوط کو بے حقیقت کر دیا جو بیگم شکور رانا نے نوجوانی کی عمر میں اپنے عاشق کو لکھے تھے۔ تم نے وہ تحریر ضائع کرادی جو سیٹھ سلام نے اعتراف کے طور پر لکھی اور تم نے عابد علی کا اپنے دوست عظیم الدین سے فراڈ صرف ایک کہانی قرار دے دیا۔ افسوس میرے اتنے وسائل نہیں ہیں کہ میں ان تحریروں کی حقیقتوں کو منظرِ عام پر لے آؤں۔ اس طرح۔۔۔۔ اس طرح۔۔۔۔"

"اوہ تو آپ وہ بلیک میلر خاتون ہیں۔ بہرحال فارم بھر دیں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا۔ ہماری فیس پچیس ہزار ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ ان تحریروں کی حقیقت ثابت کر دیں۔"

"بکواس مت کرو۔ میرا مذاق اڑا رہے ہو۔ لیکن میں، میں ایک نہ ایک دن تم سے اس کا انتقام لے لوں گی۔ سمجھے تم؟ میں تمہیں۔ یہی بتانے آئی تھی۔"

''اطلاع کا شکریہ۔ ویسے کسی بلیک میلر سے ملنے کا یہ ہمارا پہلا اتفاق ہے۔ کیا آپ ہمیں کچھ وقت دیں گی خاتون؟ ہم آپ کا انٹرویو لینا چاہتے ہیں۔ آپ بلیک میلر کیسے بنیں۔ وغیرہ وغیرہ۔'' ظفری نے کہا۔

''کاش' کاش میں تمہیں گولی مار سکتی۔ کاش؟'' خاتون نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اور پھر جس طرح آئی تھیں' اسی طرح واپس چلی گئیں۔

سعدی اور ظفری نے قہقہہ لگایا تھا۔ شکیلہ بھی مسکرانے لگی اور مضطرب صاحب اندر داخل ہو گئے۔

''فارم لایا ہوں میں۔ کیا کوئی کیس تھا؟''

''فارم واپس رکھ کر کافی کا بندوبست کیجیے مضطرب صاحب۔ اس وقت کافی بہت لطف دے گی۔'' سعدی بولا۔

''جی بہتر۔'' مضطرب صاحب واپس چلے گئے۔ تھوری دیر کے بعد وہ کافی لے آئے۔

''یہ چھمو کا للو احد سے زیادہ ذہین ہو گیا ہے۔ اشارہ کرو' نہ کرو' ہر ایک کے پیچھے چل پڑتا ہے۔ اب غائب ہے۔ میرا خیال ہے وہ ان خاتون کے پیچھے لگ گیا۔''

''اوہ کیا واقعی؟'' دیکھیے کیا خبر لاتا ہے۔'' سعدی دل چسپی سے بولا۔ للو عرف ٹیٹو دوپہر کو دو بجے آیا تھا۔ اس نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔

''یہاں سے سیدھی ایئر پورٹ گئیں اور پھر فلائٹ نمبر پی۔ کے ایک سو بائیس سے لندن کے لیے پرواز کر گئیں۔ میں جہاز کی روانگی کے بعد آیا ہوں۔''

''جیتے رہو۔ جاؤ آرام کرو۔ ظفری بزرگانہ انداز میں بولا اور ٹیٹو باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

بیگم جہاں آرا ہدایت پور کی شخصیت ہی اتنی شاندار اور پر رعب تھی کہ اگر وہ تنہا بھی آ جاتیں تو شاید منیجر ان کی خواہش سے انحراف نہ کرتا لیکن اس وقت تو ان کے ساتھ ایک اہم افسر بھی تھا جسے منیجر اچھی طرح جانتا تھا۔

''کوئی ہرج نہیں ہے بیگم صاحبہ اگر آپ کی خواہش ہے تو سر آنکھوں پر۔ بس ذرا ہوٹل کی ریپوٹیشن کا سوال تھا، لیکن مجھے یقین ہے کہ........'' منیجر نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

''کہاں کی ہانک رہے ہو منیجر یہ ہزار ہزار پانچ پانچ سو کے ملازم نوابی آداب کے واقف ہو سکتے ہیں۔ کوئی تربیت گاہ ہے تمہارے ہوٹل میں۔ کیا معیار ہے تمہارے ملازموں کا۔''

''یقیناً یقیناً بیگم صاحبہ........ میں۔''

''تمہیں علم ہے ہمارے ہاں ہر نئے ملازم کی تین سال تک تربیت ہوتی ہے اس کے بعد اسے حویلی کی خدمات سپرد کی جاتی ہیں۔ اگر کنور جلال الدین قدامت پرست نہ ہوتے تو..... ہم ان کی عارضی قیام گاہ کے لیے ایک محل تعمیر کرا دیتے یہاں۔''

''مجھے پورا یقین ہے بیگم صاحبہ بس میں تو......'' منیجر نے کھیسیں نکالتے ہوئے کہا۔

''منیجر۔ تم میرے سامنے بھی بولنے کی جرأت کر رہے ہو۔'' سرکاری افسر نے درشت لہجے میں کہا۔

"کہاں جناب۔ میری یہ جرأت ہو سکتی ہے۔ لیجئے میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔" منیجر نے کہا۔

"تمہارے ملازم ان تینوں کے زیر ہدایات کام کریں گے۔ دوسری منزل کے دونوں کمرے ان کے لئے مخصوص رہیں گے۔ ان کی اپنی مشغولیات میں کوئی مداخلت نہیں ہو گی سمجھ گئے۔"

"جی بیگم صاحبہ۔" منیجر نے عاجزی سے کہا۔

دونوں ملازم خاموشی سے گردن جھکائے کھڑے تھے۔ دونوں خوش شکل اور خوبصورت نوجوان تھے۔ سیاہ پتلونیں اور سفید کوٹ پہنے ہوئے تھے اور شکلوں سے کسی طور ملازم نہیں نظر آتے تھے۔

"اور کوئی بات جس پر تمہیں اعتراض نہیں ہے۔" بیگم صاحبہ نے پر رعب لہجے میں پوچھا۔

"بیگم صاحبہ آپ یقین فرمائیے، میری یہ مجال ہرگز نہیں کہ میں آپ کی کسی خواہش کے احترام میں سر نہ جھکادوں، میں نے جتنے الفاظ کہے ان میں آپ سے کوئی انحراف نہیں تھا۔ بس چند چیزیں بتائی تھیں میں نے جن کے لیے معذرت خواہ ہوں۔"

"اگر تمہیں کسی طرح سے کوئی نقصان پہنچا تو اس کے مکمل ذمہ دار ہم ہوں گے، اور لو یہ سادہ چیک موجود ہے۔ ہماری اس خواہش کے احترام کے طور پر تم جتنا معاوضہ وصول کرنا چاہو، اس چیک میں درج کر لو اور اسے کیش کرالو۔" بیگم صاحبہ نے پرس سے چیک بک نکالتے ہوئے کہا اور سرکاری افسر نے احترام سے گردن جھکادی۔ پھر اس نے کہا۔

"نہیں بیگم صاحبہ میرے ساتھ آنے کے باوجود اگر یہ سب کچھ ہوا تو مجھے از حد شرمندگی ہو گی۔"

"نہیں محفوظ صاحب ہم اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"مگر بیگم صاحبہ میں بصد ادب معافی کا خواستگار ہوں۔ درحقیقت ہوٹل کی اپنی بھی ایک حیثیت ہے اور ہم اس سلسلے میں کوئی معاوضہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، اپنی اس گستاخی پر میں معذرت خواہ ہوں، یہ دونوں افراد۔ بلکہ تینوں جو یہاں رہیں گے ان کی خدمت گزاری بھی میرا فرض ہو گا، اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ انہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔" منیجر نے کہا۔

"شکریہ منیجر۔ ہم تمہارے اخلاق کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اسے یاد رکھیں گے۔ اب ہمیں اجازت دو۔۔۔۔"

"بہت بہتر محترمہ۔" منیجر نے جواب دیا، اور پھر وہ ان کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا نیچے تک آیا تھا، جہاں بیگم جہاں آراء ہدایت پور کی عالی شان کار کھڑی تھی۔ بیگم جہاں آراء اور سرکاری افسر کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔

دونوں ملازم اب بھی منیجر کے پیچھے تھے۔ منیجر دور جاتی ہوئی کار کو دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں سے کچھ بڑبڑاہٹ کی سی آواز نکلی تھی، لیکن پھر ان میں سے ایک ملازم کی آواز سن کر وہ چونک پڑا۔

"آپ نے کچھ فرمایا تھا جناب۔۔۔۔" خوش پوش ملازم نے گردن خم کر کے پوچھا۔ اور منیجر کے ہونٹوں پر خواہ مخواہ کی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ارے نہیں نہیں، میں تو بس یہ کہہ رہا تھا کہ کتنی کتنی۔۔۔ کتنی شاندار کار ہے۔" منیجر نے جواب دیا اور دونوں ملازموں نے مسکرا کر گردن ہلادی۔

"اب مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا ہو گا۔" منیجر نے سوال کیا۔

"کچھ نہیں جناب، ہمیں ہمارے کمروں تک پہنچا دیجئے۔ اور اس کے بعد آرام فرمائیے۔ ابھی تو چوبیس گھنٹے باقی ہیں۔" ملازموں میں سے ایک نے کہا۔

"آپ تینوں کو ایک ہی کمرہ درکار ہو گا یا دو۔۔۔۔"

"اگر کوئی دقت ہے تو پھر ایک ہی رہنے دیں۔ دو ہو جاتے تو بہتر تھا۔"

"نہیں کوئی دقت نہیں ہے۔ دوسری منزل کے کمرہ نمبر بارہ اور تیرہ تمہارے لیے مخصوص ہیں۔ میں تمہاری خواہش کے مطابق ان لوگوں کا انتظام کروں گا جو تمہیں اسسٹ کریں گے۔" منیجر نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ ہم شکرگزار ہیں۔ منیجر صاحب۔"

دونوں پر رعب ملازموں نے گردن جھکا کر کہا۔ اور پھر دوسری منزل کی جانب چل پڑے۔

"تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے کمروں میں تھے۔ ان کمروں میں آسائش زندگی کی تمام ضروریات موجود تھیں۔ ملازمین نہایت اطمینان سے فروکش ہو گئے۔

بات ریاستوں اور نوابوں کی تھی۔ گو ریاستیں بھی ختم ہو چکی تھیں اور نوابی بھی۔ لیکن دولت کے مختلف روپ ہوتے ہیں۔ زر و جواہر کے ڈھیر ریاستوں کی تخلیق کرتے ہیں اور ریاستیں ان کے مالکوں کی تشکیل کرتی ہیں جو نواب کہلاتے ہیں۔

ریاست ایک نام ہے' او نوابی ایک شان' اور ان دونوں کا روپ نکھارنے والی شے دولت ہے۔ القاظی طور پر ریاستیں ختم کر دی جائیں۔ نوابی ختم کر دی جائے' لیکن دولت جس کے پاس ہے وہ رئیس ہے' نواب ہے' سب کچھ ہے۔ لفظوں سے کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ بیگم جہاں آراء ہدایت پور آج بھی بیگم صاحبہ تھیں ہر چند کہ ہدایت پور اب سرکاری تحویل میں تھا۔ لیکن سارے ہدایت پور میں بیگم صاحبہ کا سکہ چلتا تھا۔ نواب آف ہدایت پور ایک ہوائی حادثے کا شکار ہو کر اب سے تقریباً سولہ سال قبل اس جہان فانی سے کوچ فرما گئے تھے۔ لیکن بیگم صاحبہ بڑی منتظم تھیں۔

حویلی کا نظام جوں کا توں تھا' کاروبار کی وسعت کا اندازہ لگانا بے حد مشکل کام تھا۔ اس کے علاوہ سرکاری طور پر وظیفے بھی ملتے تھے۔ چنانچہ نوابی شان میں ذرہ برابر فرق جو آیا ہو۔ ملازموں کی وہی پوری فوج کی فوج موجود تھی جو کبھی ریاست کے خود مختار ہونے پر تھی۔ حویلی کے چپے چپے کی شان جوں کی توں تھی۔ قدیم روایات کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔ گو بعض معاملات

میں یہ پابندی ممکن نہیں رہی تھی۔ جیسے پردہ یا جدید دنیا کے تعلقات وغیرہ۔ پارٹیاں اور میٹنگیں ہوا کرتی تھیں' جنہیں پہلے جشن کہا جاتا تھا۔ ساری باتیں تھیں لیکن بیگم ہدایت پور کا ایک جلال تھا جس کا احترام سب ہی لوگ کرتے تھے۔

کنور جلال اسی خاندان کے ایک فرد تھے۔ گو رشتہ داری ذرا دور کی تھی لیکن خود بھی کبھی کسی ریاست کے نواب تھے۔ البتہ ریاست ختم ہونے کے بعد وہ اپنی دولت سمیٹ کر اس ملک سے نکل گئے تھے۔ غالباً یہاں جی نہیں لگتا تھا چنانچہ انہوں نے یورپ میں سکونت اختیار کی اور سنا یہ گیا تھا کہ لندن کے جس علاقے میں انہوں نے اپنا نگر آباد کیا تھا وہ ایک عجوبہ بن کر رہ گیا تھا۔ ایشیائی روایتوں کے رسیا اس علاقے میں جا کر ایشیا کے نقوش دیکھ لیا کرتے تھے۔

کنور جمال الدین کنور جلال کے اکلوتے صاحبزادے تھے اور شروع ہی سے ان اساتذہ کی نگرانی میں رہے تھے۔ جن کی پشتیں تک اس نوابی خاندان کی تربیت کرتی چلی آئی تھیں۔ چنانچہ کنور جمال الدین کو یورپ کی رنگین فضاؤں کی ہوا چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔ وہ ہمیشہ لندن کو اجنبی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور نیم برہنہ لڑکیوں کو دیکھ کر شرم سے پانی پانی ہو جاتے تھے۔ مشرقی روایات ان کے ذہن میں زندہ رکھی گئی تھیں اور چھوئی موئی کے درخت تھے وہ۔ قصے اور کہانیوں کے رسیا' خوابوں میں سنہرے پروں والی پریوں کو دیکھنے والے اور خوفناک بھوتوں کو دیکھ کر راتوں کو سہم کر چیخ پڑنے والے۔

خیر سے جوان ہو چکے تھے۔ اور عمر کی چھبیسویں منزل میں قدم رکھ دیا تھا۔ چنانچہ کنور جلال الدین نے فیصلہ کر لیا کہ بس اب جا کر بھابی صاحبہ سے آخری گفتگو کر لی جائے اور شادی کے مراحل طے کر لیے جائیں۔ عام حالات میں تو کوئی بات نہیں تھی' جب بھی کبھی وطن واپس آئے حویلی میں ہی ٹھہرے لیکن اس وقت سمدھیانے کا معاملہ تھا اور بیٹے کے رشتے کی بات پکی کرنے آ رہے تھے اس لیے قدیم روایات کے مطابق یہ ممکن نہیں تھا کہ حویلی میں قیام کرتے یا بیگم جہاں آراء ہدایت پور کے کسی احسان کے زیر بار ہوتے یعنی شہر میں بھی انہوں نے یہ پسند نہیں کیا تھا کہ

بیگم جہاں آراء کی منتخب کی ہوئی جگہوں پر قیام کریں۔

ٹیلی فون پر بات چیت ہوئی تھی اور بیگم صاحبہ نے پیشکش کی تھی کہ بھائی صاحب کہاں پریشان ہوتے پھریں گے۔ وطن سے آپ کا رابطہ برسوں سے منقطع ہے۔ چنانچہ میں یہاں آپ کی پسند کے مطابق کوئی انتظام کیے دیتی ہوں۔ سو کنور جمال صاحب نے فرمایا کہ دیکھیں بھابی صاحبہ ہر چند کہ ہم اب اپنی روایات سے محروم ہو چکے ہیں اور وہ نہیں رہے جو تھے' لیکن چند ایک چیزیں جو اپنی جھولی میں پڑی ہوئی ہیں اور کم از کم اپنے ذہن کو یہ تقویت بخشتی رہتی ہیں کہ کبھی ہم بھی نواب تھے' انہیں رہنے دیں۔ ہم اس بار سب کچھ اسی انداز میں کریں گے جیسے بزرگ کرتے آئے ہیں' آپ چنداں فکر نہ کریں ہم کچھ نہ کچھ انتظام کر لیں گے۔ اور بیگم جہاں آراء کے شدید استفسار پر انہوں نے بتایا کہ انہوں نے ہوٹل نور محل میں انتظام کر لیا ہے' بیگم صاحبہ خاموش ہو گئیں۔ کوئی ہرج بھی نہیں تھا۔ نور محل معیاری ہوٹلوں میں تھا اور پھر جب کنور صاحب یہاں آ جائیں گے تو وہ سمجھا بجھا کر انہیں اس بات پر آمادہ کر لیں گی کہ کم از کم پرانی اور فرسودہ روایات میں اتنی سی کمی کر ہی لیں کہ گھر ہوتے ہوتے ہوٹل میں قیام نہ کریں۔"

ویسے اتنا وہ جانتی تھیں کہ یقینی طور پر نواب صاحب بیگم کے ساتھ نہ آ رہے ہوں گے۔ تنہا ہوں گے یا زیادہ سے زیادہ کنور جمال ان کے ساتھ ہوں گے۔ ملازموں کی بات دوسری تھی' وہ تو ساتھ ساتھ چلتے ہی تھے۔ ممکن ہے دو چار دوستوں کو بھی ساتھ لائیں۔

بہرصورت انہوں نے اپنے طور پر حویلی میں بھی انتظامات کر لیے تھے۔ لیکن اس کے بعد جو حالات ہوئے انہوں نے بیگم جہاں آراء ہدایت پور جیسی آہنی خاتون کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔ بس ایسے ہی معاملات تھے کہ انہیں اپنی زندگی میں پہلی بار ایک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اور انہیں نواب صاحب مرحوم کی وہ بات یاد آ گئی کہ بیگم انسان ساری دنیا میں سرخرو رہ سکتا ہے سوائے اپنے گھر کے۔ اگر کبھی بات بگڑتی ہے تو گھر سے۔ اور یہی ہوا تھا۔

بات گھر سے ہی بگڑی تھی جس کی وجہ سے بیگم جہاں آراء ہدایت پور کو عجیب وغریب

حالات سے دوچار ہونا پڑا تھا اور یہ تقدیر کی گردش ہی تھی کہ وہ ایک چھوٹے سے کام کے لیے بنفس نفیس چل کر شہر آئی تھیں۔ اپنی شہری قیام گاہ میں قیام کیا تھا اور اس کے بعد پولیس کے ان افسر اعلیٰ کو ٹیلی فون کیا تھا جن سے اس کے شوہر سے ذاتی مراسم تھے۔ چنانچہ محفوظ الحق ایک ٹیلی فون پر اس کے پاس پہنچ گئے۔ اور بیگم جہاں آراء آف ہدایت پور نے انہیں مختصراً بتاتے ہوئے کہا۔

"دراصل محفوظ صاحب وقت بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ نئی نسل ہم پرانے لوگوں کو احمق سمجھنے لگی ہے' لیکن کیا کیا جائے ابھی بزرگ زندہ ہیں اور صاحب اقتدار ہیں۔ چنانچہ ان روایات کا توڑنا ممکن ہیں جو ہماری خاندانی روایات ہیں۔ شاید کبھی مرحوم نواب صاحب نے زندگی میں آپ سے مشورہ کیا ہو کہ ہمسن آراء کو کنور جلال کے بیٹے کنور جمال سے ایک سال کی عمر میں منسوب کر دیا گیا تھا اور اس خاندان میں جو بات ایک دفعہ طے کر لی جاتی ہے اسے آخری وقت تک نبھانے کی کوشش کی جاتی ہے' چنانچہ یوں تو سب کچھ ٹھیک تھا' لیکن اب کنور جلال بیٹے کی شادی کی بات پکی کرنے آ رہے ہیں اس لیے وہ ہمارے ہاں قیام نہیں کریں گے' بلکہ انہوں نے یہاں ہوٹل نور محل میں ایک منزل بک کرائی ہے' یہیں وہ قیام کریں گے۔ ہر چند کہ ہوٹل کے انتظامات لاجواب ہوں گے' لیکن اس کے باوجود یہ ہماری آن کا مسئلہ ہے۔ کنور جلال تو اس ملک کو چھوڑ چکے لیکن یہ ہمارے ملک کا مسئلہ ہے اور ہم یہیں کے رہنے والے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ کنور جلال کو ہوٹل کی طرف سے جو اسٹاف ملے وہ اتنا تربیت یافتہ ہو کہ انہیں کسی شکایت کا موقع نہ مل سکے۔ مجھے ہوٹل کے اسٹاف اور نظام پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں چاہتی ہوں کہ کم از کم دو یا تین افراد حویلی سے وہاں منتقل کر دوں اور اس طرح کہ کنور جلال کو اس کا احساس بھی نہ ہو سکے۔ وہ تینوں افراد۔ کنور جلال اور کنور جمال کے ساتھ رہیں گے اور ان کی فرمائشات کی تکمیل کریں گے۔ باقی ہوٹل کا اسٹاف ان کے ساتھ کام کرے گا' آپ میری اتنی مدد کریں کہ ہوٹل کے منتظمین کو میری بات ماننے پر مجبور کر دیں۔"

محفوظ الحق صاحب فوراً تیار ہو گئے تھے اور اس کے نتیجے میں وہ سارے معاملات طے

پائے تھے' لیکن اصلیت کچھ اور ہی تھی معاملہ بیگم جہاں آراء ہدایت پور کا بالکل ذاتی تھا۔ اتنا ذاتی کہ وہ اس میں اپنے شوہر کے دیرینہ دوست کو بھی شریک نہیں کر سکتی تھی۔ کسی کو بتانے کی بات ہی نہ تھی' وہ تو تقدیر مہربان تھی کہ کچھ ایسے سہارے مل گئے تھے جنہوں نے اپنے شانوں پر یہ بار سنبھال لیا تھا ورنہ بیگم جہاں آراء شاید ان گرتے ہوئے ستونوں کو سہارا نہ دے پاتیں جو ان کی عزت و وقار کے تھے۔

لمبی کار اس عالیشان کوٹھی میں داخل ہو گئی جس کے باہر مسلح چوکیدار کھڑا ہوا تھا اور ایک بہت بڑی پلیٹ پر نواب آف ہدایپ پور لکھا ہوا تھا۔ کوٹھی کے پورچ میں پولیس افسر کی کار موجود تھی۔ محفوظ صاحب نے نیچے اترتے ہوئے بیگم جہاں آراء سے اجازت مانگی۔

''بہت بہت شکریہ محفوظ صاحب۔۔۔۔ میں نے آپ سے جس تعاون کی درخواست کی تھی۔ آپ نے بھرپور طور پر میرے ساتھ کیا۔ بہتر یہ ہے کہ کوئی مشروب وغیرہ پی کر جایئے۔''

''محترمہ بھابی صاحبہ تکمیل حکم ضرور کرتا لیکن اوّل تو کسی چیز کی حاجت نہیں ہو رہی۔ دوئم یہ کہ مجھے جا کر کچھ خاص کام بھی کرنے ہیں' امید ہے کہ آپ خیال نہ فرمائیں گی۔'' پولیس افسر نے کہا اور پھر اپنی کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔۔۔۔ بیگم جہاں دو خادماؤں کی معیت میں اپنے کمرۂ خاص میں پہنچی۔ ملازماؤں کو باہر رکنے کا اشارہ کیا اور اندر پہنچ کر کمرہ بند کر لیا۔ اس کے فوراً بعد وہ ٹیلی فون کے پاس پہنچ گئی تھیں۔ ٹیلی فون پر انہوں نے نور محل کے نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگایا۔

''منیجر کو دو۔۔۔۔'' انہوں نے آپریٹر سے کہا اور چند ساعت کے بعد منیجر سے رابطہ قائم ہو گیا۔

''کہیے منیجر صاحب' ہمارے ان دونوں ملازمین کو کمرے دے دیے گئے۔۔۔۔''

''جی ہاں جی ہاں بیگم صاحبہ وہ اپنے کمروں میں موجود ہیں۔''

''فون تو ہو گا ان کے پاس۔''

''یقیناً۔۔۔۔''

''براہ کرم ان کی لائن ڈائریکٹ کر دیں۔''

''جی بہت بہتر میں ہدایت جاری کیے دیتا ہوں۔'' منیجر نے کہا اور چند ساعت کے بعد بیگم جہاں آراء کا رابطہ قائم ہو گیا۔ رابطہ قائم ہونے کے بعد انہوں نے کہا۔

''ہاں بیٹے تم دونوں کو کوئی تکلیف۔۔۔۔'' انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

''جی نہیں بیگم صاحبہ سب ٹھیک ہے آپ بالکل مطمئن رہیے۔ قطعی مطمئن' جب آپ نے ہمیں بیٹا کہا ہے تو پھر ہماری بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں جنہیں ہم پورا کریں گے۔''

''خداوند تمہیں سرخرو کرے۔'' بیگم صاحبہ نے کہا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔

مطلق صاحب کے پڑوسی توفیق صاحب نے دروازے کی گھنٹی بجائی اور بیگم صاحبہ نے دروازہ کھول دیا۔ پھر توفیق صاحب کو انہوں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر مطلق صاحب کو اطلاع دی۔ اور مطلق صاحب سہم گئے۔ توفیق صاحب پہلوان نما آدمی تھے پتہ نہیں آدمی زیادہ تھے یا پہلوان زیادہ تھے۔ بہرحال مطلق صاحب سہمے سہمے ان کے سامنے پہنچ گئے۔

توفیق صاحب نے زوردار سلام داغا اور پھر مطلق صاحب کے نرم و نازک ہاتھ پکڑ کر دو تین زوردار جھٹکے دیے اور مطلق صاحب کی کراہ نکل گئی۔ انہوں نے گرنے سے بچنے کے لیے توفیق صاحب کا سہارا ہی لیا تھا۔

''اوہو ہو۔ اوہو ہو۔ بھئی مطلق صاحب کچھ کھایا پیا کریں جان ہی نہیں ہے ہاتھوں میں۔''

''جی ہاں جی ہاں۔ تت تشریف رکھیے۔ میرے لائق کوئی خدمت۔۔۔۔؟'' مطلق صاحب نے اپنے شانے کو دباتے ہوئے کہا۔ اور توفیق صاحب بیٹھ گئے۔ مطلق صاحب خود بھی سہمے سہمے بیٹھ گئے تھے۔

''بھئی ہم تو بے لوث آدمی ہیں' کبھی کسی کے پاس کسی کام سے نہیں جاتے اس لیے کسی

خدمت وغیرہ کا سوال ہی نہیں ہے۔ آپ کے ریٹائرمنٹ کی خبر سنی تھی بیگم سے۔ سوچا ملاقات کے لیے جاؤں گا۔"

"جی ہاں خدا کا شکر ہے کہ اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گیا۔ اور سرخرو ہوا۔ کوئی الجھن نہیں ہوئی زندگی میں۔"

"بڑا فضل ہے جی خدا کا۔۔۔ ویسے اب کیا کرنے کا ارادہ ہے۔۔۔؟"

"کچھ نہیں۔ بچوں نے کچھ کرنے کی اجازت ہی نہیں دی۔ ورنہ میں کہاں بیٹھنے والا تھا۔ مطلق صاحب بولے۔

"اوہو۔ بچے۔ ہاں مگر وہ بے چارے کیا کما لیتے ہوں گے۔ مجھے تو آج ہی معلوم ہوا کہ وہ ہوٹل کے بیرے ہیں۔ ورنہ اس سے قبل تو آپ کے گھر سے معلوم ہوا تھا کہ وہ یونیورسٹی میں پڑھتے ہیں۔"

"کیا فرمایا آپ نے۔۔۔؟" مطلق صاحب اکھڑ گئے۔

"یہ دوسری بات ہے کہ بہت بڑے ہوٹل میں۔۔۔"

"وہ بیرے نہیں ہیں توفیق صاحب اپنا کاروبار کرتے ہیں۔"

"ارے نہیں مطلق صاحب۔ ہم تو اپنے ہیں ہم سے کچھ چھپانے سے کیا فائدہ۔ اور پھر صاحب زمانہ ہی ایسا آ گیا ہے نوجوانوں کو ڈھنگ کی نوکریاں نہ ملیں تو وہ کیا کریں۔ یہ پیٹ کا دوزخ تو بھرنا ہی ہوتا ہے۔ دیکھیے میں ان کے لیے کسی بہتر ملازمت کی کوشش کروں گا۔" توفیق صاحب نے کہا۔

"آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ وہ بیرے ہیں؟" مطلق صاحب کی ذہنی کیفیت خراب ہونے لگی تھی۔ کسی بھی کام کو وہ خراب نہیں سمجھتے تھے لیکن بس یہ احساس عجیب تھا کہ ایسے خوبصورت اور تعلیم یافتہ بچے ایسی ملازمت کر کے ان کی پرورش کر رہے ہیں۔

"بھئی یہ سوال ہم سے نہ کرو۔ ہماری سوسائٹی بہت اونچی ہے۔ اکثر بڑے بڑے

ہوٹلوں میں لنچ اور ڈنر ہوتے رہتے ہیں۔ ابھی کل شام ہی نور محل چلے گئے تھے وہاں ان دونوں کو دیکھا۔"

"بیروں کی وردی میں۔"

"ہاں بھئی اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔"

توفیق صاحب نے تو مطلق صاحب سے اور کوئی بات نہیں کی بس وہی بولتے رہے۔

لیکن ان کے جانے کے بعد مطلق صاحب بے حد افسردہ ہو گئے تھے۔ بیگم صاحبہ کو صورت حال معلوم ہوئی تو وہ بھی غمزدہ ہو گئیں۔

"میں سمجھتا ہوں۔ صورت حال سمجھتا ہوں۔ خوددار بچے ہیں۔ بے کاری برداشت نہ ہو سکی ہو گی۔"

"مگر یہ شکیلہ۔ یہ بھی تو ان کے ساتھ جاتی ہے۔"

"ہاں اللہ جانے وہ کیا کرتی ہے۔ مگر یہ سب کچھ مناسب نہیں۔ میں ان بچوں کو یہ سب نہ کرنے دوں گا۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ جب تک انہیں اچھی ملازمت نہ مل جائے۔ وہ گھر بیٹھیں۔ نوکری کی تلاش میں اگر کچھ وقت بھی لگ جائے تو ہم بھوکے تو نہیں مریں گے۔"

"مگر انہوں نے ہم سے یہ بات چھپائی کیوں۔"

"اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ ہم انہیں یہ سب کچھ کرنے نہ دیں گے۔"

"ہائے ہائے بچی ہوٹل میں کیا کرتی ہو گی۔"

"برتن صاف کرتی ہو گی اور کیا کرتی ہو گی۔ تم میرے کپڑے نکالو جی ابھی جا کر پکڑتا ہوں سسروں کو۔ میری زندگی میں یہ ناممکن ہے۔" مطلق صاحب بولے۔ اور بیگم صاحبہ نے گردن ہلا دی۔

ہوٹل نور محل عالی شان ہوٹل تھا۔ سینکڑوں ویٹر وہاں موجود تھے سب کے سب ایک جیسی وردی میں ملبوس۔ ان میں چہروں کی شناخت بھی کافی مشکل کام تھا۔ بے چارے مطلق صاحب

ہونقوں کی طرح ایک ایک کی شکل گھورتے پھر رہے تھے۔ کئی بیروں پر انہیں سعدی کا شبہ ہوا اور کئی پر ظفری کا' لیکن جب قریب سے دیکھا تو یہ وہ نہ تھے مجبوراً انہوں نے ایک بیرے کو اشارہ سے قریب بلایا اور وہ گردن جھکا کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"جناب والا۔۔۔۔!"

"بھئی کچھ معلوم کرنا ہے۔"

"جی فرمائیے۔"

"یہاں دو ویٹر اور کام کرتے ہیں' ایک کا نام سعدی ہے دوسرے کا ظفری۔" مطلق صاحب نے سوال کیا اور ویٹر داہنا گال کھجانے لگا' پھر گردن ہلا کر بولا۔

"نہیں صاحب اس نام کے ویٹر یہاں نہیں ہیں۔"

"تمہیں یقین ہے؟"

"جی ہاں میں بارہ سال سے یہاں کام کر رہا ہوں' ویٹروں میں کوئی اس نام کا ویٹر نہیں ہے۔" ویٹر نے جواب دیا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

مطلق صاحب کا دل کسی قدر ٹھیرا تھا۔ ممکن ہے توفیق صاحب کو غلط فہمی ہی ہوئی ہو۔ وہ سوچنے لگے۔ ایک ستون کے ساتھ کھڑے ہو کر ہوٹل کی بہار دیکھ رہے تھے۔ کیا اعلیٰ درجے کا ہوٹل تھا دولت کے بے مثال مظاہرے یہاں ہو رہے تھے۔ کہیں پارٹیاں ہیں اور کہیں جشن منایا جا رہا ہے۔ چاروں طرف خوب ہی رونق تھی دفعتاً ان کی نگاہ ایک بیرے پر پڑی اور ایک بار پھر ان کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اگر یہ غلط فہمی نہیں تھی تو یہ ظفری ہی تھا۔

مطلق صاحب نے اس کی طرف دوڑ لگائی اور چند لمحات کے بعد اس کے قریب پہنچ گئے۔ انہوں نے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کیا۔ بلاشبہ یہ ظفری ہی تھا۔ مطلق صاحب اسے گھورنے لگے۔

سامنے کھڑا ہوا آدمی صرف ایک لمحے کے لیے چونکا تھا اور پھر اس نے پر اخلاق انداز

میں مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"فرمائیے جناب میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"مجھ سے یہ سوال کر رہے ہو۔۔۔۔" مطلق صاحب سرد آہ بھر کر بولے۔

"جی۔۔۔۔" بیرہ حیرت سے بولا۔

"سعدی کہاں ہے ظفری۔۔" مطلق صاحب اسی انداز میں بولے۔

"میں نہیں سمجھا جناب' آپ کن سعدی صاحب کی بابت فرما رہے ہیں۔"

"جی نہیں میرا نام خدا بخش ہے جناب۔۔" بیرے نے جواب دیا اور مطلق صاحب ایک لمحے کے لیے گڑبڑا گئے۔ پھر پھیکے سے انداز میں ہنستے ہوئے بولے۔

"جناب والا آپ کو کوئی غلط فہمی ہو رہی ہے۔ کیا میری شکل آپ کے کسی جاننے والے سے ملتی جلتی ہے۔ میرا نام خدا بخش ہے۔ آپ ہوٹل کے رجسٹر سے میری بات کی تصدیق کر سکتے ہیں لیکن بڑی دلچسپ بات ہے کہ کوئی شخص اتنا زیادہ ہمشکل ہے میرا کہ آپ کو اس پر شبہ ہو گیا ہے۔"

"ظفری بیٹے حالات بعض اوقات انسان کو ہر قسم کی ملازمت کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں لیکن تم جانتے ہو کہ ہم اتنے پریشان حال نہیں ہیں۔ ابھی بہت کچھ ہے ہمارے پاس۔ اتنا ہے کہ اگر تم سال دو سال بیٹھ کر ملازمت تلاش کرو اور کھاؤ پیو۔ تب بھی ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ یہ وقتی چیزیں ہوتی ہیں۔ بالآخر کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی اچھی ملازمت مل ہی جائے گی۔ بیرہ گری کی کیا ضرورت ہے۔ اور یوں بھی میں اتنا بے اختیار بھی نہیں ہوں۔ کہیں نہ کہیں تو تمہارے لیے کوئی بہتر ملازمت تلاش کر ہی لوں گا۔ چلو واپس چلو۔ اور وہ نامعقول کہاں ہے اسے بھی بلا لو۔"

"یعنی سعدی صاحب۔" بیرے نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں انہی کی بات کر رہا ہوں۔"

"محترم اگر آپ مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں' یہ ملازمت چھڑوانا چاہتے ہیں تو میں حاضر ہوں' لیکن افسوس میں کسی سعدی صاحب کو پیدا نہیں کر سکوں گا' مجھے خود بھی یہ پسند نہیں

ہے۔فرمایئے چلوں آپ کے ساتھ۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔" مطلق صاحب ایک بار پھر متزلزل ہو گئے۔

"مقصد صرف یہ ہے کہ خادم کو خدا بخش کہتے ہیں۔کوئی خدمت ہو تو فرمایئے۔ میں مصروف ہوں۔"

"یعنی تم ظفری نہیں ہو۔"

"جی نہیں۔۔۔۔ میں صرف خدا بخش ہوں اور میرے والدین نے جو میرا نام رکھا ہے مجھے وہی پسند ہے۔شکریہ۔" بیرے نے کہا اور تیز قدموں سے ایک طرف چلا گیا۔

مطلق صاحب حیران کھڑے رہ گئے تھے۔ دیر تک وہ ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ان کا ذہن چکرا رہا تھا۔اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ بیرے کی آواز بدلی ہوئی تھی' لیکن چہرہ ہو بہو ظفری ہی کا تھا۔ اور پھر سعدیٔ بھی اس کے ساتھ موجود نہیں تھا' بدلی ہوئی آواز' سعدی کی غیر موجودگی۔۔۔اور۔۔۔اور اس کا نام۔ان چیزوں نے مطلق صاحب کے ذہن میں ایک خوشگوار سی کیفیت پیدا کر دی۔کافی دیر تک وہ نور محل میں چکراتے رہے لیکن اس کے بعد نہ انہیں' ظفری نظر آیا نہ سعدی۔اور تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس چل پڑے۔خواہ مخواہ ذہنی طور پر پریشان کر کے رکھ دیا۔ بھلا ایسے تعلیم یافتہ اور نستعلیق بچے بھی ایسی ملازمت کر سکتے ہیں۔ ناممکن' ناممکن۔توفیق صاحب آپ کا جسم ہی موٹا نہیں آپ کی عقل بھی موٹی ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔ مطلق صاحب مسکراتے ہنستے ہوئے گھر میں داخل ہوئے اور بیگم صاحبہ کو تمام تر صورتحال بتائی۔تب بیگم صاحبہ بھی ہنسنے لگیں۔

"اے میں نہ کہتی تھی' ان بچوں کی شکل وصورت سے پتہ نہیں چلتا۔وہ معمولی بچے نہیں ہیں۔ بھلا ایسی ملازمت وہ کریں گے ارے توبہ توبہ چھی چھی۔اور رہے توفیق صاحب۔ان کو تو بس خواہ مخواہ کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کرنے کی عادت ہے۔میں تو کہتی ہوں' تم ان سے ملا ہی نہ کرو۔"

"خیر قصور ان کا بھی نہیں ہے۔ وہ بیرا واقعی ظفری کا اتنا ہمشکل تھا کہ میں خود بھی

ششدر رہ گیا تھا۔اگر آواز میں ہلکی سی تبدیلی نہ ہوتی تو تم یقین کرو کہ میں کسی طور پر تسلیم نہیں کرتا کہ وہ ظفری نہیں ہے۔اس کے بعد سعدی بھی نہیں ملا۔ ممکن ہے توفیق صاحب کو بھی دھوکا ہوا ہو۔ بہر صورت ان بچوں سے معلوم تو کیا جائے کہ یہ کرتے کیا ہیں۔ ذرا اس سلسلے میں تھوڑی بہت چھان بین کرنی پڑے گی۔" مطلق صاحب نے کہا۔اور بیگم صاحبہ نے گردن ہلا دی۔

ظفری کا سانس پھول گیا تھا۔وہ دوڑتا ہوا سعدی کے پاس پہنچا تھا۔سعدی جو اپنے کمرے میں ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھا ظفری کو اس حال میں دیکھ کر چونک پڑا۔"خیریت تو ہے' کیا بات ہے؟"

"خیریت ہی تو نہیں ہے!"

"کیوں' کیا ہوا۔۔۔؟ کیا نواب جلال الدین صاحب تشریف لے آئے ہیں۔"

"جی نہیں۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"نواب کمال الدین صاحب تشریف لائے ہیں۔"

"اوہو' یہ کون ہیں بھئی۔" سعدی نے پر خیال انداز میں پوچھا۔

"جناب مطلق۔" ظفری نے جواب دیا اور سعدی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اوہو' کہاں ہیں بھئی' کیا' کیا یہاں آ گئے؟"

"جی ہاں تشریف لائے تھے اور یقیناً ہماری ہی تلاش میں آئے تھے۔کسی مخبر نے مخبری کر دی شاید۔"

"کمال کی بات ہے' کون ہو سکتا ہے۔تم پورا واقعہ تو بتاؤ۔" سعدی نے بوکھلاتے ہوئے انداز میں پوچھا اور ظفری اسے تفصیل بتانے لگا۔سعدی پر اسرار انداز میں گردن ہلا رہا تھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے مطلق صاحب کو کسی نے یہ خبر پہنچائی ہے کہ ہم ہوٹل میں بیرا گیری کرتے ہیں۔"

"لاحول ولاقوۃ۔" ظفری ہنس پڑا۔ "کیا حماقت ہوئی ہے۔"

"خیر اس کو تو چھوڑو، گھر جا کر اب یقیناً باز پرس ہوگی۔" سعدی نے کہا۔

"بے شک، بھلا مطلق صاحب یہ کیسے گوارا کر سکیں گے کہ ہم ہوٹل میں کام کریں۔"

"مگر یار یہ پتہ کیسے چلا۔۔۔؟"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں سعدی۔"

"مگر یار یہ اچھا نہیں ہوا کیونکہ ابھی ہمیں یہاں کئی دن کام کرنا ہوگا۔"

"کوئی ترکیب سوچو سعدی، ورنہ کہیں یوں نہ ہو کہ مطلق صاحب کی وجہ سے کام بگڑ جائے۔"

"خیر کام تو نہیں بگڑے گا اور پھر یوں بھی ہمیں نواب جلال الدین کے آنے پر دن رات یہاں رہنا ہوگا، شکیلہ کی بھی ضرورت پڑے گی۔ یوں کرتے ہیں مضطرب صاحب کو استعمال کر لیتے ہیں۔" سعدی نے کہا۔

"مگر کیسے۔۔۔؟"

"بھئی یہی تو سوچنا ہے۔" سعدی بولا اور ظفری اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔ دونوں خاموشی سے گردن جھکائے کچھ سوچتے رہے تھے۔ پھر سعدی نے کہا۔

"مطلق صاحب کم از کم نور محل جیسے ہوٹل میں بلاوجہ تشریف نہیں لا سکتے اور پھر جو حالات تمہاری زبانی معلوم ہوئے ہیں ان سے بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ بے اختیار ہو کر ہماری چھان بین کرنے تشریف لے آئے تھے۔ اب جب ہم گھر پہنچیں گے تو ہم سے سوالات کیے جائیں گے کہ ہم کیا کرتے ہیں اور مطلق صاحب کو مطمئن کرنا بے حد ضروری ہوگا۔ چنانچہ ظفری صاحب اس کی صرف ایک ہی ترکیب ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ مطلق صاحب کو اپنے دفتر کے بارے میں بتا دیا جائے۔"

"کیا مطلب، کیا مطلب۔۔۔؟ گویا یہ بتا دیں کہ ہم اس قسم کا کوئی ادارہ قائم کیے ہوئے ہیں۔"

"ہاں مگر اس کی تفصیلات ان کے سامنے نہیں آنی چاہئیں۔ بھئی امپورٹ ایکسپورٹ ہوتا ہے۔ اسٹیشنری وغیرہ کا معاملہ ہے، ورنہ کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوگی۔"

"ہاں مشکل تو نہیں ہوگی، لیکن مطلق صاحب کا اطمینان بھی ضروری ہے۔"

"بات ذرا کچھ الجھ گئی ہے اور خاص طور سے اس موقع پر جب ہم لوگ اس کام میں مصروف ہیں۔" سعدی نے کہا۔

"یوں کرتے ہیں شکیلہ سے بات کرتے ہیں، شکیلہ اپنے طور پر کوئی کارروائی کرلے گی۔ ویسے بھی وہ اس وقت ذہنی طور پر آزاد ہے۔ میرا مطلب ہے ابھی اس کا کوئی کریکٹر شروع نہیں ہوا۔ کوئی نہ کوئی بات تو سوچنی ہی پڑے گی۔ ہم لوگوں نے تو ابھی تک یہ بھی طے نہیں کیا کہ اپنی گمشدگی سے مطلق صاحب کو کس طرح مطلع کریں گے۔"

"ٹھیک ہے شکیلہ سے بات کرتے ہیں۔" سعدی نے کہا۔ اور اپنے سامنے رکھا ہوا ٹیلی فون اپنی جانب کھسکایا۔ پھر اس نے ٹیلی فون پر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نمبر ڈائل کیے۔ اور دوسری طرف شکیلہ کی آواز ابھری۔

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ۔"

"خادم سعدی بول رہا ہے۔"

"اوہ سعدی، خیریت تو ہے۔۔۔؟"

"جی نہیں۔"

"کیا ہوا؟" شکیلہ چونک پڑی۔

"بات کچھ خاص نہیں ہے شکیلہ لیکن حالات کچھ ایسے ہیں کہ اسے خاص بھی کہا جا سکتا ہے۔"

"یہ کوئی چلپائی اشارہ ہے۔" شکیلہ ہنستے ہوئے بولی۔

"سنو۔ مطلق صاحب یہاں پہنچ گئے ہیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"شکیلہ پلیز غور سے سنو۔ مطلق صاحب ہوٹل نور محل پہنچ گئے ہیں۔ انہیں شاید کسی نے یہ خبر کر دی ہے کہ ہم دونوں ہوٹل نور محل میں ہیرا گیری کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے یہ بات انہیں کیسے ہضم ہو سکتی تھی اور شکیلہ کا کام ابھی کافی کرنا ہے۔ چنانچہ کوئی ایسی ترکیب سوچتی ہے کہ مطلق صاحب کو مطمئن کیا جا سکے۔"

"کیا کیا۔۔۔ لیکن وہ نور محل کیسے پہنچ گئے۔۔۔؟"

"میں نے کہا نا کسی نے انہیں بتا دیا ہوگا۔ کسی نے دیکھ لیا ہوگا ہمیں۔ بہر صورت اب ہم اتنے اجنبی بھی نہیں ہیں لوگوں کے لیے۔ ظفری سے ملاقات ہوئی تھی ان کی ظفری نے خود کو ظفری تسلیم نہیں کیا۔ اور وقتی طور ہم لوگ کمرے میں چھپے ہوئے ہیں۔ لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہم سے پوچھیں گے کہ ہم لوگ کیا کرتے ہیں۔ یقینی طور پر مطلق صاحب شک و شبہ کے شکار ہو جائیں گے اور پھر چند روز کی چھٹی بھی چاہیے ہوگی یہاں کے معاملات سنبھالنے کے لیے۔ اس سلسلے میں کیا سوچا ہے تم نے۔" سعدی نے پوچھا اور شکیلہ کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔

"تم لوگ اس کی فکر نہ کرو۔ میں کچھ نہ کچھ کرلوں گی اور ہاں یہ بتاؤ مجھے وہاں کب منتقل ہونا ہے۔۔۔؟"

"پروگرام کے مطابق تو ایک دو دن کے بعد لیکن اگر تم فوری ضرورت محسوس کرو تو فوری بندوبست ہو سکتا ہے۔"

"وہ عمارت تمہاری تحویل میں دے دی گئی ہے۔" شکیلہ نے سوال کیا۔

"بالکل، بیگم صاحبہ اس کی چابی ہمیں دے کر گئی ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

"بس تو ٹھیک ہے۔ مطلق صاحب کے اس وقتی مسئلے سے نمٹنے کا ایک ہی حل ہو سکتا ہے۔"

"وہ کیا۔۔۔؟"

"وہ یہ کہ ہم انہیں مضطرب صاحب کے ذریعے اطلاع بھجوا دیں کہ ہم لوگوں کو ایک فوری بزنس ٹور پر جانا پڑا ہے۔ بہت بڑی آمدنی کی توقع ہے۔ تفصیلات بعد میں بتاتے رہیں گے۔ میں ابھی گھر جانے کی بجائے اس عمارت میں منتقل ہوئی جاتی ہوں۔"

"بات تو ٹھیک ہے، لیکن دفتر تک پہنچ جائیں گے مطلق صاحب۔"

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ تم لوگ ذہنی طور پر اس سلسلے میں فکرمند نہ ہو۔ یہ ساری باتیں ہم بعد میں سوچ لیں گے۔" شکیلہ نے کہا، اور سعدی نے خدا حافظ کہہ کر ٹیلی فون بند کر دیا۔ وہ پرخیال انداز میں گردن ہلا رہا تھا۔

یہ سارا ڈرامہ ایک کیس ہی کے سلسلے میں ہو رہا تھا اور یہ ڈرامہ اب تک پیش آنے والے تمام ڈراموں سے زیادہ دلچسپ تھا۔ اس بار انہیں بہت دلچسپ کام میں مصروف ہونا پڑا تھا۔ ایک بہت بڑی شخصیت کے لیے۔

ہوا یوں تھا کہ حسب معمول یہ لوگ دفتر میں موجود تھے۔ مضطرب صاحب بھی اندر ہی تشریف فرما تھے اور اپنی تازہ غزلوں کے اشعار گنگنا رہے تھے۔ طالب تھے اس بات کے کہ کسی شعر پر داد ملے لیکن کوئی غور ہی نہیں کر رہا تھا۔ مضطرب صاحب نے پر اضطراب انداز میں ان بدذوقوں کو دیکھا اور ابھی کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی، سعدی نے ریسیور اٹھا لیا تھا۔

"ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ۔۔۔" دوسری طرف آواز آئی۔

"جی ہاں۔" سعدی نے جواب دیا۔ "فرمائیے۔" آواز نسوانی تھی اور اس میں ایک عجیب سی کھنک کا احساس ہوتا تھا۔

"اگر میرا خیال غلط نہیں تو آپ لوگ پرائیویٹ جاسوس ہیں۔" پوچھا گیا۔

"خاتون پرائیویٹ جاسوس ہونے کا اعتراف نہیں کریں گے۔ البتہ آپ نے ہمارا اشتہار پڑھ لیا ہوگا۔ ہم الجھن میں پھنسے ہوئے لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔"

"ایک ہی بات ہوئی" دوسری طرف سے لاپروائی سے کہا گیا۔

"جی ہاں بات ایک ہی ہوئی۔ آپ فرمایئے۔ آپ نے کیسے ٹیلی فون کرنے کی زحمت گوارہ کی۔"

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"بسرو چشم بسرو چشم' کہیے کیا حکم ہے۔" سعدی نے سوال کیا۔

"پہلے یہ بتاؤ کس قسم کے کیسز پر کام کرتے ہو؟"

ایسے تمام کیسز پر جس میں کسی کی ذات کو کوئی تکلیف نہ پہنچتی ہو۔ کوئی مجرمانہ عمل نہ کرنا پڑتا ہو۔ ایسی بات نہ ہو جو قانون کے خلاف ہو۔ میرا مقصد ہے کہ صرف ذاتی الجھنوں کو دور کرنے کے لیے ہم کام کرتے ہیں اور اس کا معاوضہ پچیس ہزار روپے لیتے ہیں۔"

"ہوں میرا خیال ہے میرا کیس ایسا ہی ہے کہ کوئی قانونی پیچ اس میں پیدا نہیں ہوگی۔"

"جی جی تو پھر ہم حاضر ہیں۔"

"سنو میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔"

"جی حکم۔۔۔۔! کہاں ملاقات کی جائے۔"

"تم ایک بات کا وعدہ کرو' کام ہو یا نہ ہو میری شخصیت کو خفیہ راز میں رکھو گے۔"

"یہ ہمارا اولین فرض ہے خاتون۔" سعدی نے جواب دیا۔

"تو پھر خود یا اپنے کسی نمائندے کو ہدایت پور بھیج دو۔"

"جی۔" سعدی نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں۔ میں بیگم جہاں آراء ہدایت پور بول رہی ہوں۔ تم نے یقیناً میرا نام سنا ہوگا۔ نواب آف ہدات پور کی اہلیہ۔" دوسری طرف سے آواز آئی اور سعدی مستعد ہوگیا۔

"جی ہاں جی ہاں۔ بیگم صاحبہ بھلا آپ کے نام سے کون واقف نہیں ہے۔"

"تو پھر کب پہنچ رہے ہو میرے پاس۔۔۔۔؟"

"جب آپ حکم دیں۔"

"آج ہی کسی وقت پہنچ جاؤ' شام تک۔"

"جی بہتر ہے۔ ہم اپنا نمائندہ بھیج رہے ہیں۔"

"نام کیا ہوگا اس نمائندے کا۔ میں یہ اس لیے پوچھ رہی ہوں تاکہ میں اس شخص کے بارے میں جان سکوں۔"

"جی۔ جی۔ نام اس کا ظفری ہے۔ آپ اسے تمام صورتحال بتا دیں۔ وہ آپ سے مکمل گفتگو کرے گا۔"

"شام کو کس وقت تک پہنچ جائے گا تمہارا نمائندہ۔"

"جس وقت آپ حکم فرمائیں۔ پانچ بجے' چھ بجے' سات بجے۔"

"ٹھیک ہے ان اوقات میں کسی وقت بھی بھیج دو۔ میں انتظار کروں گی۔ اس سے کہہ دینا کہ وہ یہاں آ کر مجھ سے مل لے۔ لیکن ٹھیرو۔ بہتر ہوگا کہ اسے ساڑھے آٹھ بجے تک میرے پاس بھیج دو۔ وہ پوشیدہ طور پر میرے پاس آئے۔۔۔۔ نواب آف ہدایت پور کی حویلی ہدایت پور کے لیے کوئی اجنبی جگہ نہیں ہے کسی بچے سے بھی پوچھا جائے تو وہ اس حویلی کا پتہ بتا دے گا۔ لیکن اپنے نمائندے سے کہنا کہ وہ ساڑھے آٹھ بجے حویلی کے عقبی حصے میں اس جگہ پہنچ جائے' جہاں چوبرجی بنی ہوئی ہے۔ چوبرجی کے نیچے وہ ہمارا انتظار کرے۔ ہم خود ہی اس سے مل لیں گے۔"

"جی بہت بہتر۔" سعدی نے جواب دیا اور دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

سعدی مسرت سے کھل اٹھا تھا۔ ظفری اور شکیلہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ کوئی معاملہ ہی آ پڑا ہے۔ وہ متجسس نگاہوں سے سعدی کو دیکھ رہے تھے۔ اور سعدی نے انہیں مکمل تفصیلات بتا دیں۔

"بیگم جہاں آراء ہدایت پور بہت بڑی شخصیت ہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"ہاں یقیناً' تو کوئی معمولی شخصیت ہم سے رجوع ہی کب کرتی ہے۔" سعدی بولا۔ "تم تو تیار ہو نا ظفری۔"

"بالکل۔" ظفری نے جواب دیا۔ پھر بولا۔ "لیکن مجھے یہاں سے کس وقت جانا ہے؟"

"ساڑھے آٹھ بجے ملاقات کا وقت مقرر ہے۔ ہدایت پور پہنچنے میں گھنٹے سوا گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ تم اگر چاہو تو چھ بجے روانہ ہو جانا۔" سعدی نے کہا اور یہ بات طے ہو گئی کہ ظفری ٹھیک چھ بجے ہدایت پور روانہ ہو جائے گا۔

مضطرب صاحب بھی اس گفتگو میں دل چسپی لے رہے تھے۔ بہرصورت سارے معاملات طے ہو گئے اور اسی شام چھ بجے ظفری اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر ہدایت پور چل پڑا۔

رات کا سفر زیادہ دل کش نہیں تھا۔ ہوا تیز چل رہی تھی اور اس میں گرد بھی شامل تھی۔ بہرصورت شام ہو چکی تھی' اس لیے موسم کی شدت باقی نہیں رہی تھی اور ظفری کو بھی آسانی حاصل تھی۔

سڑک سنسان تھی۔ بعض جگہ ناہموار بھی تھی۔ کئی جگہ نشیب و فراز سے بھی گزرنا پڑتا تھا۔ پھر وہ ایک نشیب سے اوپر ابھرا ہی تھا کہ اسے بیچ سڑک پر کوئی کھڑا نظر آیا۔ وہ دونوں ہاتھ ہلا ہلا کر اسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

ظفری ذرا قریب پہنچا تو اس نے ہاتھ ہلانے والے کو بغور دیکھا۔ لباس سے وہ کوئی لڑکی ہی معلوم ہوتی تھی۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل دھک سے ہو گیا تھا۔ اس ویرانے اور سنسان مقام پر کسی لڑکی کی موجودگی بڑی تعجب خیز بات تھی۔ اس نے پریشانی سے ایک لمحے کے لیے سوچا۔ پھر فیصلہ کر لیا کہ اسے رکنا چاہیے۔ ممکن ہے کوئی ضرورت مند ہی ہو۔ چنانچہ موٹر سائیکل کی رفتار سست ہو گئی اور چند ساعت کے بعد وہ لڑکی کے پاس جا رکا۔ درمیانہ درجے کے لباس میں ملبوس ایک انتہائی خوبصورت نقش و نگار کی مالک لڑکی تھی' جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار تھے۔

"کیا بات ہے' آپ اس ویرانے میں تنہا کیسے کھڑی ہیں۔" ظفری نے سوال کیا۔

میں لڑکی پرخیال انداز میں بولی، میں کائنات کے ویرانے میں بالکل تنہا ہوں، تم تو صرف اس معمولی سے ویرانے کی بات کر رہے ہو۔

"سبحان اللہ۔ میرا خیال ہے کہ شاعرہ ہیں آپ۔" ظفری نے سوال کیا۔

"ہاں دکھ کو کسی بھی انداز میں کہہ لو۔ منظوم کہہ لو نثر میں کہہ دو۔ وہ دکھ ہی ہوتا ہے۔ اسی پرداد بھی دی جا سکتی ہے' مذاق بھی اڑایا جا سکتا ہے۔ کسی کا کیا جاتا ہے۔" وہ دردناک انداز میں بولی اور ظفری سنجیدہ ہو گیا۔

"محترمہ کسی راہ گیر کے سامنے اس قسم کے مکالمے نہیں بولے جاتے ہیں۔" آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ آپ فرمائیں۔" ظفری نے پوچھا۔

"کہاں جا رہے ہو۔۔۔۔؟"

"ہدایت پور۔" ظفری نے جواب دیا۔

"مجھے وہاں چھوڑ دو گے؟"

"اگر آپ موٹر سائیکل پر بیٹھنا پسند کریں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"میں' اگر تم مجھے پیدل بھی لے جانا چاہو تو میں تیار ہوں۔ کوئی ہمسفر ملے۔ کوئی تو اتنا ہو جو ذرا سی قربت دے سکے۔" لڑکی نے کہا اور ظفری چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں لڑکی غلط تو نہیں ہے۔ لیکن چہرے مہرے سے وہ کسی شریف گھرانے کی معلوم ہوتی تھی۔ اور نا ہی اس کی آنکھوں میں ایسے تاثرات تھے جن سے ظفری کے شبہے کی تصدیق ہوتی۔

"ہدایت پور میں آپ کہاں جائیں گی۔" اس نے سوال کیا۔

"آپ کی موٹر سائیکل کا پٹرول جل رہا ہے' کیا آپ انجن بند نہیں کر سکتے۔" لڑکی بولی۔

"اوہ' جی ہاں۔" ظفری نے جواب دیا اور انجن بند کر دیا۔ پھر وہ موٹر سائیکل کو دھکیلتا ہوا سڑک کے کنارے لے آیا۔ تھوڑی سی معلومات حاصل کیے بغیر لڑکی کو پیچھے بٹھانا بھی مناسب

نہیں تھا۔" جی ہدایت پور میں آپ کہاں جائیں گی۔"

"بس انسانوں کی ایک آبادی میں پہنچ جاؤں گی اس سے زیادہ میرا کوئی مقصد نہیں ہے۔ بتا چکی ہوں کہ اس جہاں میں تنہا ہوں۔"

"محترمہ کہیں سے تو تشریف لائی ہوں گی آپ۔۔۔۔؟ اس سے پہلے کہاں تھیں اور اس ویران سڑک پر کیا کر رہی تھیں؟"

"کسی ایسے شخص کا انتظار جو مجھے پناہ دے سکے۔"

"اوہو ہو ہو۔" ظفری چونک پڑا۔ "میں معذرت خواہ ہوں بی بی، پناہ وغیرہ تو نہیں دے سکتا۔ البتہ موٹر سائیکل پر لفٹ ضرور دے سکتا ہوں۔ وہ بھی صرف ہدایت پور تک' اور زیادہ وقت بھی نہیں دے سکتا آپ کو۔ اس لیے کہ مجھے ایک ضروری کام سے ہدایت پور پہنچنا ہے۔"

"کہاں جائیں گے۔" لڑکی نے سوال کیا۔

"بس بیگم صاحبہ کی خدمت میں حاضری دینے جا رہا ہوں۔ ملازمت وغیرہ کا سلسلہ ہے۔" ظفری نے جواب دیا۔

"بیگم جہاں آراء ہدایت پور؟"

"جی ہاں۔ آپ جانتی ہیں انہیں؟"

"ہاں مشہور خاتون ہیں۔ بہرصورت مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ مجھے ہدایت پور ہی میں کسی جگہ چھوڑ دیجیے۔ میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔" لڑکی نے کہا۔

"تشریف رکھیے پھر۔" ظفری بولا اور اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی۔ لڑکی ظفری کے پیچھے بیٹھ گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد عقب سے لڑکی کی آواز ابھری۔

"نام کیا ہے آپ کا؟"

"ظفری کہتے ہیں خادم کو۔"

"ظفری صاحب کیا آپ کے سینے میں دل نہیں ہے۔" لڑکی بولی۔

"جی ہاں ہے۔ مگر پسلیوں کے خول میں دبا دبایا رکھا ہے۔ بات بات پر اچھل نہیں پڑتا۔ ویسے آپ کہنا کیا چاہتی ہیں۔"

"ظفری صاحب مجھے سہارا چاہیئے۔"

"تو آپ مضبوطی سے میری پشت پکڑ لیں۔" ظفری بولا۔

"مذاق مت کریں۔ میں۔۔۔۔ میں آپ کو اپنی زندگی کا سہارا بنانا چاہتی ہوں۔" لڑکی بولی۔ اور ظفری نے موٹر سائیکل کو بریک لگا دیے۔ لڑکی کا پورا وزن اس کی پشت پر آ پڑا تھا۔

"محترمہ میں بڑا غریب آدمی ہوں۔ ایک ضروری کام سے ہدایت پور جا رہا ہوں جس کا تعلق میرے معاش سے ہے۔ میں مذاق میں بھی یہ بات برداشت نہیں کر سکتا۔"

"آہ' کسی کی پرخلوص پیشکش کو مذاق نہ سمجھیں۔"

"ارے واہ' کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ یہ پرخلوص پیش کش کرنے کے لیے ہی آپ سڑک کے درمیان میں کھڑی ہوئی تھیں۔"

"میں نے کہا نا مجھے کسی سہارے کی تلاش تھی۔"

"معاف کیجیے میں بڑا کمزور سہارا ہوں۔ آپ کے کسی کام نہ آ سکوں گا۔"

"دیکھو مان جاؤ میری بات۔"

"بی بی اگر آپ نے فضول باتیں کیں تو میں یہیں آپ کو اتار دوں گا اور اس کا خیال بھی نہیں کروں گا کہ سڑک سنسان ہے اور آپ کو کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے۔"

"ساری دنیا ہی ظالم ہے' لیکن میری ایک پیش کش سن لو۔" لڑکی دردناک آواز میں بولی۔

"جی جی سنایئے سنایئے۔۔۔" ظفری نے کہا۔

"اگر تم نے میری بات نہ مانی تو ایک بہت بڑی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔"

"سبحان اللہ' یہ پیش گوئی ہے یا دھمکی۔" ظفری نے پوچھا۔

"دھمکی تو میں دنیا میں کسی کو نہیں دے سکتی۔ صرف پیش گوئی کرتی ہوں۔"

"ہوں۔" ظفری نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"جی ہاں اور اس بات کو بھی نوٹ کر لو کہ میں نے آج تک جتنی پیش گوئیاں کی ہیں' حرف بحرف پوری ہوئی ہیں۔"

"اپنے بارے میں آپ نے کوئی پیش گوئی کی۔" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں کی ہے لیکن وہ میں کسی کو بتاؤں گی نہیں۔"

"خوب' بہر صورت میرے لیے اس سے بڑی مصیبت اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ میں کسی لڑکی کا شوہر بن جاؤں اور کسی ایسی لڑکی کا جو مجھے کسی سڑک کے درمیان کھڑی ملی ہو۔ ویسے آپ کی باتیں مجھے بڑی عجیب لگ رہی ہیں' حالانکہ شکل سے آپ ایک اچھی خاصی باوقار لڑکی معلوم ہوتی ہیں' لیکن یہ سڑکوں پر کھڑے ہو کر لوگوں کو شادی کی دعوت دینا۔ ارے توبہ توبہ۔۔۔" ظفری نے کہا۔ وہ لڑکی کی باتوں پر حیران بھی تھا اور ان میں دلچسپی بھی لے رہا تھا۔ سمجھ نہیں پایا تھا وہ اب تک کہ کس قسم کی لڑکی ہے۔ چہرے سے شریف معلوم ہوتی تھی' لیکن اس بے باکی سے شادی کی دعوت دینا اور وہ بھی کسی ایسے آدمی کو جس نے اسے چند لمحات قبل دیکھا تھا' نہایت تعجب خیز بات تھی۔

ظفری گہرے انداز میں سوچ رہا تھا' کوئی گھپلا بھی ہو سکتا تھا۔ اگر ہدایت پور میں داخل ہو کر یہ لڑکی شور مچادے کہ یہ شخص مجھے اغواء کر کے لے جا رہا ہے تو وہ کیا کرے گا۔ خواہ مخواہ مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔

لڑکی بھی کسی خیال میں گم ہو گئی تھی۔ ہدایت پور کے آثار نظر آنے لگے۔ اور ظفری نے کام دکھایا۔ اس نے اطمینان سے پٹرول سپلائی سوئچ آف کر دیا۔ اور موٹر سائیکل کا انجن بند ہو گیا۔

"ارے یہ کیا مصیبت آ گئی۔" وہ پریشان لہجے میں بولا۔ اور پھر دونوں موٹر سائیکل سے نیچے اتر آئے۔ ظفری نے لڑکی کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ وہ موٹر سائیکل میں ککیں لگانے لگا۔ لیکن پٹرول کی سپلائی ہی بند تھی وہ اسٹارٹ کیا ہوتی۔

"لگتی تو نئی ہے قسطوں پر خریدی تھی کیا؟" لڑکی کی آواز ابھری۔

"پتہ نہیں کیا ہو گیا۔" ظفری گہری سانس لے کر بولا' پھر وہ موٹر سائیکل کو لے کر پیدل دوڑنے لگا۔ اس دوران اس نے چالاکی سے سپلائی کھول دی تھی اور پھر نہایت پھرتی سے اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور ہوا ہو گیا۔ لڑکی کی دو تین چیخیں اسے سنائی دی تھیں۔ لیکن اب کون سنتا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ہدایت پور میں داخل ہو کر حویلی کی طرف چل پڑا جو اب زیادہ دور نہیں رہ گئی تھی۔

عظیم الشان حویلی تھی' ظفری اس کی شان دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ اس نے موٹر سائیکل پر ایک چکر حویلی کے اطراف کا لگایا تھا۔ اور وہ جگہ بھی دیکھ لی تھی جو حویلی کی عقبی چوبرجی تھی۔ اس چوبرجی کے نیچے پہنچنا مشکل کام نہیں تھا۔

چوبرجی سے کچھ دور ایک چھت پر اس نے کچھ انسانی سائے دیکھے تھے۔ بہرحال اس نے ان پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ آٹھ بجکر دس منٹ ہو چکے تھے۔ اس نے ایک مناسب جگہ پر موٹر سائیکل روک دی اور انجن بند کر کے اسے اسٹینڈ پر کھڑا کر دیا۔ پھر وہ ٹہلنے کے سے انداز میں چوبرجی کی طرف چل پڑا۔

لڑکی دیر تک اس کا ذہن الجھاتی رہی تھی لیکن اب اس نے اسے ذہن سے نکال پھینکا تھا۔ اس عظیم الشان حویلی کو دیکھ کر وہ سوچ رہا تھا کہ بیگم صاحبہ آف ہدایت پور کو ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ نیک نام خاتون تھیں۔ کوئی غیر قانونی مسئلہ تو نہیں ہو سکتا تھا۔

بہرحال ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ وہ چوبرجی کے نیچے پہنچ گیا۔ تاریکی ضرور پھیل چکی تھی لیکن دور روشنیاں جل رہی تھیں۔ جن کی وجہ سے یہ جگہ بھی گہری تاریک نہیں تھی۔ ظفری گھڑی دیکھنے لگا۔

دفعتاً اس پر چاروں طرف سے ٹارچوں کی تیز روشنیاں پڑیں اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ پھر ایک دھاڑ ابھری۔ "خبردار' ہلنا نہیں اپنی جگہ سے ورنہ پورے بدن میں سوراخ ہو

جائیں گے۔"

"خبردار، ہاتھ اوپر اٹھادو۔۔۔ہلنا مت۔۔۔ہلنا مت۔"

دوسری آوازوں نے کہا۔اور ظفری بری طرح بوکھلا گیا۔اس نے روشنیوں سے بچنے کے لیے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے تھے۔اور پھر بہت سے لوگ اس کے نزدیک پہنچ گئے۔

"پکڑلو۔۔۔جکڑلو۔۔۔جانے نہ پائے۔" آوازیں ابھر رہی تھیں۔بہت سے لوگوں نے ظفری کو کس لیا تھا۔اور ظفری کے حواس ایک لمحے کے لیے رخصت ہوگئے تھے۔اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔

"ماروں سرکار اسے۔" کسی نے پوچھا۔

"نہیں بس خاموشی سے لے چلو۔" بیگم صاحبہ نے کہا تھا۔دوسری آواز نے کہا۔

"جی، چل بے۔" ظفری کو گھسیٹا جانے لگا۔ابھی تک ظفری کے حواس درست نہیں ہوئے تھے۔ایک لفظ بھی اس کے منہ سے نہیں نکل سکا تھا۔اپنے بچاؤ کے لیے اس نے ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا۔اور پھر اتنے افراد تھے کہ وہ ان کی گرفت سے نکل بھی نہیں سکتا تھا۔

بہرحال وہ اسے دبوچے ہوئے لے چلے اور تھوڑی دیر کے بعد اسے ایک روشن کمرے میں لے جایا گیا۔سرخ پتھر کی سلوں سے بنا ہوا کمرہ تھا جس پر ایک مضبوط دروازہ لگا ہوا تھا۔

"سرکار شکل سے تو سالا چور نہیں لگتا۔۔۔" ایک ملازم قسم کے آدمی نے کہا۔

"بکواس بند کرو۔" دوسرا آدمی دھاڑا۔اور پھر ظفری کو فرش پر دھکا دے دیا گیا۔وہ سب دروازے کی طرف چل پڑے اور ظفری کو ہوش آ گیا۔

"ارے ارے، کیا بدتمیزی ہے۔۔۔میں۔۔۔میں۔۔۔" اس نے دروازے کی طرف جھپٹتے ہوئے کہا۔اور اس قوی ہیکل شخص نے پستول نکال کر اس کا رخ ظفری کی طرف کر دیا۔جواب تک ملازموں کو ہدایات دیتا رہا تھا۔

"یہ حقیقت ہے دوست، تمہیں خاموشی سے ہلاک بھی کیا جاسکتا ہے۔کیوں جان سے ہاتھ دھونا چاہتے ہو۔"

"مگر میرا قصور۔۔۔؟" ظفری بولا۔

"خود اپنے ضمیر سے سوال کرلو۔" اس نے کہا۔"اسے تم لوگ اب تک کیوں روکے ہوئے ہو یہاں' بس جاؤ تمہارا کام ختم۔" اس نے دروازے میں کھڑے لوگوں سے کہا۔اور پھر خود بھی دروازے کے پاس پہنچ کر بولا۔

"ٹھہرو انتظار کرو۔صورت حال پہ غور کرو۔میں اس سے زیادہ تم سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" وہ دروازے سے باہر نکل گیا اور دروازہ باہر سے بند ہوگیا۔ظفری نے گہری سانس لی۔در حقیقت اسے صورتحال پر غور کرنا تھا۔یہ سب ہوا کیا، یوں لگتا تھا جیسے یہ لوگ اس کی یہاں آمد کے منتظر ہوں۔کوئی چال ہی لگتی تھی، مگر کیوں۔۔۔کون لوگ تھے یہ حویلی تو بیگم ہدایت پور کی ہی تھی اور۔۔۔اور کہیں کوئی بات پلے نہیں پڑی تھی۔ایک اتنی بڑی خاتون کو بھلا ان معمولی سے لوگوں سے کیا پرخاش ہوسکتی تھی۔اتنا تو انہوں نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی وساطت سے کسی کو دشمن بھی نہیں بنایا تھا۔پھر یہ سب کیا معاملہ ہے؟"

لباس بری طرح مسل گیا تھا۔وحشی ملازموں نے اسے کبوتر کی طرح دبوچ لیا تھا۔گندے بھی تھے سسرے، لباس پر ان کے ہاتھوں کے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ظفری حتیٰ الامکان لباس درست کرنے کی کوشش کرتا رہا۔اور پھر اس نے کمرے کے ماحول پر نگاہ ڈالی۔

خالی کمرہ تھا۔کوئی فرنیچر وغیرہ نہیں تھا۔دیواریں سپاٹ تھیں۔بس اوپر چھت کے قریب ایک روشندان بنا ہوا تھا لیکن ان سپاٹ دیواروں سے گزر کر اس روشندان تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔روشندان قدیم طرز کا تھا۔اس کے آگے ایک کارنس بنا ہوا تھا جو چوڑی سِل کا تھا اور جس پر بہ آسانی بیٹھا جاسکتا تھا، لیکن اس کارنس پر شاید چڑیوں وغیرہ نے گھونسلے رکھ لیے تھے کیونکہ بہت سے تنکے لٹکے ہوئے نظر آرہے تھے۔چھت میں برقی قمقمہ روشن تھا اور ٹوٹی

چھوٹی دائرنگ ایک بورڈ تک پہنچی تھی جس میں چند پلگ لگے ہوئے تھے۔

"لعنت ہے، کمبختوں نے بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ تک نہیں بنا رکھی۔" ظفری بڑبڑایا۔ اور اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ زمین پر ہی بیٹھا جائے۔

چنانچہ وہ ایک دیوار کے قریب بیٹھ گیا۔ موٹر سائیکل کے لمبے سفر نے تھکن بھی پیدا کر دی تھی۔ نیچے بیٹھ کر اس نے جوتے اتارے اور پاؤں پھیلا دیے۔

دماغ ابھی تک ٹھیک طور سے سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں ہوا تھا۔ اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، اس ناگہانی کا مقصد کیا تھا۔ اور یہ سب کیا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ دماغ میں کھلبلی ہو رہی تھی۔ ایک بہت بڑی شخصیت کا معاملہ تھا کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ مگر ان لوگوں سے کیا واسطہ تھا۔ کیا وہ فون غلط تھا جو سعدی کو ملا تھا۔ کوئی گہری سازش ہوئی تھی۔۔۔۔ لیکن سازشی کون تھے اور سازش کن کے خلاف تھی۔

ذہن میں خیالات کا انبار تھا۔ قرب و جوار میں سناٹا چھایا ہوا تھا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایک بار اسے خیال آیا تو وہ دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ پہلے تو اس نے دروازے کی مضبوطی کا جائزہ لیا۔ پھر اسے زور زور سے بجانے لگا۔

لیکن دروازے کی نگرانی کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تھی وہ لوگ اس کی مضبوطی سے مطمئن تھے۔ چنانچہ وہاں کوئی نہیں تھا۔ دروازہ پیٹنے کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ دیر تک وہ دروازہ بجاتا رہا۔ پھر تھک ہار کر دوبارہ زمین پر آ لیٹا۔ کوئی صورت نہیں تھی سوائے اس کے کہ پیش آنے والے حالات کا انتظار کیا جائے۔ نیند آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، حالانکہ اعضاء پر شدید تھکن طاری تھی۔ غالباً یہ تھکن اس وجہ سے اور بڑھ گئی تھی کہ وہ ذہنی طور پر پریشان تھا۔

دفعتاً روشندان کے پاس کچھ آہٹیں سنائی دیں۔ غالباً روشندان کے سامنے بنے ہوئے کارنس پر بیٹھی چڑیوں کو کوئی الجھن محسوس ہوئی تھی۔ دو چڑیاں پھڑ پھڑاتی ہوئیں کمرے کی چھت کے دوسری طرف اڑنے لگیں۔ گھونسلے کے تنکے نیچے گرے اور چند ساعت کے بعد ظفری کو کارنس

پر دو ہاتھ نظر آئے۔ وہ اچھل کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ چھت پر لگے ننگے بلب کی روشنی میں دو سفید ہاتھ آگے بڑھے اور پھر ایک انسانی چہرہ نظر آیا۔

لمبے لمبے سیاہ بال لٹکے ہوئے تھے۔ ظفری کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس کے ذہن میں بہت سے دہشتناک خیالات در آئے۔ لیکن پھر جو چہرہ ان بالوں کے درمیان نمایاں ہوا اس نے ظفری کے ذہن کو ایک اور جھٹکا دیا۔ اگر اس کی آنکھیں دھوکا نہیں کھا رہی تھیں تو یہ شکل اجنبی نہیں تھی۔

سو فیصدی وہی تھی۔ سو فیصدی وہی لڑکی جو اسے راستے میں ملی تھی اور اس کی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر ہدایت پور تک آئی تھی، یقیناً یہ وہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی، حالانکہ روشندان میں اس کا نظر آنا ایک ہولناک سی بات تھی لیکن ظفری کے ہونٹ بھنچ گئے۔

لڑکی نے دونوں ہونٹ سکوڑ کر سیٹی بجائی اور پھر آہستہ سے ہنس پڑی۔ "کیسے مزاج ہیں دوست۔۔۔۔؟" اس نے سوال کیا۔

"تم کوئی بدروح معلوم ہوتی ہو۔" ظفری بولا

ہاں بہت بری روح ہوں جس سے چمٹ جاؤں، بس اس کا ستیاناس سمجھو۔ تمہیں میری پیش گوئی یاد نہیں۔ میں نے کہا تھا نا کہ اگر تم میری مدد پر آمادہ نہ ہوئے تو کسی مصیبت کا شکار ہو جاؤ گے۔" لڑکی بولی اور ظفری سوچنے لگا۔ واقعی لڑکی نے یہ الفاظ کہے تھے۔ "تو تم۔۔۔۔ تو تم واقعی بدروح ہو؟"

"شکل سے بدروح نظر آتی ہوں تمہیں۔۔۔۔؟" وہ چونک کر بولی۔

"نظر تو نہیں آتیں، مگر جو کچھ نظر آتی ہو، وہ بھی نہیں ہو۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"میرا خیال ہے تم میرا مطلب بخوبی سمجھ رہی ہو۔"

''چلو ٹھیک ہے، اپنی اپنی سوچ، اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے۔ مان لیتی ہوں کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ اور ایک بار پھر تمہیں پیش کش کرتی ہوں کہ اگر تم میری ہدایات پر عمل کرو تو خوش رہو گے ورنہ عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔'' لڑکی نے مسکرا کر کہا۔

''تم نیچے سے نہیں آسکتیں۔''

''جی نہیں اتنی بے وقوف نہیں ہوں۔'' وہ گردن ہلا کر بولی۔

''اوپر سے گر تو نہیں پڑو گی۔۔۔۔؟''

''اتنی کمزور بھی نہیں ہوں۔'' لڑکی نے اسی انداز میں کہا۔

''تم آخر ہو کون؟''

''نام بتاؤں اپنا۔'' لڑکی نے کہا۔

''بتا دو۔ میں واقعی کسی آسیبی چکر میں پھنس گیا ہوں۔'' ظفری بولا۔

''ابھی کہاں پھنسے ہو، ابھی پھنسو گے۔ لیکن اگر میری بات مان لو تو یقین کرو بہت سی مصیبتوں سے بچ جاؤ گے۔''

''کیا بات مان لوں تمہاری۔۔۔۔؟''

''یہی کہ میرے شوہر بن جاؤ۔'' لڑکی بولی۔

''بی بی میں پہلے بھی آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ مجھے چڑیلوں اور جنگل پریوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور میری نگاہ میں ہر لڑکی میرا مطلب ہے کہ تم جیسی لڑکی کسی چڑیل سے کم نہیں ہوتی، ہر چند کہ تم مجھے عجیب و غریب حالات میں اور ایسی جگہ نظر آئی ہو لیکن یقین کرو نہ تو میں تم سے خوفزدہ ہوں اور نہ ہی پریشان۔ ہاں کچھ متعجب ضرور ہوں۔'' ظفری نے کہا۔

''وہ تو تمہاری آواز ہی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تم کتنے نڈر آدمی ہو۔'' لڑکی نے کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔ ظفری غصیلے انداز میں بولا۔

''ہاں ہاں مرچیں مت چباؤ، سنجیدگی سے سنو، تمہارا مستقبل خطرے میں ہے، جانتے

ہو تم کون سی جگہ ہو؟''

''جی ہاں جانتا ہوں'' ظفری بولا۔

''یہاں تم لاتعداد مصیبتوں میں پھنس سکتے ہو۔ میں جو کچھ تم سے کہوں اسے مان لو، ورنہ اپنے پریشان مستقبل کے لیے تیار ہو جاؤ۔''

''میں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ انسانوں کی طرح نیچے آ کر مجھ سے بات کرو۔ تمہارا اس حویلی سے کیا تعلق ہے۔۔۔۔؟ یہاں کیسے نازل ہو گئیں۔ اور۔۔۔۔''۔

''جی بندی کو سمن آرا کہتے ہیں۔ نواب ہدایت پور کی بیٹی ہوں اور بیگم جہاں آرا کی چہیتی نور نظر۔۔۔۔''

''کیا۔۔۔۔؟'' ظفری کا منہ شدت حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''یہ بات میں تم پر رعب ڈالنے کے لیے نہیں کہہ رہی بلکہ اس لیے کہہ رہی ہوں کہ تم سے میں ایک خاص مقصد حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ کیا خیال ہے دوست کیا تم نے کبھی کرائے کے شوہروں کے بارے میں کچھ سنا ہے۔۔۔۔؟''

''کرائے کا شوہر۔'' ظفری زیرلب بولا۔

''ہاں ہاں کرائے کا شوہر۔ چلو زندگی بھر کے لیے نہ سہی۔ کچھ ہفتوں کے لیے تم میرے شوہر بن جاؤ۔ اس میں کیا ہرج ہے۔ ذرا تجربہ بھی ہو جائے گا، بیوی کے ساتھ رہنے کا۔ اور پھر چند ہفتوں ہی کی تو بات ہے۔ میں تمہیں اس شوہریت کا باقاعدہ معاوضہ ادا کروں گی۔''

''کیا تم واقعی نواب ہدایت پور کی بیٹی ہو؟''

''اس کی تصدیق تو تمہیں ہو جائے گی۔ بشرطیکہ تم شرافت سے گفتگو کرنے پر آمادہ ہو۔''

''دیکھو لڑکی اگر تمہیں واقعی اتنے اختیارات حاصل ہیں اور تم چوروں کی طرح چھپ کر یہاں پہنچی ہو تو پھر نیچے آؤ۔ دروازہ کھولو۔ مجھ سے بات کرو۔ اگر کوئی ایسی صورت حال ہوئی کہ میں

تم سے تعاون کر سکا تو ضرور کروں گا۔"

"میری بات بھی سن لو ظفری صاحب۔ میں سب کچھ ہوں احمق نہیں ہوں۔ اگر میں تمہارے کمرے میں گھس گئی تو خود میری گردن پر مصیبتوں کے پہاڑ آ پڑیں گے۔ اور پھر جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ یہاں چاروں طرف سناٹا ہے۔ تمہارے کمرے کے اطراف میں کوئی موجود نہیں ہے۔ تم اطمینان سے بیٹھ کر گفتگو کرو بلکہ یوں کرو کہ اندر سے دروازہ بھی بند کر لو۔ اوّل تو کوئی تمہاری آواز سن نہیں سکے گا اور اگر کسی نے سن بھی لی تو سوچے گا کہ پاگل پن میں بڑبڑا رہے ہو۔ ہم اطمینان سے باتیں کریں گے۔ اگر تم میری شرائط ماننے پر آمادہ ہو جاؤ گے تو پھر تمہارے لیے آسانیاں ہی آسانیاں ہیں ورنہ اپنی تمام تر مشکلات کے ذمہ دار تم خود ہو۔"

ظفری گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے ذہن پر پے در پے ضربیں پڑ رہی تھیں۔ لڑکی ہدایت پور سے کافی فاصلے پر ملی تھی سڑک پر تنہا تھی۔ اس کے ساتھ یہاں تک آئی تھی اور اب کہہ رہی تھی کہ وہ نواب آف ہدایت پور کی بیٹی ہے۔ نجانے کیا مسئلہ ہے، کیا سلسلہ ہے۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ بہرصورت اس نے سوچا کہ حالات سے سمجھوتہ کرنا چاہیے۔ لڑکی کا مقصد تو معلوم ہو جائے۔ زبردستی کون کسی کا اپنا شوہر بنا سکتا ہے۔ اب جب پڑ ہی گئی تو نمٹنا ہی تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے انداز میں ذرا سی تبدیلی پیدا کی اور گہری سانس لے کر بولا۔

"تم بہت ستم ظریف لڑکی معلوم ہوتی ہو۔ اگر تم نواب ہدایت پور کی بیٹی ہو تو بہرصورت مجھے تمہارا احترام بھی کرنا پڑے گا۔ کہو کیا مقصد ہے تمہارا۔۔۔؟"

"دیکھو میں تمہیں بتا دوں، ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو میں نے ہی فون کیا تھا، بس ذرا سی آواز بدل لی تھی۔"

"کیا" ظفری پھر اچھل پڑا۔

"ہاں۔ اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ فون پر میری جو بات تمہارے ساتھی سعدی سے ہوئی تھی، میں اس پر مکمل طور پر اب بھی کاربند ہوں۔"

"تم سعدی کو بھی جانتی ہو۔۔۔؟"

"ہاں بھئی تمہارے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی میں نے یہ حرکت کی تھی۔"

"مگر کیوں۔۔۔؟"

"احمقوں کی طرح جلدی جلدی سوالات نہ کرو۔ ایک ایک بات کلیئر کرتے چلیں۔ اس کے بعد گفتگو کریں گے۔"

"جی جی فرمائیے۔" ظفری گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"دیکھو ظفری تمہارا معاوضہ پچیس ہزار روپے ہوتا ہے نا تم یقین کرو میں پانچ ہزار روپے زیادہ تمہیں ادا کر سکتی ہوں، بلکہ اگر تم تیار ہو جاؤ تو یہ ادائیگی اب سے تھوڑی دیر کے بعد ہی اس روشندان سے ہو سکتی ہے۔"

"خیر خیر آگے فرمائیے۔ وہ فون آپ نے کیوں کیا تھا؟"

"میں نے کہا نا تمہاری امداد حاصل کرنے کے لیے۔"

"اور اس کے بعد آ راستے میں آ کھڑی ہوئی تھیں۔"

"ہاں بھئی تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

"پھر آپ نے مجھے پہچان کیسے لیا تھا؟"

"نہیں پہچانا نہیں۔ بس ایک اندازہ تھا میرا۔ کتنا درست نکلا یہ تم خود سوچ سکتے ہو۔"

"اگر میرے علاوہ تمہیں کوئی اور شخص مل جاتا تو۔۔۔؟"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ میرا کیا بگاڑ لیتا، پستول تھا میرے پاس۔ اگر کوئی گڑبڑ شخصیت ہوتی تو وہیں اس کا حساب کتاب چکا دیتی۔ لیکن اتفاق سے تم ہی نظر آ گئے۔ ویسے تمہارے بارے میں میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔ میں نے تمہارا ایک خاکہ اپنے ذہن میں تیار کر لیا تھا۔"

"تعجب کی بات ہے بے حد ذہین لڑکی ہو۔"

"ہاں ذہین تو میں ہوں، لیکن کیا کروں، بس ایک مصیبت میں گرفتار ہو چکی ہوں۔ اس کے علاوہ کوئی اور ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی جس پر میں عمل کر رہی ہوں۔"

"کیا مصیبت ہے۔۔۔؟"

"یار ظفری دیکھو کوئی فراڈ کرنے کی کوشش مت کرنا اب سے کچھ وقت قبل لمحاتی ساتھی رہ چکے ہیں، لیکن اس بات کا امکان بھی ہے کہ اگر تم میری بھرپور مدد کرو تو میں تمہاری بہترین ساتھی بن سکتی ہوں۔ جہاں تک رہی شوہر وغیرہ کے مسئلے کی بات، تو شاید تم یقین نہ کرو، لیکن میں تمہیں بتادوں کہ میں شوہر نام کی کسی بھی شے سے نفرت کرتی ہوں، البتہ اس سلسلے میں مجھے اتنی ضرورت پیش آئی ہے کہ مجھے ایک کرائے کا شوہر درکار ہے۔"

"چلو تم نے اطمینان تو دلایا، لیکن یہ تمہیں کرائے کا شوہر کی ضرورت کیوں پیش آ گئی؟"

"تفصیلات بعد میں بتائی جائیں گی، البتہ بتا ضرور دوں گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

"بیگم جہاں آرا صاحبہ۔۔۔۔ میرا خیال ہے کل صبح تم سے ملاقات کریں گی۔ تم صرف ایک بات کہو گے ان سے۔"

"وہ کیا؟" ظفری نے پوچھا۔

"یہی کہ ڈیڑھ دو سال قبل میری تم سے شادی ہو چکی ہے۔"

"گویا بیگم جہاں آرا ہدایت پور صاحبہ کی صاحبزادی سے۔ ارے باپ رے۔"

"ہاں۔ ہماری ملاقات یونیورسٹی میں ہوئی تھی اور ہم ایک دوسرے سے اس قدر متاثر ہو گئے تھے کہ ہم نے خفیہ طور پر شادی کر لی۔ تم بیگم صاحبہ سے وعدہ کرو گے کہ یہ کاغذات میرا مطلب ہے شادی کے کاغذات تم انہیں مہیا کر دو گے۔ تم بالکل بے فکر رہو۔ وہ کتنی ہی صاحب اختیار کیوں نہ ہوں میں وہ کاغذات تمہیں مہیا کر کے دوں گی۔ بس تمہیں میری وجہ سے کچھ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ دوسروں کی مدد کرنے کا ارادہ ہے نا۔۔۔۔ میں

تمہیں تمہارے بھرپور معاوضے کے ساتھ اپنی مدد کرنے کی پیش کش کرتی ہوں۔ تم میرے لیے کام کرو۔"

"مگر اس طرح۔۔۔۔؟"

"ہاں ہاں یہ سب کچھ مجبوری تھی۔ جب میں تمہیں تفصیلات بتاؤں گی تو تم سب کچھ سمجھ لو گے۔ اس وقت تمہیں اتنا ہی کرنا ہے اور بڑی ثابت قدمی سے کرنا ہے کہ تم امی کو یہی بتاؤ کہ تم میرے شوہر ہو۔" لڑکی نے کہا۔

"یعنی ثمن آرا ہدایت پور کا۔۔۔۔"

"جی ہاں اتنی لمبی چوڑی بکواس کی ضرورت نہیں ہے میں صرف ثمن ہوں، البتہ دوسروں کے سامنے تم مجھے چھتیس القاب کے ساتھ یاد کر سکتے ہو۔"

"تعجب ہے، تعجب ہے۔" ظفری نے کہا۔

"تعجب کی بات نہیں، جب تم حقیقت سنو گے تو تمہیں خود ساری باتوں کا علم ہو جائے گا، لیکن اگر تم اس سلسلے میں ثابت قدم نہ رہے تو ظفری میں تمہاری دشمن بن جاؤں گی اور اس کے بعد جو کچھ ہوگا، اس کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

"مگر مجھے پوری تفصیل تو بتا دی جاتی۔" ظفری بولا۔

"میں نے کہا نا تم حالات سے نمٹو۔ میں تمہیں پوری تفصیل بتا دوں گی اور بالکل بے فکر رہنا میں تمہاری پشت پر ہوں۔ تمہاری بیوی کی حیثیت سے تمہاری ہر طرح سے امداد کروں گی۔ اور کوئی تمہیں اس وقت نقصان نہیں پہنچا سکے گا جب میں زندہ نہ ہوں گی۔"

"ہوں۔" ظفری نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ پھر بولا

"ٹھیک ہے میں تمہاری ہدایت پر عمل کروں گا۔"

"بہت بہت شکریہ ظفری، یقین کرو جو کچھ اب تک ہوتا رہا ہے اس میں ذرا سی بے اعتمادی شامل تھی۔ میں اگر تم سے براہ راست ملتی تو اس بات کے امکانات بھی تھے کہ تم لوگ تیار نہ

ہوتے۔ میں بس اسی قسم کی لڑکی ہوں۔ میری خواہش تھی کہ ہر طرح سے تم میری امداد پر آمادہ ہو جاؤ۔ اس کے لیے جو میں نے تم سے ذرا سی گڑبڑ کی ہے اس کے لیے میں تم سے بعد میں معافی مانگ لوں گی۔ اور معافی کے ساتھ معاوضے کی رقم دگنی بھی کر دو گے تو اس کی ادائیگی میرا فرض ہو گی۔ لیکن ڈیر ظفری، پلیز معاوضے کے لیے بھی اور انسانی ہمدردی کے طور پر بھی تم میری مدد کرو۔ یہ انتہائی ضروری ہے، تم اپنی تمام تر قوتیں اس بات پر صرف کر دو گے کہ بیگم جہاں آرا کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ تم میرے شوہر ہو۔ اس کے لیے تم جو جھوٹ چاہو، بول سکتے ہو۔ میں نے اس بات کا انکشاف تو کر دیا ہے لیکن کسی کو تفصیل نہیں بتائی۔ جو کچھ تفصیل تم بتاؤ گے وہی آخر تک رہے گی۔ باقی تم کسی مصیبت میں نہیں پھنس سکو گے، یہ میرا وعدہ ہے۔"

"ٹھیک ہے محترمہ میں تیار ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ ظفری، کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں اسی روشندان کے ذریعے پہنچا دوں۔"

"کھایا پیا کچھ نہیں ہے، ساڑھے پانچ چھ بجے چلا تھا گھر سے۔"

"اوہ اس کی تو تم فکر ہی نہ کرو۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد میں کھانا تم تک پہنچاتی ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" ظفری نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا۔ اور وہ ہنس پڑی۔

"اچھا ڈیر خدا حافظ۔۔۔۔" وہ آہستہ سے پیچھے کھسکی اور پھر روشندان سے غائب ہو گئی۔ لڑکی تھی یا چھلاوہ، چھت کافی بلند تھی کمبخت بندر کی نسل۔ نہ جانے اوپر کس طرح چڑھی ہو گی۔ پتہ نہیں کھانے کے سلسلے میں کیا کرے وعدہ تو کر کے گئی تھی۔ بھوک واقعی لگ رہی تھی اور خالی پیٹ کچھ سوچنا بے حد مشکل کام ہے۔

وہ بے چینی سے انتظار کرتا رہا۔ تقریباً پندرہ منٹ کے بعد روشدان پر دوبارہ آہٹ سنائی دی۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

"ظفری!"

"ہاں ہاں میں زندہ ہوں۔"

"بڑے نازک مزاج ہو یار۔ اتنی سی دیر میں زندگی موت کی باتیں کرنے لگے۔"

"کچھ کام بن سکا۔" ظفری نے پوچھا۔

"لو کیچ کرو۔" لڑکی نے ایک بنڈل اسے دکھایا اور ظفری جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"سنبھال کر پھینکنا۔ کیا ہے اس میں۔"

"جو کچھ بھی مل سکا شکم پوری کے لیے لے آئی۔ اگر پسند نہ آئے تو معاف کر دینا۔" سمن نے کہا اور ظفری نے بنڈل پکڑ لیا۔

"تم دروازہ کھول کر نہیں آ سکتیں۔"

"اوہ۔ اس طرف کا رخ کرنے میں بھی خطرہ ہے، سمجھا کرو۔ ایک راز کی بات ہے۔ اچھا میں چلی۔ کل سارے معاملات سے نمٹنے کے بعد ملاقات ہو گی! ہمت اور ہوشیاری سے سارے کام کرنا۔ میاں تمہارا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔"

لیکن ظفری اس کی بکواس سننے کے بجائے بنڈل کھولنے میں مصروف تھا۔ واقعی بہت کچھ تھا۔ پنیر، مکھن۔ ڈبل روٹی، کباب اور پانی کی ایک بوتل جو فرج سے نکال کر لائی گئی تھی۔

"او کے ظفری، خدا حافظ۔"

"دفعان ہو جاؤ۔" ظفری کباب منہ میں ٹھونستا ہوا بولا۔

"کیا کہا۔۔۔۔؟" اوپر سے آواز آئی۔

"خدا حافظ، خدا ہی حافظ۔۔۔" ظفری جلدی سے بولا اور اوپر سے آواز آنا بند ہو گئی۔

ذرا سی دیر میں معدہ پر ہو گیا۔ پانی پینے کے بعد ظفری ڈکاریں لینے لگا۔ اب اسے رات گزارنے کی فکر ہو گئی تھی۔ اس جگہ رات گزارنا بے حد مشکل کام تھا لیکن بہر صورت اگر پرانا وقت یاد کر لیا جاتا تو پھر کوئی مشکل کام نہیں۔ جب فٹ پاتھوں پر بسر ہوتی تھی اور کھلے آسمان کے نیچے صرف کھردرے فرش کا بستر ہوتا تھا۔ چنانچہ ظفری گھٹنے موڑ کر لیٹ گیا۔ اس کی نگاہ اب بھی

کھلے روشندان پر تھی۔ اور پھر وہ حالات پر غور کرنے لگا۔ لڑکی کی بکواس اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کرائے کا شوہر بنانا چاہتی تھی وہ اسے۔ کم بخت نے آواز بدل کر فون کیا تھا۔ اور اسے مصیبت میں پھنسا دیا۔ ظفری سوچتا رہا۔ پھر منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا بولا۔

"ٹھیک ہے من آرا ہدایت پور، میں تمہاری تمام ہدایات پر عمل کروں گا ایسا کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گی۔"

رات کو نجانے کون سے پہر اسے نیند آ گئی۔ بہر صورت پھر سورج چڑھے ہی آنکھ کھلی تھی۔ روشندان سے سورج کی ایک شعاع دیوار پر پڑ رہی تھی۔ اور سفید دھبہ پورے کمرے کو منور کیے ہوئے تھا۔ ظفری نے ایک انگڑائی لی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ گھڑی میں وقت دیکھا پونے دس بج رہے تھے۔ ٹھاٹھ کی نیند سویا تھا۔ دراصل انسان کو ہر چیز کا عادی ہونا چاہیے۔ یہ زمین اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی سوائے اس کے کہ کپڑے کچھ اور گندے ہو گئے تھے۔ لیکن ابھی تک کسی نے توجہ کیوں نہیں دی اس کی طرف اسی وقت دروازے پر آہٹ ہوئی اور وہ چونک کر دروازے کی سمت دیکھنے لگا۔ دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہو گئے۔ ان میں سے ایک ٹرے اٹھائے ہوئے تھا۔ پانی کا جگ دوسرے کے ہاتھ میں تھا۔

"منہ ہاتھ دھو لو اور ناشتہ کر لو۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"سنو۔" ظفری کرخت لہجے میں بولا۔ "کیا سمجھ کر گرفتار کیا ہے تم لوگوں نے مجھے۔ جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔۔۔؟"

"اجی بابو جی۔ ہم کیا جانیں ان فضول باتوں کو۔ ناشتہ کرنا ہے تو کرو، ورنہ ہم واپس لیے جاتے ہیں۔" ایک ملازم بولا۔

"ہوں۔ سرچڑھے معلوم ہوتے ہو۔ نوکر ہو نا۔"

"جی سرکار مگر آپ کے نہیں۔" ملازم نے جواب دیا۔ "اس لیے ذرا سوچ سمجھ کر بات کریں۔" ملازم خاصا اکھڑ معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے ظفری نے خاموش ہو جانا ہی مناسب سمجھا اور

بولا۔ "میں ناشتہ نہیں کرتا۔ جاؤ جس نے ناشتہ بھیجا ہے اسے بتا دو۔"

"جی بہت اچھا۔" ملازم نے جواب دیا اور وہ واپس پلٹ پڑا۔ ظفری کو افسوس ہوا تھا۔ اس کا تو خیال تھا کہ شاید ملازم ایک آدھ بار اور اس سے کہے گا۔ یوں بھی بہت زیادہ بھوک تو نہیں لگ رہی تھی لیکن ٹرے میں چائے موجود تھی اور چائے اس کی کمزوری تھی۔ ظفری خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ پھر جب ملازم کمرے سے باہر نکلنے لگے تو ظفری نے جلدی سے کہا۔

"سنو۔ ادھر آؤ۔ یہ ٹرے یہاں رکھ دو اور پانی کا جگ بھی۔" ظفری اس انداز میں بولا کہ ان دونوں ملازموں نے ہنستے ہوئے ٹرے نیچے رکھ دی۔ "اب جس نے بھی ناشتہ بھیجا ہے اس سے کہو کہ میں نے ناشتہ لے ضرور لیا ہے۔ لیکن کروں گا نہیں۔" ظفری نے کہا اور دونوں ملازم باہر نکل گئے۔

منہ ہاتھ دھونا ضروری نہیں تھا۔ دانت صاف کر کے اس نے چائے کی دو پیالیاں حلق میں انڈیلیں۔ ناشتہ وغیرہ اتنا ضروری نہیں تھا بس ایک آدھ بسکٹ لے لیا تھا۔

اس کے بعد اسے بارہ بجے تک انتظار کرنا پڑا۔ بارہ بجے چار آدمی اندر آئے تھے ان میں وہ بھی تھا جس نے رات کو اس کی گرفتاری کی نگرانی کی تھی۔

"سنو کیا عمر ہے تمہاری۔" اس نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"ایک سو اکیس سال چھ مہینے بارہ دن، سالگرہ منانی ہے میری۔" ظفری نے سوال کیا۔

"نہیں، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم ایک سو ساٹھ سال تک زندہ رہو اور ابھی اس کم عمری میں تمہیں موت نہ آ سکے۔"

"مونچھوں کا فرق ہے ورنہ تمہاری شکل بھی میری ماں سے ملتی جلتی ہے، ان کی بھی یہی خواہش تھی۔" ظفری بولا اور آنے والے کا ہاتھ بے اختیار ناک کے نیچے پہنچ گیا۔

"مگر میری مونچھیں کہاں ہیں۔" وہ بولا۔

"میری ماں کی تھیں" ظفری نے کہا اور اس کے ساتھ آنے والے بے اختیار ہنس

پڑے۔لیکن پھر اس شخص کی سخت نگاہوں کو دیکھ کر جلدی سے خاموش ہو گئے تھے۔"یہ تمام طراری دھری رہ جائے گی۔تمہیں بیگم صاحبہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔"

"میں غیر شادی شدہ ہوں۔"ظفری نے کہا۔

"بیگم ہدایت پور کی بات کر رہا ہوں میں۔"وہ دانت پیس کر بولا۔

"دوسروں کی بیگمات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"ظفری نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"میں تمہاری کھال کھینچ سکتا ہوں سمجھے۔بہت بااختیار ہوں میں۔زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش مت کرو۔

"اوہو ہو۔ہدایت پور میں قصائی کو بااختیار کہا جاتا ہے۔بہرحال مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔کہو کیسے نازل ہوئے۔"ظفری نے کہا اور قوی ہیکل شخص تلملا کر رہ گیا۔ظفری نے اس کی عزت دو کوڑی کی کر کے رکھ دی تھی اس کے نوکروں کے سامنے۔چند لمحات وہ ظفری کو گھورتا رہا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے،اپنے لیے قبر کھودو گے،میرا کیا ہے۔آخری بات کہہ رہا ہوں کہ بیگم صاحبہ کے سامنے بے لگام ہونے کی کوشش مت کرنا،ورنہ میں باز نہ رہ سکوں گا۔"

"چلو یار۔بکواس کرنے کے مریض معلوم ہوتے ہو تم۔کب چلنا ہے بیگم صاحبہ کے سامنے؟"

"آؤ۔"اس نے کہا اور ظفری گہری سانس لے کر ان لوگوں کے ساتھ چل پڑا۔دفعتاً اسے کچھ یاد آیا۔اور اس نے چونک کر کہا۔"ایک بات سنو بڑے بھائی۔میری موٹر سائیکل کھڑی تھی سامنے جھاڑیوں میں۔کیا وہ وہاں محفوظ ہے۔"

"تھانے سے مل جائے گی تمہیں۔"اس نے جواب دیا۔

"مل تو جائے گی نا،بس تمہارے گھر تک نہ پہنچنے پائے۔"ظفری نے کہا اور اس شخص کا چہرہ سرخ ہو گیا۔بہرحال اس نے خاموشی اختیار کی تھی اور پھر مختلف راہداریوں سے گزرتے

ہوئے وہ ایک عظیم الشان ہال نما کمرے میں داخل ہو گئے۔

کمرہ خوب روشن تھا۔ایک دیوار کے ساتھ ایک پہلوان نما آدمی ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔اس کی پتلون کی بیلٹ میں چمڑے کا ہنٹر لٹکا ہوا تھا۔کمرے کے وسط میں ایک خوبصورت میز پڑی تھی جس کے پیچھے بیگم جہاں آرا ہدایت پور بیٹھی ہوئی تھی۔سامنے سرخ رنگ کا فون رکھا ہوا تھا۔

اس عورت کو دیکھ کر ظفری کی ذہنی کیفیت میں تبدیلی پیدا ہوئی۔بہت ہی خوش شکل اور پروقار عورت تھی۔سنہری کمانی کے چشمے نے اس کی شخصیت اور پروقار بنا دی تھی۔اس کے خدوخال نرم تھے لیکن اس وقت ان میں کبیدگی گندھی ہوئی تھی۔دوسرے ملازم چلے گئے۔صرف وہ شخص رہ گیا جس سے ظفری الجھتا رہا تھا۔یا پھر وہ جلاد نما شخص تھا جو دیوار کے ساتھ لگا کھڑا تھا۔

بیگم ہدایت پور ظفری کو گھورتی رہیں۔ظفری بھی خاموش کھڑا تھا۔اس کے انداز میں لاپروائی تھی۔

"سلام کرو بیگم صاحبہ کو۔"اس شخص نے کہا۔

"پھر بولے تم خاموش نہیں رہ سکتے۔"ظفری نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ کھوکھلائی ہوئی نگاہوں سے بیگم ہدایت پور کو دیکھنے لگا۔

"نزدیک آؤ۔"بیگم ہدایت پور نے پہلی بار کہا۔اور ظفری آگے بڑھ کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔

"صورت سے کسی شریف خاندان کے بچے معلوم ہوتے ہو،لیکن کیا تمہارا طرزِ گفتگو اور انداز شریفانہ ہے۔"بیگم ہدایت پور نے کہا۔

"بیگم صاحبہ آپ نے مجھے انٹرویو کے لیے بلایا ہے۔"ظفری نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب ہوا اس بات کا۔۔۔؟"

"مطلب یہ ہے کہ کیا میرے ساتھ شریفانہ سلوک کیا گیا ہے جو مجھ سے شریفانہ گفتگو کی توقع رکھی جا رہی ہے۔"

”بے باک ہی نہیں گستاخ بھی معلوم ہوتے ہو۔“ بیگم صاحبہ نے کہا۔

”جی ہاں، ساری رات ننگے فرش پر سونے کے بعد آدمی گستاخ ہی نہیں، بدتمیز بھی ہو جاتا ہے، شاید آپ کو کبھی اس کا تجربہ نہ ہوا ہو۔“

”ہوں تو تمہارا کیا خیال تھا، ہم تمہیں کسی معزز مہمان کی طرح ریسیو کرتے۔ کیا تمہارے لیے کسی آرام دہ بستر کا بندوبست کیا جاتا۔ تم جو ہماری عزت کی طرف ہاتھ بڑھا رہے تھے۔ اس بات کے متوقع کیوں تھے کہ ہم تمہارے ساتھ کوئی بہتر سلوک کریں گے۔“ بیگم صاحبہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”بیگم صاحبہ بعض اوقات غلط فہمیاں انسان سے اس کی حسین شخصیت چھین لیتی ہیں۔ آپ یقین فرمایئے کہ اگر آپ بیگم ہدایت پور ہونے کی بجائے صدر مملکت بھی ہوتیں اور آپ کی شخصیت میں کوئی ایسی پرکشش بات نہ ہوتی تو میں آپ کی عزت نہ کرتا۔ لیکن آپ کے چہرے میں ایک انوکھی جاذبیت ہے ایک ماں کا سا خلوص چھپا ہوا ہے جو مجھے کہہ رہا ہے کہ میں اپنی زبان پر قابو رکھوں۔ چنانچہ جتنی گستاخی ہوئی اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ آپ نے جو الفاظ کہے ہیں۔ انہوں نے مجھے چونکا دیا ہے۔ اب ذرا یہ فرمایئے کہ میں نے کس طرح آپ کی عزت کی طرف ہاتھ بڑھایا ہے۔“ ظفری نے کہا۔ بیگم ہدایت پور کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے الجھن کے آثار نظر آئے، پھر انہوں نے سامنے رکھی میز کی دراز سے ایک لفافہ نکال لیا۔ کچھ دیر وہ اسے دیکھتی رہیں، پھر اسے ظفری کی جانب بڑھاتے ہوئے بولیں!

یہ تحریر تمہاری نہیں۔“ انہوں نے سوال کیا اور ظفری نے آگے بڑھ کر وہ پرچہ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔ بڑی خوبصورت رائٹنگ میں لکھا ہوا تھا!

”ڈیر یمن۔

رات کو آ رہا ہوں، ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے چوبرجی کے ویرانے میں ملاقات کرنا۔ بہت سے مسائل پر بات کرنی ہے اور کوئی نہ کوئی فیصلہ کر لینا ہے۔ حالات اب ناگزیر ہو گئے ہیں۔

تمہارا وہ۔۔۔۔“

ظفری نے خط پڑھ کر ایک گہری سانس لی اور مسکینی سی شکل بنا کر بولا۔

”یقین فرمایئے بیگم صاحبہ اساتذہ کو ہمیشہ یہ شکایت رہی کہ میری انگلش بہت عمدہ ہے اردو بہت اچھی ہے بس رائٹنگ خراب ہے۔ اگر ایسی حسین رائٹنگ میں لکھ لیتا تو نجانے کیا سے کیا ہو جاتا۔“

”گویا تم اس تحریر کو اپنی تسلیم نہیں کر رہے۔“

”جی ہاں، اس لیے کہ بدقسمتی سے یہ خط میرا نہیں ہے۔“ ظفری نے جواب دیا۔

”اس کے علاوہ یہ شخص اور کیا کہہ سکتا ہے بیگم صاحبہ۔“ وہی شخص بولا اور ظفری چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

”یہ شخص شاید ہر دوسرے منٹ بولتا ہے۔ آپ اسے خاموش رہنے کی ہدایت کریں اور میرے لیے کرسی منگوائیں۔“ ظفری بولا

”اوہ۔ تم سیکریٹری صاحب کی شان میں گستاخی کر رہے ہو۔“ بیگم صاحبہ نے کہا۔

”یہ آپ کے سیکرٹری ہیں۔“ ظفری نے کہا اور ہنس پڑا۔ سیکرٹری بری طرح تلملا دیا تھا۔

”آپ مجھے اجازت دیں بیگم صاحبہ، میں اس کی زبان کھلوالوں گا‘ ایک ایک لفظ اس کے منہ سے نکلوالوں گا۔ آپ کی نرمی اسے شیر کر رہی ہے۔ ظاہر آگے آؤ۔۔۔!“ سیکریٹری نے کہا اور ہنٹر والا شخص خونخوار نگاہوں سے ظفری کو گھورتا ہوا آگے بڑھ آیا تھا۔

”ارے یہ بھی چلتا ہے! آپ یقین کریں بیگم صاحبہ میں اسے اسٹیچو سمجھا تھا۔“ ظفری نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔ اور اس پہلوان نما شخص نے بیلٹ سے ہنٹر نکال لیا۔

بیگم ہدایت پور کے چہرے پر اضطراب کے آثار پیدا ہو گئے۔ اور ظفری کے ہونٹ بھنچ گئے۔ ”ہوں۔ تو یہ انتظام بھی کیا گیا ہے میرے لیے۔ ٹھیک ہے۔ بیگم صاحبہ۔ نوابی شان کے آخری

"جلدی کہو۔کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"یہ تحریر میری نہیں ہے' ممکن ہے خود ثمن کی ہو۔اور وہ خود ہی آپ پر اس راز کا انکشاف کرنا چاہتی ہوں۔"

"کون سے راز کا انکشاف۔" بیگم صاحبہ کی آواز پھنس رہی تھی۔

"یہ بیگم صاحبہ۔۔۔کہ خادم کو آپ کی فرزندی میں ہونے کا شرف حاصل ہے۔میں ثمن کا شوہر ہوں۔۔۔۔!" ظفری نے کہا۔اور بیگم جہاں آراء ہدایت پور کا چہرہ سفید پڑ گیا۔وہ کرسی کی پشت سے ٹک گئیں۔ان کی آنکھوں میں بے پایاں خوف امڈ آیا تھا۔طارق بھی ہونق ہو کر رہ گیا تھا۔

ماحول پر گہری خاموشی مسلط تھی لیکن بیگم ہدایت جہاں کے ذہن میں طوفان امنڈ رہے تھے۔ہوائیں چیخ رہی تھیں' انہیں محسوس ہو رہا تھا' جیسے زمینیں ہل رہی ہوں۔شدید زلزلے کی کیفیت ہو۔انہوں نے گرنے سے بچنے کے لیے مضبوطی سے کرسی کی ہتھیوں کو پکڑ لیا تھا۔

طارق کی کیفیت بھی کافی خراب تھی۔وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی بیگم ہدایت جہاں کو گھور رہا تھا اور کبھی ظفری کو۔

دیر تک یہی خاموشی مسلط رہی۔پھر طارق کی آنکھوں میں خون کی سرخی لہرانے لگی۔اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچ گئیں اور اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔"کچھ اور بھی سنیں گی بیگم صاحبہ' کچھ اور سننے کی سکت باقی ہے آپ میں؟"

بیگم صاحبہ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ان کی پلکیں جھکی پڑ رہی تھیں۔یوں لگتا تھا جیسے وہ بمشکل اپنے حواس پر قابو پا رہی ہوں' ورنہ ان کا ذہن ساتھ چھوڑے دے رہا تھا' وہ فرط غم سے چیخ پڑنا چاہتی تھیں لیکن اس خیال سے ضبط کیے ہوئے تھیں کہ ان کی چیخوں کی آواز باہر بھی جائے گی اور ان آوازوں کے ساتھ ہدایت پور کی آبرو مٹ جائے گی۔

"میری درخواست ہے بیگم صاحبہ کہ یہ سارا کھیل میرے سپرد کر دیں۔کیا آپ مجھ پر

داؤ بھی ضرور آزمائیں۔اس کے بعد ہی بات ہو سکے گی۔اور سن لیں اگر یہ ظاہر میرے ہاتھوں غائب ہو جائے تو میرا قصور نہ ہوگا۔" اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"طارق یہ تم نے کیا شروع کر دیا۔میرے سامنے جنگ ہوگی؟" بیگم ہدایت پور نے کہا۔اور پھر ہنٹر والے کی طرف رخ کر کے بولیں۔"ظاہر باہر جاؤ' جاؤ یہاں سے چلے جاؤ۔" اور ہنٹر والا ایک دم سست پڑ گیا۔پھر وہ ظفری کو گھورتا ہوا باہر کی طرف چل پڑا۔

"جاؤ دعائیں دو بیگم صاحبہ کو۔تمہاری جان بچالی' ورنہ ایسے غائب ہوتے کہ پھر نظر نہ آتے۔" ظفری نے کہا۔

"بیگم صاحبہ۔" سیکریٹری نے احتجاجی انداز میں کہا۔

"پرسکون رہو طارق۔یہ شخص بہت خودسر معلوم ہوتا ہے۔لیکن اس کا انجام بہتر نہ ہوگا۔" بیگم ہدایت پور نے کہا۔اور پھر بولیں۔

"تو یہ تحریر تمہاری نہیں ہے؟"

"جی نہیں' میں نے زندگی بھر کسی لڑکی کو کوئی خط نہیں لکھا۔" ظفری نے جواب دیا۔

"پھر تم رات کو چوبرجی میں کیوں آئے تھے۔۔۔؟"

"کیا یہ شخص قابل اعتماد ہے۔" ظفری سیکریٹری کی طرف اشارہ کر کے بولا۔

"طارق قابل احترام بھی ہیں جبکہ تم اس کے ساتھ کافی بدتمیزی کر رہے ہو۔"

"سوچ لیں بیگم صاحبہ۔" ظفری نے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔"

"جو انکشاف میں کروں گا' ممکن ہے سیکریٹری کے سامنے وہ آپ کے لیے قابل برداشت نہ ہو۔" ظفری بولا' اور بیگم صاحبہ کے بدن میں لرزش ہونے لگی۔

"کیا انکشاف۔۔۔؟" وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولیں۔

"اجازت ہے۔۔۔؟" ظفری نے کہا۔

اتنا اعتماد بھی نہیں کر سکتیں۔۔۔۔؟" طارق نے دوبارہ کہا' اس کا لہجہ بہت خوفناک تھا۔

"طارق۔۔۔۔طارق یہ کیا کہہ رہا ہے۔۔۔۔۔۔یہ کیا کہہ رہا ہے طارق آہ۔ کیا ایسا ممکن ہے۔" بیگم جہاں آراء نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اگر آپ اسی نرمی سے کام لیتی رہیں تو یہ اور بھی بہت کچھ کہے گا۔ سختی رہیں آپ سب کچھ۔" طارق بولا۔

"کیا بک رہا ہے تو' کیا بک رہا ہے' خدا کے لیے کہہ دے کہ تو نے جھوٹ بولا ہے۔ خدا کے لیے کہہ دے کہ تو جھوٹ بول رہا ہے۔" بیگم صاحبہ بھنچی بھنچی آواز میں بولیں۔ ظفری خاموشی سے ان کی شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "میں جھوٹ نہیں بول سکتا بیگم صاحبہ' یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔"

"حقیقت کے بچے میں تیرا خون پی جاؤں گا۔ میں۔۔۔۔۔" طارق دانت پیستا ہوا آگے بڑھا اور ظفری کے قریب پہنچ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔ پھر اس نے ظفری کے جبڑے پر گھونسہ مارنا چاہا لیکن ظفری نے اس کی کلائی پکڑ لی تھی۔ طارق اس سے کلائی چھڑانے کی کوشش کرنے لگا' لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ تب ظفری نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔ بیگم صاحبہ اس چابی کے ٹٹو کو روکیے۔ اگر اس نے میری شان میں مزید گستاخی کی تو وہ ہو جائے گا جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ آپ مجھے آپ کی بزرگی اور آپ کی شرافت سے کوئی دلچسپی نہیں رہے گی' اس نے زور سے طارق کو دھکا دیا اور طارق کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"طارق۔۔۔۔طارق یہ سب کچھ نہ کرو۔ میرے دل کی حرکت بند ہو جائے گی' خدا کے واسطے خود کو قابو میں رکھو۔ اور تم' تمہیں کیا مل رہا ہے ہمارے ساتھ یہ سلوک کر کے۔"

"میرے ساتھ' جو سلوک آپ لوگ کر رہے ہیں وہ جائز ہے۔" ظفری نے پوچھا۔

"مگر تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ۔۔۔۔۔"

"میں کہہ چکا ہوں وہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔"

"کب اور کہاں ہوئی یہ شادی؟"

"تقریباً ڈیڑھ سال قبل' اس وقت جب ہم دونوں یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔"

"اس کا کوئی ثبوت ہے تمہارے پاس؟"

"کتنی افسوسناک بات ہے بیگم صاحبہ' آپ نے میرے ساتھ یہ سلوک کر ڈالا۔ حالانکہ اس سے قبل آپ کو سمن سے بات کرنی چاہیئے تھی۔ لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر کسی کو نظر نہیں آتا۔ فون رکھا ہوا ہے آپ کے سامنے۔ بات کریں سمن سے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ کیا واقعی۔۔۔۔؟ طارق! سمن کے کمرے کا نمبر ڈائل کرو۔ جلدی کرو۔ طارق۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور طارق فون کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے فون پر نمبر ڈائل کیئے اور دوسری طرف کی آواز سننے کے لیے ریسیور کان سے لگا لیا۔ پھر دوسری طرف سے شاید سمن کی آواز سن کر ریسیور بیگم صاحبہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ بیگم صاحبہ کا ہاتھ کپکپا رہا تھا۔ انہوں نے بمشکل تمام بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "سمن۔۔۔۔"

"بول رہی ہوں امی جان۔"

"سمن کیا تو نے شادی کر لی ہے کیا یہ حقیقت ہے۔۔۔؟ سمن جلدی بول انتظار مت کرا مجھے۔"

"آپ کو' آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی امی۔۔۔۔؟"

"کیا یہ حقیقت ہے سمن۔۔۔۔؟ کیا یہ حقیقت ہے۔"

"ہاں امی یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے۔ کاش میں آپ کو اس سے قبل بتانے کی ہمت کر سکتی۔"

"کون ہے وہ۔۔۔ ایسا کیوں کیا تو نے۔ کیا حالات پیش آ گئے تھے۔"

"ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے امی۔ ظفری تو میری حقیقت سے واقف بھی نہ تھا۔ وہ مجھے درمیانہ درجے کی لڑکی سمجھتا تھا۔ ایک معمولی سے گھرانے کی لڑکی۔"

بیگم صاحبہ نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ اس سے زیادہ سننے کی سکت ان میں نہیں تھی۔

ان کی آنکھوں کے آگے تاریکی چھا رہی تھی۔ سر بری طرح چکرا رہا تھا۔

طارق آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھ رہا تھا۔ بیگم صاحبہ کی کیفیت سے اس نے شاید اندازہ لگا لیا تھا کہ صورت حال کیا ہے اور اس حقیقت کو جان کر اس کا چہرہ بھی اتر گیا تھا۔ اسے ایک خوفناک خیال ستانے لگا تھا۔ نہ جانے اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔ اس نے ہدایت پور کے داماد کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔

بیگم صاحبہ نے اس کی طرف دیکھا اور ٹھنڈی سانس بھر کر گردن ہلا دی۔ طارق کے منہ سے اور کوئی آواز نہیں نکل سکی تھی۔ بہر حال بیگم صاحبہ نے خود کو سنبھالا۔ ''کیا نام ہے تمہارا۔۔۔؟''

''ظفری۔''

''مجھے افسوس ہے ظفری' تمہارے ساتھ برا سلوک ہوا ہے۔ لیکن جو کچھ ہو چکا ہے' قائم نہیں رہ سکتا۔ میں خودکشی کر لوں گی۔ سمن کو گولی ماردی جائے گی۔ اس حویلی کو آگ لگا دی جائے گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے ظفری۔ مجھے شدید احساس ہے کہ یہاں تمہارے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ تم کسی حد تک بے قصور ہو۔ سمن نے بتایا ہے کہ تم اس کی اصل حیثیت سے ناواقف تھے۔''

''قطعی۔'' ظفری جلدی سے بولا۔

''لیکن اس کے بعد تو تمہیں حقیقت معلوم ہو گئی تھی۔''

''ہاں صرف چند روز قبل۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''افسوس ہم تباہ ہو گئے۔ تم کوئی بھی ہو۔ لیکن یہ رشتہ قائم نہ رہ سکے گا۔ اس کے سوا اور کوئی ترکیب نہیں ہے کہ ہم خودکشی کر لیں۔''

''ترکیب ہے بیگم صاحبہ' لیکن اس کے لیے ایک شرط بھی ہے۔''

''ترکیب۔۔۔؟ شرط۔۔۔؟ کیا شرط ہے؟''

''اس چڑچڑی کے غلام کو باہر نکال دیں۔ میں اس کی موجودگی میں کوئی بات کرنے کو تیار نہیں ہوں۔'' اس سے قبل کہ بیگم صاحبہ طارق سے کچھ کہتیں' طارق خود ہی باہر نکل گیا۔

''سمجھدار آدمی ہے۔ بہر حال ترکیب ہو سکتی ہے بیگم صاحبہ میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میرے دل میں خود بخود آپ کے لیے احترام پیدا ہو گیا ہے۔ میں آپ کے اس ذہنی کرب کو بھی نہیں دیکھ سکتا۔''

''تو اب کیا ترکیب ہو سکتی ہے؟'' بیگم صاحبہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولیں۔

''ہماری شادی نہیں ہوئی ہے۔'' ظفری نے کہا۔ بیگم صاحبہ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھتی رہیں۔ ''سمن نے یہ فراڈ کیا ہے میرے ساتھ بھی اور آپ کے ساتھ بھی۔''

''کیا کہہ رہے ہو۔۔۔؟''

''اب جو کچھ گفتگو ہو رہی ہے بیگم صاحبہ وہ میرے اور آپ کے درمیان ہے اور آپ آنکھیں بند کر اس پر یقین کرتی چلی جائیں آپ نے کسی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں سنا ہے۔۔۔؟''

''نہیں۔'' بیگم صاحبہ نے گردن ہلائی۔

''اس کا اشتہار اکثر اخباروں میں آتا رہتا ہے۔ یہ لوگوں کی مدد کرنے کا ارادہ ہے۔ ایسے کام جو قانون کے خلاف نہ ہوں لیکن جن میں قانون کی مدد نہ لی جا سکتی ہو۔ ہو لوگ معاوضہ لے کر ایسے افراد کی مدد کرتے ہیں۔ سمجھ رہی ہیں آپ؟'' ظفری نے کہا اور بیگم ہدایت پور نے گردن ہلا دی۔

''محترمہ سمن آراء ہدایت پور نے ادارے کو ٹیلی فون کر کے مجھ سے کاروباری گفتگو کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور ملاقات کے لیے ایک جگہ منتخب کر لی۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں سے آپ کے لوگوں نے مجھے گرفتار کیا۔ میں وہاں اپنی کلائنٹ کا انتظار کر رہا تھا۔ لیکن سمن آراء صاحبہ نے ڈبل چال چلنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ایک ایسا خط بھی آپ لوگوں تک پہنچایا جس سے میری پوزیشن

بھی خطرے میں پڑ گئی۔ بہر حال مجھے گرفتار کر کے قید کر لیا گیا۔ میرے قید خانے کی ایک دیوار میں ایک روشندان موجود ہے۔ اس روشندان سے سمن صاحبہ نے مجھ سے ملاقات کی اور معذرت کرتے ہوئے مجھے اپنی پریشانی بتائی۔

سمن صاحبہ نے میرے ساتھ یہ فراڈ کرنے کے بعد بھی مجھ سے تعاون کی درخواست کی اور کہا کہ میں ان کے لیے کرائے کا شوہر بن جاؤں۔۔ میں بھوکا تھا بیگم صاحبہ۔ انہوں نے میرے لیے کھانے کا بندوبست کیا جس کا ثبوت آپ کو وہاں مل جائے گا۔ میں نے ان سے وعدہ کر لیا۔ لیکن بہر حال میری اپنی ایک شخصیت ہے۔ مجھے ایک رات جس بیجا میں رکھا گیا۔ دھمکیاں دی گئیں جو سلوک میرے ساتھ کیا گیا آپ کے سامنے ہے۔ مجھے بتایئے اس کے جواب میں' میں کیا کروں؟"

بیگم صاحبہ پر سکتے کی کیفیت طاری تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ظفری کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے کی رونق واپس لوٹ آئی تھی۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ظفری کے پاس پہنچ گئیں۔ "مجھ سے یہ سوال کیوں کر رہے ہو کہ اس کے جواب میں تمہیں کیا کرنا چاہیے۔"

"صرف اس لیے کہ میں آپ کی کیفیت سے متاثر ہوں۔ آپ کی شخصیت کا احترام کرتا ہوں۔"

"تو' تم ہمیں معاف کر دو' جو کچھ ہوا ہے اس کے لیے معاف کر دو۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ' معاف کیا۔" ظفری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور بیگم صاحبہ نے فرط جذبات سے اس کے دونوں شانے پکڑ لیے اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ ظفری سے لپٹ گئیں۔ "تم نے مجھے نئی زندگی دے دی ہے ظفری' خدا کی قسم میں مر جاتی مگر اس رسوائی اور بدنامی کو برداشت نہ کر پاتی جو اس واقعہ سے ہوتی۔ نواب ہدایت پور کی موت کے بعد میں بڑا پھونک پھونک کر قدم اٹھاتی رہی ہوں۔ خاندان کے لوگ اور وہ جو کسی سے للٰہی بغض رکھتے ہیں

ہمیشہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی بہانہ تلاش کریں۔ بدنام کرنے کا۔ اس سے عمدہ بات انہیں اور کوئی نہ مل سکتی تھی۔"

"مجھے خوشی ہے بیگم صاحبہ کہ میں آپ کے کسی کام آسکا۔"

"بیگم صاحبہ نہ کہو مجھے چچی جان کہو ظفری۔ تمہاری شرافت اور سچائی ہے کہ تم نے مجھے حقیقت بتا کر میری زندگی بچالی۔ کوئی اور ہوتا تو میری اس بے بسی سے فائدہ اٹھا سکتا تھا۔ تمہاری رگوں میں کوئی شریف خون معلوم ہوتا ہے۔ مجھے یہ عزت دو گے ظفری۔۔۔؟"

"جو حکم چچی جان۔" ظفری نے کہا۔

تھوڑی دیر تک رسمی اور جذباتی باتیں ہوتی رہیں بیگم صاحبہ نے اس کے خاندان کے بارے میں پوچھا۔

"خاندان میں ایک دوست' ایک سہیلی' ایک بزرگ اور ایک بزرگ خاتون ہیں۔ بس یہی خاندان ہے اور ہم سب لوگ ساتھ رہتے ہیں۔ میں' میرا دوست سعدی اور وہ لڑکی جس کو میں نے اپنی سہیلی بتایا ہے' شکیلہ۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے رکن ہیں۔ اضطراب احمد مضطرب صاحب ہمارے بہترین نگران ہیں۔ میرا مطلب ہے باقی کاروبار وہ سنبھالتے ہیں۔ بس یہی کنبہ ہے جسے آپ کوئی بھی نام دے لیں۔" ظفری نے کہا۔

"اور والدین۔۔۔؟"

"نہیں' ان سے بچپن ہی سے محروم ہوں۔"

"اوہ۔" بیگم ہدایت پور نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔ "ظفری ایک بات اور کہوں اگر برا نہ مانو تو۔۔۔؟"

"جی جی فرمایئے۔ اب تکلفات ہمارے درمیان نہیں رہے۔" ظفری نے جواب دیا۔

"تم نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا جو تعارف مجھ سے کرایا ہے تو میں بھی تمہارے اس

ادارے سے کوئی کام لینا چاہتی ہوں۔"

"جی! لیکن اب مسئلہ ادارے کا نہیں بلکہ چچی جان کا ہے۔" فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔"

"میں تمہیں بہت کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ یہ بتاؤ ناشتہ کیا تھا۔"

"جی ہاں کیا تھا' وہ تو ملازم واپس لا رہا تھا لیکن پھر میں نے سوچا کہ ناشتے کے بغیر بھی زندگی کوئی زندگی ہے۔" ظفری نے جواب دیا اور بیگم صاحبہ مسکرانے لگیں۔

"تب پھر کھانے کا انتظام کراتی ہوں۔ تمہارے لیے' کھانے کی میز پر ہی بات چیت ہوگی۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور ظفری نے شانے ہلا دیے۔

کھانے کی میز پر بیگم صاحبہ اور ظفری کے سوا کوئی نہیں تھا۔ طارق نے بیگم صاحبہ اور ظفری کے درمیان یہ صورتحال دیکھ کر شدید حیرت کا اظہار کیا تھا لیکن وہ زیادہ الفاظ نہیں کہہ سکا تھا بیگم صاحبہ نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا تھا۔ "اپنا ہی بچہ ہے' بعد میں تمہیں ساری تفصیلات بتا دوں گی۔"

بہر صورت کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بیگم صاحبہ نے اسے اپنے کمرے میں مدعو کرلیا اور پھر ان کی خوابگاہ کا دروازہ بند ہوگیا۔

"ظفری صورتحال بڑی عجیب ہے۔ دراصل یہ سارا مسئلہ سمن آراء کی ضد سے تعلق رکھتا ہے۔ نواب جلال الدین میرے بہت قریبی عزیزوں میں سے ہیں۔ نواب صاحب کی زندگی میں ہی سمن کا رشتہ نواب جلال الدین کے بیٹے نواب جمال الدین سے طے ہوگیا تھا۔ جلال الدین صاحب اس ملک سے چلے گئے لیکن انہوں نے اس بات کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھا۔ بڑی روایتیں ہیں ہماری ظفری۔ اب تو چاہو انہیں کچھ ہی کہہ لو۔ جہاں تک ممکن ہوسکتا ہے میں ان سے معلومات حاصل کرلو۔ نوابی ختم ہوگئی ہے۔ بہت سے معاملات الجھ گئے ہیں۔ لیکن میں اپنی ذاتی کوششوں سے حتی الامکان ان کو سلجھانے کی کوشش کرتی رہتی ہوں۔ میں اپنی زندگی میں اس

خاندان کی کوئی بدنامی نہیں چاہتی میرے بچے۔ بس اسی کے لیے کوشاں رہی ہوں۔ سمن خودسر ہے اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے' جدید نسل ساری کی ساری ہی خودسر ہے۔ وہ ان فرسودہ روایات کو تسلیم کرنے کی حامی نہیں ہے' جو ہم لوگوں کے زمانے میں تھیں۔ حالانکہ ہمارے خاندان میں شادیاں والدین کی مرضی سے طے ہوجایا کرتی تھیں۔ اور یہ تصور بھی نہیں ہوتا تھا کہ ان کی کوئی مخالفت ہوسکتی ہے۔ لیکن جب نواب جلال الدین صاحب نے اس رشتے کو استوار کرنے کے لیے اطلاع بھجوائی اور میں نے سمن سے رسمی طور گفتگو کی تو وہ مجھ سے اکھڑ گئی۔ اس نے کھل کر کہہ دیا کہ اگر جلال الدین صاحب اس حیثیت سے یہاں آئے تو وہ ان کی بے عزتی کر کے گھر سے نکال دے گی۔ میں نے تمام تر کوششیں کر کے دیکھ لیں' لیکن سمن کو راضی کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔ میں سولی پر لٹکی ہوئی ہوں ظفری۔ یقین کرو یہ احساس ہوتا ہے کہ اگر سمن نے کھل کر یہ کہہ دیا کہ میں جمال الدین سے شادی نہیں کروں گی تو اس خاندان کی کیا کیفیت ہوگی۔ ہماری ان روایات کا جنازہ نکل جائے گا۔ میں شدید ذہنی ہیجان کا شکار ہوں ظفری۔ نواب جلال الدین صاحب بس پہنچنے ہی والے ہیں اور وہ شہر کے ایک عمدہ ہوٹل نور محل میں قیام کریں گے جہاں ان کے لیے مناسب بندوبست ہو چکا ہے۔ یعنی وہی روایات کا معاملہ۔ یعنی بیٹے کی شادی کی بات پکی کرنے آرہے ہیں۔ بلکہ شادی کرنے آرہے ہیں اس لیے ہمارے ہاں قیام نہیں کریں گے۔ بہر صورت اس کے لیے میں نے انہیں مجبور نہیں کیا۔ اگر میں چاہتی تو انہیں مجبور کرسکتی تھی' لیکن سمن کی حرکات سے میں بے حد خوفزدہ تھی۔ یہ ساری باتیں ہیں اور اس کے بعد اس کم بخت نے جو جال پھیلایا وہ تمہارے سامنے ہے۔ اب تم ہی بتاؤ اگر تم کوئی شریف انسان نہ ہوتے تو نجانے کیا ہوتا۔ تو برخوردار ظفری یہ میری الجھن ہے' مجھے اس سلسلے میں کوئی مشورہ دو' مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔"

ظفری پر خیال انداز میں گردن ہلاتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"اگر سمن صاحبہ رشتہ نہیں کرنا چاہتیں۔ بیگم صاحبہ تو پھر آپ انہیں کیسے مجبور کریں گی' وہ یقیناً کوئی ایسا قدم اٹھائیں گی جو آپ کے لیے خطرناک ہوگا۔"

"مجھے احساس ہے' شدید احساس ہے اس بات کا' لیکن میں اپنی زبان سے نواب جلال الدین کو اس کے لیے منع نہیں کر سکتی ناممکن ہے ظفری۔ اگر میں نے انہیں انکار کر دیا تو نواب جلال الدین بہت سخت طبیعت کے مالک ہیں' وہ قیامت ڈھا کر رکھ دیں گے۔ دو کوڑی کی عزت ہو جائے گی میری۔ نجانے کیا ہوگا' میں تو اس تصور سے ہی لرز رہی ہوں۔"

"ہوں' اچھا اور اگر خود نواب جلال الدین اس رشتے سے انکار کر دیں تو۔۔۔۔" ظفری نے داہنا گال کھجاتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔۔۔؟"

"مطلب یہ کہ نواب جلال الدین کو اس بات کے لیے مجبور کر دیا جائے کہ وہ آپ سے معذرت کر لیں۔" ظفری نے کہا اور بیگم صاحبہ متحیرانہ انداز میں اسے دیکھتی رہ گئیں۔ پھر ان کی آنکھوں میں زندگی کی چمک لوٹ آئی اور انہوں نے پرجوش انداز میں کہا۔

"آہ۔ آہ کاش کسی طرح اگر ایسا ہو سکے۔ ایسا ہو سکے تو یقین کرو مجھے زندگی کی سب سے بڑی نعمت مل جائے گی۔ سمن مجھے بہت عزیز ہے۔ کیسی ہی سہی' لیکن وہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ تم یقین کرو میں خود بھی اسی کش مکش کا شکار تھی۔ میں جانتی ہوں زمانہ بہت بدل چکا ہے۔ فرسودہ روایات نئی نسل کے لیے ناقابل قبول ہیں لیکن میں بھی اسی قدر مجبور تھی ظفری۔ یقین کرو اگر ایسا ہو جائے تو میں۔۔۔ تو میں دوبارہ زندگی پا جاؤں۔"

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ آپ کی مدد کرے گا لیکن ابھی اور اسی وقت آپ ان سارے معاملات کو میری تحویل میں دے دیں اور جس طرح میں کہوں اسی طرح ہوتا رہے۔"

"یقیناً۔ ایسا ہی ہوگا۔ تم یہ سمجھو کہ ساری ذمہ داری اب تمہارے شانوں پر ہے۔ ظفری۔ کسی بھی سلسلے میں کوئی فکر مت کرنا تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے طلب کر لو۔ میں حاضر ہوں تمہارے لیے لیکن خدا کے واسطے اس مسئلے کو حل کرا دو۔ میں ساری زندگی تمہاری احسان

مند رہوں گی۔"

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ' آپ کا کیس ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے پاس پہنچ چکا ہے' اب آپ بے فکر رہیں۔ سمن آرا ہدایت پور آپکی صاحبزادی ہیں۔ میرے لیے بھی قابل احترام ہیں۔ لیکن اس وقت جو باتیں ہم کر رہے ہیں۔ وہ کاروباری حیثیت رکھتی ہیں۔ سمن آراء کی خود سر فطرت کو دیکھتے ہوئے ان پر قطعی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ یقیناً کوئی ایسا قدم اٹھا بیٹھیں گی جو ہمارے لیے تکلیف دہ بلکہ نقصان دہ ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے جو پروگرام بنایا ہے آپ سب لوگوں کو یہی ظاہر کرنا ہوگا کہ آپ نے ان کی باتوں پر یقین کر لیا ہے۔ اس کے لیے بیگم صاحبہ باقاعدہ اداکاری کرنا ہوگی۔ یعنی آپ اس رنج و غم کا اظہار کریں گی جو آپ کو اس موقع پر ہونا چاہیے تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ انہیں سرزنش نہیں کریں گی یا ایسی کوئی بات نہیں کہیں گی کہ آپ اس رشتے کو توڑنے کا رادہ رکھتی ہیں۔ یعنی سمن آراء ہدایت پور کو اس بات کا یقین دلایا جائے گا کہ وہ جو کچھ کر چکی ہیں' آپ نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اور اب مجبوریاں آپ کی دشمن بن گئی ہیں۔ ان مجبوریوں کا کوئی حل آپ میرے اور سمن آراء کے سامنے دریافت کریں گی۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ اپنے سیکریٹری طارق کو بھی اس بات سے آگاہ نہ کریں اور جس طرح معاملات گول مول چل رہے ہیں اسی طرح چلنے دیں۔ میں اور میرا ادارہ آپ کو یقین دلاتا ہے کہ آپ کو اس مشکل سے نکال لے گا۔

پروگرام کے مطابق ٹیلی فون پر بیگم ہدایت پور نے سمن کو ہدایت کی کہ وہ ان کے کمرے میں پہنچ جائے اور ظفری اور بیگم ہدایت پور اس کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔

سمن کے انداز میں جھجک ضرور تھی لیکن پھر بھی وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔ نگاہیں نیچی کیے ہوئے وہ کمرے میں پہنچ گئی بیگم ہدایت پور نے اپنے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا کر لیے تھے' اور ظفری ان کی اس کیفیت سے مطمئن تھا۔ ان تاثرات میں غم و غصہ اور پریشانی کی جھلکیاں نمایاں تھیں۔

"بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور سمن بیٹھ گئی۔

”کھانا کھا چکی ہو تم؟“ انہوں نے سوال کیا۔

”جی۔“ سمن نے آہستہ سے کہا۔

”سمن جو کچھ تم نے کیا ہے کیا تم اور تمہارا ضمیر اس سے مطمئن ہے۔۔۔؟“

”جہاں تک آپ ضمیر کی بات کرتی ہیں امی جان تو میں انتہائی معذرت کے ساتھ عرض کرتی ہوں کہ ہاں میرا ضمیر مطمئن ہے۔ میں ان فرسودہ روایات کے طلسم کو توڑ دینا چاہتی ہوں جس نے نجانے کتنی زندگیاں برباد کر دی ہیں اور جو صدیوں سے بے زبان انسانوں کے ساتھ برا سلوک کرتا رہا ہے۔ جہاں تک آپ کی خاندانی روایات کا تعلق ہے میں انہیں مانتی ہوں۔ وہ صرف آپ کی نہیں میری بھی خاندانی روایات ہیں' لیکن اگر یہ روایات کسی کی زندگی کی گاہک بن جائیں تو میرے خیال میں انہیں جاری رکھنا مناسب نہیں ہے۔“

”کیوں کیا تم اپنے والدین کے فیصلے سے انحراف کرتی ہو؟“

”جی' کم از کم اس حد تک' جو کھیل آپ نے میرے بچپن میں رچایا تھا۔ کیا میں اس سے واقف تھی؟ کیا آپ دعوے سے یہ کہہ سکتی ہیں کہ نواب جلال الدین صاحب میری زندگی میں داخل ہونے کے بعد میرے لیے ایک اچھے شوہر ثابت ہو سکیں گے۔ کیا آپ مجھے اس بات کا یقین دلاتی ہیں امی جان کہ ان کا مزاج اور میرا مزاج یکساں ہوگا۔۔۔ اگر نہیں تو آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ پوری زندگی کے لیے مجھے جہنم میں جھونک دیں۔ جہاں تک بات رہی ظفری کی' یہ ایک اچھے خاندان کے شریف نوجوان ہیں۔ ہر چند کہ مالی حیثیت سے یہ ہمارے مقابل نہیں۔ ان کا تعلق کسی نوابی خاندان سے نہیں ہے لیکن آپ یقین کریں کہ ان کے ساتھ میں ایک انتہائی پرسکون زندگی گزار سکتی ہوں۔“

بیگم صاحبہ کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ سمن اس قدر بولڈ ہو کر گفتگو کرے گی یہ بات ان کے تصور میں بھی نہیں تھی۔ جو کچھ وہ کہہ رہی تھی اس کی حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جس انداز میں کہہ رہی تھی وہ بیگم صاحبہ کے لیے انتہائی خطرناک تھا۔ اگر

صورت حال واقعی وہ ہوتی جو اس نے ظاہر کی ہے تو کیا ہوتا۔ کیا بیگم صاحبہ اس کے خیالات کو بدل سکتی تھیں۔۔۔؟ ظفری خود بھی سمن کے اس انداز گفتگو سے متاثر نظر آ رہا تھا۔

کافی دیر تک خاموشی رہی پھر بیگم صاحبہ نے نڈھال سے انداز میں کہا۔ ”مگر اب کیا ہوگا سمن۔۔۔؟“

”میں کیا عرض کر سکتی ہوں امی جان۔ میں نے ایک سچائی آپ کے سامنے پیش کر دی اس کے بعد کے فیصلے کرنا آپ کا کام ہے۔“

”اگر ہم نے نواب جلال الدین کو منع کیا تو ہماری خاندانی کیفیت کیا ہوگی۔“

”بس یہی کہ لوگ ہم پر انگشت اٹھائیں گے' لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے۔ آپ مجھے یہ بتایئے۔۔۔؟“

”سمن جو کچھ تم کر چکی ہو اس سے میرے ہاتھ کٹ چکے ہیں۔۔۔ میں اب کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ میں اب ظفری کو بھی برا نہیں کہوں گی کیونکہ تم نے مجھے یہ بات بتائی ہے کہ اسے تمہاری اصل حیثیت کا علم نہیں تھا لیکن اب بتاؤ کہ فی الوقت کیا کیا جائے۔ خاندان کی کچھ ذمہ داریاں تمہارے اوپر بھی ہیں۔ میرے ساتھ تعاون تو کرو۔ کوئی ایسا حل تو سوچو جن سے میں ان مشکلات سے نکل سکوں۔“

”دیکھیں امی جو کچھ میں کر چکی ہوں وہ میری مجبوری تھی لیکن اگر ایسی بات ہے اور آپ میرے ساتھ تعاون کے لیے تیار ہیں تو مجھے جو حکم دیں میں اس کی بجا آوری اپنا فرض سمجھوں گی۔ مجھے میری اس حماقت کے لیے آپ مجھے معاف کر دیں اس کے بعد جو ذمہ داری میرے سپرد کی جائے گی میں دل و جان سے اسے پورا کروں گی۔۔۔“

”ہوں' میں کچھ سوچ کر تمہیں بتاؤں گی لیکن فی الوقت تم اس بات کو اپنے سینے میں رکھو گی اور کسی سے اس کا اظہار نہیں کرو گی۔ ظفری سے تمہاری زیادہ ملاقاتیں بھی نہیں ہونی چاہئیں۔ کسی کو شک نہ ہونے پائے۔ ہم کوئی بہتر حل سوچ کر اس پر عمل درآمد کریں گے۔ لیکن اس وقت

تک تم ہم سے مکمل تعاون کرو گی۔"

"دل و جان سے امی جان' بس اب صورت حال آپ کے علم میں آ چکی ہے۔ اس کے بعد مزید کچھ کہنا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے تم جا سکتی ہو۔" بیگم صاحبہ نے کہا' اور سمن خاموشی سے گردن جھکا کر دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے ایک بار پلٹ کر ظفری کو دیکھا اور آنکھ ماردی۔ ظفری اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ دیکھ رہا تھا۔ جو بیگم صاحبہ نے نہیں دیکھی تھی۔

بیگم صاحبہ کافی دیر تک خاموش بیٹھی رہیں۔ پھر گہری سانس لے کر بولیں۔ "خدا کی پناہ' اگر یہ سب کچھ حقیقت ہوتی تو کیا ہوتا۔ میں ان حالات میں کیا کرتی۔"

"یہ سوچ کر اپنے ذہن کو پریشان نہ کریں۔ جو ہونے والا تھا وہ نہیں ہوا' آپ محفوظ ہیں۔"

"تم اس سلسلے میں جو قدم چاہو اٹھا سکتے ہو۔ میں صرف تمہارے احکامات کی تعمیل کروں گی۔"

"میں آخری دفعہ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اب یہ معاملہ آپ کا نہیں میرا ہے۔ میری موٹر سائیکل کے لیے ہدایت فرما دیں۔" اور بیگم صاحبہ نے طارق کو طلب کر لیا۔ طارق کو انہوں نے ہدایات دیں اور ان کے نرم لہجے کو محسوس کر کے' طارق بھی میرے سامنے مؤدب ہو گیا۔ نہ جانے اس کی ذہنی کیفیت کیا تھی۔

تقریباً چار بجے واپسی ہوئی تھی۔ موٹر سائیکل کی باقاعدہ صفائی کر دی گئی تھی۔ پٹرول بتانے والی سوئی اعلان کر رہی تھی کہ موٹر سائیکل کی ٹنکی بھی بھر دی گئی ہے۔ اور یہ کام طارق کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔

ویسے یہ شخص بھی ظفری کو پسند آیا تھا۔ بے حد وفادار انسان تھا اور یقینی طور پر ہدایت پور

کے معاملات سے گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ بہر حال اس سلسلے میں ظفری کو کچھ نئے تجربات ہوئے تھے۔ بات کبھی کبھی ایسے رخ بھی اختیار کر جاتی ہے۔ دلچسپ واقعات تھے۔ ظفری نے آئندہ کارکردگی کے لیے ایک خاکہ تیار کر لیا تھا۔ لیکن ابھی سعدی اور شکیلہ سے بھی مشورہ کرنا تھا۔ ان بے چاروں کو تو صورت حال معلوم بھی نہیں تھی۔

ہدایت پور سے تقریباً چار میل پہنچا تھا کہ ایک دو شاخے سے نیلے رنگ کی لمبی کار اچانک نکلی اور اس کے ساتھ ساتھ اچانک دوڑنے لگی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر سمن آراء ہدایت پور بیٹھی ہوئی تھی اور اسے رکنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

لڑکی واقعی زبردست تھی۔ ظفری نے موٹر سائیکل سڑک کے کنارے کر کے روک دی۔ اس کے پیچھے ہی سمن کی کار بھی آ رکی تھی۔

"ہیلو ظفری' آ گے جاؤ۔" اس نے نہایت بے تکلفی سے کہا اور ظفری موٹر سائیکل سے اتر کر اس کی طرف بڑھ گیا۔ سمن نے ڈرائیونگ سیٹ کے نزدیک کا دروازہ کھول دیا تھا۔ ظفری اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

"سارے معاملات بخیر و خوبی طے ہو گئے" سمن گہری سانس لے کر بولی۔

"بخیر و خوبی۔۔۔؟" ظفری نے طنزیہ انداز میں کہا اور وہ ہنس پڑی۔ چند لمحات شرارت آمیز انداز میں ہنستی رہی پھر بولی۔

"جو کچھ ہوا ہے ظفری میں اس کے لیے شرمندہ ہوں۔ لیکن تمہیں تو اپنی زندگی میں اکثر ایسے ایڈونچر پیش آتے ہوں گے تمہارے لیے یہ کونسی بڑی بات ہے۔"

"جی نہیں۔ شوہر بننے کا مجھے کوئی تجربہ اس سے قبل نہیں ہوا' اور وہ بھی ایسے خطرناک لوگوں کا۔ سسرال کا تصور تو بے حد دلکش ہوتا ہے لیکن آپ نے میرا کیریئر تباہ کر دیا۔"

"کیریئر۔۔۔۔کیوں؟" وہ ہنس پڑی۔

"سسرال کا تصور اب میرے لیے ایک بھیانک شکل اختیار کر گیا ہے۔ آئندہ بھی

شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"نہیں ڈیئر وہ ایک مجبوری تھی۔ ایک بار پھر اس کے لیے معافی چاہتی ہوں۔ حالات ہی ایسے ہیں کہ اس کے علاوہ چارہ کار نہیں تھا۔ تمہارے ساتھ واقعی زیادتی ہوئی ہے۔ لیکن میں تمہاری بے حد شکرگزار ہوں کہ تم نے نہایت ثابت قدمی سے اپنا رول نبھایا ظفری تمہیں آئندہ بھی اس سلسلے میں میری مدد کرنی ہوگی' صرف اس وقت تک جب تک وہ مصیبت ٹل نہ جائے۔"

"جلال الدین اور جمال الدین صاحب۔۔۔؟"

"ہاں انہی کی بات کر رہی ہوں۔ تمہاری مدد کے بغیر یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچنا مشکل ہے۔ ویسے تم فکر مت کرو۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو بہترین بزنس ملے گا میری وجہ سے۔ یہ تمہارے اس دورے کا معاوضہ۔۔۔" سمن نے نوٹوں کی تین گڈیاں نکال کر ظفری کی جانب بڑھا دیں۔ ظفری نے اطمینان سے تینوں گڈیاں لے کر جیب میں ٹھونس لی تھیں۔ "دوبارہ جب تمہاری ضرورت پڑی پروگرام کے مطابق تمہیں تکلیف دوں گی اور اس کا معاوضہ الگ ہوگا۔"

"گویا ابھی یہ کرائے کا شوہر بدستور قائم رہے گا۔"

"ہاں یار' پلیز تھوڑی سی پریشانی اٹھا لو میرے لیے' میری مشکل حل ہو جائے گی۔ ساری زندگی دعائیں الگ دوں گی۔"

"ان معاملات کا اختتام کیا ہوگا مس سمن۔۔۔؟"

"ارے اس کی پروا کسے ہے۔ بس وہ دونوں ٹل جائیں اس کے بعد شوہر بھی غائب۔ تمہارے بارے میں بھنک بھی نہیں مل سکے گی بیگم صاحبہ کو۔ اس کی تم فکر مت کرو۔ ویسے انہوں نے تمہارا حسب ونسب معلوم کرنے کی کوشش کی ہوگی۔۔۔؟"

"مکمل۔۔۔!"

"پھر کیا بتایا تم نے؟"

"بس جتنا جھوٹ بول سکتا تھا بول دیا۔ وہ غیر مطمئن نہیں ہیں۔"

"مجھے اندازہ ہے تمہاری صلاحیتوں کا۔"

"ایک بات بتاؤ سمن۔ تمہارا شوہر ہوں پوچھنے کا حق رکھتا ہوں۔"

"ضرور میرے سرتاج۔ ارشاد۔۔۔؟" وہ بے تابی سے بولی۔

"بیگم صاحبہ کو جب حقیقت معلوم ہو گئی تو وہ تم سے تمہارا پروگرام پوچھیں گی۔ کہیں نہ کہیں تو شادی کرنی ہوگی تمہیں۔"

"فی الحال اس بارے میں کچھ نہیں سوچا پارٹنر۔ شادی ایک قدیم روایت ضرور ہے لیکن موجودہ دور میں اگر حالات سازگار ہوں اور کھانے پینے کے لیے موجود ہو تو شوہر نام کے کسی گدھے کو پالنے سے کیا فائدہ۔ ناز برداریاں کرو' حماقتیں برداشت کرو۔ ارے ایک بات بتاؤ ظفری۔ تمہاری شادی ہو گئی۔"

"جی نہیں۔"

"اگر تم سالانہ معاوضے پر شوہر بنا پسند کرو تو میں تم سے ایک باقاعدہ معاہدہ کرنے کو تیار ہوں۔"

"کیسا معاہدہ۔۔۔؟"

"شوہر بنے رہو میرے۔ اگر امی جان کو کبھی داماد کی یاد ستائی تو تمہیں ان کے سامنے پیش ہوتے رہنا پڑے گا۔ ہر بار نئی ترپ لگا دیا کریں گے۔ تمہاری باقاعدہ آمدنی رہے گی۔ بیگم صاحبہ کی طرف سے تمہیں اگر بحیثیت داماد کچھ ملا تو وہ تمہاری ملکیت ہوگی۔ یار اس طرح میں اس شادی کے روگ سے بچی رہوں گی۔ یقین کرو۔ میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ میں کسی شخص کو خود سے برتر نہیں دیکھ سکتی۔"

"اس بارے میں بعد میں سوچ لیں گے۔"

"ہاں جلدی نہیں ہے۔ اچھا اب اجازت' بڑی دیر کی نکلی ہوئی ہوں۔ کہیں تلاش نہ شروع ہو جائے۔"

"اوکے!" ظفری کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور سمن نے رخصتی سلام کرکے کار یوٹرن لے کر برق رفتاری سے آگے بڑھادی۔

شکیلہ، سعدی اور مضطرب صاحب بے چینی سے انتظار کررہے تھے۔ بڑا پرتپاک خیر مقدم ہوا تھا۔

سعدی جلدی سے ڈائرکٹر والی کرسی سے اٹھ گیا۔ "حضور سرکار تشریف رکھیے۔ یقیناً اس کیس کو آپ ہی ڈیل کریں گے۔ ویسے کافی وقت لگایا ہدایت پور میں، ہم لوگ بڑی بے چینی سے انتظار کررہے تھے۔"

ظفری نے جیب سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر ان کے سامنے ڈالیں اور گہرا سانس لے کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"اے سبحان اللہ، پورے تیس ہزار لگتے ہیں۔ مضطرب صاحب۔ کافی! جلدی سے بچہ تھکا ہوا لگتا ہے۔"

"ابھی لایا سرکار۔" مضطرب صاحب نے دروازے کی طرف چھلانگ لگادی۔ ظفری گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔

"وہ کیسی گزری؟"

"بہت دلچسپ، بہت دلکش، میں شوہر بن گیا ہوں۔"

"مبارک۔ دلی مبارک۔ گویا اب آپ کو نواب ہدایت پور کے نام سے یاد کیا جائے۔ ویسے ظفری تم نے وہ کر دکھایا جو میرے ذہن میں تھا۔ کسی مالدار خاتون سے شادی کے خواب میں بھی اکثر دیکھتا تھا۔"

"سعدی یار۔ بیگم ہدایت پور میری چچی جان ہیں۔ ظفری بولا۔

"ایں، پھر شادی کس سے ہوئی۔"

"پوری کہانی سنو۔" ظفری نے کہا اور شکیلہ اور سعدی ہمہ تن گوش ہوگئے۔ ظفری نے

پوری کہانی سنادی تھی۔ اس دوران مضطرب صاحب بھی کافی لے آئے اور انہوں نے سب کے سامنے کافی سرو کردی۔

کہانی ختم ہوگئی۔ لیکن سب خاموش تھے۔ سعدی پنسل سے ایک کاغذ پر آڑی ترچھی لکیریں بنا رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔ "اس کا مطلب ہے کہ کیس بھی لمبا ہے اور آمدنی بھی لمبی۔ لیکن جان من کوئی پروگرام ہے تمہارے ذہن میں۔"

"ہاں ایک خاکہ ہے۔ اس پر گفتگو کرلو۔"

"ارشاد، ارشاد۔" دونوں نے کہا۔ اور ظفری کہنے لگا۔

"ان دونوں کی آمد کا انتظار ہے۔ میرے خیال میں ہمیں ان دونوں کو قابو میں کرنا چاہیے۔ ہمیں کسی بھی حیثیت سے ان دونوں باپ بیٹوں کے قریب ہونا ہوگا۔ وہ حیثیت بیروں کی بھی ہوسکتی ہے۔ نورمحل کے بیرے بن کر ہم ان سے زیادہ قریب ہوسکتے ہیں۔ دوسری کارروائی شکیلہ کی ہوگی۔ شکیلہ جمال الدین کو واچ کریں گی اور اگر ذرا بھی چوک پائیں تو یہ جمال الدین پر ہاتھ صاف کردیں۔ نواب بچہ اگر قابو میں آگیا تو وارے نیارے ہوجائیں گے۔ ان دونوں کو چکر میں لاکر ایسی کوشش کریں گے کہ وہ خود ہی اس شادی سے دستبردار ہوجائیں گے۔ یہی بیگم ہدایت پور کی خواہش ہے۔"

"ہوں۔" سعدی پرخیال انداز میں بولا پھر کہنے لگا۔ "اور اگر جمال الدین شکیلہ کے جال میں نہ پھنسا تو۔"

"کوئی اور ترکیب کریں گے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ کیوں شکیلہ، اگر فی الحال ان لائنوں پر آگے بڑھا جائے تو کیا ہرج ہے۔۔۔؟"

"میرے خیال میں اس وقت اس سے عمدہ ترکیب کوئی نہیں ہے۔ میں ظفری سے پوری طرح متفق ہوں۔"

دوسرے دن بیگم صاحبہ سے گفتگو ہوئی اور انہوں نے آمادگی ظاہر کردی کہ وہ نور محل میں انہیں بیروں کی حیثیت سے ملازم کرادیں گے۔ اس سلسلے میں تیسرے دن وہ خود شہر آئیں اور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر میں تشریف لائیں۔ یہاں سے انہوں نے ایک شناسا پولیس افسر کو فون کیا اور نور محل کا معاملہ حل ہوگیا۔ اس کے علاوہ نواب جلال الدین کے سلسلے میں دوسرے امور کے لیے انہوں نے اپنا ایک بنگلہ ان کے سپرد کردیا جس میں تین ملازم موجود تھے۔ ان ملازموں کو ہدایات دے دی گئی تھیں۔

سارے کام مکمل ہوگئے تو یہ دونوں ہوٹل نور محل میں پہنچ گئے۔ اور اسی دوران بیچارے مطلق صاحب درد کے مارے اپنے پڑوسی کی اطلاع پر ہوٹل پہنچے تھے۔ لیکن ان شیطانوں کے فریب بے مثال تھے۔ مطلق صاحب مطمئن ہوکر واپس آگئے تھے۔

نواب صاحب کی آمد کی بڑی دھوم مچ گئی تھی ہوٹل کا منیجر ان دونوں سے مکمل تعاون کر رہا تھا۔ نواب صاحب کے لیے جو منزل مخصوص کی گئی تھی اس کی خصوصی صفائی کی گئی۔ اور وقت مقررہ پر نواب صاحب مع چھ ملازموں اور صاحبزادہ جمال الدین کے تشریف لے آئے۔ وہی نوابی سج دھج تھی۔ نوابی لباس تھا۔ یورپ میں رہ کر بھی ان کی شخصیت نہیں بدلی تھی۔ جمال الدین خوبصورت نوجوان تھے۔ چھوئی موئی کا درخت بات بات میں شرما جانے والے چہرے سے شفق پھوٹی پڑ رہی تھی۔ لگتا تھا نواب صاحب نے انہیں صندوق میں بند کر رکھا تھا اور یورپ کی مسموم آب وہوا کا شکار نہیں ہونے دیا تھا۔

استقبال کرنے والوں میں بیگم ہدایت پور اور بہت سے سرکاری حکام بھی تھے۔ لیکن ان میں موجود نہیں تھی۔ بہر حال نواب صاحب ہوٹل تشریف لے آئے۔

نواب زادہ جمال الدین کو دیکھ کر سعدی اور ظفری بڑے پر مسرت انداز میں گلے ملے تھے۔ "اس کاٹھ کے الو کو تو شکیلہ دو چار ملاقاتوں میں پنجرے میں بند کرلے گی۔" سعدی نے کہا۔

"شکیلہ ہے کہاں۔۔۔؟" ظفری چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"نواب زادہ جمال الدین کا دیدار کرکے واپس جا چکی ہے۔"

"تو پھر بسم اللہ۔" ظفری بولا۔ اور سعدی نے گردن جھکا دی۔ دونوں نواب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ ہوٹل کے دوسرے بیرے انہی کی ماتحتی میں کام کر رہے تھے۔

نواب جلال الدین اور نواب جمال الدین دو مختلف کمروں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ بقیہ کمروں میں ملازمین موجود تھے۔ شام کو بیگم ہدایت پور چلی گئیں۔ ان لوگوں نے نواب صاحب کے ملازمین سے نواب صاحب کی ضروریات اور مشاغل معلوم کر لیے تھے۔ اور پھر اس طرح نواب صاحب کی خدمت ہوئی کہ نواب صاحب خوش ہوگئے۔ سعدی اور ظفری کوشش کریں اور نواب صاحب ان کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ ناممکن سی بات تھی۔

دوسرے دن دوپہر کو شکیلہ نے انہیں فون کیا۔ ظفری نے فون موصول کیا تھا۔

"ظفری وہ نواب زادی تین مرتبہ فون کر چکی ہے۔"

"کون کس۔۔۔؟"

"ارے ہاں وہی تمہاری غیر منکوحہ بیوی۔"

"کیا فرما رہی تھیں اہلیہ محترمہ؟"

"ملاقات کرنا چاہتی ہیں۔"

"تم نے کیا کہا۔۔۔؟"

"یہی کہ مصروف ہیں۔ تین بجے پھر فون کریں گی میرا خیال ہے مل لو۔ وہاں کے معاملات سعدی کو سونپ دو۔"

"ٹھیک ہے۔ تین بجے میں پہنچ جاؤں گا۔"

"او کے۔ معاملات ٹھیک چل رہے ہیں؟"

"بالکل۔ تمہارا کردار شروع ہونے والا ہے۔"

"بڑا نایاب الو ہے۔ میں بے چین ہوں۔" شکیلہ نے کہا۔

"میرے خیال میں زیادہ انتظام نہیں کرنا پڑے گا۔ بس کچھ وقت جا رہا ہے۔"

"او کے۔" شکیلہ نے فون بند کر دیا۔ سعدی کو اطلاع دے کر ظفری وہاں سے چل پڑا۔ لیکن تین بجے سمن کے فون کی بجائے خود سمن ہی وہاں پہنچ گئی۔ مضطرب صاحب نے آندھی اور طوفان کی طرح کمرے سے میں گھس کر کسی پری رو کے آنے کی اطلاع دی تھی اور اس اطلاع سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ وہ پری رو دندناتی ہوئی اندر گھس آئی۔ "ہیلو ظفری' ہیلو شکیلہ۔ اس نے نہایت بے تکلفی سے دونوں کو مخاطب کیا۔

"ہیلو۔" ظفری بولا۔ "فون کی بجائے آپ خود۔"

"کیا آپ آپ لگا رکھی ہے بیوی ہوں تمہاری۔ تم کہہ کر مخاطب کرو۔"

"معاف کیجئے گا مس سمن۔"

"کوئی ہرج نہیں ہے بیوی ہونا کوئی ایسی بری بات تو نہیں ہے جس کی معافی مانگی جائے؟ شکیلہ نے برجستہ جواب دیا۔ دو آفتیں اکٹھی ہو گئی تھیں۔"

"تین دفعہ فون کیا' نہیں ملے تو تشویش ہوئی کہ کسی دوسری عورت کے چکر میں تو نہیں پڑ گئے اس لیے تحقیقات کے لیے خود آ گئی۔"

"دیکھ لیا آپ نے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ شکیلہ ہمارے کیس سے واقف ہوں گی ان سے کیا چھپانا کیوں شکیلہ صاحبہ؟"

"جی ہاں"۔ انہوں نے مہر کی رقم لا کر بڑی شرافت سے اپنے سرپرستوں کے حوالے کر دی تھی یعنی تیس ہزار۔ اس کے بعد کیس تو معلوم ہونا ہی تھا۔"

"بڑے سعادت مند شوہر ملے ہیں مجھے۔ ویسے وہ حضرات تشریف لے آئے ہیں۔"

"خوب۔ نور محل ہی میں ہیں۔" ظفری نے کہا۔

"ہاں۔ سنا ہے بڑی آؤ بھگت ہو رہی ہے۔ یار ظفری آؤ کیوں نہ ہم لوگ زیارت کر لیں ان کی۔ چل شکیلہ۔ اور کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو۔"

"کیا خیال ہے شکیلہ۔۔۔؟" ظفری نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے چلتے ہیں۔" شکیلہ بولی۔ اور تینوں باہر نکل آئے۔ سمن کی کار میں ہی وہ نور محل پہنچے۔ سمن کی کار نور محل سے کافی دور پارک کی تھی۔ اور تینوں ہوٹل میں داخل ہو گئے۔ ظفری اس وقت ایک عمدہ لباس میں ملبوس تھا اس لیے اسے پہچان لیے جانے کا خطرہ نہیں تھا۔ وہ ان علاقوں میں منڈلانے لگے جہاں نواب صاحب کی زیارت کے امکانات ہو سکتے تھے۔ پھر جمال الدین صاحب نظر آ گئے۔ کسی کام سے باہر نکلے تھے۔ ظفری نے سمن کو متوجہ کیا۔

"دیکھ رہی ہو سمن اس حسین نوجوان کو۔ اب بھی فیصلہ بدل دو۔ معاملات ہموار کرنا میری ذمہ داری۔" اس نے کہا اور سمن اسے گھورنے لگی۔

"شرم نہیں آتی کیسے بے غیرت مرد ہو۔ اپنی بیوی کو غیروں کی طرف متوجہ کرتے ہو۔ ارے غیرت کرو غیرت۔"

بہت تیز لڑکی تھی۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ بہر حال وہ خیر و عافیت کے ساتھ وہاں سے چل پڑے۔ "یہ امی نہ جانے کس چکر میں ہیں کوئی بات معلوم نہیں ہو سکی۔ دیکھنا یہ ہے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔"

"تم سے کوئی بات نہیں ہوئی اس بارے میں۔۔۔؟"

"قطعی نہیں' سخت ناراض ہیں۔ اس دن سے آج تک کوئی بات نہیں کی ہے مجھ سے۔ یہ لوگ دفع ہو جائیں تو پھر انہیں ہموار کروں گی۔" ان لوگوں کو اس نے دفتر کے پاس اتارا اور واپسی کی اجازت مانگی۔

"چائے بھی نہیں پیو گی ہمارے ساتھ؟" ظفری نے پوچھا۔

"نہیں سرتاج پھر سہی۔ آجکل مجھ پر کڑی نگاہ رکھی جا رہی ہے۔ حالات بے حد ناساز گار ہیں۔" اس نے جواب دیا اور ہاتھ ہلا کر چل پڑی۔

"سوچ لو ظفری۔" شکیلہ نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا سوچ لوں۔۔۔؟"

"لڑکی تیز ھی نظر آتی ہے۔ کہیں چھاپہ نہ مار بیٹھے۔ تمہیں شوہر ثابت کرنا اس کے لیے مشکل نہ ہوگا کیونکہ بیگم ہدایت پور بھی اس بات کی گواہ ہیں۔ پولیس گردن سے پکڑ کر تمہیں ان کے سامنے پیش کر دے گی۔"

"آہ شکیلہ' کتنے دن سے میں ان حالات کا منتظر تھا۔ بالآخر میری تقدیر کھل ہی گئی۔" ظفری جذباتی لہجے میں بولا۔

"کیا مطلب۔۔۔"

"تم اس کے سلسلے میں خدشات کا شکار ہوگئی ہونا۔ یہ احساس اس پوشیدہ جذبے کی نمائندگی کرتا ہے' جو تمہارے سینے میں ہے۔ مجھے یقین ہے شکیلہ کہ تم نے مجھ سے متاثر ہوگئی ہو۔"

شکیلہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تھا۔ پھر اس کی آواز ابھری۔

"ظفری' مرغا بن جاؤ۔"

"مم' مرغا۔ کک' کیوں۔" ظفری نے شکیلہ کی سنجیدگی سے بوکھلا کر کہا۔

"میں تم سے اظہار عشق کرنا چاہتی ہوں۔ جلدی کرو ورنہ حالات مزید خراب ہو سکتے ہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"اوہ۔ نہیں۔ مس شکیلہ۔ ہوٹل نور محل واپس پہنچنا ہے۔ بس سعدی کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔ بس میں مطمئن ہوں سب ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔ خدا حافظ۔" ظفری نے کہا اور جلدی سے باہر نکل گیا۔

کام بڑی خوش اسلوبی سے جاری تھا۔ شکیلہ کو بھی جھوٹ سچ بول کر اس عمارت میں منتقل کر دیا گیا۔ جو بیگم صاحبہ نے مہیا کی تھی۔ اس عمارت کو موجودہ پروگرام کے تحت ایک خاص رنگ دیا گیا تھا کیونکہ یہیں سے شکیلہ کو اپنا کام کرنا تھا۔

ظفری نواب جمال الدین کی قربت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ دھنیہ

پودینہ قسم کے جوان تھے ہر کام میں سہاروں کے قائل۔ نواب جلال الدین دیرینہ شناساؤں میں الجھے ہوئے تھے اور عموماً ہوٹل سے باہر رہتے تھے۔ کاروباری قسم کے دوستوں میں جمال الدین کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اچھا خاصا طویل پروگرام بنا کر آئے تھے اس لیے کسی بھی سلسلے میں کوئی جلدی نہیں تھی۔

ظفری کی محنت رنگ لائی۔ نواب جلال الدین نے اسے بلا کر کہا۔ "میاں خدا بخش پڑھے لکھے آدمی معلوم ہوتے ہو؟"

"جی سرکار بارھویں جماعت تک پڑھا ہے۔" ظفری نے جواب دیا۔

"پھر ہوٹل کی نوکری کیوں کر رہے ہو۔۔۔؟"

"بس حضور۔ اللہ کا شکر ہے۔ اطمینان سے کٹ رہی ہے۔"

"تم قابل اعتماد انسان معلوم ہوتے ہو۔ یہاں ہم ایک ماہ کے قریب رہیں گے۔ طویل عرصہ کے بعد دورہ ہوا ہے بہت سے کاروباری معاملات بھی نمٹانے ہیں اور اس کے علاوہ ایک خاص کام بھی۔"

"وہ کیا حضور۔۔۔؟"

"صاحبزادے کی شادی کی بات چیت بھی پکی کرنی ہے۔ لیکن اس میں ابھی کچھ وقت لگے گا ہمیں کچھ لوگوں کا انتظار ہے۔"

"جی سرکار" ظفری نے کہا۔

"یہ ہوٹل بہترین ہے۔ ہمیں یہاں کا عملہ بے حد پسند ہے۔ خاص طور سے تم نوابی آداب سے واقف معلوم ہوتے ہو۔ ہم تو مصروف رہتے ہیں صاحبزادے یہاں کے ماحول سے ناواقف ہیں۔ اس لیے ہماری خواہش ہے کہ تم ان کے ساتھ رہو۔"

"بسر وچشم۔ یہ تو میری خوش بختی ہے۔ میں دل و جان سے تیار ہوں۔" ظفری نے جواب دیا۔

"ہم منیجر سے بات کرلیں گے۔ تم انہیں سیر و تفریح کرایا کرو۔ جہاں جانا چاہیں لے جایا کرو۔ گاڑی ہم نے کرائے پر حاصل کرلی ہے۔ وہ تمہارے ساتھ رہے گی۔"

"جی بہت بہتر' ویسے منیجر صاحب سے گفتگو کرنے کی تکلیف آپ نہ فرمائیں نواب صاحب' میں خود ہی بات کرلوں گا۔"

"بس مناسب ہے۔" یوں نواب جمال الدین صاحب ظفری کے شکنجے میں آ گئے۔ وہ خود بھی ظفری کو پسند کرنے لگے تھے۔ ظفری نے کچھ حرکتیں ہی ایسی کی تھیں کہ نواب جمال الدین اس کی جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ اور ظاہر ہے پوری پلاننگ کے ساتھ کام ہو رہا تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ نواب جمال الدین ظفری کی جانب متوجہ نہ ہوتے۔ اس شام بھی پوری تیاریوں کے ساتھ وہ ساحل سمندر کی سیر کو نکلے تھے۔

"آپ کو سمندر بہت پسند ہے۔ نواب جمال الدین صاحب۔" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں کنارے کنارے سے پسند ہے' میرا مطلب ہے ہم پانی میں قدم نہیں رکھ سکتے۔"

"کیوں۔۔۔؟" ظفری نے تعجب سے سوال کیا۔

"نزلہ ہو جاتا ہے۔" نواب صاحب لجک کر بولے۔

"اوہ یقیناً' نواب صاحب' یہ سمندر کا پانی بھی عجیب ہوتا ہے۔ دیکھنے میں بے پناہ خوب صورت' لیکن نہایت مضر' سخت نمکین اور جلد خراب کر دینے والا۔ جبکہ آپ کی یہ سفید جلد میرے خیال سے ہاتھ لگانے سے میلی ہو جاتی ہو گی۔"

"اوہ' ہاں بڑی حساس جلد ہے ہماری۔"

"یورپ تو تباہ کر دیا ہو گا آپ نے نواب صاحب۔"

"ایں' نہیں وہ ہٹلر نے تباہ کیا تھا۔" نواب صاحب جلدی سے بولے۔

"افوہ۔ میں یورپ کی حسیناؤں کی بات کر رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟ ہم نہیں سمجھے۔"

"کمال ہے نواب صاحب آپ کس قدر معصوم ہیں۔ یورپ کی دل پھینک لڑکیاں تو آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتی ہوں گی۔ کہاں کھدرے چہروں والے بدنما انگریز اور کہاں یہ مشرق کی ملاحت۔ آپ کو دیکھ کر تو لڑکیاں پاگل ہو جاتی ہوں گی۔"

"نہیں پاگل تو کوئی نہیں ہوئی' لیکن جب ہم تقاریب میں شریک ہوتے ہیں تو لڑکیاں ہمارے نزدیک آنے کی کوشش کرتی ہیں۔ مگر ہم قبلہ ابو جان کی وجہ سے کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ ابو جان ہم پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ ہمیں تنہا نہیں نکلنے دیتے۔ ہمارا ایک سیکریٹری ہے پاکستانی ہی ہے۔ لیکن بڑا ہی سخت گیر ہماری کوئی بات نہیں مانتا۔ ہم نے اسے رشوتیں دینے کی کوشش کی لیکن ہماری ذرا سی بات بھی ابو جان کے کانوں تک پہنچا دیتا ہے۔"

"نہایت نامعقول شخص ہے وہ' آپ نے اسے نکال کیوں نہیں دیا۔" ظفری نے کہا۔

"ہم نہیں نکال سکتے نا' وہ ابا جان کا منہ چڑھا ہے۔" نواب صاحب افسردہ لہجے میں بولے۔

"یہ آپ کے ساتھ زیادتی ہے سراسر زیادتی۔ آپ جوان ہیں آپ کو حق ہے کہ لڑکیاں آپ کے قدموں میں گر کر جان دے دیں۔ یہ حسن یہ جوانی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ہی کوئی انسان ایسا پیدا ہوتا ہے۔ جو ہر لحاظ سے مکمل ہو۔ ویسے نواب صاحب دل تو چاہتا ہو گا کہ آپ کا کبھی حسیناؤں کے ساتھ وقت گزارنے کو۔۔۔؟"

"ہاں مگر کچھ شرم محسوس ہوتی ہے۔ اصل میں اول تو ہمیں موقع نہیں ملا اس کا۔ قبلہ ابو جان نے بچپن ہی سے سخت گیری رکھی ہے ہم پر۔ کہیں کسی غلط جگہ نہیں جانے دیا۔ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ یورپ کی فضا بڑی خراب ہے۔ یہاں آدمی کو اپنا خاندانی وقار قائم رکھنے کے لیے بڑی مشکلات سے گزرنا ہوتا ہے اور دوئم یہ کہ جب ہمیں ان کے درمیان گھلنے ملنے کا موقع ہی نہیں ملا تو پھر ہم کیسے ان کی جانب متوجہ ہوتے۔"

"واہ' آپ کے کچھ افکار و خیالات تو ہوں گے نواب صاحب۔" ظفری نے پوچھا۔

"کیسے افکار و خیالات۔۔۔۔؟"

"زندگی کے ساتھی کے لیے ایک انتخاب' دراصل قبلہ نواب صاحب آپ برا نہ مانیں تو عرض کروں۔"

"ہاں ہاں ضرور۔۔۔۔! تم نہایت نفیس آدمی معلوم ہوتے ہو ہمیں۔" نواب صاحب بولے۔

"شادی بغیر محبت کے نہیں ہونی چاہیے نواب صاحب یہ زندگی بھر کا مسئلہ ہوتا ہے۔ انسان کم از کم اپنی پسند پا لے تو زندگی سکون سے گزر سکتی ہے۔ اب دیکھیے نا کوئی ایسی لڑکی آپ پر مسلط ہو جائے جو آپ کو پسند نہ ہو تو کیا آپ زندگی بھر روتے پیٹتے نہیں رہیں گے۔۔۔۔؟"

"بالکل بالکل' مگر ہم کیا کریں۔۔۔۔؟"

"میں نے سنا ہے کہ قبلہ نواب صاحب آپ کو یہاں شادی کے لیے لائے ہیں۔"

"جی ہاں وہ ہماری ایک عزیزہ ہیں۔ ان کی صاحبزادی سے ہمارا سلسلہ چل رہا ہے۔"

"دیکھا ہے آپ نے ان کی صاحبزادی کو؟"

"ہاں ایک آدھ بار دیکھا بھی ہے۔ لیکن یہ بہت پرانی بات ہے۔ ہمیں تو ان کی شکل بھی یاد نہیں ہے۔"

"اس کے باوجود آپ کو اس شادی کے لیے مجبور کیا جا رہا ہے۔"

"ہاں' یہ بچپن سے طے ہے۔"

"آپ جرأت کیوں نہیں کرتے نواب صاحب؟"

"کیسی جرأت۔۔۔۔؟"

"آپ نواب صاحب سے کہیں کہ آپ ان خاتون سے ملنا چاہتے ہیں' انہیں دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"شہید کر دیے جائیں گے ہم۔ نام و نشان نہ ہو گا اس روئے زمین پر ہمارا۔۔۔۔"

"اوہ' اس قدر مجبور ہیں آپ؟"

"ہاں یہ ہمارے خاندانی اصول ہیں۔"

"بہرحال میں خادم ہوں۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ لیکن یہ انوکھی زندگی ہے۔ آپ کی اپنی پسند بھی تو کوئی حیثیت رکھتی ہے' زندگی آپ کو گزارنی ہے' محبت کے بغیر شادی' کمال ہے۔"

"شادی سے پہلے محبت ضروری ہوتی ہے۔۔۔۔؟"

"یقیناً ورنہ شادی بے کیف ہو جاتی ہے۔ کسی بھی ناپسندیدہ شخصیت کو زندگی بھر کے لیے خود پر مسلط کر لینا نادانی ہے۔"

"تم نے ہمیں پریشان کر دیا۔"

"معذرت خواہ ہوں نواب صاحب۔ سخت شرمندہ ہوں۔"

"نہیں تمہاری بات کسی حد تک ٹھیک بھی ہے۔ مگر ہم کیا کریں۔"

"آپ خود میں جرأت پیدا کریں۔ ویسے نواب صاحب شادی کے لیے کوئی تصور تو ہو گا آپ کے ذہن میں؟"

"ہاں۔ ہم مشرقی حسن کے دلدادہ ہیں۔ کوئی ایسی نازک انداز حسینہ جو خوبصورت بھی ہو اور شرم و حیا کی پتلی بھی۔ مغربی لڑکیاں دل کش ضرور ہوتی ہیں لیک بیباک بہت ہوتی ہیں۔ ہمیں باپردہ اور باحیا لڑکیاں پسند ہیں۔"

"بے شک حسن مشرق کا مغرب سے کیا موازنہ۔" ظفری نے کہا۔ اس کا کام بن گیا تھا۔

رات کو اس نے دوسرے ضروری کام کیے۔ پھر سعدی شکیلہ اور وہ سر جوڑ کر بیٹھ گئے اور پروگرام طے پا گیا۔ دوسرے دن کے لیے ظفری نے ایک قدیم قلعہ دیکھنے کا پروگرام بنایا تھا۔ کار چل پڑی۔ یہ قلعہ شہر سے تقریباً بیس میل دور تھا۔ کار برق رفتاری سے اڑی چلی جا رہی تھی۔ اور پھر وہ قلعے کے پاس پہنچ گئے۔ قلعے کے مختلف حصوں کو دیکھ کر نواب جمال الدین بہت متاثر ہوئے

تھے۔

"یہ زمین شہزادے اور شہزادیوں کی محبتوں کی زمین ہے۔نواج صاحب غور کریں یہاں حسین ترین شہزادیاں چلتی پھرتی ہوں گی۔"

"ہاں اور لوگ ان کے دیوانے ہوں گے" جمال الدین بیحد متاثر نظر آ رہے تھے۔ دفعتاً ایک سریلی چیخ کانوں میں ابھری اور نواب جمال الدین اچھل پڑے۔ "یہ کیسی آواز ہے۔"

"آیئے دیکھیں۔" ظفری نے کہا۔ اور دونوں آواز کی سمت چل پڑے۔ اور پھر نواب صاحب ٹھٹھک گئے۔ مبہوت ہو گئے۔ ایک انتہائی دل کش حسینہ پاؤں پکڑے کراہ رہی تھی۔ حسین ترین مشرقی لباس بال بال موتی پروئے ہوئے کہ دیکھ کر آنکھیں کھلی رہ جائیں۔

اس نے جمال الدین کو دیکھا۔ اور اس کی بڑی بڑی آنکھیں کھلی رہ گئیں۔ ان آنکھوں میں عجیب سی چمک عجیب سا تحیر تھا۔ دوسری طرف نواب جمال الدین بھی ماحول کے سحر میں گرفتار تھے۔ لڑکی کو دیکھ کر ان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔

"میرے پاؤں میں چوٹ لگ گئی ہے' آہ۔ میری مدد کریں۔" چند لمحات کے بعد اس کی آواز ابھری۔

"دیکھیے' دیکھیے تو سہی۔" اس کے قریب جا کر ظفری جلدی سے بولا اور نواب صاحب بے اختیار آگے بڑھ گئے۔

"یہ پاؤں اس جگہ سے مڑ گیا ہے۔ ذرا دیکھیں ہڈی تو نہیں ٹوٹ گئی۔" لڑکی بولی اور نواب صاحب بے اختیار نیچے بیٹھ گئے۔ لڑکی کے پاؤں کو چھوتے ہوئے ان کے دل کی دھڑکن بند ہوتی جا رہی تھی۔ نرم' ملائم' سفید' دودھیا پاؤں۔۔۔ انہوں نے پاؤں کو ٹٹول کر دیکھا اور پھر گھبرائی ہوئی آواز میں بولے۔ "ہڈی۔۔۔ ہڈی۔۔۔ ہڈی۔"

"کیا ہڈی ہڈی لگا رہے ہیں آپ' بتایئے کیا ٹوٹ گئی ہے۔ ہڈی۔۔۔؟" لڑکی نے پوچھا۔

"جی بالکل نہیں ٹوٹی۔۔" جمال الدین اس کے پاؤں کو ادھر ادھر موڑتے ہوئے بولے۔

"اوہ' ہمیں سہارا دے کر کھڑا کریں۔" لڑکی نے اپنا بازو ان کی جانب بڑھا دیا اور نواب صاحب نے اسے سہارا دیا۔ ان کے چہرے کا رنگ پیلا ہو گیا تھا۔ ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ وہ بار بار تھوک نگل رہے تھے۔

"ذرا چلا کر دیکھیے۔ آپ کو تکلیف تو ہو گی۔" لڑکی نے کہا۔ اور نواب صاحب اسے سہارا دیے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ ظفری غیر محسوس انداز میں پیچھے کھسک گیا تھا۔ لڑکی چند قدم آگے بڑھی۔ پیچھے ہٹی اور تھوڑی دور چلنے کے بعد مسکرا پڑی۔ "آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"نن نہیں' شکریے کی کوئی بات نہیں ہے۔ مم' مگر آپ کون ہیں۔"

"شہزادی۔"

"کک' کی مطلب۔۔۔؟"

"میرا نام شہزادی ہے۔"

"اوہ' بب بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" نواب صاحب نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے کئی بار اپنی شیروانی درست کر چکے تھے۔

"آپ کون ہیں۔۔۔؟" لڑکی نے چند ساعت کے بعد پوچھا۔

"جج' جم۔۔۔ جما۔۔۔ جمال۔۔۔ جمال الدین۔"

"بے حد اچھے انسان ہیں آپ۔ آپ کو دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے کوئی بہت ہی اپنا قریب ہو' سچ میرے پاؤں کی تکلیف تو ایک دم ٹھیک ہو گئی۔"

"اچھا۔۔۔!" نواب صاحب کی کیفیت اب کسی قدر درست ہوتی جا رہی تھی۔

"میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں۔ دراصل قلعہ دیکھنے آئی تھی۔ تنہا ہی نکل آئی تھی۔ ایک پتھر سے اتر رہی تھی کہ پاؤں مڑ گیا جس کی وجہ سے آپ کو اتنی تکلیف اٹھانا پڑی۔"

"جی ہاں جی ہاں' پتھر سے اترنے میں ذرا سی احتیاط کرنی چاہیے۔" نواب صاحب بولے۔

"آپ کہاں رہتے ہیں۔۔۔؟"

"ہم۔۔۔ہم یورپ میں رہتے ہیں۔"

"اچھا' سیر و تفریح کے لیے آئے ہوں گے؟"

"ہاں۔"

"آیئے کہیں بیٹھ کر بات کریں۔ کیسا پر فضا مقام ہے' آپ کو یہ قلعہ پسند آیا۔" لڑکی نے کہا اور نواب صاحب زور زور سے گردن ہلانے لگے۔ وہ انہیں لیے ہوئے ایک غلام گردش میں پہنچ گئی اور پھر ایک ٹھنڈے سے جھروکے کے پاس دونوں بیٹھ گئے۔

"اگر کوئی ہمیں اس جھروکے کے باہر سے دیکھے تو یوں محسوس کرے جیسے قدیم دور پھر سے زندہ ہو گیا ہے۔ آپ محسوس کریں جمال الدین صاحب؟ کیسا عجیب لگے لوگوں کو۔۔۔۔"

"ہاں۔ آپ بھی بہت۔۔۔۔ بہت اچھی ہیں۔" نواب جمال الدین نے کہا۔

"خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں ہم بے موت مر جائیں گے۔"

"کیوں۔۔۔؟" جمال الدین صاحب منہ پھاڑ کر بولے۔

"بس ہم آپ کو کبھی نہیں بھول سکیں گے۔ آپ کا یہ قرب بڑا ہی انوکھا بڑا ہی عجیب ہے۔۔۔" لڑکی نے کہا اور نواب جمال الدین کی حالت خراب ہونے لگی۔ ماحول کا اثر تھا یا زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی کے ساتھ تنہائی نصیب ہوئی تھی۔ دل بری طرح اچھل رہا تھا۔ سردی لگنے لگی تھی۔

"آپ تو کچھ بول ہی نہیں رہے جمال۔" چند لمحات کے بعد اس نے کہا۔

"کیا بولیں ہم' آپ برا مان جائینگی۔"

"آپ اتنے دلکش' اتنے پیارے ہیں کہ' کہ ہم آپ کی کسی بات کا برا نہیں مان سکتے۔"

"اچھا۔" نواب صاحب نے سعادت مندی سے گردن ہلا دی۔

"یہاں آپ کا قیام کہاں ہے۔۔۔؟"

"ہوٹل نور محل میں۔"

"ہم آپ سے دوبارہ بھی مل سکتے ہیں؟"

"ہوٹل میں نہیں' وہاں ابو جان قبلہ ہوتے ہیں۔"

"پھر کہاں۔۔۔؟"

"ہم' ہم پوچھ کر بتاتے ہیں خدا بخش سے۔ خدا بخش۔ ارے خدا بخش تم کہاں چلے گئے۔"

"جی سرکار۔" ظفری جلدی سے اندر آ گیا۔

"ہم دوبارہ کہاں مل سکتے ہیں۔"

"وہ کہیں بھی جناب' ساحل سمندر پر' ہوٹل باربرا بہت خوبصورت ہے۔" ظفری بولا اور نواب جمال الدین لڑکی کی طرف دیکھنے لگے۔

"پھر کل دوپہر دو بجے کے بعد۔ ہوٹل باربرا۔"

"کمرہ نمبر ۱۲۔" ظفری جلدی سے بولا۔

"ہم پہنچ جائیں گے۔ اب آپ ہمیں ہماری کار تک پہنچا دیں۔ باہر کھڑی ہوئی ہے۔" وہ بولی اور مسلسل نواب صاحب کا سہارا لے کر باہر نکل آئی۔ اس کی کار قلعے کے ایک گوشے میں کھڑی ہوئی تھی۔ لڑکی نے چابی نکال کر کار کا دروازہ کھولا اور پھر نواب صاحب کو خدا حافظ کہہ کر کار اسٹارٹ کر دی۔ نواب صاحب وہیں منہ پھاڑے کھڑے رہ گئے۔

ظفری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے خود ہی نواب صاحب کو مخاطب کیا۔ "آیئے نواب صاحب قلعے کے دوسرے حصے دیکھیں۔"

"نہیں' واپس چلو۔" نواب صاحب بولے۔

"جو حکم۔۔۔!" ظفری نے جواب دیا۔ اور پھر وہاں سے واپس چل پڑے، راستے میں اس نے کہا۔ "حضور نواب صاحب۔ آپ بہت خاموش ہیں کچھ طبیعت تو ناساز نہیں ہوگئی۔"

"نہیں ٹھیک ہوں۔" "مگر یہ کون تھی؟"

"کسی اچھے گھرانے کی شریف لڑکی معلوم ہوتی تھی۔ مگر بے چاری آج بے موت ماری گئی۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟ نواب صاحب اچھل پڑے۔

"آپ نے اس پر غور نہیں کیا نواب صاحب۔ پاگل ہوگئی ہے آپ کے لیے۔ اس کی آنکھوں میں آپ کے لیے محبت کا سمندر موجزن تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ آپ سے عشق کرنے لگی ہے۔"

"عشق۔" نواب صاحب خوابناک لہجے میں بولے۔ "مگر اب کیا ہوگا۔ اب کیا ہوگا خدا بخش؟"

"میں اس سلسلے میں کیا عرض کرسکتا ہوں نواب صاحب۔ اس سے جان چھڑانے کا سب سے بہتر طریقہ ہے کہ کل آپ ہوٹل ہاربرا کا رخ بھی نہ کریں۔ خود ہی مایوس ہو کر واپس چلی جائے گی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ وہاں ہمارے لیے آئے اور ہم نہ پہنچیں۔ ہم وہاں ضرور جائیں گے خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ سنو خدا بخش ہماری قسم۔ ابو جان قبلہ کو یہ بات نہ بتانا ورنہ ہم بے موت مر جائیں گے۔"

"بہتر ہے۔ آپ بالکل اطمینان رکھیں۔ خدا بخش آپ کا خادم ہے۔ میری زبان کبھی نہ کھلے گی۔ لیکن نواب صاحب قبلہ کو اگر یہ بات معلوم ہوگئی تو۔۔۔؟"

"ابھی نہیں معلوم ہونی چاہیے۔ بعد میں ہم سنبھال لیں گے۔" جمال الدین پریشان لہجے میں بولے۔ اور ظفری گردن ہلانے لگا۔

دوسرے دن ساحل سمندر کے ہوٹل ہاربرا میں ان دونوں کی ملاقات ہوئی جو کئی گھنٹے جاری رہی۔ پھر تیسرے دن بھی اسی ہوٹل میں ملاقات طے ہوگئی تھی۔ نواب جمال الدین ایک طرف تو عشق و محبت کی منازل طے کر رہے تھے۔ شہزادی ان کے حواس پر مسلط ہوگئی تھی اور دوسری طرف وہ شدید ذہنی خلجان کا شکار بھی تھے۔ ظفری سعدی اور شکیلہ بے حد مصروف تھے انہیں کئی محاذ سنبھالنے پڑ رہے تھے لیکن ان حالات میں انہوں نے خلوص دل سے یہ اعتراف بھی کیا کہ جناب اضطراب احمد مضطرب صاحب دفتر کے ایک معمولی کارکن ہی نہیں بلکہ زبردست انتظامی صلاحیتوں کے ماہر بھی ہیں۔ وہ ان حالات کو نہایت خوش اسلوبی سے سنبھالے ہوئے تھے۔

ایک طرف مطلق صاحب اور بیگم صاحبہ تینوں بچوں کے لیے پریشان تھے لیکن مضطرب صاحب نے ایک بڑا کاروبار ملنے کی خبر سنائی تھی جس کے ذریعہ کئی ہزار کا منافع ہونے والا تھا۔ انہوں نے یہ کہہ کر بات نبھائی تھی کہ کئی شہروں سے خریداری کرنی ہے۔ وہیں مال پیک کرانا ہے اور پھر وہاں سے روانہ کر دینا ہے۔ اس طرح ان لوگوں کو الگ الگ مصروف رہنا پڑا ہے۔

دوسری طرف سمن آراء ہدایت پور تین چار بار دفتر آچکی تھی۔ ملاقات مضطرب صاحب سے ہی ہوئی تھی اور سمن پریشان ہوگئی تھی۔

"آخر تینوں کے تینوں کہاں غائب رہنے لگے ہیں، جب بھی آؤ ملاقات ہی نہیں ہوتی، آپ ہی ملتے ہیں۔"

"جی محترمہ صاحبہ، دراصل یہ کام ہی عجیب الجھا ہوا سا ہے۔ یہ مصروفیت آج کی نہیں ہے آپ تو اب یہاں آنے لگی ہیں۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کاروبار معمولی نہیں ہے۔ جوں جوں لوگوں کو اس کی افادیت کا احساس ہوتا جا رہا ہے اسی طرح کام بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ اب اس وقت چار کیس ہیں ہمارے پاس اور یہ چاروں کے چاروں کیس تینوں بچے مل کر حل کر رہے ہیں۔ بس کیا بتاؤں آپ کو کہ بیچارے کس قدر الجھنوں کا شکار ہیں۔ ہمہ وقت مصروف ہیں بے چارے فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"آخر کبھی تو آتا ہوگا کوئی؟"

"جی ہاں جی ہاں۔ میں نے آپ کے دونوں پیغامات پہنچا دیے ہیں۔ ظفری نے بھی کہا ہے کہ سمن آراء صاحبہ سے معذرت کر لی جائے اور کہا جائے کہ جونہی فرصت ملی وہ فوراً آپ سے رابطہ قائم کریں گے۔"

"آخر چند لمحات کی فرصت تو ملتی ہوگی۔ اس سے کہنا کہ مجھے فون کرے، میں انتظار کروں گی۔" آخری بار سمن آراء ہدایت کر کے گئی تھیں اور مضطرب صاحب نے بڑے خلوص سے اس بات کو تسلیم کر لیا تھا۔

بہرصورت ظفری اور سعدی کو یہ ہدایت تو مل چکی تھی لیکن ابھی سمن آراء ہدایت پور سے ملنے کا کوئی خاص موقع نہیں تھا۔ یہ دن تو انتہائی مصروفیت کے تھے۔

نواب جمال الدین کا عشق بلندیوں پر پہنچ چکا تھا اور اب وہ ہر وقت بے قرار و مضطرب رہتے تھے۔ ظفری ان کا سب سے گہرا دوست تھا۔ تنہا راز دار جسے ان سارے معاملات کے بارے میں معلومات حاصل تھیں۔ ظفری ان کو مسلسل مشورے دیتا رہتا تھا۔

دوسری طرف نواب جلال الدین اب تقریباً اپنے دوستوں سے فارغ ہو چکے تھے اور سنجیدگی سے اس بارے میں غور کر رہے تھے کہ اب بیگم صاحبہ سے آخری بات کر لی جائے۔

اس دن انہوں نے ہدایت پور میں بیگم جہاں آراء سے ملاقات کی، اچانک ہی پہنچے تھے۔ بیگم صاحبہ ہکا بکا رہ گئیں اور اس کے بعد بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ نواب جلال الدین صاحب بڑی محبت اور اپنائیت سے بیگم صاحبہ سے ملے تھے۔

"بھابی صاحبہ آپ بھی سوچ رہی ہوں گی کہ میں آیا کس کام سے تھا اور کن مصروفیات میں الجھ گیا۔۔۔۔ یقینی طور پر آپ کے ذہن میں یہ سوالات آ رہے ہوں گے، لیکن کیا عرض کروں یہاں تو اتنی محبتیں بکھری ہوئی ہیں کہ انہیں سمیٹنا بھی بے حد مشکل کام ہے۔ تمام دیرینہ شناسا گھیر کر بیٹھ گئے تھے اور پھر کچھ ایسے ہیں جن سے کاروباری تعلقات چل رہے ہیں اور آپ کو علم ہے کہ میں

نے یورپ میں رہ کر بھی اپنے وطن سے برابر رابطہ رکھا ہے۔"

"ہاں بھائی جان مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"لیکن میں چاہتا ہوں کہ اب ہم وہ رسم بھی پوری کر لیں جس کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔ یورپ سے روانہ ہوتے وقت میں نے کچھ اور لوگوں کو بھی اس رسم میں شرکت کے لیے مدعو کیا تھا جو ابھی تک نہیں پہنچے۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ کسی اہم کام میں مصروف ہو گئے ہوں۔ بہرحال اب میں زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتا ان کا، شادی میں سب شریک ہو جائیں گے۔"

"جی۔۔۔۔۔" بیگم صاحبہ نے سانس درست کرتے ہوئے کہا۔ ان کے ہاتھ پاؤں میں لرزش ہونے لگی تھی۔ لیکن انہوں نے نواب صاحب کو کوئی احساس نہ ہونے دیا۔

"ویسے بھابی بیگم صاحبہ، شادی کا کب تک ارادہ ہے؟"

"جیسا حکم ہوگا بھائی جان۔"

"میں مارچ میں اس کام سے فارغ ہو جانا چاہتا ہوں۔ ابھی پانچ ماہ باقی ہیں اس عرصہ میں آپ بھی تیاریاں مکمل کر لیں گی اور میں بھی۔ میرا خیال ہے آج اکیس تاریخ ہے۔ اگلے ماہ کی پانچ تاریخ کو ہم وہ رسمیات پوری کر لیں گے جن کا تعلق خاندانی روایات سے ہے۔ میرے دس بارہ مقامی دوست ہوں گے اس تقریب پر اس دوران اگر یورپ سے لوگ آ گئے تو وہ بھی شریک ہو جائیں گے۔ کیا خیال ہے؟"

"نہایت مناسب۔" بیگم صاحبہ نے جواب دیا۔

"نواب صاحب نے دوپہر کا کھانا وہیں کھایا اور رخصت ہو گئے لیکن بیگم جہاں آراء کے دل میں پنکھے لگ گئے تھے۔ نواب صاحب کے جاتے ہی انہوں نے ظفری سے رابطہ قائم کیا۔ ہوٹل کے ریسپشن سے رابطہ قائم ہوا اور پھر خدا بخش سے۔

"کون بول رہا ہے؟"

"خدا بخش حضور۔"

”ظفری میں جہاں آراء بول رہی ہوں۔“

”تنہا ہیں یا کوئی اور بھی آپ کے قریب موجود ہے بیگم صاحبہ؟“

تنہا ہوں اور بے حد پریشان ہوں۔ نواب جلال الدین ابھی تھوڑی دیر قبل واپس گئے ہیں۔“

”اس میں پریشانی کی کیا بات ہے چچی جان۔“

”ظفری وہ اگلے ماہ کی پانچ تاریخ طے کر گئے ہیں۔ بات پکی کرنے کے لیے کہہ رہے تھے پانچ تاریخ کو آئیں گے۔“

”آپ بالکل بے فکر رہیں چچی جان۔ اگلے ماہ کے کیلنڈر میں سے پانچ غائب کر دی جائے گی۔“

”تم اس قدر غیر سنجیدگی سے اس اہم مسئلے کو ٹال رہے ہو ظفری۔ میری جان سولی پر لگی ہوئی ہے۔“

”اگر آپ اپنی جان کو سولی پر لٹکا کر کسی قسم کی ورزش کر رہی ہیں چچی جان تو میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ اگر ایسی کوئی بات نہیں ہے تو براہ کرم سولی سے اتر آیئے یہ معاملہ اب ڈی ڈی لمیٹڈ کے سپرد ہے اور ادارہ اپنے کام میں مصروف ہے۔ اور انتہائی پر اطمینان انداز میں کامیابیاں حاصل کر رہا ہے۔“

”گویا تم مطمئن ہو؟“

”پوری طرح۔ اور آپ بھی ہماری طرح مطمئن ہو جایئے۔“

”ظفری میری عزت اب تمہارے ہاتھ ہے۔ میں بہت بے سکون ہوں۔“

”آپ بالکل مطمئن رہیں بیگم صاحبہ۔ سب ٹھیک ہے اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

اچھا۔“ بیگم صاحبہ فکر مندی کی گہری سانس کے ساتھ بولیں اور پھر مزید رسمی گفتگو کے بعد فون بند کر دیا گیا۔

معاملات نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہے تھے۔ ساحل سمندر کے ہوٹل باربرا کا کمرہ نمبر بارہ محبتوں کا امین تھا۔ یہاں شہزادی کے آنسو اس کے دامن میں جذب ہوتے تھے۔ نواب جمال الدین کی قسمیں گونجتی تھیں۔ انہوں نے کھل کر کہہ دیا تھا کہ وہ شہزادی کے بغیر زندہ نہ رہیں گے۔ اور پھر ظفری نے انہیں مشورہ دیا کہ اب انہیں مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

”تو۔۔۔۔ پھر اب کیا کروں تم ہی بتاؤ؟“

”نواب جلال الدین صاحب سے دوٹوک گفتگو۔“

”کیا کہوں ان سے۔۔۔۔؟“

”یہی کہ آپ سمن آراء ہدایت پور سے نہیں بلکہ شہزادی سے محبت کرتے ہیں اور اسی سے شادی کریں گے۔“

نواب جمال الدین کے چہرے پر شدید خوف کے آثار نظر آنے لگے' پھر انہوں نے ظفری کا بازو پکڑ کر کہا!

”خدا بخش یہ کام تم کر دو ہمارے لیے' تازندگی تمہارے ممنون رہیں گے۔“

”میں دل و جان سے حاضر ہوں نواب جمال الدین صاحب لیکن شہزادی کی موت کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔“ ظفری نے خشک روی سے کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔۔ کیا مطلب۔“ نواب صاحب حیرت سے اچھل پڑے۔

”آپ جانتے ہیں کہ میں ملازم ہوں ایک ادنیٰ ملازم' نواب صاحب کو یہ یقین ہو جائے گا کہ مجھے آپ کی محبت کا علم تھا۔ اس کے باوجود میں نے یہ بات ان سے چھپائی' چنانچہ آپ سے تو وہ کچھ نہیں کہیں گے لیکن مجھے مجبور کیا جائے گا میں شہزادی کے بارے میں تفصیلات بتاؤں۔ ممکن ہے مجھے پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔ اور آپ جانتے ہیں کہ پولیس اچھے اچھوں کی زبان کھلوا لیتی ہے۔ اس طرح میں اور شہزادی دونوں مصیبت میں پڑ جائیں گے۔۔۔۔“

”اوہ' اوہ۔ یہ تو بڑی خوفناک بات ہے' تو پھر کیا یہ کام ہمیں خود ہی انجام دینا ہوگا۔“

"بالکل۔۔۔ اور اس سے قبل ہماری اور آپ کی ملاقات ختم ہو جانی چاہیے۔ میں آپ کے لیے یہ نوکری چھوڑنے کو تیار ہوں۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"مطلب یہ کہ اگر میں نواب صاحب کو نظر آ گیا تو پھر نواب صاحب مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ میں آپ سے پہلے ہی عرض کر چکا ہوں قبلہ جمال الدین صاحب کہ میں آپ پر جان نچھاور کرنے کو تیار ہوں، لیکن اگر میں کسی طرح نواب صاحب کے ہاتھ لگ گیا تو پھر شہزادی گئی کام سے۔ اس کا کیا ہوگا۔۔۔؟"

"نہیں نہیں تم چھپ جاؤ کہیں۔ ہم شہزادی کی زندگی کے لیے کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے۔" نواب جمال الدین نے جواب دیا۔

"بہتر ہے حضور ہم آپ کے لیے یہ ملازمت ہی چھوڑے دیتے ہیں۔ آپ کس وقت یہ کام کریں گے؟"

"ارے باپ رے، ہمیں تو سوچ کر ہی وحشت ہوتی ہے۔"

"ایک واقعہ سناؤں حضور کو۔۔۔؟" ظفری نے کہا۔

"کیسا واقعہ۔۔۔؟"

"دانت کا درد ہوا ہے کبھی آپ کو۔"

"دانت کا درد! نہیں، ہماری بتیسی بہت مضبوط ہے۔"

"بڑا موذی مرض ہوتا ہے نواب صاحب، انسان پاگل ہو جاتا ہے اس درد میں۔ اس درد سے نجات حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے۔ ہوا یوں کہ ایک صاحب کے دانت میں کچھ تکلیف تھی وہ کسی دندان ساز کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ یہ دانت نکال دے۔ دندان صاحب تیار ہو گیا، لیکن جب اس نے ان کے دانت کو چھوا تو ان صاحب کو شدید تکلیف ہوئی۔ دندان صاحب نے کہا کہ اگر وہ شراب کے دو تین پیگ لے لیں تو پھر دانت نکالنے میں آسانی ہو جائے

گی۔ چنانچہ ان صاحب نے شراب کے تین پیگ لے لیے اور نشے میں مست ہو گئے۔ دندان ساز نے ان سے کہا۔ لائیے حضور اب دانت نکال دوں۔ تو وہ اکڑ کر بولے۔ مجال ہے کسی کو جو میرا دانت نکال سکے۔ تو جناب والا اگر آپ کو دل کی بات کہنی ہے تو پھر دو چار پیگ لے لیں۔"

"شش، شش شراب۔" جمال الدین صاحب چونک کر بولے۔

"ہاں۔ دل کی بات کہنے کے لیے یہ انتہائی ضروری ہے شراب میں آپ کو مہیا کر دوں گا۔ آپ تین چار پیگ لے لیں۔ اس کے بعد آپ نہایت بے خوفی سے نواب صاحب سے دل کی بات کہہ سکتے ہیں۔ آپ کھل کر کہہ دیں کہ آپ نے شراب صرف اس لیے شروع کی ہے کہ آپ کو عشق ہو گیا ہے۔ اور اگر آپ کا عشق کامیاب نہ ہوا تو آپ خودکشی کر لیں گے۔"

"ٹھیک ہے تم آج رات کو یہ کام کر دو، ہم نواب صاحب سے بات کر لیں گے۔"

رات کو ظفری نے بڑے اطمینان سے انہیں تین چار پیگ پلائے۔ اس کا اندازہ کیا کہ وہ کتنی پینے کے بعد بھی ہوش میں رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ سارا اندازہ کرنے کے بعد وہ انہیں نواب صاحب کے کمرے تک چھوڑ آیا اور جمال الدین نواب صاحب کے حضور حاضر ہو گئے۔ سعدی قریب ہی موجود تھا۔ ظفری اس کے پاس پہنچ گیا اور پر مزاح انداز میں بولا۔

"بھائی سعدی۔ اب تم ہی سنبھالو۔ ہم تو چلے ہمارا کام ختم۔"

"بن گئی بات۔۔۔؟" سعدی نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں۔ بندر شیر کی کچھار میں داخل ہو گیا ہے۔ کاش ہم اندر ہونے والی گفتگو سن سکتے۔"

"تو پھر اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"بس میری پوزیشن کافی مخدوش ہو گئی ہے۔ اب اگر میں نواب جلال الدین کے ہاتھ لگ گیا تو گولی ماردی جائے گی مجھے۔"

"لیکن ابھی اسے تمہاری ڈھارس کی ضرورت ہے۔ تم ایک کام کرو ظفری۔ اسی ہوٹل

میں کمرہ لے کر مقیم ہو جاؤ۔ ابھی ان سے دور رہنا مناسب نہیں ہے۔"

"یہ بھی مناسب مشورہ ہے۔ ٹھیک ہے یہ کوشش کیے لیتا ہوں۔ تم اس کمرے پر رہو۔ ممکن ہے چند لاشیں ڈھونی پڑیں۔ میں چلتا ہوں۔" ظفری نے کہا اور سعدی نے گردن ہلا دی۔

"قبلہ و کعبہ جناب والد صاحب' السلام علیکم ۔۔۔۔۔۔" نواب جمال الدین نے گردن جھکا کر کہا اور جلال الدین چونک کے اسے دیکھنے لگے۔

"وعلیکم السلام۔" وہ تعجب سے بولے۔

"بعد آداب کے گزارش ہے کہ۔۔۔ میں کمن آراہ ہدایت پور سے شادی کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

"کیا۔۔۔۔؟" نواب صاحب اچھل پڑے۔

"دیگر احوال یہ ہے کہ مجھے شہزادی سے محبت ہو گئی ہے۔ اور شادی زندگی بھر کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ میں صرف اس لڑکی سے شادی کر سکتا ہوں جسے میں چاہتا ہوں۔ چنانچہ ملتمس ہوں کہ آپ جہاں آراہ ہدایت پور سے اس شادی کے لیے انکار کر دیں اور شہزادی کے والدین سے ملاقات کر کے میری شادی طے کر دیں۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے۔ کیا ہو گیا ہے تجھے؟" نواب صاحب دھاڑے۔

"باقی سب خیریت ہے۔"

"جمال الدین۔" نواب صاحب غصے سے کھڑے ہو گئے۔

"اور آپ کی خیریت خداوند کریم سے نیک مطلوب۔" جمال الدین ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔

"یا الٰہی خیر۔ بیٹے جمال الدین کیا ہو گیا ہے تجھے۔" نواب جلال الدین پریشانی سے اس کے قریب پہنچ گئے۔

"مجھے عشق ہو گیا ہے ابو حضور۔ جو اس سے قبل کبھی نہیں ہوا۔" جمال الدین نے کہا۔

لیکن نواب صاحب اس کے منہ سے اٹھتی ہوئی بدبو سونگھ چکے تھے۔

"تو نے شراب پی ہے۔"

"یہ مجبوری تھی ابو جان حضور۔ اس کی مدد کے بغیر میں آپ سے یہ سب کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ خدا بخش زندہ باد۔"

"خدا بخش۔ کہاں ہے وہ مردود؟"

"نوکری چھوڑ کر چلا گیا اللہ کے فضل سے۔" جمال الدین نے جواب دیا اور صوفے کی پشت سے گردن لٹکا دی۔ نواب جلال الدین مزید کوئی بات کیے بغیر باہر نکل گئے۔ وہ سخت برہم تھے۔ ہوٹل کا سارا عملہ خدا بخش کی تلاش میں مصروف ہو گیا لیکن خدا بخش کا کوئی پتہ نہ چل سکا۔

نواب صاحب کمرے میں واپس آئے تو جمال الدین صوفے پر خراٹے بھر رہے تھے۔

ساری رات نواب صاحب سو نہ سکے۔ لیکن دوسری صبح بھی خوشگوار نہیں تھی۔ جمال الدین سہمے ہوئے تو ضرور تھے لیکن اب ہمت بندھ گئی تھی۔ نواب جلال الدین کے قہر سے تھر تھر کانپ رہے تھے' لیکن اپنی بات پر بھی اڑے ہوئے تھے۔

"جی ہاں ابو حضور قبلہ' ہم کمن سے شادی نہیں کریں گے ہم شہزادی سے ہی شادی کریں گے۔"

"وہ ہے کون مردود۔ کہاں کی شہزادی۔ مجھے بتا تو سہی۔"

"اسی وقت بتاؤں گا ابو جان جب آپ کمن سے انکار کر دیں گے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ شہزادی کو کوئی نقصان پہنچائیں۔"

"یہ سارے سبق تمہیں کس نے پڑھائے ہیں مردود۔۔۔۔"

"میں کسی کا نام نہیں لے سکتا ابو جان۔ ہر بات کا ذمہ دار میں ہوں۔" نواب صاحب ایک بار پھر خدا بخش کی تلاش میں نکل گئے۔ لیکن منیجر کو ہدایت تھی پولیس افسر کی کہ نواب صاحب کو کسی طرح معلوم نہ ہو کہ یہ ملازم بیگم ہدایت پور کے تھے۔ لہٰذا اسے بھی ظفری کی گمشدگی پر حیرت

تھی۔

نواب صاحب منیجر کو دھمکیاں دے کر آ گئے۔ لیکن انہوں نے یہ کسی کو نہیں بتایا تھا کہ اصل معاملہ کیا ہے اور خدا بخش کی تلاش کیوں کی جا رہی ہے۔ بھلا خدا بخش اب کہاں ہاتھ لگنے والا تھا۔ البتہ سعدی کا کام شروع ہو گیا تھا اس نے نہایت ادب سے نواب صاحب سے اس بارے میں استفسار کیا۔ ''مجھے یقین ہے حضور وہ بدبخت آپ کی کوئی قیمتی چیز چرا کر بھاگا ہے' بہتر ہے آپ پولیس میں رپورٹ کر دیں۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ رمضان علی' میں جھوٹی رپورٹ نہیں کرا سکتا۔ لیکن مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔ میں ایک بہت بڑی پریشانی کا شکار ہو گیا ہوں۔'' نواب صاحب نے کہا۔

''چھوٹا منہ بڑی بات سرکار۔ خادم آپ پر جان نچھاور کر سکتا ہے۔ اگر خادم کے لائق کوئی خدمت ہو تو اس سے گریز نہ فرمایئے۔ خادم وہ کام کر سکتا ہے آپ کے لیے جو بڑے بڑے لوگ نہیں کر سکتے۔ یہ میری مخلصانہ پیش کش ہے۔ حضور اور اس کے صلے میں میں کوئی بخشش طلب نہ کروں گا' یہ میرا وعدہ ہے۔''

نواب صاحب اس وقت ذہنی طور پر شدید پریشان تھے۔ دیارِ غیر میں کوئی غمگسار ایسا نہ تھا جس سے بات کر سکتے' اپنے ملازم جو ساتھ تھے۔ ایک حد تک بالکل ناکارہ تھے۔ وہ صرف ملازم تھے جو ہوں کے ساتھ ہاں کرتے تھے۔ ان حالات میں سعدی کی غمگساری انہیں تقویت کا باعث محسوس ہوئی اور انہوں نے کہا۔

''بیٹھ جاؤ' تم شریف انسان معلوم ہوتے ہو۔ میں ایک عجیب پریشانی کا شکار ہو گیا ہوں۔ یہاں میں اپنے بیٹے کی شادی کے سلسلے میں بات کرنے آیا تھا' لیکن صاحبزادے کسی اور ہی رنگ کا شکار ہو گئے ہیں۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ لڑکی کون ہے؟''

''نام کیا ہے حضور اس لڑکی کا؟''

''شہزادی بتاتا ہے بدبخت' نہ جانے کہاں کی مردودہ ہے۔'' نواب صاحب غصے سے

دھاڑے اور سعدی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

''یہ تو معلوم ہو سرکار کہ وہ لڑکی کون سے خاندان سے تعلق رکھتی ہے تبھی کچھ کیا جا سکے۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں نواب جمال الدین سے گفتگو کر لوں۔''

''ضرور کرو' معلوم کرو' اور میری مدد کرو۔ میں تمہیں کوئی لالچ نہیں دے رہا۔ لیکن اگر میری پریشانی کا کوئی حل تلاش کر لو تو میں تا زندگی شکر گزار رہوں گا۔''

نواب جمال الدین اس سے نہ کھل سکے تھے۔ بہر صورت شہزادی کے بارے میں وہ اسی بات پر مصر رہے کہ اس کا کوئی پتہ نہیں بتائیں گے' نا ہی اس کی تلاش اس وقت تک کی جا سکتی ہے جب تک سمن آراء ہدایت پور کو انکار نہ ہو جائے۔ آخر کو خدا بخش کا چڑھایا ہوا پانی تھا کہ معمولی بات نہیں تھی۔ جمال الدین پر عشق کا بھوت پوری طرح سوار ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ محبوبہ دلنواز کو کسی خطرے کا شکار نہیں بنا سکتے تھے۔ سعدی لاکھ کوشش کے باوجود ان سے اس کا پتہ کسی طرح معلوم نہیں کر سکا تب اس نے نواب جلال الدین کو رپورٹ پیش کر دی۔

''میں جانتا ہوں وہ بدبخت بالکل ہی پاگل ہو گیا ہے مگر میرے لیے بڑی مشکل ہے اکلوتا بیٹا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی نقصان پہنچے۔ لیکن جہاں آراء ہدایت پور کو کیا جواب دوں عجیب مشکل کا شکار ہو گیا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں اور پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ بدبخت شہزادی ہے کون۔ اگر یہ معلوم ہوتا کہ وہ کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتی ہے تو شاید یہ بے غیرت مول لے لیتا۔ پرانی روایات کو ٹھکرا دیتا' اولاد کے لیے۔ یہ اولاد بدبخت ہی تو سارے جہاں کی مصیبت بنتی ہے۔'' نواب صاحب بیحد پریشان ہو رہے تھے۔

لیکن لاکھ کوششوں کے باوجود نواب جمال الدین نے شہزادی کا پتہ نہیں بتایا۔ وہ اس بات پر مصر تھے کہ جب تک سمن آراء ہدایت پور کے بارے میں انکار نہ کیا جائے گا وہ اس وقت تک شہزادی کے بارے میں کچھ نہ بتائیں گے۔

دوسری طرف ہدایتکار بدستور ان کی پشت پر موجود تھا' اسی دن نواب جمال الدین کو خدا

بخش کا ٹیلی فون موصول ہوا۔

"ارے خدا بخش تم کہاں ہوا ہمیں تمہاری شدید ضرورت ہے لیکن شہزادی ہمارے بارے میں کیا سوچتی ہوگی۔ کئی دن سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"حضور نواب خدا بخش آپ کا خادم ہے۔ میں نے شہزادی کو یہ اطلاع دے دی ہے کہ آپ کون سی مہم سر کر رہے ہیں۔ اس بات کو سن کر وہ مسرور ہے۔"

"آہ۔ اس سے کہو کہ ہم اس کے لیے جان بھی دے سکتے ہیں۔ مر جائیں گے مگر وفا کے نام پر آنچ نہ آنے دیں گے۔"

"آئیڈیا۔ سرکار والا آئیڈیا۔ رات کو دس بجے ہوٹل کی پشت پر جو پارکنگ لاٹ ہے یہاں مجھ سے ملاقات کر لیں۔" خدا بخش کی آواز ابھری۔

"ہم ضرور پہنچیں گے۔" نوب جمال الدین نے کہا۔

"لیکن ذرا ہوشیاری سے' آپ کا تعاقب نہ کیا جائے۔"

"تم بے فکر رہو۔" نواب جمال الدین نے کہا۔ اور درحقیقت رات کو دس بجے وہ بڑی احتیاط کے ساتھ پارکنگ لاٹ پر پہنچ گئے' جہاں ظفری موجود تھا۔

ظفری نے بڑی محبت سے ان کا استقبال کیا' پھر گولیوں کی ایک شیشی اور رسیوں کا ایک لچھا ان کے حوالے کر دیا۔

"یہ کیا چیز ہے؟"

"خودکشی کے دو موثر طریقے۔" ظفری نے جواب دیا اور نواب صاحب کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

"خودکشی۔۔۔۔۔۔!"

"ہاں حضور صرف دھمکی۔ آپ رسی کا یہ پھندا اپنے کمرے کے کسی کنڈے میں ڈال لیں اور یہ شیشی جیب میں چھپا لیں۔ لیکن اس طرح کہ جب نواب صاحب قبلہ آپ کے کمرے

میں داخل ہوں تو یہ شیشی آپ کے لباس سے نکل کر نیچے گر پڑے اور نواب صاحب یہ دیکھ لیں کہ آپ خودکشی کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ میری بات سمجھ رہے ہیں نا آپ؟" نواب جمال الدین دلچسپ نگاہوں سے اس دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے بڑے پر مسرت انداز میں کہا!

"تم بے حد ذہین آدمی ہو' ہم تمہیں مالا مال کر دیں گے۔"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے سرکار۔ بس آپ کا عشق کامیاب ہو جائے' شادی ہو جائے آپ کی شہزادی سے۔ آپ کو ہر طرح سے خوشیاں مل جائیں۔ یہی میری تمنا ہے۔"

"ہم تمہاری ہدایت پر پورا پورا عمل کریں گے۔" اور دوسری صبح جب ناشتے کے لیے انہیں نواب صاحب نے طلب کیا تو نواب جمال الدین نے کمرے کا دروازہ ہی نہ کھولا۔ جلال الدین ویسے ہی سخت پریشان تھے۔ جب کافی دیر گزر گئی اور جمال الدین ناشتے پر ہی نہ آئے تو وہ خود ہی دروازے پر پہنچ گئے۔

"دروازہ کھولو جمال کیا کر رہے ہو اندر؟"

"بس ابو حضور' خدا حافظ۔ جمال الدین اب اس دنیا سے جا رہا ہے۔" اندر سے آواز آئی اور جلال الدین کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"جمال الدین بیٹے جمال الدین دروازہ تو کھولو۔ حماقت ہے کیوں تماشہ بنا رہے ہو مجھے دیارِ غیر میں۔ دروازہ کھولو بیٹے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"صرف ایک ہی بات ہو سکتی ہے۔ ابو حضور اور وہ ہے شہزادی سے شادی کی بات۔ اس کے علاوہ اور کسی بات پر صلح نہیں ہو سکتی۔ میں مرجانا چاہتا ہوں۔"

جلال الدین تھر تھر کانپ رہے تھے۔ بڑی منت سماجت کے بعد جمال الدین نے دروازہ کھولا۔ چھت کے کنڈے میں پھانسی کا پھندا لٹک رہا تھا۔ ایک صوفہ بھی اس کے نیچے کھسکا لیا گیا تھا۔

نواب صاحب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ "یہ یہ تو کیا کر رہا تھا جمال۔"

"شرمندہ ہوں ابو حضور۔ میں ہر قیمت پر خودکشی کا تہیہ کر چکا ہوں۔" جمال الدین نے گولیوں کی شیشی گرا دی اور گولیاں بکھر گئیں۔

"زہر۔" جلال الدین صاحب کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔

"جی ابو حضور' یہ گولیاں کھا کر میں اس پھندے میں لٹک جاؤں گا تا کہ زندگی کا کوئی چانس نہ رہے۔"

"اور میں یہاں سے تیری لاش لے کر یورپ جاؤں۔ جمال میرے بیٹے' میرے بچے' میں تیری خوشی کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ تیری شادی تیری مرضی سے ہوگی۔ تو فکر نہ کر' بلکہ ہے ہم آج ہی ہدایت پور چلیں گے۔ آج ہی چلیں گے۔" نواب صاحب بلک بلک کر رو پڑے۔

دوپہر کو دونوں ہدایت پور پہنچے تھے۔ بیگم صاحبہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ نہ جانے دونوں کیوں آئے تھے۔ نواب صاحب کی گردن لٹکی ہوئی تھی۔ تاہم بیگم صاحبہ نے خود کو سنبھالا اور خاطر مدارت میں مصروف ہو گئیں۔

"میں کچھ نہ کھاؤں گا بھابی صاحبہ' میں اس قابل نہیں ہوں کہ دوبارہ آپ کو شکل بھی دکھا سکوں۔ میں ایک بہت بری خبر لے کر آیا ہوں آپ کے لیے۔ میں جانتا ہوں کہ آپ اس کے لیے مجھے کبھی معاف نہیں کریں گی۔"

"ایسی کیا بات ہے بھائی صاحب؟" بیگم صاحبہ کا دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔

"یہ بدنصیب خاندانی روایات کو توڑ رہا ہے۔ یہ سمن سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔" نواب صاحب نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

بیگم صاحبہ کے دل میں مسرتوں کے طوفان امنڈ رہے تھے۔ لیکن وہ چند منٹ خاموش سکتے کے عالم میں بیٹھی رہیں۔ کانوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ نواب صاحب خود اس شادی سے انکار کر رہے ہیں۔

"میں جانتا ہوں بھابی صاحبہ کہ آپ کے دل پر کیا بیت رہی ہوگی۔ لیکن میں انتہائی

مجبور ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ خدارا مجھے معاف کر دیں۔"

"شادی زندگی بھر کا معاملہ ہوتا ہے بھائی صاحب' مجھے خوشی ہے کہ وقت سے پہلے ہی اس کا انکشاف ہو گیا۔ ابھی یہ بات ہمارے ذہنوں میں ہے' کسی اور کو پتہ نہیں چل سکا۔ سمن کے لیے دوسرے کئی رشتے ہیں۔ میں آج ہی یہ معاملہ طے کر دوں گی۔ اس پر آپ کو اعتراض تو نہ ہوگا۔"

"کس منہ سے اعتراض کروں گا۔ آپ جس طرح چاہیں کریں۔"

"اچھی طرح سوچ لیا ہے آپ نے بھائی صاحب۔"

"مجھے اور شرمندہ نہ کریں بھابی صاحبہ۔ اب مجھے اجازت دیں۔" نواب صاحب کھڑے ہو گئے۔ بیگم صاحبہ نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ جمال الدین کی باچھیں خوشی سے کھلی پڑ رہی تھیں۔

جب ان کی کار آگے بڑھ گئی تو بیگم صاحبہ نے فرط مسرت سے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ ان جادوگروں کی اس جادوگری پر غور کر رہی تھیں جنہوں نے اس ناممکن کو ممکن بنا دیا تھا۔

نواب صاحب بہت رنجیدہ تھے۔ لیکن بیٹے کی زندگی بچ گئی تھی اب آگے کے معاملات جو کچھ بھی ہوں۔

دو دن تک انہوں نے جمال الدین سے بات نہیں کی۔ لیکن جمال الدین کی بری حالت تھی۔ تین بار ہوٹل باربرا کے چکر لگا چکے تھے۔ ایک ایک بیرے سے شہزادی کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ کمرہ نمبر ۱۲ کسی فقیر الدین کے نام سے بک تھا اور اس کا کرایہ ادا ہو چکا تھا۔ خدا بخش کا کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ رمضان علی بھی نوکری چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ بہرحال شہزادی کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔ بالآخر خود جلال الدین نے ہی جمال الدین سے پوچھا۔

"اب بتاؤ کہاں ہے وہ تمہاری شہزادی۔ کیا پوری عمر یہاں گزار دو گے۔"

"ابو حضور۔ ہم لٹ گئے ہم برباد ہو گئے۔ ہمیں تو شہزادی کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ وہ غائب ہے۔ خدا جانے کہاں چلی گئی۔"

"سبحان اللہ۔ تلاش کرو میں اس سلسلے میں تمہاری ایک ہی مدد کر سکتا ہوں۔ یعنی تمہیں خودکشی کے لیے رسی مہیا کر دوں۔ میرا خیال ہے اب تم خودکشی ہی کر لو۔" نواب صاحب نے جلبلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ جمال الدین کے پاس اب کوئی جواب نہیں تھا۔

ایک ہفتے کے بعد نواب صاحب نہایت خاموشی سے یورپ واپس چلے گئے۔ انہوں نے بیگم جہاں آراء ہدایت پور سے دوبارہ ملاقات کی ہمت بھی نہیں کی تھی۔ نواب جمال الدین بھی ان کے ہمراہ تھے۔

اور جس دن نواب صاحب سدھارے اس کے دوسرے دن بیگم جہاں آراء ڈی ڈی لمیٹڈ کے دفتر پہنچ گئیں۔ ان کا چہرہ مسرت سے کھلا ہوا تھا۔ پہلے مضطرب صاحب سے ہی ملاقات ہوئی تھی۔

"کہاں ہے وہ جادوگروں کی ٹولی۔ کیا وہ موجود ہیں؟" وہ اندر داخل ہو گئیں۔

سعدی ظفری اور شکیلہ ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے تھے۔ جہاں آراء نے سب کو گلے لگایا اور بے تکلفی سے بیٹھ گئیں۔ "میں صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتی ہوں تم لوگوں سے؟"

"جی چچی جان۔ فرمایئے۔"

"وہ کیا جادو تھا جس نے یہ کایا پلٹ کر کے رکھ دی۔ آخر کون سا گر استعمال کیا تھا تم لوگوں نے کہ پانسہ ہی پلٹ گیا۔ یقین کرو۔ مجھے امید نہیں تھی۔"

"ڈی ڈی لمیٹڈ ایسے امور کا ماہر ہے۔ بیگم صاحبہ اس کے راز راز ہی رہنے دیں۔"

"بہرحال میں تمہاری شکر گزار ہوں بچو۔ اور ہاں کل شام کا کھانا تم تمام لوگ میری مراد ان لوگوں سے ہے جو بقول تمہارے اہل خاندان ہیں ہدایت پور میں میرے ساتھ کھاؤ گے۔ اس سلسلے میں کوئی عذر قابل قبول نہ ہوگا سمجھے تم۔"

☆......☆......☆

"جی فرمایئے۔" مضطرب صاحب نے مؤدب لہجے میں پوچھا۔

نووارد کے بارے میں انہوں نے پہلے ہی اندر اطلاع دے دی تھی اور تینوں انچارج سنبھل کر بیٹھ گئے تھے۔

"خاکسار کو اضطراب احمد مضطرب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ شعر و شاعری زندگی ہے۔ بس اسی طرح گزرتی ہے۔"

"شکیلہ صاحبہ تشریف رکھتی ہیں؟"

"جی ہاں، موجود ہیں۔ آپ کی شناسائی ہے ان سے؟"

"جی ہاں۔ لیکن یک طرفہ۔ وہ جان کر بھی انجان ہیں۔ یاں اضطراب واں اجتناب، جانے یہ سفر کتنا طویل ہوگا۔"

"جی بس چند قدم کا فاصلہ ہے۔ تشریف لے چلیے۔" مضطرب صاحب نے گردن خم کر کے کہا اور زاہد کو اندر پہنچا دیا۔ اسے دیکھ کر تینوں نے گہری سانسیں لی تھیں۔

"آخاہ زاہد صاحب۔ زہے نصیب، ہم نے سوچا تھا کہ آپ کہیں باہر تشریف لے گئے ہیں۔ نیاز ہی نہ حاصل ہو سکے۔" سعدی بولا۔

"ایسے نصیب کہاں۔" ظفری نے ٹکڑا لگایا۔

زاہد کسی قدر گڑبڑا گیا تھا۔ بہرحال ان کے بیٹھنے کی پیش کش پر وہ بیٹھ گیا۔

"کیسے زحمت فرمائی۔ سب خیریت ہے نا؟"

"جی ہاں۔ کاروبار کیسا چل رہا ہے؟"

"بس کوشش کر رہے ہیں قدم جمانے کی۔ آپ کی دعائیں شامل حال رہیں تو شاید کچھ ہو ہی جائے۔"

"میں بڑی پریشانی کے عالم میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔" زاہد نے کہا۔

"خیریت تو ہے۔ ہمارے ہوتے ہوئے آپ کسی پریشانی کا شکار رہیں۔ لعنت ہے ہم پر۔" سعدی جلدی سے بولا۔

"کہتے ہوئے بھی شرمندگی ہوتی ہے۔"

"تو ایسی بات کہتے ہی کیوں ہیں جسے کہہ کر شرمندگی ہو۔ کوئی اور بات کہیں، کیا پئیں گے آپ؟" ظفری نے پوچھا۔ یہ دفتر زاہد کی ملکیت تھا۔ اور انہیں اس کی طرف سے خدشہ ہی رہتا تھا، حالانکہ زاہد نے اسے شکیلہ کے حوالے کر دیا تھا لیکن بہرحال یہ بات مسز تنویر سے پوشیدہ تھی اور کسی وقت بھی کوئی مسئلہ کھڑا ہو سکتا تھا۔ اس لیے وہ محتاط رہتے تھے۔

"جی چائے پی لوں گا۔" زاہد نے جواب دیا۔

"پی لوں گا، سے کیا مراد ہے۔ یعنی بحالتِ مجبوری پی لیں گے آپ۔ کمال ہے اس دفتر میں آپ کو کوئی مجبور کر سکتا ہے جب تک میں زندہ ہوں۔ آپ انکار کر دیں یہ آپ کا حق ہے۔" ظفری نے کہا اور زاہد پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں تو زاہد میاں کیا پریشانی ہے آپ کو؟" سعدی بولا۔

"جی وہ والدہ صاحبہ۔۔۔۔"

"اوہ، والدہ صاحبہ پریشانی کی وجہ ہیں۔ ہاں زاہد میاں والدین قابلِ احترام ہوتے ہیں لیکن بعض اوقات وہ اولاد کے لیے باعثِ پریشانی بن جاتے ہیں۔ خداوند موصوفہ کو عقل دے۔ معاملہ کیا ہے؟" سعدی نے کہا۔

"وہ۔۔۔۔ شش۔۔۔۔ شادی۔۔۔۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ اس عمر میں، جوان بیٹے اور بیٹی کی ماں ہونے کے باوجود۔"

"نہیں۔ غلط سمجھے آپ۔ وہ میری شادی کر رہی ہیں۔"

"اوہ۔ اتنا بڑا ظلم۔ ایسی ناانصافی۔ انہیں آپ سے کیا دشمنی ہے۔ آپ تو نہایت فرمانبردار اولادوں میں سے ہیں۔ وہ آپ کے ساتھ یہ سلوک کیوں کرنا چاہتی ہیں؟"

"شادی تو میں بھی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن وہاں نہیں جہاں والدہ صاحبہ کی خواہش ہے۔"

"تو یہ معاملہ ہے۔ یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا کیس ہے۔ تفصیل سننا ہوگی۔ پورا قصہ بیان کیجیے۔"

آپ لوگوں کو میرے حالات معلوم ہیں۔ والدہ صاحبہ نے اپنی کسی عزیزہ کی صاحبزادی کو میرے لیے منتخب کیا ہے لیکن میں۔۔۔۔ میں نے وہاں شادی سے انکار کر دیا ہے۔ میں نے بہانہ بنایا تھا کہ میں تعلیم مکمل کرنے کے لیے یورپ جانا چاہتا ہوں۔"

"نہایت مناسب بہانہ تھا۔ پھر کیا ہوا۔ والدہ صاحبہ مان گئی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"تو پھر کیا پریشانی ہے بھئی؟"

"ان کی خواہش ہے کہ یہ دفتر فروخت کر دیا جائے۔ مجھ سے کہا ہے کہ اخبار میں اشتہار دے دوں۔ لندن جانے کے لیے رقم کی ضرورت اسی دفتر کو فروخت کر کے پوری کی جائے۔"

"آہم۔ شکیلہ یہ شاید تمہارا کیس ہے۔" سعدی جلدی سے بولا۔

"اگر آپ لوگ اجازت دیں تو میں دوسرے کمرے میں جا کر بات کر لوں؟" شکیلہ جلدی سے بولی۔

"ضرور۔" سعدی نے کہا اور شکیلہ زاہد کو ساتھ لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس

نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تو آپ یورپ جا رہے ہیں؟" اس نے شکایت آمیز نگاہوں سے زاہد کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"صورت حال تمہارے سامنے آ چکی ہے شکیلہ۔"

"اور میں یہاں کیا کروں گی؟"

"کک کیا مطلب۔ میں نہیں سمجھا؟" زاہد کے چہرے پر عجیب تاثرات پھیل گئے۔

"سمجھانے کی ضرورت رہ گئی ہے؟ آپ خود نہیں سمجھتے؟"

"میری عقل کم بخت موٹی ہے۔ صاف الفاظ میں کہو شکیلہ۔" زاہد نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ یورپ چلے گئے تو کیا میں خود کو تنہا نہ محسوس کروں گی۔ یہ تقویت تو ہے مجھے کہ آپ اسی ملک اسی شہر میں ہیں۔"

"شکیلہ۔۔۔ شکیلہ۔۔۔ کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"ہاں زاہد، تم یورپ نہ جاؤ۔ بالکل نہیں جاؤ۔ بس انکار کر دو۔"

"اور شادی؟"

"شادی کر لو زاہد۔ مجھے تمہاری روح سے پیار ہے۔ مجھے اس سے غرض نہیں ہے کہ تمہاری زندگی میں کون آ گیا۔ روح کا پیار زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ تم شادی کر لو زاہد۔"

"ایں۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے شکیلہ؟ میں تو۔۔۔ میں تو تم سے۔۔۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔ ہم اور تم دریا کے دو کنارے ہیں جو کبھی نہیں مل سکتے۔ مسز تنویر کبھی نہیں ہونے دیں گی۔ تم ضد نہ کرو زاہد۔ جیسا میں کہہ رہی ہوں کر لو۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں زمانے سے لڑوں گا۔ میں اس ظالم سماج سے جنگ کروں گا شکیلہ۔ بس مجھے تمہارے اسی اقرار کا انتظار تھا اب سب کچھ تم مجھ پر چھوڑ دو۔ میں جنگ کروں

گا۔ حالات سے، معاشرے سے، سماج سے۔" زاہد پُرجوش انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"سنو تو زاہد۔ بات تو سنو۔" شکیلہ بولی۔

"مجھے نہ روکو۔ بس اب مجھے نہ روکو۔ میری جنگ شروع ہو گئی ہے۔ خدا حافظ۔" زاہد جذبات سے مغلوب ہو کر باہر نکل آیا۔ جونہی اس نے باہر قدم رکھا مضطرب صاحب نے اس کی کمر پکڑ لی۔

"میاں صاحبزادے رکو۔ رکو۔ اس قدر جوش میں نہ آؤ۔ اس ننھی سی جان کو جنگ کی آگ میں نہ جھونکو۔ سماج، حالات اور معاشرہ مل کر تمہاری ہڈی پسلی برابر کر دیں گے۔ عقل سے کام لو۔ بزرگوں سے مشورے لو۔ آؤ نیچے چلو۔ آؤ۔ آؤ۔"

مضطرب صاحب سعدی اور ظفری سے صورت حال معلوم کر چکے تھے اور انہیں پتا چل گیا تھا کہ نووارد کلائنٹ نہیں بلکہ لینڈ لارڈ ہے۔ چنانچہ صورت حال علم میں آتے ہی ان کے ذہن میں ایک ترکیب آ گئی تھی۔

زاہد حزیں اُن کے ساتھ نیچے اتر آیا۔ "زیادہ وقت نہیں دے سکتا تمہیں۔ کچھ دعا تعویذ کے قائل ہو؟"

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔" زاہد نے کہا۔

"تو پھر شام کو پانچ بجے آ جانا۔ تمہیں علم ہے کہ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔"

"آپ۔۔۔ آپ۔۔۔"

"بس میاں ضرورت مندوں کی پریشانی دیکھ کر دل نہیں مانتا۔ ایک بے چینی سی رہتی ہے۔ صورت سے شریف بچے لگتے ہو۔ کریں گے میاں تمہارے لیے بھی کچھ۔ مضطرب کے بارے میں کچھ جاننا چاہتے ہو تو برطانیہ کے شاہی خاندان سے پوچھو۔ ہمت تھی اس فوٹو گرافر کی کہ مارگریٹ کا شوہر بن جاتا۔ ایک تعویذ لے گئی تھی اپنے پیرو مرشد سے۔ اور اس کے بعد اس لونڈے

کو بھی ہمارے پیچھے لگا دیا۔"

"کون لونڈا؟" زاہد نے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا۔

"ایں وہی چارلس۔ لیڈی ڈائنا کے لیے کیا پھوٹ پھوٹ کر روتا تھا۔ اس کی مشکل حل کرنے والا کون تھا؟ پوچھو میاں جا کر اس سے یہی خادم تھا تمہارا۔"

"آپ۔ یعنی کہ آپ۔۔۔؟" زاہد کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات نظر آنے لگے۔

"پانچ بجے کے بعد۔ اس سے زیادہ وقت نہ دے سکوں گا۔ خدا حافظ۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"دفتر ہی میں ملاقات ہوگی؟"

"سو فیصدی۔ میں انتظار کروں گا۔" مضطرب صاحب نے کہا اور زاہد نے گردن ہلا دی۔ مضطرب صاحب واپس چل پڑے۔ یہ کیس انہوں نے خاموشی سے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

سعدی کو ٹیلی فون ملا تھا ایس کے رحیم کا۔ اور پھر مقرر کردہ وقت پر وہ پہنچ گیا تھا۔ شکل و صورت جوں کی توں تھی بس ہیلمٹ کی کمی تھی اور اس وقت وہ حماقت چہرے پر نہیں تھی جو پہلے نظر آتی تھی۔

"مجھے خدشہ تھا کہ آج پھر کوئی انڈہ میرے سر پر نہ پھوٹ جائے۔ شکر ہے ایسا نہیں ہوا؟"

"کیسے مزاج ہیں رحیم صاحب؟"

"بس بھئی ٹھیک ہوں۔ شہر کے حالات بھی پر سکون ہیں تم لوگ سناؤ، کوئی کیس ملا؟"

"نہیں، سب خیریت ہے۔" سعدی مسکرا کر بولا۔

"کچھ ہونا چاہیے سعید میاں۔ مجھے یہ خیریت پسند نہیں آئی۔ ویسے تمہاری کچھ شرائط وغیرہ ہونی چاہئیں۔ میرا مطلب ہے کوئی ترتیب معاوضے وغیرہ کا تعین۔ کوئی کیس تمہارے سپرد کیا جائے تو اس کا معاوضہ کم از کم کیا لو گے تم؟"

"یہ تو کیس کی نوعیت پر منحصر ہے۔"

"میرے خیال میں یہ غلط ہے تم اس معاملے میں کچھ اقدار رکھتے ہو کہ کیس کس کس نوعیت کے لیے جائیں تو پھر رقم بھی مخصوص کر لو۔ اس سلسلے میں اپنا وہ لنکا ٹھیک ہے؟"

"کون لنکا؟"

"ایں وہی نک ویلوٹ، پچیس ہزار ڈالر نقد۔ تم پچیس ہزار روپے فیس رکھ لو، دیگر اخراجات الگ۔"

"اور پارٹی اس قابل نہ ہو تو؟"

"کیوں نہ ہو۔"

"خواہ کوئی ضرورت مند ہی کیوں نہ ہو؟"

"وہ دوسری بات ہے۔"

"تجویز بری نہیں ہے کیوں دوستو؟" سعدی نے کہا۔

"ہاں بشرطیکہ کوئی کیس ملے۔ ہمارے ہاں پچیس ہزار روپے خرچ کرنا آسان بات نہیں ہے۔"

"اس سلسلے میں میری طرف سے ایک کیس کا تحفہ قبول کرو۔ میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ میں تم سے تعاون کروں گا۔ اس وعدے کو ایفا کرتے ہوئے میں یہ کیس تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ اور ایک بات اور سن لو۔ میری نیت پر شبہ مت کرنا۔ نہ میں تم سے کوئی کمیشن لوں گا اور نہ دوسری کوئی مراعات حاصل کروں گا۔ یہ صرف ایک دوستانہ تعاون ہے۔"

"کیس کیا ہے رحیم صاحب؟"

"پچیس ہزار روپے نقد۔ دس ہزار ایڈوانس باقی رقم کام ہونے کے بعد۔ بولو منظور؟"

"کیس کی نوعیت؟" سعدی نے پوچھا۔

"قانون کے دائرے میں رہ کر کسی کی مدد کرنی ہے۔ کسی مجرم کی اعانت نہیں کرنی بلکہ

صحیح مجرم تلاش کرنا ہے۔ ناکامی کی صورت میں مصروفیت کا معاوضہ دس ہزار روپے ہوں گے جو ایڈوانس ملیں گے۔ مزید کوئی رقم نہیں ملے گی۔ بولو منظور؟“

”دل و جان سے۔ لیکن کیس کیا ہے؟“

”تفصیل لیڈی جہانداد سے معلوم ہوگی۔ سبحان پور چلے جاؤ اور لیڈی جہانداد سے مل لو۔ میں تمہیں ان کے نام خط دے دوں گا۔“ ایس کے رحیم نے کہا اور سعدی ظفری کی طرف دیکھنے لگا۔

”ٹھیک ہے سعدی۔ رحیم صاحب خود ذمہ داری لے رہے ہیں تو ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ ظفری نے کہا اور شکریے کے ساتھ یہ کیس قبول کرلیا گیا۔

بیگم صاحبہ نے امام ضامن باندھے تھے، مطلق صاحب نے بھی کچھ نصیحتیں گوش گزار کی تھیں۔ ”میاں ہم نے زندگی بھر کوئی کاروبار نہیں کیا۔ ذہن بھی کاروباری نہیں ہے لیکن لوگوں سے سنا ہے کہ اس میں بھی سو دوست، سو دشمن ہوتے ہیں۔ ہماری ضرورت ہو تو ہمیں بھی لے چلو۔“

”آپ ہمارے ساتھ چلیں گے تو گھر کون سنبھالے گا حضرت مطلق صاحب۔ کیا اچھی اکیلی رہیں گی۔ اور پھر آپ اطمینان رکھیں، ہم محاذ جنگ پر نہیں، ایک کاروباری دورے پر جا رہے ہیں۔“ سعدی نے انہیں مطمئن کردیا تھا۔

اس سے قبل کبھی سبحان پور نہیں گئے تھے۔ البتہ مختصراً اس کے بارے میں سنا تھا کہ چھوٹا سا خوبصورت شہر ہے اور باغات کا شہر کہلاتا ہے۔ خاص طور پر آموں کے باغات بہت زیادہ ہیں اور عمدہ قسم کا آم پیدا ہوتا ہے۔

پھر ٹرین چودہ گھنٹے کے سفر کے بعد سبحان پور کے علاقے میں داخل ہوئی تو تصدیق بھی ہوگئی۔ بہت کم علاقے اس قدر ہرے بھرے ہوتے ہیں۔ کافی دیر گزر چکی تھی ٹرین کو باغوں کے درمیان سفر کرتے ہوئے۔ آموں کا موسم نہیں تھا لیکن تاحد نگاہ آموں کے درخت نظر آ رہے تھے۔ دن کا وقت تھا انہیں یہ جگہ پسند آئی۔

پھر ٹرین سبحان پور اسٹیشن پر رک گئی۔ اچھا خاصا اسٹیشن تھا۔ دونوں اپنے مختصر سامان کے ساتھ نیچے اتر آئے اور اسٹیشن کے دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ ان کی نگاہیں اطراف میں بھٹک رہی تھی، تب ایک شخص ان کے پاس پہنچ گیا۔

”کیا آپ سعدی اور ظفری صاحب ہیں؟“

”ہاں۔ تم چودھری جہانداد کے ہاں سے۔۔۔؟“

”جی بالکل۔“ اس نے ہاتھ بڑھا کر ان کے ہاتھوں سے دونوں سوٹ کیس لے لیے، اور وہ اس کے ساتھ باہر نکل آئے۔

”تم۔۔۔؟“ چلتے ہوئے ظفری نے پوچھا۔

”شمشاد ہے جی میرا نام۔ ڈرائیور ہوں حویلی میں۔“ اس نے جواب دیا۔ لیکن یہ ڈرائیور صاحب دو گھوڑوں کی ایک بگھی کے پاس رکے تھے اور انہوں نے سوٹ کیس بگھی میں جما دیے۔

”تو آپ یہ بگھی ڈرائیو کرتے ہیں؟ بگھی آگے بڑھنے کے بعد ظفری نے پوچھا۔

”نہیں جناب، میں ریل سے لے کر سائیکل تک چلا لیتا ہوں۔ پہلے ریلوے میں انجن ڈرائیور تھا لیکن چودھری صاحب مرحوم نے وہ نوکری مجھ سے چھڑا دی۔“

”کار تو ہوگی حویلی میں؟“

”کاریں ہیں صاحب، مگر بیگم صاحبہ نے کہا کہ فٹن لے جاؤ۔“

”کتنی دور ہے حویلی؟“

”زیادہ دور نہیں ہے صاحب۔ آگے چل کر سڑک کے دو حصے ہو جائیں گے۔ ایک سڑک شہر کی طرف جاتی ہے دوسری حویلی کی طرف۔“ شمشاد نے جواب دیا۔

”حویلی شہر سے الگ تھلگ ہے؟“

”پہلے تھی صاحب۔ مگر اب آس پاس کی زمینیں بک گئی ہیں اور وہاں آبادی ہوگئی

ہے۔ یہ زمینیں بیگم صاحبہ نے خود بیچی ہیں تاکہ حویلی کے آس پاس کی ویرانی ختم ہو جائے۔"

"خوب۔" ظفری نے گردن ہلائی۔ اس سے زیادہ معلومات اس ڈرائیور سے حاصل نہیں جاسکتی تھیں۔ ڈرائیور نے فاصلہ کم بتایا تھا اس کے باوجود بگھی اچھی خاصی رفتار سے چل کر بھی تقریباً سوا گھنٹے میں حویلی پہنچی تھی۔

حویلی واقعی حویلی تھی۔ وسیع و عریض رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ تین سمت سے باغات میں گھری ہوئی تھی اور ان باغات کے گرد چار دیواری تھی۔ سامنے کے رخ پر بہت عمدہ سڑک بنی ہوئی تھی۔ لمبے پھاٹک سے داخل ہونے کے بعد بھی کم از کم آدھے میل کا فاصلہ تھا۔ سرخ پتھروں کی عمارت جاہ و جلال کا منظر پیش کرتی تھی۔ دس سیڑھیوں والے سنگی چبوترے سے گزر کر اندر کے حصے میں داخل ہوا جاسکتا تھا۔ غرض بے مثال جگہ تھی۔

بگھی رک گئی اور دو ملازموں نے استقبال کیا۔ یہ دونوں سامان اٹھائے ہوئے انہیں ساتھ لے کر چل پڑے، اور پھر انہوں نے حویلی کا اندرونی منظر دیکھا۔ حویلی کیا، اچھا خاصا محل تھا جو قدیم دور کی یاد تازہ کرتا تھا۔

ایک کشادہ اور انتہائی خوبصورت کمرے میں جہاں دو مسہریاں بچھی ہوئی تھیں، ان کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ ملازم انہیں کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے۔

ظفری اور سعدی دلچسپی سے یہ مناظر دیکھتے چلے آئے تھے۔ ملازموں کے جانے کے بعد ظفری نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ہم لوگ بہت جانکار بنتے ہیں سعدی۔ لیکن اپنے ہی وطن میں بہت کچھ ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ اس دور میں ایسی کسی حویلی کا تصور کیا جاسکتا ہے۔"

"واقعی یہ ہماری توقع سے کہیں آگے کی بات ہے۔" سعدی نے کہا۔

"چودھری جہانداد کے بارے میں اس سے قبل کچھ نہیں سنا۔"

"ممکن ہے ان کی داستانیں صرف سبحان پور تک ہی محدود ہوں۔"

"ہاں یہ ممکن ہے۔ اب۔۔۔۔؟"

"کچھ نہیں۔ اس محل کے کچھ آداب بھی ہوں گے، ابھی تو صرف اندازے ہی لگائے جا سکتے ہیں۔ آرام کرو۔" سعدی نے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔ ظفری کمرے کے عقبی حصے میں کھلنے والی کھڑکی کے پاس چلا گیا تھا۔

کھڑکی کھولی تو جی خوش ہو گیا۔ ایک وسیع چبوترہ تھا جس کے پار پھیلی ہوئی سیڑھیاں نیچے اتر گئی تھیں اور اس کے بعد پھولوں کے کنج نظر آ رہے تھے۔ ظفری اس منظر میں کھو گیا۔

ایک ملازم اندر آ گیا اور اس نے ان سے ان کی ضروریات پوچھیں۔

"کچھ نہیں چاہیے۔ بیگم صاحبہ سے کب ملاقات ہو گی؟"

"شام کو پانچ بجے چائے پر۔"

"انہیں ہمارے آنے کی اطلاع دے دی گئی ہے؟"

"شمشاد آپ کو اسٹیشن لینے گیا تھا؟"

"ہاں۔"

"بیگم صاحبہ کے حکم سے ہی گیا تھا۔" ملازم نے جواب دیا۔ اور ظفری گردن ہلانے لگا۔ ملازم نے جاتے ہوئے کہا۔ "شام کو ٹھیک پانچ بجے تیار رہیے گا۔"

"یار ظفری بات کچھ جچی نہیں۔ ہمارا استقبال سرد مہری سے ہوا ہے۔ ہم لوگ اپنی دنیا کے شہنشاہ ہیں۔ اس حویلی کے آداب و اصول کی پابندی ضروری نہیں۔ ایسے کیس اور بہت سے ملیں گے لیکن اپنی فطرت کی زندگی بھی ضروری ہے۔"

"انقلاب زندہ باد۔ حویلی کے اصولوں کی دھجیاں بکھیرنا ہمارا پہلا کام ہے۔ کیا سمجھتے ہیں یہ سرمایہ دار خود کو۔" ظفری بولا۔

"طے؟"

"بالکل طے۔" دونوں نے ہاتھ ملایا۔ ان کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

شام کو پانچ بجے ایک نیا ملازم ان کے پاس پہنچ گیا۔ دونوں اطمینان سے مسہری پر بیٹھے تھے۔

"بیگم صاحبہ نے چائے پر طلب کیا ہے۔ اس نے کہا۔

"ہم ٹھیک پونے چھ بجے چائے پیتے ہیں۔ اگر انتظار کیا جا سکتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ان لوگوں سے کہو کہ چائے پی لیں۔"

"یہ عجیب و غریب جواب نوکر کے لیے غیر متوقع تھا۔ چند لمحات وہ کھڑا رہا اور پھر گردن جھکا کر چلا گیا۔ سعدی اور ظفری آرام سے لیٹے رہے تھے۔ ساڑھے پانچ بجے وہ اٹھے اور تیاریاں کرنے لگے۔ پونے چھ بجے کے قریب ملازم آیا تو چائے کی ٹرالی ساتھ لایا تھا۔

پھر ڈنر کے لیے ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے انہیں طلب کیا گیا۔ لیکن اس کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔

"ہم لوگ نو بج کر چالیس منٹ پر ڈنر کرتے ہیں۔ کہہ دیا جائے۔" ظفری نے کہا اور اور ملازم چلا گیا۔ لیکن اس بار بیگم صاحبہ برداشت نہیں کر پائی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک معمر خاتون سر پر چادر اوڑھے ہوئے چشمہ لگائے ہوئے اندر آ گئیں۔ بے حد پر وقار شکل و صورت تھی۔ بہت ہی نرم چہرہ اور آواز تھی۔

سنجیدہ سی اندر آئی تھیں۔ ان دونوں کو دیکھا تو نہ جانے کیوں ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو یہ بات ہے۔" انہوں نے آہستہ سے کہا۔ ظفری اور سعدی نے انہیں سلام کیا تھا۔ "میرا خیال تھا کہ کوئی معمر اور سنجیدہ سے لوگ ہوں گے، جیسے پولیس والے ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں دو شریر بچے موجود ہیں۔" انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا۔

"ہم سمجھے نہیں خاتون؟" ظفری اور سعدی بیک وقت بولے۔

"خاتون نہیں، خالہ جان۔" معمر خاتون نے کہا۔ پھر بولیں۔

"چائے پر کیوں نہیں آئے۔ سچ بولنا ضروری ہے۔"

"اس لیے کہ بڑی سرد مہری سے ہمارا استقبال کیا گیا۔ ہمیں کوئی حیثیت نہیں دی گئی۔"

"ہاں ایسا ہوا ہے۔ لیکن رحیم نے تمہیں صورت حال نہیں بتائی تھی۔ میرا خیال تھا کہ کچھ کاروباری قسم کے خرانٹ سے لوگ ہوں گے، جنہیں صرف اس بات سے غرض ہوگی کہ معاملہ کیا ہے۔ میں نے کسی خاص حیثیت سے ان کا استقبال کرنا ضروری نہ خیال کیا۔ لیکن یہ پونے چھ بجے اور نو بج کر چالیس منٹ کے وقت نے مجھے چونکا دیا۔ یہاں آتے وقت میں نے تمہاری عمروں کے بارے میں کسی قدر اندازہ لگایا تھا۔ میرا خیال درست نکلا۔ غلط فہمی ہوئی ہے معاف کر دو۔"

"چلیے ٹھیک ہو گیا خالہ جان۔" ظفری نے کہا۔ اور خاتون مسکرانے لگیں۔

"شام کی چائے کس وقت پیتے ہو؟"

"ٹھیک پانچ بجے۔" ظفری جلدی سے بولا۔

"اور رات کا کھانا؟"

"ساڑھے آٹھ بجے۔" ظفری نے تراخ سے جواب دیا۔ اور خاتون بے اختیار ہنس پڑیں۔

"خدا تمہیں خوش رکھے۔ طویل عرصے کے بعد ہنسی آئی ہے۔ اب رات کا کھانا میں تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گی۔ کل صبح ناشتے پر تمہاری ملاقات دوسروں سے ہوگی۔"

بیگم جہانداد بہت نرم مزاج عورت تھیں۔ انداز گفتگو بہت دل کش تھا۔ بڑی مشفق سی خاتون تھیں۔ کھانے کے بعد انہوں نے کافی طلب کر لی۔ اور آرام سے بیٹھ گئیں۔

"تھکے ہوئے تو نہیں ہو، باتیں کریں؟"

"جی ضرور۔ تھکن کا کیا سوال ہے۔ آپ اطمینان سے تشریف رکھیں۔" سعدی نے کہا۔

"شکریہ۔ رحیم نے ٹیلی فون کیا تھا، لیکن تمہارے بارے میں تفصیل نہیں بتائی تھی۔"

"یہ سعدی ہیں۔ میں ظفری ہوں۔ ایک ادارہ قائم کیا ہے ہم نے لوگوں کی امداد کرنے کا۔ اور۔۔۔"

"تمہاری فیس پچیس ہزار روپے ہے۔ ان باتوں کو چھوڑو۔ بلکہ ان کی فکر مت کرو۔ یہ بتاؤ میرے معاملے میں کیا کر سکتے ہو؟"

"رحیم صاحب نے معاملہ بھی نہیں بتایا تھا۔" سعدی نے کہا۔ اور بیگم صاحبہ کسی سوچ میں ڈوب گئیں۔ پھر بولیں۔

"بچو! خدا جانے تم کون ہو۔ اندر سے کیسے ہو۔ مجبوراً مجھے تم پر بھروسہ کرنا پڑ رہا ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی بھی چارۂ کار نہیں ہے۔ میں جن حالات کی شکار ہوں بچو اور میری ذہنی کیفیت ان حالات سے جس قدر خراب ہے۔ شاید ہی میرے علاوہ اور کوئی اس کا صحیح تجزیہ کر سکے۔ بعض اوقات انسان جس قدر مجبور ہو جاتا ہے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں ایک ایسے خاندان کی سربراہ ہوں جسے بے حد دولت اور باعزت تصور کیا جاتا ہے۔ جب تک چودھری جہانداد زندہ تھے درحقیقت یہ خاندان باعزت تھا' اس سے قبل بھی ایسے حالات بے شمار خاندانوں کے ساتھ پیش آ چکے ہیں' جبکہ بڑے بڑے باعزت گھرانے اپنے سربراہ کھونے کے بعد ملیامیٹ ہو کر رہ گئے ہیں' اس خاندان پر بھی اب یہی وقت آن پڑا ہے۔

میں سربراہ ہونے کے قابل تو نہیں تھی' وہ تھے تو میں سب کچھ تھی۔ وہ نہیں ہیں تو میں ایک ایسا ڈھول ہوں جس کے اندر کچھ نہیں ہے۔ میری آواز میں گرج ضرور ہے' لیکن خود مجھے اس کے کھوکھلے پن کا شدید احساس ہے۔ بچو' تم اندر سے کیسے بھی ہو۔ کچھ بھی کرتے رہے ہو آج تک لیکن میری ایک عاجزانہ درخواست سن لو۔ میں بہت ہی مجبور' بہت ہی ہلکی عورت ہوں۔ تم میرے تن و توش کے وزن کا کوئی اندازہ لگا چکے ہو گے' لیکن یقین کرو اتنی بے وزن ہوں میں کہ ہوا کا ایک ہلکا سا جھونکا مجھے اٹھا کر کہیں سے کہیں پھینک سکتا ہے۔ ایسے میں مجھے دولت کے بل پر نہیں بلکہ انسانیت کے نام پر سہارے کی ضرورت ہے۔ تم جو کچھ مجھ سے طلب کرو گے' میں اس خاندان

کی عزت بچانے کے لیے تمہیں پیش کر دوں گی۔ لیکن میری درخواست ہے تم سے کہ اس کی لاج رکھنے میں میرا ہاتھ بٹانا۔ کسی اور کا شکار مت ہو جانا۔ کسی اور کی سازش میں مت پھنس جانا۔"

بیگم جہانداد کی آواز جذبات سے لرز رہی تھی' سعدی اور ظفری خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ پھر سعدی نے کہا۔

"بیگم صاحبہ آپ سے صرف دو الفاظ کہے جا سکتے ہیں' ہم کسی بھی پیشے سے منسلک ہوں' لیکن ہمیشہ اس بات کا ثبوت دیں گے کہ ہمارے جسموں میں گندا خون نہیں ہے اور ہماری دھوکہ دہی کی ضرب ہمارے مرحوم والدین تک پہنچتی ہے اس کے بعد ہمارے ان الفاظ پر بھروسہ کرنا آپ کا کام ہے' اگر آپ نے مزید ایسی کوئی بات کی تو ہم خاموشی سے یہاں سے چلیں جائیں گے' اور اس بات کو اپنے لیے گالی تصور کریں گے۔"

سعدی کے الفاظ بھی بیگم جہانداد کے لیے بہت ہی تاثر انگیز تھے۔ وہ چند ساعت ڈبڈبائی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھتی رہیں پھر انہوں نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں خشک کر لیں۔

"خدا کی قسم مجھے اطمینان ہو گیا اور اب اس وقت تک جب تک تم اس عمارت میں موجود ہو' میرے دل میں تمہارے لیے کوئی شک پیدا نہ ہو گا۔" انہوں نے کہا۔

"شکریہ خالہ جان۔" ظفری سنجیدگی سے بولا۔ اور بیگم جہانداد کافی کی پیالی اٹھا کر اس کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔

"تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل اس عمارت میں قتل ہو گیا تھا۔" انہوں نے بغیر کسی تمہید کے کہا۔

"جی۔۔۔۔" سعدی گہری نگاہوں سے انہیں دیکھتا ہوا بولا۔

"کیا رحیم نے اس کا تذکرہ کیا ہے تم سے؟"

"نہیں۔ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ سوائے اس کے کہ ہم آپ کے پاس پہنچ جائیں اور آپ کی ضرورت کے مطابق آپ کی مدد کریں۔ شاید اس لیے مسٹر رحیم نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ

ہوسکتا ہے ہمارے اور آپ کے درمیان مفاہمت نہ ہو سکے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ اس کی دیانت ہے۔" بیگم جہانداد نے کہا پھر بولیں۔ "میں تھوڑی سی تفصیل بتائے بغیر نہیں رہ سکتی' کیونکہ یہ تمہارے جاننے کے لیے بہت ضروری ہے' چودھری جہانداد سبحان پور کے سب سے دولت مند آدمی تھے۔ ہماری زمینیں نہ صرف سبحان پور کے اطراف میں بلکہ دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ لاکھوں روپے ماہوار کی آمدنی ہے ان زمینوں سے۔ اس کے علاوہ شہر میں بھی ہماری وسیع و عریض جائیدادیں ہیں۔ مقصد یہ ہے ان باتوں کا کہ دولت کی ہمارے ہاں کوئی کمی نہیں ہے۔ اس حویلی میں ہمارے تقریباً تمام اہل خاندان پرورش پا رہے ہیں۔ بہت کچھ جاتا ہے ان لوگوں کے پاس۔ اس کے علاوہ بہت سے اداروں کے لیے بھی یہاں سے کافی رقومات جاتی ہیں۔ آمدنی مستقل ہے اور کوئی ایسی پریشانی نہیں ہے جس میں مستقبل میں کوئی خوف ہو۔ میں چودھری جہانداد کی دوسری بیوی ہوں۔ پچیس سال قبل ان کی پہلی بیگم کا انتقال ہو گیا تھا۔ ان کی پہلی بیگم کے دو بچے ہیں جہانگیر اور خرم۔ جہانگیر بڑے ہیں اور خرم چھوٹے ہیں۔ میری بھی دو اولادیں ہیں' شہزاد اور فرحت۔ شہزاد بڑے ہیں اور فرحت چھوٹی ہیں۔ یہ جہانداد مرحوم کے اپنے بچے ہیں۔ اور میں نہیں کہہ سکتی کہ کہاں کیا ہوا ہے۔"

ڈیڑھ ماہ قبل ایک رات جہانگیر کو قتل کر دیا گیا۔ وہ پائیں باغ میں تھے کہ کسی نے ان پر حملہ کیا اور انہیں ہلاک کر دیا۔

جہانگیر کی موت گردن کی ہڈی ٹوٹنے سے واقع ہوئی تھی۔ قتل کے وقت اور کوئی وہاں موجود نہیں تھا۔ رات کے تقریباً گیارہ بجے کا وقت تھا۔ جہانگیر چہل قدمی کے عادی تھے اور حسب معمول چہل قدمی کر رہے تھے۔ بہرصورت صبح کے وقت ہی پتا چلا کہ انہیں کسی نے قتل کر دیا ہے۔

میں نے پولیس سے رابطہ قائم کیا اور پولیس اس کوٹھی میں آ گئی اور ہمارے ایک دیرینہ ملازم احمد نے اس قتل کا اعتراف کر لیا۔ پولیس نے بھی اس سلسلے میں کوشش کی تھی لیکن احمد نے رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو قاتل کی حیثیت سے پیش کر دیا۔

جہانگیر بہت بدمزاج واقع ہوئے تھے۔ نوکروں سے بدتمیزی کرنا ان کا شیوہ تھا۔ ہاتھ بھی اٹھا لیا کرتے تھے ان نوکروں پر جنہوں نے انہیں اپنی گود میں پرورش کیا تھا۔ احمد کی عمر پچپن اور ساٹھ کے درمیان ہے' لیکن تن و توش کا اچھا آدمی ہے۔ بہت ہی نیک فطرت تھا۔ اس کے والدین بھی اسی حویلی کے ملازم تھے اور خود اس نے بھی ساری عمر اس حویلی کی خدمت کرتے ہوئے گزاری ہے۔ ایک بیوی اور دو بیٹیاں ہیں اس کی جو اسی حویلی میں موجود ہیں۔ احمد نے بتایا کہ جہانگیر نے اس کی کسی بیٹی سے بدتمیزی کی تھی۔ بیٹی نے بھی بیان دیا پولیس کو کہ جہانگیر اکثر اسے چھیڑا کرتے تھے۔ اور ایسی بے ہودہ گفتگو کرتے جسے وہ برداشت نہیں کر پاتی تھی' لیکن ملازمہ تھی اس لیے خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر ایک دن مجبور ہو گئی تو اس نے اپنے باپ کو اس سلسلے میں تفصیلاً بتا دیا' اور احمد جہانگیر میاں کے بارے میں یہ سب کچھ سن کر آپے سے باہر ہو گئے۔ انہوں نے جہانگیر کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ احمد نے پولیس کو بھی یہی بیان دیا ہے کہ جہانگیر کے معاملے کو اس نے آپس میں ہی نمٹانے کی کوشش کی تھی' لیکن جہانگیر میاں' احمد پر جوتا لے کر دوڑے۔ احمد اس بے عزتی کو برداشت نہ کر سکا اور اس نے جہانگیر سے مقابلہ کیا اور نتیجے میں جہانگیر ان کے ہاتھ سے ہلاک ہو گئے۔

معاملہ تقریباً صاف ہو گیا تھا۔ پولیس نے احمد کو گرفتار کر لیا اور لاک اپ میں بند کر دیا۔ دو ایک بار یہاں آئی' تحقیقات کی' کوئی کمزوری نہیں تھی' چنانچہ اب احمد پر مقدمہ چلانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔

مجھے جہانگیر کی موت کا اتنا افسوس تھا' جتنا ایک ماں کو اپنی اولاد کی موت کا ہونا چاہیے۔ لیکن ایک دن خرم میاں نے مجھے ان بلندیوں سے نیچے دھکیل دیا جہاں میں خود کو تصور کرتی تھی۔

خرم میاں بڑی زبان کے بہت تیز ہیں اور ہمیشہ سے مجھ سے نفرت کرتے رہے ہیں۔ دونوں بھائیوں نے کبھی مجھے پسند نہیں کیا۔ لیکن میں یہ جانتی ہوں کہ میرے نام کے ساتھ سوتیلی ماں کی چھاپ لگی ہوئی ہے اور یہ چھاپ ایسی ہے جسے تقدیر کی کوئی روشنی ہی دور کر سکتی تھی اور وہ

روشنی میری تقدیر میں نہیں تھی۔ میں نے ہمیشہ اس نشان کو اپنی پیشانی پر محسوس کیا' لیکن قبول کرنے کی ہر سعی میں ناکام رہی۔

خرم میاں نے ایک رات علی الاعلان مجھ پر الزام لگایا کہ جہانگیر کسی اتفاقی حادثے کا شکار نہیں ہوئے' بلکہ انہیں قتل کرایا گیا ہے۔ میں نے بڑی پریشانی سے ان سے پوچھا کہ خرم میاں قتل کرائے جانے سے آپ کی کیا مراد ہے تو انہوں نے نہایت نفرت بھرے لہجے میں کہا کہ اس سے بہتوں کا بھلا ہو گا۔ جہانگیر اس جائیداد کے بڑے حصے دار تھے' اور جائیداد کے جتنے حصے دار کم ہوں گے جائیداد اتنی ہی محفوظ رہے گی۔

یہ الزام ایسا تھا کہ مجھے خودکشی کر لینی چاہیے تھی۔ اشارہ میری ہی جانب تھا۔ لیکن میں نے صبر و تحمل سے کام لیا اور ان سے مزید گفتگو کرنی چاہی' لیکن خرم میاں نے مجھ سے اس سلسلے میں بات چیت نہیں کی بلکہ مجھے دھمکیاں دینے لگے کہ جلد ہی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان کا بھائی اس دنیا میں نہیں رہا ہے تو اور بہت سوں کو بھی یہ دنیا چھوڑنی پڑے گی۔ بات اگر میری زبان سے باہر نکل جاتی تو شاید ہنگامی حالات ہو جاتے کیونکہ شہزاد بھی بہت تیز ہیں۔ میرا ایک رشتے کا بھانجا اس کے ساتھ ہے جو کافی خطرناک شخصیت کا مالک ہے۔ اگر شہزاد اسے اشارہ کر دیتا تو وہ نہ جانے کیا کر ڈالتا لیکن میں نے یہ زخم اپنے ہی سینے پر برداشت کیا اور خاموشی سے اس کوشش میں مصروف ہو گئی کہ خرم میاں کے ذہن سے یہ داغ دھو سکوں۔

بات صاف تھی' احمد کی بیٹی کو پریشان کیا گیا تھا' احمد ملازم ضرور تھا لیکن باعزت انسان تھا چنانچہ اس نے جہانگیر میاں سے اس کا انتقام لے لیا۔ میں یہ نہیں کہتی کہ احمد نے اچھا کیا' اسے کسی دوسرے ذریعے سے اس معاملے کو حل کرنا چاہیے تھا' لیکن جنون کے عالم میں انسان جو کچھ کر بیٹھتا ہے' اس کا بعد میں ہی خمیازہ بھگتتا ہے۔ میں احمد کے ذرا بھی حق میں نہیں ہوں' لیکن اس کے بعد جب میں نے اپنے طور پر تحقیقات کیں تو انہوں نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ احمد کے بیوی بچے میرا اتنا ہی احترام کرتے ہیں جتنا انہیں کرنا چاہیے۔ اس کی بیٹی صبیحہ کو میں اپنے ساتھ اپنے خاص

کمرے میں لائی اور اس سے میں نے طرح طرح کے سوالات کیے۔

ابتداء میں تو صبیحہ نے وہی بیان دیے جو اس نے پولیس کو دیے تھے لیکن بعد میں پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور بے ہوش ہو گئی۔ اس کی ہیجانی کیفیت کو میں نے تعجب کی نگاہ سے دیکھا اور بہر صورت ہوش میں لانے کے بعد میں نے اس سے کہا کہ وہ دل کا بوجھ ہلکا کر دے' چنانچہ اس کی زبان کھل گئی۔

اس نے ہیجان انگیز لہجے میں مجھے بتایا کہ جہانگیر نے اسے کبھی نہیں چھیڑا تھا' کوئی ایسی بات نہیں کہی تھی اس نے جس پر اسے شکایت ہوتی' یہ بات اس سے اس کے باپ نے کہی تھی کہ وہ پولیس کو یہ بیان دے۔ صبیحہ نے روتے ہوئے مجھے بتایا کہ بڑی بی بی آپ یقین کریں کہ بابا نے جہانگیر میاں کو قتل نہیں کیا۔ بابا کو کچھ بھی نہیں معلوم تھا' بس نہ جانے کیوں اس قتل کی ذمہ داری انہوں نے اپنے سر لے لی۔ اس رات انہوں نے روتے ہوئے کہا تھا کہ نیک بخت وفاداریاں نبھانے کا موقع کبھی کبھی ہی ملتا ہے' ایک میری زندگی نہ رہی تو کیا ہوا' مجھے یقین ہے کہ بیگم صاحبہ تجھے زندگی بھر کوئی بھی تکلیف نہ ہونے دیں گی۔ تو بھی پریشان مت ہونا۔ انہوں نے میری ماں سے کہا تھا اور میری ماں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ پھر اس نے بڑی منت سماجت کی میرے بابا کی کہ چلو رات ہی رات میں یہ حویلی چھوڑ دیتے ہیں' کہیں اور نکل جاتے ہیں' آپ اپنی زندگی نہ گنوائیں۔ لیکن بابا میری ماں کی اس بات پر میری ماں سے ناراض ہو گیا تھا اس نے کہا تھا کہ دیکھ رقیہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کے خلاف نہ ہو' ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔

بہر صورت صبیحہ کی زبانی یہ بیان سن کر میں دنگ رہ گئی تھی۔ میرے دل میں ایک خوفناک خیال آ رہا تھا کہ کہیں احمد نے کسی کو بچانے کے لیے تو یہ الزام اپنے سر نہیں لے لیا۔ مگر وہ کون تھا جسے احمد بچانا چاہتا تھا۔ کیا احمد کو اصل قاتل کا علم ہو گیا تھا۔ یقیناً ایسی ہی بات ہو گی۔ اس کے بعد میں نے احمد کی بیوی رقیہ سے رابطہ کیا' اسے ہر طرح سے ڈرایا دھمکایا' لیکن وہ قسمیں کھا کھا کر یہی کہتی رہی کہ اسے صحیح بات نہیں معلوم۔ احمد نے اسے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں بتایا کہ وہ قاتل

نہیں ہے۔

میں نے بہت غور و خوض کیا میرے بچو اور میرے ذہن میں صرف ایک ہی خیال آیا کہ کہیں میرے بیٹے شہزاد نے تو یہ حرکت نہیں کی۔ بھائیوں میں آپس میں اختلافات موجود تھے۔ شہزاد ان دونوں کو پسند نہیں کرتا۔ فرحت سیدھی سادی بچی ہے وہ کسی سازش کے بارے میں تصور بھی نہیں کر سکتی، بس ان احساسات نے مجھے نیم مردہ کر دیا ہے۔ یہ بھی سوچتی تھی کہ ممکن ہے احمد کسی کا آلۂ کار بنا ہو۔ اور اس نے یہ حرکت کسی باقاعدہ سازش کے تحت کی ہو۔ لیکن میں اتنی ذہین نہیں ہوں کہ ان الجھنوں کو سلجھا سکوں، بہت دن تک غور و خوض کرنے کے بعد میں نے یہی فیصلہ کیا کہ حقیقت کو منظر عام پر آنا چاہیے، اگر میرے بچے نے یہ حرکت کی ہے تو خدا کی قسم میں نے زندگی میں کبھی جہانگیر اور خرم کو اس سے الگ نہیں سمجھا۔ جائیداد کے بارے میں میں نے جب بھی غور کیا تو اسی نتیجے پر پہنچی کہ جائیداد ان تینوں میں برابر تقسیم ہونی چاہیے کوئی ایسی بات نہیں ہونی چاہیے ان تینوں کی زندگی میں کہ ان میں آپس میں کوئی چپقلش پیدا ہو سکے۔ لیکن ایک عجیب سی ان ہونی ہو گئی۔ حالانکہ ان کے اختلافات کافی شدید ہیں، بھی تینوں ایک دوسرے سے سیدھے منہ بات نہیں کرتے۔ لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی مناسب وقت میں خود ہی اس جائیداد کا بٹوارہ کر دوں گی تاکہ میری موت کے بعد ان میں کوئی ہنگامہ نہ ہو۔ میں نے یہ بھی سوچا کہ ممکن ہے کہ اس معاملے میں کسی نے شدت پسند بن کر سوچا ہو۔ اور اگر شہزاد نے ایسا کیا ہے تو پھر میں اس معاملے میں قانون کا احترام کروں گی۔ مجرم کوئی بھی ہو، خواہ میرا بیٹا ہی سہی تو اسے سزا ملنی چاہیے اور اگر وہ بے گناہ ہے تو حقیقت حال سامنے آنی چاہیے۔ خرم تو کھلم کھلا یہ الزام لگا چکا ہے کہ اس کے بھائی کے خلاف سازش ہوئی ہے۔ وہ انتہائی نفرت کا اظہار کرتا ہے ہم سے اور بار بار دھمکیاں بھی دے چکا ہے۔ میں اس سارے مسئلے کو صاف کرنا چاہتی ہوں بچو۔ پولیس اس حویلی کا احترام کرتی ہے۔ اعلیٰ حکام سے چودھری جہانداد کے بہترین تعلقات تھے، انہوں نے حویلی کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کیا ہے لیکن یہ تحفظ اگر خدا کے قانون میں خلل انداز ہو تو مجھے منظور نہیں ہے۔ میں فرشتہ صفت

بننے کی کوشش نہیں کر رہی لیکن مجھے بھی احساس ہے کہ جس طرح جہانداد اس دنیا میں نہیں رہے ہیں میں بھی نہ رہوں گی، پھر ایک ناانصافی کیوں کی جائے۔ میں حقیقت سامنے لانا چاہتی ہوں۔ احمد اگر واقعی مجرم ہے تو پھر ٹھیک ہے، مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ مجرم نہیں ہے تو یہ تو بہت ہی خوفناک بات ہے کہ ایک بے گناہ کو زندگی بھر کا عذاب برداشت کرنا پڑے۔ ممکن ہے اسے پھانسی ہو جائے، ممکن ہے عمر قید ہو جائے اور اصل مجرم بچا رہے۔ میں نے بہت غور و خوض کے بعد رحیم سے رابطہ قائم کیا۔ رحیم سے میرے شوہر کے مراسم تھے، وہ اس حویلی کی بہت عزت کرتے ہیں اور اکثر چھٹیاں گزارنے کے لیے یہاں آیا کرتے تھے۔ جہانداد کے ساتھ وہ شکار بھی کھیلتے تھے۔ یہ حالات دیکھ کر میں نے یہ سوچا کہ رحیم سے مدد لی جائے اور میں نے انہیں طلب کر لیا۔

میں نے انہیں صورت حال بتائی تو وہ بھی تشویش کا شکار ہو گئے۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ وہ اپنے طور پر کوشش کریں گے۔ پھر انہوں نے ٹیلی فون پر مجھے یہ بات بتائی کہ ایک ایسا پرائیویٹ ادارہ ہے جو میرے لیے یہ فرائض انجام دے سکتا ہے۔ اگر میں مناسب خیال کروں تو اس کی خدمات حاصل کر لوں۔

میں نے فوراً آمادگی ظاہر کر دی۔ یہ ہے وہ کہانی جو میں تمہارے سامنے لانا ضروری سمجھتی تھی، اس کے بعد بچو تم خود مناسب فیصلہ کر سکتے ہو۔"

"کہانی واقعی دلچسپ تھی۔ ظفری اور سعدی منہ پھاڑے اس عجیب و غریب کہانی کو سن رہے تھے۔ دیر تک وہ اس کے تاثر میں ڈوبے رہے۔ پھر سعدی نے سوال کیا۔

"ایک بات تو بتایئے بیگم صاحبہ؟"

"جی!"

"کیا چودھری جہانداد صاحب نے موت سے قبل کوئی وصیت نہیں لکھی تھی۔"

"ہاں یہ سوال نہایت ذہانت سے کیا تم نے۔ چودھری صاحب کا انتقال ہوائی حادثے میں ہوا تھا، شاید تم نے کبھی ان کے بارے میں سنا ہو، وہ قاہرہ سے واپس آ رہے تھے کہ راستے میں

جہاز کریش ہو گیا۔ ظاہر ہے ان حالات میں کسی وصیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ تندرست و توانا انسان تھے اور زندگی کو اتنا مختصر نہیں سمجھتے تھے۔" بیگم جہانداد نے کہا۔

"اوہ اچھا یہ معاملہ ہے۔ ٹھیک ہے بیگم صاحبہ بلکہ خالہ جان۔" ظفری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔" آپ یہ معاملہ ہم پر چھوڑ دیں۔ وعدہ تو نہیں کرتے کہ ہم کامیاب ہو ہی جائیں گے لیکن انتہائی کوشش کریں گے اس سلسلے میں کہ حقیقت حال سامنے آ سکے' لیکن ہمیں کچھ عرصہ یہاں قیام کرنا پڑے گا۔ آپ ہماری کیا حیثیت متعین کریں گی۔"

"تم لوگ مجھے خالہ جان کہہ رہے ہو نا؟" "بس یہی حیثیت رہے گی تمہاری۔" "تم میری ایک سہیلی کے بچے ہو اور دارالحکومت سے آئے ہو۔ اگر پہلے سے تمہاری شخصیت سے واقف ہوتی تو شاید شام کی چائے پر لوگوں سے مختصراً یہ بات کہہ بھی دیتی' مگر میں تم سے واقف نہیں تھی۔"

"بہتر ہے خالہ جان' دو بچوں کے علاوہ ایک بچی بھی ہے آپ کی اس سہیلی کی۔ ظفری نے کہا اور بیگم صاحبہ نے پر اضمحلال انداز میں مسکرا کر گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے' کیا نام ہے تم لوگوں کا۔ سعدی اور ظفری؟"

"جی۔" دونوں نے جواب دیا۔

"تو پھر صبح کے ناشتے پر میں تمام لوگوں سے تمہارا اسی حیثیت میں تعارف کرا دوں گی۔"

"بہتر ہے خالہ جان۔" سعدی نے کہا۔

"دیکھو ایک بار پھر میں درخواست کرتی ہوں کہ یہاں اس حویلی میں صرف میرے ہی رہنا' تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو گی۔ کسی بھی شکل میں۔ اور اس بات کی میں تمہیں اجازت دیتی ہوں کہ اصل مجرمہ اگر میں ہی ثابت ہوؤں تو خدا کی قسم تم مجھے بھی مت چھوڑنا' یہ بات میں پورے اعتماد سے تم سے کہہ رہی ہوں۔"

"بہت بہتر بیگم صاحبہ' آپ قطعی طور پر مطمئن رہیں۔ میرا مطلب ہے خالہ جان۔"

سعدی نے کہا اور بیگم جہانداد اٹھ گئیں۔

"تو اب میں جاؤں؟"

"جی آرام فرمائیے۔"

"پہلی بار ہمارے شایان شان کیس ملا ہے۔ میرا خیال ہے اس میں کافی ذہنی ورزش کی ضرورت پیش آئے گی۔ کیا خیال ہے تمہارا۔۔۔۔؟" ظفری نے سعدی سے پوچھا اور سعدی چونک کر ظفری کو دیکھنے لگا۔

"ہاں تم درست کہتے ہو۔"

"لیکن یار سعدی کیا ہم لوگ واقعی اس قابل ہیں کہ اس معمے کو حل کر سکیں؟"

"دیکھو بھئی جہاں تک ذہنی پہنچ کا تعلق ہے تو کوئی بڑی بات نہیں کہی جا سکتی۔ خیال تو یہ تھا کہ لوگوں کو چھوٹی موٹی چوٹیں دے کر اپنا الو سیدھا کریں گے لیکن صورت حال خاصی حد تک بدل گئی ہے اور پھر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم اس کیس میں کامیاب ہو ہی جائیں گے' ممکن ہے ناکامیں فش رہیں' لیکن کوشش کر لینے میں کیا ہرج ہے۔ بیگم صاحبہ نے رقم کی بات نہیں کی' حالانکہ شریف النفس خاتون معلوم ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے رحیم نے جو بات کہی ہے اس سے انحراف تو نہ کریں گی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب اس سلسلے میں کیا کیا جائے؟"

"ارے یار ٹھیک ہے جاسوس نہیں ہیں' خواہ مخواہ اس لائن میں آ گئے ہیں' لیکن جاسوس کوئی آسمانی مخلوق نہیں ہوتے۔ بس حالات پر ذرا گہری نگاہ رکھتے ہیں اور ان کی سوچ ذرا گہری ہوتی ہے۔ کم از کم جاسوسی نہیں جانتے لیکن جاسوسوں جیسی اداکاری تو کر سکتے ہیں۔ اور پھر جو معاملات سامنے آتے ہیں ان پر قیاس آرائی بھی کی جا سکتی ہے۔" ظفری نے جواب دیا۔

"بالکل بالکل' لیکن میرا خیال ہے آج رات ہم خاموشی سے گزاریں گے۔ کل صبح حویلی کے اہم افراد سے ملاقات کر لیں گے اس کے بعد جب تعارف ہو جائے گا تب کوئی چکر چلائیں گے۔" سعدی نے کہا اور دونوں کے درمیان یہ بات طے ہو گئی۔

دوسری صبح ناشتے کا وقت ساڑھے آٹھ بجے تھا' چنانچہ یہ لوگ بھی تیار ہو گئے اور جونہی ملازم ان کے پاس پہنچا تو وہ اس کے ساتھ چل پڑے۔

ناشتے کے کمرے کو کمرہ نہیں ہال کہا جا سکتا تھا۔ ایک بہت ہی لمبی میز تھی جس کے گرد پچاس کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور سب کی سب بھری ہوئی تھیں۔ یقیناً یہ خاندان کے اہم افراد ہوں گے ورنہ اس حویلی کی آبادی تو کافی معلوم ہوتی تھی۔ مہمان خانے کے کمرے سے حویلی کے اندرونی ہال تک پہنچتے ہی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ حویلی کیا' اچھا خاصا قلعہ ہے۔ جس کی آبادی کافی ہے۔ یقیناً یہ سب ملازم نہیں ہوں گے۔ بلکہ جیسا کہ بیگم جہانداد نے بتایا تھا کہ ان کے اہل خاندان بھی ان کے ساتھ ہی رہتے ہیں۔ یہ پچاس کرسیاں یقینی طور پر خاندان کے ان افراد کے لیے ہی ہوں گی۔

بیگم جہانداد درمیان کی کرسی پر موجود تھیں۔ اور ان کے عین سامنے دو کرسیاں خالی رکھی ہوئی تھیں' جو یقیناً ان لوگوں کے لیے خالی رکھی گئی ہوں گی۔

بیگم جہانداد نے مسکرا کر ان لوگوں کا خیر مقدم کیا اور انہیں سامنے والی کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ناشتہ ابھی نہیں لگا تھا۔ انہوں نے کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا' جن میں لڑکیاں' نوجوان اور چند معمر حضرات اور خواتین بھی تھیں۔

''میں آپ سب کو بتا چکی ہوں کہ رخسانہ میری عزیز ترین سہیلی تھی' بچپن سے ہم لوگوں نے ایک ہی اسکول میں پڑھا اور ایک طویل عمر میں نے اس کے ساتھ گزاری ہے۔ پھر وہ ملک سے باہر چلی گئی اس کے بعد میرا اور اس کی ملاقات کا سلسلہ بند ہو گیا۔ کافی عرصہ قبل وہ واپس آ گئی تھی' صرف ایک بار میری اس سے ملاقات ہوئی اور اس نے مجھے اپنے بچوں وغیرہ کے بارے میں بتایا۔ یہ دونوں بچے رخسانہ کے ہیں اور میرے لیے اپنے ہی بچوں کی مانند ہیں' یہ سعدی ہیں اور یہ ظفری۔ میرا خیال ہے آپ دونوں کا تعارف ہو گیا۔ اب آپ سب لوگ ان سے اپنا اپنا تعارف کرائیں۔'' بیگم صاحبہ نے کہا اور پھر تعارف کا سلسلہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلا گیا۔

شہزاد۔ فرحت۔ شہزاد کے ساتھی یعنی بیگم صاحبہ کے بھانجے سینڈو خاں سے بھی تعارف ہوا۔ غالباً بیگم صاحبہ نے اس شخص کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ کافی خطرناک ہے۔ اور یہ حقیقت بھی تھی۔

سینڈو خاں واقعی سینڈو لگتا تھا۔ انتہائی مضبوط ہاتھ پاؤں کا مالک' البتہ چہرے پر ایک انتہائی معصومانہ سی حماقت چھائی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ باقی اس خاندان کے دوسرے افراد سے ملاقات ہوئی خرم ان میں موجود نہیں تھا' کئی اور بھی افراد نہیں تھے جن کے بارے میں بیگم جہانداد نے کہا کہ بعد میں ان سے بھی ملاقات کرا دی جائے گی۔

یہ مختصر سا تعارف ہوا۔ اس کے بعد ناشتہ شروع ہو گیا۔ اسی دوران ظفری اور سعدی نے اپنی پسند کے لوگوں کا انتخاب کر لیا تھا۔ ناشتے کے بعد سب لوگ باہر نکل آئے۔ بیگم صاحبہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ سعدی اور ظفری اپنی رہائش گاہ کی طرف جا رہے تھے کہ شہزاد نے پیچھے سے آواز دی۔

''ارے صاحب سنیے تو سہی' ہاں آخر آپ ہمارے مہمان ہیں اور ہمارے بھی کچھ فرائض ہیں۔''

''جی۔'' دونوں رک گئے۔ شہزاد کے ساتھ سینڈو خاں بھی تھا وہ دونوں ان کے نزدیک آ گئے۔

''آپ سے مل کر واقعی مسرت ہوئی سعدی اور ظفری صاحب' لیکن مہمانوں کو اتنا الگ تھلگ تو نہیں رہنا چاہیے' سنا ہے کل شام آئے تھے آپ؟''

''جی ہاں۔ پہلی بار آئے ہیں' اس حویلی کے حالات اور ماحول سے واقفیت نہیں رکھتے' بس والدہ نے بیگم صاحبہ کا حوالہ دیا تھا اور ان سے اتنی قربت کا اظہار کیا تھا کہ ہم نے سوچا کہ چلو دیکھ لیا جائے لیکن۔۔۔۔''

''لیکن کیا؟'' شہزاد نے سوال کیا۔

"بس یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہاں بہت سے افراد ہیں اور سب ایک دوسرے میں اس قدر الجھے ہوئے ہیں کہ باہر کے کسی آدمی کی گنجائش یہاں نہیں نکل سکتی۔" شہزاد مسکرانے لگا۔

"الجھے ہوئے والی بات آپ نے بالکل صحیح کی، لیکن گنجائش والی بات بالکل غلط ہے، آیئے دوستی کر لیں۔" شہزاد نے ہاتھ بڑھایا۔ اور ظفری اور سعدی نے پرتپاک انداز میں اس سے مصافحہ کیا، اس کے بعد سینڈو خاں سے مصافحہ ہوا اور ظفری مسکرا کر بولا۔

"آپ کی شکل بالکل اساسین سے ملتی جلتی ہے۔"

"کس سے؟" سینڈو خاں نے بھنویں سکوڑ کر پوچھا۔

"اساسین سے۔ ایک بہت بڑا پہلوان، جواب نہیں رکھتا اپنا۔ یقینی طور پر اگر اس کا سامنا آپ سے ہو جاتا تو شاید اسے پہلی بار شرمندگی اٹھانی پڑتی۔" ظفری نے کہا اور سینڈو خاں ہنسنے لگا۔

"ہاں ریسلنگ کا مجھے بھی بہت شوق ہے، لیکن میں اساسین کو نہیں جانتا۔" اس نے کہا۔

"یہ افسوس کی بات ہے، بہرصورت آپ دونوں سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔" ظفری نے کہا۔ اسی وقت فرحت بھی نکل آئی اور شہزاد نے اسے آواز دی۔

"ارے فرحت بات سنو۔" اور فرحت قریب آ گئی۔

"جی۔"

"تمہیں پتا چل چکا ہے کہ یہ امی کی سہیلی کے بیٹے، کم از کم ہم لوگوں کو تو ان سے دور نہیں رہنا چاہیے کیونکہ ان سے ہماری ہی قربت کچھ زیادہ ہوئی۔"

"ہاں دور تو انہیں بھی نہیں رہنا چاہیے لیکن یہ حضرات ہم میں گھلنا ملنا پسند کریں تو۔"

"فرحت صاحبہ ظاہر ہے کہ ہم یہاں آپ کے مہمان کے طور پر آئے ہیں۔ آپ سے

الگ تھلگ رہ کر یہاں کچھ وقت گزارنا مقصود نہیں ہے۔ ہم تو یہ سوچ رہے تھے کہ اگر آپ لوگ اسی طرح الگ تھلگ رہے تو ہم لوگ واپس چلے جائیں گے۔"

"نہیں نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ درحقیقت بے تکلفی کا ماحول پیدا نہ ہو سکا، ورنہ آپ کو اس حویلی سے کوئی شکایت نہ ہوتی۔" فرحت نے پُر اخلاق لہجے میں کہا۔

پھر شہزاد ان لوگوں کے ساتھ حویلی کے مختلف حصوں میں گھومتا پھرا۔ اس نے یہاں موجود لوگوں کے بارے میں تفصیلات بھی بتائی تھیں۔ سینڈو خاں بھی ساتھ ساتھ تھا۔ بس یوں لگتا تھا جیسے وہ شہزاد کا سایہ ہو۔ اس کی ہر بات پر گردن ہلانا اس کا فرض تھا۔ لیکن اس فرض میں چمچہ گیری نہیں تھی بلکہ ایک محبت کارفرما محسوس ہوتی تھی۔ ظفری اور سعدی نے اندازہ لگا لیا کہ دراصل سینڈو خاں شہزاد کا بہترین دوست اور بہترین محافظ ہے اور وہ یقیناً اس کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔

حویلی کے ایک الگ تھلگ گوشے میں ایک اور شخصیت سے ملاقات ہوئی۔ یہ شخصیت ایک کوارٹر میں فروکش تھی۔ باہر نکلے تو بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ انہیں سلام کیا۔ نوجوان آدمی تھا لیکن چہرے پر ہلکی ہلکی سی داڑھی تھی آنکھوں میں ایک عجیب سی کشش تھی، ٹوپی پہنے ہوئے اور لباس بھی انتہائی سادہ تھا۔

"یہ مولوی محفوظ ہیں۔" شہزاد نے کہا اور محفوظ صاحب نے سلام کے لیے پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر محفوظ صاحب، ویسے شہزاد محفوظ صاحب کا حدود اربعہ کیا ہے؟"

"ہمارے بہت ہی قریبی ساتھی ہیں۔ اسی حویلی میں پیدا ہوئے اور اسی میں پرورش پائی، بس اللہ نے اپنی طرف راغب کر لیا ہے۔ بس اسی لیے اللہ اللہ کر کے وقت گزارتے ہیں۔ ویسے اچھے انسان ہیں۔" شہزاد نے کہا اور مولوی محفوظ مسکرانے لگے۔

"شہزاد میاں خود ایک اچھے انسان ہیں اس لیے دوسروں کو بھی اچھا سمجھتے ہیں۔ ورنہ ہم گناہ گار لوگ کہاں اس قابل کہ کوئی ہماری تعریف کرے۔"

"اچھا اچھا مولوی محفوظ صاحب اپنے حجرے میں تشریف لے جائیے اب آپ اس قابل بھی نہیں ہیں کہ آپ سے بہت زیادہ گفتگو کی جائے۔ آؤ یار۔" شہزاد نے کہا اور مولوی محفوظ کھسیانی سی مسکراہٹ کے ساتھ واپس چلے گئے۔

ظفری اور سعدی کو یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی تھی۔ بہر صورت شہزاد کی فطرت میں وہ ایک سرکش سا انسان چھپا دیکھ چکے تھے اور یہ سرکش انسان کچھ بھی کر سکتا تھا اس سلسلے میں ان دونوں کو بال کی کھال نکالنی تھی۔

کافی دیر تک شہزاد اور سینڈو خاں ساتھ رہے اور انہیں حویلی کے بارے میں بتاتے رہے۔ شہزاد ان لوگوں سے بھی ان کی تفریحات کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ ظفری اور سعدی نے انتہائی سادگی سے بتایا کہ ابھی وہ طالب علم ہیں اور تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

"آپ کے اپنے کیا مشاغل ہیں شہزاد صاحب؟"

"بس جس حد تک بے تکلفی اجازت دے سکتی ہے اس کے مطابق مشاغل آپ کو بتائے جا رہے ہیں۔ سیر و تفریح، شکار اپنی زندگی میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ ویسے شکار کے معاملے میں ذرا مختلف فطرت کے مالک ہیں ہم دونوں۔ میرا مطلب ہے میں اور سینڈو خاں۔ جس قسم کا شکار ہم لوگ کرتے ہیں۔ بہت کم شکاری اس قسم کا شکار کرتے ہوں گے لیکن اس کی تفصیلات نہیں بتائی جا سکتی آپ لوگوں کو اس وقت تک جب تک بہت زیادہ بے تکلفی نہ ہو جائے۔"

"اوہ کوئی حرج نہیں ہے ہم خود بھی یہاں چند روز کے لیے مہمان آئے ہیں۔ اندرونی باتیں جان کر کیا کریں گے۔" سعدی نے کہا اور شہزاد گردن ہلانے لگا۔

"مجھے تعاون کرنے والے لوگ بے حد پسند آتے ہیں۔ بہر صورت آپ ہمارے مہمان ہیں جس کی تفریحات آپ کرنا چاہیں۔ ہمیں بتا دیں ہم ان کے لیے حاضر ہیں۔ کیوں سینڈو خاں؟"

"بالکل ٹھیک! بالکل ٹھیک۔" سینڈو خاں نے اپنے مخصوص انداز میں گردن ہلا کر کہا۔

کافی دیر تک گھومنے پھرنے کے بعد یہ لوگ واپس آ گئے۔ دوپہر کا کھانا پھر اسی ہال میں کھانا پڑا تھا حالانکہ صبح کے ناشتے کے بعد طبیعت پر کسی قدر بوجھ موجود تھا لیکن بہر حال رسم پوری کرنے کے لیے کھانا ہی تھا۔

میز انواع و اقسام کے کھانوں سے سجی ہوئی تھی۔ کھانے کے بعد یہ لوگ اپنی رہائش گاہ میں آ گئے۔ اس کے بعد تین چار گھنٹے کی چھٹی تھی۔

"ویسے یار ظفری کیا اندازہ لگایا تم نے اس حویلی کے بارے میں؟"

"بس کوئی خاص نہیں، قدیم قسم کا طرز زندگی ہے۔ ویسے برے لوگوں کا گڑھ نہیں ہے۔ بیگم صاحبہ اچھی طبیعت کی مالک ہیں، لوگوں کے ساتھ ان کا سلوک بھی اچھا ہے۔ آمدنی بے پناہ ہے۔ جس طرح سے زندگی گزاری جا سکتی ہے گزر رہی ہے۔"

"ارے بھائی میں نے ان ساری باتوں کے بارے میں کب پوچھا تھا۔ میرا مطلب ہے تمہیں کوئی کردار ایسا نظر آیا جو تمہارے لیے باعث دلچسپی ہو؟"

"کوئی خاص نہیں۔ ویسے شہزاد کی طرف دھیان جا سکتا ہے۔" ظفری نے کہا۔ اور سعدی دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"وہ کیسے؟"

"غور کرو سعدی، شہزاد سرکش فطرت کا مالک ہے۔"

"سرکش فطرت کے مالک لوگ سازشی نہیں ہوتے۔" سعدی نے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں مانتا ہوں لیکن اگر وہ سازش کرنا چاہیں تو میرا خیال ہے انہیں دقت نہیں ہوتی۔"

"مگر سازش ان کی فطرت کے خلاف بات ہے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے مگر انہیں اکسایا تو جا سکتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" سعدی نے پوچھا۔

"میرا مطلب یہی ہے کہ شہزاد کے ساتھ سینڈو خاں ہے، اس کے لیے سب کچھ کرنے

والا ہے۔ بہترین دوستوں میں شمار کیا جاسکتا ہے اس کا اور پھر ذہنی طور پر بھی بہت زیادہ تیز نظر نہیں آتا۔ شہزادے سے اتنا متاثر ہے کہ اس کی ہر بات پر گردن ہلا دیتا ہے۔ اگر شہزادہ اسے مجبور کرے کہ وہ کسی کو قتل کردے تو میرا خیال ہے یہ ناممکن بات نہیں ہوگی۔"

"اوہ تو کیا۔۔۔۔ تمہارا مقصد ہے۔۔۔۔!"

"نہیں نہیں سعدی۔ آخری فیصلے کے طور پر تو نہیں کہہ سکتا لیکن سینڈو خاں ایک تندرست و توانا آدمی ہے اور تمہیں اس بات کا علم ہے کہ جہانگیر کی موت اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹنے سے واقع ہوئی ہے' گلا دبا کر بھی مارا جاسکتا تھا لیکن اس میں ذرا سی احتیاط کرنا پڑتی۔ یعنی انگلیوں وغیرہ کے نشانات سے بچا جاتا لیکن گردن کی ہڈی توڑ کر کسی کو ہلاک کر دینا بہرصورت ایک انتہائی طاقتور آدمی کا ہی کام ہوسکتا ہے۔"

"بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن سینڈو خان ہی کیوں اور بھی لوگ اس قسم کی حرکت کر سکتے ہیں۔"

"ہاں میں نے سینڈو خاں کا نام آخری نہیں لیا ہے۔ لیکن اس بات کو ذہن میں رکھنا ہوگا۔ دراصل ہمیں کوئی ایسی شخصیت تلاش کرنی ہے جو یہاں ہمیں تمام تر صورت حال سے واقف کرا سکے۔"

"تمہارے خیال میں بیگم صاحبہ اس کے لیے کافی نہیں ہیں؟"

"نہیں۔"

"کیوں؟"

"ظفری' دراصل بیگم صاحبہ کا بھی اپنا ایک مسئلہ ہے' یہ خرم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ یہ کہاں غائب ہے۔"

"ارے ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" سعدی نے کہا۔

"بہرصورت اسے بھی ٹٹولنا پڑے گا۔ لیکن بدقسمتی ہماری یہ ہے کہ ہم یہاں کوئی ایسی حیثیت نہیں رکھتے کہ ہر شخص سے کوئی نہ کوئی سوال کر سکیں۔"

"مولوی محفوظ بھی دلچسپ چیز ہیں۔ مگر یہ بے چارہ ہمارے کس کام آسکتا ہے؟"

"کیوں نہ ایسا کریں کہ مولوی محفوظ سے خفیہ ملاقات کریں؟"

"کریں گے۔ ضرور کریں گے۔"

"اس کے علاوہ یہ فرحت صاحبہ یہ بھی اچھی خاصی معلوم ہوتی ہیں۔" ظفری نے کہا۔

"نہیں وہ لڑکی اس سلسلے میں ہماری کوئی خاص مدد نہیں کر سکتی۔ دیکھیں گے جو بھی ہماری مدد کر سکے۔ پھر وہ احمد کی بیوہ۔ میرا مطلب ہے بیوی۔"

"ایسی بات نہ کرو ظفری۔ بے چاری کو ابھی سے بیوہ مت کہو۔ اور پھر جیسا کہ بیگم صاحبہ کا کہنا ہے کہ احمد ایک مظلوم آدمی ہے' ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ ویسے تمہارا خیال بھی درست ہے۔ گویا اس وقت ہماری فہرست میں یہ دو تین افراد ہیں۔ خرم سے ملاقات کرنی ہے۔ مولوی محفوظ کو ٹٹولنا ہے' اور احمد کی بیوی کو۔ ویسے فرحت سے بھی ایک آدھ ملاقات ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے' کم از کم اہم لوگوں کے خیالات معلوم ہونے چاہئیں۔"

"ہم ابھی ابتدائی منزل پر ہیں اس لیے کام ذرا اسی انداز میں ہوسکتا ہے' ویسے ہمارا ذہن ان معاملات میں اتنا تیز نہیں ہے کہ فوراً صحیح نکتے پر پہنچ جائیں۔ ہمیں اس کا خیال بھی رکھنا ہے' یہ دوسری بات ہے کہ ہم ان لوگوں کو اپنی اوقات کے بارے میں کچھ نہ بتائیں۔"

"اچھا اچھا بس۔ کوئی آ رہا ہے۔" سعدی نے کہا۔ باہر قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ چند ساعت کے بعد دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی اور ظفری نے آواز لگائی۔

"تشریف لائیے' تشریف لائیے۔" اندر آنے والی فرحت تھی۔ دونوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔ فرحت سنجیدہ سا چہرہ بنائے اندر آگئی تھی۔

"میں آپ کے آرام میں مخل تو نہیں ہوئی ہوں؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں فرحت صاحبہ تشریف رکھیے۔ ہم تو یہاں آ کر ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہے ہیں۔"

"کیا؟" وہ کرسی پر بیٹھ کر بولی۔

”بس‘ حالانکہ ہم یہ تصور لے کر یہاں آئے تھے کہ اپنی امی کی سہیلی کے ہاں جا رہے ہیں یہاں ہماری پذیرائی ہوگی۔ لوگ ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور خاصی دلچسپیاں رہیں گی‘ لیکن یہاں کا ماحول خاصا ریزروسا ہے۔ بس یوں ہو رہا ہے جیسے ہر شخص اپنی ذات میں گم ہے۔“ سعدی نے کہا۔

”یہ بات نہیں ہے سعدی صاحب‘ دراصل اس حویلی کا ماحول اچانک تبدیل ہوگیا ہے۔ یہاں کچھ اصول ضرور مسلط تھے بلکہ ہیں‘ لیکن ہماری زندگی میں اچھی خاصی تفریحات تھیں اور یہ سب کچھ ایک حادثے کے تحت ختم ہوگیا ہے۔ اور حویلی کی فضا واقعی عجیب سی ہوگئی ہے اتنی عجیب کہ میں واقعی خود بھی گھٹن محسوس کرتی ہوں۔“

”حادثہ؟“ سعدی نے سوالیہ انداز میں فرحت کو دیکھا۔

”جی ہاں آپ کو شاید علم نہیں ہے کہ یہاں ایک ڈیڑھ ماہ قبل قتل ہوگیا تھا۔“

”قتل؟“ ظفری اچھل پڑا۔

”جی ہمارے بھائی کا قتل۔“

”ارے کون سے بھائی کا؟“

”جہانگیر بھائی کا۔ آپ مجھے کافی عجیب لوگ لگتے ہیں۔ بقول امی کے کہ آپ ان کی سہیلی کے بیٹے ہیں لیکن اتفاق کی بات ہے کہ کبھی مجھ سے بھی ان سہیلی کا تذکرہ نہیں ہوا۔ بہرصورت اس بات کے امکانات ہیں کہ یہ صرف اتفاق ہو‘ کیونکہ امی بے چاری بھی بہت سی الجھنوں کا شکار رہتی ہیں۔ ممکن ہے کبھی ذکر نہ آیا ہو۔ لیکن آپ ہمارے ہاں کے واقعات سے قطعی ناواقف ہیں۔“

”جی ہاں۔ دراصل ہم لوگ بھی اپنی تعلیم میں ہی الجھے ہوئے ہیں‘ بدقسمتی ہماری یہ ہے کہ ہمارا گھرانہ تنہا ہے۔ جیسا کہ خالہ جان نے آپ لوگوں کو بتایا تھا کہ ہم لوگ ملک سے باہر تھے۔ خاندان کے کچھ افراد اگر ہوں گے بھی تو وہ ادھر ادھر منتشر ہوگئے اور جب ہم لوگ اپنے وطن واپس آئے تو ہمیں اپنے اس چھوٹے سے گھرانے کے علاوہ کوئی اور گھر ایسا نہ مل سکا جسے ہم اپنا رشتہ دار تصور کرسکتے۔ تنہائی کی زندگی تھی۔ پھر شاید ہماری والدہ اور خالہ جان کے درمیان کوئی ملاقات ہوئی اور والدہ نے شاید ان سے یہاں آنے کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ ان دنوں چھٹیاں تھیں اور ہم لوگ بور ہو رہے تھے اور پروگرام بنا رہے تھے کہ کہیں جایا جائے کہ والدہ صاحبہ نے کہا کہ سبحان پور چلے جاؤ۔ آپ خود سمجھ سکتی ہیں کہ ان حالات میں ہم سبحان پور سے کس قدر روشناس ہوں گے۔“

”ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ آپ کا کوئی قصور نہیں ہے۔ ویسے مجھے حیرت تھی اس بات پر بلکہ مجھے ہی کیا سب کو ہی حیرت تھی اس بات پر کہ آپ اچانک ہی نمودار ہوئے ہیں۔“

”ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ حیرت کی بات ہی ہے۔ ویسے اگر آپ لوگوں کو ہماری آمد پسند نہ آئی ہو تو آپ یقین کریں کہ ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔“

”اس بات کا اندازہ آپ نے کیسے لگایا؟“

”نہیں نہیں اندازے کی بات نہیں ہے۔ بس میں یونہی سوچ رہا تھا کہ بعض اوقات اجنبی شخصیتوں کا وجود ذہن پر گراں گزرتا ہے۔“

”آپ لوگ کم از کم میرے ذہن پر گراں نہیں گزرے۔ باقی لوگوں نے بھی ایسے کسی جذبے کا اظہار نہیں کیا۔ آپ نہایت اطمینان سے یہاں رہیں۔ میں آپ سے کہہ چکی ہوں کہ یہ گھر اس وقت سوگوار ہے‘ ورنہ یہاں اس قدر خاموشی نہیں ہوتی۔ امی جان اپنے اصولوں میں سخت ضرور ہیں لیکن بچوں کے معاملات میں وہ بھی مداخلت نہیں کرتیں۔ ممکن ہے کچھ عرصے کے بعد یہاں کا ماحول پھر بہتر ہو جائے۔ لیکن اس وقت شاید آپ کو بہتر فضا نہ ملے۔ تاہم اگر آپ سبحان پور کے نواح دیکھنا پسند کریں تو میں آپ کی معاون ہوسکتی ہوں۔“ فرحت نے کہا۔

”جی نہیں۔“ ان حالات میں ہمارا بھی فرض یہی ہے کہ اگر یہاں کچھ روز رہیں بھی تو آپ کے ساتھ مکمل تعاون اور ہمدردی کریں۔“

”شکریہ! یہ اچھے انسانوں کی بات ہے۔ ویسے جہانگیر بھائی کا قتل ایک ایسا حادثہ ہے جسے ذہنوں سے مٹانے کے باوجود نہیں مٹایا جاسکا۔“

"ویسے تعجب ہے فرحت صاحبہ۔ انہیں کس نے قتل کر دیا۔ اور یہ جہانگیر صاحب۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔۔"

"جی ہاں جی ہاں۔ میں آپ سے باتیں ہی کرنے آئی ہوں۔ مجھے احساس ہوا تھا کہ آپ لوگ یقینی طور پر اس ماحول میں خوش نہیں ہوں گے۔ میں نے سوچا کہ کم از کم آپ کو یہ بتا دیا جائے کہ اس خاموشی کی وجہ کیا ہے۔"

"یقیناً ان حالات سے واقف ہوں ہمارا فرض بھی ہے۔ گو خالہ جان نے ہمیں اس بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔"

"جہانگیر بھائی ہمارے سب سے بڑے بھائی تھے۔ ہمارے سوتیلے بھائی۔ ابو کی بڑی بیگم کے بیٹے۔ جہانگیر بھائی اور خرم بھائی آپس میں سگے بھائی ہیں۔ لیکن ہم لوگوں کو کبھی وہ اپنا نہیں سمجھتے تھے۔ جہانگیر بھائی خود بھی ہم سے نفرت کرتے تھے اور خرم بھائی بھی۔ آپ نے یقیناً محسوس کیا ہوگا کہ کھانے کی میز پر خرم نام کی کوئی شخصیت نہیں تھی۔ جہانگیر بھائی کے قتل کے بعد سے خرم بھائی نے ہمارے ساتھ کھانے کی میز پر بیٹھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اور زیادہ تر آوارہ گردی کرتے رہتے ہیں۔"

"اوہ' تو وہ آپ کے سوتیلے بھائی ہیں؟"

"جی ہاں۔ بدنصیبی سے وہ اس لفظ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے ذہنوں میں اس قسم کی کوئی بات نہیں تھی۔"

"شہزاد صاحب آپ کے سگے بھائی ہیں؟"

"جی۔"

"اور یہ سینڈو خاں؟"

"یہ امی کے بھانجے ہیں' ہمارے ساتھ ہی رہتے ہیں بچپن ہی میں ان کے والدین کا انتقال ہو گیا تھا' تب سے انہوں نے اس حویلی میں پرورش پائی ہے۔" فرحت نے بتایا۔

"اچھا۔ اور وہ ایک صاحب غالباً مولوی محفوظ' ان سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟"

"رشتہ تو کوئی نہیں ہے' لیکن انہوں نے اسی حویلی میں ہی پرورش پائی ہے۔ کئی سال ہوئے ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا' تب سے اکیلے ہی رہتے ہیں۔ پہلے ان کی والدہ ان کے ساتھ تھیں۔ بہر صورت مولوی قسم کے آدمی ہیں' کیا آپ ان سے ملے تھے؟"

"جی ہاں۔ شہزاد صاحب نے ملاقات کروائی تھی' وہ ملازم ہیں آپ کے ہاں؟"

"نہیں نہیں' ان کی حیثیت ملازموں کی نہیں ہے' بس ان کی امی اور وہ ہمیشہ سے حویلی میں رہتے رہے ہیں' نجانے کیا سلسلہ ہے ان کا۔ بس وہ خاندان کے ایک فرد کی حیثیت رکھتے ہیں۔"

"خوب۔ تو یہ ہے یہاں کا سلسلہ اور حالات۔ مگر قتل کا مسئلہ کیا تھا؟"

"بس کیا بتائیں آپ کو۔ ہماری بدنصیبی' شاید اس حویلی کی تاریخ میں کبھی کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا۔ جہانگیر بھائی باغ میں تھے کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی ان کی اور یہ قتل احمد چچا نے کیا۔ احمد چچا ہماری حویلی کے دیرینہ ملازم ہیں۔ اور جہانگیر بھائی خاصی غلط فطرت کے مالک تھے۔ انہوں نے احمد چچا کی بیٹیوں کو چھیڑا اور احمد چچا نے انہیں قتل کر دیا۔ اس کے باوجود امی نے ان ماں بیٹیوں کو گھر سے نہیں نکالا ہے۔ اس بات پر اس حویلی کے تقریباً آدھے افراد سخت ناراض ہیں امی سے۔"

"ہوں' خرم صاحب بھی ناراض ہوں گے؟"

"وہ تو ان لوگوں کے سخت دشمن ہیں۔ کئی بار امی کو بھی دھمکیاں دے چکے ہیں کہ وہ ان لوگوں کو قتل کر دیں گے۔"

"آپ کی امی کے ساتھ کیا رویہ ہے خرم صاحب کا؟"

"نہ پوچھیں تو بہتر ہے۔ بس جس قدر بے عزتی کر سکتے ہیں کرتے رہتے ہیں۔ انہیں ہر وقت پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پیسے لینے کے لیے تو وہ حویلی میں ضرور آتے ہیں' اگر کبھی خود ہی موڈ بن جائے تو ہفتوں رہتے ہیں اور باہر نہیں نکلتے اور جب نکلتے ہیں تو یوں بھی ہوتا ہے کہ ہفتوں واپس نہیں آتے۔ وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ امی کو تو وہ خاطر میں ہی نہیں لاتے۔ باقی

لوگوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک اچھا نہیں ہے۔"

"شہزاد صاحب تیز مزاج کے آدمی ہیں' کبھی خرم یا جہانگیر صاحب سے ان کا جھگڑا تو نہیں ہوا؟"

"ہو جاتا' لیکن امی اس سلسلے میں ہمیشہ آڑے آجاتی ہیں۔ شہزاد بھائی کئی بار سیخ پا ہوئے' لیکن امی نے انہیں اس سختی سے کنٹرول میں کیا ہوا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔"

"ہوں اور یہ سینڈو خاں؟"

"وہ تو بس ایک معصوم سا آدمی ہے۔ شہزاد بھائی کو بے پناہ چاہتا ہے' ان کے لیے سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہے اس کی اپنی کوئی شخصیت نہیں ہے۔"

"گڈ' ویسے کیا یہ تعجب کی بات نہیں ہے مس فرحت کہ احمد جیسے آدمی نے جہانگیر کو قتل کر دیا؟ یقیناً وہ بوڑھا آدمی ہوگا اور جہانگیر صاحب نوجوان اور اچھے تن و توش کے مالک' پھر احمد نے انہیں کیسے قتل کر دیا؟"

"نہیں' احمد چچا بھی اچھے تن و توش کے مالک ہیں' لیکن وہ ایسے آدمی نہیں ہیں کہ کسی کو قتل کر دیں۔ میں انہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ اب اس بات کا کیا کیا جائے کہ وہ اپنا غصہ برداشت نہیں کر پائے' لیکن اس کے بعد بھی تو یہاں عجیب و غریب واقعات ہوئے ہیں۔" فرحت نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"پتا نہیں کیا چکر ہے' میں تو نہیں سمجھ سکی۔ جعفر چچا ایک بار بتا رہے تھے کہ آدھی رات کے وقت سیاہ نقاب میں ملبوس ایک شخص ان کے کوارٹر میں داخل ہو گیا اور پستول ان کے سینے پر رکھ کر بولا۔ بتاؤ گھڑی کہاں ہے؟ جعفر چچا کو کسی گھڑی کے بارے میں معلوم نہیں تھا' انہوں نے بڑی مشکل سے اسے یقین دلایا کہ ان کے پاس کوئی گھڑی نہیں ہے۔ پھر یہی واقعہ محمود مالی کے ساتھ پیش آیا۔ نجانے کون اس حویلی میں اپنی گھڑی تلاش کرتا پھر رہا ہے۔ میرا مطلب ہے حویلی ایسے حالات کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ پھر آپ خود سوچیں کہ یہاں زندگی کیسے باقی رہے۔"

"جی ہاں جی ہاں۔" ظفری نے کہا۔ ویسے ان دونوں نے یہ نکتہ خاص طور پر یاد رکھ لیا تھا۔ گھڑی کہاں ہے؟ ایک دلچسپ سوال تھا اور اس سوال کا جواب بھی دلچسپ ہی ہو سکتا تھا۔ دفعتاً ظفری نے پوچھا۔

"ایک بات بتایئے مس فرحت؟"

"جی۔"

"یہ 'گھڑی کہاں ہے' کا مسئلہ جہانگیر صاحب کے قتل کے بعد شروع ہوا؟"

"ہاں کئی دن کے بعد۔ میرا خیال ہے حویلی کے کئی افراد اس سوال کا شکار ہیں' مگر یہاں ایک دوسرے کو کسی کی بات معلوم ہی نہیں ہوتی' تمام رازوں کا خزانہ امی کا سینہ ہے۔ مگر وہ اتنی محتاط ہیں کہ کسی کو کسی کے بارے میں کچھ بتاتی ہی نہیں ہیں۔ شہزاد بھائی بھی اکثر ان سے ناراض رہتے ہیں اس سلسلے میں کہ امی سگا بیٹا ہونے کے باوجود انہیں حالات سے باخبر نہیں رکھتیں۔"

"ہوں۔" چند ساعت خاموشی رہی۔ پھر سعدی نے کہا۔ "بڑے دکھ بھرے حالات ہیں یہاں کے تو۔ ہم تو سوچ رہے تھے کہ یہ حویلی خوشیوں کا گہوارہ ہے یہاں کے لوگ جس مطمئن انداز میں زندگی گزار رہے ہیں وہ قابل رشک تھی لیکن یہ جان کر بہت دکھ ہوا کہ یہاں بھی دکھ موجود ہیں۔ ہم آپ کی پریشانی میں برابر کے شریک ہیں فرحت صاحبہ' ہاں ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو آپ ضرور بتا دیں۔"

"نہیں۔" شکریہ۔ بس یہ میں نے اپنا فرض سمجھا کہ آپ کو حالات سے آگاہ کر دوں۔" تاکہ آپ بددل نہ ہوں۔" فرحت نے جواب دیا۔

"نہیں نہیں' اس میں بددلی کی کیا بات ہے۔" دونوں نے خوش اخلاقی سے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد فرحت چلی گئی۔

"جی اب کیا خیال ہے' قبلہ محترم؟" ظفری نے کہا۔

"یار حالات تو خود بخود ملتے چلے جا رہے ہیں' گھڑی کہاں ہے؟" سعدی بولا اور

ظفری ہنس پڑا۔

”دو نام لیے گئے ہیں اس سلسلے میں۔ جعفر چچا اور محمود مالی۔ یہ جعفر چچا بھی کوئی ملازم چیز ہی معلوم ہوتے ہیں۔ کیا خیال ہے تلاش کیا جائے انہیں۔“

”ہاں۔ یقیناً یہ معاملہ خاصا دلچسپ رہے گا۔“

”جعفر چچا کی تلاش میں انہیں کوئی خاص دقت نہ ہوئی۔ یہ ایک بوڑھا ملازم تھا۔ ایک ملازم سے ہی انہوں نے جعفر کے بارے میں پوچھا تو اس نے ایک کوارٹر کی طرف اشارہ کر دیا۔

”ابھی ابھی اندر گئے ہیں۔“ چنانچہ یہ دونوں اندر پہنچ گئے۔ جعفر چچا نے گردن جھکا کر ان کا استقبال کیا تھا۔ ”کوئی کام ہے میاں مجھ سے؟“

”جی ہاں، بس فرحت بی بی نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔ سو ہم آپ سے ملنے آ گئے۔ کیا آپ یہاں تنہا رہتے ہیں؟“ سعدی نے پوچھا۔

”ہاں میاں، اس کوارٹر میں اکیلا ہی رہتا ہوں۔ اور کوئی ہے نہیں میرا۔ بیٹھو حالانکہ یہ مالکوں کے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے لیکن اخلاقاً یہی کہہ سکتا ہوں۔“

”ارے نہیں جعفر چچا، اوّل تو ہم مالک کہاں ہیں، مہمان ہیں، چند روز کے لیے آئے ہیں چلے بھی جائیں گے۔ فرحت نے ایک واقعہ سنایا تھا۔ ہمیں بڑی دلچسپی ہوئی ہے اس سے ہم نے سوچا کہ آپ سے تفصیلات معلوم کریں۔“

”ہوں۔ کیا واقعہ تھا؟“ جعفر چچا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”وہ گھڑی کا کیا معاملہ ہے؟“

”میں میاں اس گھر کا وفادار ہوں۔ بے شک تم یہاں معزز مہمانوں کی حیثیت رکھتے ہو لیکن بس اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ ایک رات ایک آدمی کالے سے کپڑوں میں لپٹا ہوا میرے پاس آیا اور پستول کی نال میری پیشانی پر رکھ کر بولا کہ گھڑی کہاں ہے۔ اب اس گھڑی کے بارے میں کچھ معلومات ہوتیں تو میں اسے جواب بھی دیتا۔ میں نے یہی کہا کہ بھائی اللہ کے واسطے اس فضول بات کو مجھ سے مت پوچھو۔ مجھے اس گھڑی کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ پھر مالی کے

ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور پھر شاید کسی اور سے بھی۔ اس بارے میں پوچھا گیا۔ مگر کسی کو معلوم ہی نہیں تھا کون بتاتا۔ پتا نہیں کیسی گھڑی تھی وہ کم بخت اور کون تھا وہ بدبخت۔“ جعفر چچا نے کہا۔

”آپ اس کا حلیہ بتا سکتے ہیں؟“

”جی ہاں بتا سکتا ہوں۔ سر سے پاؤں تک کالے کپڑے پہنے ہوئے تھا، چست پتلون، چست قمیض۔ چہرہ بھی ایک کالے سے کنٹوپ میں ڈھکا ہوا تھا، صرف آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن ان پر بھی جالی لگی ہوئی تھی۔

”تن و توش کیسا تھا؟“ ظفری نے سوال کیا۔

”بھیا میرے اگر کوئی تمہارے سر پر پستول رکھ دے اور وہ بھی اس وقت جب تم سو رہے ہو، تو تم سوتے سے جاگو اور پستول کی نال تمہاری پیشانی پر دباؤ ڈال رہی ہو تو تم اس وقت تن و توش یاد رکھ سکتے ہو۔ یہی کیفیت میری بھی تھی۔ میں نے غور ہی نہیں کیا۔ اس وقت بھی نہیں جب وہ چلا گیا۔ میں تو صرف یہ سوچ رہا تھا کہ یہ گھڑی کہاں سے نکل آئی، بیگم صاحبہ کے علاوہ میں نے کسی اور سے اس بات کا تذکرہ بھی نہیں کیا تھا۔“ جعفر چچا نے بتایا۔

اس کے بعد ان دونوں نے محمود مالی سے سوالات کیے۔ لیکن کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔ شام کو چھ بجے کی چائے کے بعد بیگم صاحبہ ان کے ساتھ ہی ٹہلتی ہوئی ان کی رہائش گاہ میں آ گئی تھیں۔

”تم لوگ کام شروع کر چکے ہو؟“ انہوں نے سوال کیا۔

”جی خالہ جان آپ مطمئن رہیں ہم لوگ صورت حال کا بہت جلد اندازہ لگا لیں گے۔“

”دیکھو بچو، ایک بات میں تم سے اور کہوں وہ یہ کہ اگر کوئی نکتہ مل جائے تو اسے منظر عام پر لانے کی بجائے پہلے مجھ سے مشورہ کر لینا۔ میں اس حویلی کی عزت کو بھی برقرار رکھنے کی خواہاں ہوں۔ اور میں کوئی ایسا حل نکالوں گی جس سے اس حویلی کی عزت رہ جائے۔ تم سمجھ رہے ہو گے میری بات؟ میرے بھی بچے ہیں۔“ ”میں نہیں چاہتی کہ ان پر کوئی ضرب آئے۔“ بیگم صاحبہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے آپ مطمئن رہیں۔ ہم آپ کو صورت حال سے آگاہ رکھیں گے۔ لیکن ایک درخواست آپ سے ضرور ہے۔“ سعدی نے کہا۔

”ہاں ہاں کہو۔“

”آپ اس سلسلے میں کوئی بات نہ چھپائیں جو ہمارے لیے کار آمد ہو۔“

”نہیں' ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔“

”ہے خالہ جان۔“

”کیا؟“ بیگم صاحبہ نے اچنبھے سے پوچھا۔

”آپ نے گھڑی والا واقعہ نہیں بتایا۔“

”ایں۔“ بیگم صاحبہ چونک پڑیں۔ ”تمہیں کیسے معلوم ہوا؟“ انہوں نے پوچھا۔

”یہ سوال بے مقصد ہے۔ ظاہر ہے آپ نے ہمیں جس کام کے لیے دعوت دی تھی' ہم نے اس کا آغاز کر دیا ہے' ظاہر ہے کچھ نہ کچھ معلومات تو ہونی چاہیے تھیں۔“

”ہاں گھر کے دو تین ملازموں سے کسی نے رات کی تاریکی میں یہ سوالات کیے ہیں کہ گھڑی کہاں ہے؟ میں نے اپنے طور پر بہت معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس شخصیت کی کوئی نشاندہی نہیں ہو سکی۔ جس نے یہ سوالات کیے ہیں۔“

”خالہ جان آپ کو ان واقعات پر کوئی تشویش نہیں ہوئی؟“ سعدی نے پوچھا۔

”میری تشویش کا کیا پوچھتے ہو۔ سعدی۔ میں تو ہر لمحہ سولی پر لٹکی رہتی ہوں۔ بس نہ جانے کون کون سے خیالات مجھے کھاتے جا رہے ہیں۔“

”پھر بھی خالہ جان آپ کو اس سلسلے میں تھوڑی بہت تفتیش کرنی چاہیے تھی' یہ ایک فطری بات ہے۔ اپنے ان قرب و جوار کے لوگوں پر آپ نے ضرور نگاہ رکھی ہو گی جن پر آپ کو اس بات کا شبہ ہو سکتا ہے۔ کیا آپ نے کسی ایسی شخصیت کو دیکھا جس کے پاس گھڑی موجود نہ ہو' ظاہر ہے اس واقعے کے بعد آپ کی توجہ خاص طور سے اس طرف گئی ہو گی۔“

”ہاں میں نے ایسا کیا تھا' لیکن مجھے کوئی بھی ایسا نہ ملا جس کے پاس گھڑی موجود نہ ہو۔ میرا مقصد ہے وہ لوگ جو میرے قرب و جوار میں رہتے ہیں اور جن پر مجھے شبہ ہو سکتا ہے۔“

”ہوں۔ ظاہر ہے اس سے زیادہ گہرائی میں آپ نہ گئی ہوں گی۔ اچھا خیر' اب ہمیں ایک معاون درکار ہے' جس سے ہم یہاں کے سارے معاملات معلوم کر سکیں۔“

”کیا مطلب؟“

”میرا مطلب ہے جو ہمیں اس کوٹھی کے چپے چپے کے بارے میں سب کچھ بتا سکے۔ ایسی کوئی شخصیت دے سکیں گی مجھے؟“

”ہاں۔ ویسے تم جو کچھ معلوم کرنا چاہتے ہو' مجھ سے ہی معلوم کر لو۔“

”نہیں خالہ جان یہ تو ضرورت پڑنے کی بات ہے۔“

”تب ٹھیک ہے' میں فضل کو تمہارے پاس بھیج دیتی ہوں۔ وہ یہیں مہمان خانے میں کام کرے گا۔ میں اسے ہدایت دے دوں گی کہ جس طرح تم کہو' اس پر عمل کرے۔ بس تمہارا کام بن جائے گا۔“

”بہت بہت شکریہ خالہ جان۔“ سعدی نے کہا۔ اسی وقت دروازہ طوفانی انداز میں کھلا اور ایک خوب صورت نوجوان اندر داخل ہو گیا۔ چہرے سے وہ ٹھیک ٹھاک ہی نظر آ رہا تھا' لیکن اس کی آواز میں ایک کرختگی بسی تھی۔

”آپ یہاں تشریف فرما ہیں اور میں پوری کوٹھی میں آپ کو تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔“

”کیا بات ہے خرم؟“ بیگم صاحبہ نے سرد لہجے میں پوچھا۔

”یہیں بتانا ہے۔“ وہ کرخت انداز میں بولا۔

”ہاں بتاؤ' کیا بات ہے؟“ بیگم صاحبہ کی آواز بھی کرخت ہو گئی۔

”مجھے پچیس ہزار روپے چاہئیں۔“

”پچیس ہزار صرف؟“ بیگم صاحبہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”جی ہاں پچیس ہزار' اور مجھے ان کی سخت ضرورت ہے' مجھے یقین ہے آپ انکار نہیں کریں گی۔“

"تمہارا یقین ایک حماقت ہے۔ میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ فضول آوارگیوں کے لیے میرے پاس کوئی پیسے نہیں ہیں۔ تمہارے بارے میں جو اطلاعات مجھے موصول ہوئی ہیں' ان کے تحت میں نے یہ قدم اٹھانا ضروری سمجھا ہے کہ تمہیں پیسے نہ دوں۔"

"دیکھیے امی جان میں آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میرے بارے میں جو اطلاعات آپ کو فراہم کی جا رہی ہیں۔ وہ ایک سازش کے تحت ہیں اور سازشی آپ سے اتنے قریب ہیں کہ آپ ان کی بات پر مجھ سے زیادہ یقین کر لیتی ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ میرے ساتھ اس حویلی میں کیا ہو رہا ہے؟ زبان نہیں کھولنا چاہتا آپ کا احترام مانع ہے۔ آپ مجھے اس کے لیے مجبور نہ کریں کہ بالآخر ایک دن میں چیخ چیخ کر لوگوں کو حالات بتانے پر مجبور ہو جاؤں۔"

"کون سے حالات کی بات کر رہے ہو خرم؟"

"وہی جنہوں نے مجھ سے میرا بھائی چھینا ہے۔ آپ یقین فرمایئے امی جان کہ اب میرا دل آپ کو صرف بیگم صاحبہ کہنے کو چاہتا ہے۔ امی جان کہتے ہوئے مجھے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے اور یہ احساس اس وقت سے اور بھی شدید ہو گیا ہے جب سے آپ نے مجھے تنہا کر دیا ہے۔"

"میں نے تمہیں تنہا کر دیا ہے؟" بیگم صاحبہ غرا کر بولیں۔

"خدا ہی جانے کس نے کیا ہے' اس کا اندازہ آپ کو ہی ہو سکتا ہے' لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر میرے ساتھ یہ سخت رویہ جاری رہا تو میں مجبور ہوں کہ خود بھی کچھ نہ کچھ کہوں۔"

"تو تمہیں منع کس نے کیا ہے۔ جاؤ چیخ چیخ کر حویلی کے دروازے پر جا کر کہو کہ یہاں تمہارے دشمن رہتے ہیں۔"

"ہاں' میرے دشمن رہتے ہیں' اس حویلی میں میرا کوئی دوست نہیں ہے سمجھیں آپ؟ لیکن بالآخر یہ حویلی میری ہے۔ آپ سے پہلے میری ماں یہاں رہتی تھیں اور اس تمام حویلی اور جائیداد پر حکومت کرتی تھیں اگر وہ زندہ ہوتیں تو یہ سب کچھ ہمارا ہوتا۔ ٹھیک ہے تقدیر نے اسے ہم سے چھین لیا اور آپ کو ہم پر مسلط کر دیا' لیکن ہم تقدیر کے تمام فیصلوں کو تسلیم نہیں کریں گے۔ میرا

بھائی مجھ سے چھن گیا ہے' میری کمر توڑ دی گئی ہے' لیکن اب بھی میرے بدن میں اتنی سکت ہے کہ میں اپنا تحفظ کر سکوں۔ ٹھیک ہے آپ اس دولت پر سانپ بنی بیٹھی رہیں' لیکن بالآخر ایک دن آپ کو یہ دولت اس طرح اگل دینی پڑے گی جس طرح سانپ اپنا منکا اگل دیتا ہے۔" وہ غراتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

بیگم جہانداد ساکت و جامد بیٹھی رہ گئی تھیں۔ پہلے ان کا چہرہ سرخ پھر سفید پڑ گیا۔ وہ بے حد مضمحل اور نڈھال نظر آنے لگی تھیں۔ پھر انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"دیکھا تم نے؟ دیکھ لیا؟" ان کی آواز میں بے پناہ کرب تھا۔ سعدی اور ظفری کچھ نہ بول سکے۔ وہ معنی خیز نگاہوں سے بیگم صاحبہ کو دیکھ رہے تھے۔

"میں چلتی ہوں۔ حالات ٹھیک نہیں ہیں' میں جا رہی ہوں۔" انہوں نے کمزور لہجے میں کہا اور لڑکھڑاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

"نوٹ کیا عالم پناہ؟" ظفری نے کہا۔

"ہاں نوٹ کیا۔" سعدی بولا اور دونوں پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگے۔

خرم خود ہی آیا تھا۔ دونوں اسے دیکھ کر سنبھل گئے۔ اس کی آمد غیر متوقع تھی۔ لیکن اس وقت اس کے چہرے پر کرختگی کے آثار نہیں تھے۔

"ہیلو۔" اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"ہیلو خرم صاحب' تشریف لایئے۔"

"شکریہ' مجھے افسوس ہے کہ آپ کو میری وجہ سے ذہنی کوفت سے دوچار ہونا پڑا۔ میں اس وقت بہت جذباتی ہو گیا تھا۔ اور یہ میری کمزوری ہے۔"

"وہ آپ لوگوں کا ذاتی معاملہ تھا مسٹر خرم۔ ہمیں اس میں دخل نہیں دینا چاہیے۔" سعدی نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں بہت بدنصیب انسان ہوں۔ دوستی کو اور دوستوں کو ترسا ہوا۔ نہ جانے کیوں لوگ میرے دوست نہیں بنتے۔ یقین کریں اتنا برا بھی نہیں ہوں۔ تنہائی اور اپنے ہی گھر میں

اجنبیت نے مجھے چڑچڑا کر دیا ہے۔ ورنہ کس کی خواہش نہیں ہوتی کہ اپنوں کے درمیان بیٹھ کر ہنسے بولے۔ لیکن تقدیر۔

"تشریف رکھیے خرم صاحب۔ آخر ایسی کیا بات ہے؟"

"یہ بات ہے۔ دولت سانسوں پر بوجھ بن جاتی ہے۔ دولت انسان کا ظرف چھین لیتی ہے۔ اس دولت نے میرا بھائی مجھ سے چھین لیا ہے۔ میرا جہانگیر۔ جو اس دنیا میں میرا واحد سہارا تھا۔"

"کیا آپ دل کا بوجھ ہلکا کرنا پسند کریں گے خرم صاحب جہانگیر صاحب کو کیا حادثہ پیش آیا تھا؟" سعدی نے بڑی شفقت اور دلجوئی کے انداز میں کہا۔

خرم بیٹھ گیا تھا۔ اس کے چہرے پر غم واندوہ کے آثار منجمد تھے۔ آنکھوں میں نمی نظر آ رہی تھی۔ پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

بعض اوقات دل پر بوجھ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ دیواروں سے باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے۔ میں بہت برا انسان ہوں۔ بہت ہی برا' لیکن کبھی کبھی میری برائیاں بھی میرا ساتھ چھوڑ دیتی ہیں۔ اور میں بالکل تنہا رہ جاتا ہوں۔ نہ جانے آپ لوگ میری باتوں کو کیا سمجھیں۔ لیکن دل کا بوجھ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ میں اسے ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔"

"ضرور خرم صاحب۔ کہیں ضرور کہیں۔"

"بچپن سے ہم دونوں بھائی محرومیوں کا شکار رہے ہیں۔ بیگم صاحبہ ہماری سوتیلی ماں ہیں۔ بظاہر بہت نیک' بڑی باوقار لیکن نہ جانے عورت کیوں اس سوتیلے پن کو نہیں بھلا پاتی۔ ہمارے ساتھ بہت سخت رویہ رہا ان کا اور ہمیں ہمیشہ یہ احساس دلایا جاتا رہا کہ ہم ان میں سے نہیں ہیں۔ بچپن معصوم ہوتا ہے لیکن جوانی۔ نہ جانے انسان کو کیوں عقل آ جاتی ہے۔ ہم دونوں بھائی اس احساس کا شکار رہے کہ ہم تنہا ہیں' اور اس تنہائی نے ہماری محبتوں کو اور بڑھا دیا۔ اور پھر' مجھ سے میرا بھائی بھی چھین لیا گیا۔ جہانگیر مجھ سے بچھڑ گیا۔ ظالموں کو ہماری یہ محبت بھی گراں گزری اور ۔۔۔۔ اور۔۔۔۔" خرم نے دونوں ہاتھوں سے چہرا چھپا لیا۔

"دشمنی۔" خرم گلوگیر لہجے میں بولا۔ "صرف ایک دشمنی۔ ہماری محبت انہیں خطرہ محسوس ہوتی تھی۔ صرف یہ دشمنی کہ ہم دونوں مل کر اس عظیم الشان جائیداد کو ہڑپ کرنے کی کوشش نہ کریں۔"

"اوہ اس کا مطلب ہے کہ۔۔۔۔۔ آپ کا اشارہ بیگم جہانداد کی طرف ہے؟"

"میرا سینہ جل رہا ہے۔ مجھے میرا بھائی یاد آ رہا ہے۔ میں کسی کا لحاظ نہیں کر سکتا۔ ہاں' یہ ان سب کی سازش تھی۔ وہ سب میرے بھائی کے قاتل ہیں۔"

"آپ نے پولیس کو یہ بیان کیوں نہیں دیا؟"

"اس لیے کہ وہ بیگم جہانداد ہیں اور میں صرف خرم۔ میری کون سنتا؟"

"لیکن قاتل تو پکڑا جا چکا ہے خرم صاحب۔"

"قاتل؟" خرم نے طنزیہ کہا۔ "ہاں قاتل پکڑا جا چکا ہے' لیکن ایک ایسا آدمی جس نے کبھی زندگی میں کبھی مکھی بھی نہیں ماری۔ یہ دولت کے کھیل ہیں۔ جس نے خود کو قاتل کہا اس کی بچیوں کا مستقبل محفوظ ہو گیا۔ اب وہ عزت کی زندگی جئیں گی۔ اتنا ملے گا انہیں کہ ان کا باپ دس جنم میں بھی نہیں کما سکتا تھا۔"

"اوہ' تو احمد کو خریدا گیا ہے؟"

"اس حویلی میں' اس عظیم الشان حویلی میں بہت سے راز پوشیدہ ہیں' آپ لوگوں کو کیا معلوم۔ مولوی محفوظ کو جانتے ہیں؟"

"ہاں۔ ان سے ملاقات ہو چکی ہے؟"

"جانتے ہیں وہ کون ہے؟"

"نہیں۔"

"ہمارا بھائی۔ ہمارے باپ کا بیٹا۔ لیکن اس کی بدبختی کہ میرے والد نے اس کی ماں سے شادی نہیں کی تھی۔"

اس انکشاف پر سعدی اور ظفری دنگ رہ گئے تھے۔ ان کے ذہن میں ایک نئے خیال

نے جنم لیا تھا۔ دیر تک وہ ان الفاظ کے دھماکے کی بازگشت محسوس کرتے رہے تھے۔ پھر انہوں نے خود کو سنبھالا اور سعدی نے کہا۔

"بڑی دلدوز کہانی ہے خرم صاحب آپ کی۔ دل دکھ گیا۔ لیکن جہانگیر کو کس نے قتل کیا؟"

"جان کر انجان بن جائیں آپ تو دوسری بات ہے۔ میرا بھائی اس قدر چوہا بھی نہیں تھا کہ کسی معمولی آدمی کا شکار ہو جائے۔ لیکن میاں اس کام کے لیے پہلوانوں کو بھی پالا گیا ہے۔ آپ نے سینڈو خاں کو دیکھا ہوگا؟" خرم نے کہا۔

"ہاں دیکھا ہے۔ اور اب تم بھی دیکھ لو" دروازے پر شہزاد کی آواز سنائی دی اور سب چونک پڑے۔ "اور کچھ زہر اگلنا چاہتے ہو خرم۔ اگلو۔ اس حویلی کو ننگا کر دو۔ اس سے زیادہ تم اور کیا کر سکتے ہو۔ پولیس کو بیان دو، ان بے چاروں کے سامنے رونا رونے سے کیا حاصل۔ تمہارا خیال غلط ہے ان کا تعلق پولیس سے نہیں ہے۔ تم جو ملازموں سے ان کے بارے میں چھان بین کر رہے تھے اس کے تحت تمہارا اندازہ غلط تھا۔"

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"تمہاری شیطنیت کی تفصیل معلوم کرنے۔ تم ہمیں اپنے بھائی کا قاتل ثابت کرنا چاہتے ہو نا؟ کوشش کرو۔ اور کوشش کرو۔"

"بکواس مت کرو شہزاد۔ وقت حقیقت اگل دے گا۔"

"خرم، تم نے ان لوگوں کے سامنے بدتمیزی کی ہے۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔"

"کیا کرو گے تم میرا؟"

"میں تمہاری زبان کاٹ کر پھینک دوں گا سمجھے تم۔ کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو؟" شہزاد نے کہا۔ سعدی اور ظفری ارے ارے ہی کرتے رہے اور وہ دونوں آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ پہلے تو وہ ایک دوسرے کو گیدتے رہے۔ پھر دفعتاً خرم کراٹے کا پوز بنا کر کھڑا ہو گیا۔

"بس بس خرم صاحب۔ اس کے لیے میں موجود ہوں۔" دفعتاً سینڈو خاں آگے

بڑھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ لیکن اب سعدی اور ظفری خاموش نہ رہ سکے۔ وہ ان لوگوں کے درمیان میں آ گئے۔

"یہ سب کچھ غلط ہے۔ آپ لوگ ہمارے کمرے میں ہیں اور پھر یہ تہذیب کے خلاف ہے۔"

خرم سینڈو خاں کو درمیان میں دیکھ کر ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ وہ ان لوگوں کو برا بھلا کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

"آپ درمیان میں آ گئے ورنہ۔۔۔۔۔۔" شہزاد بولا۔

"یہ مناسب نہیں ہے شہزاد۔"

"کیا مناسب ہے اور کیا نا مناسب، اس کا فیصلہ ہونا ضروری ہے۔ آؤ سینڈو۔" شہزاد نے کہا اور غصے میں بھرا ہوا باہر نکل گیا۔ ظفری اور سعدی ہاتھ جھاڑنے لگے۔ پھر انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور ہنس پڑے۔

"تو یہ ہے صورت حال؟" ظفری بولا۔

"دماغ چکرا کر رہ گیا ہے۔ ہر لمحہ ایک نئی بات۔ یہ مولوی محفوظ۔ ذرا غور کرو اگر یہ بات درست ہے تو کیا اس طرف ذہن نہیں جاتا۔ ایک ایسی شخصیت جس کی کوئی حیثیت نہ ہو کیا کیا اس کے دل میں۔۔۔ اوہ ظفری یہ بات واقعی قابل غور ہے۔ سوچو ذرا۔"

"تحقیقات می لارڈ۔ میرے خیال میں یہ ملازم افضل، اس سلسلے میں کارآمد ہوگا۔ اس سے کچھ معلومات حاصل کی جائیں۔" ظفری نے کہا۔ اور دفعتاً چونک پڑا۔ صوفے کے پائے کے پاس کوئی شے اسے نظر آئی تھی۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ ایک چرمی پرس تھا۔

"یہ پرس ہم میں سے کسی کا نہیں ہے۔" اس نے پرس کو کھول کر دیکھا ایک کارڈ اس میں موجود تھا۔ "خرم جہانداد۔" پرس میں کچھ نوٹ تھے۔ دو اور وزیٹنگ کارڈ تھے اور ایک رسید تھی۔ ظفری اسے کھول کر دیکھنے لگا۔ ایک واچ کمپنی کی رسید تھی۔ قیمت سولہ سو اسی روپے۔ نام خرم جہانداد، گارنٹی وغیرہ۔ لیکن تاریخ دیکھ کر ظفری اچھل پڑا۔ اس کا ذہن ایک دم گھوم گیا تھا۔

”سعدی، اسے دیکھو۔اس نے رسید سعدی کی طرف بڑھادی۔اور سعدی پہلے تو نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔پھر وہ بھی اچھل پڑا۔

”اوہ۔۔۔۔اوہ۔۔۔۔۔۔گھڑی کہاں ہے؟“اس کے منہ سے نکلا۔

گھڑی محمود مالی کے آٹھ سالہ بیٹے سے برآمد ہوگئی۔سہمے ہوئے بچے نے بتایا کہ یہ گھڑی اسے باغ میں سے ملی تھی۔واچ کمپنی کے سیلز مین نے تصدیق کردی کہ اس تاریخ کو یہ گھڑی خرم جہانداد نے خریدی تھی۔وہ ذاتی طور پر بھی خرم کو جانتا تھا۔

سبحان پور کے ہوٹل سلاطین میں ایس کے رحیم نے ان لوگوں سے ملاقات کی۔وہ ان کے تار پر یہاں آیا تھا۔مسکراتے ہوئے اس نے کہا۔

”آپ لوگ تو اب سند یافتہ جاسوس ہوگئے۔لیکن یہ ثبوت ٹھوس نہیں ہیں۔صرف ایک گھڑی کی وجہ سے یہ قتل ثابت نہیں ہوسکتا ہے۔“

”بہرحال دلیل تو ہے۔گھر میں بھائی کی لاش پڑی تھی اور خرم باہر خریداری کررہا تھا۔صاف ظاہر ہے رات کو گھڑی گم ہوجانے پر اس نے فوری طور پر اسی میکر کی دوسری گھڑی خرید لی تھی تاکہ کوئی شبہ نہ کرسکے اور گھڑی مل بھی جائے تو وہ کہہ سکے کہ یہ اس کی نہیں ہے۔“

”لیکن اس بدبخت نے اپنے بھائی کو قتل کیوں کردیا؟“

”واقعات کی ایک تصویر بنائی ہے ہم نے۔اگر خرم شہزاد یا فرحت قتل کرتا تو ان دونوں پر شبہ کیا جاسکتا تھا۔اس نے جہانگیر کو قتل کرکے دوہرا شکار کھیلا۔جائیداد کا ایک حصہ بھی محفوظ ہوا۔اس کی یہ کوشش تھی کہ شہزاد کو اس کیس میں پھانسی ہوجائے۔اس طرح شہزاد راستے سے ہٹ جاتا۔اس کے بعد جائیداد کا وارث وہی رہ جاتا تھا۔لیکن ملازم احمد درمیان میں کود پڑا۔خرم گھڑی کے لیے بہرحال پریشان تھا اور راتوں کو وہ گھڑی کی تلاش میں سرگرداں رہتا تھا۔

”بہت بڑا رسک لے رہا ہوں تمہارے لیے۔ہرچند کہ کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے لیکن دلیل مضبوط ہے۔ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ میں مقامی پولیس کی مدد سے آج ہی خرم کو گرفتار کرلوں گا‘ اس کے بعد اللہ مالک ہے۔“

خرم کی گرفتاری سخت سنسنی خیز تھی۔ایس کے رحیم نے بڑے اعتماد سے اسے گرفتار کیا تھا۔خرم ششدر رہ گیا۔اور جب گھڑی اس کے سامنے پہنچی تو وہ نڈھال ہوگیا۔

”یہ میری گھڑی نہیں ہے۔“اس نے کمزور لہجے میں کہا۔”میری گھڑی میری کلائی پر موجود ہے۔“

”نہیں خرم، تمہاری کلائی پر وہ گھڑی ہے جو تم نے اس گھڑی کے گم ہونے پر رو ہیل واچ کمپنی سے اسی دن خریدی تھی جس دن تمہارے بھائی کی تدفین ہورہی تھی۔یہ اس کی رسید موجود ہے۔“پولیس آفیسر نے رسید خرم کے سامنے رکھ دی۔

خرم کا چہرہ سفید پڑ گیا۔اور پھر وہ بول پڑا۔اس نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا تھا۔اور بیگم صاحبہ پر غشی طاری ہوگئی تھی۔سعدی اور ظفری ایس کے رحیم کے ساتھ ہی واپس آگئے تھے۔ایک ہفتے بعد انہیں بیگم جہانداد کی طرف سے پچیس ہزار روپے کا ایک چیک خط کے ساتھ موصول ہوا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ وہ دونوں فرصت نکال کر ان سے ملاقات کریں اور اس بچی کو بھی ساتھ لائیں جس کا انہوں نے ذکر کیا تھا۔

☆......☆......☆

بیگم جہاں آراء ہدایت پور کی اچانک آمد پر سب ہی حیران رہ گئے تھے۔ انتہائی خوبصورت مرسیڈیز بنگلے کے گیٹ کے سامنے آ کر رکی تو سب کی نظریں اس طرف اٹھ گئیں۔ اس وقت تمام لوگ بنگلے کے خوبصورت لان پر بیٹھے خوش گپیاں کر رہے تھے۔ چائے آنے والی تھی انتظار ہو رہا تھا کہ یہ مرسڈیز نظر آئی تھی۔ بیگم صاحبہ کو دیکھ کر سب اٹھ کھڑے ہوئے اور خوشگوار حیرت سے ان کا استقبال کیا۔

"ماشاء اللہ' ماشاء اللہ بھئی دلی مبارکباد قبول کرو۔۔۔۔ بہت خوبصورت مکان ہے' کب خریدا؟" رسمی گفتگو کے بعد جہاں آراء بیگم نے کہا۔

"کوئی دس ماہ ہو گئے۔" مضطرب صاحب نے جواب دیا۔

"دلی مبارکباد قبول کریں' مضطرب صاحب' خدا نے آپ کو بڑھاپے میں اولاد دی مگر بڑی لائق بڑی فرماں بردار۔"

"اولاد تو یہ اپنے والدین کی ہیں لیکن اللہ نے بڑھاپا سنوار دیا۔" مضطرب صاحب عاجزی سے بولے۔

"اور اولاد بھی ٹوئن یعنی دو دو بیٹے۔"

"جی نہیں تھری ان' ایک بیٹی بھی۔" مضطرب صاحب بولے۔

"اماں چچا میاں تمہاری گنتی کبھی ٹھیک نہیں ہو گی۔ تھری ان نہیں بڑی اماں چوان۔ میں

بھی ان کا بیٹا ہوں میرا نام ٹیٹو ایم ایم اے سینئر ڈیٹیکٹو عرف مجاز ٹرٹلز ہے آداب و نیاز۔۔۔۔" ٹیٹو نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"تو۔۔۔۔ تم ایم اے پاس ہو؟" بیگم صاحبہ بولیں۔

"جی نہیں۔ ایم ایم اے سے مراد ماہر مارشل آرٹس ہے۔" ٹیٹو بولا۔

"اوہ۔۔۔ بہت خوب۔" بیگم صاحبہ ہنستی ہوئی بولیں۔ "غالباً چائے کا اہتمام ہو رہا ہے۔"

"یوں سمجھ لیجئے آپ کے انتظار میں رکی ہوئی تھی۔ مضطرب صاحب نے کہا۔

"منگوایئے میں آ گئی ہوں ویسے لگتا ہے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ خوب ترقی کر گیا ہے۔ یہ قیمتی بنگلہ اسی کا اظہار کرتا ہے۔"

"سنگ بنیاد آپ نے ہی تو رکھا تھا بیگم صاحبہ۔"

"دیکھ لیجئے آج تک اسی کے لیے کام کر رہی ہوں' فون ہے میاں۔۔۔۔؟"

"جی ہاں' تین لائنیں ہیں۔" مضطرب صاحب بولے۔

"ایک فون کرنا ہے مجھے مگر چائے کے بعد۔ تو میں کہہ رہی تھی کہ بیرون ملک ہوتے ہوئے بھی آج تک اس ادارے کے لیے کام کر رہی ہوں پچھلے دنوں جنوبی امریکہ میں تھی۔ پیرا گوئے میں ایک پاکستانی سرمایہ دار سے ملاقات ہوئی مختصراً تعارف کرائے دیتی ہوں۔ نام چوہدری نور جبین خوش خیلی' بیٹے کا نام چوہدری بدر جبیں خوش خیلی' دنیا کے گنے چنے دولتمندوں میں شمار ہوتے ہیں دنیا بھر میں کاروبار پھیلا ہوا ہے۔ برازیل میں چائے اور کافی کے باغات اور ارجنٹائن میں کپڑے کے سب سے بڑے امپورٹر بولیویا میں تمباکو کے بادشاہ وغیرہ وغیرہ۔

"اعتراض بیگم صاحبہ۔۔۔۔" مضطرب صاحب نے ذہانت کا مظاہرہ کیا۔

"مضطرب صاحب۔" شکیلہ نے کڑی نظروں سے مضطرب صاحب کو گھورا۔

"تنخواہ میں سے سو روپے بھلے کم ہو جائیں بولے بغیر نہ رہوں گا۔" مضطرب صاحب

نے کہا۔

"بولئے۔ ضرور بولئے۔"

"کچھ غلط ہو گیا ہے۔"

"کیا؟"

"عموماً" بیٹے کی ولدیت بتائی جاتی ہے۔ آپ نے پہلے ولدیت بتائی پھر بیٹے کا نام بتایا۔"

"جی ہاں چونکہ معاملہ بیٹے کا ہے۔"

"کیا مطلب؟" مضطرب صاحب بولے۔

"مضطرب صاحب آپ بولے جا رہے ہیں۔" ظفری غرایا۔

"اٹھارہ سو رہ گئے' قبول' سمجھے بغیر نہ رہیں گے۔" مضطرب صاحب ڈھٹائی سے بولے۔

"میں بتادوں گی مضطرب فرمایئے لیکن یہ اٹھارہ سو روپے کا کیا معاملہ ہے؟" بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

"دو ہزار تنخواہ ملتی ہے احقر کو ادارے سے غیر ضروری بولنے پر سو روپے کٹ جاتے ہیں اس حساب سے اس ماہ تنخواہ سے اٹھارہ سو روپے رہ گئے۔"

"اوہ۔۔۔۔ یہ تو بری بات ہے بھئی آپ لوگ ایسا نہ کیا کریں۔" بیگم صاحبہ نے سفارش کی۔

"کچھ نقصان نہیں ہوتا' بیگم صاحبہ۔ تنخواہوں کے بل یہ احقر خود بناتا ہے۔ اور بل بناتے وقت مالکان کوئی دخل نہیں دیتے۔ بھلا اپنے ہاتھوں سے اپنی تنخواہ کیسے کاٹی جا سکتی ہے۔ ادائیگی پوری ہی ہوتی ہے خدا کے فضل سے۔" مضطرب صاحب نے کہا اور بیگم جہاں آراء ہنس پڑیں' پھر کہنے لگیں۔

"مضطرب صاحب آپ طویل عرصے تک جئیں گے جو خوشیاں آپ نے سمیٹ لی ہیں وہ آپ کو کبھی بوڑھا نہیں ہونے دیں گی مجھے اس ماحول سے بے حد خوشی ہوئی ہے۔ خصوصاً اس لئے کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ترقیاں کر رہا ہے۔ بہرحال اب آنے کا مطلب بیان کر دوں اس کے بعد مجھے ٹیلی فون کرنا ہے۔ تو میں نے جن حضرات کا تذکرہ کیا تھا یعنی نور جبیں خوش خیلی اور ان کے صاحبزادے بدر جبیں خوش خیلی کا' تو ان کا مسئلہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نور جبیں کو دولت سے نوازا ہے اور بدر جبیں ان کے اکلوتے صاحبزادے ہیں۔ باپ بیٹے نے بیک وقت ایک خواب دیکھ لیا اور چوہدری صاحب اس خواب کی تکمیل کے لئے سرگرداں ہو گئے۔ ابا جان نے خواب میں اپنے بیٹے کو انسپکٹر جنرل کی وردی میں دیکھا تھا۔ تائید صاحبزادے نے کر دی چنانچہ نور جبیں صاحب تل گئے بیٹے کو محکمہ پولیس میں داخل کرنے کے لیے اور تعلقات کی تو آپ بات ہی نہ کریں مسٹر سعدی اور مسٹر ظفری۔ اتنے تعلقات ہیں ان کے کہ فوراً ہی پیشکش ہو گئی۔ صاحبزادے کو براہ راست ڈی۔ ایس۔ پی بھرتی کرنے کی لیکن نور جبیں صاحب نے ضرور سمجھا کہ پہلے محکمہ پولیس الف ب سمجھ میں آ جائے اور کچھ تربیت مل جائے۔ مجھ سے تذکرہ ہوا تو میں نے آپ لوگوں کا نام لے دیا اور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں تفصیلات بتا دیں۔ بس نور جبیں صاحب بضد ہو گئے کہ ان لوگوں سے صاحبزادے بدر جبیں کو تربیت دلوائی جائے اور پھر پاکستان آتے ہی میری جان کے پیچھے پڑ گئے اور مجھے یہاں بھیج کر چھوڑا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ میں یہاں پہنچی ہوں یہاں سے مجھے ٹیلی فون کرنا ہے کہ میں نے آپ لوگوں کو اس تربیت کے لئے آمادہ کر لیا ہے اور اس کے بعد ان دونوں حضرات کو تشریف لانا ہے سو اے دوستو کیا میری لاج رکھ سکو گے؟ بدر جبیں صاحب ایک رئیس زادے ہیں اور رئیسوں کی قدیم روایات کے آخری نمائندے کو برداشت کرنا پڑے گا۔ چوہدری صاحب کی بھی یہی کیفیت ہے۔ میری مراد نور جبیں صاحب سے ہے۔ دولت مند ہیں لیکن پڑھنا لکھنا ضروری نہیں سمجھا گیا ہے۔ البتہ بدر جبیں صاحب کو چوہدری صاحب نے تعلیم دلائی ہے۔ تفصیل خود انہی سے معلوم کر لیں۔ بھئی تم لوگوں پر کوئی اثر نہیں پڑے گا جب پولیس کے

اعلیٰ ترین افسران نورچشم بدر جبیں کو اپنی فرزندی میں لینے کے لیے تیار ہیں تو تمہیں کیا؟ دیکھ لو تھوڑی سی تفریح ہی رہے گی اور میری لاج رہ جائے گی۔'' سعدی اور ظفری گول گول دیدے گھما رہے تھے۔ بڑا دلچسپ مسئلہ تھا۔ تاہم بیگم جہاں آراء کا مسئلہ ایسا تھا کہ ان کی کسی بات پر انکار کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے سعدی اور ظفری کو دیکھا تو سعدی کہنے لگا۔۔۔۔

''بھلا ہماری یہ جرت ہوسکتی ہے کہ آپ کے کیئے ہوئے کسی وعدے سے انکار کر سکیں۔''

''خیر یقین تو مجھے پورا پورا تھا اور تمہیں بھی ان لوگوں سے مل کر خوشی ہوگی۔ اچھے اور سادہ لوح لوگ ہیں۔ کسی طرح باعث نقصان نہیں بنیں گے۔ چائے پلایئے مضطرب صاحب۔ اس کے بعد میں انہیں ٹیلی فون کردوں'' اور چائے کے بعد بیگم جہاں آراء نے محترم چوہدری نور جبیں صاحب کو فون کردیا اور انہوں نے اطلاع دی کہ وہ فوراً پہنچ رہے ہیں۔ نور جبیں ایک شاندار سوٹ میں ملبوس صاحبزادے بدر جبیں کے ساتھ مضطرب صاحب کے خوبصورت بنگلے میں داخل ہوگئے۔ قابل دید شخصیت تھی مونچھیں گلہری کی دم کی مانند دونوں سمت اوپر کو اٹھی ہوئی تھیں' آدمی خوبصورت اور بارعب تھے۔ شیروانی اور شلوار میں ملبوس سر پر پٹھانی ٹوپی صاحبزادے بدر جبیں ایک حسین تراش کے سوٹ میں چمکتے دمکتے چہرے ہی سے حماقت ٹپکتی تھی۔ ان دونوں کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ پرتکلف کھانے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جس کا انتظام فوری طور پر مضطرب صاحب نے کرایا تھا کیونکہ شام کی چائے کا وقت تو نکل ہی چکا تھا۔ غرض یہ کہ سعدی اور ظفری سے چوہدری صاحب کا تعارف کرایا گیا بدر جبیں کو پیار سے بالے کہا جاتا تھا۔ انہیں سعدی اور ظفری کے سامنے انٹرویو کے لئے پیش کردیا گیا۔ شکیلہ بھی موجود تھی۔ شکیلہ نے سوال کیا۔

''بدر صاحب آپ کی تعلیم کیا ہے؟''

''بی اے پاس کیا ہے ہم نے۔'' بدر جبیں شرمائے ہوئے لہجے میں بولے۔

''میں تفصیل بتاتا ہوں جی۔ پہلے انہوں نے کیا دسواں پاس بیس ہزار روپے میں۔''

''جی۔۔۔۔؟'' شکیلہ نے بھنویں اٹھا کر نور جبیں کو دیکھا۔

''او بی بی غریب آدمی تھا کہنے لگا مکمل کام کرادے گا۔ بلاوجہ بچے کو ہلکان نہیں ہونا پڑے گا لیکن پھر بھی ہم نے ٹیوشن رکھ دی تھی۔ اس کے پیسے الگ خرچ ہوئے۔ باقی بیس ہزار روپے دے کر ہم نے اسے میٹرک کرادیا۔''

''اوہ گڈ۔۔۔اس کے بعد۔۔۔''

''اس کے بعد دس ہزار روپے میں ''ایف'' کرایا اور سولہ ہزار روپے ''اے'' میں لگے۔ پہلے اس نے ''ایف'' کیا پھر ''اے'' کرلیا۔''

''جی۔۔'' سعدی حیرت سے بولا اور بیگم جہاں آراء نے سعدی کو اشارہ کردیا کہ وہ خاموش رہے۔

''بھئی تم حیران کیوں ہو رہے ہو۔ ''ایف'' ''اے'' دو سال میں ہوتا ہے نا اور ایف اے کے بعد ہم نے ''بی'' پہلے کرایا اور پھر ''اے'' کرا دیا۔ ویسے ہمیں اس انگریزی تعلیم پر اعتراض ہے۔ شروع کرتے ہیں ''اے'' سے بعد میں ''بی'' آتا ہے مگر پڑھائی لکھائی میں پہلے ''بی'' کرایا پھر ''اے'' کرایا۔ انگریز قوم ہوتی ہی الٹی ہے۔۔۔''

''بے شک' بے شک۔۔۔'' مضطرب صاحب نے بمشکل تمام قہقہہ ہضم کرتے ہوئے کہا۔

''او جی ہمیں کیا۔ جب ہمارے بھائیوں نے اپنے آپ پر انگریزی کو سوار کرا ہی لیا ہے تو پھر وہ ''بی'' کریں چاہے ''اے'' کریں۔ پہلے ''ایف'' کرلیں پھر ''ڈی'' کرلیں۔ جوان کی مرضی ہے کریں۔ تو بھائیو تمہاری تعریفیں کی ہیں بیگم صاحب نے اور بیگم صاحبہ کو ہم جانتے ہیں۔ بڑی اچھی انسان ہیں یہ اور جس کی یہ تعریف کردیں وہ تو بس سبحان اللہ ہی ہوگا۔ تو ہمارے بیٹے کو تم لوگ جاسوس نمبر ون بنا دو۔ سیکرٹ ایجنٹ وہی جو انگریزی والے ہوتے ہیں۔ ڈشوں' ڈشوں۔۔۔ کیا سمجھے۔'' چوہدری صاحب مسکرا کر بولے۔ ''آپ اطمینان رکھیں چودھری

صاحب۔ ذرا دیکھئے کچھ عرصے بعد بالے میاں کو۔" ظفری نے جواب دیا۔

"او جیتے رہو۔ جیتے رہو' بھئی ہمارا اکلوتا بچہ ہے۔ تو اب ہم یہ کرتے ہیں کہ فوراً ہی اس کی یہاں رہائش کا انتظام کر دیتے ہیں۔ بس تم لوگ جو بھی ٹائم مقرر کر لو۔ اس میں یہ تمہارے پاس رہا کریں گے بلکہ سارا دن ہی رہا کریں گے۔ ہم ان کی ابھی تربیت مکمل کرنا چاہتے ہیں اور اس کے بعد محکمہ پولیس تو ہے ہی اپنا۔ جب چاہیں گے بھرتی کرا دیں گے۔ تو بالے میاں تم تیار ہو۔۔۔؟"

"جی ڈیڈی۔۔۔" بالے میاں نے جواب دیا۔

"بس تو پھر ہم کل صبح کو اس سلسلے میں باقاعدہ کام کر لیں گے۔"

رات کا کھانا کھا کر چوہدری صاحب چلے گئے۔ بیگم جہاں آراء بھی ان کے ساتھ ہی چلی گئی تھیں اور یہاں تمنّوں کا طوفان امنڈ پڑا۔ چوہدری نور اور چوہدری زادے بدر جبیں کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی پھر دوسرے دن صبح کے ناشتے سے فراغت بھی حاصل نہیں ہوئی تھی کہ گھر کے ملازموں نے چوہدری بدر جبیں اور نور جبیں کے آنے کی اطلاع دی لیکن اس سے پہلے جو افراد داخل ہوئے انہیں دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ایک ایک کر کے لوگ اندر آ رہے تھے اور ہر ایک کے کاندھے پر مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکرے رکھے ہوئے تھے۔ کوئی پندرہ ٹوکرے اندر آ گئے اور مضطرب صاحب دہشت زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے۔ آنے والے آخری افراد چوہدری صاحب تھے اور دونوں چودھریان اندر آ گئے ان کا بہر طور استقبال کر کے انہیں احترام سے بٹھایا گیا۔ چوہدری صاحب کہنے لگے۔

"وہ جی بھئی یہ استادی اور شاگردی کی رسم جو ہوتی ہے نا چلو بالے میاں اپنے استادوں کے گلے میں ہار تو ڈالو۔"

بیگم جہاں آراء اس وقت موجود نہیں تھیں۔ قابل دید منظر تھا۔ سعدی اور ظفری اور شکیلہ کو ہاروں سے لاد دیا گیا۔ بیگم جہاں آرا پوری تفصیل بتا چکی تھیں۔ مضطرب صاحب مارشل ٹیٹو اور

دوسرے افراد کو بھی پھولوں سے محروم نہیں رکھا گیا تھا۔ چوہدری صاحب نے کہا۔

"اور وہ جی۔ جو استادی کی کچھ رسم ہوتی ہے۔ وہ بھی ہمیں ادا کرنی ہے آپ کا کیا نام ہے بھائی جی؟" انہوں نے سعدی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"فدوی کو سعدی کہتے ہیں۔"

"آپ کو دس ہزار روپے مہینہ نذرانہ ملے گا اور آپ کا کیا نام ہے جی؟"

"ظفری۔" ظفری نے جواب دیا۔

"دس ہزار روپیہ آپ کے اور بی بی آپ؟"

"جی' مجھے شکیلہ کہتے ہیں۔" شکیلہ شرما کر بولی۔

"دس ہزار روپے ماہانہ وظیفہ آپ کا اور میاں جی آپ؟"

اس بار مضطرب صاحب سے پوچھا گیا تھا۔

"خادم کو مضطرب کہتے ہیں۔"

"آپ کیا کرتے ہیں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ میں؟"

"جنرل منیجر ہوں جناب۔۔۔۔"

"پانچ ہزار روپے آپ کو اور میاں تم؟" اس بار انہوں نے مارشل ٹیٹو سے کہا۔

"میں اس ادارے کا فائٹر ہوں۔"

"انگریزی میں ہو؟"

"جی نہیں' اردو میں۔"

"اردو میں فائٹر؟ چلو ٹھیک ہے پانچ ہزار روپے مہینہ تمہارے۔"

"جی! ٹیٹو گرتے گرتے بچا۔

"اور آپ لوگوں کے لئے تو میں الگ سے ہی تحفے لایا ہوں۔" بیگم مطلق صاحبہ کو سونے کا ایک انتہائی قیمتی سیٹ جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے اور مضطرب صاحب کے لیے

چیزوں کا ایک بڑا پیکٹ پیش کیا گیا اور اس طرح یہ رسم استادی مکمل ہو گئی۔ سعدی ظفری اور شکیلہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں لیکن سب سے زیادہ سحر زدہ مضطرب صاحب اور ٹیٹو تھے۔ جنہیں پانچ پانچ ہزار روپے ماہوار وظیفہ دوران تربیت ملنا تھا۔ ظاہر ہے ایسی تربیت کے لئے وہ یہی دعائیں مانگ سکتے تھے کہ زندگی بھر ختم نہ ہو۔ چوہدری صاحب اس وظیفے کی ایک ماہ کی ادائیگی فوری طور پر کر گئے۔ جس کی بناء پر یہ سب کچھ مذاق نہیں محسوس ہوا اور اس کے بعد انہوں نے رخصت کی اجازت مانگ لی۔ لیکن آج سب ہی کے ہاتھ پاؤں کی جان نکل گئی تھی۔ بھلا اس کے بعد ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا دفتر آج کیسے کھل سکتا تھا۔ مضطرب صاحب قہقہے لگانے لگے اور سعدی اور ظفری اور شکیلہ دس دس ہزار روپے کی اس آمدنی پر ششدر رہ گئے۔ جو گھر بیٹھے ہو گئی تھی اور اس کے بعد بدر جبیں صاحب بڑی قیمتی شخصیت بن گئے۔ چوہدری نور جبیں نے اور بھی بہت سے حیرتوں کے پہاڑ کھڑے کر دیئے تھے۔ بیگم جہاں آراء تو چلی گئیں لیکن ان لوگوں کو وہ ایک قیمتی تحفہ دے گئی تھیں جس کا نام بدر جبیں خوش خیلی تھا۔ بدر جبیں خوش خیلی صاحب کے لئے انتہائی خوبصورت کوٹھی خریدی گئی تھی جہاں انہیں دوران تربیت قیام کرنا تھا۔ کوئی درجن بھر ملازمین اس کوٹھی کے نگراں تھے۔ سعدی' ظفری' شکیلہ وغیرہ کو وہاں پورا پورا حق حاصل تھا کیونکہ استاد تھے اور باقی تمام افراد بھی بدر جبیں صاحب سے بے پناہ خوش تھے۔ بدر جبیں درحقیقت ایک معصوم سا نوجوان آدمی تھا۔ جس کے اندر کوئی ایسی گہرائی نہیں تھی جو کسی کے لئے ناقابل قبول ہوتی تمام انتظامات کر لئے گئے۔ بدر جبیں صاحب کی تربیت کے۔ ویسے بھی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے پاس اس وقت کوئی خاص کیس نہیں تھا۔ چنانچہ ساری توجہ بدر جبیں صاحب پر ہی تھی۔ مضطرب صاحب دفتر میں انہیں شاعر بنانے کے چکر میں لگے رہا کرتے تھے۔ ٹیٹو انہیں مارشل آرٹس کے سارے گر بتانے پر تلا ہوا تھا۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ صرف تماشہ دیکھ رہے تھے۔ فی الحال بدر جبیں صاحب ٹیٹو اور مضطرب صاحب ہی کی تحویل میں تھے اور انہیں اندرونی تربیت دی جا رہی تھی۔ خصوصاً ٹیٹو اور مضطرب صاحب کی آنکھوں کا تارا بنے ہوئے تھے کیونکہ پانچ ہزار روپے فی کس آمدنی معمولی

چیز نہیں ہوتی۔ سعدی نے طے کیا کہ بدر جبیں صاحب پہلے تعاقب کرنے کا طریقہ سیکھیں اور ٹیٹو کو ان کا نگراں مقرر کر دیا گیا۔ سعدی' ظفری' اور شکیلہ نے ایک چارٹ بنا کر دیا کہ اس طرح کام کا آغاز ہو گا اور اس چارٹ کے تحت کام شروع ہو گیا۔ اس سلسلے میں مارشل ٹیٹو کو ہدایات دے دی گئی تھیں۔ بدر جبیں صاحب کے پاس تو ایک خوبصورت اسپورٹس کار موجود تھی۔ ٹیٹو کو نئی موٹر سائیکل دے دی گئی اور اس کے بعد تعاقب کا آغاز ہو گیا۔ طے یہ ہوا کہ تھا کہ کسی بھی طرح ایک ایسی شخصیت کو نگاہوں میں رکھا جائے جو مشکوک محسوس ہو اور اس کے بارے میں بدر جبیں تفصیلات معلوم کر کے رپورٹ پیش کر دیں۔ ابتدائی چھ یا سات مختلف لوگوں کا تعاقب کرنے میں صرف کئے گئے۔ لیکن انتخاب ہمیشہ غلط ہو جاتا تھا۔ جس شخص کو مشکوک سمجھا جاتا وہ ایک بالکل عام آدمی نکلتا۔ بدر جبیں صاحب خود ہی انتخاب کرتے تھے۔ ٹیٹو کو اس مسئلے میں بولنے کی گنجائش نہیں ملتی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایک ہوٹل میں بیٹھے ہوئے اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ بالے میاں یعنی بدر جبیں صاحب نے بیزار لہجے میں کہا۔

''یہ الٹے سیدھے بڈھوں کا تعاقب کر کے مجھے بڑی کوفت ہوتی ہے مارشل۔ میرا خیال ہے اگر تعاقب کے سلسلے میں بھی خوبصورت چہروں کا انتخاب کیا جائے تو تعاقب پر لطف ہو جاتا ہے۔''

''ہاں مگر بعض اوقات ایسے تعاقب کا نتیجہ چند جوتوں کی شکل میں نکلتا ہے۔''

''پرسنالٹی۔۔۔۔ مائی ڈیئر مارشل۔۔۔۔ پرسنالٹی۔ میرے خیال میں ہم پر کسی کو جوتے اٹھانے کی جرات نہیں ہو سکتی۔''

''کر کے دیکھو لو۔'' مارشل نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور اس کے بعد شکار منتخب کیا جانے لگا۔ ایک شاپنگ سینٹر سے ایک بہت ہی خوبصورت عورت باہر نکلی اور کار میں بیٹھ گئی۔ بالے میاں نے مارشل ٹیٹو کا شانہ دبایا۔

''صورت ہی سے مشکوک معلوم ہوتی ہے۔ یقینی طور پر کوئی ایسی عورت جو کوئی خطرناک

قدم اٹھانے جا رہی ہے۔"

"وہ۔۔۔"

"ہاں۔۔۔"

"بھائی بڑی قیمتی گاڑی میں بیٹھی ہے۔سوچ لو مصیبت نہ آجائے۔"

"میری اسپورٹس سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔تم اپنی موٹر سائیکل پر جاؤ۔" بالے میاں نے کہا اور پھر ان کی اسپورٹس خوبصورت مرسیڈیز کے پیچھے لگ گئی۔بڑی احتیاط سے تعاقب کیا جاتا رہا وہ مختلف جگہوں پر گئی اور پھر شام ڈھلے ایک خوبصورت کوٹھی میں داخل ہو گئی۔کار اندر جا کر پارک کر دی گئی۔بالے میاں یہ سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ایسے موقعوں پر مارشل ٹیٹو ذرا فاصلے پر ہی رہتا تھا اور اسے اجازت نہیں تھی کہ دوران تربیت بالے میاں کے معاملے میں مداخلت کرے۔کچھ دیر سوچتے رہے اور اس کے بعد دروازے پر لگی ہوئی بیل کا بٹن بجایا۔چوکیدار نے دروازہ کھولا۔ٹیٹو دور ہی سے یہ تمام کاروائی دیکھ رہا تھا۔

ویسے بالے میاں کا طریقہ کار بھی یہی رہا تھا۔بعض جگہ تو وہ انتہائی حماقت کا ثبوت دیتے تھے ایک بار ایک شخص سے پوچھ بیٹھے۔

"بھائی میاں کہاں سے آرہے ہو اور کہاں جا رہے ہو؟ دو گھنٹے ہو گئے تمہارا پیچھا کرتے ہوئے اماں پاگل ہو گئے ہو کیا؟ کبھی ادھر کبھی ادھر۔کوئی ڈھنگ کا کام کرو دفع ہو جاؤ یہاں سے" اور دیکھنے والا انہیں کوئی دیوانہ سمجھ کر حیران رہ جاتا تھا تو اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ٹیٹو کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا تھا لیکن چند لمحات کے بعد اس نے بالے میاں کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔درحقیقت بالے میاں نے چوکیدار سے یہی کہا تھا کہ وہ مکانات کے مکین سے ملنا چاہتا ہے اور چوکیدار نے اسے کوئی معزز شخصیت سمجھ کر اندر بھیج دیا تھا۔وہ اندر داخل ہو گیا۔ابھی اس خوبصورت عمارت کے برآمدے میں ہی قدم رکھا تھا کہ ایک کٹ کھنے قسم کا معمر آدمی بغلی گوشے سے باہر نکل آیا۔اس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے اور وہ گہری نگاہوں سے بالے میاں کو

گھور رہا تھا۔

"تشریف لے آئے آپ۔۔۔۔؟"

"جی ہاں۔۔۔۔۔جی ہاں۔۔۔آپ خیریت سے ہیں۔"

"میں تو خیریت سے ہوں لیکن تمہاری خیریت آج خداوند کریم سے نیک ہی چاہتا ہوں۔ذرا ادھر جانے کے بجائے میرے ساتھ آجاؤ۔" بالے میاں اس کے ساتھ چلتے ہوئے اس بغلی کمرے میں اندر داخل ہو گئے۔بڑا سادہ وسیع و عریض کمرہ تھا اور اس کے بعد ایک اور دروازہ نظر آرہا تھا۔وہ شخص انہیں لیے ہوئے اس دوسرے دروازے سے اندر داخل ہو گیا اور اندر پہنچنے کے بعد اس نے دروازہ بند کر دیا۔بالے میاں چونک کر پلٹے اور اس دیکھتے ہوئے بولے۔

"دو۔۔۔دروازہ کیوں بند کر دیا۔"

"بیٹھ جاؤ۔" اس شخص نے کہا اور جیب میں رکھا ہوا پستول نکال کر بالے میاں کی جانب کر دیا۔بالے میاں کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"اور اس پستول کو حاضر و ناظر جان کر کہو کہ جو کچھ کہو گے سچ کہو گے۔" اس شخص نے پستول کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔

"کیا۔۔۔۔؟"

"اور جھوٹ بولو گے تو اس میں سے نکلی ہوئی گولیاں تمہارے حلق میں پیوست ہو جائیں گی۔"

"ارے بب۔۔۔باپ رے۔۔۔مگر جناب بھائی۔۔۔۔بب۔۔۔۔بات کیا ہے؟"

"کب سے تعلقات ہیں اس سے تمہارے؟"

"کک۔۔۔کس سے؟"

"زرینہ سے۔۔۔"

"زر۔۔۔زرینہ۔۔۔کون زرینہ۔۔۔؟"

"دیکھو اگر تم دوسروں کو بیوقوف سمجھتے ہو تو سمجھتے رہو سب بیوقوف نہیں ہوتے۔ بہت دن سے اس کی حرکتیں دیکھ رہا ہوں اور آج میں نے طے کیا تھا کہ چھپتا چھپتا جائزہ لوں گا۔ تو یہ رنگ رلیاں ہو رہی ہیں میرے پیچھے۔ یعنی میں کما کما کر مرا جا رہا ہوں اور وہ۔۔۔۔وہ میرے پیچھے۔۔۔میرے پیچھے۔۔۔"

"نن۔۔۔نن۔۔۔نجانے آپ کیا بکواس کر رہے ہیں؟"

"وہ تو میں سب ٹھیک کر دوں گا۔ تمہیں بتا دوں گا کہ میں کیا بکواس کر رہا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے اگر تم مجھے اپنے بارے میں بتا دو تو زیادہ بہتر ہے۔"

"نن۔۔۔نجانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ اچھا یہ بتاؤ اس کوٹھی میں کیسے داخل ہوئے؟"

"پپ۔۔۔پیچھا کرتا ہوا۔" بالے میاں نے جواب دیا۔

"کس کا؟"

"ایک خوبصورت خاتون کا۔"

"اور اس کے باوجود تم یہ کہہ رہے ہو کہ اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"تت۔۔۔تعلق تو ہے۔"

"ہوں۔۔۔پکڑے گئے نا' میں پہلے ہی کہتا تھا' پہلے ہی کہتا تھا دوستوں نے بہت سمجھایا تھا مجھے مگر میری عقل پر پتھر پڑ گئے تھے۔ ایک منٹ ٹھہرو' ایک منٹ ٹھہرو۔۔۔" اس شخص نے کہا اور دیوار میں لگی ہوئی گھنٹی کا بٹن دبا دیا پھر باہر دستک سن کر اس نے دروازہ کھولا تھا' چار آدمی اندر آ گئے۔

"باندھ دو اسے رسیوں سے باندھ دو۔" اس نے کہا اور بالے میاں اچھل پڑے۔

"دد۔۔۔دیکھئے جناب! میں بھی ایک معزز آدمی ہوں۔"

"آج میں تمہیں ایک ایسا معزز آدمی بنا دوں گا کہ زندگی بھر معزز ہی رہو گے سمجھے۔"

بالآخر چاروں آدمیوں نے بالے میاں کے دونوں ہاتھ پشت پر کس دیئے۔ پیروں کے بیچ میں رسی ڈال کر انہیں ایک کرسی پر بٹھا دیا گیا۔ بالے میاں کی آنکھیں خوف سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"جج۔۔۔جناب۔۔۔آخر۔۔۔آخر۔۔۔"

"ایک منٹ' ایک منٹ۔۔۔۔ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوا جاتا ہے۔" چند لمحات کے بعد وہی خوبصورت عورت بدلے ہوئے لباس میں اندر داخل ہوئی تھی۔ معمر شخص نے طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھا عورت کہنے لگی۔

"کیا بات ہے ڈیئر کیوں بلایا ہے مجھے؟"

"انہیں دیکھ کر بھی یہ سوال کر رہی ہو مجھ سے؟"

"کیا مطلب؟"

"تم بھی اسی طرح اجنبیت کا اظہار کرو گی میں کہتا ہوں تم سمجھتی کیا ہو مجھے زرینہ۔۔۔؟"

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" عورت کرخت لہجے میں بولی۔

"آج رنگے ہاتھوں پکڑا ہے تم سمجھیں کہ میں بنکاک چلا گیا ہوں۔ مگر سارا کھیل رچایا تھا میں نے۔ بہت دن سے تمہارے بارے میں شک کا شکار تھا۔ آج دیکھ لیا سب کچھ اپنی آنکھوں سے اب بتاؤ یہ سب کچھ کیا ہے؟"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ریاض' آخر تم مجھے کیا سمجھتے ہو اور یہ کون ہے؟"

"مجھے پوچھ رہی ہو؟"

"میں کہتی ہوں دوسروں کے سامنے تم مجھ سے یہ بدتمیزی نہیں کر سکتے۔ یہ کون ہے اور تم نے اسے کیوں باندھ رکھا ہے؟"

"کھول دوں۔" معمر شخص نے سوال کیا۔

"گولی مار دو اسے۔ مجھے کیا۔"

"کس دل سے کہہ رہی ہو بیگم۔۔۔؟"

"دیکھو ریاض اگر تم کوئی تماشہ ہی بنانا چاہتے ہو تو دوسری بات ہے۔ ورنہ یقین کرو میں نہیں جانتی یہ کون شخص ہے۔"

"ہوں' آج میں اپنی زبان کھولنے پر مجبور ہو گیا ہوں زرینہ۔ بہت دنوں سے مجھے اس قسم کے اشارے مل رہے ہیں کہ میرے ملک سے باہر جانے کے بعد تمہارے دوست اکثر یہاں آتے رہتے ہیں۔ راتوں کو یہیں وقت گزارتے ہیں اور صبح سورج کی روشنی نکلنے سے پہلے چلے جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میری اور تمہاری عمر میں کافی فرق ہے لیکن میں ایک باعزت انسان ہوں اور اپنے نام کے ساتھ یہ بدنامی برداشت نہیں کر سکتا۔ تم نے پورے ہوش و حواس کے عالم میں مجھے قبول کیا ہے۔ اس کے بعد میری عزت کیوں اس طرح اچھالتی پھر رہی ہو۔۔۔؟"

"ریاض۔۔۔۔ دل تو چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ وہ سلوک کروں جو کسی بیوی نے اپنے شوہر کے ساتھ نہیں کیا ہوگا' لیکن۔۔۔۔ لیکن خود کو سنبھالو۔ ہوش میں آؤ' تمہارا دماغ بالکل ہی خراب ہو گیا ہے کیا؟ میں اس کمینے شخص کو جانتی بھی نہیں ہوں۔ میں کہتی ہوں یہ یہاں آیا کیسے؟"

"جج جناب۔۔۔۔ مم۔۔۔۔ میری بھی سن لیں۔ آپ بڑی عنایت ہوگی۔" بالے میاں گھگھیائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"تمہاری میں نہیں سنوں گا ٹھیک ہے تم اسے نہیں جانتی ہو؟"

"بالکل نہیں' کون ہے یہ کمینہ؟ اور یہاں' کیا کرنے آیا تھا؟"

"پروگرام کے مطابق پہلے آپ تشریف لائیں اس کے بعد یہ اندر داخل ہوئے۔ یہ بات تو آپ کو معلوم ہی تھی کہ میں بنکاک گیا ہوا ہوں آپ مطمئن ہوں گی لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں بنکاک نہیں گیا بلکہ اپنے کمرے میں موجود تھا۔ آج میں ساری باتیں منظر عام پر لے آنا چاہتا تھا اور

فرماتی ہیں کہ آپ اسے نہیں جانتیں۔"

"لعنت بھیجتی ہوں میں اس پر لاؤ پستول مجھے دو میں اس کی ساری گولیاں اس کے سینے میں اتار دوں۔"

"ارے ارے۔۔۔ بب۔۔۔ باپ کا مال سمجھا ہے کیا۔۔۔؟ مم۔۔۔ میں۔۔۔۔ میں کوئی معمولی آدمی نہیں ہوں۔ تم دونوں کو پپ۔۔۔ پھانسی ہو جائے گی سوچ لو' اچھی طرح سوچ لو۔"

"ہاں معمولی آدمی تو آپ واقعی نہیں ہو سکتے ظاہر ہے زرینہ کے منظور نظر ہیں مگر ٹھیک ہے۔ زرینہ تم کہتی ہو کہ تم اسے نہیں جانتیں تو پھر یہ یہاں کیوں داخل ہوا؟"

"مم۔۔۔۔ مجھ سے پوچھئے جناب' مجھ سے پوچھئے۔"

"بتایئے۔"

"پیچھا کرتا ہوا آیا ہوں یہاں۔"

"کیوں؟" معمر شخص نے پوچھا۔

"ایں۔۔۔" بالے میاں کو اس کے بعد کا جواب معلوم ہی نہیں تھا بہر طور ان سے سوال و جواب ہوتے رہے اور اس کے بعد زرینہ پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔ معمر شخص نے علاقے کے تھانے کو ٹیلی فون کیا اور کچھ دیر کے بعد پولیس انسپکٹر چار کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر آ گیا بالے میاں کو گرفتار کر لیا گیا اور وہ تھانے چل پڑے۔ مارشل ٹیٹو نے تھانے تک ان کا تعاقب کیا اور اس کے بعد ایک پبلک کال بوتھ سے سعدی اور ظفری کو ٹیلی فون کر دیا۔ سعدی اور ظفری نے پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اتفاق کی بات یہ کہ تھانے کا انچارج ان دونوں کا شناسا تھا۔ اسے ساری صورتحال بتائی گئی اور اس نے کچھ سوچ سمجھ کر بالے میاں کو سعدی اور ظفری کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی حالانکہ اس نے کہا تھا کہ اس شخص کو باقاعدہ ایک بڑے آدمی ریاض خاں نے اس کے حوالے کیا ہے اور اس بارے میں تفتیش کرنے کی ہدایت کی ہے۔ مسئلہ الجھ جائے گا لیکن سعدی اور

ظفری نے کہا کہ اگر مسئلہ الجھ جائے تو وہ اسے خود سلجھا لیں گے۔ بعد میں بالے میاں کو کافی دیر تک سمجھایا گیا تھا کہ کسی خوبصورت عورت کا تعاقب کرنا بری بات نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے گھر میں گھس جانا ایسی مشکلات کا حامل ہو سکتا ہے جو بعد میں تکلیف دہ ثابت ہوں اور بالے میاں نے اعتراف کیا تھا کہ آئندہ وہ اس سلسلے میں احتیاط رکھیں گے۔ سعدی، ظفری اور شکیلہ بہت دیر تک بالے میاں کی گرفتاری اور ان کی بیان کی ہوئی تفصیلات پر ہنستے رہے تھے۔ معاملہ واضح ہو گیا تھا۔ ریاض خاں کو اپنی بیوی پر شک تھا اور اس نے اس طرح اس کو چیک کرنا چاہا تھا۔ پھنس گئے بیچارے بالے میاں۔ بہرحال بالے میاں اور اس واقعہ کا کئی دن تک اثر رہا لیکن چند ہی روز کے بعد ایک اور خوبصورت لڑکی نے اسے اپنی جانب متوجہ کرلیا۔ مارشل ٹیٹو کو ذرا سخت ہدایت کردی گئی تھی کہ ایسے مواقع پر وہ بالے میاں کے معاملات میں براہ راست مداخلت کرسکتا ہے۔ یہ تو صرف اتنا ہی ہوا تھا کہ ریاض خاں نے انہیں پولیس کے حوالے کردیا تھا کہیں کوئی گھر میں بند کر کے ہاتھ پاؤں نہ توڑ ڈالے۔

بہرحال اس نئی ہدایت کے تحت باقی چند روز تک بالے میاں نے مختلف لوگوں کا تعاقب کیا تھا اور مارشل ٹیٹو نے جو رپورٹ دی تھی، وہ یہ تھی کہ بالے میاں کو اب تعاقب کا سلیقہ آتا جا رہا ہے اور وہ جس شخص کا تعاقب کرتے ہیں اسے شبے کا موقع نہیں دیتے۔ جونئی لڑکی بالے میاں کو پسند آئی تھی تعاقب کے لئے۔ بلاشبہ خوبصورت تھی اور اس دن ایک خوبصورت ریستوران میں بیٹھ کر بالے میاں نے اسے دیکھا تھا اور مارشل ٹیٹو کو اسی کی جانب متوجہ کیا تھا۔

''اسے دیکھ رہے ہو؟''

''کسے؟''

''وہ جو نیلے رنگ کے سوٹ میں بیٹھی ہوئی ہے۔''

''لل۔۔۔لڑکی ہے۔'' مارشل ٹیٹو بولا۔

''اسی کی بات کر رہا ہوں۔''

''ہاں دیکھا، کیوں؟''

''تم اس کا چہرہ دیکھو۔ بالکل کرسٹائن کلر نظر آتی ہے سمجھتے ہو نا کرسٹائن کلر؟''

''ہاں سمجھتا ہوں۔ مگر مگر۔۔۔''

''کلر کا مطلب کیا ہے، قاتل۔۔۔قاتل۔۔۔وہ یقینی طور پر قاتل ہے۔''

''آپ نے اس کا نام بھی تجویز کر دیا بالے میاں اور اسے قاتل بھی تصور کرلیا؟''

''ثابت کر کے دکھاؤں گا۔'' بالے میاں نے سینہ پھاڑ کر کہا۔

''اس کے گھر میں گھس جائیں گے۔''

''ایں۔۔۔گھر۔۔۔گھر میں تو نہیں گھسوں گا لیکن اس کا پیچھا ضرور کروں گا۔''

بالے میاں کا مضبوط لہجہ دیکھ کر ٹیٹو نے ٹھنڈی سانس بھری۔ اسے سعدی اور ظفری کی دی ہوئی ہدایات یاد آ گئی تھیں۔ اس نے کہا۔

''اگر وہ کسی خاص جگہ پہنچ جائے بالے میاں تو آپ رک کر میرا انتظار کیجئے گا۔ فوراً ہی اس کے گھر میں گھسنے کی کوشش نہ کریں۔''

''نہیں نہیں گھر میں نہیں گھسوں گا وعدہ ہے۔'' اور اس کے بعد اس لڑکی کا تعاقب شروع ہو گیا۔ ہوٹل سے نکلنے کے بعد وہ کئی جگہوں پر گئی اور بالے میاں ان جگہوں کے بارے میں نوٹس لیتے رہے۔ دوسرے دن پھر ایک جگہ سے اس کا تعاقب شروع ہو گیا تھا۔ ایک خوبصورت سی عمارت میں وہ ایک فلیٹ میں رہتی تھی۔ دوسرا دن اور پھر تیسرا دن بھی اسی تعاقب میں گزرا۔ بالے میاں پریشان ہو گئے، کہنے لگے۔

''یار ٹیٹو یہ کوئی جرم کیوں نہیں کرتی؟''

''کیا مطلب؟'' ٹیٹو حیرت سے بولا۔

''میں اسے رنگے ہاتھوں پکڑنا چاہتا ہوں۔''

''لیکن بالے میاں ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کوئی مجرمہ ہی ہے۔۔۔''

”میری نگاہوں کو کیا سمجھتے ہو تم۔ محکمہ پولیس کے لئے مجھے ویسے ہی منتخب نہیں کیا گیا یوں سمجھ لو کہ اب میں اس میں خود کفیل ہو گیا ہوں۔“

”کس میں؟“

”میرا مطلب ہے شناخت کرنے میں۔ مجھے اتنا سلیقہ آ گیا ہے وہ ضرور کوئی بڑی مجرمہ ہے۔“

”پھر بھی جب تک وہ کوئی جرم نہ کرے آپ کو اس پر ہاتھ نہیں ڈالنا چاہیے۔“

”اماں ایک بات سنو ٹیٹو۔“

”جی بالے میاں۔“

”تم نے کبھی محبت کی ہے کسی سے؟“

”جی نہیں!“

”بڑے فضول آدمی ہو! اگر وہ مجرمہ نہ بھی نکلی تو کم از کم اس سے محبت تو کی جا سکتی ہے۔“

”اس سلسلے میں میں سعدی صاحب سے پوچھ کر جواب دوں گا۔“

”ابے دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔“

”تو پھر۔۔۔ بغیر پوچھے۔۔۔؟“

”عشق بغیر پوچھے ہی کیا جاتا ہے تم نے چونکہ کیا نہیں ہے اس لئے تمہیں تمیز نہیں ہے۔“

”مگر بالے میاں آپ تو اسے مجرمہ کہہ رہے ہیں۔“

”تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے کیا کسی مجرم سے عشق نہیں کیا جا سکتا؟“ بالے میاں بگڑ کر بولے اور مارشل ٹیٹو نے فوراً تصدیق کر دی کہ مجرموں سے عشق کیا جا سکتا ہے لیکن چوتھے دن اس ڈرامے کا بھی ڈراپ سین ہو گیا۔ جب شام کو ساڑھے پانچ بجے لڑکی اپنے فلیٹ سے باہر نکلی اس

کے ہاتھ میں سوٹ کیس تھا اور اس نے نیچے اتر کر ایک ٹیکسی روکی تھی۔ بالے میاں کی آنکھوں میں فتح مندی کی چمک نظر آنے لگی۔ مارشل ٹیٹو اس وقت ساتھ ہی تھا کہنے لگا۔

”چلو تیار ہو جاؤ۔ میرا خیال ہے آج کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ ہو سکتا ہے اس بیگ میں کوئی چیز موجود ہو جس کی بنا پر ہم اس پر ہاتھ ڈال سکیں۔“

”مگر بالے میاں ہاتھ تو ہمیں کسی قیمت پر نہیں ڈالنا۔ جرم ہو جائے اس کے بعد دیکھیں گے۔“

”میں دعوے سے کہتا ہوں وہ جرم کرنے جا رہی ہے۔“ اور تعاقب شروع ہو گیا۔ لڑکی ائیر پورٹ پہنچی تھی اور پھر وہ اندر داخل ہو گئی اور بالے میاں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ مارشل ٹیٹو اپنی موٹر سائیکل ایک طرف پارک کر چکا تھا۔ ٹہلتا ہوا ان کے قریب پہنچا۔

”ٹیٹو لگتا ہے وہ کہیں جا رہی ہے؟“

”اسے خدا حافظ کہہ دیں بالے میاں۔“ بالے میاں کی آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے۔ مضمحل لہجے میں بولے۔

”یہ تو برا ہوا جرم کرنے سے پہلے ہی نکل گئی۔“

”اب آپ یہ نہ معلوم کریں کہ وہ کہاں گئی ہے کیونکہ آپ کے ڈیڈی آپ کو بیرون ملک جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔“ تین دن تک بالے میاں اس لڑکی کے لئے اداس رہے تھے۔ مہینہ پورا ہونے کو تھا اور مہینے کی پہلی ہی تاریخ ہوئی تھی کہ چوہدری نور جبیں صاحب بنفس نفیس تشریف لے آئے۔ اچانک ہی آمد ہوئی تھی اور ان لوگوں کو ان کے آنے کی کوئی امید نہیں تھی۔ مضطرب صاحب نے محفل مشاعرہ جمائی ہوئی تھی اور سب ہی لوگ موجود تھے کہ چوہدری نور جبیں خوش خیلی کے آنے کی اطلاع ملی اور مشاعرے کی محفل درہم برہم ہو گئی۔ چوہدری صاحب کو بڑی خوشدلی سے خوش آمدید کہا گیا تھا۔ چالیس ہزار روپے ماہوار کی آسامی تھی۔ معمولی بات نہیں تھی۔ چوہدری صاحب مونچھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور بالے میاں کو سینے سے لپٹا

کر خوب پیار کیا کہنے لگے۔

''صحت تو تیری اچھی ہو رہی ہے بھئی۔ بول تیرا جاسوسی کا کام کیسا چل رہا ہے؟''

''ٹھیک ہے ڈیڈی۔''

''استاد و تم بتاؤ ہمارا بیٹا کیسا جا رہا ہے تمہاری شاگردی میں؟''

''بہت شاندار' چوہدری صاحب۔ انتہائی شاندار۔''

''او مجھے یقین تھا میرے خواب ہمیشہ سچے ہوتے ہیں تم دیکھ لینا ایک دن محکمہ پولیس کے سب سے بڑے عہدے پر فائز ہوگا۔''

''ہمیں یقین ہے چوہدری صاحب۔۔۔۔''

''یہ کچھ چیزیں لائے ہیں ہم بالے میاں کے لئے۔۔۔۔ ذرا تم لوگ دیکھ لو۔ ہماری سمجھ میں ایسی باتیں نہیں آتیں۔ دراصل پچھلے دنوں' ہم جرمنی گئے تھے وہاں رہتا ہے اس کا ماموں۔ بہت بڑا کاروباری ہے۔ ہم نے اس سے کہا کہ بالے میاں جاسوسی سیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ اس نے یہ کچھ چیزیں بالے میاں کے لئے خرید کر بھیجی ہیں ذرا ان کا جائزہ لے لو۔'' چوہدری صاحب نے اپنے ساتھ آنے والے ڈائیور کو اشارہ کیا اور ڈرائیور باہر جا کر ایک بڑا سا بریف کیس نکال لایا۔ بریف کیس سعدی' ظفری وغیرہ کے سامنے کھولا۔ اس میں عجیب و غریب قسم کے پیکٹ رکھے ہوئے تھے۔ جس میں نجانے کیا کیا کچھ موجود تھا ساتھ ہی اس کا لٹریچر بھی تھا۔ سعدی اور ظفری اسے پڑھنے لگے۔ جرمنی سے آنے والے تحائف اتنے بیش قیمت تھے کہ ان لوگوں کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ننھے ننھے ٹرنسمٹر جنہیں کالر ٹرانسمیٹر کہا جا سکتا تھا ان کا ایک سیٹ موجود تھا جو بارہ ٹرانسمیٹر پر مشتمل تھا۔

لٹریچر میں انہیں ہینڈل کرنے کی ترکیب لکھی ہوئی تھی۔ یہ ٹرانسمیٹر کالر میں پن کئے جا سکتے تھے۔ اتنے طاقتور اور وسیع حیطہ عمل کے ٹرانسمیٹر تھے کہ اس کے حجم کے ساتھ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سعدی اور ظفری لٹریچر دیکھتے رہے اور ٹرانسمیٹر دیکھتے رہے۔ درحقیقت ایسی نایاب

شے کے حصول کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ بڑے آدمیوں کے کھیل تھے۔ دوسرے پیکٹ میں ڈکٹوفون رکھے ہوئے تھے۔ یہ ڈکٹوفون بھی اپنی نوعیت کے انتہائی جدید ڈکٹوفون تھے اور انہیں میگنٹ سسٹم پر کسی بھی جگہ لگایا جا سکتا تھا اور ان سے دور دور تک آوازیں ریسیو کی جا سکتی تھی۔ یہ تحفے بالے میاں کے ماموں نے بالے میاں کے لئے بھیجے تھے۔ بالے میاں تو خیر ان کی اہمیت کو کیا سمجھتے لیکن سعدی اور ظفری ششدر رہ گئے تھے۔ بہر حال انہوں نے کافی تعریفیں کیں بھلا ایسا آسامی کا ہاتھ لگ جانا کوئی معمولی بات تو نہیں تھی۔ چوہدری صاحب نے ان لوگوں کو اس کی تنخواہیں یا وظیفہ ادا کیا اور اس کے تھوڑی دیر بیٹھ کر وہاں سے چلے گئے۔ بالے میاں کو آرام کرنے کیا اجازت دے دی گئی تھی چنانچہ وہ بھی چوہدری صاحب کے ساتھ اپنی کوٹھی کی جانب چل پڑے تھے۔ محفل مشاعرہ تو ختم ہو گئی لیکن تمام لوگ ایک دوسرے کی صورتیں دیکھتے رہے۔ سعدی نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

''سمجھ میں نہیں آتا ظفری دولت کیسے کیسے گل کھلائے گی اور کیا کیا دیکھنے کو ملے گا۔ اب ذرا دیکھوان صاحب کو دیکھو دلچسپ بات ہے ویسے کیا تم اس بات پر یقین کر سکتے ہو کہ بالآخر ایک نہ ایک دن اپنے بھائی بدر جبیں ملک میں ایک شاندار پولیس آفیسر کی حیثیت سے تسلیم کر لئے جائیں گے۔''

''ہاں۔۔۔۔ میں اس بات کی تصدیق کر سکتا ہوں۔'' مضطرب صاحب کہنے لگے۔

''مطلب۔۔۔۔'' شکیلہ نے سوال کیا۔

''بھئی محکمہ پولیس میں بڑے بڑے نایاب لوگ موجود ہیں اور اس کے نتائج اخبارات کی خبروں کے ذریعے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ فلاں واقعہ ہوا فلاں کیس ہوا' پولیس نے موقع واردات کا جائزہ کیا اور اس کے بعد تین چار دن تک پولیس مصروف تفتیش رہی اور بالآخر مجرم کی تلاش میں ناکام رہی۔ کیسوں کی تفصیل درج ہوتی ہے۔ واقعات اور حادثے ہوتے ہیں پولیس باقاعدگی سے تفتیش کرتی ہے۔ ڈاکو ڈاکے ڈالتے ہیں اور اس کے بعد آخری لائن جو اس خبر کی دی

جاتی ہے وہ یہ ہوتی ہے کہ پولیس مصروف تفتیش بھی اور مجرم کو تلاش کرنے میں ابھی تک ناکام ہے۔ اس کی بنیادی وجہ جانتے ہو کیا ہے؟ ظاہر ہے بالے میاں جیسے لوگ باآسانی پولیس کے اعلیٰ عہدوں پر پہنچ جاتے ہیں اور اس کے بعد وہاں اپنی حیثیت کا مظاہرہ کرتے ہیں لیکن اصل معاملہ بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔''

''مجھے آپ سے اختلاف ہے مضطرب صاحب۔'' ظفری نے کہا۔

''کیا؟''

''بالے میاں جیسے لوگ وہاں نہیں پہنچتے کیونکہ اگر بالے میاں جیسے لوگ وہاں پہنچیں تو محکمہ پولیس کے اعلیٰ افسران بہت سے ایسے معصوم مجرموں کو جو حالات کی بنیاد پر مجرم بن جاتے ہیں دوسری حیثیت دے دیں انہیں مجرم بنا کر جیل میں ٹھونسنے کے بجائے ان کے وہ مصائب پورے کر دیں جن کی بنا پر انہیں جرم کرنا پڑتا ہے۔ یہاں تو صورتحال ہی مختلف ہے۔ مختلف طریقوں سے لوگوں کو پھانسا جاتا ہے اور ان سے رشوتیں لی جاتی ہیں۔ بالے میاں جیسے لوگ ہی اگر محکمہ پولیس میں پہنچ جائیں تو جرم کی تفتیش تو بے شک نہ ہو سکے لیکن بے گناہوں کو مجرم بنا کر ان سے رشوتیں نہ وصول کی جا سکیں کیونکہ بالے میاں جیسے لوگ پیٹ بھرے لوگ ہوتے ہیں۔''

مضطرب صاحب پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگے تھے۔ ویسے یہ ایک بڑی سچائی تھی خصوصاً اس محکمے کے بارے میں مضطرب صاحب اور سعدی نے جن خیالات کا اظہار کیا تھا وہ حقیقت پر مبنی تھا۔ بہرطور بالے میاں کی وجہ سے کم از کم ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ایک میٹنگ میں یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ کم از کم جو رقم وصول کی جا رہی ہے اس کے بارے میں یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ ملتی رہے گی۔ اس وقت تک جب تک ہم بالے میاں کو اپنی تربیت میں مکمل نہ قرار دے دیں لیکن اس وقت تک ان کے لئے کچھ کیا بھی جائے اور اس سلسلے میں بہت سے کئی نئے پروگرام ترتیب دیئے گئے تھے۔ بدر جبیں عرف بالے میاں ویسے تو سونے کی کان تھے۔ جب جی چاہے کھودو اور سونا نکال لو۔ نور جبیں صاحب کی آنکھوں کا نور جن کے ایک اشارے پر نور جبیں اپنی دولت کا ایک ایک ذرہ لٹا دینے کو تیار۔

سینکڑوں کی آنکھوں کے تارے۔ ماموں میاں نے جرمنی سے جو قیمتی ٹرانسمیٹر سیٹ بھیجے تھے وہ شاید کسی بڑے سے بڑے سیکرٹ ایجنٹ کے پاس بھی نہیں ہوں گے۔ اس کے علاوہ ڈکٹوفون پھر لندن میں پھوپھا میاں تھے۔ امریکہ میں خالو تھے اور نجانے کون کون کہاں کہاں تھا۔ تحائف کے انبار لگتے جا رہے تھے کوئی کچھ بھیج رہا تھا کوئی کچھ۔ ایک الگ سے کوئی محکمہ جاسوسی قائم کیا جا سکتا تھا۔ جس سے جرائم کے خلاف کام کرنے کے لئے بڑی مدد حاصل ہو سکتی تھی اور ایسے جدید ترین آلات مہیا ہو سکتے تھے جو مقامی پولیس کے پاس لٹریچر کی شکل میں بھی موجود نہ تھے۔ سعدی' ظفری' شکیلہ' مضطرب صاحب' مضطرب صاحب اور تمام افراد دولت کا یہ کھیل دیکھ دیکھ کر ششدر رہتے تھے۔ نور جبیں صاحب اگر چاہتے تو بالے میاں کو نجانے کیا سے کیا بنا سکتے تھے۔ لیکن بالے میاں اور ان کا مشترکہ خواب عملی جامہ پہنے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ بالے میاں کو بننا تھا ایک اعلیٰ پولیس آفیسر جو قانون کی حفاظت کے لئے نجانے کیا سے کیا کر ڈالے اور نور جبیں صاحب انہیں مکمل تربیت دلانے پر تلے ہوئے تھے۔ چنانچہ وقت گزرتا رہا بالے میاں کو اپنے رجحانات کا آہستہ آہستہ علم ہو رہا تھا اور سب سے زیادہ بے تکلفی ان کی ٹیٹو ہی سے ہوئی تھی کیونکہ وہ ان کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔ ابھی تعاقب کا کورس چل رہا تھا اور اس کی تکمیل کے بعد دوسرے معاملات کی جانب توجہ دینی تھی لیکن تعاقب کے سلسلے میں بالے میاں ہمیشہ اپنے ہی انتخاب پر تکیہ کرتے تھے اور بعد میں انہوں نے مارشل ٹیٹو سے کہا تھا۔

''اے بھائی مارشل دراصل آدمی کام بے شک کرے لیکن ایسا کرے جس میں جی لگتا ہو اب تم دیکھو پیدل تعاقب کرو تو ان کے چٹک مٹک چلنے کا انداز اور۔۔۔ اور'' بالے میاں شرمائے ہوئے انداز میں ہنس پڑے۔ ٹیٹو نے آنکھیں پھاڑ کر انہیں دیکھا پھر بولا۔

''اور اگر گاڑی میں ہوں۔''

''تب بھی کیا فرق پڑتا ہے۔ بس ہونا حسین چہرہ اور لڑکی ہی چاہیے بھلا مردوں کا تعاقب بھی کوئی تعاقب ہوتا ہے۔''

''اور جب تم محکمہ پولیس میں آجاؤ گے تب۔۔۔؟''

"تب کی تب دیکھی جائے گی۔ ویسے میں تمہیں بتاؤں مردوں کی نسبت عورتیں یقینی مجرم ہوتی ہیں۔" بالے میاں نے اپنی منطق بیان کی۔

"کیا مطلب۔۔۔؟"

"خاص طور سے خوبصورت لڑکیاں۔۔۔ پیدائشی مجرم ہوتی ہیں، سمجھ گئے۔"

"وہ کیسے میرے بھائی۔" ٹیٹو نے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"اور کوئی جرم وہ کریں یا نہ کریں مگر کسی کے دل کا خون ضرور کر دیتی ہیں اور خون بہر طور خون ہوتا ہے۔ وہ کچھ بھی نہ کریں بس ایک نظر دیکھ لیں وہ تمہیں یاد ہے مضطرب صاحب نے کیا سکھایا تھا۔"

"مضطرب صاحب نے؟"

"ہاں۔"

"کیا سکھایا تھا؟"

"یاد کرلوں۔ بالے میاں نے کہا اور دماغ پر زور دینے لگے پھر بولے۔

"وہ جو ہے نا کہ یارب نگاہ ناز پر لائسنس کیوں نہیں، یہ بھی تو قتل کرتی ہے شمشیر کی طرح۔۔۔ کیا سمجھے۔"

"ہوں، مسٹر سعدی اور ظفری کو بتانا پڑے گا کہ مضطرب صاحب تمہیں خراب کر رہے ہیں۔"

"ابے نہیں پیارے بھائی، یہ بات مت بتانا، مضطرب صاحب مجھے خفیہ شعر سناتے ہیں۔"

"خفیہ شعر۔"

"ہاں وہ بھی بڑے شاندار اب میں تمہیں کیا سناؤں۔"

بالے میاں نے کہا لیکن ٹیٹو بھی وفادار تھا۔ فیصلہ کرلیا کہ سعدی اور ظفری کو یہ نگاہیں ناز کے لائسنس کا شعر ضرور سنائے گا۔ بہرحال یہ ساری ذمہ داریاں ان سب کو سنبھالنی پڑ رہی تھیں۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ اس دوران ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کو اور کوئی ایسا کیس بھی نہیں ملا تھا جس پر کام شروع کیا جاتا۔ چنانچہ اسی مشغلے کو دلچسپ جانا گیا حالانکہ باقی لوگ تو صرف عام زندگی گزار رہے تھے۔ ٹیٹو تھا جو اس بالے میاں کا سب سے قریبی ساتھی تھا اور بالے میاں نے بالآخر ایک دن ایک اور لڑکی کو منتخب کرلیا۔ ٹیٹو کو خصوصی فائدہ یہ حاصل تھا کہ بالے میاں کے اخراجات پر لنچ اور ڈنر کرتا تھا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تفریح گاہ چلا جاتا تھا کیونکہ معاملہ تربیت کا تھا اور بالے میاں گانٹھ کے پورے۔

چنانچہ اس وقت بھی شہر کے ایک انتہائی خوبصورت ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں رات کا کھانا کھایا گیا تھا اور کھانا کھاتے کھاتے بالے میاں کی نظریں اس لڑکی پر پڑی تھیں۔ عجب سحر انگیز حسن تھا دیکھنے دکھانے سے تعلق رکھتا تھا۔ بالے میاں کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ جبکہ ٹیٹو کھانے کے دوران ادھر ادھر دیکھنے کا عادی نہیں تھا۔ اس نے اطمینان سے کھانا ختم کیا اور پانی کا پورا گلاس حلق میں انڈیلنے کے بعد گلاس کے پیندے سے بالے میاں کی صورت دیکھی جو پتھرائے ہوئے نظر آرہے تھے۔ پانی کا آخری گھونٹ حلق سے اتر چکا تھا۔ ٹیٹو نے گلاس رکھا بالے میاں کو دیکھا پھر نیچے موجود کھانے کو اور اس کے بعد اس کی نگاہوں نے بالے میاں کی نگاہوں کا تعاقب کیا۔ تبھی وہ اس کی نگاہوں میں آگئی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ لڑکی حسین تھی لیکن ٹیٹو کا تجربہ یہ کہتا تھا کہ وہ اس ملک سے تعلق نہیں رکھتی۔ رنگ مغربی نہیں تھا خدوخال میں بھی مشرقیت رچی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود وہ مقامی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ بہرطور بالے میاں کو اس نے متوجہ کیا اور بالے میاں چونک کر ٹیٹو کو دیکھنے لگے۔

"کیا ہوا؟" ٹیٹو نے پوچھا۔

"لڑکی۔"

"وہ تو میں نے بھی دیکھی ہے مگر آپ کو کیا ہوا؟"

"کک۔۔۔ کچھ نہیں۔"

"تو پھر کھانا کھائیے۔"

"ایں ہاں، کھاتا ہوں۔ لیکن تم۔۔۔ تم ادھر نظر رکھو وہ تو انتہائی خطرناک لڑکی معلوم

ہوتی ہے اس کی نگاہیں اور اس کے چہرے کے تاثرات بتاتے ہیں کہ وہ کسی ایسی سنسنی کا شکار ہے جس کو کوئی مفہوم نہیں دیا جا سکتا لیکن میری چھٹی حس کہتی ہے کہ یقیناً یا تو وہ کوئی جرم کرنا چاہتی ہے یا پھر کر چکی ہے۔"

"آپ کھانا ختم کر لیجئے بالے میاں اس کے بعد دیکھیں گے۔"

"ہاں' بالکل" بالے میاں جلدی جلد کھانا معدے میں اتارنے لگے اور پھر بولے۔

"یہ اٹھے گی تو ہمیں اس کا تعاقب کرنا ہے۔" ٹیٹو ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

بہرطور اس عمدہ ڈنر کے بعد بالے میاں کو حق پہنچتا تھا کہ وہ اس کی جو چاہیں درگت بنائیں۔ غرض یہ کہ بالے میاں اس لڑکی کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کرتے رہے لیکن ٹیٹو جانتا تھا کہ بات صرف ان کی حسن پرستی کی ہے اور اس نے اپنے آپ کو بالے میاں کے ساتھ خوار کرنے کے لئے تیار کر لیا تھا تھوڑی دیر اسی طرح گزر گئی۔ لڑکی ایک مشروب کی چسکیاں لیتی رہی تھی۔ پھر ایک دراز قد آدمی اس کے پاس پہنچ گیا۔ یہ سو فیصد مغربی ہی تھا۔ لڑکی نے اسے دیکھا کچھ گفتگو ہوئی اور اس کے بعد وہ شخص بھی سامنے کی کرسی پر بیٹھ گیا اور بالے میاں کا منہ بگڑ گیا۔ انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"رقیب روسیاہ پر لعنت خدا کی۔"

"مضطرب صاحب کا شعر ہے؟" ٹیٹو نے پوچھا۔

"نہیں' میرا ذاتی۔"

"اچھا اچھا گویا شاعری کا آغاز ہو گیا۔"

"ابے بیکار کی باتیں مت کرو۔ دیکھو نا وہ کمبخت وہاں آ کر بیٹھ گیا۔"

"تو پھر!"

"مطلب یہ کہ وہ اس کے ساتھ اچھا لگ رہا ہے۔"

"بالے میاں آپ ایک مشکوک لڑکی کو نگاہوں میں رکھے ہوئے ہیں اس کے ساتھی کو بھی نظر میں رکھیے۔"

"دو آنکھوں میں کیا کیا رکھوں' چلو ٹھیک ہے۔"

"اس کے علاوہ آپ نے شعر بھی غلط پڑھا ہے۔" ٹیٹو خود بھی کافی ذہین تھا۔

"کیا مطلب۔۔۔۔؟"

"آپ نے اسے رقیب روسیاہ کہا ہے۔"

"بالکل کہا ہے۔"

"مگر اس کا رنگ گورا ہے۔"

"رقیب ہمیشہ بدشکل اور بدنما نظر آتے ہیں۔ تم اس سلسلے میں مجھ سے زیادہ عقلمند بننے کی کوشش مت کرو۔"

"اس بات کو مان لیتا ہوں۔" ٹیٹو نے فوراً ہی کہا۔ بالے میاں کا موڈ بگڑنا اس کے لئے نقصان کا باعث بھی ہو سکتا تھا پھر لڑکی اور نوجوان اپنی جگہ سے اٹھ گئے اور بالے میاں نے ٹیٹو کو آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مارشل تم احتیاط سے میرا تعاقب کرو اور خبردار میرے کسی معاملے میں وقت سے پہلے مداخلت مت کرنا۔" بالے میاں نے آفیسرانہ شان سے کہا۔ ظاہر ہے ایک مشکوک مجرمہ کا تعاقب کرنے جا رہے تھے۔ پہلے بالے میاں باہر نکلے ان دونوں کے پیچھے' اور اس کے پیچھے مارشل ٹیٹو۔ لڑکی اور اس کا ساتھی ایک کار میں بیٹھ گئے تھے۔ یہ ایک پرائیویٹ کار تھی جو غالباً کسی ہوٹل کی ملکیت تھی۔ چھوٹا سا مونوگرام بنا ہوا تھا اس پر لیکن اتنے فاصلے سے نظر نہیں آ رہا تھا کہ اس میں کیا لکھا ہے یا کون سے ہوٹل کا مونوگرام ہے۔ بالے میاں نے اپنی اسپورٹس سنبھال لی اور اس کے بعد ٹیٹو نے اپنی موٹر بائک پھر تعاقب شروع ہو گیا۔۔۔۔ ٹیٹو جانتا تھا کہ اس کا نتیجہ بھی کچھ نہیں نکلے گا ایک بار بالے میاں پکڑے گئے تھے ایک شریف آدمی کی بیوی کا تعاقب کرنے کے الزام میں اور اس کے گھر میں گھس جانے کے چکر میں۔ اس لئے اس دن سے محتاط تو ہو گئے تھے لیکن چور' چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں جاتا' چنانچہ لڑکی کے ساتھ ساتھ لگے ہوئے وہ شہر کے ایک فور اسٹار ہوٹل تک پہنچے تھے اور پھر لڑکی کی کار کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی کار بھی ہوٹل کی پارکنگ میں

کھڑی کر دی تھی۔ البتہ ٹیٹو کی موٹر بائیک ذرا فاصلے پر رکی تھی۔ ایسی جگہ جہاں وہ محفوظ بھی رہ سکے اور ٹیٹو ایک لمحے کے نوٹس پر اسے لے کر فرار ہو سکے۔ بالے میاں ان دونوں کو نگاہوں میں رکھے آہستہ آہستہ نیچے اترے تھے اور اس کے بعد یہ دیکھ کر ان کی باچھیں خوشی سے کھل گئی تھیں کہ لڑکی کا ساتھی اس سے معذرت کر کے واپس پلٹا تھا اور اپنی کار میں بیٹھ کر کہیں چلا گیا تھا۔ یعنی اس کار میں جس میں وہ لوگ یہاں آئے تھے۔ تقدیر بالے میاں کو چانس دے رہی تھی لڑکی واقعی بہت خوبصورت تھی۔ وہ لفٹ میں پہنچی تھی بالے میاں ایک لمحے کے لئے پریشان ہو گئے۔ اب کیا کیا جائے لیکن فوراً ہی ان کے ذہن میں ترکیب آ گئی برابر کی سمت لپکے اور برق رفتاری سے سیڑھیاں عبور کرنے لگے۔ مارشل ٹیٹو ذرا پیچھے رہ گیا تھا لیکن اسے بھی سیڑھیاں ہی استعمال کرنا پڑی تھیں۔ لفٹ پہلی منزل پر نہیں رکی تو بالے میاں دوسری منزل کی طرف لپکے۔ تیسری چوتھی اور پھر پانچویں منزل پر لفٹ رکی۔ بالے میاں کا سانس بری طرح چڑھ رہا تھا لیکن آدمی تندرست و توانا تھا۔ برداشت کر گئے۔۔۔۔! البتہ پانچویں منزل پر لڑکی لفٹ سے اتر کر ایک سمت بڑھی تو ان میں اتنی سکت نہیں تھی کہ فوراً ہی اس کا تعاقب شروع کر دیتے۔ سانسیں بحال کرنے میں چند لمحات لگے لیکن اس سے بھی فائدہ ہی ہوا۔ کیونکہ انہوں نے لڑکی کو راہداری کے ایک کمرے کے دروازے پر رک کر دروازے کا تالا کھولتے ہوئے دیکھا تھا۔ دل ہی دل میں انہوں نے سوچا۔

''تو یہاں رہتی ہیں خاتون مگر کوئی ایسی ترکیب ہو جس سے تعارف ہو سکے۔'' ہوٹل کے کمرے میں قیام پذیر کسی خاتون سے اتنا خطرہ نہیں ہو سکتا تھا۔ سوچتے رہے کہ کیا کرنا چاہئے کوئی مناسب بات سمجھ میں نہیں آئی۔ دل چاہ رہا تھا کہ لڑکی سے تعارف حاصل کیا جائے مشکوک تو خیر وہ کیا ہی ہو سکتی تھی البتہ خوبصورت ضرور تھی اور بالے میاں کا دل مچل اٹھا تھا کہ کم از کم اس سے تھوڑی دیر باتیں ہی کر لی جائیں لیکن کوئی خاص تدبیر سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھتے رہے۔ اسی دوران ٹیٹو بھی وہاں پہنچ گیا تھا۔ پانچ منزل کی سیڑھیاں طے کرنا اسے بہت برا لگا تھا لیکن دل کو بار بار سمجھانا پڑتا تھا۔ ایسی موٹی آسامیاں کم ہاتھ آتی ہیں۔ تھوڑی سی بھاگ دوڑ کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ دل رکھنا بھی ضروری ہے۔ یہ تو ایک ٹھوس حقیقت تھی کہ اس وقت بھی

اصل معاملہ کچھ نہیں تھا لیکن اصل معاملہ تو شروع ہی سے کچھ نہیں تھا۔ بھلا کسی ایسے آدمی کو کیا تربیت دی جا سکتی ہے جو قدرتی طور پر احمق ہو۔ جہاں تک معاملہ اس کے محکمہ پولیس میں بھرتی ہونے کا تھا تو یہ مسئلہ مارشل ٹیٹو کا اپنا نہیں تھا۔ جو کچھ بھی ہونا ہے سعدی' ظفری جانیں یا پھر محترم نورجبیں جو اپنے اس ناکارہ بیٹے کو بہر طور محکمہ پولیس میں ایک اعلیٰ عہدہ دلانا چاہتے تھے۔ بالے میاں کمرے کے دروازہ پر رک گئے۔ سر کھجانے لگے نجانے کس خیال کے تحت نیچے جھکے اور کمرے کے دروازے کے سوراخ سے آنکھ لگا دی۔ اسی وقت کمرے کے بالکل سامنے کا دروازہ کھلا اور دو آدمی باہر نکل آئے۔ یہ دروازہ بالے میاں کے بالکل عقبی کمرے کا دروازہ تھا اور ان دونوں نے با آسانی بالے میاں کو دیکھا جنہیں ان کے باہر نکلنے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ غالباً اندر کا منظر کچھ ایسا ہی تھا کہ بالے میاں محو حیرت ہو گئے تھے۔ مارشل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے لیکن اس وقت اس کی آنکھیں خوف سے سکڑ گئیں جب اس نے ان دونوں کو بالے میاں کے عقب میں دیکھا اور ساتھ ساتھ ہی ان کے ہاتھوں میں پستول بھی دیکھے جو انہوں نے بالے میاں کی کمر سے لگا دیئے تھے۔ بالے میاں چونک کر سیدھے ہو گئے۔ یہاں کوئی بات تو سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن بالے میاں کے چہرے پر پھیلی دہشت صاف دیکھی جا سکتی تھی پھر ان میں سے ایک شخص نے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور اس کے بعد دروازہ کھل گیا اور وہ دونوں بالے میاں سمیت غڑاپ سے اندر داخل ہو گئے۔ مارشل ٹیٹو کا دماغ چکرا گیا تھا اور اسے یہ فیصلہ کرنے میں دقت ہو رہی تھی کہ اب کیا کرے۔ سعدی' ظفری کو بالے میاں پر پڑنے والی اس نئی افتاد کی اطلاع دے یا خود اس سلسلے میں مداخلت کرے' فیصلہ کرنا اس کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ ادھر بالے میاں کی جان معمول کے مطابق نکل گئی تھی۔ درحقیقت صورت حال کچھ ایسی ہی ہو گئی تھی کہ وہ سحر زدہ ہو گئے تھے۔ لڑکی نے اندر داخل ہونے کے بعد روشنی جلائی تھی اور عین اس وقت جب بالے میاں کی نگاہیں کی ہول سے جا لگی تھیں لڑکی لباس تبدیل کر رہی تھی کیونکہ کسی کے آنے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا اس لئے اس نے کوئی تعارف نہیں کیا تھا اور دروازہ بھی بند تھا اور بالے میاں پر اس سے زیادہ برا وقت کوئی نہیں پڑا تھا۔ جو اس وقت پڑا تھا جونہی لڑکی نے لباس کی تبدیلی مکمل کی بالے میاں کو اپنی

کمر کے پچھلے حصے میں گدگدی سی محسوس ہوئی۔ چونک کر سیدھے ہوئے تو ان دونوں کو دیکھا جوان پر پستول تانے ہوئے تھے۔ رنگ فق ہوگیا۔ آنکھیں پھیل گئیں مصیبت کا احساس ہوگیا۔ منہ سے آواز نہیں نکل سکی اور پھر ان دونوں نے بالے میاں کو دیکھتے ہوئے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھل گیا دونوں نے ایک طرح سے بالے میاں کو اندر دھکا دے دیا تھا اور پھر خود بھی ان کے پیچھے اندر داخل ہوگئے تھے۔ بالے میاں گرتے گرتے بچے کیونکہ دھکا کافی زور سے دیا گیا تھا۔ ادھر لڑکی جو دروازہ کھولنے آئی تھی ایک ہلکی سی چیخ کے ساتھ ایک سمت ہوگئی تھی۔ ان دونوں نے اندر داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا۔ پستول بدستور ان کے ہاتھوں میں موجود تھے اور بالے میاں پر تھر تھری طاری ہوگئی تھی۔ دہشت سے ان کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔ لڑکی حیران نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی پھر اس نے اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھا اور ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ کی ہول سے اندر جھانک رہا تھا۔"

"کون ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"کون ہوسکتا ہے؟" لڑکی پر خیال نگاہوں سے بالے میاں کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"یہ خود بتائے گا۔"

"اوہ کیا ان لمحات میں ہم ایسی کوئی مصیبت مول لے سکتے ہیں؟"

"تو پھر کیا کیا جائے؟"

"خاموشی سے گردن دبا کر ختم کردو اور اس کی لاش یہیں چھوڑ کر نکل چلو۔"

"ابھی کافی وقت ہے ہمارے پاس۔"

"مگر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے۔"

"کئے لیتے ہیں یہاں کون پوچھنے آئے گا کہ ہم کیا کر رہے ہیں چلو آگے بڑھو۔"

دوسرے آدمی نے بالے میاں کی گردن پکڑ کر انہیں کمرے کے بیچوں بیچ لاکر کھڑا کیا۔ لڑکی گہری نگاہوں سے بالے میاں کا چہرہ دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"کون ہو تم؟"

"بب۔۔۔بدر۔۔۔۔بب۔۔۔۔بدر۔۔۔۔بدر۔۔۔۔" بالے میاں کے منہ سے پورا جملہ نہیں نکل سکا۔

"کیا بک رہا ہے یہ۔۔۔؟"

"پتہ نہیں۔۔۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

"اگر تم نے ٹھیک سے جواب نہیں دیا تو سمجھ لو کہ تمہاری موت بالکل قریب آجائے گی۔"

"کک۔۔۔کیا جواب دیں۔۔۔ہم۔۔۔ہم تو وہ۔۔۔تو۔۔۔وہ تمہیں جاسوسی تعاقب۔۔۔میرا مطلب ہے حسن۔۔۔حسن۔۔۔میں حسن کا پجاری اور اور آگے کیا کہوں۔۔۔؟" بالے میاں کہنے لگے۔ لڑکی نے پریشان نگاہوں سے اپنے دونوں ساتھیوں کو دیکھ اور دونوں شانے ہلا دیئے پھر ان میں سے ایک بولا۔

"ہوسکتا ہے بیوقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہو' معلومات تو کرنی ہی چاہیئے بغیر معلومات حاصل کئے اگر ہم نے اسے قتل بھی کردیا تو کہیں کوئی اور خطرہ پیش نہ آجائے۔"

"مہر وایئر پورٹ پہنچ چکا ہے۔ ساری تیاریاں مکمل کرلے گا کہیں ایسا نہ ہو کہ راستے ہی میں کوئی خطرہ پیش آجائے۔"

"مہر وایئر پورٹ پہنچ چکا ہے۔ ساری تیاریاں مکمل کرلے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ راستے ہی میں کوئی خطرہ پیش آجائے۔"

"امکانات ہوسکتے ہیں۔"

"سنو دوست' تم جو کوئی بھی ہو اپنی زبان کھول دو ورنہ کیا فائدہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"

"آپ۔۔۔آپ یقین کریں اگر۔۔۔اگر آپ لوگوں نے مجھے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور میرے والد صاحب کو پتہ چل گیا تو یوں سمجھ لو کہ۔۔۔"

"بکواس مت کرو تم چہرے سے بیوقوف نظر نہیں آتے چنانچہ ہم تمہاری اس قسم کی باتوں میں نہیں آئیں گے۔"

"اس میں میرا کیا قصور ہے۔" بالے میاں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہیں۔ ہوش وحواس گم ہوئے جا رہے تھے۔ پستولیں دیکھ دیکھ کر چکرا رہے تھے۔ ان لوگوں نے جو گفتگو کی تھی وہ بھی بخوبی سن لی تھی اور یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ اس وقت بہت بری طرح پھنسے ہیں۔ اس سے پہلے کبھی ایسی کوئی مشکل اس حد تک پیش نہیں آئی تھی اور اب' اب حواس گم ہو رہے تھے۔ بمشکل تمام بولے۔

"پپ۔۔۔ پیارے بھائی۔۔۔۔ وو۔۔۔ وعدہ کرتا ہوں آئندہ ایسا نہیں کروں گا اس بار معاف کر دو۔ تمہیں خدا کا واسطہ۔"

"سچ سچ بتاؤ تم کون ہو؟"

"بدر۔۔۔ بدر جبیں ہوں' پیار سے بالے میاں کہا جاتا ہے مجھے۔ تربیت۔۔ تربیت لے رہا ہوں تعاقب کرنے کی۔ جاسوس بننے کی۔۔۔۔ م۔۔۔ محکمہ پولیس۔"

"پولیس۔۔۔" وہ تینوں بیک وقت چیخ پڑے۔

"لڑکی کہنے لگی۔

"تو میرا اندازہ بالکل درست تھا۔"

"ارے نہیں توبہ توبہ' پولیس پولیس نہیں۔۔۔ بالکل پولیس نہیں۔ وہ تو بس ڈی ایس پی م۔۔۔۔ میرا مطلب ہے نور جبیں۔ ارے میرے ابا۔۔۔" بالے میاں بری طرح نروس ہو گئے تھے۔ ادھر مارشل ٹیٹو بری طرح خوفزدہ تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اندر نجانے کیا ہو رہا ہو جس طرح اس نے ان دونوں آدمیوں کی جارحانہ کارروائی دیکھی تھی اس سے اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بالے میاں پر کچھ بڑی ہی بری بیتنے والی ہے۔ اب اگر سعدی اور ظفری کو اطلاع دینے کے لئے جاتا تو نجانے پیچھے کیا ہو جائے۔ بحالت مجبوری وہ آگے بڑھا اور دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کے ذہن میں تدبیر آ گئی تھی۔ دوسرے لمحے اس نے دروازے پر دستک دی اور اندر سے آواز آئی۔

"کون ہے؟"

"ویٹر سر۔"

"کیا بات ہے؟"

"یہ ایک میسج آیا ہے سر آپ کا۔" ٹیٹو نے جواب دیا۔

"میسج۔۔۔۔"

"یس سر۔۔۔" ٹیٹو بولا۔ چند لمحات خاموشی طاری رہی اور اس کے بعد دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ غالباً صورت حال کچھ اس طرح کی ہو گئی ہو گی کہ بالے میاں بول نہ سکیں لیکن ٹیٹو تیار تھا اسے اندازہ تھا کہ دروازہ کھولنے والا کس پوزیشن میں ہو سکتا ہے اور اس پوزیشن میں اسے کیا کرنا ہے۔ چنانچہ جیسے ہی دروازہ تھوڑا سا کھلا ٹیٹو نے دونوں ہاتھوں کی پوری قوت سے دروازے کو دھکا دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کا ایک پاؤں اوپر اٹھ گیا۔ سامنے کھڑے ہوئے شخص کے حلق سے ہلکی سی آواز نکلی اور ٹیٹو کے گھونسے نے اسے زمین چٹا دی۔ ٹیٹو نے فوراً ہی اس نے چھلانگ لگا کر چھاپ لیا اور اسے بری طرح رگیدتا ہوا دور تک لے گیا اور اس کے فوراً ہی اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا تا کہ آواز باہر نہ جا سکے۔ وہ ایک عمل طے کر کے اندر آیا تھا چنانچہ نیچے گرنے والے کو فوراً ہی شانوں سے اٹھا کر کھڑا کر لیا اور اسے اپنی ڈھال بنا لیا۔ اس کے بعد اس نے اندر کا منظر دیکھا تھا دوسرا آدمی پستول بالے میاں کی کنپٹی پر رکھے کھڑا ہوا تھا اور لڑکی ایک سمت الگ کھڑی ہوئی تھی۔ گویا بالے میاں کو پستول کے بل پر خاموش رہنے کی ہدایت کر دی گئی تھی لیکن جس شخص کو ٹیٹو کے گھونسوں اور اس کی جسمانی قوت کا سامنا کرنا پڑا تھا اس کا حلیہ بری طرح بگڑ گیا تھا کیونکہ ٹیٹو جسمانی طور پر طوفان تھا اور جب عمل کرتا تھا تو وہ ایسا ہی ہوتا تھا کہ مدمقابل کے حواس گم ہو جائیں۔ ٹیٹو نے اسے عقب سے پکڑ رکھا تھا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اس کی کمر پر انگلی لگاتے ہوئے کہا۔

"اپنے ساتھی سے کہو پستول پھینک دے ورنہ میرے پستول کی گولی تمہارے سینے میں اتر جائے گی سمجھے۔"

"پپ ۔۔۔ پستول پھینک دو۔" دوسرے آدمی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"کیوں پھینک دوں، یہ تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے قتل کر دے لیکن اس کے بعد اس شخص کی زندگی نہیں بچا سکے گا۔" دوسرے آدمی نے کہا اور پھر لڑکی کی طرف رخ کر کے بولا۔

"دیکھو اسے تم دیکھو۔"

"خبردار ۔۔۔ خبردار ۔۔۔" ٹیٹو نے کہا۔ پستول تو اس کے پاس تھا ہی نہیں کہ اپنی دھمکی کو عملی جامعہ پہنا سکتا لیکن یہ دونوں خاصے خطرناک نظر آ رہے تھے یعنی لڑکی اور اس کا دوسرا ساتھی جو مسلسل بالے میاں کی کنپٹی پر پستول رکھے کھڑا ہوا تھا۔ دوسرا آدمی جو دروازہ کھولنے آیا تھا غالباً اس دھوکے میں مار کھا گیا تھا کہ آنے والا ویٹر ہی ہے۔ اس وقت اچانک ٹیٹو کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ اس نے ان دونوں کو پستول لئے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کا مقصد ہے کہ دوسرے آدمی کا پستول اس کے کوٹ کی جیب میں ہوگا۔ چنانچہ ٹیٹو نے برق رفتاری سے اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک لمحے میں پستول ٹیٹو کے ہاتھ میں آ گیا۔ لڑکی جو جارحانہ انداز میں آگے بڑھ رہی تھی بالکل قریب پہنچ گئی لیکن ٹیٹو نے پھرتی سے اس کی پنڈلی کا نشانہ لیا اور فائر کر دیا۔ فائر کی آواز کمرے میں گونجی اور اس آواز سے وہ شخص بھی اچھل پڑا جس نے بالے میاں کی کنپٹی پر پستول رکھا ہوا تھا۔ دوسرے لمحے ٹیٹو نے اس پر بھی فائر کر دیا۔ ٹیٹو کا نشانہ تو تھا ہی کمال کا پستول کی گولی اس شخص کی کلائی پر پڑی اور اس کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکل گئی۔ باہر بہت سے دروازے کھلنے کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں اور وہ دونوں زخمی ہو گئے تھے۔ تیسرا آدمی وہ تھا جسے ٹیٹو نے اب تک اپنے قابو میں کیا ہوا تھا چنانچہ پستول کا دستہ پوری قوت سے اس شخص کے سر کی پشت پر پڑا اور اس کے دونوں ہاتھ فضا میں پھیل گئے۔ پھر وہ اوندھے منہ زمین پر آ رہا۔ جس شخص کی کلائی زخمی ہوئی تھی وہ جھپٹا مار کر اپنے پستول کی جانب جھپٹا لیکن ٹیٹو نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور اس کے شانوں پر جا پڑا۔ دوسرے لمحے اس شخص کا سر پوری قوت سے زمین سے ٹکرایا اور اس کی بھی دلخراش چیخ نکل گئی۔ لڑکی تو پہلے ہی ناکارہ ہو چکی تھی۔ غالباً اس کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ زمین پر بری طرح لوٹ رہی تھی اور کراہ رہی تھی۔ ادھر اندر ہنگامے کی آواز سن کر بہت سے لوگ

کمرے کے سامنے جمع ہو گئے تھے اور ان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ بڑی سنسنی اور دہشت پھیل گئی تھی۔ غالباً ہوٹل کے منیجر نے پولیس کو فون کر دیا تھا۔ بالے میاں کا تو دم ہی خشک تھا۔ اس سارے ہنگامے کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ ابھی تک انہوں نے اس سلسلے میں خود کوئی عمل نہیں کیا تھا۔ ادھر مارشل ٹیٹو نے دوسرے آدمی کا پستول بھی اپنے قبضے میں کر لیا تھا اور دہشت زدہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ بالے میاں کو بچانے کے لئے یہ عمل اس نے کر ڈالا تھا لیکن اس کے بعد کی کاروائیاں اسے کافی خوفناک معلوم ہو رہی تھیں اور یہ سوچ رہا تھا کہ اب کوئی بڑی مصیبت سر اٹھانے والی ہے۔ سعدی اور ظفری سے امید تو تھی کہ کسی بھی مشکل سے مشکل مرحلے میں وہ اسے تنہا نہیں چھوڑیں گے اور کسی نہ کسی شکل میں اسے مصیبت سے بچا لیں گے لیکن پھر بھی دو آدمی اس کے ہاتھوں میں موجود پستول سے زخمی ہوئے تھے۔ یعنی ایک لڑکی اور ایک وہ شخص اور اندازہ یہ ہوتا تھا کہ غیر ملکی ہیں۔ اس لئے ذرا سہا ہوا تھا مشکلات پیش آ سکتی تھیں پھر باہر دستک دی جانے لگی اور کسی نے چیخ کر کہا۔

"پولیس آ گئی ہے پولیس آ گئی ہے دروازہ کھولو۔ اگر دروازہ نہیں کھولا تو ہم فائرنگ شروع کر دیں گے اور اندر موجود ایک ایک شخص کو ختم کر دیا جائے گا۔ دروازہ کھولو دروازہ کھولو۔" مارشل ٹیٹو آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی مقامی تھانے کا انچارج پستول تانے کھڑا ہوا تھا۔ مارشل ٹیٹو کو دیکھتے ہی اس نے کڑک کر کہا۔

"خبردار ۔۔۔ خبردار پستول پھینک دو ورنہ گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔" مارشل ٹیٹو نے اب اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا اس نے نرم لہجے میں کہا۔

"آپ اندر تشریف لے آیئے انسپکٹر صاحب۔ یہ پستول حاضر ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ دوسرا پستول بھی۔" اس نے دوسرے آدمی کا پستول بھی انسپکٹر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ انسپکٹر نے اپنے ساتھ آئے ہوئے کانسٹیبلوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے مارشل ٹیٹو کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔ پھر اس نے سامنے نظر دوڑائی اور ساری صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔ بالے میاں تو خوف سے پتھرائے ہوئے کھڑے تھے۔ لیکن انسپکٹر کی نظر زمین پر پڑی ہوئی لڑکی پر پڑی اور اس کا

منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے لڑکی کو دیکھتا رہا پھر اس کے منہ سے نکلا۔

"میرے خدا۔۔۔ میرے خدا۔۔۔ مونٹینا ڈینیام۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔۔۔ یہ تو بہت خطرناک عورت ہے اور تم لوگ۔۔۔۔ تم لوگ۔۔۔۔ او ہو یہ دونوں بھی۔۔۔ او ہو۔۔۔۔ او ہو۔" انسپکٹر شدید حیرت کے عالم میں کہہ رہا تھا اور مارشل ٹیٹو حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پولیس والوں نے باہر کے افراد کو اندر نہیں آنے دیا تھا۔ انسپکٹر نے مونٹینا کے قریب پہنچ کر اسے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا۔۔۔۔

"وہی ہے۔۔۔ سو فیصد وہی۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں انسپکٹر صاحب کہ یہ کون ہے؟" ٹیٹو نے سوال کیا۔

"مونٹینا ڈینیام منشیات کی بہت بڑی اسمگلر۔ شہر کی ساری پولیس اس کی تلاش میں سرگرداں تھی اور اسی کی گرفتاری کے لئے جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے مگر۔۔۔۔ مگر تم کون ہو اور یہ کیا تم نے اسے زخمی کیا ہے۔" اب تو مارشل ٹیٹو کی جان میں جان آ گئی۔ صورت حال کو فوراً ہی سمجھ لیا۔

"آپ صورت حال کو سمجھ نہیں رہے انسپکٹر صاحب۔ ان صاحب سے ملئے یہ بدر جبیں خوش خیلی ہیں۔ ان دنوں محکمہ جاسوسی کے لئے تربیت حاصل کر رہے ہیں اور مونٹینا ڈینیام جیسی خطرناک عورت کو گرفتار کرنا انہیں کا کارنامہ ہے۔"

"ان کا ایک ساتھی اور ہے وہ کہاں مل سکتا ہے؟" انسپکٹر نے سوال کیا۔

بالے میاں جو اس صورت حال کا بغور جائزہ لے رہے تھے ایک دم سنبھل گئے ان کا سینہ فخر سے پھول گیا۔ اس سے اچھا موقع بھلا کہاں ہاتھ آ سکتا ہے۔ فخریہ انداز میں بولے۔

"وہ ایئر پورٹ پر موجود ہے اور وہاں ان تینوں کا انتظار کرے گا یہ تینوں ملک سے باہر نکلنے والے تھے۔"

"یقیناً ان کے پاس منشیات کا ذخیرہ بھی ہوگا۔ انہوں نے یہاں مختلف اداروں سے کافی مقدار میں ہیروئن خریدی ہے۔ چلو تلاش کرو" انسپکٹر کے حکم پر پولیس کانسٹیبل پورے کمرے

کی تلاشی لینے لگے۔ دروازہ ایک بار پھر انسپکٹر نے اندر سے بند کر دیا تھا۔ کمرے میں ایک بریف کیس سے ہیروئن کا ایک بہت بڑا ذخیرہ دریافت ہوا اور بالے میاں کا سانس خوشی سے سینے میں نہ سما رہا تھا۔ بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا انہوں نے۔ مارشل ٹیٹو بھی جانتا تھا کہ یہ کارنامہ اپنے نام سے منسوب کرنے کے بجائے بالے میاں کے نام سے منسوب کر دینا زیادہ فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ نور جبیں خوش خیلی صاحب اس کارنامے سے خوش ہو کر نجانے کس کس طرح ان لوگوں کو نوازدیں۔ انسپکٹر نے فوراً ہی انتظامات کئے اور ایک پارٹی ایئر پورٹ روانہ ہوگئی۔ تمام تفصیلات لے کر ساتھ ہی ان تینوں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ بالے میاں اور مارشل ٹیٹو بھلا ساتھ کیوں نہ جاتے۔

تھانے پہنچنے کے بعد دونوں زخمیوں کو تو پولیس کی نگرانی میں ہسپتال کی طرف روانہ کر دیا گیا ادھر مارشل ٹیٹو نے فون پر سعدی اور ظفری کو مختصر الفاظ میں صورت حال سے آگاہ کیا۔ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ بالے میاں کی چال دیکھنے کے قابل تھی۔ اکڑ اکڑ کر چل رہے تھے۔ سارا خوف دور ہو گیا تھا۔ مارشل ٹیٹو بھی اس بات پر مطمئن تھا کہ معاملہ منشیات کی ایک اسمگلر کا ہے اس لئے اب اس پر کوئی بات نہیں آئے گی۔ چنانچہ اس نے بالے میاں کی شان میں قصیدہ خوانی شروع کر دی تھی اور انسپکٹر بڑی عقیدت کی نگاہوں سے اس عظیم جاسوس کو دیکھ رہا تھا۔ جس نے ابھی دوران تربیت ہی اتنا شاندار کارنامہ سرانجام دے دیا تھا۔۔۔

کچھ دیر کے بعد سعدی اور ظفری بھی تھانے پہنچ گئے اور تمام صورت حال کو انہوں نے سنبھال لیا۔ تیسرا آدمی بھی ایئر پورٹ سے گرفتار ہو کر تھانے پہنچا دیا گیا تھا۔ اس طرح بدر جبیں خوش خیلی کا پہلا کارنامہ منظر عام پر آنے کے لئے بے چین تھا۔۔۔۔۔۔!!!!!!

☆......☆......☆

شکیلہ دوپہر کو چلی گئی تھی' مطلق صاحب نے گھر پر مشاعرے کا بندوبست کیا تھا اور شعرا کے لیے طعام کا بندوبست بھی تھا جس کی تیاریاں گھر پر ہی کرنی تھیں اس لیے شکیلہ بیگم صاحبہ کا ہاتھ بٹانے کے لیے چلی گئی تھی۔

مطلق صاحب نے ان لوگوں کو جس برے وقت میں بھرپور سہارا دیا تھا اس کی مثال ناممکن تھی اور اب یہ لوگ وہ احسان سود در سود چکا رہے تھے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے مطلق صاحب کو پلکوں پر سنبھال لیا تھا اور ان کی کوئی آرزو آرزو نہیں رہی تھی۔ ان کا کلام جیسا بھی ہوتا' اخبارات و رسائل میں چھپتا۔ ایک پبلشر ان کا دیوان چھاپ رہا تھا جس کے اخراجات ان لوگوں نے برداشت کیے تھے لیکن پبلشر کو ہدایت تھی کہ وہ مطلق صاحب سے اس کا تذکرہ نہ کرے۔ بلکہ انہیں معاوضہ بھی پیش کرے جسے یہ لوگ خود ادا کریں گے' پبلشر کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا چنانچہ دیوان کی پبلشنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

کچھ شعراء ایک پڑوسی ملک سے آئے تھے ان کے اعزاز میں مطلق صاحب نے اپنے ہاں مشاعرہ رکھا تھا۔ مضطرب صاحب کو بھی دعوت دی تھی اور مضطرب صاحب نے آج صبح سے چھٹی لے رکھی تھی۔ ایک کمرے میں قید ہو کر وہ آج کے مشاعرے کے لیے تازہ غزل چرا رہے تھے۔ کمرہ شاید اسی لیے بند کیا گیا تھا کہ اس چوری کا علم کسی کو نہ ہو سکے۔ عذر یہ تھا کہ یکسوئی کی ضرورت ہے۔

للو نے تمام ذمہ داری سنبھالی ہوئی تھی لیکن آج کا دن پرسکون تھا۔ شام کو پونے پانچ جب یہ لوگ اٹھنے کی تیاریاں کر رہے تھے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ سعدی نے ریسیور اٹھا لیا۔ "جی فرمایئے!" اس نے کہا۔

"دیکھیے۔ یہ۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ہے؟"

"جی ہاں۔"

"میں کسی ذمہ دار شخص سے بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"میرا نام سعدی ہے۔ اس ادارے کا ایک ذمہ دار رکن ہوں۔ فرمایئے کیا کام ہے؟"

"آپ لوگ معاوضہ لے کر پریشان حال لوگوں کی مدد کرتے ہیں؟" نسوانی آواز نے کہا۔

"درست اطلاع ملی ہے آپ کو لیکن معاوضے کی رقم پچیس ہزار ہوتی ہے۔"

"مجھے منظور ہے۔ آپ آج ہی مجھ سے مل سکتے ہیں۔"

"ضرور۔ کہاں؟"

"دیکھیے براہ کرم میرے اس فون کی بات راز رکھیے گا' میں شام کو سات بجے آپ کا انتظار کروں گی۔"

"کہاں خاتون؟"

"سی گل اپارٹمنٹس۔ یہ برائٹ روڈ پر ہیں۔ آپ نمبر ففٹی ون میں ٹھیک سات بجے تشریف لے آئیں۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

"کیا نام ہے آپ کا؟"

"یہ میں آپ سے ملاقات کے وقت بتاؤں گی۔"

"یہاں آپ ہی ملیں گی یا کوئی اور بھی ہوگا؟"

"صرف میں۔ لیکن خدا کے لیے آپ ضرور تشریف لے آئیں میں آپ سے التجا کرتی ہوں۔"

"معاوضہ ایڈوانس ہوتا ہے خاتون؟" سعدی نے کہا۔

"میں آپ کو دگنا معاوضہ ادا کرنے کو تیار ہوں فوراً ادائیگی ہوگی' ٹھیک سات بجے۔"

"بہتر ہے۔" سعدی نے کہا۔ اور دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔ سعدی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر کسی سوچ میں غرق ہوگیا تھا۔ ظفری پیپر ویٹ گھما رہا تھا۔ "کیا خیال ہے عزیزم۔ جاؤ گے؟" چند لمحات کے بعد سعدی نے کہا۔

"کہاں؟" ظفری نے پوچھا۔

"تم اگر نہ جانا چاہو تو میں چلا جاؤں گا۔" سعدی نے کہا۔

"نہیں یہ میری ڈیوٹی ہے۔ لیکن کوئی فراڈ نہ ہو۔ میرے خیال میں فون پر ہم نے آج تک کوئی کیس نہیں لیا۔"

"کیس تو ہم نے اب بھی نہیں لیا۔ بس یہ خیال ہے کہ یہ فون مذاق نہ ہو۔"

"کاروبار میں بعض اوقات مذاق بھی برداشت کرنے ہوتے ہیں۔ بہت سی باتیں ہمیں مذاق محسوس ہوتی ہیں لیکن اگر انہیں مذاق سمجھ کر ٹالتے رہے تو کاروبار ہی چوپٹ ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے دیکھ لو' ممکن ہے کوئی سنجیدہ معاملہ ہی ہو۔ اور اس نے غلط نہ کہا ہو۔" سعدی بولا۔

"لیکن سات بجے کا وقت دیا ہے اس نے' یہ دو گھنٹے کہاں گزارے جائیں؟"

"گھر چلو' میرے خیال میں مطلق صاحب سے معذرت بھی کر لینا' ویسے بھی تمہیں وہاں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ اس سے ملاقات کے بعد جو بھی صورت حال ہو' واپس آ جانا۔ ظاہر ہے فوراً تو کام شروع نہیں کیا جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔" ظفری نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ لوگ دفتر سے باہر نکل آئے۔

مطلق صاحب کسی مرغے ہی کی طرح پھولے پھولے پھر رہے تھے۔ نئی شیروانی' علی گڑھ کٹ

پائجامے میں وہ خوب جچ رہے تھے' صحت بھی پہلے سے بہت بہتر ہوگئی تھی' شعرائے کرام میں سے چند پہلے ہی آ چکے تھے اور غزلوں اور نظموں پر تبادلۂ خیال ہو رہا تھا' اندر گھر سے انواع واقسام کے کھانوں کی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں' ظفری اور سعدی نے مسکرا کر ایک دوسرے کی جانب دیکھا پھر اپنے اپنے کمروں کی جانب چلے گئے۔

ٹھیک پونے سات بجے ظفری گھر سے نکل آیا۔ مطلق صاحب سے اس نے معذرت کر لی تھی اور کہا تھا کہ ایک انتہائی ضروری کام سے اسے کچھ دیر کے لیے جانا ہے۔ واپسی میں مشاعرے میں ضرور شریک ہوگا۔

مطلق صاحب کو اس پر اعتراض نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے ظفری کو بخوشی جانے کی اجازت دے دی۔ اور چند ساعت کے بعد ظفری کی موٹر سائیکل برائٹ کی طرف دوڑنے لگی۔

یہ علاقہ شہر کے پرسکون علاقوں میں سے ایک تھا۔ درمیانہ درجے سے کچھ اونچے لوگوں کا علاقہ تھا اور وہاں 'سی گل اپارٹمنٹس' نامی بلڈنگ بے حد مشہور تھی۔

خوبصورت ترین اپارٹمنٹس تھے اس عمارت میں تھوڑی دیر کے بعد ظفری عمارت کے سامنے پہنچ گیا' اس نے عمارت کی بغلی سمت موٹر سائیکل کھڑی کی' حالانکہ شام کے سات بجے تھے۔ لیکن بادل گھرے ہونے کی وجہ سے تاریکی اچھی طرح پھیل گئی تھی۔ اور گھروں میں روشنیاں جلا دی گئی تھیں۔

بلڈنگ کے صدر دروازے پر ایک لمبا چوڑا پٹھان چوکیدار بیٹھا تھا' لیکن ابھی شاید اس کی ڈیوٹی شروع نہیں ہوئی تھی اس لیے کسی بھی آنے جانے والوں پر اس کی توجہ نہیں تھی۔

ظفری موٹر سائیکل کھڑی کر کے اندر داخل ہوگیا' نیچے دیوار پر ایک چارٹ بنا ہوا تھا جس میں فلیٹوں کے نمبر لکھے ہوئے تھے۔ فلیٹ نمبر اکیاون تیسری منزل پر تھا۔

لفٹ موجود لیکن لفٹ مین موجود نہیں تھا۔ اس لیے وہ کام نہیں کر رہی تھی' چنانچہ ظفری زینوں کی جانب بڑھ گیا۔ پہلی منزل' پھر دوسری منزل' پھر تیسری منزل۔ تیسری منزل پر فلیٹ نمبر

اکیاون راہداری میں کافی آگے جا کر تھا۔ چوڑی راہداری میں کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ عورتیں ادھر ادھر آ جا رہی تھیں' درمیانہ سا ماحول تھا' ظفری فلیٹ نمبر اکیاون کے سامنے پہنچ گیا' اور پھر اس نے کال بیل پر انگلی رکھ دی۔

اندر گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی تھی اور ظفری سوچ رہا تھا کہ اس درجے کے لوگ کیا کسی پرائیویٹ کام کے لیے پچیس ہزار روپے ادا کر سکتے ہیں۔ اس نے دوسری بار کال بیل پر انگلی رکھی اور گھنٹی بجنے لگی۔ لیکن اندر سے کوئی آواز سنائی نہیں دی تھی۔

پھر اس کا ہاتھ بے اختیار دروازے پر جا پڑا تھا' اور دروازہ کھل گیا۔ ظفری نے متعجب ہو کر ادھر ادھر دیکھا' اور پھر دروازے پر انگلی سے دستک دی۔

نجانے کیا بات تھی' کوئی دروازے پر نہیں آیا تھا' کچھ دیر وہ سوچتا رہا' پھر اس نے دروازے میں ایک قدم آگے بڑھا کر کہا۔

''کوئی ہے۔۔۔کوئی موجود ہے۔۔۔؟'' لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

ظفری ایک لمحے کے لیے ٹھٹک کر سر کھجانے لگا۔ پہلے بھی یہ خیال ذہن میں تھا کہ کہیں یہ فون مذاق نہ ہو۔ اب پھر یہی خیال ذہن میں اتر آیا تھا' ظاہر ہے کسی نہ کسی کو تو اس کے لیے فلیٹ میں موجود ہونا چاہیے تھا۔ کوئی اس سے ملے تو یہ سوال کیا جائے کہ یہاں سے کوئی ٹیلی فون کیا بھی گیا ہے یا نہیں۔ اس نے دو قدم اور آگے بڑھ کر پھر آواز لگائی۔

''گھر میں کوئی ہے۔۔۔۔اگر ہے تو جواب دے۔'' اور جواب میں اسے ایک ہلکی سی آواز سنائی دی۔ جیسے کسی نے کچھ بولنے کی کوشش کی ہو۔ یہ آواز بالکل سامنے والے دروازے کے اندر سے آئی تھی۔

ظفری کے ذہن میں ایک لمحے کے لیے کچھ خطرات سے جاگے اور پھر وہ ٹھٹکتے ہوئے سے انداز میں آگے بڑھا۔ اور اس نے سامنے والے کمرے کا بند دروازہ کھول لیا۔

اندر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ دروازے میں کھڑے ہو کر ایک بار پھر اس نے

اپنے وہی الفاظ دہرائے۔ ''کیا کمرے میں کوئی موجود ہے؟''

''آں۔ہاں۔'' ایک کراہ سی سنائی دی اور ظفری بوکھلا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر اس نے دروازے کے برابر دیوار پر ہاتھ پھیر کر سوئچ بورڈ تلاش کیا اور دوسرے لمحے کمرے میں روشنی ہو گئی۔ لیکن اس روشنی میں ظفری نے جو کچھ دیکھا اس نے اس کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔

وہ ایک نوجوان لڑکی تھی' خوبصورت خدوخال کی مالک' گھٹاؤں کی مانند بکھرے ہوئے بال۔ لیکن اس کے نچلے بدن سے خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ کمرے کے فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔ اور سرخ خون پیلے رنگ کے قالین پر عجیب سا منظر پیش کر رہا تھا۔

لڑکی کہنیوں کے بل اٹھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کا پیٹ چاک تھا اور اس کی آنتیں باہر نکلی پڑی ہوئی تھیں۔ ظفری کے حلق سے ایک آواز نکل گئی اور پھر یہ آواز ایک چیخ میں تبدیل ہو گئی' چونکہ دوسرے لمحے اس نے باہر کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی تھی۔

ذہین نوجوان تھا۔ صورت حال ایک لمحے میں اس کی سمجھ میں آ گئی اور دوسرے لمحے اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔

یقیناً کوئی قرب و جوار میں موجود تھا اور دروازہ اس نے باہر سے بند کیا ہوگا۔ کیونکہ راہداری میں تو کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ ظفری نے دروازہ زور سے اندر کی طرف کھینچا لیکن اسے باہر سے لاک کر دیا گیا تھا اس نے بدحواسوں کی طرح دروازہ پیٹنے کی کوشش نہیں کی تھی اس طرح قرب و جوار کے لوگ دروازے کے گرد جمع ہو جاتے اور پھر اندر کے ماحول کو دیکھ کر ان میں سے کوئی کچھ نہ سوچتا اور ظفری کی خاطر تواضع شروع ہو جاتی' چنانچہ وہ ایک لمحے دروازے کے قریب کھڑا بدن میں ہونے والی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر اس نے جلدی سے دروازہ اندر سے بھی بند کر دیا' کیونکہ اگر باہر کوئی تھا اور اس نے ظفری کے خلاف یہ سازش کی تھی' تو چند ہی لمحات میں یہاں مجمع جمع ہو جانا چاہیے تھا اور پھر اس نے مجمع کو اندر آنے میں کوئی دقت نہ ہوتی۔

ظفری فوری طور پر کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ اسے کیا کرنا چاہیے وہ ایک بار پھر دروازے

کے پاس سے پلٹ کر اندر آیا۔ جہاں لڑکی موجود تھی' لیکن لڑکی دم توڑ چکی تھی۔ اس کا داہنا گال قالین سے لگا ہوا تھا اور وہ اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ ظفری نے اسے ہلا جلا کر دیکھا۔ لیکن لڑکی میں اب زندگی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اس نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی اور پھر یہ وقت تجسس کے لیے غیر مناسب سمجھ کر پھر باہر نکل آیا۔ دوسرے لمحے اس نے اس اپارٹمنٹ کے دوسرے حصوں کی تلاشی لے ڈالی۔ اور پھر ایک ہی جگہ اسے نظر آئی۔

باورچی خانے کا عقبی حصہ تھا' جہاں شاید ایگزاسٹر فین لگانے کے لیے ایک گول سا سوراخ بنایا گیا تھا' کیونکہ ابھی اس سوراخ میں ایگزاسٹ فین نہیں لگایا گیا تھا اس کے نشانات بھی نہیں تھے جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ وہ مرمت کے لیے گیا ہوا ہے' ممکن ہے اپارٹمنٹس میں رہنے والوں کا ارادہ ہو یہ فین لگنے کا۔ اور انہوں نے اس کے لیے جگہ بنوا دی ہو۔ لیکن اس گول سوراخ کے پاس ہی سینٹری پائپ بھی نظر آ رہے تھے۔ ہر چند کہ تیسری منزل تھی' لیکن ان سینٹری پائپ کے ذریعے ظفری جیسا پھرتیلا شخص نیچے اتر سکتا تھا اور پھر سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس طرف بالکل خاموشی اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ظفری نے اس سلسلے میں سوچ بچار مناسب نہیں سمجھی اور جوتے اتارنے لگا۔

اس وقت اسے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز سنائی دی۔ بیرونی دروازہ زور سے بجایا جا رہا تھا۔ ظفری نے اپنے حواس قائم رکھے' ورنہ تیسری منزل سے اگر پائپ ہاتھ سے نکل جاتا تو پھر ٹانگوں کی سلامتی مشکل تھی۔ اس نے پھرتی سے اپنے آدھے بدن کو باہر نکالا اور ہاتھ بڑھا پائپ پکڑ لیا۔ ہر چند کہ پائپ سیمنٹ کے بنے ہوئے تھے' لیکن بہر طور ظفری اگر تھوڑی سی ہمت سے کام لیتا تو یہ پائپ نیچے تک پہنچانے میں اس کی مدد کر سکتے تھے۔ اس نے اس کڑے میں ہاتھ پھنسا دیا جو دیوار میں پیوست تھا اور پائپ کو دیوار کے ساتھ چپکانے میں معاون تھا۔ کڑے میں ہاتھ پھنسا کر اس نے اپنا بدن باہر نکالا اور پاؤں بھی باہر نکال دیے اس کے بعد اس نے پائپ کو پکڑا اور نیچے جانے لگا۔

بس تقدیر ہی کا سہارا تھا' اگر اسے اس طرح اترتے ہوئے دیکھ لیا جاتا تو یقینی طور پر وہ سو فیصدی مجرم قرار پا جاتا' لیکن یہاں تقدیر نے اس کا ساتھ دیا اور وہ آہستہ آہستہ نیچے پہنچ گیا۔ زمین پر قدم لگا کر اس نے فوراً ہی اپنی جگہ چھوڑ دی۔ یہاں تو رک کر سانس لینا بھی خطرناک تھا' اس نے برق رفتاری سے ایک طرف چھلانگ لگا دی اور اس جگہ سے کافی دور نکل گیا۔

سانس تھا کہ دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ تقدیر نے اس بار ایک بہت بڑے جال میں پھنسا دیا تھا' لیکن خوش بختی تھی کہ فوری طور پر کوئی مشکل پیش نہ آئی' وہ وہاں سے آہستہ آہستہ سامنے کے رخ کی جانب آنے لگا اور پھر اس سمت پہنچ گیا جہاں اس کی موٹر سائیکل کھڑی ہوئی تھی' لیکن اس نے پولیس والوں کو دیکھ لیا تھا۔

دو پولیس والے موٹر سائیکل پر تعینات تھے اور ان کے نزدیک ہی پولیس کی ایک جیپ کھڑی ہوئی تھی۔ ظفری سر کھجانے لگا۔

یہ تو کوئی باقاعدہ سازش معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ کیا چند ہی لمحات میں پولیس بھی پہنچ جاتی' یقیناً پولیس کو پہلے سے اطلاع دی گئی ہوگی۔

تعجب کی بات ہے' ان کا کون سا دشمن ایسا پیدا ہو گیا تھا جو ان کے لیے یہ مصیبت کھڑی کر دے۔ موٹر سائیکل ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نام ہی سے تھی اور یقینی طور پر اس کے ذریعے ظفری کا پتا بآسانی چلایا جا سکتا تھا۔ اس وقت تو ان لوگوں کے نزدیک پہنچنا بھی خطرناک تھا۔ کیونکہ راہداری میں موجود عورتوں نے اسے دیکھا تھا۔ یقینی طور پر اس کا حلیہ پولیس والوں کو بتا دیا گیا ہوگا۔ چنانچہ ظفری نے موٹر سائیکل کے نزدیک جانا مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے ایک سمت چل پڑا۔ اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ فوری طور پر مطلق صاحب کے گھر جائے اور شکیلہ اور ظفری کو اطلاع دے۔ صورت حال بڑی عجیب و غریب ہو گئی تھی۔ کافی دور نکلنے کے بعد اسے ایک ٹیکسی مل گئی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ٹیکسی میں بیٹھا گھر جا رہا تھا' لیکن یہ زندگی میں پہلا موقع تھا کہ وہ اتنا بدحواس ہو گیا تھا' قتل کی سو فیصدی ذمہ داری اس پر ہی عائد ہو سکتی تھی۔

ظفری سیدھا گھر پہنچا تھا۔ یہاں کی رونق شباب پر تھی۔ شعرائے کرام آچکے تھے' ابھی مشاعرے کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ لیکن بھلا انہیں کہاں تاب تھی۔ کوئی نہ کوئی' کہیں نہ کہیں سے ایک آدھ شعر دھکیل دیتا' گرہ لگتی اس پر اور پھر داد کے ڈونگرے برسنے شروع ہو جاتے۔

سعدی اور شکیلہ وغیرہ بھی وہیں تھے' مضطرب صاحب کی پھبن قابل دید تھی' اچھی خاصی کمائی کر چکے تھے وہ' چنانچہ مشاعرے وغیرہ کے لیے عمدہ قسم کے لباس بھی سلوا لیے گئے تھے۔ اس وقت ایک خوبصورت کپڑے کی شیروانی پہنے ہوئے گویا دولہا بنے بیٹھے تھے۔

سعدی نے دور ہی سے ظفری کو دیکھ لیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

''کہو کیا رہا؟'' اس نے سوال کیا۔

''ادھر آؤ' کمرے میں آجاؤ۔'' ظفری نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور سعدی اسے بغور دیکھتا ہوا اس کے ساتھ چل پڑا۔

صورت حال بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ سعدی' میرے خیال میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی تاریخ میں پہلی بار ہم کسی الجھن میں گرفتار ہوئے ہیں۔

''ہوا کیا؟'' سعدی نے متجسسانہ انداز میں پوچھا اور ظفری اسے تفصیل بتانے لگا۔ پوری کہانی سنانے کے بعد اس نے گہری سانس لے کر سعدی کی طرف دیکھا۔ سعدی کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار تھے۔

''واقعی یہ تو گڑبڑ ہو گئی۔ خاص طور سے اس لیے کہ تمہاری موٹر سائیکل بھی وہیں پھنس گئی۔ اگر موٹر سائیکل کسی طرح تمہارے ہاتھ لگ سکتی تو ہم اپنے بچاؤ کا بہترین انتظام کر سکتے تھے۔ اس کے بعد پولیس کے پاس کوئی ثبوت نہ ہوتا۔ لیکن موٹر سائیکل کے نمبر سے سارے کام کر لیے جائیں گے اور پولیس بآسانی ہمارے پاس پہنچ جائے گی۔''

''ہاں یقیناً اب کیا کیا جائے' یہ بتاؤ؟'' ظفری نے پریشان کن لہجے میں پوچھا۔

''کوئی خاص بات نہیں ہے ظفری' تم یوں کرو کہ یہاں نہ رکو' بلکہ اس مکان میں چلے

جاؤ جو ہماری پرائیویٹ رہائشگاہ ہے وہیں آرام کرو میں تم سے فون پر رابطہ قائم رکھوں گا۔ تم بھی مجھے دفتر فون مت کرنا' میں خود ہی تمہیں کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے صورت حال سے آگاہ کروں گا' مطلق صاحب سے ان معاملات کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے' تم بس ان سے معذرت کر لو اور کسی ضروری کام کا بہانہ کر کے چلے جاؤ۔ سعدی نے پرخیال لہجے میں کہا۔

''میرے خیال میں سعدی اس تکلف میں نہ پھنسو۔ مطلق صاحب سے معذرت کرنا بے کار ہے۔ ضدی قسم کے آدمی ہیں اگر پیچھے پڑ گئے تو الجھنیں خاصی بڑھ جائیں گی۔''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ۔ حالانکہ اب تو یہ ساری چیزیں حماقت معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن بہرطور ان سے بھی نمٹنا ہے۔'' سعدی نے کہا اور ظفری نے گردن ہلا دی۔

پھر پلٹتا ہوا بولا۔ ''لیکن اب کرو گے کیا سعدی؟''

''بالکل بے فکر ہو جاؤ ظفری۔ ظاہر ہے ہم لوگ اتنے بودم بھی نہیں ہیں کہ کسی ایسی مشکل سے نمٹ نہ سکیں۔ قتل تم نے تو نہیں کیا۔ میں صورت حال کا جائزہ لیتا ہوں اور اس کے بعد کوئی نہ کوئی عمل کریں گے۔''

''میرے خیال میں اس سلسلے میں آفتاب احمد سے رابطہ قائم کرو۔ بیگم ہدایت پور کے حوالے سے۔''

''یقیناً یقیناً' کچھ نہ کچھ تو کروں گا' تم بالکل بے فکر رہو۔ ہوشیاری سے چلے جاؤ اور میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد تمہیں رنگ کروں گا تاکہ مجھے پتا چل جائے کہ تم خیریت سے وہاں پہنچ چکے ہو۔''

''او کے۔'' ظفری نے جواب دیا اور تیزی سے واپس چل پڑا۔

سعدی کی آنکھوں میں اس وقت سخت پریشانی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ چند لمحات کے بعد شکیلہ بھی اس کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے متعجب نگاہوں سے ظفری کو دیکھا' جو بیرونی دروازے سے باہر نکل رہا تھا۔ پھر اس نے سعدی سے پوچھا۔

''ارے یہ ظفری کہاں گیا؟''

''ایک مشکل پیش آگئی ہے شکیلہ۔ ظفری بے چارہ ایک چکر میں پھنس گیا ہے۔ ظفری کیا بلکہ ہم تینوں ہی اس چکر سے نمٹنے کے لیے ہمیں ذرا تگ و دو کرنی پڑے گی۔''

''ہوا کیا؟'' شکیلہ نے پوچھا۔ اور سعدی نے وہی کہانی شکیلہ کو بھی سنا دی۔ شکیلہ خود بھی پریشانی سے گردن ہلانے لگی تھی۔ پھر وہ بولی۔

''اب کیا پروگرام ہے سعدی؟'' اس کا مقصد ہے کہ ہم اب ان تمام تفریحات میں حصہ بھی نہ لے سکیں گے، مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں پولیس اس کی تلاش میں یہاں تک نہ پہنچ جائے۔'' شکیلہ نے کہا۔

''ہاں، یہ ممکن ہے شکیلہ۔''

''لیکن سعدی کیا پولیس اتنی پھرتی سے یہاں تک پہنچ سکتی ہے؟''

''ہاں شکیلہ اور اس کے امکانات بھی ہیں۔''

''اوہ بڑی سبکی ہوگی سعدی، اگر پولیس یہاں تک پہنچ گئی تو اور خاص طور سے اس لیے بھی کہ یہاں مشاعرے کا ہنگامہ ہو رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں پولیس کو اندر نہیں آنے دوں گا، لیکن تم بھی اپنی کسی کیفیت سے پریشانی کا اظہار نہیں ہونے دینا۔'' سعدی نے کہا۔

مشاعرہ جاری رہا۔ لیکن پولیس یہاں نہ آئی اور تھوڑی دیر کے بعد سعدی نے گھر سے نکل کر تقریباً ایک میل کے فاصلے پر ایک پبلک کال بوتھ سے ظفری کو فون کیا، ظفری پہنچ چکا تھا سعدی مطمئن ہو کر باہر نکل آیا۔

شکیلہ اس دوران گھر کی نگرانی کرتی رہی تھی تاکہ اگر پولیس یہاں تک پہنچ جائے تو صورت حال کو وہیں کے وہیں روک دے لیکن ایسا نہ ہوا، مشاعرہ تو ساری رات جاری رہنے کے لیے تھا۔ یہ دونوں اٹھ کر چلے آئے اور تقریباً ساری رات ہی یہ اس سلسلے میں گفتگو کرتے رہے، صبح کے وقت سعدی آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا تھا۔

حسب معمول گیارہ بجے وہ لوگ دفتر پہنچے تو ایک پولیس انسپکٹر مع دو کانسٹیبلوں کے باہر

انتظار کے کمرے میں ان کے منتظر تھے۔ بڑی بڑی مونچھوں والے پولیس انسپکٹر کے چہرے ہی سے خشونت کا اظہار ہوتا تھا۔ سعدی اور شکیلہ اندر داخل ہوئے تو پولیس انسپکٹر نے اپنی خشمناک نگاہوں سے انہیں گھورا۔

سعدی نے ایک لمحے میں خود کو سنبھال لیا تھا۔ وہ چہرے پر پر رعب آثار پیدا کر کے پولیس انسپکٹر کو لفٹ دیے بغیر اندر داخل ہو گیا۔

مضطرب صاحب ابھی نہیں آئے تھے۔ لیکن سعدی کے پہنچنے کے فوراً بعد ہی وہ بھی پہنچ گئے۔ پولیس انسپکٹر کی اور ان کی گفتگو کرنے کی آوازیں سعدی کو سنائی دے رہی تھیں۔ پھر مضطرب صاحب کمرے میں داخل ہوئے اور انہوں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''یہ پولیس افسر کسی قتل کی تحقیقات کے سلسلے میں آیا ہے۔''

''بھیج دیں۔'' سعدی نے پر رعب لہجے میں کہا اور پولیس آفیسر اندر داخل ہو گیا۔

''یعنی۔ یعنی۔ محکمۂ پولیس کے وقت کا احساس ہے آپ کو؟'' اس نے غصیلے انداز میں کہا اور سعدی نے سامنے رکھا ہوا فائل اٹھایا۔ اس کے بند کھولے اور اسے سامنے رکھ لیا۔

''میں آپ سے کچھ عرض کر رہا ہوں مسٹر۔'' پولیس آفیسر نے بدستور غصیلے لہجے میں کہا۔

''تشریف رکھیے جناب۔'' سعدی نے نرم لہجے میں سامنے کی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اور پولیس آفیسر زور سے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''یہ میرا کارڈ ہے۔'' اس نے ایک کارڈ نکال کر سعدی کے سامنے رکھ دیا۔

''جی۔'' سعدی نے فائل پر سے نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔ اس نے قلم اٹھا کر سامنے رکھے ہوئے کاغذات پر کچھ نشانات لگائے اور پھر مضطرب صاحب کو بلانے کے لیے گھنٹی بجا دی۔ مضطرب صاحب دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ پولیس انسپکٹر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا، سعدی نے وہ فائل مضطرب صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''میں نے آپ سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ مصروفیت کے اوقات میں اس وقت تک کسی کو اندر نہ بھیجا کریں جب تک میں اس کی ہدایت آپ کو نہ کروں۔''

"جی جی وہ۔۔۔وہ۔۔۔" مضطرب نے بوکھلا کر پولیس آفیسر کی طرف دیکھا۔ جس کا غصہ اب انتہائی حدود تک پہنچ گیا تھا۔

"یہ فائل لے جائیے اور آئندہ میری بات پر عمل کیجئے۔" سعدی نے کہا۔

"جی بہتر۔" مضطرب صاحب صورت حال کی نزاکت کو سمجھ گئے تھے۔

تب سعدی نے سرد نگاہوں سے پولیس انسپکٹر کو دیکھا اور بولا۔ "جی فرمائیے کیا کہہ رہے تھے آپ؟"

"میں۔۔۔میں یہاں تم لوگوں کو گرفتار کرنے آیا ہوں۔"

"ہوں۔وارنٹ۔" سعدی مختصراً بولا۔ شکیلہ خاموشی سے اپنی سیٹ پر جا بیٹھی۔

"میں خود وارنٹ ہوں۔ سمجھے آپ؟" پولیس انسپکٹر دھاڑا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسٹر وارنٹ۔ براہ کرم اس پیڈ پر لکھ دیجئے کہ آپ ہم لوگوں کو بغیر کسی وارنٹ کے گرفتار کرنے آئے ہیں۔" سعدی نے ایک پیڈ آگے بڑھایا۔

"میں۔۔۔میں کہتا ہوں یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ہے نا؟" انسپکٹر نے کہا۔

"کمال کی بات ہے صاحب' آپ اندر بھی تشریف لے آئے ہیں اور آپ کو اس بات کا یقین بھی نہیں ہے کہ یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ہے۔"

"یہاں کتنے افراد کام کرتے ہیں؟" پولیس آفیسر نے پوچھا۔

"اس وقت تو کل پانچ افراد ہیں' لیکن ہمارا اسٹاف بڑھنے والا ہے۔ میں۔۔۔میں آپ کی آمد کی وجہ جاننا چاہتا ہوں' آپ جو یہ آتش فشاں ہو رہے ہیں۔ اس کے لیے میری آپ سے گزارش ہے کہ خود کو ٹھنڈا کریں اور اگر اس وقت آپ خود کو ٹھنڈا نہ کر سکیں تو پھر کسی وقت تشریف لائیں۔ یہ پرچون کی دکان نہیں ہے کہ آپ دکاندار کو آ کر دھمکیاں دینے لگے۔ آپ بغیر وارنٹ کے یہاں سے ایک پیپر ویٹ تک اٹھا کر نہیں لے جا سکتے' سمجھے آپ' نام کیا ہے آپ کا؟" سعدی نے غرائے ہوئے لہجے میں بولا۔ اور انسپکٹر ایک لمحے کے لیے جز بز سا ہو گیا۔

"واہ صاحب یہ خوب رہی' یعنی' یعنی وہ پانچوں آدمی' میرا مطلب ہے وہ پانچوں افراد

یہاں موجود ہیں؟"

"جی نہیں۔ ان میں سے چار افراد یہاں موجود ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

"پانچواں کہاں ہے؟"

"اس سلسلے میں آپ کو نہیں بتایا جا سکتا۔" سعدی بولا۔

"میں جناب عالی۔ میں ایک قتل کے سلسلے میں تحقیقات کرنے کے لیے یہاں حاضر ہوا ہوں۔ سمجھے آپ؟"

"جی تو تحقیقات کیجئے آپ' منع کس نے کیا ہے آپ کو' آپ تو یہاں آتے ہی اس انداز میں شور مچانے لگے' جیسے ہم نے قتل عام برپا کیا ہو' کس بنیاد پر آپ ہمیں گرفتار کرنے آئے ہیں اور کس سلسلے میں گرفتار کرنے آئے ہیں کیا اس قتل کے الزام میں جس کی آپ تحقیقات کرنے یہاں آئے ہیں؟" سعدی نے سوال کیا۔

"میں آپ سے تعاون چاہتا ہوں۔ مسٹر۔" پولیس آفیسر کو شاید اپنی تندہی کا احساس ہو گیا تھا۔

"خوب' ویری گڈ مس شکیلہ دیکھا آپ نے' یہ حضرت ہم سے تعاون چاہتے ہیں۔ اب تک یہ کتنے مؤدب انداز میں ہم سے تعاون کی درخواست کر رہے تھے' آپ نے اپنا نام نہیں بتایا آفیسر۔ اوہ سوری۔ میں آپ کا کارڈ تو دیکھنا بھول ہی گیا۔ انسپکٹر ریاض۔ بہت خوب ہاں تو ریاض صاحب آپ اس خوف ناک انداز میں ہم سے کیا تعاون چاہتے ہیں؟" سعدی نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"آپ کا پانچواں ساتھی کہاں ہے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"وہ کسی کیس کے سلسلے مین رات سے گیا ہوا ہے۔"

"رات سے؟" انسپکٹر چونک کر بولا۔

"جی ہاں۔ اکثر ہوتا ہے کہ ہم لوگ مسلسل آؤٹ ڈور رہتے ہیں۔ مصروفیت جو ٹھیری۔"

"سلسلہ کیا تھا؟" انسپکٹر نے سوال کیا۔

"میں نے عرض کیا نا' ہمارا ادارہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ اپنے معاملات کسی باہر کے آدمی کو نہیں بتاتا۔ آپ کو کیا تکلیف ہے اس سلسلے میں فرمایئے؟"

"یہ موٹر سائیکل کا نمبر۔ آپ ہی کا ہے؟" پولیس افسر نے جیب سے ایک سلپ نکال کر سعدی کے سامنے رکھ دی۔

"جی ہاں ہمارا ہی ہے۔"

"رات کو یہ موٹر سائیکل آپ کے نمائندے کے پاس تھی؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی۔" سعدی نے جواب دیا۔

"یہ موٹر سائیکل' سی گل' اپارٹمنٹس کے گیٹ پر پائی گئی ہے۔ اور اس پر جو صاحب تھے وہ اس سے اتر کر سی گل اپارٹمنٹس کے اپارٹمنٹ نمبر ا کیاون میں داخل ہوئے اور وہاں انہوں نے ایک لڑکی کو قتل کر دیا' پھر جب باہر لوگوں کو علم ہو گیا اور انہوں نے انہیں وہاں قید کر دیا تو وہ وہاں سے عقبی پائپ کے ذریعے اتر کر فرار ہو گئے اور موٹر سائیکل وہیں چھوڑ گئے۔"

"خوب۔ یہ رات کی بات ہے؟"

"جی۔" انسپکٹر ریاض نے جواب دیا اور پھر بولا۔ "اب تو میں یہ حق رکھتا ہوں کہ آپ سے آپ کے نمائندے کے بارے میں پوچھوں۔ اس کے بارے میں تفصیلات معلوم کروں یا اب بھی آپ مجھ سے تعاون نہیں کریں گے؟"

"ضرور ضرور' آپ سے تعاون کیا جائے گا۔ فرمایئے کیا چاہتے ہیں آپ؟"

"اس شخص کا نام کیا ہے جو اس وقت اس موٹر سائیکل پر تھا؟"

"ظفری۔ ادارے کے ڈائریکٹرز میں سے ہے!"

"خوب' اس ادارے کی کیا نوعیت ہے؟ یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کیا چیز ہے؟" انسپکٹر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"یہ ڈی ڈی اور ٹی جو ہے نا' آپ اس کی گہرائیوں تک نہیں پہنچ پائیں گے انسپکٹر

صاحب۔ یہ ذرا آپ سے اونچی چیز ہے۔ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی بجائے بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے کیس کے بارے میں تفصیلات معلوم کریں۔"

"ہوں' اس ادارے کے بارے میں بھی بہت کچھ معلوم کرنا پڑے گا۔ پہلی بار یہ میری نگاہ میں آیا ہے۔ اور مجھے ریاض کہتے ہیں۔ سمجھے آپ؟"

"جی جی' آپ کو ریاض کہتے ہیں' سنا بھئی شکیلہ ان صاحب کو ریاض کہتے ہیں۔"

"اوہ کیا واقعی انہیں ریاض کہتے ہیں۔" شکیلہ نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

انسپکٹر کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا' لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا' اندازہ ہو چکا تھا اسے بھی کہ غلط لوگوں کے سامنے ہے۔

"تو اس وقت یہ ظفری کہاں ملے گا؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"بازار میں مل جائے گا' تلاش کر لیں' موٹر سائیکل تو آپ کے پاس ہے۔ ویسے یہاں آیا تو آپ کو اس کے بارے میں اطلاع دے دی جائے گی' فون نمبر دے دیجئے براہ کرم۔" سعدی نے کہا اور فائل پھر اپنے آگے سرکا لیا۔

"میں اس کی رہائش گاہ کا پتا معلوم کرنا چاہتا ہوں؟"

"کسی ہوٹل میں رہتا ہے' ہم نے اس بارے میں معلومات نہیں حاصل کیں۔ ہمیں صرف اپنے کام سے غرض ہے۔" سعدی نے جواب دیا۔

"تو آپ لوگ مجھ سے تعاون نہیں کریں گے؟"

"اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے مسٹر۔ براہ کرم ہم مصروف ہیں۔"

"بہتر ہے' تو پھر آپ کی زبان تھانے میں ہی کھلوانی پڑے گی' میں آپ کی شاطرانہ باتوں کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔"

"پلیز۔" سعدی نے گھنٹی بجائی اور ٹیٹو اندر داخل ہو گیا۔

"ان حضرات کو باعزت طریقے سے باہر پہنچا دو۔" سعدی نے کہا اور انسپکٹر غراتے

ہوئے کھڑا ہو گیا۔

''میں۔۔۔۔ میں تم لوگوں کو اچھی طرح دیکھ لوں گا۔ سمجھے۔ بہت اچھی طرح دیکھ لوں گا۔۔۔۔ تم مجھے۔۔۔۔۔ تم مجھے نہیں جانتے۔''

''آپ کا نام انسپکٹر ریاض ہے۔'' سعدی نے مضحکہ اڑانے والے لہجے میں کہا۔ اور انسپکٹر تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ وہ اپنے اختیارات سے کام لے کر انہیں اسی وقت گرفتار بھی کر سکتا تھا لیکن تجربے کار آدمی تھا جانتا تھا کہ اس قسم کے لوگ اپنی پشت بھی رکھتے ہیں' اس کے بغیر کسی کا ایک پولیس آفیسر سے اس قسم کی گفتگو کرنا ممکن نہیں ہوتا چنانچہ اس نے خود کو قابو ہی میں رکھا تھا' چند لمحات کے بعد وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ لیکن اس کے ذہن میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے خلاف نفرت کا طوفان تھا۔

انسپکٹر کے جانے کے بعد سعدی گردن کھجانے لگا۔ شکیلہ سعدی کی پریشانی رات سے ہی محسوس کر رہی تھی۔ اسے خود بھی تو احساس تھا کہ اس بار صورت حال کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد سعدی اٹھ گیا۔ ''او کے شکیلہ' دفتری معاملات تمہیں سنبھالنے ہیں' میں چلتا ہوں۔''

''پروگرام کیا ہے سعدی؟''

''کوئی صحیح فیصلہ نہیں کیا ہے۔ بہر حال یہ ہمارے لیے تجربہ ہے مستقبل میں ہمیں بہت سے خطرناک حالات سے واسطہ پڑے گا' ہمیں ان سے نمٹنے کی صلاحیت پیدا کرنی ہوگی۔''

''پھر بھی سعدی کچھ نہ کچھ تو پروگرام بنانا پڑے گا۔ ظفری بیچارہ خاصی الجھن میں پھنس گیا ہے۔''

''تمہارا کیا مشورہ ہے اس سلسلے میں؟''

''میری تو یہ رائے ہے کہ سیدھے سیدھے آفتاب احمد صاحب سے ملاقات کر لو۔ یہ لوگ ہماری پشت پناہی کے لیے بہت سی باتیں کر چکے ہیں۔ اس وقت ان سے فائدہ اٹھاؤ۔''

سعدی نے پر خیال انداز میں گردن ہلا دی۔

''ہاں اچھا مشورہ ہے' ٹھیک ہے میں پھر ایسا ہی کرتا ہوں۔'' اور وہ دفتر سے باہر نکل آیا۔ مضطرب صاحب منیجر کے کمرے میں بیٹھے ہوئے دفتری کاموں میں مصروف تھے۔

سعدی نیچے اترا۔ اور ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔ تھوڑے فاصلے پر اس نے ٹیٹو کو دیکھا جو دوڑتا ہوا چلا آ رہا تھا۔ سعدی رک گیا۔ ٹیٹو اس کے قریب پہنچ گیا۔

''نارتھ وے' پولیس اسٹیشن۔'' ٹیٹو نے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟''

''یہ حضرات نارتھ وے پولیس اسٹیشن گئے تھے۔'' ٹیٹو نے جواب دیا۔ اور سعدی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''اوہ تو تم ان کے تعاقب میں بھی دوڑ گئے؟''

''جج۔ جی جناب والا۔ یہ میری ڈیوٹی ہے۔''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے جاؤ۔'' سعدی نے کہا۔ اور ایک گزرتی ہوئی ٹیکسی کو ہاتھ کے اشارے سے روکنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پولیس ہیڈ آفس کے کمپاؤنڈ میں اتر گیا' خوش قسمتی تھی کہ ڈی آئی جی صاحب موجود تھے۔ سعدی نے بیگم ہدایت پور کے حوالے سے اپنا کارڈ اندر بھجوایا تو آفتاب احمد صاحب نے اسے فوراً طلب کر لیا۔

دو افراد ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آفتاب احمد صاحب نے مسکرا کر اس سے ہاتھ ملایا اور پھر سامنے پڑی ہوئی کرسی کی جانب بیٹھنے کا اشارہ کر دیا۔ اس کے بعد انہوں نے ان دونوں افراد سے اپنی گفتگو ختم کی۔ ان سے اجازت چاہی اور کہا کہ وہ فی الوقت کچھ مصروف ہیں اور معذرت چاہتے ہیں۔ ان دونوں کے چلے جانے کے بعد ڈی آئی جی صاحب مسکراتے ہوئے سعدی سے بولے۔

''بھئی بیگم ہدایت پور کے حوالے کی کیا ضرورت تھی ہماری تحقیقات سے تمہارے سلسلے

میں جو رپورٹ موصول ہوئی اس نے تمہاری ایک الگ شخصیت بنادی ہے۔ مجھ تک پہنچنے کے لیے اب تمہیں کسی اور حوالے کی ضرورت نہیں۔"

"شکریہ جناب' ہم ایک الجھن میں پھنس گئے ہیں۔"

"ہاں ہاں' بتاؤ کیا بات ہے؟ میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں؟"

اس کے بعد سعدی نے انہیں گزشتہ رات سے لے کر انسپکٹر ریاض تک، کے واقعات سنا دیے۔

"بھئی تمہیں تو اس قسم کے واقعات سے دن رات نمٹنا ہوگا۔ اس لیے تمہیں پامردی سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ ویسے مجھ سے بتاؤ کیا چاہتے ہو۔ اور ہاں ظفری کہاں ہے؟"

"وہ موجود ہے جناب' میں نے اسے ابھی پولیس کی نگاہوں سے دور رہنے کی ہدایت کردی ہے اس وقت تک جب تک کہ میں اس سلسلے میں کوئی مثبت قدم نہ اٹھالوں۔"

ہوں' کوئی حرج نہیں ہے۔ تم چاہو تو اسے میرے پاس بھیج دو۔ میں اسے حالات سمجھا دوں گا۔ ویسے سی گل اپارٹمنٹس کا علاقہ نارتھ وے پولیس اسٹیشن کی حدود میں آتا ہے۔ ٹھیرو میں انسپکٹر ریاض سے رابطہ قائم کرکے اس کیس کی تفصیلات طلب کیے لیتا ہوں۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔ اور سعدی ممنون نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

ڈی جی آئی صاحب نے اپنے پی اے کو بلا کر اس سلسلے میں ہدایات کردی تھیں۔ اور تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد جبکہ سعدی ڈی آئی جی کے دفتر میں بیٹھ کر دو کپ کافی پی چکا تھا۔ اس سلسلے کی رپورٹ موصول ہوگئی۔

سی گل اپارٹمنٹس کا یہ فلیٹ جس میں کل قتل کا یہ حادثہ پیش آیا' کافی عرصے سے خالی پڑا ہوا تھا اور کئی دن سے اخبار میں اس کے بارے میں "کرائے پر خالی ہے" کے اشتہارات شائع ہو رہے تھے۔ فلیٹ کے مالک کا نام آر پی میڈا ہے جو دیسی عیسائی ہے جس نے بڑی حیرت سے کہا کہ وہ اس لڑکی یا فلیٹ میں کسی کی موجودگی کے بارے میں قطعی نہیں جانتا۔ پڑوسیوں نے بھی یہی

بتایا کہ عام طور سے مختلف لوگ اس فلیٹ کو کرائے پر لینے کے لیے آتے رہے ہیں' لیکن یہ ابھی تک کرائے پر نہیں چڑھا۔ وہ لڑکی ان کے لیے اجنبی تھی۔

تفصیلات وہی تھیں جو سعدی ڈی آئی جی صاحب کو بتا چکا تھا۔ یعنی باہر کسی نے راہداری میں خون خون کا نعرہ لگایا تھا۔ اور پڑوسی اسی بند فلیٹ کے سامنے جمع ہوگئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے گشتی پولیس کو سی گل اپارٹمنٹس میں ہونے والے خون کے بارے میں بھی اطلاع دی تھی اور پولیس فوراً ہی جائے واردات پر پہنچ گئی تھی۔ لڑکی کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں تھی کہ وہ کون ہے۔ اس کے لباس اور فلیٹ میں موجود چیزوں سے اس کی کوئی نشاندہی نہیں ہوسکی تھی۔

فلیٹ میں جو سامان موجود تھا وہ مسٹر آر میڈا ہی کا تھا اور وہ فرنشڈ فلیٹ کرائے پر دینا چاہتے تھے۔

سعدی نے ڈی آئی جی صاحب کی موجودگی میں یہ تمام تفصیلات پڑھیں۔ ڈی آئی جی صاحب بھی اس پر غور کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے سعدی سے پوچھا۔

"بتاؤ اب اس سلسلے میں تم کیا چاہتے ہو؟"

"آپ نے یہ جو کچھ کیا ہے جناب یہ میرے اوپر احسان عظیم ہے میں اس کے لیے بے حد شکر گزار ہوں' بس اتنی سی گزارش ہے کہ ظفری کو گرفتاری سے بچایا جائے تاکہ ہم اس سلسلے میں مکمل یکسوئی سے کام کریں اور جو کچھ بھی بن سکا وہ کریں۔ ابھی میرے ذہن میں کوئی پروگرام واضح نہیں ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں ظفری کو اپنے ساتھ اس تحقیقات میں شامل کرلوں۔" سعدی نے کہا۔

"ٹھیک ہے مطمئن ہو۔ ظفری کو گرفتار نہیں کیا جائے گا۔ اس کی موٹر سائیکل نارتھ وے پولیس اسٹیشن سے حاصل کرلینا۔ میں اس سلسلے میں ہدایات جاری کردوں گا؟"

"جی بہت بہتر۔"

"ویسے سنو سعدی۔ سعدی ہی ہے نا نام تمہارا؟" ڈی آئی جی نے سعدی کا کارڈ دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی جی۔"

"تم اس سلسلے میں اگر کوئی خاص بات معلوم کر سکو تو فون پر مجھے اطلاع دے دینا۔ اور کسی قسم کی فکر مت کرنا۔ تمہاری ہر طرح سے امداد کی جائے گی۔ بلکہ یہ کیس تو تمہارے لیے ایک تجرباتی کیس ثابت ہوگا' یقیناً چھوٹے موٹے معاملات سے آگے نکل کر تمہیں بعض اوقات ایسے معاملات سے بھی سابقہ پڑے گا' ہمارے اور تمہارے درمیان ایک معاہدہ تو ہو ہی چکا ہے کہ جو بھی کیس قابل دست اندازیٔ پولیس ہوگا۔ تم اس کی نشاندہی کرو گے' اور پولیس کی مدد کرو گے' اسی طرح پولیس بھی تمہاری مدد کرتی رہے گی۔

"میں اسے اپنے لیے فخر سمجھتا ہوں جناب کہ مجھے ایک ایسے کام کی اجازت دی گئی ہے جو ہمارے ملک میں رائج نہیں ہے' اور مجھے اس کے لیے آپ جیسے مہربان کی سرپرستی حاصل ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے ہاں پرائیویٹ جاسوسی کا نظام موجود نہیں ہے' لیکن تمہارے بارے میں جو رپورٹ ہمارے پاس موجود ہے' وہ بہت تسلی بخش ہے اور قانونی حدود میں رہ کر ہم تمہیں اس قسم کے کاموں کی اجازت دے چکے ہیں۔ اس طرح پولیس کو کم از کم کچھ ایسے کارکن مل سکتے ہیں جو ایسے لوگوں سے بآسانی رابطہ رکھ سکتے ہیں جو پولیس تک نہیں پہنچ جاتے اور جرائم کی زندگی سے متعلق ہوتے ہیں۔ اس طرح ہمارا بھی فائدہ ہے۔ ہر چند کہ یہ معاملات قانونی حیثیت نہیں رکھتے لیکن قانون کی امداد کرنے کے لیے قانونی حیثیت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔" ڈی آئی جی صاحب نے کہا۔

سعدی تھوڑی دیر تک ڈی آئی جی صاحب کے پاس بیٹھا رہا۔ پھر ممنونیت کے جذبات کا اظہار کر کے وہاں سے اٹھ گیا اب وہ بالکل مطمئن تھا۔

موٹر سائیکل نارتھ وے کے پولیس اسٹیشن میں موجود تھی۔ سعدی نے پہلے ظفری کو اس کی قیام گاہ سے ساتھ لیا' اس کے بعد دونوں نارتھ وے پولیس اسٹیشن پہنچ گئے۔

انسپکٹر ریاض اپنے آفس میں موجود تھا' ان دونوں کو دیکھ کر اس کے چہرے پر عجیب سے

تاثرات پھیل گئے۔

"تشریف لایئے آپ حضرات' میں جانتا ہوں کہ آپ جیسے لوگ اپنی مطلب براری کے لیے پہلے اعلیٰ احکام سے رابطہ قائم کرتے ہیں' بہر طور قانون کسی کے گھر کی میراث نہیں ہوتا۔ آپ لوگوں نے کوئی غیر قانونی حرکت کی تو کب تک ان سہاروں سے بچ سکیں گے۔ موٹر سائیکل باہر برآمدے میں کھڑی ہے۔ میں نے اس کی رپورٹ تیار کر لی ہے۔ یہ چابی موجود ہے۔ آپ اسے لے جا سکتے ہیں۔"

"شکریہ انسپکٹر ریاض' لیکن کیا آپ کو اپنے اعلیٰ افسران پر بھروسہ نہیں ہے۔" سعدی نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ڈی آئی جی صاحب قتل کے ایک مجرم کو کچھ مراعات دیں گے؟"

"نہیں میں یہ تو نہیں سمجھتا' لیکن مشتبہ لوگوں کو اتنی جلدی شبے کی فہرست سے خارج نہیں ہو جانا چاہیے۔ قتل کا یہ کیس میرے ہاتھ سے لے لیا گیا ہے۔ ورنہ میں آپ سے معلومات حاصل کرتا کہ آپ وہاں کیوں تشریف لے گئے تھے اور اس وقت اندر کیسے بند ہو گئے تھے جب لڑکی قتل ہوئی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ اس وقت کا حوالہ دیتی ہے۔ جب آپ اندر موجود تھے اور لڑکی قتل ہوئی تھی لیکن اب کیس ہی ہمارے ہاتھ سے لے لیا گیا ہے تو میں کیا کروں؟"

"بہر طور انسپکٹر ریاض قتل ہم لوگوں نے نہیں کیا' لیکن ہم بھی اس کی تحقیقات کریں گے' کیونکہ کسی نہ کسی طور پر ہم اس میں ملوث ہو گئے ہیں۔ تحقیقات کی رپورٹ آپ کو دوستانہ طور پر پیش کر دی جائے گی۔ یہ بات ذہن سے نکال دیں کہ ہم مجرم ہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

انسپکٹر ریاض خاموش رہا۔ وہ ابھی تک ان لوگوں سے بد اخلاقی سے پیش آ رہا تھا۔

چنانچہ سعدی اور ظفری وہاں سے نکل آئے۔

شکیلہ نے ظفری کو دیکھ کر ایک گہری سانس لی تھی اور پھر وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

''مجھے یقین تھا کہ تم کچھ نہ کچھ کر کے ہی آؤ گے' یقینی طور پر تمہاری ملاقات آفتاب احمد صاحب سے ہوئی ہو گی؟''

''ہاں شکیلہ' لیکن ایک بار پھر' ہمیں سر جوڑ کر بیٹھنا ہے۔ آخر اس سارے مسئلے کی بنیاد کیا ہے؟''

''بے فکر رہو سعدی یہ کیس میرا ہے اور میں اس سلسلے میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے ہی رہوں گا۔ ہم لوگوں کو اپنے آپ کو آزمانا چاہیے اگر ہم ایسے پیچیدہ سلسلوں میں ناکام رہتے ہیں تو پھر ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ ہم کسی ایسے ادارے کو چلائیں جس کی بنیاد ہی یہ ہو۔'' ظفری نے کہا۔

''خوب خوب' میرے شیر کو جوش آ گیا ہے۔ ٹھیک ہے بھائی اس کیس کے ڈائریکٹر تم ہوئے' لیکن یار اس کی ادائیگی کہاں سے ہو گی۔'' سعدی نے کہا۔

''میں اس لڑکی کے لیے افسردہ ہوں' کون تھی وہ ہم سے کیا چاہتی تھی' ظفری پر خیال لہجے میں بولا۔ اور سعدی اور شکیلہ اس کی شکل دیکھنے لگے بہر طور تھوڑی دیر کے بعد ظفری وہاں سے باہر نکل آیا۔ کم از کم وہ مصیبت ختم ہو گئی تھی جسے اس نے چھپنے پر مجبور کر دیا تھا۔

بیگم جہاں آراء ہدایت پور نے درحقیقت ان لوگوں کے لیے بہت بڑا کام کیا تھا۔ انہوں نے ان کی حیثیت مضبوط کر دی تھی۔ ورنہ ان کے اپنے وسائل اتنے نہ تھے کہ وہ اس قسم کے معاملات میں ملوث رہ سکتے۔

ظفری نے سی گل اپارٹمنٹس کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ آر پی میڈا کی شخصیت کا پورا ریکارڈ حاصل کیا' لیکن اس کی شخصیت مشتبہ نہیں تھی۔ ایک سیدھا سادا کرسچین تھا جو طویل عرصے سے شرافت کی زندگی بسر کرتا چلا آ رہا تھا اور شریف شہریوں میں شمار ہوتا تھا۔ لڑکی کے بارے میں' کچھ بھی معلوم نہ ہو سکا۔ کہ وہ کب اپارٹمنٹ میں آئی تھی۔

دو دن گزر چکے تھے۔ یہ تیسرا دن تھا۔ ظفری' سعدی اور شکیلہ دفتر میں موجود تھے کہ باہر سے مضطرب صاحب تشریف لائے۔ چہرہ گلنار تھا جس کا مقصد یہی تھا کہ کوئی کیس آیا ہے انہوں نے کسی چودھری ارشاد علی کے بارے میں اطلاع دی اور چند لمحات کے بعد ان لوگوں نے چودھری ارشاد علی کو بلوا لیا۔

بڑی بڑی گھنی مونچھوں والا یہ شخص چہرے سے ہی پر رعب نظر آتا تھا' بلند و بالا قد اور بھرے بھرے بدن نے اس کی شخصیت کو کشش بخش دی تھی۔ شیروانی اور شلوار میں ملبوس تھا۔ سر پر پگڑی تھی بہر طور وہ شخص خاصا پر رعب نظر آ رہا تھا۔ یہ لوگ اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہو گئے۔

''شکریہ۔'' چودھری ارشاد نے نرم لہجے میں کہا اور ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر کشمکش کے تاثرات نمایاں تھے۔

''فرمایئے چودھری صاحب کیا خدمت کی جا سکتی ہے آپ کی؟'' سعدی نے پوچھا۔

''میں آپ لوگوں سے متعارف ہونا چاہتا ہوں۔'' چوہدری ارشاد علی نے پر رعب لہجے میں کہا۔

''جی ہاں۔ میرا نام سعدی ہے۔ یہ ظفری ہیں اور یہ ہماری ساتھی شکیلہ ہیں۔''

''خوب' بڑی مسرت ہوئی آپ لوگوں سے مل کر۔ میں ایک انتہائی ذاتی مسئلے میں آپ لوگوں کی خدمات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کچھ عرصے قبل میں یورپ میں تھا۔ یورپ میں پرائیویٹ جاسوسی کے ادارے ہوتے ہیں۔ ایسے عزت دار لوگوں کو جس کسی کی شاطرانہ چالوں کی وجہ سے مصیبت کے جال میں پھنس گئے ہوتے ہیں ان لوگوں کی وجہ سے بڑی تقویت ہوتی ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ کا ادارہ بھی اسی نوعیت کا ہے۔ کیا میں کسی سلسلے میں اس ادارے کی خدمات حاصل کر سکتا ہوں جس کے لیے میں پولیس سے رابطہ قائم نہیں کر سکتا۔ بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ میں پولیس سے خود کو چھپانا چاہتا ہوں۔'' چودھری ارشاد نے کہا اور خاموش ہو گئے۔

سعدی نے ظفری کی جانب دیکھا اور ظفری نے شکیلہ کی طرف۔ پھر سعدی نے چودھری ارشاد کی طرف رخ کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہم ایسے کسی مسئلے میں آپ کی مدد کرنے کے لیے تیار ہیں چودھری صاحب۔ فرمایئے کیا خدمت کی جاسکتی ہے آپ کی؟"

"پہلے آپ اپنے معاملات سے آگاہ کر دیں' یہ بتائیں کہ اگر کوئی بالکل ہی نجی قسم کی الجھن ہو' ایسی الجھن جسے پولیس سے چھپانا بے حد ضروری ہو تو آپ اس کے لیے کیا معاوضہ طلب کرتے ہیں۔"

"ہمارا معاوضہ پچیس ہزار ہے اور ہم یہ رقم ایڈوانس وصول کرتے ہیں۔"

"اگر آپ کو سو سو روپے کی سو نوٹوں کی دس گڈیاں پیش کی جائیں' یعنی آپ کے طلب کردہ معاوضے کی چوگنی رقم تو کیا آپ سوالات کی طرف سے زبان بند کر سکتے ہیں؟ میرا مقصد ہے کہ آپ صرف کام کرنے کا یہ معاوضہ وصول کریں۔ کام کی نوعیت کیا ہے' اس بارے میں نہ پوچھیں' میں جاننا چاہتا ہوں کہ کیا یہ ممکن ہے؟"

"جی ہاں ممکن ہو سکتا ہے۔" سعدی نے جواب دیا۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے قیام کے بعد سے یہ پہلا ایسا آدمی تھا جس کی شکل وصورت بری نہ ہونے کے باوجود ان لوگوں کو بری لگ رہی تھی۔ بہرحال چودھری ارشاد سے ہونے والی گفتگو کے سلسلے میں وہ تینوں ہی محتاط ہو گئے تھے۔

تب چودھری ارشاد نے اپنی شیروانی کی جیبوں میں ہاتھ ڈالا اور دونوں جیبوں سے پانچ پانچ گڈیاں نکال کر ان کے سامنے رکھ دیں۔ پورے ایک لاکھ روپے تھے۔

"فرمایئے' ہمیں آپ کی کیا خدمت انجام دینا ہوگی؟"

"تین دن قبل کسی لڑکی نے سی گل اپارٹمنٹس کے فلیٹ نمبر اکیاون سے فون کیا تھا آپ کے ادارے کو' وہ کون صاحب تھے جو اس لڑکی کی امداد کے لیے وہاں پہنچے تھے؟" چودھری ارشاد علی نے سوال کیا۔ اور ان تینوں کے ذہن جھنجھنا کر رہ گئے' یہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ چودھری

ارشاد اس سلسلے کی کوئی کڑی ہوگی۔

ظفری نے آگے بڑھ کر کہا۔ "وہ میں تھا جناب' جسے اس لڑکی نے بلوایا تھا۔"

"ہوں" چودھری ارشاد نے سر سے پیر تک ظفری کو گھورا اور پھر کہنے لگا۔ "لڑکی تم سے کیا چاہتی تھی نوجوان؟"

"افسوس اسے یہ بتانے کا موقعہ نہ مل سکا۔" ظفری نے جواب دیا۔

"دیکھو دوست یہ ایک لاکھ روپے میں نے تمہیں اسی لیے ادا کیے ہیں اس کی موت کے بارے میں تفصیلات جان سکوں۔ اس ادائیگی کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تم لوگ اپنی زبان بند رکھو اور کسی کو یہ نہ بتاؤ کہ چودھری ارشاد تمہارے پاس آیا تھا یا نہیں آیا تھا۔ اور اگر آیا تھا تو کس لیے آیا تھا۔ دوستو ہر انسان کی عزت ہوتی ہے لیکن بعض اوقات کچھ نادان لوگ اس عزت کو ملیامیٹ کرنے پر تل جاتے ہیں' میں بھی ایک ایسی ہی بدنصیبی کا شکار ہو گیا ہوں' اس لڑکی کا تعلق مجھ سے تھا لیکن میری بدنصیبی ہے کہ میں کسی کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا کہ وہ میری کون ہے یا کیا تعلق تھا اس کا مجھ سے۔ وہ احمق تھی اور اپنی حماقت سے ایک ایسا کام کرنا چاہتی تھی جو میری عزت کے درپے تھا۔ میں نے اسے روکنا چاہا تو وہ مجھ سے برگشتہ ہو گئی' باغی ہو گئی اور میرے خلاف عمل کرنے پر تیار ہو گئی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ اس فلیٹ تک کس طرح پہنچی تھی کیا کیا گل کھلائے اس نے لیکن بہرطور وہ میری بدنصیبی پر مہر ثبت کر گئی اور اپنی جان دے بیٹھی۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا میرے دوست کہ وہ کیا کہہ گئی تھی تم سے۔ کیا چاہتی تھی۔ مجھے کم از کم معلوم تو ہو جائے کہ اس کا مقصد کیا تھا؟" چودھری ارشاد علی کی آواز بھرا گئی۔ پھر سعدی نے پوچھا۔

"اس لڑکی کا آپ سے کیا تعلق تھا چودھری صاحب؟"

"کچھ نہیں بتاؤں گا۔ کچھ نہیں بتاؤں گا۔ بس اپنی تسلی کے لیے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے تم سے کیا کہا تھا؟"

"اور صرف یہ معلوم کرنے کے لیے آپ نے ہمیں ایک لاکھ روپے پیش کیے ہیں

چودھری صاحب؟" سعدی نے طنزیہ انداز میں کہا۔ چودھری ارشاد کی آنکھوں میں نمی تھی وہ گردن جھکائے بیٹھا جوتے کی نوک سے قالین کریدتا رہا۔ پھر اسی طرح بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"مجھ پر طنز کر رہے ہو؟"

"یورپ میں چودھری صاحب' جہاں کا آپ نے حوالہ دیا ہے' اگر پرائیویٹ جاسوسوں سے کوئی کام لیا جاتا ہے تو میرے خیال میں ان پر اعتماد بھی کیا جاتا ہے۔" سعدی بولا۔

"یہ میری بدنصیبی کی داستان ہے بیٹے۔ جو کچھ بتا چکا ہوں اس پر اکتفا کرو۔"

"آپ کا جو بھی حکم ہو۔ لیکن ابھی تک میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی ہے کہ آپ نے ہمیں یہ ایک لاکھ روپے کیوں پیش کیے ہیں؟"

"تم مجھے سمجھانے کا موقعہ تو دو۔"

"جی۔ جی فرمایئے۔"

"میں یہاں اس شہر میں تنہا ہوں۔ کچھ لوگ میری دولت کے حصول کے لیے کوشاں ہیں۔ وہ مجھے ذلیل وخوار کر کے میری پوزیشن خراب کرنا چاہتے ہیں۔ کسی طرح انہیں میری ایک کمزوری معلوم ہوگئی ہے اور وہ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔"

"جی۔" سعدی نے کہا۔

"میں ان کے خلاف تمہاری خدمات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یقین ہے اب وہ دوسری چال چلیں گے۔"

"بات جوں کی توں ہے۔ ہم کچھ نہیں سمجھے۔ کیوں ظفری تم کچھ سمجھ سکے؟"

"نہیں۔" ظفری نے گردن ہلا دی۔

"پہلے تم اس بات کا جواب دو کہ میرا کیس لے رہے ہو؟"

"لے لیا۔ آپ ہمیں چار گنا معاوضہ دے چکے ہیں۔"

"حالات کچھ بھی ہوں میرے معاملات کو راز میں رکھو گے۔"

"سو فیصدی۔"

"تو پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ لڑکی نے تم سے کیا کہا تھا؟"

"ایک لفظ بھی نہیں۔ میں جب وہاں داخل ہوا تو وہ دم توڑ رہی تھی۔ اور پھر اپنی جان بچانے کی فکر میں مصروف ہو گیا۔ کوئی موقعہ ہی نہ مل سکا۔"

"اوہ!" چودھری ارشاد کے چہرے پر سکون کے آثار پھیل گئے۔ جنہیں ان دونوں نے محسوس کیا تھا۔ پھر اس نے اسی طرح بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "وہ میری ایک غلطی کا نتیجہ تھی۔ میں نے اس کی ماں سے شادی نہیں کی تھی۔ طویل عرصے تک یہ بات اسے نہ معلوم ہو سکی۔ میں یورپ میں تھا اور وہ اپنی ماں کے ساتھ یہاں۔ میں انہیں ہر ماہ خرچ بھیجتا تھا۔ لیکن پھر حالات بدل گئے۔ مجھے واپس آنا پڑا۔ اور یہاں آ کر مجھے علم ہوا کہ اس کی ماں کب کی مر چکی ہے اور اس کا تعلق کچھ غلط لوگوں سے ہے اور پھر۔ انہوں نے میرے خلاف کاروائی شروع کر دی۔ وہ مجھے بلیک میل کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ ان کی ساتھی تھی۔ میں نے اسے لاکھ سمجھایا۔ لیکن۔۔۔۔ لیکن وہ ان کے جال میں پھنسی ہوئی تھی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا۔۔۔ نہ جانے کیا ہوا۔۔۔۔" چودھری صاحب کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑے۔

"وہ قتل کر دی گئی؟" ظفری بولا۔

"ہاں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس نے آپ کی مدد کیوں حاصل کی تھی۔ وہ آپ سے کیا کہنا چاہتی تھی؟"

"معاف کیجئے گا چودھری صاحب۔ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ اس نے ہم سے رابطہ قائم کیا ہے؟"

"بس میں اس پر نگاہ رکھ رہا تھا۔ اس نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے اشتہار پر سرخ پنسل پر نشان لگایا تھا۔" چودھری صاحب نے جواب دیا۔

"اوہ۔ اس سے آپ نے یہ اندازہ لگا لیا۔"

"ہاں۔ پہلے میں نے اس ادارے کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں اور میں پریشان ہو گیا تھا۔ پھر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ براہ راست تم سے مل لوں اور تمہیں اپنی مدد پر آمادہ کروں۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا چودھری صاحب! آپ مطمئن رہیں ہم نے آپ کا کیس لے لیا ہے۔ اگر آپ کے وہ دشمن آئندہ آپ کو پریشان کریں تو آپ ہم سے رابطہ قائم کریں۔ اب وہ آپ کے نہیں ہمارے دشمن ہیں۔ معاف کیجئے گا۔ اب آپ کافی پی ہی لیں۔ ماحول میں ذرا سی تبدیلی ہو جائے گی۔ میں کافی کے لیے کہتا ہوں۔"

"چودھری صاحب نے اعتراض نہ کیا۔ سعدی خود اٹھ کر نکل آیا۔ اس نے مضطرب صاحب سے عمدہ سی کافی کے لیے کہا اور پھر آہستہ سے بولا۔ "ٹیٹو کو اس شخص کے پیچھے بھیجیے۔ اور اسے موٹر سائیکل کی چابی دے دیجیے۔"

"بہتر میں سمجھ گیا۔' مضطرب صاحب بولے۔

کافی پینے کے بعد چودھری ارشاد علی اٹھ گئے۔ سب لوگ انہیں بڑے احترام سے باہر تک چھوڑنے آئے تھے۔ چودھری صاحب نے انہیں اپنا فون نمبر اور پتا دے دیا تھا۔

جب وہ سیڑھیوں پر اترے تو سب انہیں خدا حافظ کہہ کر واپس آ گئے۔ سب کے چہروں پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"ایک لاکھ؟" ظفری گھگیائے انداز میں بولا۔

"خدا کی دین ہے۔ اگر یہ نوٹ اصلی ہیں تو یوں سمجھو کہ چھپر پھاڑ کے ملے ہیں۔"

"مگر یہ سب کچھ۔ خدا کی قسم۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ یہ چودھری ارشاد کیا بلا تھا۔" شکیلہ بولی۔

"جھوٹا' فریبی' فراڈ۔ جس نے اب تک جھوٹ کے پلندے باندھے ہیں۔ جرم کیا ہے اس نے لیکن بالکل احمق مجرم ہے۔ یہ صرف یہ معلوم کرنے آیا تھا کہ لڑکی نے ظفری کو کیا بتایا۔ اس کے لیے اس نے اتنی بکواس کی اور ایک لاکھ روپے خرچ کیے۔ ایک لاکھ کے نوٹ خرچ کرنے کا ایک

مقصد اور بھی تھا اور وہ یہ کہ صورت حال کچھ بھی ہو ہم مجرمانہ طور اپنی زبان بند رکھیں۔" سعدی بولا۔

"کیا اس کا تعلق لڑکی کے قاتلوں سے ہے؟" شکیلہ نے کہا۔

"امکانات اسی بات کے ہیں۔" سعدی بولا۔

"اور ہم نے اسے نکل جانے دیا؟" ظفری اچھل کر بولا۔

"ہاں۔ ہاں جوش میں نہ آؤ عزیزم۔ وہ جھیمو کا للوا بڑے کام کی چیز ہے۔ مجھے اگر اس پر اعتماد نہ ہوتا تو میں چودھری صاحب کو اتنے آرام سے نہ جانے دیتا۔"

"یہ نام اور پتا غلط ہے کیا؟"

"فون نمبر بھی تو ہے۔" سعدی مسکرا کر بولا۔

"ہاں۔"

"فون کر کے دیکھ لو۔" سعدی بولا اور ظفری جلدی سے فون پر چودھری ارشاد کے دیے ہوئے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اور دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"دھونی بھائی چونی بھائی۔ بولو بیا۔ کون ہے۔" دوسری طرف آواز آئی۔

"چودھری صاحب ارشاد صاحب تشریف رکھتے ہیں؟"

"ارے کون ارساد۔ چھوکرا۔ اور کوئی ارساد ہے کیا؟" کسی نے آواز لگائی۔ پھر بولا۔ "نکّں بیا اور کوئی ارساد مرساد نکّں ہے۔ رانگ نمبر۔" فون بند کر دیا گیا۔ ظفری ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

جاسوس اعظم ٹیٹو نے بڑی جامع رپورٹ پیش کی تھی۔ "اس نے نیچے جا کر ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ کر کوئن پارک گیا۔ وہاں اس نے ایک گوشے میں جا کر اپنی مونچھیں اتار کر جیب میں رکھ لیں اور پھر دوسری ٹیکسی کر کے پیراماؤنٹ سینما پہنچا۔ وہاں پارکنگ میں سے ایک کار کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر چل پڑا۔ پھر اس کی کار شہر سے باہر سرور آباد والی سڑک پر چل پڑی۔ سرور آباد کی ایک کوٹھی میں وہ رہتا ہے۔ نام شیخ صادق حسین ہے اور کوٹھی بہت خوبصورت ہے۔ تیرہ روپے دس پیسے۔"

"وہ لوگ چونک پڑے۔" "کیا مطلب؟ یہ تیرہ روپے دس پیسے کیا؟" سعدی نے پوچھا۔

"واپسی میں دو لیٹر پٹرول ڈلوایا تھا۔" ٹیٹو نے جواب دیا اور سب بے اختیار ہنس پڑے۔

"تم نے یہ رقم بھی رپورٹ میں جوڑ دی؟" سعدی نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور جیب سے سو کا نوٹ نکال کر ٹیٹو کو دیتے ہوئے کہا۔

"باقی تمہاری بہتر کارکردگی کا انعام۔" اور ٹیٹو سلام کر کے چلا گیا۔ سب اس انکشاف پر حیران تھے۔

"بہرحال میں تم لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ اصلیت کچھ اور ہی تھی۔"

"ممکن ہے اس کی گفتگو کا کچھ حصہ سچ پر مبنی ہو۔" ظفری بولا۔ "مثلاً وہ ناجائز لڑکی والی بات۔ کوئی ایسی ہی سچویشن ہے سعدی۔ کیا خیال ہے کہاں سے کام کا آغاز کرو گے؟"

"کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سب لوگ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔

ظفری تین دن سے شیخ صادق حسین کی کوٹھی کی نگرانی کر رہا تھا۔ ان تین دنوں میں اس نے اس کوٹھی کے حالات جاننے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ تھوڑی بہت معلومات اسے حاصل ہوئی تھیں جو صرف یہ تھیں کہ یہ کوٹھی کچھ عرصے پہلے خالی پڑی ہوئی تھی۔ یہاں صرف ایک ملازم رہتا تھا جو اس کوٹھی کا چوکیدار مالی وغیرہ سب کچھ تھا۔

شیخ صادق حسین بہت عرصے قبل یورپ چلے گئے تھے اور وہیں آباد تھے۔ یہاں ان کی وسیع و عریض جائیداد پھیلی ہوئی تھی جس کے لیے انہوں نے ایک دفتر قائم کر دیا تھا اور اسی دفتر میں شیخ صادق حسین کی جائیداد کی دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ چند افراد اسی کام کے لیے مخصوص تھے۔ اب شاید شیخ صادق حسین یہاں مستقل قیام کے لیے آ گئے تھے۔ کوٹھی کی از سر نو صفائی ہوئی تھی کچھ اور ملازم بھی رکھ لیے گئے تھے لیکن باہر یہاں آنے والوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ ان تین

دنوں میں ظفری نے نہ تو شیخ صادق حسین کو گھر سے باہر جاتے دیکھا تھا اور نہ ہی باہر سے کوئی شخص یہاں آیا تھا۔ ٹیلی فون لائن البتہ موجود تھی اگر کسی سے رابطہ قائم کرنا ہوتا ہوگا تو اس کا ذریعہ ٹیلی فون کو ہی بنایا جاتا ہوگا۔

ظفری کو اس دوران یہ نگرانی جاری رکھنے میں خاصی مشکلات پیش آئی تھیں۔ ایک بار وہ کوٹھی میں اندر بھی داخل ہو گیا تھا' لیکن یہ داخلہ بے کار ہی رہا تھا۔ کوئی بھی خاص بات معلوم نہ ہو سکی تھی۔ ایک دو ملازموں پر نگاہ پڑی تھی۔ بس' جو اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ سچویشن ایسی تھی کہ ظفری کوٹھی کے اندرونی حصوں کا جائزہ نہیں لے سکتا تھا۔ اس لیے وہ اس چہار دیواری سے کود کر واپس نکل آیا۔

سعدی بھی اس سلسلے میں کوئی مؤثر راستہ اختیار نہیں کر سکا تھا۔ ویسے وہ منتظر رہا تھا اس بات کا کہ شاید شیخ صادق حسین چودھری ارشاد علی کی حیثیت سے ان سے رابطہ قائم کرے لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔

چودھری ارشاد علی خاموشی اختیار کر گیا تھا۔ غالباً وہ یہ سوچ کر مطمئن ہو گیا ہوگا کہ لڑکی ظفری کو کچھ بتانے سے پہلے ہی مر چکی ہے ویسے جب بھی وہ لوگ اس بارے میں سوچتے تو انہیں ایک عجیب سا احساس ہوتا۔ یہ بات تو تسلیم شدہ تھی کہ شیخ صادق حسین جرائم پیشہ آدمی نہیں تھا۔ لیکن بہر طور وہ کسی نہ کسی طرح لڑکی کے قتل میں ملوث ضرور تھا اور اس کا کوئی نہ کوئی راز یقیناً تھا۔ اگر وہ کوئی صحیح جرائم پیشہ آدمی ہوتا تو اس طرح اپنی کہانی لیے ان لوگوں کے پاس نہ دوڑا چلا آتا۔ ایک لاکھ روپے سے کچھ اجنبیوں کا منہ تو بند کیا جا سکتا ہے لیکن ان پر مکمل بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ وہ بھی اس شکل میں جبکہ وہ ان لوگوں سے قطعاً ناواقف تھا۔ اس کا یہ سوچ کر مطمئن ہو جانا کہ اب وہ لڑکی کے بارے میں یا شیخ صادق حسین کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتائیں گے ایک احمقانہ بات تھی۔

تین دن تک تو ظفری صبر و سکون سے یہ سب کچھ برداشت کرتا رہا لیکن پھر اس کے دماغ میں کھلبلی ہونے لگی یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ اس عمارت کی چوکیداری کرتے رہا جائے۔ کچھ نہ کچھ تو ہونا ہی چاہیے۔ لیکن یہ ہونا کیا ہو۔

اس وقت بھی وہ شیخ صادق حسین کی کوٹھی سے کچھ فاصلے پر ایک درخت کی آڑ میں پوشیدہ تھا۔ ابھی تک یہاں کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ شیخ صادق حسین اندر ہی ہیں۔ وہ کار اب بھی اسی پورٹیکو میں کھڑی ہوئی تھی جسے وہ کئی بار دیکھ چکا تھا۔

ظفری سوچتا رہا اور پھر اس نے آخری فیصلہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔ موٹر سائیکل گیٹ کے سامنے رکی تو ذیلی کھڑکی کھول کر چوکیدار نے سر باہر نکالا۔

"کس سے ملنا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"شیخ صاحب سے ملنا ہے دروازہ کھولو!"

"آپ اپنا نام بتادو صاحب۔ شیخ صاحب اجازت دیں گا تو ہم آپ کو اندر جانے دے گا۔"

"ارے انہوں نے مجھے ٹیلی فون کر کے ابھی ابھی بلوایا ہے۔ تم دروازہ تو کھولو۔" ظفری نے ایسے انداز میں کہا کہ چوکیدار کو یقین آ گیا۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور ظفری موٹر سائیکل سمیت اندر داخل ہو گیا۔ اب یہ شیخ صادق حسین کی شامت ہی تھی کہ وہ موٹر سائیکل کی آواز سن کر صدر دروازے پر نکل آئے تھے۔ پھر ظفری کو دیکھ کر اس طرح اچھلے جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو لیکن ظفری کی نگاہیں ان سے مل چکی تھیں۔

"آہا چودھری صاحب' آپ یہاں خیریت۔۔۔۔" ظفری نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ شیخ صادق حسین گہری نگاہوں سے اسے گھور رہا تھا۔ ظفری نے موٹر سائیکل کھڑی کی اور پھر آگے بڑھ گیا۔

"آپ کو یہاں دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ آپ نے تو اس دن سے ہماری طرف کا رخ بھی نہ کیا۔" وہ ان کے قریب پہنچتا ہوا بولا۔ لیکن شیخ صادق حسین اسے بدستور گھور رہے تھے۔

"آؤ۔" انہوں نے سرد لہجے میں کہا اور واپس جانے کے لیے مڑ گئے۔

"شیخ صاحب اندر موجود ہیں کیا۔ میں ایک ذاتی سلسلے میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔" ظفری نے کہا لیکن چودھری صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے گئے۔

"بیٹھو۔" انہوں نے بھاری آواز میں کہا۔

"وہ شیخ صاحب۔۔۔۔"

"فضول باتوں سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ تم مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں آ گئے ہو۔ کیا زبان بندی کے لیے ایک لاکھ روپے کی رقم کافی نہیں تھی جو تمہیں ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر مل گئی۔"

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں چودھری صاحب۔" ظفری بولا۔

"کیا چاہتے ہو۔ صرف یہ بتاؤ۔ میری بدنصیبی نے تمہیں یہ موقعہ دیا ہے۔ تو تم بھی اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤ۔ میں نے جو کیا ہے اِس کا پھل بھگتوں گا۔ بولو کیا چاہتے ہو۔ کیوں مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہو۔"

"میں شیخ صادق حسین سے ملنا چاہتا ہوں۔ چودھری صاحب آپ فرمایئے آپ یہاں کیسے موجود ہیں؟"

"میں ہی شیخ صادق حسین ہوں۔ میں نے اس دن اپنا نام تمہیں غلط بتایا تھا۔ سمجھے تم۔ اب کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ دیکھو میں تمہیں صاف صاف کہے دیتا ہوں کہ میں بلیک میل ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں خود پولیس اسٹیشن جا کر تمام تفصیلات بتادوں گا اور اس وقت نوجوان تمہارا نام بھی لوں گا' سمجھے تم۔ میں تمہارے خلاف بھی کوئی کہانی گھڑ سکتا ہوں۔ میں کہہ دوں گا کہ اس شخص کے میری بیٹی سے تعلقات تھے' اور یہ اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ اپنے باپ کی دولت پر اپنا حق ثابت کرے اور جب میری بیٹی نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو اس نے اسے قتل کر دیا سمجھے تم۔ میں بھی کوئی بیوقوف آدمی نہیں ہوں' میں تو صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا میری بیٹی تمہیں میرے بارے میں بتا چکی ہے اگر وہ تمہیں بتا چکی ہے تو میں صرف تمہاری زبان بند کرنے کا خواہاں تھا۔ سمجھے۔ جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ میں اس پر خاک ڈالنا چاہتا تھا۔ لیکن تم غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔ یہاں آنے کا مقصد بتاؤ۔"

"ہوں' ظفری اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔" تو آپ چودھری ارشاد علی نہیں

بلکہ شیخ صادق حسین ہیں۔"

"ہاں ہاں، ہوں میں شیخ صادق حسین، بس تم نکل جاؤ یہاں سے۔"

"شیخ صاحب میرے خیال میں ابھی کچھ اور معاملات باقی رہ جاتے ہیں۔"

"کیا؟"

"آپ جانتے ہیں میں نے لڑکی کو قتل نہیں کیا۔ آپ نے بھی اسے قتل نہیں کیا۔ پھر اس کے قاتل کون لوگ ہو سکتے ہیں؟"

"میں نہیں جانتا اور نہ ہی جاننا چاہتا ہوں۔ وہ میرے خلاف صف آراء تھی۔ اس نے کچھ برے لوگوں سے امداد حاصل کی تھی۔ وہی برے لوگ کسی نہ کسی طرح اس کی زندگی کے خواہاں ہو گئے ہوں گے۔ مجھے اس کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف اپنی ذات کے لیے تحفظ چاہتا تھا، لیکن اب میرے ذہن میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ میں اب کسی سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ سمجھے تم؟ بس اب تم جا سکتے ہو۔ میں اس سے زیادہ تمہیں وقت نہیں دے سکتا۔ تمہیں جو کچھ بھی کرنا ہے جاؤ کر لو۔" شیخ صاحب ہتھے سے اکھڑ گئے تھے۔

ظفری چند لمحات ان کی شکل دیکھتا رہا اور پھر وہ ڈرائنگ روم سے باہر نکل آیا۔

"بہتر شیخ صاحب پھر کسی مناسب موقعہ پر ملاقات ہوگی۔" اس نے کہا۔ اور شیخ صادق حسین نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور ظفری باہر نکل آیا۔

اس نے اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور چل پڑا۔ شیخ صادق حسین کھل گیا تھا۔ اس نے ظفری کو جو دھمکی دی تھی وہ بہرصورت ایک حیثیت تو رکھتی تھی لیکن ظفری اس سے مرعوب نہیں ہوا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے سعدی اور شکیلہ کے سامنے اس وقت کی تمام تفصیل پیش کرنے کا فیصلہ کیا اور دفتر کی جانب چل پڑا۔ یہاں سے اسے ایک سنسان سڑک سے گزرنا تھا۔ یہ سڑک خاصی طویل تھی اور ایک چورنگی پر جا ملتی تھی۔ اس سے بائیں طرف مڑ کر ظفری اپنے آفس پہنچ سکتا تھا لیکن چوراہے پر پہنچا ہی تھا کہ عقب سے ایک کار اس کی موٹر سائیکل کے سامنے آ کر رک گئی۔ ایک نسوانی سفید ہاتھ اسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

ظفری نے متحیرانہ انداز میں موٹر سائیکل روک دی اور آگے والی کار کو دیکھنے لگا۔ کار ریورس ہوئی اور اس کے قریب پہنچ گئی۔ پھر ایک لڑکی نے اس سے گردن نکال کر کہا۔

"ہیلو۔۔۔۔۔!" اور ظفری کے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ "آپ کا تعلق ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے ہے نا؟"

ظفری نے کوئی جواب نہ دیا اور لڑکی کو گھورتا رہا۔ "آپ کی حیرت بجا ہے کیونکہ آپ یقیناً میری لاش دیکھ چکے ہیں لیکن میں مقتولہ نہیں ہوں۔ البتہ میں وہی ہوں جس نے آپ کو فون کیا تھا اور آپ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔"

"کیا چاہتی ہیں آپ؟" بمشکل تمام ظفری نے کہا۔

"میں آپ لوگوں سے جلد ہی ملاقات کرنے والی تھی۔ صرف اس خیال سے خاموش تھی کہ شیخ صادق حسین آپ سے ملاقات کر چکے تھے اور میں نہیں جانتی تھی کہ آپ کے اور ان کے مابین کیا گفتگو ہوئی ہے۔ لیکن اس وقت میں نے آپ کو کوٹھی میں داخل ہوتے دیکھا تو باز نہ رہ سکی۔ میں کہیں باہر سے آ رہی تھی۔ دور ہی سے آپ کو دیکھ کر میں نے کار باہر روک لی۔ اور پھر آپ کی واپسی کا انتظار کرتی رہی۔ اس کے بعد آپ کا تعاقب کرتی ہوئی یہاں تک آ گئی۔"

"میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"ایک درخواست ہے آپ سے۔ اس وقت میں زیادہ دیر گھر سے باہر نہیں رہ سکتی۔ کل شام سات بجے مجھے اپنی ایک دوست کے ہاں ایک پارٹی میں شریک ہونا ہے۔ میں وہاں سے وقت نکال لوں گی اور ساڑھے سات بجے آپ سے ملوں گی۔ آپ جگہ کا تعین کر لیں۔"

"آپ کیوں ہم سے ملاقات کرنا چاہتی ہیں؟"

"تعجب ہے۔ آپ کو تجسس نہیں ہے۔ میں آپ کو انتہائی اہم واقعات بتاؤں گی۔ میں اب بھی آپ سے مدد چاہتی ہوں۔ آپ کا معاوضہ ادا کروں گی۔"

"بہتر۔ تو پھر جگہ کا تعین فرما دیں۔"

"ساڑھے سات بجے آپ کوئٹہ ہاؤس آ جائیے۔ وہاں سے ہم کسی مناسب جگہ کا تعین

کرلیں گے۔ کوئٹہ ہاؤس ایروز اسکوائر کے نزدیک ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" ظفری نے جواب دیا۔

"پھر خدا حافظ۔ کل ساڑھے سات بجے کوئٹہ ہاؤس۔" اس نے کہا اور کار آگے بڑھا دی۔ ظفری احمقوں کی طرح سر کھجاتا رہ گیا۔ پھر اس نے دو تین راہگیروں کو اپنی طرف متوجہ دیکھا تو سنبھل گیا اور موٹر سائیکل آگے بڑھا دی۔

سعدی اور شکیلہ دفتر میں موجود تھے۔ ٹیٹو کا انٹرویو ہو رہا تھا۔ ظفری اندر داخل ہوا تو وہ چونک پڑا۔ سعدی غور سے ظفری کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ "ٹھہریئے مارشل۔ آپ باہر تشریف رکھیے باقی گفتگو پھر ہوگی۔"

"او کے چیف۔" ٹیٹو نے جھٹکے دار آواز میں کہا اور باہر نکل گیا۔

"میں اسے تمہاری مدد کے لیے روانہ کرنے والا تھا۔ لیکن تمہاری واپسی حیرت انگیز ہے۔" سعدی بولا۔

"کافی بغیر دودھ کے۔" ظفری بولا۔

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی تیر مار کر آئے ہو؟"

"مار کر نہیں۔ تیر پہ تیر کھا کر آیا ہوں۔ چھلنی ہو رہا ہوں۔" ظفری کراہ کر بولا۔

"تیر نظر وغیرہ؟" سعدی نے پوچھا۔

"گفتگو کی سکت نہیں۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے دو۔" ظفری نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

"کوئی بڑی واردات کر کے آیا ہے۔ تم ذرا مضطرب صاحب سے کہہ کر کافی منگوالو۔" سعدی بولا۔

"کافی کے ساتھ ہی واپس آنا۔ اس سے قبل میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتا۔" ظفری بولا اور شکیلہ اٹھتے اٹھتے رک گئی۔

"نوکر نہیں ہوں تمہاری۔ خود ہی جا کر لے آؤ کافی۔" اس نے تنگ مزاجی سے کہا۔

"ارے ارے شکیلہ سمجھا کرو۔ ایک بے وقوف آدمی اگر کوئی عقلمندی کا کام کر لیتا ہے تو اتنا ہی اکڑتا ہے۔ اس وقت اس کی حالت درست نہیں ہے۔ کافی پلا دو بے چارے کو۔" سعدی نے کہا۔ اور شکیلہ ظفری کو گھورتی ہوئی باہر نکل گئی۔

ظفری اس وقت تک کچھ نہیں بولا۔ جب تک بلیک کافی کی دو پیالیاں نہ ڈکار لیں۔ سعدی اور شکیلہ بے چینی محسوس کر رہے تھے۔ اس کے بعد بھی ظفری نخرے کرنے لگا تو سعدی بول پڑا۔

"میر تمہیں کان پکڑ کر دفتر سے باہر نکال دوں گا کیوں سسپنس پیدا کر رہے ہو؟"

"جب تک خاموش ہوں۔" تمہارا فائدہ ہے بول پڑوں گا تو تم بھی میرے مرض میں مبتلا ہو جاؤ گے۔"

"کیا مصیبت نازل ہوئی ہے تم پر؟"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ یہ بات ہے تو سنو۔" ظفری نے کہا۔ اور پھر وہ ان لوگوں کو شیخ صادق حسین سے ملاقات اور گفتگو اور اس کے بعد اس لڑکی سے ملاقات کا قصہ سنانے لگا۔ اور جب اس نے بتایا کہ یہ وہ لڑکی تھی جس کی لاش اس نے دیکھی تھی تو وہ دونوں اچھل پڑے۔

"مذاق کر رہے ہو ظفری۔"

"اور یہ لاش کل شام ساڑھے سات بجے مجھ سے کوئٹہ ہاؤس پر ملے گی اور اپنی کہانی سنائے گی۔"

"کیا واقعی؟"

"ہاں۔ اب تم لوگ مل کر انتظار کرو میرے ساتھ کل ساڑھے سات بجے تک۔" ظفری نے جواب دیا۔

"یہ۔۔۔۔ یہ کیسے ممکن ہے؟" سعدی بولا۔

"لاش کے بارے میں مکمل کارروائی ہوئی ہے۔ اسے لاوارث قرار دے کر سرکاری طور پر دفن کیا گیا ہے۔" شکیلہ بولی۔

"یہ کیسے معلوم ہوا؟" ظفری نے پوچھا۔

”شکیلہ آج اس سلسلے میں معلومات حاصل کرنے گئی تھی۔ ابھی تک ہم کوئی خاص کام نہیں کر سکے۔ لیکن میرا خیال ہے اب جمود ٹوٹ چکا ہے لیکن ساری باتیں ہی دل چسپ ہیں۔ چودھری جی کھل گئے۔ ویسے انہوں نے کہانی عمدہ گھڑی تمہارے بارے میں۔ اس کی ایک حیثیت تو ہے۔“ سعدی نے پرخیال انداز میں کہا۔

”ارے میں اس کی شکل بگاڑ دوں گا وہ سمجھتا کیا ہے خود کو، لیکن وہ لڑکی۔ دل تو چاہا تھا کہ اس کا تعاقب کروں لیکن پھر سوچا بدک جائے گی۔“

”بہرحال اس کے سوا چارۂ کار نہیں ہے کہ کل ساڑھے سات بجے تک انتظار کیا جائے۔“

”کوئٹہ ہاؤس سے اسے کہاں لے جاؤ گے؟“ سعدی نے پوچھا۔

”اس سلسلے میں مشورہ دو۔“

”اسے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی مدد درکار ہے۔ اگر ہم لوگ بھی ساتھ ہوں تو کیا حرج ہے؟“ شکیلہ بولی۔

”ہاں میرے خیال میں تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس سے پوچھ بھی لیا جائے گا۔“

”تب پھر یوں کرتے ہیں۔ کسی عمدہ سے ہوٹل میں ایک کمرہ لے لیا جائے۔ ہم دونوں وہاں پہنچیں اور تم اس سے گفتگو کرنے کے بعد اسے لے کر واپس آ جاؤ۔ یہ عمدہ ترکیب رہے گی۔“

”او کے۔ تم آج ہی کمرہ بک کرا لو۔ میرے خیال میں ہوٹل فلیسکو ٹرائی کر لو۔“ ظفری نے کہا۔

ظفری ٹھیک وقت پر کوئٹہ ہاؤس پہنچ گیا تھا۔ وہاں لان میں شامیانے لگے ہوئے تھے۔ لاتعداد کاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ اور ان میں وہ کار بھی موجود تھی جسے اس نے لڑکی کے پاس دیکھا تھا۔ ٹھیک ساڑھے سات بجے لڑکی باہر نظر آئی۔ اس نے دور سے ہی ظفری کو دیکھ لیا اور خاموشی سے چلتی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی۔

”چلو۔“ اس نے کہا۔ اور ظفری چونک پڑا۔ ”جلدی کرو کوئی دیکھ نہ لے۔“

”مم۔ موٹر سائیکل پر؟“ ظفری نے حیرت سے کہا۔

”مجبوری ہے۔ میں کسی کو بتائے بغیر چل رہی ہوں۔ میری کار دیکھ کر لوگ یہی سمجھیں گے کہ میں یہیں کہیں موجود ہوں۔“ لڑکی نے کہا اور ظفری نے شانے ہلا دیے۔ چند لمحات کے بعد لڑکی اس کے ساتھ موٹر سائیکل پر جا رہی تھی۔

”کہاں چلو گے؟“ اس نے پوچھا۔

”ہوٹل فلیسکو۔“ ظفری نے جواب دیا اور وہ خاموش ہو گئی اس سلسلے میں اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ پھر ظفری ہی نے کہا۔ ”وہاں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے کچھ اور نمائندے بھی ہوں گے۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں۔“

”نہیں۔ لیکن یہ لوگ قابل اعتماد تو ہوں گے نا؟“

”سو فیصدی۔“ ظفری نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ مکمل طور پر خاموش ہو گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد ظفری نے ہوٹل فلیسکو کے باہر موٹر سائیکل پارک کی۔ اور وہ دونوں اتر کر اندر داخل ہو گئے۔

فلیسکو کے کمرہ نمبر دس میں سعدی اور شکیلہ موجود تھے۔ دونوں نے ان کا استقبال کیا۔ اور لڑکی بے جھجک مسکراتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

”ہیلو۔“ اس نے دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اور شکیلہ سے ہاتھ ملایا۔ ”میرا نام نائلہ صادق ہے۔“ اس نے کہا۔

”مسرت ہوئی آپ سے مل کر مس صادق۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ شدید حیرت بھی۔ کیونکہ جیسا کہ ظفری نے کہا کہ وہ آپ کی لاش دیکھ چکا ہے؟“ سعدی نے کہا۔

”اوہ میں آپ کی آواز پہچان رہی ہوں۔ غالباً ٹیلی فون پر میری گفتگو آپ ہی سے ہوئی تھی۔“ لڑکی بولی۔

”کیا مطلب؟“ سعدی چونک کر بولا۔

”مطلب یہ کہ میں نے ہی آپ سے سی گل اپارٹمنٹ کے روم نمبر ایک سو ایک میں پہنچے

کے لیے کہا تھا۔" وہ بولی۔ "لیکن بعد میں حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ میں۔۔۔۔۔"

"اور اس کے بعد آپ وہاں قتل ہو گئی تھیں؟" سعدی نے کہا۔

"میں اپنے قتل کی کہانی ہی آپ کو سنانے آئی ہوں۔ مجھے انتہائی افسوس ہے کہ ان صاحب کو اس دن خاصی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ لیکن جو کہانی میں آپ کو سناؤں گی وہ بڑی سنسنی خیز ہے اور آپ یقین کریں مجھے آپ سے جھوٹ بولنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود جس قدر خطرات میں گھری ہوئی ہوں' آپ تصور نہیں کر سکتے۔ میری زندگی ہر وقت پستول کی گولی پر ہے۔ میں کسی بھی وقت موت کا شکار ہو سکتی ہوں۔ اس لیے میں نے ہمت کر کے یہ کھیل کھیل لیا ہے۔ میں ذہنی طور پر کسی بھی تقریب میں شامل ہونے کے قابل نہیں تھی۔ لیکن بس اپنی تگ و دو میں لگی ہوئی ہوں۔ کاش میری زندگی بچنے کا سامان ہو جائے۔" لڑکی سنجیدگی سے بولی۔

سعدی نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی تو وہ بیٹھ گئی۔

"کیا پئیں گی آپ؟" سعدی نے پوچھا۔

"کافی منگوا لیجئے میرے لیے۔ میں ایک دم سے تھکن سی محسوس کرنے لگی ہوں۔"

"بہتر ہے۔ میں ابھی منگواتا ہوں۔" سعدی نے کہا اور روم سروس کو ٹیلی فون کر کے کافی کے لیے کہہ دیا۔ لڑکی اس دوران کرسی پر بیٹھی طویل سانسیں لیتی رہی تھی جیسے وہ خیالات کو مجتمع کر رہی ہو۔

"سب سے پہلے تو میں آپ سے یہ سوال کروں گا خاتون کہ آپ قتل ہوئی بھی تھیں یا نہیں؟" ظفری نے مضحکہ خیز لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔۔۔۔۔ میں قتل نہیں ہوئی تھی بلکہ مقتولہ ایک اور لڑکی تھی۔"

"گڈ۔ لیکن اس کی صورت؟"

"ہاں۔ وہ پلاسٹک میک اپ میں تھی۔ نائلہ صادق نے جواب دیا۔

"گڈ۔ گڈ۔ انکشاف در انکشاف۔ کمال ہے؟" سعدی بولا۔

"دیکھیے۔ میں نے آپ سے مدد کی درخواست کی ہے اور میں آپ کو آپ کا معاوضہ

دینے کے لیے تیار ہوں۔ یہ رقم اس وقت بھی میرے پاس ہے۔ لیکن کسی بھی شکل میں آپ کو اپنا مذاق اڑانے کی اجازت نہیں دوں گی۔" لڑکی نے غصیلے انداز میں کہا۔

"سوری۔ براہ کرم آپ اس بات کو طنز نہ سمجھیں۔ ہم دوستانہ ماحول میں گفتگو کر رہے ہیں۔ میں محتاط رہوں گا۔" سعدی نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"میں آپ سے عاجزانہ درخواست کرتی ہوں کہ میری باتوں کو سچ سمجھا جائے۔ میں سخت پریشان ہوں۔"

"جی۔ فرمائیے؟"

"شیخ صادق حسین نے آپ سے ملاقات کی تھی نا؟"

"جی ہاں۔"

"کیا چاہتے تھے وہ؟"

"یہ معلوم کرنا کہ مرنے سے پہلے آپ نے مجھ سے کیا کہا تھا؟" ظفری نے کہا اور جلدی سے زبان دبالی۔

"ہوں۔ ظاہر ہے اسے تشویش ہو گی۔ بہرحال میں زیادہ وقت نہیں دے سکی۔ میری کہانی سن لیں۔ یہ شخص جو شیخ صادق حسین بنا ہوا ہے۔ درحقیقت شیخ صادق نہیں ہے۔ بلکہ ان کا ایک ساتھی علی جواد ہے۔ جو شیخ صادق حسین یعنی میرے والد کا سیکرٹری بھی تھا۔ میں اسے چچا کہتی تھی میرے والد بھی اسے نوکر سے زیادہ دوست تصور کرتے تھے لیکن اس بدبخت کے دل میں لالچ تھا۔ یہ میرے والد کا کاروبار اور دولت ہڑپ کرنے کی فکر میں لگا ہوا تھا۔ درپردہ یہ کارروائیوں میں مصروف تھا۔ اس نے میرے والد کے کاروبار کے بارے میں ان کی دولت اور جائیداد کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کیں۔ ان کے دستخطوں کی نقل سیکھی اور پھر اس نے میرے والد کو قتل کر دیا۔ قتل کرنے سے قبل اس نے یورپ کے ایک پلاسٹک سرجری کے ماہر سے اپنے چہرے میں تبدیلی کرائی اور میرے والد کا ہم شکل بن گیا۔ لندن میں اس کی ایک محبوبہ راشدہ نامی لڑکی تھی جو مقامی تھی لیکن لندن میں رہتی تھی یہ لڑکی اس کی سازش میں شریک تھی۔ اس نے بڑی کامیابی سے

میرے والد کو قتل کر کے ان کی جگہ لے لی۔ اور مجھے شبہ بھی نہ ہو سکا۔ آواز کے سلسلے میں اس نے گلے کی تکلیف کا بہانہ کیا اور ایک مصنوعی آپریشن کرایا جس کے بعد اس کی آواز بدل گئی اور مجھے والد کی آواز پر شبہ نہ ہو سکا۔ یورپ میں ہمارا کاروبار خسارے میں چل رہا تھا اور اسے بحال کرنے کے لیے بڑی رقم کی ضرورت تھی۔ اس لیے اس نے یہاں آنے کا فیصلہ کیا تا کہ یہاں کی جائیداد وغیرہ فروخت کر کے وہاں کاروبار کو سنبھالا دے سکے۔ میں اب بھی اس مردود کے بارے میں نہیں جان سکی تھی۔ لیکن ایک شام اس نے اپنی محبوبہ کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے اسے اپنا پروگرام پوری تفصیل کے ساتھ بتایا۔ اس وقت مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں اپنے باپ کو کھو چکی ہوں۔ جناب میں حوصلہ مند ہوں اور خود کو سنبھالنے کی طاقت رکھتی ہوں۔ اس جرائم پیشہ شخص کے یورپ میں بہت سے مددگار تھے۔ اس لیے میں وہاں اس کے خلاف کچھ نہ کر سکی۔ میں نے خاموشی سے حالات کا جائزہ لیا اور فیصلہ کیا کہ یہاں آ کر اس کے خلاف عمل کروں گی۔ بہر حال یہ میرے ساتھ یہاں آ گیا۔ اس کی محبوبہ بھی دوسرے طیارے میں یہاں آ گئی تھی اور اس کے چہرے کو بھی اس نے پلاسٹک سرجری کے ذریعے تبدیل کرا لیا تھا اور اسے میرا ہم شکل بنا دیا تھا تا کہ یہاں اسے میری جگہ دی جا سکے اور اس کے لیے مشکل نہ ہو۔"

میں خوف کی پھانسی پر چڑھی ہوئی تھی۔ ہر لمحہ میری زندگی خطرے میں تھی لیکن اس نے اس لیے مجھے زندہ رکھا تھا کہ کوئی خاندانی مسئلہ نہ کھڑا ہو جائے۔ جائیداد فروخت کرنے کے بعد یہ مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں اس کے سارے پروگرام سے واقف تھی اور اپنے لیے راستے تلاش کر رہی تھی لیکن مجھ سے ایک غلطی ہو گئی۔ آپ لوگوں کا اشتہار اخبار میں تھا۔ میں نے اسے پڑھا اور اس کے گرد سرخ نشان بنا دیا۔ اسی اخبار میں ایک خالی فلیٹ کا بھی اشتہار تھا جو سی گل اپارٹمنٹس کا فلیٹ نمبر اکیاون تھا۔ میں نے اس فلیٹ کے پتے پر آپ سے رابطہ قائم کیا اور آپ کو یہاں ملنے کا وقت دے دیا۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ اسی عمارت کی دوسری منزل میں اس کی محبوبہ راشدہ میری شکل میں موجود ہے۔ راشدہ خاموشی سے عمارت میں رہتی تھی۔ پڑوسی بھی اس کی شکل سے ناواقف تھے۔ میں اس خالی فلیٹ کا تالا کھول کر اندر داخل ہو رہی تھی کہ راشدہ کسی کام سے

نیچے اتری۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ فلیٹ کا دروازہ سیڑھیوں کے برابر ہے۔ ہم اس طرح آمنے سامنے ہو گئے تھے کہ ایک دوسرے سے کسی طور نہ چھپ سکتے۔ میں دروازہ کھول چکی تھی۔ ایک لمحے میں میں نے فیصلہ کر لیا۔ اور راشدہ کی گردن دبوچ کر اسے اندر دھکیل دیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تو میں نے اس کی گدی پر ایک گھونسہ جڑ دیا۔ اور وہ ہوش و حواس کھو بیٹھی۔ میں اسے گھسیٹتی ہوئی کمرے میں لائی اور مسہری پر دھکیل دیا۔"

"دوسری طرف علی جواد بروقت میرے اس پروگرام سے آگاہ ہو گیا تھا۔ اور اس کا سبب وہ سرخ نشان تھا جو میں نے آپ کے اشتہار اور اس فلیٹ کے اشتہار کے گرد لگایا تھا۔ وہ فوراً چل پڑا۔ اور عین وقت پر فلیٹ پر پہنچ گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب میں راشدہ کو مسہری پر دھکیل چکی تھی۔ فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا تھا کسی کے قدموں کی چاپ سن کر میں جلدی سے اس مسہری کے نیچے گھس گئی جس پر راشدہ پڑی تھی۔"

"راشدہ اٹھ کر بیٹھی ہی تھی کہ علی جواد اندر داخل ہو گیا۔ وہ اس قدر بدحواس تھا کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ جھٹ راشدہ کے پہلو میں خنجر بھونک دیا اس نے راشدہ کا منہ بھی دبا لیا تھا مقصد یہ تھا کہ وہ چیخ نہ سکے لیکن اس طرح راشدہ اسے اپنے بارے میں نہ بتا سکی۔ ابھی یہ ڈرامہ مکمل ہوا ہی تھا کہ یہ صاحب پہنچ گئے۔ اس وقت علی جواد اندر ہی تھا وہ جلدی سے کمرے سے نکل گیا اور کہیں چھپ گیا۔ پھر جب ظفری صاحب کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے دم توڑتی ہوئی راشدہ کو دیکھا۔ اس دوران علی جواد چھپاک سے دروازے سے باہر نکل گیا۔ اور اس نے خون خون کی صدا لگا کر لوگوں کو فلیٹ کے دروازے پر جمع کر دیا اس کے ساتھ ہی اس نے پولیس کو بھی اس قتل کی اطلاع دے دی۔ فلیٹ کا دروازہ باہر سے بند ہو گیا تھا۔ ظفری صاحب نے میری نادانستہ راہنمائی کی۔ جس سوراخ سے یہ باہر نکلے تھے اسی میں بھی باہر نکل آئی۔ اور پھر میں نے ایک ریستوران میں داخل ہو کر اپنا حلیہ سنوارا۔ فوراً ہی ایک پروگرام میرے ذہن میں آ گیا تھا چنانچہ میں کوٹھی واپس آ گئی اور پھر جب علی جواد واپس آیا تو میں راشدہ کی حیثیت سے اس سے ملی۔ علی جواد اس بات پر بہت خوش تھا کہ میں عقلمندی سے کام لے کر کوٹھی واپس آ گئی ہوں۔ اس کے خیال میں وہ فلیٹ

میرے لیے مخدوش ہو گیا تھا۔ اسی کی زبانی مجھے سارے حالات معلوم ہوئے وہ مجھے سو فیصدی راشدہ سمجھ رہا تھا۔ بہرحال اس کی حالت خراب تھی اور وہ بعد کی صورت حال معلوم کرنے کے لیے بے چین تھا۔ مجھے وہ ایک ایک بات سے آگاہ رکھتا تھا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں نائلہ نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نمائندے کو مرتے ہوئے کچھ بتا نہ دیا ہو۔ اس کی نشاندہی نہ کر دی ہو۔ اسے یہ بھی حیرت تھی کہ نائلہ کو اس پر شبہ کس طرح ہو گیا۔ بہرحال وہ ایک کہانی لے کر آپ کے پاس پہنچا اور آپ کا منہ بند کرنے کے لیے اس نے ایک لاکھ روپے خرچ کیے۔ لیکن وہ بے حد غیر مطمئن ہے اور جلد از جلد جائیداد اونے پونے بیچ کر یہاں سے نکل جانا چاہتا ہے۔ اسے خوف ہے کہ پولیس کہیں اس قتل کا سراغ نہ پالے۔ میں موقعے کی منتظر تھی کسی طور آپ سے رابطہ قائم کر سکوں۔ ظفری صاحب کو میں نے فلیٹ میں داخل ہوتے دیکھا تھا اس لیے کل میں انہیں پہچان گئی تھی۔''

نائلہ خاموش ہو گئی اور سب کی زبانیں گنگ تھیں۔ انوکھی داستان تھی۔ وہ تو کبھی اس کی گہرائی تک نہ پہنچ سکتے تھے۔ کافی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر سعدی بولا۔

''اب تک وہ آپ کو راشدہ سمجھ رہا ہے؟''

''سو فی صدی۔ میں نے اسے شبہ نہیں ہونے دیا۔ لیکن آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میں کس قدر خطرناک پوزیشن میں ہوں۔ خدا کے لیے میری فوری مدد کیجیے۔ یہ انسانی مسئلہ بھی ہے اور میں آپ کی کلائنٹ بھی ہوں۔'' اس نے پچیس ہزار روپے پرس سے نکال کر ان کے سامنے ڈال دیے۔ ''یہ رقم میں ساتھ لائی تھی۔''

سعدی نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی پھر وہ کسی نتیجے پر پہنچ کر بولا۔ ''آپ مطمئن رہیں علی جواد کا کھیل ختم ہو جائے گا۔ میرے خیال میں آپ اب وقت ضائع نہ کریں۔ اس نے آپ پر پابندی بھی لگائی ہو گی۔''

''نہیں۔ بلکہ مجھے ہدایت ہے کہ میں نہایت ہوشیاری سے نائلہ کا کردار ادا کروں اور کسی کو شبہ نہ ہونے دوں۔ اس لیے مجھے اتنی آزادی ہے۔''

''ٹھیک ہے آپ تھوڑا سا وقت اور اسی انداز میں گزاریں ہم بہت جلد کھیل ختم کر دیں

گے۔ ظفری ان خاتون کو نہایت ہوشیاری سے کوئنٹ ہاؤس چھوڑ دو۔'' سعدی نے کہا۔ اور ظفری کھڑا ہو گیا۔

آفتاب احمد صاحب نے اپنی کوٹھی میں ان کا استقبال کیا تھا۔ یہ لوگ ان کے ممنون تھے کہ وہ اتنی اہم شخصیت ہونے کے باوجود ان جیسے بے حقیقت لوگوں پر اتنے مہربان تھے۔

بہرحال ظفری نے اپنی کوٹھی میں ان کا استقبال کیا تھا۔ یہ لوگ ان کے ممنون تھے کہ وہ اتنی اہم شخصیت ہونے کے باوجود ان جیسے بے حقیقت لوگوں پر اتنے مہربان تھے۔

بہرحال ظفری نے تمام صورت حال ان کے سامنے پیش کر دی۔ اور آفتاب احمد صاحب بھی اس کیس مین پوری پوری دل چسپی لیے بغیر نہ رہ سکے۔ وہ اس تفصیل کے ایک ایک پوائنٹ پر گفتگو کرتے رہے پھر بولے۔ ''اب سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ لڑکی کو کس طرح اس شخص سے محفوظ رکھا جائے۔ اس کے خلاف لندن سے تحقیقات کرانی ہو گی۔ ثبوت حاصل کرنے ہوں گے اور اس میں اچھا خاصا وقت لگ جائے گا۔ اس دوران کہیں اسے لڑکی پر شبہ نہ ہو جائے۔''

''ہاں۔ لڑکی کو تحفظ کی ضرورت ہے۔'' ظفری نے کہا۔

ڈی آئی جی صاحب گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے پھر انہوں نے گردن اٹھا کر کہا۔

''بس ایک ہی ترکیب ہے۔'' اور پھر وہ اس کی تفصیل بتانے لگے۔

موٹر سائیکل پھاٹک میں مڑ گئی تھی اس لیے پوری بریکیں لگانے کے باوجود وہ کار سے ٹکرا گئی۔ سوار اس سے اچھلا' بونٹ پر گرا اور وہاں سے کسی ماہر جمناسٹ کی طرح کار کی چھت سے گزرتا ہوا پیچھے جا پڑا۔

بھری پری سڑک پر حادثہ ہوا تھا۔ ذرا سی دیر میں بھیڑ جمع ہو گئی۔ پھر بھلا شیخ صادق حسین کی مجال تھی کہ وہاں سے نکل جاتے۔ وہ ہکلا ہکلا کر لوگوں کو بتا رہے تھے کہ غلطی ان کی نہیں تھی لیکن پولیس بھی شاید کہیں قریب ہی موجود تھی فوراً پہنچ گئی۔ موٹر سائیکل سوار بے ہوش پڑا تھا۔ بظاہر اس کے بدن پر کوئی چوٹ نہیں تھی کوئی اندرونی چوٹ لگی تھی۔ شیخ صادق حسین کو دھر لیا گیا اور پولیس انسپکٹر نے اس کی ایک نہ سنی۔ زخمی ایک پرائیویٹ ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔ یہ زخمی جمناسٹ ٹیٹو

کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ پولیس انسپکٹر شیخ صاحب کو لاک اپ میں بند کر کے بھول گیا تھا شاید۔ شیخ صاحب چیختے چلاتے رہے، اپنی حیثیت کے حوالے دیتے رہے لیکن انہیں کسی سے رابطہ قائم نہیں کرنے دیا گیا تھا۔ پورے دس دن وہ لاک اپ میں رہے۔ گیارہویں دن انہیں رہا کر دیا گیا لیکن پولیس اسٹیشن کی عمارت سے باہر نکلے ہی تھے کہ اسپیشل برانچ کے ایک آفیسر اعلیٰ نے انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا۔

"کیا چاہتے ہیں آپ لوگ؟ اس ملک میں میرے ساتھ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیوں گرفتار کیا گیا ہے مجھے؟ شیخ صادق حسین دہاڑ رہے تھے۔

"بس کچھ چھوٹی چھوٹی سی باتیں جناب، مثلاً آپ ایک غلط پاسپورٹ سے یہاں تشریف لائے ہیں مسٹر علی جواد فروخت کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ راشدہ خلد نامی ایک لڑکی کو بھی قتل کر دیا ہے آپ نے لندن پولیس کی اسپیشل برانچ کے کچھ لوگ بھی ایک آدھ دن میں یہاں پہنچ جائیں گے ان کا خیال ہے کہ لندن میں آپ نے اپنے باس شیخ صادق حسین کو قتل کر دیا ہے۔ بس یہی چند معمولی باتیں ہیں جن کی وجہ سے ہم آپ کو یہ زحمت دے رہے ہیں۔" اسپیشل برانچ کے افسر اعلیٰ نے جواب دیا۔ اور علی جواد کا چہرہ تاریک ہو گیا۔

☆......☆......☆

بقیہ حالات جاننے کے لئے
"آخری ثبوت" پڑھیں

آخری ثبوت

ایم اے راحت

4

آخری ثبوت

ایم۔ اے راحت

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا پہلا کیس ہی شاندار تھا۔ پچیس ہزار روپے کی آمدنی معمولی نہیں تھی۔ سات سات ہزار روپے حصے میں آئے تھے بقیہ چار ہزار میں سے ایک ہزار روپے مضطرب صاحب کی خدمت میں پیش کر دیے گئے تھے اور انہیں شادی مرگ ہوتے ہوتے بچا تھا۔ غالباً اتنی رقم زندگی میں پہلی بار ان کے ہاتھ آئی تھی۔ کئی دن گھبرائے گھبرائے پھرے تھے۔ چہرے کی رنگت اڑی اڑی رہی تھی' بیمار لگنے لگے تھے۔ ہنسی ہونٹوں سے دور سب نے ان کی یہ کیفیت محسوس کی۔ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس لیے مضطرب صاحب کی اس کیفیت کو پریشانی کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ایک دن انہیں طلب کر لیا گیا۔

''مضطرب صاحب' آپ بیمار ہیں؟'' سعدی نے پوچھا۔

''جی نہیں۔ بفضلہ' خیریت سے ہوں۔''

''کوئی بات تو ہے۔''

''بخدا کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''کوئی شعر اٹک گیا ہے معدے میں۔''

''نہیں نہیں یقین فرمایئے حضرات۔ بس کچھ یونہی۔''

''کوئی مشکل ہو تو ادارہ بلا معاوضہ اپنی خدمات پیش کرتا ہے۔ ویسے کوئی بات ہے ضرور۔'' ظفری بولا۔

”آپ لوگ وعدہ کریں کہ میرا مذاق نہیں اڑائیں گے۔“ مضطرب صاحب نے گردن جھکا کر کہا۔ اور سب نے مخلصانہ وعدہ کیا۔ تب مضطرب صاحب کہنے لگے۔ ”دراصل یہ ایک ہزار روپے جو آپ نے مجھے عنایت کیے ہیں میرے لیے باعث الجھن ہیں۔“

”وہ کیوں؟“ شکیلہ نے تعجب سے پوچھا۔

”بس یقین نہیں آتا کہ اس خطیر رقم کا مالک ہوں۔ نیند آنکھوں سے اڑ گئی ہے۔ خدشہ رہتا ہے کہ کہیں گم نہ ہو جائیں‘ کوئی چرا نہ لے۔ راستے پر چلتے چونک پڑتا ہوں اور ان کی موجودگی کا اندازہ لگاتا ہوں تب کہیں سکون ہوتا ہے۔ بس عالم خوف میں رہتا ہوں۔“

”آپ نے ان میں سے کیا خرچ کیا ہے اب تک؟“

”خدا کے لیے۔ خدا کے لیے ایسی دلدوز گفتگو نہ فرمایئے۔ مجھے اختلاج قلب ہو سکتا ہے۔ بھلا میں ان میں سے کچھ خرچ کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔ ناممکن‘ قطعی ناممکن۔ میں اس اجتماع زر کو منتشر کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا‘ زندگی میں پہلی بار میں نے خود کو ایک ایسی رقم کا مالک پایا ہے جو چار ہندسوں پر مشتمل ہے۔ یہ یقین کرنے میں بھی بڑی دشواری پیش آتی ہے بعض اوقات کہ میں اس زر خطیر کا مالک ہوں‘ بخدا یقین فرمایئے کبھی دو ہندسے بھی یکجا نہیں ہوئے اور اگر چند روز اس معصیت کا شکار رہا ہوں تو اس طرح کہ تین تین دن فاقے کیے ہیں اور جب فاقہ کشی سے اعضاء کسی قابل نہیں رہتے تھے تو پھر یہ اجتماع توڑنا پڑتا تھا لیکن بحالت مجبوری‘ سو اس وقت تو چار چار ہندسوں کی بات ہے جس کا تنہا مالک میں ہوں‘ صرف میں۔“

مضطرب صاب کے چہرے پر اضطراب لرزاں تھا۔ سعدی‘ ظفری اور شکیلہ حیرت زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

”بڑی دل چسپ کہانی ہے آپ کی مضطرب صاحب۔“

”آپ کے لیے‘ میرے لیے نہیں۔“ مضطرب صاحب اپنے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔ اور شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ پھر وہ اپنے تاثرات پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

”گویا زندگی میں آپ نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کے عوض آپ کو بھرپور رقم مل سکتی۔ کیا یہ آپ کی پہلی ملازمت ہے؟“

”جی نہیں نوکریاں تو بہت ہیں لیکن حالات نے کبھی اس کی اجازت نہیں دی کہ مالکان سے پوری تنخواہ وصول کرتا‘ بس کچھ نہ کچھ روزانہ لے لیا کرتا تھا اور وہ اتنا ہی ہوتا تھا کہ پیٹ بھر جائے یا دوسری کوئی ضرورت پوری ہو جائے‘ لباس کبھی زندگی میں نہیں سلوایا۔ کسی نے دے دیا سو پہن لیا‘ جو مل گیا اسی میں گزارا کر لیا۔ بس اپنی تو زندگی اس شعر و شاعری کی نذر ہو گئی۔ کوئی کام کر ہی نہ سکے۔ تنہائیوں میں ہمیشہ اس کا وصال رہا اور کسی دوسری ضرورت کو کبھی محسوس نہ کیا‘ یوں گزری ہے مضطرب دیوانے کی۔“ مضطرب صاحب نے جواب دیا۔

”اہل خاندان میں کبھی کوئی تھا۔“ شکیلہ نے پوچھا۔

”ہوگا‘ کبھی اس پر غور ہی نہ کیا‘ اپنا خاندان تو الفاظ کی بندشوں میں پوشیدہ ہے جسے جی چاہا پکار لیا اور چند باتیں رہیں۔“ مضطرب صاب نے جواب دیا۔

”واہ واہ سبحان اللہ‘ دراصل مضطرب صاحب خوب ہیں آپ بھی۔ مگر یہ مشکل تو واقعی بہت بڑی مشکل ہے‘ آپ کے لیے بلاشبہ بہت بڑی پریشانی پیدا ہو گئی۔ لیکن ہم لوگ نہیں چاہتے کہ آپ کی اس شرافت اور نیک دلی سے ہم کوئی ناجائز فائدہ اٹھائیں۔ مضطرب صاحب آپ اس دفتر میں ایک خاص حیثیت کے مالک ہیں‘ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک ہیں۔ چنانچہ یہ تو ہوتا رہے گا۔ جو کچھ کمائیں گے اس میں سے تھوڑا سا حصہ آپ کا بھی ہوگا اور یہ چار کا ہندسہ بڑھ کر پانچ اور چھ تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ اس وقت آپ کی کیا کیفیت ہوگی؟“

”کیفیت؟“ ”بس یوں ہوگا کہ آپ ہندسوں کو ہماری قبر پر جمع کر دیں اور جس قدر خوبصورت بنوا سکتے ہوں بنوا دیں۔ اشعار کے دیوان اس پر کندہ کرا دیں ورنہ باقی سب کچھ تو ہم سے برداشت نہ ہوگا۔“

''کیا یہ بھی ممکن نہیں ہے مضطرب صاحب کہ آپ یہ رقم کسی پر خرچ کردیں؟''

''بخدا ایسی خوف ناک باتیں نہ کیجئے۔ حرکت قلب پہلے سے مضمحل ہے۔ اب کہیں بند نہ ہو جائے۔ اور آپ کو بھی نیا آدمی تلاش کرنا پڑے گا۔''

''ہوں! تو گویا یہ رقم آپ کسی کو دینا بھی نہیں چاہتے؟''

''کیسے دے دیں' پہلی بار تو یہ سنہرا دھوکا کھایا ہے ہم نے ہم اس میں مگن رہنا چاہتے ہیں۔''

''مگر آپ کی کیفیت تو بے حد خراب ہے' مضطرب صاحب' اس کا کیا کیا جائے۔''

''آپ اگر اس کا کوئی حل بتا سکیں گے تو بڑی عنایت ہوگی ہم پر' مضطرب صاحب بولے۔

''تعجب کی بات ہے مضطرب صاحب آپ نے اتنے انوکھے حالات میں زندگی گزاری ہے۔ جس پر ہمیں افسوس بھی ہے اور حیرت بھی۔''

''زندگی۔'' مضطرب صاحب مسکرائے۔ ''زندگی تو صاحب گوناگوں واقعات سے عبارت ہے۔ ہم ایک دل چسپ واقعہ سنائیں آپ کو۔ بیمار تھے ہم۔ ضعف شکم کی شکایت تھی' ضروریات زندگی میں خلل واقع ہو گیا تھا اور طبیعت پر بڑا اضمحلال طاری تھا' ایک خیراتی شفاخانے کے ڈاکٹر سے رجوع کیا' فرمانے لگے' حضرت مضطرب کیا شکایت ہے۔ عرض کیا' حضور پیٹ کی حالت ٹھیک نہیں ہے چار چار دن ہو جاتے ہیں حوائج ضروری کے تعطل میں۔' ڈاکٹر صاحب نے دوا عنایت فرمائی اور بولے' کل تشریف لائیے۔ لیکن صورت حال ہنوز دوسرے دن گئے' دوا اور تیز کر کے عنایت کی' لیکن افاقہ نہ ہوا۔ تین روز تک یہی کیفیت رہی تو چوتھے دن ڈاکٹر صاحب نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''محترم بڑی عجیب بات ہے اب تک تو آپ کو افاقہ ہو جانا چاہیے تھا' ہاں ذرا یہ تو

فرمائیے کہ آپ کا شغل کیا ہے۔ میرا مطلب ہے پیشہ کیا ہے۔ کیا کرتے ہیں آپ؟''

''شاعری۔'' ہم نے جواب دیا تو ڈاکٹر صاحب سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ چند ساعت اس طرح بیٹھے رہے' پھر اپنی جیب سے دو روپے نکال کر عنایت فرمائے اور پھر بولے۔

''جائیے قبلہ پہلے کچھ کھائیے' پھر دوا استعمال کیجئے۔ جائیے جائیے۔ فائدہ ہوگا۔ آپ کو۔'' اور در حقیقت ان کا فرمانا درست تھا۔ تو یوں گزری ہے صاحبان ان حالات میں ہماری جو کیفیت ہے وہ قدرتی ہی ہے۔'' مضطرب صاحب نے کہا۔ اور سعدی' ظفری اور شکیلہ کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا تھا۔

''یہ مضطرب صاحب بھی پائے کی چیز ہیں۔'' شکیلہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

لیکن ان کی یہ کیفیت ان تینوں کو گوارہ نہ تھی۔ مضطرب صاحب بہرصورت ایک اچھے ساتھی تھے۔ ان سے خوب گھل مل گئے تھے' چنانچہ ظفری نے کہا۔

''یوں کرتے ہیں مضطرب صاحب کہ یہ رقم بینک میں جمع کرا دیتے ہیں۔ آپ کا اکاؤنٹ کھلوا کر۔ آپ بینک کی چیک بک اپنے پاس رکھ لیں' جب بھی دل گھبرائے اسے دیکھ لیا کریں' بینک میں تو رقم ہر طرح سے محفوظ رہتی ہے' اگر کوئی ضرورت ہو تو اس میں سے کچھ نکال لیں۔ بلکہ یوں کریں کہ آئندہ آپ کو یہاں سے جو کچھ ملے' اسے بینک میں جمع کرتے رہیں۔ میرا خیال ہے یہ نسخہ بھی تیر بہدف ہوگا آپ کے لیے' کبھی اگر کچھ خرچ کرنے کا دل چاہے تو خرچ کر لیں' ورنہ نوٹوں کے ڈھیر پر تشریف فرما رہیں۔''

''ایں۔'' مضطرب صاحب کو یہ تجویز شاید پسند آئی تھی' ان کے چہرے پر بحالی نظر آنے لگی پھر وہ خوش ہو کر بولے۔ ''اگر آپ یہ کام کرا دیں تو تا زندگی ممنون کرم رہوں گا۔''

''ضرور ضرور ہو جائے گا۔ آج ہی ہو جائے گا۔'' سعدی نے کہا۔ اور اس کے بعد وہ تینوں دیر تک ہنستے رہے۔

''اللہ اللہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں اس دنیا میں۔ واقعی مضطرب صاب اپنی مثال آپ ہیں۔ ظفری گہری سانس لے کر بولا۔ شکیلہ بار بار قہقہے لگانے لگتی تھی۔

ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی پہلی آمدنی ہی بھرپور تھی۔ اگر اس ماہ انہیں اور کوئی کیس نہ ملتا تو انہیں پروا نہیں تھی' لیکن تینوں اس ادارے کو چلانے کے لیے سنجیدگی سے خواہاں تھے' اس لیے اصول متعین کر لیے گئے تھے۔ دفتر بڑی باقاعدگی سے کھلتا تھا اور تینوں مالکان روزانہ اس میں بیٹھتے تھے۔ کئی دن گزر چکے تھے' کسی نے اس جانب رخ نہیں کیا تھا۔ اشتہار کی مد میں جو رقم رکھی گئی تھی' اس کا استعمال بھی نہایت محتاط انداز میں ہو رہا تھا۔ پھر ظفری نے تجویز پیش کی کہ دفتر کے لیے کوئی کنوینس ہونا چاہیے۔ اس نے اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے کہا۔

''ابھی ہم لوگ ابتدائی مراحل میں ہیں' یقینی طور پر کچھ روز کے بعد ہماری مصروفیات بڑھیں گی' ممکن ہے ہمیں اسٹاف بھی بڑھانا پڑے۔ چنانچہ بعض معاملات میں فوری طور پر سواری درکار ہوتی ہے' اس کا کوئی بہتر حل ہونا چاہیے۔''

''کیا ہو سکتا ہے؟'' شکیلہ نے پوچھا۔

''فی الحال ایک موٹر سائیکل جو مشترک ہوگی' یعنی جسے ضرورت پیش آئے وہ استعمال کرے۔ ہم لوگ اس میں تھوڑی تھوڑی سی رقم ملا دیتے ہیں اس طرح موٹر سائیکل مل جائے گی۔''

''تھوڑی تھوڑی رقم سے کیا ہوگا' موٹر سائیکل کی قیمت اتنی کم تو نہیں ہوتی۔'' شکیلہ پُرخیال لہجے میں بولی۔

''پہلے یہ بتایئے آپ اس ضرورت سے متفق ہیں؟''

''ہاں۔'' شکیلہ نے جواب دیا۔

''تو پھر ضروری نہیں ہے کہ کوئی نئی موٹر سائیکل خریدی جائے۔ پرانی موٹر سائیکلوں کے اشتہارات روزانہ ہی اخبارات میں نظر آتے ہیں کیوں نہ انہی میں سے کسی کو دیکھ بھال کر سودا کر لیا

جائے۔''

یہ بھی طے ہو گیا اور ان چاروں افراد میں موٹر سائیکل پانچویں ساتھی کی حیثیت اختیار کر گئی' ہرچند کہ وہ شکیلہ کے استعمال میں نہیں آتی تھی' لیکن شکیلہ نے اپنے حصے کی رقم ادا کر دی تھی' کیونکہ اس کا تعلق دفتر سے تھا۔

دفتر کی طرف سے تو ابھی یہ سب مطمئن تھے' کیونکہ جناب زاہد کی نگاہیں ابھی تک شکیلہ کو دیکھ کر نشیلی ہو جاتی تھیں۔ ویسے ان دنوں وہ باہر گئے ہوئے تھے اور باہر جاتے ہوئے اس کی اطلاع دے گئے تھے اس لیے شکیلہ کو رومانی جملے یاد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی' ویسے اس نے اس دفتر کو قائم و دائم رکھنے کے لیے کچھ ایسی کتابیں خرید لی تھیں جو رومانی تھیں اور جن میں وقت بے وقت استعمال کے لیے رومانی جملے کافی تعداد میں تھے۔ اس نے ان میں سے کئی جملوں کا انتخاب کر لیا تھا۔ جو اس نے جناب زاہد کے سامنے دہرائے تھے۔ ویسے ان کتابوں کی قیمت بھی دفتر کے حساب میں جمع کر لی گئی تھی' کیونکہ دفتر کو بہرصورت برقرار رکھنے کے لیے شکیلہ کا ایکسٹرا رول تھا جسے وہ خوش دلی سے انجام دے رہی تھی۔

زاہد صاحب کو ابھی تک اس سلسلے میں کوئی اعتراض پیدا نہیں ہوا تھا۔ اپنی دانست میں وہ مس شکیلہ کے حق دار تھے اور آہستہ آہستہ محبت کی بلندیوں کی طرف قدم بڑھا رہے تھے' انہیں کسی بھی قسم کا ذرا بھی تردد نہیں تھا کہ ان کے اس پیار میں کوئی رخنہ انداز ہو سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ شاید وہ زندگی بھر مسز تنویر سے شکیلہ کے حصول کی درخواست نہیں کر سکتے تھے۔ درخواست تو کجا خواہش کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔ ان کے دو نوجوان بزرگ موجود تھے جو ان کی اس مشکل کو حل کرنے کے لیے ان کے مددگار معاون ثابت ہو سکتے تھے اور انہیں اپنے ان بزرگوں پر یعنی سعدی اور ظفری پر یہ اعتماد تھا کہ وہ ان کی ضرورت سے منحرف نہیں ہوں گے۔ یہ اعتماد قائم کرنے کے لیے سعدی اور ظفری کو خاصے پاپڑ بیلنا پڑے تھے۔

زاہد ہر چند کہ انہی کے ہم عمر تھے لیکن یہ دونوں اس طرح محبت پیار سے ان سے پیش آتے تھے جیسے والد کی حدود سے نکل کر دادا جان کی حدود میں داخل ہو گئے ہوں اور زاہد صاحب ان کی یہ برتری بخوشی قبول کرتے تھے' ممکن ہے اس طرح انہیں اپنے چھوٹے ہونے کا احساس ہوتا ہو اور بچپن کا احساس بہر حال دل خوش کن ہوتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اظہار بزرگی کے بعد ان دونوں کو قبض دور کرنے کی گولیاں کھانی پڑتی تھیں' کیونکہ قہقہے گونجنے سے معدے میں کافی گڑبڑ ہو جاتی تھی۔

بہر حال اچھی گزرنے لگی تھی۔ دوسری جانب حضرت مطلق تھے۔ سادہ دل اور نیک فطرت۔ ہر طرح سے ان لوگوں کا خیال رکھتے تھے۔ ان کی دانست میں تینوں بچوں نے ان کی زندگی میں ایک نیا پن پیدا کر دیا تھا۔ بیگم صاحبہ انہیں اپنی اولاد کی مانند سمجھتی تھیں۔ کھانے پینے کا مسئلہ ابھی تک مطلق صاحب ہی کے سر تھا۔ یہ تینوں ہی ذرا بے چین تھے۔ تینوں کا خیال تھا کہ مطلق صاحب کی سادہ دلی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا جائے۔ وہ کسی طور رقم قبول نہیں کریں گے کوئی نہ کوئی ترکیب ایسی ضرور ہونی چاہیے جو اپنا کھانے پینے کا بوجھ ان پر سے ہٹا لیا جائے۔ طے ہوا تھا کہ جب کوئی بڑی رقم ان کے ہاتھ میں آئے گی تو وہ مطلق صاحب یا بیگم صاحبہ کے لیے کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور خریدیں گے' حالانکہ یہ تحائف قبول کرنے میں بھی انہیں خاصا تردد ہوتا تھا۔ کیونکہ ایک دفعہ بیگم صاحبہ کو ایک شادی میں شرکت کرنے کے لیے شال کی ضرورت تھی جس کا تذکرہ انہوں نے مطلق صاحب سے کیا۔ مطلق صاحب نے گردن کھجاتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں شال لا دوں گا' مگر ایسی جلدی بھی کیا ہے' پہلی تاریخ کا تو انتظار کر لو۔"

"لو یہ پہلی تاریخ کو مجھے کیا کرنا ہے' شادی تو ہو بھی جائے گی۔ اس وقت تک' ستائیس تاریخ ہے شادی کی۔ اور پہلی تین دن کے بعد آئے گی۔ یعنی چوتھے دن۔"

مطلق صاحب اور بیگم صاحبہ کی یہ گفتگو ان تینوں نے سن لی تھی' تب ظفری نے ایک

بیحد نفیس شال خرید کر بیگم صاحبہ کی خدمت میں پیش کی' مطلق صاحب بھی موجود تھے۔ بیگم صاحبہ شال دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ لیکن مطلق صاحب کا چہرہ اتر گیا تھا۔ انہوں نے شرمندہ سے لہجے میں کہا۔

"گویا۔ گویا تم لوگوں نے ہماری گفتگو سن لی؟"

"جی ہاں سن بھی لی اور افسوس بھی ہوا۔"

"ایں۔" مطلق صاحب چونک پڑے۔

"جی ہاں۔" ظفری نے سنجیدگی سے کہا۔

"کک کیوں میاں۔"

"یوں لگتا ہے مطلق صاحب' جیسے آپ اب ہم سے اکتا گئے ہوں۔" ظفری نے سنجیدہ رویہ اختیار کر رکھا تھا۔

"ارے ارے کیا حماقت کی گفتگو کرنے لگے۔ یہ کیسے لگا میاں تمہیں۔" مطلق صاحب بے چین ہو کر بولے۔

"ذرا غور فرمائیں مطلق صاحب ہمارے دلوں میں آپ کا کیا مقام ہے اور آپ ہمیں اتنی غیریت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔"

"میاں گھاس کھا گئے ہو کیا۔ آنکھیں پھوٹ جائیں میری جو کبھی میرے دل میں غیریت کا تصور بھی آیا ہو۔"

"تو پھر گھر کی چھوٹی موٹی ضروریات ہم سے کیوں پوشیدہ رکھی جاتی ہیں۔ ہم آپ کو اپنا دوست' اپنا بزرگ' اپنا سرپرست' اپنا سب کچھ سمجھتے ہیں اور آپ جیسا کہ آپ نے فرمایا آپ ہمیں اپنے بیٹوں کی جگہ دیتے ہیں تو پھر ماں باپ اور بیٹوں کے درمیان یہ تکلف کیسا مطلق صاحب' کیا چھوٹی موٹی باتیں ہم سے نہیں کہی جا سکتیں' کیا ہم اس قابل نہیں ہیں۔"

''ارے بھئی ضرورت ہو تو کبھی بھی جائیں۔ ہمارا کون سا بڑا کنبہ ہے جو ہم مصائب یا مسائل کا شکار ہوں' کبھی کبھی چھوٹی موٹی باتیں ہو جاتی ہیں۔ اگر یہ شال کی بات تم نے سن لی ہے تو درحقیقت اتفاق سے اس بار میں نے پیسے پرائز بانڈ خرید نے پر خرچ کر دیے تھے۔ ورنہ یہ کوئی مشکل تو نہیں تھا۔'' مطلق صاحب نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ لیکن ہم سے بھی کہا جا سکتا تھا کہ جاؤ ظفری یا جاؤ سعدی ایک شال خرید کرلاؤ بیگم صاحبہ کو ضرورت ہے۔''

''اچھا اچھا تم لوگ شرمندہ کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ میں شرمندہ ورمندہ نہیں ہوتا' لے آئے بہت اچھا کیا' نہ لاتے تو اور بھی اچھا ہوتا۔''

''وہ کیوں؟'' سعدی نے پوچھا۔

''میاں ابھی تو خود طالب علم ہو۔ طالب علمی کی زندگی ویسے بھی پریشان کن ہوتی ہے اور پھر تمہارے وسائل تو خود بھی محدود ہیں اس لیے میں تمہیں کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا۔''

''جی نہیں حضرت' دراصل ہم ان نوجوانوں میں سے نہیں ہیں۔ طالب علمی کی آڑ لے کر ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ حصول تعلیم کے لیے تو شدید جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس جدوجہد کا بار والدین کے ہی شانوں پر نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے تمام مسائل کا بوجھ آپ نے اٹھا رکھا ہے تو اس کا یہ مقصد نہیں ہونا چاہیے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں' آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ ہم نے اپنا ایک چھوٹا سا کاروبار شروع کیا ہے۔''

''ہاں اس کا تذکرہ تم پہلے بھی کر رہے تھے۔ مگر اس کاروبار کی وجہ سے کہیں تمہاری تعلیم میں خلل واقع نہ ہو۔''

''نہیں مطلق صاب ہرگز نہیں' آپ یقین فرمایئے سارے معاملات بخوبی چل رہے ہیں اور ہمیں یہ چھوٹا سا کاروبار کچھ آمدنی بھی دینے لگا ہے۔''

''تب تو مسرت کی بات ہے' بہرصورت شال کے مسئلے کو بڑا مسئلہ نہ بناؤ۔ بہت اچھا کیا جو تم لے آئے ہو۔ کیوں بیگم کیسی ہے؟''

''بہت خوبصورت۔'' بیگم صاحبہ نے خوش ہو کر کہا۔ وہ محبت بھری نگاہوں سے ان تینوں کو دیکھ رہی تھیں۔

''میاں یہ سب کچھ ہے تو پھر ہماری بھی ایک فرمائش پوری کر دو۔'' مطلق صاحب بولے۔ ''ایک مشاعرہ ہو جائے تم لوگوں کی طرف سے۔''

''مشاعرہ۔'' بیگم صاحبہ ناک چڑھا کر بولیں۔ ''یہ خوب رہی۔ دیکھا کہ مجھے شال مل گئی ہے تو سوچا خود بھی کچھ نہ کچھ حاصل کریں۔ چھوڑو میاں رہنے دو مشاعرہ وشاعرہ کوئی ڈھنگ کی بات کہی ہوتی تو اس پر توجہ بھی دی جاتی۔'' بیگم صاحبہ نے مداخلت کی اور مطلق صاحب کا منہ بن گیا۔

''وہی بے ہودہ گفتگو وہی فضول باتیں' میں کہتا ہوں تم زندگی میں کبھی سدھر بھی سکتی ہو؟''

''ارے ہاں ہاں سدھر گئی ہوں۔ اچھی طرح سدھر گئی ہوں' بے احمقانہ باتوں سے پرہیز کرو' مشاعرہ ہونا ہے' ہو جائے' چادر بچھاؤ۔ موم بتی رکھو اور بھونکتے رہو رات بھر' اس میں اور کیا ہوتا ہے۔''

''جی نہیں یہی تو آپ نہیں سمجھتیں۔'' مطلق صاحب گردن جھٹکا کر بولے۔

''تو آپ سمجھا دیں نا۔'' بیگم صاحبہ بھی انہی کے انداز میں بولیں۔

''بھئی کھانے پکیں گے عمدہ عمدہ سے۔ ضیافت ہو گی شعرا کی اور اس کے بعد رات کو محفل شعر سجے گی۔''

''شعراء کی؟''

"جی ہاں۔ جی ہاں۔"

"تو گویا اور بھی آئیں گے؟" بیگم صاحبہ چہک کر بولیں۔

"نہیں' ابھی اس قابل تو نہیں ہوئے ہم۔ شعراء میں ہم ہوں گے۔ پہلے ایک غزل پڑھیں گے پھر دوسری' پھر تیسری۔۔ اور سامعین میں آپ سب لوگ۔"

"جی نہیں رات کو جاگنے سے مجھے نزلہ ہو جاتا ہے۔" بیگم صاحبہ ناک چڑھا کر بولیں۔

"تو آپ مت جائیے خواہ مخواہ آپ کی شڑپ شڑپ ذہنوں کو مکدر کرے گی۔ مطلق صاحب نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ اور شکیلہ ہنس پڑی سعدی نے جلدی سے کہا۔

"مطلق صاحب اس جمعرات کو مشاعرہ طے۔ شکیلہ بیگم آپ فہرست بنا لیجیے۔ صبح سے انتظامات ہوں گے۔ کھانا وغیرہ آپ ہی پکائیں گی اور رات کو مشاعرہ ہوگا۔" مطلق صاحب کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا شکیلہ نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے کھانا پکانے کی ذمہ داری میں قبول کرتی ہوں۔"

"بی بی ذرا کھانا پکانے کے سلسلے میں کچھ مشورہ کر لینا۔ میرا مطلب ہے کہ جمعرات کو کہیں میں اس خلجان میں نہ رہوں کہ نجانے تم نے کیا پکایا ہوگا۔" مطلق صاحب بولے۔

"خدا کی مار تم پر' کھانے کے لیے تو مرے ہی جاتے ہو' ارے جو پکانا ہوگا پکا لے گی۔ مت بتانا شکیلہ تو انہیں۔ دن بھر دفتر میں الٹی سیدھی حرکتیں کرتے رہیں گے۔ کئی بار اس چکر میں غلطیاں کر بیٹھتے ہیں' بعد میں اس کا بھگتان بھگتنا پڑتا ہے۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور مطلق صاحب دانت نکوس کر انہیں دیکھنے لگے۔

"ہر بات میں اختلاف' ہر بات میں اختلاف' ٹھیک ہے بھئی مت بتانا مجھے۔ میں تو ہوں ہی بیوقوف۔" مطلق صاحب نے کہا اور قہقہے ابل پڑے۔

جمعرات آئی تو شکیلہ نے صبح ہی سے تیاریاں شروع کر دیں۔ مضطرب صاحب کو دفتر

سے گھر بھیج دیا گیا تھا تا کہ وہ شکیلہ کے ساتھ مصروف رہیں۔ تمام سامان لانے کی ذمہ داری مضطرب صاحب پر تھی۔ اور شکیلہ کی ہدایت کے مطابق وہ عمل کر رہے تھے۔ بیگم صاحبہ بھی کچن میں شکیلہ کے ساتھ تھیں اور اتنی ساری چیزیں دیکھ کر بار بار اسے ٹوک رہی تھیں۔

"اے بی بی' میں کہتی ہوں اتنے پیسے ضائع کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہ مطلق صاحب تو زندگی بھر کھاتے پیتے اور اینٹھتے ہی رہے ہیں' ان کے لیے اتنی پریشان نہ ہوا کرو تم۔"

"پھوپھی جان دیکھیے اس دنیا میں ہمارا آپ کے علاوہ ہے ہی کون۔ آپ لوگوں کی محبت نے ہمیں زندگی سے روشناس کرایا ہے۔ ہمارا یہ چھوٹا سا گھر ہمارے لیے خوشیوں کا باعث ہے۔ کون سا ایسا کام ہوتا ہے جو ہم آپ کے لیے کر سکتے ہیں۔ پھوپھا جان کو اگر یہ چھوٹی سی خوشی پسند ہے تو یہ تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اس قسم کے پروگرام بناتے رہیں۔ آپ مطمئن رہیں' ہمیں اس میں کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔ بس میں تو تم سے یہ کہتی ہوں کہ اگر ایک بار تم نے یہ سب کچھ کر لیا تو پھر بار بار تم سے یہ فرمائشیں ہوتی رہیں گی۔ میں تو کہتی ہوں کہ کوئی ڈش اچھی نہ بناؤ۔ ورنہ انہیں تو بہانہ ہاتھ آ جائے گا۔" شکیلہ ہنس پڑی۔

"مجھے تو خیر پھوپھی جان کوئی چیز اچھی پکانا ہی نہیں آتی۔ آپ ہدایات دیتی رہیں' ویسے مجھے مسرت ہوگی اگر پھوپھا جان کو میرے ہاتھ کی پکائی ہوئی کوئی چیز پسند آ جائے۔"

"بہر صورت شکیلہ مصروف رہی' ظفری اور سعدی بھی جلدی واپس آ گئے تھے' پھر مطلق صاحب بھی پہنچ گئے' بے حد خوش تھے۔ باورچی خانے کی طرف رخ کیا تو بیگم صاحبہ دور ہی سے چیخیں۔

"خبردار۔ خبردار اس طرف نہیں آنا' ورنہ تم مچل جاؤ گے۔"

"بھئی باورچی خانے کے علاقے سے گزر تو سکتے ہیں نا۔ ہم تو خوشبوئیں سونگھ کر

اندازہ لگالیں گے کہ کیا پکا ہے؟''

''جو کچھ بھی پکا ہے دسترخوان پر ہی ملے گا۔'' بیگم صاحبہ سختی سے بولیں۔

''بھئی شکیلہ بیٹی تم ہی ہمیں آواز دے لو۔'' مطلق صاحب بولے اور شکیلہ ہنس پڑی۔

''پھوپھا جان کیا عرض کروں' میں بھی یہاں بے بس ہوں۔''

''ہاں یقیناً تم بے بس ہوگی۔ مجھے یقین ہے اس بات کا۔ یہ ہیں ہی اتنی خوف ناک۔ مطلق صاحب بے بسی سے بولے۔ اور بیگم صاحبہ نے کڑی تیوریوں سے انہیں گھورا۔ مطلق صاحب کو جاتے ہی بن پڑی تھی۔ ان کے ساتھ ساتھ ظفری' سعدی اور مضطرب بھی دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ تب مطلق صاحب نے مضطرب صاحب کو دیکھا اور بولے۔

''ہاں بھئی مضطرب صاحب آپ کی مصروفیات تو ختم ہوگئی ہوں گی۔ آج کے اس مشاعرے میں آپ کی اور ہماری ہی چوٹ تو رہے گی' کوئی تازہ غزل کہی آپ نے۔''

''جی ہاں قبلہ' بھلا یہ ممکن تھا کہ محفل شعر ہو' شعراء ہوں اور مضطرب نہ ہو' بڑی کاوشیں کی ہیں۔ قبلہ بڑی کاوشیں کی ہیں قبلہ بڑی ہی کاوشیں کی ہیں اس نئی غزل کی تیاری میں۔'' مضطرب صاحب نے کہا۔

''تو حضرت پھر ہم بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔ آیئے کچھ گفتگو ہو جائے۔'' مطلق صاحب نے کہا۔

''ابھی نہیں حضرت' شکم پری کے بعد ذہن کی رفتار تیز ہو جاتی ہے ورنہ وہی مسئلہ آ جائے گا جو میں ان حضرات سے عرض کر چکا ہوں۔ یعنی دو روپے لے کر کچھ کہنے کا۔'' مضطرب صاحب نے کہا اور ظفری اور سعدی ہنس پڑے۔ بہرصورت وقت گزرتا گیا' مطلق صاحب نہایت بے چین تھے۔ دسترخوان لگا تو مطلق صاحب فرط مسرت سے جھومنے لگے تھے۔

''سبحان اللہ۔ سبحان اللہ یا تو اس وقت ایسا دسترخوان لگا تھا جب محمد شاہ رنگیلا نے نادر

شاہ درانی کی دعوت کی تھی یا پھر وہ دسترخوان آج سجا ہے۔ بحمد اللہ اتنے برتن دیکھ کر ہی انسان کا دل فرط مسرت سے جھومنے لگتا ہے' بس اب انتظار نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ بسم اللہ' مطلق صاحب جلدی سے دسترخوان پر بیٹھ گئے اور قابیں کھول کر دیکھنے لگے۔

''بھئی شکیلہ' در تو جو کچھ ہوا سو ہوا۔ پر ہم نے تمہارا شجرہ نسب پہچان لیا۔ یقیناً تمہارے اجداد مغلیہ دور سے کوئی تعلق رکھتے ہوں گے یا کم از کم شاہان دہلی میں ضرور ان کا شمار ہوگا۔ ان کھانوں کی یہ خوشبوئیں بتا رہی ہیں کہ کسی فنکار کا ہاتھ لگا ہے اس میں!''

''جی پھوپھا جان!۔ اور وہ فن کار ہماری پھوپھی جان ہیں۔''

''ایں۔'' مطلق صاحب چونک کر بولے اور پھر گردن ہلا کر کہنے لگے۔ ''بی بی شکیلہ چند چیزوں میں تو مان لیتے ہیں' لیکن باقی چیزیں۔ بھئی اب انکساری بھی ایک حد تک مناسب ہوتی ہے' کیوں بیگم آپ اس بات کی تردید نہیں کریں گی؟''

''کھانا کھایئے کھانا۔ تردید و تائید بعد میں ہوتی رہے گی۔'' بیگم صاحبہ نے گردن جھٹک کر کہا۔ اور مطلق صاحب خاموشی سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔ مضطرب صاحب بھی شریک دسترخوان تھے۔ شروع شروع میں انہوں نے تھوڑا سا احتراز کیا تھا' لیکن سعدی نے انہیں ڈانٹ دیا تھا۔ تب سے وہ سب کے ساتھ کھاتے پیتے تھے۔ یوں دسترخوان پر ہنگامہ آرائیاں ہوتی رہیں' کھانے کے بعد یہ ہنگامہ آرائیاں اس کمرے میں منتقل ہو گئیں جسے مشاعرہ گاہ کے طور پر سجایا گیا تھا۔

شکیلہ نے یہاں بھی نفاست برتی تھی۔ مطلق صاحب اور ان کی اہلیہ ان لوگوں کو اس قدر پسند تھے اور یہ ان سے درحقیقت اتنے مخلص ہو گئے تھے کہ ان کی خوشی انہیں اپنی خوشی محسوس ہوتی تھی۔ مشاعرہ گاہ میں تازہ پھولوں کے گلدستے موجود تھے۔ اور شاید وہاں کی فضا کو ایئر فریشر سے معطر کیا گیا تھا۔ مطلق صاحب جھوم اٹھے۔ مضطرب صاحب بھی شاعرانہ ذوق کا اظہار فرمانے

لگے تھے۔ یوں مطلق و مضطرب کے لیے یہ جگہ بڑی دل کش تھی۔ بیگم صاحبہ بھی بس اخلاقاً بیٹھی تھیں لیکن آج کے شاعر کو اس ماحول کو نظر لگ گئی۔

شمع محفل حضرت مطلق صاحب کے سامنے آئی اور مطلق صاحب نے عنان شعر سنبھال لی۔ انہوں نے محفل مشاعرہ کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

''بارگاہ سخن کے حاضرین کی خدمت میں آداب۔ ایک غزل پیش خدمت ہے، مطلع ملاحظہ فرمایئے۔

''نگاہوں سے نہاں ہو کر عیاں کچھ اور ہوتا ہے
جو دوری ہو تو وہ نزدیک جاں کچھ اور ہوتا ہے۔''

مطلق صاحب نے شعر کہا۔ سعدی، ظفری اور شکیلہ واہ واہ کرنے لگے لیکن مضطرب صاحب کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ مطلق صاحب نے فاتحانہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا اور پھر مسکرا کر بولے۔

''کیسا ہے مضطرب صاحب؟''

''جی۔ مضطرب مردہ سے لہجے میں بولے۔ پھر کہنے لگے۔ ''حضرت اس غزل کا دوسرا شعر مجھ سے سماعت فرمایئے۔

یہ مانا اس کی ہستی پر گماں کچھ اور ہوتا ہے
مگر آوارۂ کوئے بتاں کچھ اور ہوتا ہے

''کک کیا بکواس ہے۔'' مطلق صاحب کا چہرہ اتر گیا۔

''حضرت بکواس نہ ہماری ہے نہ آپ کی۔ جس کی ہے آپ بھی جانتے ہیں اور ہم بھی۔''

''مم۔ میں۔ کہتا ہوں کیا لغویت ہے۔ آپ محفل شعر و سخن میں تشریف فرما ہیں یہ کیا

عامیانہ گفتگو شروع کر دی۔''

''بدنصیبی ہے مطلق صاحب، قبلہ دراصل یہ غزل میں نے بڑی مشکل سے کہی تھی، خیال تھا کہ آج کے مشاعرے میں اسے پیش کروں گا لیکن اب اسے کیا کہا جائے کہ یہ آپ نے فرما دی۔'' مضطرب صاحب بے چارگی سے بولے۔

''میاں، دماغ خراب ہوا ہے تمہارا۔ ہیں۔ اپنی اوقات پہچانو کیا فضول باتیں لے بیٹھے۔''

''یعنی یعنی؟'' مضطرب صاحب بولے۔

''میری غزل کو اپنی غزل بتا رہے ہو، شرم کرو، محفل شعر و سخن کی ہو تو ایسی چھچھوری باتیں اچھی نہیں لگتیں۔'' مطلق صاحب بگڑ کر بولے۔

''اور اگر حضور میں کہوں کہ یہ میری غزل ہے اور آپ نے کہہ ڈالی ہے تو اس پر آپ کو اعتراض ہوگا۔'' مضطرب صاحب نے کہا۔

''میں کہتا ہوں مضطرب صاحب ذرا ہوش میں آیئے۔ آپ حد سے بڑھ رہے ہیں۔''

''دیکھیے قبلہ یہاں کوئی حدود مقرر نہیں ہیں۔ یہ تو محفل شعر ہے۔ یہاں سب برابر حیثیت رکھتے ہیں۔ تیسرا شعر ملاحظہ فرمایئے۔

جو اک پردہ اٹھا تو سینکڑوں پردے ہوئے حائل''

''بکواس مت کیجیے مصرع ثانی یوں ہے۔

نشاں ملنے پہ کوئی بے نشاں کچھ اور ہوتا ہے۔''

مطلق صاحب گرجے۔ مضطرب صاحب بولے۔

''نہ شورش ہے نہ ہنگامہ نہ کوئی شعر مستانہ''

مطلق صاحب دھاڑے۔

''ہمیں اے زندگی تجھ پر گمان کچھ اور ہوتا ہے۔''

دونوں شاعروں میں زبردست معرکہ آرائی ہو رہی تھی۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ اور بیگم صاحبہ متحیرانہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں کے چہرے سرخ تھے اور وہ ایک دوسرے سے لڑنے مرنے پر آمادہ تھے۔

''نظر کو جستجوئے کیف و نظارہ تجھ لیکن۔''

''بالکل نہیں' بالکل نہیں مصرعۂ ثانی تم نہیں سنا سکتے۔ فٹ کرو۔ فٹ کرو اپنا تخلص اس میں جانوں۔'' مطلق صاحب بولے۔

''تخلص تو آپ کا بھی فٹ نہیں ہوتا مطلق صاحب کم از کم کوئی ایسی غزل چرائی ہوتی جس میں تخلص تو فٹ بیٹھ جاتا۔'' مضطرب صاحب نے کہا۔

''میاں تم سمجھتے کیا ہو خود کو' چور کہہ رہے ہو۔ ہمیں دو ٹکے کے آدمی' بے اوقات کہیں کے نکل جاؤ یہاں سے' خبردار اب اگر ادھر کا رخ کیا۔''

''جا رہا ہوں۔ مطلق صاحب' جا رہا ہوں۔ بس عہدے کا فرق ہے' ورنہ غزل کا مسئلہ نہیں ہے۔''

''تلاشی دو اپنی تلاشی' ایسے کیسے جا سکو گے۔'' مطلق صاحب غرا کر بولے۔

''کیسی تلاشی؟ کیا چرایا ہے میں نے آپ کا؟''

''غزل اور کیا۔''

''غزل صرف میں نے نہیں چرائی ہے بلکہ آپ نے بھی چرائی ہے۔ بلکہ اتفاق سے ایک ہی غزل ہم دونوں نے چرائی ہے۔''

''بکواس بند کرو' ایسا نہیں ہو سکتا' یہ غزل متنازعہ ہے متنازعہ رہے گی' چاہے خون کی ندیاں کیوں نہ بہہ جائیں۔ کہہ دیا میں نے تم سے۔'' مطلق صاحب دہاڑے۔

''ارے یہ ہوا کیا۔ کیوں لڑنے لگے تم دونوں۔'' بیگم صاحبہ غصیلے انداز میں بولیں۔

''میں یہ کیا سمجھتا ہے خود کو۔''

''دیکھیے حضرت زبان کو لگام دیجیے۔ میں بھی بڑا غلط آدمی ہوں۔'' مضطرب صاحب نے کہا۔

سعدی اور ظفری مضطرب صاحب کو باہر لے آئے۔ شکیلہ اور بیگم صاحبہ مطلق صاحب کو سنبھالے ہوئے تھیں۔

''بھائی مضطرب ہوا کیا؟''

''کچھ نہیں جناب۔ استعفے پیش کر دوں گا کل' سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں' یہ نہیں چل سکتا۔ میری اپنی ایک حیثیت ہے۔ ایک مقام ہے۔ ٹھیک ہے آپ لوگوں کا ملازم ہوں لیکن اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ جو غزل میں چراؤں وہی مطلق صاحب بھی چرائیں۔''

''ہوں تو گویا آپ دونوں نے یہ غزل چوری کی تھی؟''

''ایں۔'' مضطرب صاحب بولے۔ پھر وہ کسی قدر ہونق سے نظر آنے لگے۔ ''ارے یہ تو بہت برا ہوا' ہم سب کے سامنے لڑ پڑے۔ خیر زیادتی مطلق صاحب کی تھی۔ اگر وہ مجھ سے معافی مانگتے ہیں تو ٹھیک ہے میں انہیں معاف کر دوں گا' لیکن اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ لوگوں کا ملازم ہوں اور اس طرح اس غزل پر ان کا حق بن جاتا ہے تو یہ ناممکن ہے میں یہ غزل چوراہوں پر کھڑے ہو کر سناؤں گا' بازاروں میں سناؤں گا' دکانوں پر سناؤں گا۔ دیکھتا ہوں مطلق صاحب اسے کیسے اپنا لیتے ہیں۔ میاں غزل ہے سب کی ملکیت ہوتی ہے کوئی ایک وہی شاعر تھوڑی ہیں۔''

''اچھا اچھا کوئی بات نہیں' ٹھنڈے ہو جائیے۔ آئیے آپ دونوں کی دوستی کرا دی جائے۔''

''صرف ایک شرط پر۔'' مضطرب صاحب بگڑ کر بولے۔

"وہ کیا؟"

"یہ غزل مطلق صاحب کی ملکیت نہیں رہ سکتی۔"

"آخر یہ ہے کس کی؟"

"بھئی ہمیں کیا معلوم کسی رسالے میں چھپی تھی' اتفاق کی بات ہے کہ ہم دونوں کے ہاتھ ایک ہی رسالہ لگ گیا۔" مضطرب صاحب بگڑ کر بولے۔

"۔۔خدا کی پناہ۔ خدا سمجھے آپ شاعروں سے۔" ظفری اور سعدی نے سر پیٹ لیے۔

بہرحال اس کے بعد لاکھ کوششیں کی گئیں' لیکن مطلق صاحب نے صاف کہہ دیا کہ جس طرح ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں اس طرح ایک گھر میں دو شاعر نہیں رہ سکتے۔" بس یہ فیصلہ ہے ہمارا۔ مشاعرہ نہیں ہوگا۔" اس کے بعد محفل مشاعرہ نہیں جم سکی تھی۔ مضطرب صاحب بھی تھوڑی دیر کے بعد دفتر چلے گئے تھے اور ظفری' سعدی اور شکیلہ دیر تک ہنستے رہے تھے۔

ان شعرائے کرام کا مسئلہ بڑا ہی عجیب تھا۔

پہلے کیس کو نمٹے ہوئے بیس دن ہونے کو تھے۔ اس کے بعد سے کسی نے اس دفتر کا رخ نہیں کیا تھا۔ البتہ ہر جمعہ کی اشاعت میں اشتہار ضرور ہوتا تھا۔ متعلقہ حضرات بڑے صبر و سکون سے انتظار کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے طور پر میٹنگیں کی تھیں۔ تبصرے کیے تھے اور غیر مطمئن نہیں تھے۔ ان کا متفقہ فیصلہ تھا کہ ابھی اس ملک کے لوگ ایسے اداروں کی افادیت سے ناواقف ہیں اور ان کا ذہن اس طرف نہیں جا سکتا۔ بس گنے چنے لوگ ہی ان سے واقف ہوں گے اور وہی اس طرف کا رخ کر سکتے ہیں بشرطیکہ انہیں کوئی مشکل پیش آ جائے۔

"میرے خیال میں یہ خدمت بھی ہمیں ہی انجام دینا پڑے گی۔" شکیلہ نے ایک میٹنگ میں کہا۔ اور سعدی اور ظفری عقیدت مندانہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

"کچھ اور گہر افشانی ہو جائے مرشد۔" ظفری ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"فضول باتیں مت کرو ظفری۔ سنجیدگی سے سوچو۔ کاروبار کی توسیع اور ادارے کی ترقی کے لیے کچھ اور گر ضروری ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھنے سے کام نہیں چلے گا۔" شکیلہ نے کہا۔

"بخدا کون بدنصیب فضول گوئی کر رہا ہے۔ میں تو مرشد کی خدمت میں عرض کر رہا تھا کہ حضور کچھ اور گہر افشانی ہو جائے تاکہ کچھ روشنی ملے۔ کون سی خدمت کی انجام دہی کی بات ہو رہی تھی؟" ظفری نے کہا۔

"لوگوں کو اگر مشکلات نہیں پیش آ رہیں تو اس کے لیے مشکلات پیدا کرنی ہوں گی۔ یہ ضروری ہے ورنہ ادارہ یتیم خانے میں تبدیل کرنا پڑے گا۔"

"سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ تو پھر اس پروگرام کا آغاز ہو جائے۔ کوئی تجویز۔ خادمان اس پر عمل کرنے کے لیے دل و جان سے تیار ہیں۔" ظفری بولا۔ اور اسی وقت جناب اضطراب احمد مضطرب اسم بامسمّی تشریف لائے۔

"ادھر ہی کا رخ ہے۔ اعلیٰ درجے کے سوٹ میں ملبوس ہے۔ بڑی شاندار کار سے اترا ہے۔ یقیناً کوئی ضرورت مند ہے۔"

"اور وہ برف کہاں گئی جو آپ لینے گئے تھے؟" سعدی نے پوچھا۔ صورت حال یہ تھی کہ مضطرب صاحب کرتے کے دونوں کونے پکڑے ہوئے تھے اور کرتے کا خول نمایاں تھا۔ یعنی اس میں کوئی وزنی چیز نہیں تھی۔

"برف لے آیا ہوں مگر وہ۔ کوئی۔۔۔۔" مضطرب صاحب نے کرتے کے دونوں کونے ایک ہاتھ میں تھام کر درمیانی خلاء کو تھپتھپایا اور منہ پھاڑ کر رہ گئے۔ کونے چھوڑ دیے اور متحیرانہ انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ کرتا درمیان سے بھیگا ہوا تھا لیکن اس میں سے برف غائب تھی۔

"لل لاحول ولا قوۃ۔ یہ برف کہاں گئی۔" وہ متحیرانہ انداز میں بولے اور پھر کسی قدر

بیزاری سے بولے۔ ''دراصل کچھ پریشانیاں مجھے بھی لاحق ہیں۔ دفتر میں بہت سی چیزوں کی کمی ہے۔ برف ہاتھ میں لی تو ہاتھ جلنے لگے۔ مجبوراً کرتے کے دامن میں رکھ لیا اسے۔ پھر نگاہ اس شخص پر پڑ گئی اور یہ محسوس کر کے کہ کوئی گاہک ہے' جذباتی ہو گیا۔ بس عالم جذبات میں برف کھسک گئی کسی گوشے سے۔ اندازہ ہی نہ ہو سکا۔ خیر کوئی بات نہیں۔ میں اس مفرور ڈلے کو تلاش کرتا ہوں۔ آپ لوگ کلائنٹ سے نمٹنے کی تیاریاں کر لیں۔'' مضطرب صاحب باہر نکل گئے لیکن چند ہی ساعت کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔

''تشریف لایئے' تشریف لایئے' چشم ماروشن دل ماشاد۔ کس سے ملنا ہے آپ کو؟''

جواب میں کوئی بھاری آواز سنائی دی' الفاظ سمجھ میں نہیں آئے تھے لیکن مضطرب صاحب کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی تھی۔

''جی ہاں تشریف لے جایئے وہ سامنے والے کیبن میں' پروفیسر صاحب تشریف فرما ہیں۔ اور یہ تینوں سنبھل کر بیٹھ گئے۔ اس وقت اپنی اپنی ڈیوٹی سنبھالنے کا موقع نہیں تھا' اگر پہلے ہی مضطرب صاحب کی بات پر غور کر لیا جاتا تو اس وقت کیبن میں صرف سعدی یا ظفری ملتا۔ لیکن مجبوری تھی۔ آنے والا کیبن کے دروازے تک پہنچ گیا تھا۔

''میں حاضر ہو سکتا ہوں۔'' بھاری آواز سنائی دی اور سعدی نے ظفری اور شکیلہ کو آنکھ سے اشارہ کر دیا۔ پھر بولا۔

''تشریف لایئے' تشریف لایئے۔'' آنے والا چھریرے بدن کا دراز قامت شخص تھا۔ جس کی کنپٹی کی بھنویں سفید تھیں۔ بالوں میں بھی چند بال سفید نظر آ رہے تھے' درحقیقت عمدہ تراش کے سوٹ میں ملبوس تھا' آنکھوں میں سنہرے فریم کی عینک لگی ہوئی تھی۔ چہرہ نرم نرم تھا' تعلیم یافتہ اور مہذب آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے ایک نگاہ چھوٹے سے دفتر پر ڈالی اور پھر سوالیہ انداز میں بولا۔

''پروفیسر ڈی ڈی ٹی۔''

''جی خادم ہی کو کہتے ہیں۔ تشریف رکھیے۔'' سعدی نے اپنے سامنے پڑی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور پھر ظفری اور شکیلہ سے بولا۔

''میں نے آپ لوگوں کا پورا کیس سن لیا ہے آپ بالکل مطمئن رہیں کیا مجال ہے جو آپ کے دشمن آپ کا بال بھی بیکا کر سکیں۔ پروفیسر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پر اعتماد کیجیے۔ اب آپ کی مشکلات آپ کی نہیں ہیں۔ میری ہیں۔ آپ کو میرا سابقہ ریکارڈ معلوم ہے۔''

''بہت بہتر پروفیسر صاحب' ہم بڑے مطمئن ہو کر جا رہے ہیں۔ آپ کی شہرت سن کر یہاں آئے تھے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہمارے مسئلے پر پوری توجہ دیں گے۔'' شکیلہ کہنے لگی۔

''جی ہاں' جی ہاں۔ آپ کی مشکلات کا حل میری مٹھی میں ہے۔ جایئے اور مطمئن ہو کر بیٹھ جایئے۔ یہ مسئلہ میں نے سنبھال لیا ہے۔''

''بہت بہت شکریہ۔'' ظفری بولا۔ اور اٹھ کر سعدی سے ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔ شکیلہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی گئی تھی۔ وہ دفتر کے آخری کیبن میں خاموش جا بیٹھے۔

سعدی نے پرتپاک مسکراہٹ سے آنے والے کو دیکھا اور بولا۔ ''جناب کا اسم شریف۔''

''ابھی نہیں بتاؤں گا پہلے آپ سے کچھ اور گفتگو ہو جائے۔''

''جی جی بہتر ہے' کوئی حرج نہیں ہے۔'' سعدی نے حلیمی سے جواب دیا۔

''یہ پروفیسر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے آپ کی کیا مراد ہے؟''

''بس یوں سمجھ لیجیے ہمارے خفیہ کوڈ ورڈ ہیں جن کی تفصیل آپ کو نہیں بتائی جا سکتی۔'' سعدی نے کہا۔

''ہوں خیر مجھے بھی تفصیل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں یہ جاننا چاہوں گا کہ آپ

کے اشتہار کے مطابق بقول آپ کے آپ لوگوں کی ہر طرح سے مدد کرتے ہیں' کیا میں اسے کوئی جاسوسی کا ادارہ سمجھ لوں' میرا مطلب ہے۔ جس طرح یورپ میں پرائیویٹ سراغرساں اپنی ایجنسیاں کھول لیتے ہیں۔ اس قسم کی کوئی ایجنسی جو مناسب معاوضہ لے کر لوگوں کے مسائل حل کرتی ہے۔'' آنے والے نے کہا۔

''خیر ہم اسے پرائیویٹ سراغرساں کا اڈہ تو نہیں کہہ سکتے۔ البتہ آپ کو وہ تمام سہولتیں یہاں مہیا ہو جائیں گی جن کا تصور آپ کے ذہن میں موجود ہے۔''

''ہاں۔ یہی۔ یہی تو میں جاننا چاہتا تھا' اس کا مطلب ہے کہ آپ پرائیویٹ سراغرساں ہیں' لیکن اس ملک میں پرائیویٹ سراغرساں کو لائسنس نہیں دیئے جاتے ہیں اس لیے آپ نے یہ ادارہ کھولا ہے۔''

''ہاں آپ یہ تصور کر سکتے ہیں بشرطیکہ آپ کا تعلق کسی سرکاری محکمے سے نہ ہو۔ میرا مطلب ہے۔ بشرطیکہ آپ انتظامیہ کے کوئی عہدیدار نہ ہوں۔''

آنے والے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے سعدی کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

''اگر میرا تعلق انتظامیہ سے بھی ہے تب بھی آپ یہ اقرار تو کر چکے ہیں کہ یہ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ ہے۔''

سعدی نے اپنے چہرے پر لاپروائی کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں ٹھیک ہے اقرار کر لیا گیا ہے' لیکن یہ قابل گرفت نہیں ہے اور ہم لوگ اتنے بے وسائل بھی نہیں ہیں۔ آپ کا تعلق اگر کسی ایسے محکمے سے ہے تو آپ اسے صرف ایک معمولی سا دفتر سمجھ سکتے ہیں جس کے مقاصد زیادہ اہم نہیں ہیں اور نا ہی کوئی اہم واقعہ ہم سے متعلق ہے۔''

''آپ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ جناب' میں کسی سرکاری ادارے سے تعلق نہیں رکھتا'

میں ایک مشکل میں پھنسا ہوا ہوں اور آپ کے پاس مدد کے لیے آیا ہوں۔''

سعدی سنبھل کر بیٹھ گیا' اس نے ناقدانہ نگاہوں سے آنے والے کو دیکھا اور پھر نرم لہجے میں بولا۔

''جی فرمایئے کیا مدد کی جا سکتی ہے آپ کی؟''

''اگر میں یہ کہوں کہ میں اپنے دشمن سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اس سلسلے میں آپ کو آپ کی پسند کا معاوضہ ادا کرنے کو تیار ہوں تو کیا آپ مجھے اس سے نجات دلا دیں گے؟''

''ہاں یقیناً۔ مجال ہے آپ کے دشمن کی کہ وہ آپ کی جانب ٹیڑھی نگاہ سے دیکھ جائے' البتہ ایک وضاحت ضروری ہے۔'' سعدی نے کہا۔

''وہ کیا؟'' نووارد نے پوچھا۔

''ہم یورپ کے پرائیویٹ جاسوسی اداروں کی کارکردگی سے بھی واقف ہیں' وہ ہر قسم کی مجرمانہ کاروائی بھی کر لیتے ہیں اور پولیس سے محفوظ رہنے کے گر بھی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن معاف کیجیے ہماری نگاہوں میں اپنے ملک کا قانون بھی ایک اہمیت اور حیثیت رکھتا ہے' ہم آپ کے دشمن کو سائنٹیفک ذرائع کی مدد سے آپ کا دوست بنا دیں گے یا پھر اسے اس بات پر مجبور کر دیں گے کہ وہ آپ کے خلاف جو منصوبے باندھ رہا ہے ان سے پرہیز کرے۔ اگر آپ یہ چاہیں گے کہ ہم اسے قتل کر دیں یا معذور کر دیں' تو معاف کیجیے۔ یہ کام ہم نہیں کرتے۔ ہمارے اپنے اصول ہیں اور ہم اپنے اصولوں پر ہر قیمت پر عمل پیرا رہتے ہیں۔''

نووارد کے چہرے پر تفکرات کے سائے پھیل گئے۔ پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔ ''میں آپ کی بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن اگر صورتحال کچھ ایسی ہی ہو تو بھی آپ اپنے اصولوں پر کاربند رہیں گے۔''

''یقیناً یقیناً۔ لیکن آپ کو ہم پر بھروسہ بھی کرنا چاہیے۔ آزمائش میں کوئی ہرج نہیں

ہے۔ ہم آپ سے اس وقت تک کوئی معاوضہ قبول نہیں کریں گے یا طلب نہیں کریں گے۔ جب تک آپ کو مطمئن نہ کرلیں۔ آپ کا دشمن اگر آپ کا دوست بن کر خود ہی آپ کے پاس پہنچ جائے تو پھر ہمارا معاوضہ پکا ورنہ آپ کو کوئی زحمت نہیں دی جائے گی۔''

''مسئلہ معاوضے کا نہیں ہے دوست۔ معاوضہ تو تم جو کچھ طے کرو وہ میں تمہیں پیشگی ادا کرنے کو تیار ہوں۔ بات صرف یہ ہے کہ جس دشمن کو تم میرا دوست بنانا چاہتے ہو۔ وہ کسی قیمت پر اس بات پر تیار نہیں ہوگا۔''

''پھر بھی ہمیں کوشش کرنے کا موقع دیں اس میں کیا ہرج ہے۔ ہم اس انداز میں کام کریں گے کہ آپ کو کوئی زک بھی نہ پہنچے گی۔'' نووارد پھیکے سے انداز میں ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

''میرا دشمن مجھے قتل نہیں کرنا چاہتا۔ وہ میری زندگی کے درپے نہیں ہے بس اس نے مجھے شدید ذہنی اذیت کا شکار بنا رکھا ہے۔ میں ایسی الجھنوں میں پھنسا ہوا ہوں جن سے نکلنے کا کوئی حل میرے ذہن میں نہیں آتا۔''

''یہی تو۔۔۔ یہی تو۔۔۔'' سعدی میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ''یہی سب کچھ کرنے کے لیے ہم یہاں بیٹھے ہیں' جو الجھن آپ کے ذہن سے نہ سلجھ سکے اسے سلجھانے کے لیے آپ پروفیسر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی خدمات حاصل کیجیے۔''

''ساری چوکڑی بھول جاؤ گے اس کے سامنے جا کر۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں ابھی تم اس کی حقیقت سے ناواقف ہو۔ معاف کرنا بے تکلفی کے لیے معافی کا خواستگار ہوں' لیکن بس میں تمہیں بتاؤں میرا دشمن کون ہے' وہ میری بیوی ہے۔ میری بیوی۔''

''واہ بیویوں سے نمٹنے کے تو ہم اسپیشلسٹ ہیں' بیوی خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو' جلاد ہو' خونخوار ہو' محبت کرنے والی ہو' نفرت کرنے والی ہو' دولت مند ہو یا غریب ہو' گنوار ہو یا شہری' تعلیم یافتہ ہو یا جاہل' ہر قسم کی بیویوں سے شوہروں کو نجات دلانا ہمارا اولین فرض ہے اور ہم اس فرض کو

نبھانے کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔''

''سوچ لیں اچھی طرح۔'' وہ شخص بولا۔

''سوچ لیا اچھی طرح سوچ لیا۔ آپ یہ فرمائیے کہ محترمہ سے آپ کو کیا تکلیف ہے؟''

''ایک تکلیف۔ یوں سمجھیں کہ میں تکلیفوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہوں' لیکن آپ کے اصول۔ میرا مطلب ہے آپ کے اصول میرے ذہن میں نہیں اترتے' کوئی حل نہیں ہے سوائے اس کے کہ اسے میرے راستے سے ہٹا دیا جائے۔'' وہ شخص جیسے خود سے مخاطب تھا۔ سعدی کے ہونٹ سکڑ گئے۔ چند ساعت وہ نووارد کی صورت دیکھتا رہا پھر بولا۔

''یہ فیصلہ آپ نے خود کیا ہے' جبکہ ہمارا فیصلہ کچھ اور ہے' معاف کیجیے گا ہم کسی کو قتل تو قطعی نہیں کر سکتے۔ بس اگر آپ دوسرے ذرائع سے ہماری خدمات حاصل کرنا چاہتے تو ہم حاضر ہیں۔''

''نہیں نہیں۔ میرا خیال ہے آپ لوگ میری اس سلسلے میں میری مدد نہیں کر سکیں گے۔ میں خواہ مخواہ دوسری مشکلات کا شکار بھی ہو جاؤں گا۔ معافی چاہتا ہوں' اجازت دیں۔'' وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا۔

''ایک بار پھر سوچ لیں محترم' ہم آپ کا یہ کام بخوبی کر سکتے ہیں۔'' سعدی نے کہا۔

''میں معافی چاہتا ہوں' بہت بہت شکریہ۔'' وہ شخص شاید ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔ واپس مڑتے ہوئے اس کی بڑبڑاہٹ سعدی بخوبی سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''میں نے سوچا تھا کہ یورپ کی طرح یہاں بھی کام کے لوگ ہوں گے۔ لیکن۔ لیکن پتا چلا کہ وہی دقیانوسیت ابھی تک ان معاملات میں بھی باقی ہے جو اس ملک کا خاصا ہے۔ خدا حافظ۔'' یہ کہہ کر وہ دفتر سے نکل گیا۔

سعدی تشویش زدہ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر اس نے شانے جھٹکے اور ظفری اور شکیلہ کو آواز دے لی۔

"ہم سن چکے ہیں۔" ظفری نے کہا۔

"مجھ سے متفق ہو؟"

"سو فیصدی۔ یہ کام تو ہم قیامت تک نہیں کر سکتے تھے جو وہ چاہتا تھا لیکن کیا کیا جاتا وہ بد بخت کسی اور چیز پر آمادہ ہی نہیں تھا۔" سعدی نے کہا۔ اور ظفری گردن ہلانے لگا۔

"چھوڑو یار! ہمیں ایسا گاہک نہیں چاہیے۔ ہمیں بہر صورت اپنے بنائے ہوئے اصولوں کی پیروی کرنا ہوگی۔ دولت کمانے کے چکر میں ہم ایسی اخلاقی گراوٹ نہیں اپنائیں گے جن سے خود ہمارا ضمیر غیر مطمئن ہو۔ اور پھر قتل، لاحول ولا قوۃ۔ ہم میں سے قاتل کون ہے۔ کوئی نہیں۔ اس گاہک کو ذہن سے نکال دو۔ ایسے بہت سے گاہک ہمارے پاس آئیں گے۔ لیکن ہمیں ایسے کسی کیس کو ہاتھ میں نہیں لینا۔" ان لوگوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کر لیا اور اس کلائنٹ کو بھول گئے۔

چند ساعت خاموشی رہی۔ پھر دفعتاً ظفری چونک پڑا۔

"ارے یہ مضطرب صاحب کہاں رہ گئے؟"

"مضطرب صاحب۔ آواز دو۔" سعدی گہری سانس لے کر بولا اور ظفری مضطرب صاحب کو آواز دینے لگا۔ لیکن مضطرب صاحب کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ تب سعدی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"حضرت مضطرب برف پھینک آئے اور اب اسے ڈھونڈتے پھر رہے ہوں گے۔ ظاہر ہے برف پگھل گیا ہوگا اور مضطرب صاحب کسی شعر کی پینک میں اس بات پر غور نہ کر سکے ہوں گے۔"

سعدی کی بات پر شکیلہ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مضطرب صاحب برف لے کر واپس آ گئے۔ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"کہاں رہ گئے تھے حضرت آپ؟" سعدی نے پوچھا۔

"بس میاں کیا عرض کروں۔ نیا برف خرید کر لایا ہوں۔ سیڑھیوں پر گرا تھا، کوئی صاحب لے گئے ہوں گے اٹھا کے۔"

"اچھا جائیے پانی بنا کر لائیے۔" ظفری بولا اور مضطرب صاحب نے جگ میں پانی بنا کر ٹھنڈا پانی انہیں پیش کر دیا۔

اس نئے آنے والے گاہک سے ان لوگوں کو کوئی دل چسپی باقی نہیں رہی تھی، لیکن دوسرے دن مضطرب صاحب نے ایک انکشاف کر کے ان سب کو حیران کر دیا۔

ظفری، سعدی اور شکیلہ سعدی کے کیبن میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپس میں گپ بازیاں کر رہے تھے کہ حضرت مضطرب سنجیدہ سا چہرہ لیے اندر داخل ہوئے۔ ظفری نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"بیٹھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔" مضطرب صاحب نے خالی کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"تو تشریف رکھیے اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے؟" ظفری بولا اور مضطرب صاحب بیٹھ گئے۔

"ایک سوال میرے ذہن میں ہے۔"

"جی ارشاد۔" ظفری بولا۔

"جیسا کہ مجھے دفتر کے اصول معلوم ہوئے ہیں اور جیسا کہ میں جانتا ہوں کہ پروفیسر ڈی ڈی ٹی کا عہدہ کسی ایک شخص کے لیے موزوں نہیں ہے، بلکہ یہ عارضی عہدہ کسی کو بھی مل سکتا ہے تو کیا مجھ جیسے درجے کے شخص کو بھی یہ مراعات حاصل ہو سکتی ہیں؟"

"ہم سمجھے نہیں مضطرب صاحب۔"

"میرا مطلب ہے کہ اگر میں عارضی طور پر اس عہدے کو اپنانا چاہوں تو؟"

''کوئی کیسے لیا ہے آپ نے اپنے ہاتھ میں؟'' سعدی نے سوال کیا۔

''جی ہاں۔'' مضطرب صاحب کے جواب پر وہ سب چونک پڑے اور تحیر آمیز انداز میں انہیں دیکھنے لگے۔

''کل آنے والا شخص جسے آپ نے نظر انداز کر دیا تھا میرے لیے باعث دل چسپی بن گیا ہے۔''

''کیا مطلب؟'' سعدی چونک کر بولا۔

''دل چسپی کا مطلب تو دل چسپی ہی ہوتا ہے۔ باعث کی لغوی توجیہہ۔۔۔۔''

''مضطرب صاحب۔ مضطرب صاحب۔ آپ الفاظ کا مربہ نہ بنائیے۔ بلکہ جلدی سے مطلب بیان کیجیے۔'' سعدی بولا۔

''سعدی میاں' ظفری میاں اور خاتون شکیلہ۔ کل جو شخص یہاں آیا تھا اور جسے آپ حضرات نے بے نیل و مرام واپس کر دیا تھا' وہ مجھے قابل توجہ نظر آیا۔ بسورتا ہوا نیچے اتر رہا تھا اور کچھ بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا اور اس کی اسی بڑبڑاہٹ نے میرے دل کے نرم گوشوں کو چھیڑ دیا۔ پس میں نے سوچا کہ اے مضطرب تمام زندگی شعروں کے تخیل میں ڈوبا رہا ہے کوئی کام کی بات بھی کر۔ لیکن دفعتاً مجھے یہ خیال آیا کہ میں ایک ایسے ادارے سے وابستہ ہوں جو لوگوں کی مدد کرنے کا کاروبار کرتا ہے۔ اور وہ شخص جس کار میں آیا تھا وہ اس قدر قیمتی تھی کہ بلا معاوضہ اس کے لیے کچھ کرنا حماقت تھی۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ کیوں نہ عہدہ عارضی طور پر سنبھال لوں۔''

''یعنی پروفیسر ڈی ڈی ٹی والا؟''

''ہاں اگر یہ جسارت قابل معافی ہو؟''

''وہ کیا بڑبڑا رہا تھا مضطرب صاحب؟''

''بس مردنی چھائی ہوئی تھی چہرے پر۔ کہتا تھا' اے کاش میری زندگی کی شام

ہو جائے۔ اب تو ہر سانس ایک وبال ہے۔ یہ لوگ بے وقوف ہیں۔ یورپ کی بات ہی کیا ہے۔ کاش میں یورپ میں ہوتا۔ بس یہ چند جملے تھے جنہوں نے میری رگ حمیت پھڑکا دی۔''

''خوب۔ پھر کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں اس وقت سے لے کر اب تک میں نے صرف یہ فیصلہ کیا ہے کہ جو کیس آپ لوگ ٹھکرا چکے ہیں اسے کیوں اس طرح نظر انداز کیا جائے۔''

''کوئی عمل بھی کر چکے ہیں آپ؟''

''ہرگز نہیں۔ نمک حلالی فرض اولیں سمجھتا ہوں۔ بلا اجازت کوئی کام کرنا ناجائز نہ تھا۔''

''تو پھر اب آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟''

''یہ کیس مجھے لینے کی اجازت ہے؟''

''آپ کی مرضی ہے حضرت۔ کیا آپ بھی کسی کی بیوی کو قتل کرنے کی خدمات سرانجام دے سکتے ہیں؟''

''ہرگز نہیں۔ زندگی خداوند کا دیا ہوا عطیہ ہوتی ہے۔ اسے چھیننا انسان کے لیے گناہ عظیم ہے۔ میں کبھی یہ نہ کر سکوں گا۔'' مضطرب صاحب بولے۔

''پھر آپ کیا کریں گے قبلہ و کعبہ؟''

''وہ اسے قتل کرنا چاہتا ہے؟''

''جی ہاں یہی مقصد لے کر آیا تھا وہ۔''

''تو ہم اس ضعیفہ کی زندگی تو بچا سکتے ہیں۔ جو نہ جانے کیوں کسی کی وحشت کا شکار ہونے جا رہی ہے۔''

''کیا مطلب۔ کیا مطلب؟'' تینوں چونک پڑے۔

''مطلب صرف اس قدر ہے کہ ہم لوگ اگر اس کی وحشت کے ساتھی نہیں بن رہے تو

اس مظلومہ ہی کے مددگار کیوں نہ بنیں' جسے ہمارے ذریعہ نہ سہی کسی اور کے ذریعے' بالآخر وہ موت کے گھاٹ اتار دے گا۔"

"یعنی اس شخص کی بیوی کے؟" ظفری منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

"ہاں۔ یہ نہایت موزوں عمل ہے۔ اگر وہ شخص دولت مند ہے اور ہمیں ایک عمدہ رقم دے سکتا ہے تو کیا اس کی بیوی قلاش ہوگی؟ ہم اس سے بھی کچھ نہ کچھ وصول کرلیں گے' اور اگر نہ کر سکے تب بھی اس کی زندگی تو بچا ہی سکیں گے۔ یہ ایک نیک کام ہوگا۔"

سعدی نے بڑے خلوص کے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی اور پھر مضطرب صاحب کے پاس آ کر ان کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "اٹھیے مضطرب صاحب۔"

مضطرب صاحب کا چہرہ اتر گیا۔ وہ جلدی سے کھڑے ہوگئے۔

"دیکھیے سعدی صاحب' ہم نے صرف اجازت مانگی تھی۔ ابھی ہماری خطا قابل معافی ہے۔ ہم ایسے تو یہ در چھوڑ کر نہ جائیں گے۔"

"آپ کو نکال کون رہا ہے مضطرب صاحب۔"

"تو پھر بازو چھوڑ دیں۔ ہڈی چیخ رہی ہے۔"

"آپ پروفیسر ڈی ڈی ٹی کی کرسی سنبھالیے۔ ہم نے اس کیس میں آپ کو سربراہ تسلیم کرلیا ہے۔" سعدی بولا۔

"اماں واللہ۔" مضطرب صاحب خوشی سے اچھل پڑے اور جلدی سے کھڑے ہوگئے۔

"ہاں' سوفیصدی۔ کیوں دوستو؟" سعدی نے پوچھا۔

"سوفیصدی۔ یہ نکتہ ہمارے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ اور ہم نے ایک عمدہ موقعہ چھوڑ دیا تھا۔ یہ تو حقیقت ہے اگر ہم نے اس شخص کا کیس ہاتھ میں نہیں لیا تھا تو اس کی بیوی کا کیس تو لے

سکتے تھے۔"

"اس طرح واقعی ہم نے ایک کاروباری غلطی کی۔" ظفری بولا۔

"بے شک بے شک۔" شکیلہ نے لقمہ دیا۔ مضطرب کی باچھیں خوشی سے کھلی پڑ رہی تھیں۔ وہ بڑے تکلف سے سعدی کی کرسی پر جا بیٹھے۔ تینوں ان کے سامنے دست بستہ مؤدب ہوگئے تھے۔

"جناب والا فرمایئے اب اس سلسلے میں کیا حکم ہے؟" سعدی نے پوچھا۔

"کار نمبر کے سی اے آٹھ چار دو' نوٹ فرمایئے۔" مضطرب صاحب بولے۔ اور ظفری نے جلدی سے یہ نمبر نوٹ کرلیا۔

"چونکہ میں اس کار کا نمبر دیکھنے کے سوا اور کوئی کام نہیں کرسکا تھا۔ اس لیے فی الوقت آپ لوگوں پر لازم ہے کہ اس کار کے نمبر سے اس کے مالک کا پتا چلایئے۔"

"بخدا مضطرب صاحب آپ تو خاصے تربیت یافتہ ہیں یعنی آپ نے کار کا نمبر خوب ذہن نشین کیا ہے۔ کار کا رنگ کیا تھا؟"

"ہلکی پیلی۔" مضطرب صاحب نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ یہ کام ہو جائے گا۔ اس کے بعد کیا حکم ہے؟"

"بس کار کا پتا لگایئے اور اس کے بعد مالک کے گھر کا پتا لگایئے اس کے بعد ہماری دوسری کارروائیوں کا آغاز ہوگا۔"

"بہت بہتر' یہ کام میں دوپہر تک کرلوں گا۔" ظفری نے جواب دیا اور مضطرب صاحب نے گردن ہلا دی۔

"سعدی میاں آپ اور بی بی شکیلہ دفتر ہی میں قیام کریں۔ ظفری میاں اس سلسلے میں پہلی کارروائی مکمل کرلیں اس کے بعد ہم دوسری کاروائی کا آغاز کریں گے۔" پروفیسر ڈی ڈی

ٹی نے گویا دوسرا حکم دیا۔ اور دونوں نے اس حکم کو تسلیم کر کے گردن جھکا دی۔ ظفری موٹر سائیکل کی چابی لے کر اور کار کا درج شدہ نمبر لے کر باہر نکل گیا تھا۔ پروفیسر صاحب بڑے اطمینان سے اپنی کرسی پر بیٹھے پاؤں ہلاتے رہے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور وہ اس وقت خود کو سچ مچ کا باس تصور کر رہے تھے۔ دفعتاً انہوں نے میز کھٹکھٹائی اور سعدی چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"میاں ایک گلاس پانی پلاؤ۔" سعدی ٹھنڈی سانس لے کر اٹھ گیا تھا۔ اور پھر اس نے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس پروفیسر کے سامنے پیش کر لیا۔

تقریباً دو بجے ظفری واپس آیا تھا۔ مضطرب صاحب اس دوران ایک لمحے کے لیے اپنی سیٹ سے نہیں ہٹے تھے اور ان کے تمام کام سعدی اور شکیلہ کو کرنے پڑے تھے۔

"ہوں' کیا رپورٹ ہے؟" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"ہمارے مہمان کا نام رمضان عادل ہے۔ ایک فرم ہے۔ جمیلہ لمیٹڈ اس کا مالک ہے اکبر روڈ کی کوٹھی نمبر ۱۷ میں رہتا ہے۔"

"کوٹھی کا جائزہ لے لیا؟" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"جی ہاں دیکھ لی گئی ہے لیکن باہر سے۔" ظفری نے ادب سے جواب دیا۔

"کار وہاں موجود تھی؟"

"جی ہاں۔"

"اس کے علاوہ اور کچھ۔"

"جی اور تو کچھ نہیں۔"

"ظفری کام ادھورا ہے۔ آپ کو وہاں رک کر کوٹھی کے اندرونی ماحول کا جائزہ لینا چاہیے تھا۔ ان لوگوں کا' میرا مطلب ہے کہ کوٹھی کے مکینوں کے مشاغل کا اندازہ کرنا چاہیے تھا۔ تاہم ٹھیک ہے جو کچھ آپ نے نہیں کیا وہ مجھے کرنا ہوگا۔ ظفری میاں آپ کو تھوڑا سا کام اور کرنا ہوگا۔ آپ مجھے کوٹھی تک پہنچا کر آئیے۔ اس کے بعد آپ کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"جی بہت بہتر' کب تشریف لے چلیں گے آپ؟" ظفری نے پوچھا۔

"بس چند تیاریاں کرنی ہیں اس کے بعد چلتا ہوں۔" مضطرب صاحب نے کہا اور کرسی کھسکا کر اٹھ گئے۔ پھر وہ خاموشی سے باہر نکل گئے تھے۔ ظفری کرسی پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا اور سعدی اور شکیلہ مسکرا مسکرا کر اسے دیکھتے رہے۔ "کیوں آپ لوگ مسکرا کیوں رہے ہیں؟"

"بھئی دل تو یہ چاہتا ہے کہ مضطرب صاحب کو سچ مچ کا باس بنا دیا جائے۔ کیا ڈٹ کر بیٹھے ہیں۔ صبح سے ہلے نہیں اس کرسی سے اور مستقل ہم لوگوں سے کام لے رہے ہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"خیر اس کیس کا تو مسئلہ نہیں ہے لیکن آئندہ ذرا احتیاط رکھنا ہوگی۔ مضطرب صاحب خاصے بے تکلف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" سعدی نے کہا اور وہ دونوں مسکرانے لگے۔

تھوڑی دیر میں مضطرب صاحب تشریف لے آئے۔ تیاریاں کیا کی تھیں اس کے بارے میں کسی کو بتانا ضروری نہیں تھا۔ بہر صورت اس وقت باس کی حیثیت رکھتے تھے۔ وہ ظفری کے ساتھ نیچے اتر آئے۔ ظفری نے انہیں اکبر روڈ کی کوٹھی نمبر سترہ کے آگے چھوڑ دیا تھا۔

"میرے لیے کیا حکم ہے؟" اس نے پوچھا۔

"آج کچھ نہیں' کل میں تمہیں اس سلسلے میں کوئی بہتر بات بتا سکوں گا۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"تو میں جاؤں؟"

"ہاں جاؤ۔" مضطرب صاحب نے کہا۔ اور ظفری وہاں سے واپس چل پڑا۔

دوسرے دن جب تینوں دفتر پہنچے تو مضطرب صاحب حسب معمول دفتر کی صفائی سے فارغ ہو چکے تھے۔ گویا انہوں نے ازراہ کرم آج کے کام کر دیے تھے لیکن ان کے چہرے پر وہی

سنجیدگی اور وقار نظر آرہا تھا۔ ان لوگوں کے دفتر میں داخل ہوتے ہی وہ دوڑتے ہوئے باس کی کرسی تک پہنچے اور کرسی پر بیٹھ گئے۔

"کیا ٹائم ہوا ہے آپ کی گھڑی میں؟" انہوں نے ظفری کو دیکھ کر پوچھا۔

"جی سوا دس بجے ہیں۔"

"یہ دفتر آنے کا مناسب وقت نہیں ہے۔ براہ کرم کل سے ٹھیک ساڑھے نو بجے دفتر پہنچ جائیں۔" مضطرب صاحب نے حکم دیا۔

"بہت بہتر۔" تینوں مسکراہٹ دبا کر بولے۔ اور مضطرب صاحب سامنے کرسی پر بیٹھ گئے۔

"جناب والا کیا حکم ہے؟"

"بس کچھ نہیں آج میں تقریباً گیارہ بجے کوٹھی جا رہا ہوں۔ ظفری تم حسب معمول میرے ساتھ تعاون کرو گے۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"جی بہت بہتر۔" ظفری نے گردن ہلا دی۔

وقت مقررہ پر مضطرب صاحب ظفری کے پیچھے موٹر سائیکل پر بیٹھ کر چل پڑے۔ کوٹھی کے پورچ میں پیلے رنگ کی کار موجود نہیں تھی۔ مضطرب صاب نے موٹر سائیکل سے نیچے اتر کر کوٹھی میں جھانکا گیٹ کی طرف بڑھے لیکن پھر ٹھٹھک گئے۔ ادھر ادھر اور پھر ظفری کی طرف دیکھ کر بولے۔

"آؤ میرے ساتھ اندر چلو۔"

"وہ۔۔۔ میرا مطلب ہے آپ خود اندر جائیے۔"

"ہمت نہیں پڑتی۔ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں آتی۔ آؤ تو سہی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آجاؤ۔" مضطرب صاحب خود گھبرا رہے تھے۔ ظفری نے ان کی ہمت بندھائی اور دونوں

اندر داخل ہو گئے۔ کوٹھی کے لان پر کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ وہ دونوں صدر دروازے کے پاس پہنچ گئے۔ پھر مضطرب صاحب بیل پر انگلی رکھنے والے تھے کہ دروازہ کھل گیا۔

لیکن کھلے دروازے میں جو کوئی نظر آیا تھا اسے دیکھ کر مضطرب صاحب کی گھگھی بندھ گئی۔ دروازے میں رمضان عادل نظر آیا تھا۔ یہ غیر متوقع تھا۔ کار کی غیر موجودگی سے مضطرب صاحب یہی سمجھے تھے کہ رمضان عادل گھر پر موجود نہیں ہے۔ لیکن دروازے پر اسے دیکھ کر ان کی سٹی گم ہو گئی۔

"فرمائیے؟" رمضان عادل نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"ہی ہی۔۔ مم۔ میرا مطلب ہے ہو ہو ہو۔" مضطرب صاحب بے حال ہو گئے تھے۔

"معاف کیجئے گا سر الیکٹرک میٹر کس طرف ہے؟" ظفری نے جلدی سے کہا۔

"عقبی حصے میں چلے جائیے۔" رمضان عادل نے غصیلے لہجے میں کہا اور زور سے دروازہ بند کر کے اندر چلا گیا۔

"شخ خدا کا شکر ہے پہچان نہیں سکا۔" مضطرب صاحب پیٹ پر ہاتھ پھیر کر بولے۔

"کیا حکم ہے باس؟"

"بھاگو جلدی کہیں اس کی یادداشت واپس نہ آجائے۔" مضطرب صاحب نے ظفری کا ہاتھ پکڑ کر گیٹ کی طرف چھلانگ لگائی۔ لیکن وہی ہوا جس کا خطرہ تھا یعنی ابھی وہ واپسی کے لیے مڑے بھی نہیں تھے کہ رمضان عادل پھر باہر نکل آیا اور اس کی کرخت آواز سنائی دی۔

"ٹھہرو رک جاؤ۔" مضطرب صاحب کے پیروں میں بریک لگ گئے تھے۔ انہوں نے پلٹنے کی ہمت نہیں کی لیکن ظفری بڑے ادب سے پلٹ پڑا تھا۔

"جناب والا۔" اس نے کہا۔

"تم میٹر ریڈر ہو؟" رمضان عادل نے سوال کیا۔

"جناب عالی۔ کوئی حکم؟"

"نہیں حکم تو نہیں۔"

"تو کیا کوئی خرابی ہے میٹر میں؟" ظفری نے سوال کیا۔

"نہیں نہیں خرابی ہے میٹر میں؟" بس مجھے یوں لگا تھا جیسے میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔"

"مجھے؟" ظفری نے متعجب لہجے میں کہا۔

"ہاں تمہیں اور انہیں بھی۔" رمضان عادل نے مضطرب صاحب کی طرف اشارہ کیا اور ظفری سر کھجانے لگا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی اور بولا۔

"خادم ہیں جناب آپ کے۔ دو تین ماہ پہلے ہماری ڈیوٹی اس طرف تھی' پھر ایک اور علاقے میں چلے گئے تھے۔"

"ہوں ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" رمضان عادل نے کہا اور پھر واپس مڑ کر دروازہ بند کر لیا' اب ظفری نے بھی یہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا تھا' رمضان عادل کی یادداشت آہستہ آہستہ واپس آ رہی تھی' چنانچہ وہ دونوں گیٹ سے باہر نکل آئے۔

"یہ کیا ہوا مضطرب صاحب؟" ظفری نے پوچھا۔

"بس میاں گڑ بڑ ہو گئی۔ کار موجود نہ دیکھ کر میں تو یہ سمجھا تھا کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے لیکن کار نہ جانے کہاں چلی گئی؟"

"ممکن ہے۔ بیگم صاحبہ کہیں گئی ہوں۔"

"ہاں یہی نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس وقت تو کام نہیں بن سکے گا' البتہ البتہ میں یہیں رہوں گا اگر تم اجازت دو تو؟"

"یہیں سے کیا مراد ہے آپ کی؟"

"بس کوٹھی کی نگرانی کروں گا۔ باہر سے دیکھوں گا کہ کس وقت کون باہر جاتا ہے' اور کون اندر آتا ہے۔" مضطرب صاحب نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"بہت بہتر۔ ظاہر ہے میں آپ کے معاملے میں دخل نہیں دے سکتا۔" اور وہ دونوں کوٹھی کے مین گیٹ سے باہر نکل آئے۔ ظفری ابھی موٹر سائیکل اسٹارٹ کر ہی رہا تھا کہ دفعتاً مضطرب صاحب چیخے۔

"ٹھیرو' ٹھیرو' ایک منٹ' بس ایک منٹ۔" اور ظفری رک گیا۔

"انجن بند کر دو۔ بند کر دو۔" مضطرب صاحب نے کہا۔ ظفری نے موٹر سائیکل کا انجن بند کر دیا اور اسے سڑک کے ایک سمت کر کے کھڑا ہو گیا پھر بولا۔

"کیوں کیا ہوا مضطرب صاحب؟"

"وہ دیکھو' ادھر دیکھو پیلی کار دوبارہ واپس آ رہی ہے۔" اسی اثناء میں پیلے رنگ کی کار کوٹھی کے مین گیٹ پر آ کر رکی۔ ڈرائیور نے گیٹ کھولا اور کار اندر داخل ہو گئی۔ کار میں پچھلی سیٹ پر کوئی خاتون چادر اوڑھے بیٹھی تھیں۔ خاصی لحیم شحیم خاتون تھیں۔ لیکن چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ دونوں ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئے۔

"میرا خیال ہے ظفری میاں کچھ دیر رک ہی جاؤ۔ ممکن ہے کام بن ہی جائے۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"جو حکم پروفیسر' میں تو اس وقت آپ کو اسسٹ کر رہا ہوں۔" ظفری نے جواب دیا اور مضطرب صاحب کھسیائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ انہیں تقریباً آدھے گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔ آدھے گھنٹے کے بعد جب پیلے رنگ کی کار دوبارہ باہر نکلی تو رمضان عادل اسے ڈرائیو کر رہا تھا' دیکھتے ہی دیکھتے وہ نظروں سے اوجھل ہو گئی اور مضطرب صاحب کے چہرے پر فتح

مندی کے آثار واپس لوٹ آئے۔ وہ ظفری کو آنکھ سے اشارہ کر کے گیٹ کی جانب چل پڑے۔ چند ساعت کے بعد ہی انہوں نے بیل پر انگلی رکھی اور ایک ملازم باہر نکل آیا۔

"جی فرمائیے۔"

"بیگم صاحبہ تشریف رکھتی ہیں؟" مضطرب صاحب نے پروقار انداز میں پوچھا۔

"جی ابھی تشریف لائی ہیں باہر سے۔"

"تم کون ہو؟" مضطرب صاحب گھٹنا ہلاتے ہوئے بولے۔

"جی میں ڈرائیور ہوں۔"

"اچھا اچھا کوٹھی میں اور کتنے ملازم ہیں؟"

"جی اس وقت تو کوئی نہیں ہے' کریم چھٹی پر ہے۔ شفیقن کی طبعیت خراب ہے وہ اپنے کوارٹر میں ہوگی۔ کس سے کام ہے آپ کو جناب؟"

"بیگم صاحبہ سے۔"

"کیوں ملنا چاہتے ہیں آپ بیگم صاحبہ سے؟"

"یہ بات صرف انہی کو بتائی جا سکتی ہے۔" مضطرب صاحب منہ ٹیڑھا کر کے بولے۔

ڈرائیور نے ایک بھرپور نگاہ ان پر ڈالی اور پھر ظفری کو دیکھتا ہوا بولا۔

"کیا نام بتاؤں آپ کا؟"

"بس ان سے کہہ دو خفیہ پولیس کے دو ارکان آئے ہیں۔" مضطرب صاحب نے کہا اور ظفری ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔ مضطرب صاحب نے ایک احمقانہ بات کی تھی' تاہم اسے بھی نبھانا تھا۔ ڈرائیور نے پھر ایک نگاہ ان پر ڈالی اور اندر کی طرف مڑ گیا۔ چند ساعت کے بعد وہ دوبارہ آیا اور ان دونوں کو لے کر ڈرائنگ روم میں پہنچ گیا۔

"تشریف رکھیے۔ بیگم صاحبہ ابھی آتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" مضطرب صاحب بھاری آواز میں بولے اور ڈرائیور باہر نکل گیا۔ دونوں ڈرائنگ روم کا جائزہ لینے لگے۔ بے ترتیبی تھی۔ وہاں رکھی ہوئی اشیاء قیمتی ضرور تھیں لیکن بے جوڑ تھیں اور اسے مکینوں کی بدسلیقگی ہی کہا جا سکتا تھا۔ ابھی وہ دونوں انہی باتوں پر غور کر رہے تھے کہ دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک لحیم شحیم خاتون چادر اوڑھے اندر داخل ہوگئیں۔ خاتون کا قد کسی طور چھ فٹ سے کم نہیں تھا۔ اسی تناسب سے وہ صحت مند بھی تھیں۔ رنگ دودھ کی طرح صاف تھا۔ آنکھیں بے حد حسین اور چہرے کے نقوش جاذب نگاہ تھے۔

مضطرب صاحب بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے۔ ظفری بھی مضطرب صاحب کے احترام میں اٹھ گیا تھا۔ باس کھڑا ہوا تھا تو اسسٹنٹ کیسے بیٹھا رہ سکتا تھا۔

"کون ہو جی تم لوگ؟"

"محکمہ خفیہ کے لوگ ہیں ہم دونوں۔"

"یہ کیا ہوتا ہے جی؟" خاتون کا لہجہ اکھڑ تھا اور آواز میں ایک مردانہ کرختگی تھی۔

"خفیہ پولیس۔ پولیس سمجھتی ہیں آپ؟"

"اوہو۔ تھانہ پولیس۔ ہاں جی وہ تو سمجھتی ہوں۔ مگر تمہارے کپڑے تو پولیس والے نہیں ہیں؟"

"خفیہ پولیس ایسی ہی ہوتی ہے۔"

"اجی میں نہیں جانتی خفیہ لفیہ۔ اپنے تعلق میں تو تھانے دار جی آتے ہیں۔ یہ لمبے چوڑے یہ بڑی بڑی مونچھیں۔ بابا جی سے روز ملنے آتے تھے۔ پر آجکل کی پولیس بھی کچھ نہیں رہ گئی۔ مگر تم کیسے پولیس والے ہو؟"

بڑی مشکل سے خاتون کی سمجھ میں خفیہ پولیس آئی تھی۔ اور جب سمجھ میں آئی تو انہوں نے پوچھا۔ "ٹھیک ہے جی۔ پر تم آئے کیوں؟"

"رمضان صاحب آپ کے شوہر ہیں؟"

"تو کیا تمہارے ہیں؟ بولو بولو۔"

"جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ انہیں ملایئے ہم انہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔"

مضطرب صاحب نے کہا۔ ظفری کی کیفیت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ مضطرب صاحب نے احمقانہ حرکت کی تھی، جو خطرناک بھی ہو سکتی تھی۔ خاتون کا چہرہ اتر گیا۔

"ہتھکڑیاں ڈال کر لے جانے آئے ہو؟"

"جی ہاں۔"

"اجی مجال ہے تمہاری۔ انتڑیاں نہ نکال دوں گی تمہاری۔ کیوں گرفتار کرو گے رمضان کو؟"

"ان پر بہت سے الزامات ہیں خاتون۔"

"او میں کہتی ہوں کیسے الزامات؟ کیا کیا ہے انہوں نے؟"

"چند روز قبل انہوں نے شراب کے نشے میں ایک آدمی کو کار کی ٹکر سے زخمی کر دیا تھا۔ یہ شراب انہوں نے طوائف کے کوٹھے پر پی تھی۔ اسی طوائف کے کوٹھے پر انہوں نے ایک آدمی کی جیب سے اس کا پرس بھی نکال لیا تھا۔"

"پرس؟" خاتون نے پوچھا۔

"بٹوا۔ بٹوا۔" مضطرب صاحب بولے۔

"اوہو۔ ہوہو۔ تو ہو گئی یہاں بھی ولایت۔ ہائے رمضانی خدا تجھے غارت کرے۔ تیرا بیڑا غرق رمضانی۔ موئے مردار کی اولاد۔ اسی لیے تو رقم لے جاتا ہے۔ اوئے تیرا ستیاناس۔"

"رمضان صاحب کہاں ہیں بی بی؟" مضطرب صاحب بولے۔

"اوئے تمہارا بھی ستیاناس۔ جہنم میں گئے رمضان صاحب تم بھی وہیں چلے جاؤ۔" وہ

الٹ پڑی۔ ظفری نکل بھاگنے کے لیے تیار ہو گیا تھا لیکن مضطرب صاحب اس وقت چیف تھے اس لیے اندر ہی اندر خوف سے کانپنے کے باوجود آخری وقت تک بہادری سے کام لے رہے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بی بی، ہم انہیں تلاش کر لیں گے اور اس کے بعد انہیں کوئی بھی جیل سے نہیں بچا سکے گا۔"

"جیل۔ تم اسے جیلے لے جاؤ گے؟"

"اچھا ہے خاتون۔ آپ جیسی شریف خاتون کا شوہر اتنا نالائق۔ توبہ توبہ اس کی جگہ جیل ہی ہے۔"

"اوئیں جی۔ بڑھ بڑھ کر نہ بولو۔ وہ میرا شوہر ہے جیسا بھی ہے تم سے کوئی مطلب نہیں۔"

"مطلب ہے۔ کیونکہ اس نے جرم کیا ہے۔"

"او معاف کر دو جی اسے ٹھیک ہو جائے گا آہستہ آہستہ۔ بس ایک بار معاف کر دو۔"

"اور وہ جوان کی کار کی ٹکر سے زخمی ہو کر ہسپتال میں پڑا ہے؟" مضطرب صاحب بولے۔

"زخمی، کیا بہت زخمی ہو گیا ہے جی؟" خاتون نے پوچھا۔

"او ہو نہ پوچھئے آپ اس کے بارے میں۔ دونوں پاؤں ٹوٹ گئے ہیں۔ ایک ہاتھ ٹوٹ گیا ہے۔ سر پھٹ گیا۔ ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ دو پسلیاں کرچی کرچی ہو گئی ہیں۔ کیا کیا بتایا جائے آپ کو اس کے بارے میں۔"

"اور جی وہ زندہ ہے اب تک؟"

"ہاں جی زندہ ہے۔ اگر اس کا صحیح علاج ہو جائے تو شاید ٹھیک بھی ہو جائے اور اگر

مر گیا تو پھر رمضان صاحب پر قتل کا مقدمہ بھی چلے گا۔ جیل ہو جائے گی۔ ممکن ہے پھانسی بھی ہو جائے۔" مضطرب صاحب نے عورت کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اوئیں جی نہیں ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔ اس کا علاج کراؤ نا جی' کسی اچھے ڈاکٹر سے اس کا علاج کراؤ۔ سنو جی تم پولیس والے رشوت بھی تو لے لیتے ہو؟ تو کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم اس زخمی کے علاج کے لیے مجھ سے پیسے لے لو اور رمضان کو چھوڑ دو۔"

"ہاں۔" مضطرب صاحب گال کھجانے لگے۔ پھر بولے۔ "ہمیں رشوت کی ضرورت نہیں ہے بی بی۔ بس اس زخمی کا صحیح علاج ہو جائے۔ ممکن ہے اس طرح اس بے چارے کی جان بچ جائے اور یوں رمضان کی بھی جان بچ سکتی ہے۔ ورنہ آپ خود سمجھدار ہیں۔"

"او جی اس کی تم پرواہ نہ کرو۔ جیل میں تو اس کی ہڈیاں پسلیاں ایک کر دی جائیں گی' وہ گاؤں میں میرے چاچے کا ایک لڑکا تھا۔ رفیق نام تھا اس کا۔ پتا نہیں کیا حرکت کی تھی اس نے' جیل چلا گیا تھا۔ واپس آیا تو اپنے پیروں سے سیدھا نہیں چل پاتا تھا۔ رمضان تو ویسے ہی کمزور آدمی ہے۔ بتاؤ جی اس کے علاج پر کتنا روپیہ خرچ ہو جائے گا؟"

"جو کچھ بھی آپ دینا چاہیں گی دے دیں۔ ہم ڈاکٹروں کو ادا کر دیں گے۔" مضطرب صاحب نے ظفری کو دیکھا۔ ظفری خاموش بیٹھا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ صورت حال نے کئی رنگ بدلے تھے۔ مضطرب صاحب پروفیسر ڈی ڈی ٹی بنے ہوئے تھے اور جو الٹی سیدھی قلابازیاں کھا رہے تھے' ان میں سے کوئی بھی قلابازی ان دونوں کو بھی الٹا کر سکتی تھی۔ لیکن صورت حال کبھی الٹی کبھی سیدھی ہوتی جا رہی تھی۔ بیگم رمضان عادل چند ساعت سوچتی رہیں' پھر ان لوگوں سے اجازت لے کر اٹھ گئیں۔

مضطرب صاحب نے اضطراب آمیز نگاہوں سے ظفری کو دیکھا اور مدہم لہجے میں بولے۔

"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہو رہی مجھ سے؟ میرا مطلب ہے میرا پہلا کیس ہے' تم بھی مدد کرتے رہنا میری۔"

"پروفیسر صاحب جس قدر جلد ہو سکے نکل بھاگیں یہاں سے۔ اگر رمضان آ گیا تو پھر بھاگنے کا موقع زندگی بھر نہیں ملے گا۔" ظفری نے کہا۔

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں' پھنس گیا ہوں بس کیا عرض کروں' بخدا اس وقت تو جو کچھ بھی مل جائے وہی بہتر ہے۔"

"جو کچھ وہ لا کر دے خاموشی سے جیب میں رکھیں اور یہاں سے رفو چکر ہو جائیں۔"

"ہاں ہاں بالک میرا بھی یہی خیال ہے۔" مضطرب صاحب نے پراسرار نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اسی وقت مسز رمضان اندر آ گئیں۔ انہوں نے ایک رومال میں کچھ نوٹ لپیٹے ہوئے تھے۔

"یہ رکھ لو جی اور مجھ سے بات چیت کرتے رہنا۔ اور اگر کوئی اور ضرورت پیش آئے تو مجھے بتا دینا۔ میں اس زخمی کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوں جی۔"

"جی بہت بہتر۔" مضطرب صاحب نے رومال سمیت نوٹ لے کر جیب میں رکھ لیے تھے' انہوں نے نوٹوں کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ "تو اب ہمیں اجازت دیں۔" انہوں نے تیزی سے کہا۔

"ایک بات کا وعدہ کرو جی' میرے رمضان کو اب کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ اور اب تم اپنا قول پورا کرو گے۔"

"جی ہاں جی ہاں آپ مطمئن رہیں' ویسے یہ رمضان صاحب کس قسم کے آدمی ہیں' کہیں غلط چکروں میں پڑ کر یہ آپ سے دشمنی نہ شروع کر دیں۔" مضطرب صاحب نے کہا اور ظفری غصیلی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ لیکن مضطرب صاحب اس کی طرف متوجہ نہیں تھے۔

اس سوال پر خاتون نے ایک سرد آہ بھری اور بولیں۔ "رمضان کی حرکتیں اچھی نہیں ہیں جی۔ وہ مجھ سے بچا بچا رہتا ہے۔ لیکن میرا خیال تھا کہ بس یہ خاندانی معاملہ ہے۔ مگر اب پتا چلا کہ وہ مجھ سے بیوفائی بھی کر رہا ہے۔ خاتون کی آواز گلوگیر ہو گئی تھی۔

"عین ممکن ہے کہ وہ اپنی بری فطرت کی بناء پر آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"اونہیں جی' وہ مجھے کیا نقصان پہنچائے گا۔ اور پہنچا بھی دے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں جانتی ہوں وہ مجھے پسند نہیں کرتا۔"

"آپ جیسی شریف الطبع اور معاف کیجیے' خوبصورت خاتون کو پسند نہ کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"کوئی وجہ نہیں جی۔ بس وہ بگڑا ہوا ولایتی ہے۔ میرے باپ کے دور کے رشتے کے بھائی کا بیٹا ہے۔ میرے بابا بہت نیک آدمی تھے جی۔ رمضان کے باپ شعبان کو انہوں نے ہمیشہ اپنے پاس رکھا۔ ٹکڑ گدے ہیں جی یہ لوگ۔ میرے باپ نے ہمیشہ ان کی مدد کی۔ رمضان کو تعلیم بھی میرے باپ نے ہی دلائی جی۔ جب اس کا باپ مرا تو مرتے وقت اس نے ایک آرزو کی۔ اس نے کہا جی کہ جوان ہو کر میرا بیاہ رمضان سے کر دیا جائے۔ اور میرے باپ نے مرتے ہوئے شعبان سے وعدہ کر لیا جی۔ بس انہوں نے اس کی اور پڑھائی شروع کرا دی۔ اسے ولایت بھجوا دیا اور وہاں جا کر وہ زنانہ ہو گیا جی بگڑ گیا' سوکھ گیا۔ میں گاؤں کی پلی ہوں جی۔ ایک بھینس میرے نام تھی۔ جان تھی جی میرے اندر۔ اور باپ کی اکیلی ہونے کی وجہ سے میرے ٹور بھی زیادہ تھے۔ مگر جی اپنے شوہر کی ہمیشہ میں وفادار رہی مسلمان لڑکیوں کی طرح۔ تو جی وہ واپس آ گیا۔ مگر وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا تھا' مگر مجبور تھا۔ اور اس نے مجبوراً مجھ سے شادی کر لی۔ میں جی مزاج کی تیز ضرور ہوں مگر وہ میرا شوہر ہے۔ ہر عورت چاہتی ہے جی کہ اس کا مرد' مرد' مگر مجھے واقعی زنانہ ملا

تھا۔ سرخی پوڈر میں ڈوبا ہوا۔ میک اپ میں تین تین گھنٹے خرچ کرنے والا۔۔ بھلا یہ مردوں کی باتیں ہیں۔ مرد تو وہ ہوتا ہے جی جو عورت کی ذرا سی غلطی پر پر چار چوٹ کی مار مارے اس میں۔ اس کا ایک تھپڑ شکل بدل دے عورت کی۔ پر اس کا ہاتھ بطخ کے پیروں کی طرح ہے' ہڈی اور کھال' بس جی۔ میں برداشت کرتی رہی اسے اور جب مجھے وہ مرد نہ لگا تو میں مرد بن گئی۔ دیکھو نا جی گھر میں ایک مرد کا ہونا تو ضروری ہے۔ جو کام وہ نہ کر سکا وہ میں نے شروع کر دیے۔ اس نے مجھ پر ہاتھ نہ اٹھایا' میں نے اس کی مرمت شروع کر دی۔ وہ کہتا ہے کہ میں جاہل ہوں۔ تعلیم نہیں ہے میرے پاس۔ پر میں کہتی ہوں کہ جو بھی ہوں اس کی بیوی تو ہوں۔ اب وہ ہنسی خوشی میرے ساتھ زندگی بسر کرے۔"

مضطرب صاحب حیرت سے منہ پھاڑے یہ داستان سن رہے تھے۔ پھر انہوں نے گہری سانس لے کر کہا۔ "اس صورت حال پر ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔۔۔"

"جو کچھ کہا ہے بعد میں سنا دیں جناب۔ اگر وہ زخمی مر گیا تو؟" ظفری نے جلدی سے کہا۔ اور مضطرب صاحب سنبھل گئے۔

"اوہ جی ہاں۔ جی ہاں' ٹھیک ہے۔ آپ مطمئن رہیں خاتون ہم آپ کی پوری مدد کریں گے۔ اجازت دیجیے۔ خدا حافظ۔"

"سنو جی۔" ایک بات سنتے جاؤ۔ اگر رمضان کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی تو۔۔۔۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں۔ بالکل بے فکر رہیں۔" مضطرب صاحب اٹھتے ہوئے بولے اور دونوں باہر نکل آئے۔ ظفری نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے پوری رفتار سے آگے بڑھا دی تھی۔

رقم دس ہزار تھی اور مضطرب صاب نے نہایت دیانتداری سے اسے ان لوگوں کے حوالے کر دیا تھا' لیکن ابھی اس کی تقسیم کا وقت نہیں تھا۔ سعدی اور شکیلہ نے پورا کیس پوچھا اور

ظفری نے تفصیل بتا دی۔

"صورت حال ابھی اطمینان بخش نہیں ہے۔ میرے خیال میں یہ کیس ختم نہیں ہوا۔"

"اب کسی نئی صورت حال کی توقع نہ رکھی جائے، جو ہونا تھا ہو چکا ہے، اب مزید کچھ نہ ہوگا۔"

"ہم آپ سے متفق نہیں ہیں مضطرب صاحب۔ ان حالات کے نتائج دیکھنا ہوں گے۔" ظفری بولا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"تین دن انتظار کرنا ہوگا پروفیسر۔ آپ نے اس کیس کو ایک نیا رنگ بخش دیا ہے۔ وہ تو صرف تقدیر یاور تھی کہ ہم بغیر کسی پریشانی کے یہ حرکت کر آئے۔ اس کے علاوہ یہ رقم، صرف جعلسازی سے حاصل کی گئی ہے۔ اس کا حصول ضمیر کو مطمئن نہیں کرتا۔ صرف دھوکہ دے کر رقم حاصل کر لی ہے۔"

اس بات پر مضطرب صاحب گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ دیر تک سوچتے رہے۔ پھر وہ سعدی کی کرسی سے اٹھ گئے۔ "درست ہے۔ یہ تو درست ہے اس کا مطلب ہے کہ میں اس کرسی کے لائق نہیں نکلا۔ مجھے اعتراف ہے اور میں یہ کرسی چھوڑ رہا ہوں۔"

"نہیں مضطرب صاحب ابھی تشریف رکھیے۔ اس مسئلے کا کوئی حل تلاش کرنا ہے آپ کو۔" سعدی بولا۔

"میرا خیال ہے میں۔۔۔۔"

"نہیں نہیں ابھی ایسی کوئی بات نہیں۔ ہم آپ کے ماتحت ہیں، ہم بھی غور کریں گے۔ یہ تو مشترکہ معاملہ ہے۔ اس کیس کا جو بھی فیصلہ ہو۔ بہر حال یہ آپ کا کیس ہے۔" سعدی نے کہا۔ اور مضطرب صاحب پر اضطراب انداز میں بیٹھ گئے۔ ان کے چہرے پر پریشانی کے اثرات نمایاں تھے۔

لیکن دوسرے لمحے ان کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے۔ وہ سہمے ہوئے سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آنے والا رمضان عادل کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ رمضان کے چہرے پر تین جگہ ٹیپ چپکے ہوئے تھے۔ چال میں ہلکی سی لنگڑاہٹ تھی۔ مضطرب صاحب کو دیکھ کر اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

"ت۔ تشریف لائیے۔"

"تم میٹر ریڈر ہو؟ کیوں، اور تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"اندر ت تشریف۔۔۔۔" مضطرب صاحب ہکلائے۔

"میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔ کچا چبا جاؤں گا سمجھے۔" اس نے بدستور غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بجا ارشاد۔ اندر تشریف لے چلیں۔" مضطرب صاحب بولے۔

"اندر کے بچے کیا تم۔" اس نے مضطرب صاحب کے گریبان پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی۔ لیکن مضطرب صاحب نے اندر چھلانگ لگا دی۔ سعدی، ظفری اور شکیلہ گھبرا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ رمضان عادل ان کے پیچھے اندر گھس آیا۔

اسے دیکھ کر وہ تینوں بھی گھبرا گئے تھے۔ لیکن سعدی نے سنبھالا لیا اور کسی قدر کرخت لہجے میں بولا۔

"آ گئے آپ۔ تشریف لائیے۔ میں شدت سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔"

"فراڈ ہو تم لوگ۔ جھوٹے بے ایمان ہو۔ میں تم لوگوں سے اچھی طرح نمٹ لوں گا۔ میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔"

"بہتر ہے۔ نوٹ کر لیا ہے ہم نے۔" سعدی بولا۔

''میں تمہیں پولیس کے حوالے کردوں گا۔''

''جان سے مارنے سے پہلے یا بعد میں؟''

''تم سب لوگ۔ میں کہتا ہوں۔ یہ دونوں میری کوٹھی کیوں گئے تھے؟'' رمضان عادل گرج کر بولا۔

''اگر آپ شرافت سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں رمضان صاحب تو بیٹھ جائیے' ورنہ ایک لمحے میں باہر نکل جائیے۔ دوسری صورت میں۔'' سعدی نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھالیا۔

''کیا مطلب؟ کیا مطلب؟'' رمضان عادل کا منہ تعجب سے کھل گیا۔

''آپ جیسے لوگوں کی نشاندہی کے لیے پولیس ہمیں ہر ماہ معقول رقم دیتی ہے اور اس کی ہدایت ہے کہ آپ جیسے لوگوں کی نشاندہی میں دیر نہ کی جائے۔''

''یعنی۔ یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ یعنی ظلم مجھ پر ہوا ہے اور آپ۔ ارے ارے۔ یہ کیا کر رہے ہیں؟'' رمضان عادل نے سعدی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اسے نمبر ڈائل کرنے سے روک دیا۔

''یعنی اب آپ تشدد بھی کریں گے؟'' سعدی نے کہا۔

''نہیں۔ پلیز میری بات سن لیں۔ میں مظلوم ہوں۔ میرے پورے بدن میں درد ہو رہا ہے۔ آپ تصور نہیں کر سکتے میری کیا درگت بنی ہے۔ نوکر مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستے ہیں اور۔۔۔اور۔۔۔'' رمضان عادل کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ہاں اپنی مشکل بیان کریں تو دوسری بات ہے۔ پہلے بھی آپ سے کہا گیا تھا لیکن آپ کو نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔''

رمضان عادل کرسی پر بیٹھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ پھر اس نے اپنا چہرہ سہلاتے ہوئے کہا۔ ''کیا میرا گال سوجھ رہا ہے؟''

''جی نہیں' سب خیریت ہے۔'' سعدی بولا۔ ''کچھ پئیں گے آپ؟''

''کچھ نہیں بس ایک گلاس پانی پلوا دیجیے۔''

''مضطرب صاحب۔'' سعدی نے آواز دی اور مضطرب صاحب تیزی سے باہر نکل گئے۔ پانی کا پورا گلاس حلق میں ڈالنے کے بعد رمضان گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

''میرے ساتھ بہت برا سلوک ہوا ہے۔''

''نظر آرہا ہے۔'' سعدی بولا۔

''اور اس کی وجہ یہ دونوں حضرات ہیں۔''

''جی نہیں۔'' سعدی نے گردن ہلائی۔

''کک۔ کیا مطلب ہے آپ کا؟ کیا آپ اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کریں گے؟'' رمضان عادل غصیلے لہجے میں بولا۔ ''ہرگز نہیں انکار بھی کریں گے۔ لیکن اس کی وجہ آپ ہیں رمضان صاحب' بلکہ رمضانی صاحب۔'' سعدی بولا۔

''کک۔۔۔کیا مطلب ہے آپ کا؟''

''سنجیدگی سے بیٹھ کر گفتگو کریں تو آپ کو مطلب بھی بتایا جائے۔ ایسی بھاگ دوڑ میں ہم گفتگو کرنے کے عادی نہیں ہیں۔'' سعدی نے کہا۔

''میں سنجیدہ ہوں۔'' رمضان عادل بولا۔

''قطعی سنجیدہ؟''

''جی ہاں۔'' رمضان عادل نے ناک چڑھا کر کہا۔

''تو پھر ذرا تفصیل سے گفتگو ہو جائے۔ محترم رمضان عادل عرف رمضانی صاحب۔ آپ یورپ سے تشریف لائے ہیں یا لائے گئے تھے۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ بہر صورت آپ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہمارے ادارے کا اشتہار پڑھ کر آپ نے اپنے ذہن میں

ایک منصوبہ ترتیب دیا۔ آپ چاہتے تھے بلکہ آپ یہ سمجھے تھے کہ ہمارا ادارہ چوروں ڈاکوؤں اور قاتلوں کا ادارہ ہوگا یعنی ایسے یورپین ادارے کی مانند جس میں چند جرائم پیشہ افراد جمع ہوکر ہر قسم کی غیر قانونی کارروائیاں کرتے ہیں۔ وہ قتل و غارت گری بھی کرتے ہیں لڑائیاں بھی کرتے ہیں۔ جہاں انہیں مناسب مال نظر آتا ہے۔ وہاں وہ ہر قسم کی غیر قانونی حرکات کا ارتکاب کر لیتے ہیں اور اس میں انہیں کوئی عار نہیں ہوتا۔ کیا آپ کو علم نہیں ہے کہ ہماری حکومت ایسے اداروں کے لیے لائسنس جاری نہیں کرتی۔ اس کی بنیادی وجہ کیا ہے۔ کیا آپ نے کبھی اس کے بارے میں سوچا ہے؟"

"جی نہیں۔" رمضان صاحب عادل نے جواب دیا۔

"سوچنا چاہیے تھا آپ کو کیونکہ آپ اس ملک کے شہری ہیں۔ آپ یورپ کے انتہا پسندوں یا زندگی سے بیزار افراد کے درمیان نہیں ہیں جہاں افکار و اقدار کا فقدان ہے جہاں دولت کے حصول کے لیے ہر وہ کام کر لیا جاتا ہے جو کسی طرح سماج اور معاشرے کے معیار پر پورا نہیں اترتا۔ بیویوں اور شوہروں کے قتل عام کے قصے وہاں عام ہیں۔ کیا آپ پاکستان کو بھی وہی شکل دینا چاہتے ہیں؟" سعدی نے انہیں گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ م میرا مطلب ہے ہرگز یہ نہیں تھا کہ میں اپنی بیوی کو قتل کرا دوں۔"

"تو پھر کیا مطلب تھا آپ کا؟"

"بس میں چاہتا تھا کہ ہم دونوں کے درمیان طلاق ہو جائے۔"

"جی لیکن اس کی وضاحت آپ نے نہیں فرمائی۔ میرا خیال ہے آپ کے خیالات میں تبدیلی حال ہی میں رونما ہوئی ہے تاہم اگر آپ کا وہ مقصد بھی تھا تو بہر صورت ہم نے آپ کو پیشکش کی تھی کہ ہم آپ کی امداد کے لیے تیار ہیں۔ لیکن آپ نے اسے مسترد کر دیا اور یہاں سے چلے گئے۔"

"تت۔۔۔۔ تو آپ میرے پیچھے کیوں لگ گئے؟" رمضان عادل نے پوچھا۔

"محترم اس کی ایک بنیادی وجہ ہے وہ یہ کہ ہمارا ادارہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ چوروں اور قاتلوں کے گروہ کا اڈہ نہیں ہے۔ بلکہ ہم قانون کے دائرہ کار میں رہ کر لوگوں کی امداد کیا کرتے ہیں۔ آپ نے محترمہ سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ ہمارے ذہن میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ ہم نہ سہی کسی اور کے ذریعہ آپ یہ مذموم فعل انجام دے دیں گے۔ کیونکہ ضمیر فروشوں کی یہاں کوئی کمی نہیں ہے۔ چنانچہ ایک انسانی زندگی کی بقا کے لیے ہمیں میدان عمل میں آنا پڑا۔ اب ہم آپ کے نہیں جمیلہ بیگم کے محافظ ہیں۔ کیا سمجھے آپ؟"

"مل چکے ہو اس سے؟ کیا اسے کسی محافظ کی ضرورت ہے؟" رمضان عادل نے کٹنے لہجے میں کہا۔

"بدبختی یہی ہے کہ آپ نے یورپ میں پرورش پائی ہے۔ اور نہ جانے کتنے عرصہ قبل آپ یورپ سے تشریف لائے ہیں۔ لیکن ابھی تک خود کو یہاں کے ماحول میں ضم نہیں کر سکے۔ قبلہ مشرقی عورت کے ذہن میں ہمیشہ تحفظ کی طلب رہتی ہے بلکہ یوں سمجھ لیں یہ اس کی فطرت ہے جو بچپن سے پروان چڑھتی ہے۔ جب وہ معصوم ہوتی ہے تو باپ اس کا محافظ ہوتا ہے۔ باپ بوڑھا ہو جائے تو یہ ذمہ داری بھائی سنبھالتا ہے اور ان دونوں کے بعد شوہر۔ اس کی یہ ضرورت ہمیشہ رہتی ہے۔ اور اگر وہ محافظ سے محروم ہو جائے تو بری طرح بھٹک جاتی ہے۔ جیسے بیگم رمضان۔"

"کیا مطلب؟"

"بات ذرا تفصیلی ہے رمضان صاحب۔ آپ کچھ سوالات کے جواب دیں۔" سعدی ظفری اور مضطرب صاحب کی سنائی ہوئی کہانی کی روشنی میں بول رہا تھا اور انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سعدی رمضان کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔

"جی فرمائیے۔"

''عورت کی تین اقسام ہیں۔ قسم اول عورت، قسم دوئم عورت اور قسم سوئم بھی عورت۔ آپ اسے برہنہ کرکے سڑکوں پر لے آئیں۔ وہ عورت رہے گی حاکم مگر محکوم۔ آپ اسے لباس عطا کر دیں۔ وہ عورت رہے گی۔ آپ کی وفادار۔ آپ کی امین۔ آپ اسے سر پر بٹھا لیں، اس سے خوفزدہ رہیں وہ اس وقت بھی عورت رہے گی۔ آپ سے جھنجھلائی ہوئی آپ کی طالب۔''

''فلسفہ کبھی میری کھوپڑی میں نہیں اترتا۔''

''یہ آپ کی کھوپڑی کا قصور ہے اور کسی کا نہیں۔''

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' رمضان جھنجھلا کر بولا۔

''کہنا نہیں سننا چاہتا ہوں۔ آپ کو اپنی بیوی سے کیا اختلاف ہے؟''

''میں نے اسے کبھی بیوی نہیں محسوس کیا؟''

''کیوں؟''

''وہ ایک ایسے شخص کی بیٹی ہے جس نے میرے اوپر احسانات کیے تھے اور ان احسانات کا صلہ اس طرح وصول کیا کہ اسے میرے پلے باندھ دیا۔''

''آپ ابتداء ہی سے محترمہ سے نفرت کرتے ہیں؟''

''وہ جاہل ہے، اکھڑ مزاج ہے۔ میرے ساتھ بدسلوکی کرتی ہے۔''

''وہ مشرقی ہیں۔ مکمل عورت ہیں اور آپ سے بے پناہ محبت کرتی ہیں۔''

''تم اسے مجھ سے زیادہ جانتے ہو؟''

''جی ہاں، اس لیے کہ آپ نے انہیں جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اچھا اگر وہ سخت مزاج نہ ہوتیں تو آپ ان سے نفرت کرتے؟''

''شاید نہیں۔ لیکن مجھے یہ احساس ہمیشہ رہے گا کہ میں ان کے باپ کی دولت پر پلا ہوں۔''

''یہ آپ کا اپنا احساس ہے۔ آپ کی بیگم اس کا کبھی خیال بھی نہیں آیا ہوگا۔ آپ نے

اپنے احساس کے تحت خواہ مخواہ ان کی حکومت خود پر مسلط کر لی۔ کاروباری امور تو آپ چلاتے ہوں گے۔ آپ نے اس دولت کو فروغ دیا ہوگا۔ پھر آپ اس احساس کا شکار کیوں ہیں؟ آپ ان پر حکومت کریں، انہیں اپنے اشاروں پر نچائیں۔ چار دن میں کھیل بدل جائے گا۔''

''چار دن میں؟''

''صرف چار دن میں۔ انہیں اپنی پسند کا لباس پہنائیں۔ اگر میل وجاہت ہو تو حق مردانگی استعمال کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''آپ کیوں میری جان کے گاہک ہوئے ہیں۔ موت کے خواہشمند ہم میری؟'' رمضان صاحب بولے۔

''آپ عمل کریں رمضان بھائی۔ ادارہ آپ کی زندگی کی ذمہ داری قبول کرتا ہے۔ بلکہ تحریری طور پر لکھ کر دیتا ہے۔''

''میری حالت دیکھ رہے ہو؟'' رمضان نے کہا۔

''جی ہاں۔''

''یہ تمہاری وجہ سے ہوئی ہے۔ تم خفیہ پولیس والے بن کر گئے تھے نا؟''

''صرف اس لیے کہ ہم نے آپ کا کیس لے لیا تھا۔''

''مگر میرے اوپر الزام تراشی کیوں کی؟''

''واقعات کو آگے بڑھانے کے لیے۔'' سعدی نے جواب دیا۔

''مگر واقعات بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔'' رمضان نے کراہ کر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

''قطعی نہیں۔ بس آپ کو تھوڑی سی ہمت کرنی ہوگی۔ اگر ہم آپ کو ایک خوشگوار زندگی دے سکے تو ہمیں مسرت ہوگی اور آپ کو اپنی بیوی سے نجات حاصل کرنے کے لیے مجرموں کے کسی گروہ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ محترم یہ ہمارا ملک ہے ہم یہاں قتل و غارت گری کی رسم نہیں ڈالنا چاہتے ہم برائی کی جڑیں کھود پھینکنا چاہتے ہیں۔ جائیے رمضان صاحب آج سے ابتداء

کریں۔ صرف ایک ہفتہ۔ ایک آزمائشی ہفتہ۔ اور اس کے بعد ہمارا معاوضہ ہمیں ادا کریں۔ بشرطیکہ آپ کے ذہن میں کوئی اور گل نہ کھل رہا ہو؟''

''گل؟''

''جی ہاں۔ کوئی حسین پھول جسے دیکھ کر آپ کی آنکھوں میں روشنی پیدا ہو رہی ہو۔''

''اللہ کے واسطے میری جان بخشی کر دو۔ ایسی کوئی بات اس لیے کانوں میں نہ پہنچا دینا۔'' رمضان رو کر بولا۔

''بس تو پھر جائیے۔ لباس سے نکتہ چینی کی ابتداء ہونی چاہیے۔ کچھ برتن وغیرہ توڑیں۔ دروازے کو لات ماردیں۔ اور اس کے بعد آپ خود سمجھ دار ہیں۔''

''مروا دیا۔ بالکل مروا دیا۔ ایک وعدہ کرو۔''

''جی فرمائیے۔''

''جس وقت بھی میرا فون ملے' میری مدد کو پہنچ جاؤ گے؟''

''وعدہ۔'' سعدی نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رمضان عادل چلا گیا اور مضطرب صاحب خوفزدہ لہجے میں بولے۔

''ہسپتال سے واپسی پر وہ سیدھا یہیں آئے گا۔ اور اس بار پستول لے کر آئے گا۔ یہ میری پیش گوئی ہے۔''

''ہسپتال سے واپسی پر؟''

''تو اور کیا۔ جو مشورہ تم نے اسے دیا ہے' وہ اسے کم از کم ایک ماہ کے لیے ہسپتال ضرور پہنچا دے گا۔'' مضطرب صاحب بولے۔

''آپ نے کبھی شادی کی ہے مضطرب صاحب؟''

''شکل سے پاگل نظر آتا ہوں تمہیں؟''

''تو پھر جائیے یہ باتیں آپ کی سمجھ میں نہیں آئیں گی۔ جائیے آرام کیجیے۔'' اور

مضطرب صاحب چلے گئے۔ رقم کی تقسیم کے لیے پندرہ دن بعد کی ایک تاریخ متعین کر لی گئی تھی۔

لیکن ٹھیک ایک ہفتے کے بعد مضطرب صاحب چائے لینے گئے ہوئے تھے۔ لیکن وہ چائے کے بغیر آندھی طوفان کی طرح اندر آئے تھے۔

''بھاگو۔ نکل چلو اندر سے۔ میں کہتا ہوں جلدی کرو۔''

''کیا ہوا؟ کیا بدحواسی ہے مضطرب صاحب؟''

''پیلی کار نیچے آ کر رکی ہے۔ اس سے رمضان عادل اترا ہے۔''

''کیفیت کیا ہے؟''

''میں نے صرف اس کی شکل دیکھی ہے۔ ارے بھائی جلدی کرو۔ ارے بھائی جلدی کرو۔'' مضطرب صاحب خود دوسرے کیبن میں جا کر چھپ گئے۔ سعدی ظفری اور شکیلہ نے بھی ہنگامی حالات سے نمٹنے کے لیے تیاریاں کر لی تھیں۔

رمضان عادل کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر سب کی جان میں جان آئی تھی۔ رمضان صاحب سعدی اور ظفری سے بڑے پرخلوص انداز میں گلے ملے۔ اور پھر جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر سعدی کو پیش کر دی۔

''یہ حقیر نذرانہ قبول فرمائیے۔ میں بے حد شکر گزار ہوں۔''

''سب خیریت ہے نا؟''

''جی اللہ کا شکر ہے۔ بیگم ان دنوں ہسپتال میں ہیں لیکن بہت مطمئن اور مسرور دکھائی دیتی ہیں۔ اور مجھے سرتاج کہہ کر مخاطب کرتی ہیں۔''

''ہسپتال میں؟''

''جی ہاں۔ سر پھٹ گیا تھا ان کا۔ باقی سب خیریت ہے۔'' رمضان نے جواب دیا۔

☆......☆......☆

سب سے بڑا مسئلہ مطلق صاحب کا تھا۔ بیگم مطلق تو سیدھی سادی تھیں۔ کوئی بات ان کے پلے نہ پڑتی لیکن جناب مطلق جہاندیدہ تھے اور کسی بھی الٹی سیدھی بات پر ان کے کان کھڑے ہوسکتے تھے۔ بیگم صاحبہ تو دعوت دے کر چلی گئی تھیں لیکن یہ لوگ الجھن میں پڑ گئے۔

''اس دعوت کو ٹالا نہیں جاسکتا سعدی۔ ویسے بھی لوگوں سے ہمارے تعلقات ہونے چاہئیں۔ اس قسم کے ادارے اسی طرح چلتے ہیں۔ میرے خیال میں بیگم صاحبہ تو اب ہماری مستقل گاہک بن گئیں۔ کسی بھی مشکل میں پڑیں تو ہماری ہی مدد حاصل کی جائے گی۔''

''میرا خیال کچھ اور ہے ظفری۔'' سعدی بولا۔

''کیا؟''

''بیگم ہدایت پور ہمارے سلسلے میں جذباتی ہوگئی ہیں۔ یوں بھی معاملہ بے حد گمبھیر تھا۔ عزت پر آبنی تھی۔ میرے خیال میں ہم لوگ ان کے لیے کافی کارآمد رہے ہیں۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ابتداء میں وہ بے حد پریشان تھیں۔ جب میں نے انکشاف کیا کہ میں ان کا داماد نہیں ہوں تو گویا انہیں نئی زندگی ملی تھی۔ بیگم صاحبہ سے اچھی جان ہوگئیں۔ لیکن یار سعدی کہیں معاوضے کی رقم گول نہ ہوجائے۔''

''ویسے اصولاً تو اس کی ادائیگی ہوچکی ہے۔ بلکہ پچیس ہزار کے بجائے تیس ہزار وصول ہوگئے۔ اس کے بعد ہمیں کوئی معاوضہ نہیں لینا چاہیے۔ شکیلہ نے کہا۔

''یا پیرو مرشد۔ بعض اوقات آپ پٹڑی سے اتر جاتی ہیں۔ عزیزم یہ دولت اس کائنات کی سب سے بڑی چیز ہے۔ تمام رشتے ناتے اس کے درمیان آ کر بری طرح پس جاتے ہیں۔ کوئی رشتہ کسی کو کچھ نہیں دیتا۔ دولت کے ذریعے جو رشتہ قائم ہو وہ سب سے زیادہ مستحکم ہوتا ہے۔ اور پھر بات کسی طور غیر اصولی نہیں ہے۔ ہمیں فون ان زوجۂ غیر منکوحہ نے کیا تھا۔ ان کی مشکل یہ تھی کہ وہ کسی کو اپنا شوہر نامدار ظاہر کر کے اس رشتے سے جان بچانا چاہتی تھیں۔ سو ان کی جان بچ گئی۔ معاوضہ مع بخشش وصول۔ دوسرا کیس بیگم صاحبہ کا تھا۔ اور اس کی نوعیت بھی الگ تھی۔ یعنی وہ چاہتی تھیں کہ نواب جلال الدین اپنی زبان سے اس رشتے سے انکار کردیں۔ اور وہ کام ہوگیا جو وہ کسی اور ذریعے سے نہیں کرسکتی تھیں۔ وہ معاوضہ تو الگ ہوا۔''

''ان حالات میں معاوضہ مانگو گے؟'' شکیلہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''اصل معاملہ تو یہی ہے۔ بہرحال امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ دعوت پر چلنا ضروری ہے۔ آگے تقدیر ہے۔'' ظفری نے گہری سانس لے کر کہا۔

''معاملہ وہی مطلق صاحب کا آپڑتا ہے۔'' سعدی نے کہا۔

''کوئی بات نہیں رسک لیا جاسکتا ہے۔ بیگم ہدایت پور کو ہدایت کردی جائے کہ وہ ان لوگوں کے سامنے ڈی ڈی لمیٹڈ کے بارے میں کوئی گفتگو نہ کریں۔''

''سیدھا راستہ اپناؤ۔ سیدھی سی پالیسی ہے۔ بلاوجہ الجھنوں میں پڑنے سے کیا فائدہ؟'' شکیلہ نے کہا۔

''تو پیرو مرشد پھر ان بے چاروں کو بھی کیوں الجھن میں رکھا جائے میری مراد مطلق صاحب وغیرہ سے ہے۔ کیوں نہ ہم انہیں بھی اپنے کاروبار کے بارے میں بتادیں۔ کوئی غلط کاری تو نہیں کررہے ہم۔'' ظفری بولا۔

''جلدی نہیں ہے کسی مناسب موقع پر سہی۔'' شکیلہ نے جواب دیا۔

''اس سلسلے میں ہمیں احتیاط کرنی ہوگی۔ نہ جانے آگے چل کر کیا کیا کرنا پڑے۔ مطلق

صاحب ٹھہرے سیدھے سادے شریف آدمی۔ کہیں خود بھی دفتر میں بیٹھنے کی پیشکش نہ کر دیں۔''

''ارے باپ رے۔ ہاں اس بات کے امکانات تو ہیں۔''

''میرے خیال میں ہم فضول باتوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ کل کے بارے میں سوچو۔'' شکیلہ نے کہا۔

''بس سوچ نا لیا ہے۔ کل چلیں گے۔ ایک گاڑی کرائے پر حاصل کر لیں گے۔'' شکیلہ نے بات ختم کر دی۔

''میں کہتی ہوں دعوت میں جا رہے ہو یا بر دکھاوے میں۔ بس تیار بھی ہو چکو دیر ہو رہی ہے۔'' بیگم صاحبہ نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔ اور مطلق صاحب نے پرفیوم کی شیشی رکھ دی۔

''کمال ہے بھئی۔ محلہ گھانچی پورہ نہیں جا رہے۔ ہدایت پور جا رہے ہیں' ہدایت پور۔ اور وہ بھی بیگم نواب ہدایت پور کے مہمان بن کر۔ نہ جانے آپ کو کیا ہو گیا ہے اہلیہ۔ کہاں ہمارے بننے سنورنے کے دوران سامنے کھڑی رہتی تھیں کہ کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے۔ اور آج کیا ہوا۔ یہ ذرا برش تھامیے اور پشت سے شیروانی صاف کر دیجیے۔'' مطلق صاحب نے برش بیگم صاحبہ کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

''توبہ ہے' کتنی تیز بو آ رہی ہے۔ پرفیوم کی شیشی میں کچھ چھوڑا ہے آپ نے۔'' بیگم صاحبہ نے ان کی شیروانی میں کھریرا کرتے ہوئے کہا۔

''چھوڑنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آپ تم مجسم خوشبو ہیں اور یہ مصنوعی خوشبو آپ کے بدن کی بھینی بھینی خوشبو کے سامنے بے حقیقت ہے۔ اس لیے آپ کو تو اس کی ضرورت ہی نہ تھی' سو ہم نے استعمال کر ڈالی۔ اب بار بار ایسی دعوتیں کہاں ملتی ہیں۔ اور پھر ایسی چیزوں سے شخصیت بنتی ہے۔ ہمارے بچوں کا حلقہ احباب معمولی نہیں ہے۔ ہو گئیں فارغ آپ؟''

''ہو گئی۔'' بیگم صاحبہ نے برش ایک طرف ڈال دیا۔

''بچے تیار ہو کر ہمیں پوچھیں تو کہیں بس دس منٹ تک آئے۔ یہ گئے اور وہ آئے۔''

مطلق صاحب نے کہا۔

''کہاں چلے؟ کہاں چلے؟'' بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

''بس وہ ذرا توفیق صاحب سے مل آئیں۔ بتائیں گے انہیں کہ کہاں جا رہے ہیں؟ ہونہہ' کہتے تھے صاحبزادہ گان رنگ محل میں ویٹر ہیں' ویٹر اب ذرا دیکھیں کہ یہ ہوٹل کے ویٹر کیا اہمیت رکھتے ہیں۔''

''ساری عمر گزر گئی یہ اوچھی حرکتیں نہ گئیں۔ توفیق صاحب کے ہاں جا کر لگا دینا کئی گھنٹے۔ میں کہتی ہوں چپکے بیٹھے رہو۔ اب زیادہ وقت نہیں ہے۔'' بیگم صاحبہ نے ان کی آستین پکڑتے ہوئے کہا اور مطلق صاحب مجبوراً خاموش ہو گئے۔

شکیلہ' ظفری اور سعدی تیار تھے۔ بس اس جوڑے کی تیاریوں کا معاملہ تھا۔ سو بہرحال وہ وقت بھی آ گیا جب اندر سے تیاریاں مکمل ہو جانے کی اطلاع ملی اور تھوڑی دیر کے بعد کرائے کی کار ہدایت پور کی طرف چل پڑی۔

باقی تو سب ٹھیک تھا لیکن مضطرب صاحب کی رگ شاعری کئی بار پھڑکی تھی اور انہوں نے گردن موڑ کر چیلنج کرنے والی نگاہوں سے مطلق صاحب کو دیکھا تھا۔

مطلق صاحب بھی ایک بہادر شاعر کی طرح مقابلے پر آمادہ تھے۔ لیکن بیگم صاحبہ انہیں سنبھالے ہوئے تھیں اور ظفری اور سعدی مضطرب کو۔ مضطرب صاحب اگلی سیٹ پر ظفری کے ساتھ بھنچے بیٹھے ہوئے تھے۔ دوسری طرف سعدی ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ چنانچہ دونوں مطلق صاحب کو پہلو بدلنے کا موقع بھی نہیں دے رہے تھے۔

عقبی سیٹ پر بیگم صاحبہ' شکیلہ اور مطلق صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔

''میں کہتی ہوں یہ بار بار تم گاڑی سے اتر کر بھاگنے کی کوشش کیوں کرنے لگتے ہو؟'' بیگم صاحبہ سرگوشی کے انداز میں بولیں۔

''کون بھاگ رہا ہے؟ خواہ مخواہ فضول باتیں مت کیا کرو۔ میں تو بس سنبھل کر بیٹھ رہا

ہوں۔تم بھی ذرا کھسک کر بیٹھو شیروانی پر شکنیں پڑ جائیں گی۔"

"تو اتار کر رکھ لو۔گاڑی سے نیچے اترنے کے بعد پہن لینا۔"

"ارے واہ اتار کر رکھ لوں۔تا کہ ساری شخصیت خراب ہو کر رہ جائے۔"

دوسری طرف ظفری مضطرب صاحب کے کان میں سرگوشی کر رہا تھا۔

"خاموش بیٹھے رہیے مضطرب صاحب اگر ایک بھی شعر آپ کی زبان سے پھسلا تو یوں سمجھ لیجیے کہ آپ گاڑی سے پھسل کر نیچے گر پڑیں گے۔"

"ایں۔شعر۔ارے وہ ہاں۔نہیں نہیں' بس یونہی یہ موسم یہ فضائیں' یہ رت' غپ۔ مضطرب صاحب کا منہ ظفری کے چوڑے پنجے کے نیچے دب کر بند ہو گیا۔ظفری نے پھر ان کے کان میں سرگوشی کی۔

"اگر فضاؤں' ہواؤں اور آسمانوں کا تذکرہ ہوا تو ہونٹوں کے ساتھ ناک بھی بھینچ جائے گی اور اس کے بعد قبرستانوں کا تذکرہ کرنا پڑے گا۔سمجھے آپ؟" مضطرب صاحب نے خوفزدہ انداز میں گردن ہلا دی۔ظفری نے ہاتھ ہٹایا تو وہ گہرے گہرے سانس لینے لگے۔

"عجیب دعوت ہے۔یوں لگتا ہے جیسے آپ ہمیں اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔" مضطرب صاحب نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں' آدم خوروں کے ایک قبیلے میں لے جائیں گے آپ کو اور وہاں سلاخوں پر بھون کر آپ کو کھایا جائے گا۔" سعدی نے جواب دیا۔مضطرب صاحب ہنسنے لگے۔

کار برق رفتاری سے ہدایت پور کی طرف بھاگ رہی تھی اور پھر بیگم جہاں آراء ہدایت پور کے محل کے صدر دروازے پر خود بیگم جہاں آراء' ان کے سیکرٹری طارق اور چند معزز لوگوں نے ان کا استقبال کیا۔کار صدر دروازے پر ہی روک دی گئی اور تمام افراد نیچے اتر آئے۔

پروقار بیگم صاحبہ بڑی محبت سے بیگم مطلق صاحبہ سے ملیں۔بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

جس وقت وہ سعدی اور ظفری کے سر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد واپس پلٹیں تو مطلق صاحب نے بھی

گردن جھکانے کی کوشش کی تھی۔اور پھر جھینپے ہوئے انداز میں کھڑے ہو گئے تھے۔بیگم جہاں آراء کے ہونٹوں پر سبک سی مسکراہٹ تھی۔وہ پر اخلاق انداز میں انہیں اندر لے گئیں اور ایک عظیم الشان ڈرائنگ روم میں انہیں بٹھایا گیا۔

بیگم مطلق کے تو حواس گم ہوتے جا رہے تھے۔یہ کروفر اور یہ شان دیکھ کر وہ ششدر تھیں اس سے قبل ایسا واسطہ نہیں پڑا تھا۔سیدھی سادی خاتون تھیں۔سیدھے سادے لوگوں سے ان کا واسطہ تھا۔لیکن یہاں کے تو طور ہی مختلف تھے۔بیگم جہاں آراء ہدایت پور ان کی اس کیفیت کو محسوس کر رہی تھیں اور ان کی دلجوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھائی جا رہی تھی۔وہ بیگم صاحبہ کے ساتھ ایک صوفے پر بیٹھ گئیں۔

"آپ لوگوں سے مل کر بڑی مسرت ہوئی ہے۔سعدی اور ظفری جیسے ہونہار بچوں کے بزرگ میرے لیے جس قدر قابل احترام اور قابل عزت ہیں اس کے بارے میں' میں صحیح الفاظ بیان نہیں کر سکتی' آپ نے میری یہ حقیری دعوت قبول کر کے میری جو عزت افزائی کی ہے اس کے لیے میں آپ کی احسان مند ہوں۔"

"بخدا آپ انکساری کی آخری حدود کو چھو رہی ہیں۔بیگم صاحبہ شعر کی زبان میں عرض کرتا لیکن مجھے ممانعت کر دی گئی ہے کہ شاعری کو صندوق میں بند رکھوں اور آپ کے شایان شان گفتگو کروں۔" مطلق صاحب نے کہا۔

"او ہو تو آپ شاعر ہیں؟" بیگم صاحبہ نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"حضور والا' مطلق تخلص کرتا ہوں۔"

"واقعی واقعی' بڑا اچھا تخلص ہے۔پھر کبھی آپ کے اعزاز میں ایک مشاعرہ رکھیں گے۔"

"جی۔" مطلق صاحب مسرت سے اچھل پڑے۔

"جی ہاں' ہمیں بھی شعر و شاعری سے بڑا شغف رہا ہے۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"اچھا۔" مطلق صاحب کے لہجے میں استعجاب تھا۔

"جی ہاں نواب صاحب آف ہدایت پور تو اکثر مشاعرے منعقد کراتے رہتے تھے۔ ان میں بڑے بڑے شعرائے کرام شرکت کرتے تھے' لیکن ان کے انتقال کے بعد ہم اس نعمت سے محروم رہ گئے۔ بس حالات ہمیں اس کی اجازت ہی نہیں دیتے کہ ہم اس سلسلے میں اپنی خواہشات کی تکمیل کریں۔لیکن ٹھیک ہے آپ سے ملاقات ہوگئی ہے۔تو پھر اب اس سلسلے میں بھی آپ ہی کا سہارا لیا جائے گا۔"

"بندہ بسروچشم حاضر ہے' جس طرح سے حکم ہوگا' مشاعرے کا انتظام ہوجائے گا۔ایسا مشاعرہ ہوگا جو صدیوں یاد رہے گا۔" مطلق صاحب فوراً انبساط سے جھوم کر بولے۔

بڑی مسرت ہوئی آپ لوگوں سے مل کر' ویسے بھی میں ان حیرت انگیز نوجوانوں کے بزرگوں کو دیکھنا چاہتی تھی' آپ لوگ تصور نہیں کرسکتے کہ مجھے سعدی' ظفری اور شکیلہ سے کس قدر محبت ہے۔ یہ سب مجھے اپنے ہی بچے معلوم ہوتے ہیں۔اور اب آج اس وقت جب آپ سب لوگ میرے سامنے موجود ہیں۔ میں اپنی ایک دلی خواہش کا اظہار کرتی ہوں کہ اگر آپ مجھے اپنے اہل خاندان میں سے ہی تصور کرلیں' تو یہ میری انتہائی خوش بختی ہوگی۔"

"جی میں نہیں سمجھا' بیگم صاحبہ۔" مطلق صاحب نے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ آپ لوگ کوئی بھی ہیں' کہیں بھی رہتے ہیں' مجھے بھی اپنوں ہی میں سے سمجھیں۔کبھی کوئی ضرورت' کوئی الجھن' کوئی پریشانی مجھے ہو یا آپ کو ہو۔میری خواہش ہے کہ ہم لوگ اس میں برابر کے شریک رہیں۔"

"بھلا یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔آپ جیسا خلوص' آپ جیسا پیار کسی کو مل جائے تو اسے کچھ اور درکار ہوگا؟" مطلق صاحب فٹافٹ بول رہے تھے۔باقی لوگ مسکرارہے تھے۔البتہ بیگم مطلق کی آنکھوں میں ناخوشگواری کے اثرات تھے۔شوہر کی یہ بک بک انہیں زیادہ پسند نہیں آرہی تھی۔

سادہ دل بیگم صاحبہ ان کی بڑی تواضع کررہی تھیں۔انہوں نے کسی طور پر محسوس نہیں

ہونے دیا تھا کہ وہ بڑی شخصیت ہیں۔ برابر کا درجہ دیا تھا انہوں نے ان سب کو۔البتہ یہ بات انہوں نے محسوس کرلی تھی کہ مطلق صاحب اور بیگم مطلق اس سطح کے لوگ نہیں ہیں جس کے یہ تینوں نظر آرہے تھے۔فراخدل اور کشادہ ذہن کی مالک تھیں۔اس لیے انہوں نے اس بارے میں چھان بین نہیں کی۔کہنے لگیں۔

"اب آپ لوگ میری خواہش پر یہاں آئے ہیں تو ایک اور خواہش کی تکمیل بھی کریں۔میں کچھ روز آپ لوگوں کو یہاں رکھوں گی۔پھر جانے دوں گی۔"

"کچھ روز؟" سعدی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔کیا حرج ہے۔کاروبار تو ساری زندگی ہوتا ہی رہتا ہے۔میری بھی کچھ خواہشات ہیں' تم ان سے انحراف کروگے؟" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے بیگم صاحبہ' بس کاروباری معاملات ہی ہیں' بہت سی ضرورتیں ہوتی ہیں جنہیں نمٹانا ہوتا ہے۔آپ کو تو اس کا علم ہے ہی۔" سعدی نے کہا۔

"دیکھو سعدی' اوّل تو مجھے تمہاری یہ بھول جانے کی عادت بالکل ناپسند ہے' چچی جان کہتے کہتے بیگم صاحبہ پر اتر آتے ہو۔کیا میری شکل پر بیگم صاحبہ لکھا ہوا ہے۔"

"نہیں۔اس کے لیے معذرت خواہ ہوں۔" سعدی بولا۔

"بہر طور کوئی بھی کام ہو ایک دو دن تو یہاں رکو۔میں اس طرح نہیں جانے دوں گی۔"

"اوہ جو حکم' ویسے ہم ان تیاریوں کے ساتھ نہیں آئے تھے۔" سعدی نے کہا۔

"تیاریاں کیا کرتی ہیں' کیوں بہن کیا آپ کو کوئی مشکل پیش آئے گی۔" بیگم صاحبہ نے مطلق سے پوچھا۔

"نہیں کوئی مشکل تو نہیں ہے۔بس گھر کو یونہی چھوڑ آئے تھے۔"

"آپ فکر نہ کریں' سب ٹھیک رہے گا۔" بیگم صاحبہ مصر ہوگئی تھیں۔بہرصورت انہوں نے کسی نہ کسی طرح ان لوگوں کو مجبور کرہی لیا۔

سعدی اور ظفری کے لیے یہ غیر متوقع تھا' لیکن بیگم صاحبہ کے خلوص کے سامنے وہ بھی کچھ نہ بول سکے۔ رات کا کھانا کھایا گیا۔ لیکن شام سے لے کر اب تک سمن نظر نہ آئی تھی' ان لوگوں نے پوچھا بھی نہیں تھا اس کے بارے میں۔ البتہ بیگم مطلق نے بیگم جہاں آراء ہدایت پور کے بچوں کے بارے میں سوال کر ڈالا تھا۔

''ایک بچی ہے بس' اس کی اپنی مشغولیات ہیں' موجود نہیں ہے اس وقت' جونہی آئے گی آپ کو سلام کرنے ضرور حاضر ہوگی۔'' بیگم جہاں آراء نے جواب دیا۔

مطلق صاحب موقع نکال کر ایک آدھ شعر دھکیل چکے تھے۔ البتہ انہیں کھل کھیلنے کا موقع نہیں مل رہا تھا' کیونکہ اس موضوع پر بات ہی نہیں آتی تھی۔ بڑی مشکل سے گھیر گھار کر وہ اس موضوع پر آتے لیکن درمیان میں کوئی اور بات نکل آتی۔ مضطرب صاحب بے چارے اب اس محفل سے ہٹ گئے تھے۔ اور کسی کو دوست بنا کر اس محل کی سیاحت میں مصروف تھے۔

رات ہوگئی' تقریباً گیارہ ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ تب بیگم صاحبہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بھئی میں اپنی فضول باتوں میں آپ لوگوں کو الجھائے ہوئے ہوں۔ نہ جانے آپ لوگ کس وقت سوتے ہیں۔ میں بہن کو تو اپنے ساتھ ہی سلاؤں گی۔ باتیں کریں گے دیر تک۔'' بیگم صاحبہ نے بیگم مطلق کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ مطلق صاحب گہری سانس لے کر خاموش ہوگئے۔

سعدی' ظفری' شکیلہ اور مطلق صاحب وغیرہ کا بندوبست بھی ہوگیا تھا۔ سعدی اور ظفری کو ایک ہی کمرہ ملا تھا۔ شکیلہ البتہ دوسرے کمرے میں تھی۔ مطلق صاحب نے مضطرب صاحب کے ساتھ ایک رات گزارنا پسند کر لیا تھا۔ لیکن سعدی اور ظفری کو یقین تھا کہ صبح بڑی ہنگامہ خیز ہوگی۔ دونوں جانی دشمن ہوں گے ایک دوسرے کے۔ کیونکہ اشعار کی چوری میں دونوں ہی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

سعدی اور ظفری اپنے ذہن میں بے شمار خیالات لیے ہوئے الگ الگ مسہریوں پر

دراز تھے' دونوں ہی کو نیند نہیں آتی تھی' یہ لمحات ان کے لیے بڑے عجیب سے تھے۔ گھریلو زندگی کو تو وہ ایک طرح سے بھول ہی گئے تھے۔ طویل عرصہ اس طرح گزارا تھا کہ سڑکیں' گلیاں اور فٹ پاتھ۔ گھر آنگن اور دیواریں محسوس ہوتے تھے۔ کھلا آسمان چھت تھی اور سڑکوں پر آوارہ پھرنے والے بیشمار افراد ان کے اہل خاندان۔

پھر ان کی شاطرانہ چالوں نے مطلق صاحب کے گھرانے کو ان سے مانوس کرا دیا تھا۔ اور وہ اس گھر سے پوری طرح مخلص ہوگئے تھے۔ انہیں ایک گھر مل گیا تھا' جو ان کے لیے انتہائی قابل قدر تھا۔ زندگی نے جن راستوں پر لا ڈالا تھا' ان راستوں سے واپسی مشکل تھی۔ لیکن وہ جعل سازی اور فریب کے ذریعے روزی حاصل کرنے کی بجائے ایک ایسی لائن کی طرف مڑ گئے تھے جو سماج اور معاشرے کی نگاہ میں اتنی بری نہیں تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ فطرتاً سب کچھ کر لینے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔ لیکن جب حالات نے انہیں اتنا تحفظ مہیا کیا تھا' تب دل ہی دل میں انہوں نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ قانون یا اخلاق کے خلاف کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جو مالی منفعت تو دے دے لیکن ذہنی کرب کا شکار بھی رکھے۔ اور ضمیر پر کچوکے پڑتے رہیں۔

تینوں کے درمیان یہ بات طے ہوگئی تھی کہ غیر قانونی کام کو کسی بھی طور پر ہاتھ نہیں لگانا ہے اور ابھی تک وہ اپنے اسی عزم پر کاربند تھے۔

بیگم صاحبہ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا' جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس میں کوئی غلط بات شامل نہیں ہوئی تھی لیکن بہرصورت بیگم صاحبہ نے انہیں ضرورت سے زیادہ اہمیت دے ڈالی تھی اور بالکل اپنوں کے سے انداز میں انہیں یہاں رکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ تم سو نہیں رہے' پھر سونے کی اداکاری کیوں کر رہے ہو۔'' سعدی نے ظفری سے کہا اور ظفری کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

''میرا خیال ہے' مجھے یہاں نیند نہیں آئے گی۔ اجنبی جگہ ہے۔'' ظفری نے کہا۔

''یار ظفری' انسان کس قدر جلد خود کو بھول جاتا ہے' تھوڑے دن پہلے ہم کسی بھی فٹ

پاتھ پر بآسانی سو جایا کرتے تھے' اکثر یوں بھی ہوا کہ پولیس والوں نے ہمیں ایک فٹ پاتھ سے ہٹایا تو باقی رات ہمیں کسی دوسری فٹ پاتھ پر گزارنی پڑی لیکن آج ان آرام دہ بستروں پر بھی ہم نیند سے محروم ہیں۔" سعدی نے کہا۔

"ہاں بس انسانی فطرت ہے۔ظفری گہری سانس لے کر بولا۔

"اس فطرت میں حقیقت پسندی ہمیشہ شامل ہونی چاہیئے ظفری۔" سعدی نے جواب دیا۔

"بھائی میاں یہ فلاسفری کا وقت ہے۔ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرو۔ میرا خیال ہے صبح ناشتے کے بعد بیگم صاحبہ سے اجازت لے لیں گے۔ بلاوجہ یہاں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔" ظفری بولا اور سعدی مسکرانے لگا۔

"وہ تمہاری زوجۂ محترمہ کہاں ہیں؟ ان سے ملاقات نہیں ہوئی؟" سعدی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"سمن؟" ظفری بولا۔

"ہوں ہوں۔کوئی چور لگتا ہے دل میں بڑے بھائی۔زوجۂ محترمہ کے نام کے ساتھ ہی سمن کا تصور کیوں ابھر آیا تمہارے ذہن میں؟"

"گویا تم مجھے گھیرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ بہر حال پتا نہیں ممکن ہے ہم سے ملنا پسند نہ کیا ہو۔" ظفری نے جواب دیا۔

سونے کی کوشش کے باوجود نیند نہیں آ رہی تھی' اس وقت غالباً رات کا ایک بجا تھا جب اوپر کے روشندان سے کوئی چیز ظفری پر گری اور ظفری چونک پڑا۔

اس نے اس چیز کو دیکھا۔ کاغذ میں لپٹا ہوا ایک گول سا پتھر تھا۔ بے اختیار ظفری کی نگاہیں چھت کی طرف اٹھ گئیں۔ اس چھت میں بھی روشندان موجود تھا۔ ظفری' مسہری سے نیچے اتر آیا۔

"کون ہے؟" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ سعدی بھی اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"افسوس روشن دان تنگ ہے اس لیے میں گردن بھی نہیں نکال سکتی' چلو باہر آ جاؤ۔ مجھے یقین نہیں تھا کہ تم جاگ رہے ہو گے۔" آواز سمن ہی کی تھی۔

سعدی معنی خیز نگاہوں سے ظفری کو دیکھ رہا تھا اور ظفری گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"آج کیا مصیبت نازل ہوئی ہے آپ پر محترمہ؟"

"میں بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔ باہر آ جاؤ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" سمن کی آواز سنائی دی اور ظفری سعدی کی طرف دیکھنے لگا۔

"چلے جاؤ بھائی' غیر منکوحہ ہی سہی' زوجہ تو ہیں۔" سعدی آہستہ سے بولا اور ظفری نے گردن جھٹک دی۔

"یار یہ کہیں مصیبت نہ بنا دے۔"

"ارے جا جا ایک لڑکی سے اتنا خوفزدہ ہے۔ تو دنیا میں آئندہ کیا کرے گا۔" سعدی نے ظفری کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"تم پہنچ رہے ہو یا نہیں۔۔۔۔؟" روشندان سے سمن آراء کی آواز سنائی دی۔

"باہر نکل کر کیا کروں محترمہ یہ تو بتا دیجیے۔" ظفری نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میں تمہارے دروازے کے سامنے آ رہی ہوں۔ بس اس کے بعد بتا دوں گی کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟ ویسے سعدی تمہارے ساتھ ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

"جاگ رہے ہیں؟"

"جی ہاں۔ اور آپ کی یہ دھمکیاں بخوبی سن رہے ہیں۔" ظفری نے جواب دیا اور اوپر سے ایک ہلکی سی ہنسی کے بعد آواز بند ہو گئی۔ ظفری ایک گہری سانس لے کر دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ پھر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

راہداری تھی جو سنسان پڑی ہوئی تھی۔ اس میں مدہم سی روشنی تھی' تھوڑی سی آگے چل کر یہ راہداری بائیں سمت مڑ جاتی تھی۔ اس طرف تین سیڑھیاں تھیں اور اس کے بعد کوٹھی کا عقبی حصہ شروع ہو جاتا تھا۔

سیڑھیوں سے ثمن برآمد ہوئی۔ مخصوص قسم کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ جو بہرطور کسی طرح سونے کا نہیں تھا۔ بال بکھرے بکھرے سے تھے' چہرے پر وہی لاپروائی اور وہی شرارت موجود تھی۔ جو اس کی فطرت کا خاصہ لگتی تھی۔

''ہوں تو آپ حضرات بیگم ہدایت پور کے مہمان ہیں۔'' اس نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہا۔

''اگر آپ کی مرضی کے خلاف ہے تو واپس بھی جا سکتے ہیں۔ ویسے بیگم صاحبہ نے بڑی محبت سے بلایا تھا۔'' ظفری بولا۔

''آؤ' مجھ سے اوور ایکٹنگ مت کیا کرو' ثمن نے کہا اور اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں اتر گئے۔ دونوں سیڑھیوں کی سیدھ میں بائیں باغ کے ایک مخصوص حصے میں پہنچ گئے تھے۔ یہاں لمبی لمبی باڑھیں لگی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان بیٹھنے کی جگہ موجود تھی۔ ثمن پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئی۔ ظفری اس سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا تھا۔

''بیٹھ جاؤ' کھڑے کھڑے کیا کسی کو آواز دینے کا ارادہ ہے؟'' ثمن نے کہا اور ظفری گہری سانسیں لے کر بیٹھ گیا۔

''اگر کام میری مرضی کے مطابق نہ ہو جاتا تو میں تمہیں شوٹ کر دیتی۔'' ثمن نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''سبحان اللہ' تمہید عمدہ ہے۔ مرنے مارنے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ کون سے کام کی بات کر رہی ہیں آپ خاتون ثمن؟''

''دیکھو ظفری میں نہایت دوستانہ انداز میں تم سے پیش آتی رہی ہوں اور اس کی بنیادی

وجہ یہ ہے کہ میری فطرت میں ہی یہ چیز ہے۔ میں کبھی کسی کو خود سے کمتر نہیں سمجھتی۔ اور خود سے برتر نہیں سمجھتی۔ لیکن اگر کوئی میرے سامنے چالاک بننے کی کوشش کرے تو پھر مجھے اس پر تاؤ آجاتا ہے۔''

''میں نے کوئی ایسی جرأت کی ہے خاتون؟''

''تم۔۔۔تم میری ماں کی نگاہوں میں میری پوزیشن بے حد خراب کر چکے ہو۔ میں ان سے آنکھ نہیں ملا پاتی جب سے مجھے صورتحال معلوم ہوئی ہے۔''

''کیا صورت حال معلوم ہوئی ہے آپ؟''

''یہی کہ دوہری چال چلتے رہے ہو۔ ایک طرف مجھے میری مرضی کے مطابق مطمئن کر دیا اور دوسری طرف ممی کو۔''

''میں نے بڑے وثوق سے یہ بات کہی تھی۔''

''اگر یہ سب کچھ کہہ دیا تھا تو اسے نباہتے رہتے۔ خواہ حالات کچھ بھی ہوتے۔''

''ارے واہ واہ۔ گویا اپنے آپ کو آپ کا چغد سمجھتا رہتا؟''

''چغد؟'' ثمن نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں شوہر اور چغد میں مجھے کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا شاید آپ نے میرے ساتھ آنے والے ان حضرت کو نہیں دیکھا۔ جن کا نام مطلق ہے۔ بیگم صاحبہ کے سامنے بالکل چغد معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ میں سیکڑوں کیس ایسے دیکھ چکا ہوں اور اس کے بعد مجھے آپ کا شوہر بنے رہنا چاہیے تھا اور پھر آپ آزادی سے میرے ساتھ جو بھی سلوک کرتیں۔''

''فضول باتوں سے پرہیز کرو' کیا سلوک کرتی میں تمہارے ساتھ؟''

''کوئی بھی' بیویاں اور وہ بھی ایسی بیوی جو کسی نواب کی بیٹی ہو اور تم جیسی ہو' خدا کی پناہ توبہ توبہ۔ میں تو اپنی نسلوں کو وصیت کر جاؤں گا کم از کم تم جیسی لڑکی سے شادی نہ کریں۔''

''ظفری تم مسلسل میری توہین کیے جا رہے ہو۔ اب میں اتنی گھٹیا اور بری بھی نہیں

ہوں۔"

"کیسی بھی ہیں آپ، لیکن بہرحال میں آپ کا شوہر کسی قیمت پر نہیں بن سکتا۔"

"ارے تو میں بھی کب تمہاری صورت پر تھوک رہی ہوں۔ میں تو بس یہ چاہ رہی تھی کہ ممی کی نگاہوں میں میری پوزیشن خراب نہ ہوتی۔ اس کے بعد جب ہم ان حالات سے نمٹ جاتے تو پھر وہ جو بھی فیصلہ کر دیتیں۔ میری تم سے ایک مصنوعی قسم کی طلاق ہو جاتی کم از کم میری سیبیت تو برقرار رہ جاتی۔"

"خیر اب تو جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔"

"نہیں ظفری تم نے زیادتی کی ہے میرے ساتھ۔"

"اس کا ازالہ کر دوں؟"

"وہ کیسے؟"

"کہہ دوں بیگم صاحبہ سے کہ میں نے جو کچھ کہا تھا غلط کہا تھا، سمن میری جسم و جان ہے، میری روح ہے، میری زندگی ہے۔ میرا سرمایہ حیات ہے، میری شریک سفر وغیرہ وغیرہ۔"

"بک بک بند کرو۔ بس میں تم سے سخت ناراض ہوں۔"

"کاش میں آپ کی ناراضگی دور کر سکتا، سمن صاحبہ۔ خاص طور سے اس لیے کہ آپ بیگم جہاں آراء ہدایت پور جیسی ماں کی بیٹی ہیں۔" ظفری نے کہا۔

"گویا بذات خود میری کوئی شخصیت نہیں ہے؟"

"نہیں، آپ ایک دلچسپ شخصیت کی مالک ہیں اور اگر آپ کبھی کوئی حماقت نہ کرنے کا وعدہ کریں تو میں آپ کو اپنے دوستوں میں شامل کر سکتا ہوں۔"

"حماقت نہ کرنے کا وعدہ؟"

"جی ہاں۔"

"اس کی ذرا تفصیل بیان کرو۔" سمن نے کہا۔

"بھئی دیکھیں سمن صاحبہ، آپ نواب صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ میرے لیے قابل احترام ہیں۔ اس لیے کہ دنیا نوابوں کو قابل احترام سمجھتی آئی ہے۔ خود میرا نظریہ اس سلسلے میں وہ نہیں ہے جو دوسروں کا ہے، ممکن ہے میری طرح سے بہت سوں کا نظریہ یہ نہ ہو۔ لیکن دولت بہرصورت بعض اوقات انسان کو جھکا دیتی ہے، گو ہمارے تمہارے درمیان دولت کا رشتہ نہیں ہے اس لیے ایک دوست کی حیثیت سے ہم تمہیں قبول کر سکتے ہیں اچھی لگی ہو اچھی باتیں کرتی ہو تیز طرار ہو۔ اور مجھے ذاتی طور پر بھی اور میرے دوستوں کو بھی ایسے لوگ پسند ہیں۔ جو تیز طرار ہوں۔ چنانچہ اگر برابر کی حیثیت سے دوستی کرنا چاہو تو تینوں تمہاری دوستی کے لیے حاضر ہیں۔"

"میں سمجھ گئی۔ تم وہ حماقت والی بات بڑی خوب صورتی سے ٹال گئے۔"

"ہاں سمن میں عشق و محبت کی بات کر رہا ہوں، ایسی کوئی بات ہمارے درمیان کبھی نہیں ہونی چاہیے، کیونکہ اکثر ایسے دلچسپ واقعات کی تان محبت پر ٹوٹتی ہے۔ ہیروئن، ہیرو سے متاثر ہو جاتی ہے، اس کے بعد کچھ گانے گائے جاتے ہیں، پہاڑوں پر چھلانگیں لگائی جاتی ہیں۔ سبزہ زاروں میں گھڑ دوڑ ہوتی ہے۔ اس کے بعد بیگم جہاں آراء آف ہدایت پور اپنے گل موچھے کے ساتھ، میری مراد طارق سے ہے، بندوق لیے پیچھے دوڑتیں نظر آئیں گی، دھمکیاں دی جائیں گی، غربت کے طعنے دیے جائیں گے، اس کے بعد کچھ ٹریجڈیز ہوں گی اور کہانی کسی نہ کسی شکل میں ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسی کہانیوں کی گنجائش ہمارے پاس بالکل نہیں ہے۔"

"شکل دیکھی ہے اپنی کبھی۔ میں بھلا تم سے عشق کروں گی؟"

"مجھ سے نہ سہی، سعدی سے سہی۔"

"بکواس بند کرو، سنجیدگی سے باتیں کرو کچھ۔" سمن نے کہا۔ اور ظفری گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ان کے علاوہ بھی کوئی اور بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہر چند کہ میں تم سے ناراض تھی، تم نے مجھے بھی دھوکے میں رکھا۔ اگر تم میرے

دوست ہوتے تو وہ بات مجھے بھی بتا دیتے جو تم نے ممی کو بتائی تھی' میرا مقصد تو ان بندروں سے پیچھا چھڑانا تھا' اب اس کے لیے میں نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور تم نے دوسرا۔ مجھے بھی شریک راز بنا لیتے تو کیا ہوتا؟''

''ممکن ہے بات اس طرح نہ بنتی مس سمن' بہرصورت وہ لوگ چلے گئے' اب کھیل ختم ہو گیا ہے۔ اب کیا رہ گیا ہے؟''

''ممی کی نگاہوں میں میری سبکی ہوئی ہے۔ میں اپنی پوزیشن بھی صاف نہیں کر سکتی اور خاص طور سے یہ معلوم ہونے کے بعد کہ میں نے ان سے اتنا سفید جھوٹ بولا ہے۔ نہ جانے وہ میرے بارے میں کیا سوچتی ہوں گی۔''

''چلیے یہ سب کچھ میں ٹھیک کر لوں گا۔ ویسے وہ بہت خوش تھیں اس بات سے کہ آپ نے یہ جھوٹ بولا تھا مس سمن۔ اگر انہیں اس بات کا اطمینان نہ ہو جاتا تو مجھے یقین ہے کہ ان کی حالت بہت خراب ہو جاتی۔''

''ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے' مجھے اس کا احساس ہے۔'' سمن آراء نے کہا۔

''چنانچہ پرانی باتیں بھول جائیے' اب دیکھیے وہ کتنی خوش ہیں۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کی پوزیشن بھی ان کے سامنے صاف کر دوں۔''

''نہیں نہیں' اب اس موضوع پر کوئی بات نہ نکالو' ویسے ان کا رویہ میرے ساتھ برا نہیں ہے۔ اس طرح مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انہوں نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ خیر ظفری میں تم سے کچھ اور کام لینا چاہتی ہوں۔''

''وہ کیا؟''

''یہاں نہیں بتاؤں گی۔ یہ بتاؤ یہاں سے کب واپسی ہو گی؟''

''میرا خیال ہے کل بیگم صاحبہ سے اجازت لے لیں گے۔ حالانکہ ان کا ارادہ تو بہت طویل ہے' لیکن ہمارے لیے یہ مشکل ہو جائے گا۔''

''کل کس وقت وہاں پہنچو گے؟''

''بس دوپہر تک۔ میرا خیال ہے اگر بیگم صاحبہ نے زیادہ مجبور کیا تو دوپہر کے کھانے کے بعد۔''

''تو پھر کل نہیں پرسوں میں تمہارے پاس آؤں گی۔''

کوئی خاص بات؟

''بہت خاص' ایک کیس میں تمہارے سپرد کرنا چاہتی ہوں۔'' سمن نے جواب دیا۔

''اوہ ویری گڈ۔ ویری گڈ۔ ویسے سمن صاحبہ اگر آپ محسوس نہ کریں تو وہ رقم واپس لے لیں جو آپ نے مجھے دی تھی۔''

''کیوں؟'' سمن نے پوچھا۔

''بھئی اب ہمارے اور آپ کے ایسے تعلقات ہو گئے ہیں کہ پیسوں کا لین دین کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

''یہ فضول باتیں ہیں۔ لین دین اس وقت ہوا تھا جب ہمارے تعلقات اتنے اچھے نہیں تھے' اس کے علاوہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ' تمہارا ذریعہ روزگار بھی ہے۔ میں نے تمہارے لیے ایک اور کیس پکڑا ہے۔ معاوضہ تمہیں وہی ملے گا جو تمہارا مقرر کردہ ہے۔ کام بھی بہت زیادہ مشکل نہیں ہے اور میرا خیال ہے تم ذہین آدمی ہو' اسے بآسانی کر لو گے۔''

''کام کیا ہے؟'' ظفری نے پوچھا۔

''یہ پرسوں ہی بتاؤں گی تمہیں' ایک اور لڑکی بھی میرے ساتھ آئے گی۔ میری دوست ہے' اونچے خاندان کی چشم و چراغ ہے لیکن بے چاری مشکلات میں پھنسی ہوئی ہے۔''

''ضرور تشریف لائیے۔ ہم آپ کا انتظار کریں گے' بلکہ ڈی ڈی ٹی کی طرف سے آپ کا خیر مقدم کرنے کے لیے تیار ہیں۔'' ظفری نے کہا۔

''اچھا اچھا اب اٹھ جاؤ یہاں سے' بس اتنی ہی باتیں کرنی تھیں تم سے۔''

"کیوں؟ بیٹھیں' دیکھیں چاند نکلنے والا ہے۔"

"اوہو۔ ہو۔ کہیں چاندنی ہمارے لیے خطرناک نہ ثابت ہو۔ میرا مقصد ہے جو وعدہ ہم لوگ آپس میں کر چکے ہیں وہ کہیں ٹوٹ نہ جائے۔ اٹھ جاؤ' اٹھ جاؤ' میرے اندر وہ جراثیم ہی نہیں ہیں۔" سمن نے کہا۔ اور ظفری ہنستا ہوا اٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے کمرے میں داخل ہو گیا تھا۔

سعدی بدستور جاگ رہا تھا اور اس کا منتظر تھا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ ابھی چند لمحوں کے بعد کہیں سے چیخنے چلانے کی آوازیں بلند ہوں گی۔ اور پھر تم پھٹے لباس اور خون آلود حلیے کے ساتھ نظر آؤ گے۔ لیکن یوں لگتا ہے جیسے سب خیریت ہو۔"

"ہاں سب خیریت ہے۔ سمن کو تمام صورت معلوم ہو گئی ہے بس اس کی شکایت کر رہی تھی۔"

"ہوں' کیا معاملہ طے پایا؟" سعدی نے پوچھا۔

"انتہائی تسلی بخش وہ ایک اور کیس ہمارے حوالے کرنے والی ہے۔"

دوسرا دن انتہائی خوشگوار تھا۔ ابر آلود موسم میں وہ سب ذہنی شگفتگی محسوس کر رہے تھے۔

صبح کے ناشتے کے بعد مطلق صاحب نے واپسی کی خواہش کا اظہار کیا اور بیگم ہدایت پور اس سلسلے میں اصرار کرنے لگیں کہ ابھی کچھ وقت قیام کیا جائے۔ بہت کچھ کہا انہوں نے لیکن ظفری اور سعدی نے بھی ان سے معذرت چاہی اور کہا کہ اب تو وہ جب بھی بلایا کریں گی' وہ ایک ٹیلی فون پر آجایا کریں گے۔ بالآخر انہوں نے بیگم ہدایت پور کو اس کے لیے تیار کر ہی لیا۔ لیکن انہوں نے دوپہر کے کھانے سے قبل واپسی کی اجازت نہیں دی تھی۔ تقریباً تین بجے وہ لوگ وہاں سے واپس چل پڑے۔ دوپہر کے کھانے پر سمن بھی موجود تھی۔ جبکہ صبح کے ناشتے پر وہ نہیں آئی تھی۔ خاموش اور سنجیدہ۔ اس نے ان لوگوں سے کسی لگاوٹ کا اظہار نہیں کیا تھا۔ بیگم صاحبہ بھی خاموش ہی رہی تھیں' البتہ بیگم مطلق نے سمن کو بڑا چوما چاٹا تھا جس کا اس نے کچھ برا بھی نہیں منایا تھا۔ بلکہ

سعادتمندی سے ان کے سامنے گردن جھکا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

واپسی بھی بڑی خوشگوار تھی۔ مطلق صاحب زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے۔ لیکن سعدی اور ظفری کچھ خاموش خاموش سے تھے۔

شکیلہ نے بھی خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ یہاں تک کہ طویل سفر کے بعد وہ گھر پہنچ گئے' مطلق صاحب کے پاؤں تو زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ وہ سعدی اور ظفری کو گھیر کر بیٹھ گئے۔ اور پوچھنے لگے کہ آخر اتنی بڑی خاتون سے ان کی ملاقات کیسے ہے۔ سعدی اور ظفری کو وہی الٹے سیدھے جھوٹ گھڑنے پڑے تھے' جس سے بے چارے مطلق صاحب مطمئن ہو گئے۔

رات کو تینوں پھر ایک جگہ جمع ہوئے۔ شکیلہ' سعدی اور ظفری کے سنجیدہ چہروں کو دیکھ کر مسکرا پڑی۔

"کیا بات ہے بھئی؟ وہاں سے واپسی کے بعد آپ لوگ بہت سنجیدہ سنجیدہ سے ہو گئے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے ذہنی طور پر بڑے متاثر ہوں بیگم جہاں آراء ہدایت پور سے۔"

"متاثر تو ہیں لیکن بیگم جہاں آراء سے نہیں' بلکہ ان کے رویے سے۔ انہوں نے ادائیگی کے بارے میں پوچھا تک نہیں۔۔۔"

"اپنائیت سمجھی ہو گی۔" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یار شکیلہ ہماری توقعات کو ٹھیس لگی ہے' لیکن خیر کوئی بات نہیں۔ بعض لوگ تعلقات پیدا کر کے بڑی بچت کر جاتے ہیں۔" سعدی نے کہا۔

"نہیں بھئی بیگم صاحبہ کے بارے میں اس قسم کے غلط خیالات مت قائم کرو' وہ بے حد عظیم خاتون ہیں۔ لو یہ لفافہ قبول کرو۔" شکیلہ نے ایک لفافہ ان کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"ارے۔۔۔۔یہ۔۔۔۔یہ۔۔۔۔یہ۔۔۔۔"

"پچیس ہزار ہیں' پچاس ہزار تھے۔ لیکن میں نے ان سے کہا کہ تم دونوں کسی طور زیادہ رقم قبول نہیں کرو گے۔ اس کے لیے بھی میں نے شدید انکار کیا تھا' لیکن وہ کہنے لگیں کہ اصول

اصول ہوتے ہیں۔ اگر وہ بچے مجھ سے کچھ اور نہیں لے رہے تو کم از کم یہ تو ان کا حق الخدمت ہے۔ اسے غصب کر کے میں خود کو پرسکون نہ رکھ پاؤں گی۔ بہرصورت میں نے مجبوراً لے لیا۔''

''بھئی ونڈرفل' یہ تو بہت عمدہ بات ہوئی' اس کا مقصد ہے کہ بیگم ہدایت پور سے محبت کی جاسکتی ہے۔ ویسے کیا خیال ہے کہ ہم لوگوں کا کاروبار مناسب رفتار سے آگے نہیں بڑھ رہا؟'' ظفری بولا۔

''یقیناً یقیناً اور میرے خیال میں اس ماہ تو ہماری آمدنی میں خاصا اضافہ ہو گیا ہے۔''

تینوں بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ کافی دیر تک وہ ہدایت پور کی باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد اپنی اپنی نشست گاہوں میں پہنچ گئے۔ دوسرے دن دوپہر کے بعد انہوں نے ثمن کا استقبال کیا۔ ثمن کے ساتھ ایک اور خوبصورت سی لڑکی تھی۔ معصوم سی شکل کی مالک' بڑی بڑی آنکھوں میں سادگی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ عمر بھی انیس بیس سال زیادہ نہیں ہوگی۔ بادی النظر میں لڑکی کافی حسین تھی۔ سعدی اور ظفری نے پرتپاک انداز میں ان کا خیر مقدم کیا اور انہیں بیٹھنے کی پیشکش کی۔

''یہ صفورا ہے۔ میری عزیز ترین دوست۔ شاید آپ لوگوں نے باسط اعظمی کا نام سنا ہو۔ مشہور شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں۔ یہ ان کی صاحبزادی ہیں صفورا اعظمی۔'' ثمن نے تعارف کرایا۔

''بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔'' سعدی اور ظفری بولے۔

''صفورا ان تینوں کے بارے میں بتا چکی ہوں تمہیں۔ بس یوں سمجھو کہ آپس میں گہرے دوست ہیں' اور دلچسپ ساتھی۔ تمہارے کام آ سکتے ہیں۔ یقینی طور پر میں ان سے زیادہ بھروسہ کسی پر نہیں کر سکتی۔'' ثمن نے کہا اور صفورا گردن ہلانے لگی یوں لگ رہا تھا جیسے اسے مناسب گفتگو کرنے کے لیے الفاظ مل رہے ہوں۔ تب شکیلہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

''صفورا آپ خود کو بالکل اجنبی نہ محسوس کریں۔ اول تو ثمن آپ کے تعارف کا ذریعہ

ہیں اور اس کے بعد ہم میں غیریت کا کوئی تصور باقی نہیں رہ جاتا۔ دوسری بات یہ کہ اگر ثمن ہمارے پاس نہ بھی ہوتیں اور آپ کوئی مسئلہ لے کر آتیں آپ جیسی لڑکی سے ہمیں انتہائی ہمدردی اور محبت ہوتی جواب بھی ہے۔ ثمن نے کہا کہ آپ کسی الجھن کا شکار ہیں۔ ہمیں بتائیے' ہم آپ کی پوری پوری مدد کریں گے۔''

''شکریہ شکیلہ صاحبہ۔ دراصل معاملہ ایسا ہے کہ جسے میں نے ثمن کے علاوہ کسی اور کو نہیں بتایا تھا۔ یہ معاملہ میں پولیس کے ذریعے بھی حل کرا سکتی تھی۔ میرے ایک عزیز پولیس کے بہت بڑے آفیسر ہیں۔ لیکن میری اپنی ناقص عقل میں پولیس کو اس مسئلے میں ملوث کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میں اپنے ڈیڈی کو رسوا کر دوں۔ وہ یقینی طور پر یہ بات کبھی پسند نہیں کریں گے۔ کہ پولیس ان کی کسی ایسی مشکل میں ہاتھ ڈالے۔ تھوڑی سی سمجھ میں بھی رکھتی ہوں۔''

''یقیناً۔ یقیناً'' شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ صفورا کی باتوں میں معصومیت تھی جسے وہ بڑی اچھی طرح محسوس کر رہے تھے۔ پھر سعدی نے کہا۔

''آپ انتہائی بے تکلفی اور اعتماد کے ساتھ اپنی الجھن ہمیں بتا دیں اور اس بات سے مطمئن ہو جائیں کہ اس وقت جتنے افراد یہاں موجود ہیں' ان کے علاوہ یہ مسئلہ کسی اور تک نہیں پہنچ سکے گا۔ خواہ مخواہ صورت حال کچھ بھی ہو' آپ کو ہم پر یہ بھروسہ کرنا چاہیے۔ یقیناً ثمن صاحبہ نے بھی ہمارا انتخاب بلاوجہ نہیں کیا ہوگا۔''

''کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ مجھے آپ لوگوں پر مکمل اعتماد ہے' ویسے ثمن میری واحد سہیلی ہے جسے میں اپنی زندگی کے تمام واقعات بتا چکی ہوں۔ اس سے کوئی بات چھپی نہیں ہے۔''

''بس آپ مطمئن رہیے اور ہمیں اپنا مسئلہ بتائیے۔'' سعدی نے نرم لہجے میں کہا۔ اور صفورا کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے ثمن کی طرف دیکھا اور بولی۔

''میرے ابو کو بلیک میل کیا جا رہا ہے۔''

"کتنے عرصے سے؟" سعدی نے سوال کیا۔

"یہ تو میں نہیں جانتی' مجھے تو بس دو تین ماہ قبل معلوم ہوا ہے۔"

"یہ بات آپ کو کیسے معلوم ہوئی مس صفورا؟"

"وہ لمبی لمبی رقمیں دیتے ہیں اس کم بخت کو اور میں فون پر اس کی اور ڈیڈی کی باتیں سن چکی ہوں۔"

"اوہو یہ ہوئی نہ کام کی بات' آپ کے گھر کتنے ٹیلی فون ہیں؟" سعدی نے پوچھا۔

"بہت سے ہیں' میں نے تقریباً تین ماہ قبل اس کی اور ڈیڈی کی بات چیت سنی تھی۔"

"کیا آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے مس صفورا؟" سعدی نے سوال کیا۔

"ہاں یقیناً۔"

"تو کیا وہ گفتگو آپ مجھے بتا سکیں گی؟"

"ہاں ضرور۔ میں نے تو اسے نوٹ کر کے رکھا ہوا ہے۔ آپ صرف یادداشت کی بات کرتے ہیں۔" صفورا نے جلدی سے اپنے ہینڈ پرس میں سے ایک چھوٹی سی بک نکالی اور اس کا صفحہ الٹتے ہوئے بولی۔ "اٹھائیس ستمبر' ساڑھے تین بجے شام۔"

"ہیلو مسٹر کون بول رہا ہے؟" ڈیڈی کی آواز۔

"میں ہوں جناب۔۔۔" فون کرنے والی کی آواز۔

"بول رہا ہوں۔" ڈیڈی کی آواز۔

"خادم کو پہچان گئے ہوں گے اعظمی صاحب؟" پہلی آواز۔

"اوہ تم؟"

"ہاں' آپ مجھے بھول جاتے ہیں۔ لیکن میں آپ کو کیسے بھول سکتا ہوں اعظمی صاحب' بڑے گہرے تعلقات ہیں ہمارے۔ اور بڑا قریبی رشتہ ہے آپ سے۔"

"مجھے چرب زبانی ناپسند ہے۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"مجھے پندرہ ہزار روپے چاہئیں اعظمی صاحب! سخت ضرورت ہے۔ میں پہلے بھی آپ سے کہہ چکا ہوں کہ تاریخوں میں دیر نہ کیا کریں ورنہ خواہ مخواہ پینلٹی لگ جاتی ہے۔ دیکھیے نا اب دس کے پندرہ ہو گئے۔ اگر صحیح وقت پر پیسے پہنچ جاتے تو یہ پینلٹی کیوں بھرنی پڑتی آپ کو؟"

"میں نے کہا نا مجھے چرب زبانی اور بکواس ناپسند ہے۔ کہاں ملو گے؟" یہ ڈیڈی کی آواز تھی۔

"وہیں جناب' کارپوریشن کے سامنے والے لفٹ پاتھ پر۔ سلام کروں گا آ کر آپ کو۔ آپ وہ حقیری چیز میرے ہاتھوں میں تھما دیجیے' مگر اعظمی صاحب ایک بات آپ سے عرض کر دوں' میرے خلاف اگر کوئی کارروائی آپ نے کی تو آپ اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے کہ آپ کی اپنی درگت کیا بنے گی۔"

"میں پہنچ جاؤں گا۔" یہ ڈیڈی کی آواز تھی اور اس کے بعد ڈیڈی نے فون بند کر دیا۔

صفورا نے نوٹ بک بند کرتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب! آپ تو واقعی ذہین ہیں مس صفورا۔ اچھا اس کے بعد کیا ہوا؟"

"بس ہونا کیا تھا' میں پہنچ گئی ڈیڈی کے پاس' اور میں نے پوچھا کہ یہ بدتمیز جاہل کون تھا؟ جو آپ سے ایسی الٹی سیدھی بکواس کر رہا تھا۔ ڈیڈی نے جب میرے منہ سے یہ باتیں سنیں تو ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پوچھنے لگے تمہیں یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں؟ اور میں نے انہیں صاف صاف بتا دیا کہ میں نے اس کا فون سن لیا ہے۔ پہلی بار ڈیڈی نے مجھ سے سختی سے کہا۔ "صفورا کچھ اخلاقی آداب بھی ہوتے ہیں۔ تمہیں ہماری گفتگو نہیں سننی چاہیے تھی اور پھر خاص طور سے کاروباری گفتگو۔"

"ڈیڈی یہ کاروباری گفتگو تھی؟" میں نے ڈیڈی سے پوچھا۔

"تو اور کیا؟ مجھے اس شخص کو ادائیگی کرنی ہے' کچھ مال کی خریداری کی تھی میں نے اس سے۔ اس میں دیر ہو گئی۔ ظاہر ہے اس کی پریشانی برحق تھی۔"

"صرف پندرہ ہزار کی بات تھی اور آپ نے دیر کر دی۔ ایسی لاپروائی تو آپ نہیں کرتے ڈیڈی۔"

"بھئی صفورا میرا نہ جانے کیسے کیسے لوگوں سے واسطہ ہے۔ کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ تم نے ایک ٹیلی فون سن لیا تو میری جان کو آ گئیں۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ اور بیٹے اس طرح ٹیلی فون نہیں سنا کرتے آئندہ یاد رکھنا۔"

خیر جناب اس وقت تو میں خاموش ہو گئی' لیکن بیس بائیس دن کے بعد اتفاق سے جب ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو میں نے اور ڈیڈی نے ایک ساتھ ہی ٹیلی فون اٹھا لیا۔ اور اس وقت جو ان لوگوں کے درمیان گفتگو ہوئی' وہ بھی میں آپ کو بتاتی ہوں۔ صفورا نے پھر اپنی نوٹ بک کا ایک صفحہ کھول لیا۔

"ابھی چند ہی روز تو ہوئے ہیں۔"

"جی صاحب وہ بیمار ہے اور بیماری بھی اچھی خاصی ہے۔ رقم تو لگانی پڑے گی صاحب' آپ کا تو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے لیکن میرا خون کا رشتہ ہے' میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور اس کی زندگی بچانے کے لیے مجھے پندرہ ہزار روپے کی اور ضرورت ہے۔"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے' ابھی چند روز قبل تم پندرہ ہزار لے چکے ہو' میں اتنی جلدی یہ رقم ادا نہیں کر سکتا۔"

"ارے چھوڑیے اعظمی صاحب لاکھ دو لاکھ مانگ لیتا تو بھی آپ کے لیے دینا مشکل نہیں ہوتا' لیکن میں چھوٹا سا آدمی ہوں' بہت بڑی رقم ہضم نہیں کر سکتا اس لیے تھوڑی تھوڑی کر کے مانگتا ہوں تاکہ آپ کو بھی پریشانی نہ ہو اور میرا بھی کام چلتا رہے اور پھر آپ یقین کریں وہ بیمار ہے۔ اور اس کی بیماری کے لیے مجھے رقم چاہیے۔"

"جہنم میں جائے وہ' مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔"

"یہ بات تو آپ بہت پہلے کہہ چکے ہیں صاحب' مگر رقم تو ادا کرنی ہی ہو گی۔ بتائیے

کس وقت اور کہاں پہنچوں؟"

"لعنت ہے تم پر۔ تم نے میری زندگی تلخ کر کے رکھ دی ہے۔" یہ ڈیڈی کی آواز تھی۔

"اور آپ نے بھی بہت کچھ کیا ہے صاحب۔ تفصیل میں جانے سے کیا فائدہ جو ہو چکا ہوتا ہے' بعض اوقات اسے بھولا نہیں جا سکتا' ہم بھی نہیں بھول سکتے اور آپ کو بھی نہیں بھولنے دیں گے۔ شام کو کارپوریشن کے بڑے دروازے کے سامنے آپ کا انتظار کروں گا۔" اور اس کے بعد فون بند ہو گیا تھا۔

"پھر کیا ہوا؟" سعدی نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ ڈیڈی گئے اور رقم یقینی طور پر لے کر گئے' میں ان دو دفعہ کے معاملات کے بعد سے محتاط ہو گئی تھی۔ میں نے ثمن کو بھی فون کیا تھا اور اسے اپنے پاس بلا لیا تھا۔ اس کے بعد ہمارے درمیان یہ بات طے ہو گئی تھی کہ اب جب بھی ڈیڈی اس بلیک میلر سے بات کریں گے اور ان کے درمیان وقت طے ہو گا تو میں اور ثمن ان کا تعاقب کریں گے' لیکن بدقسمتی یہ رہی کہ چھ سات روز ثمن برابر میرے ساتھ رہی اور اس دوران ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ آٹھویں دن آنٹی جہاں آراء نے ثمن کو واپس بلا لیا اور نویں دن پھر اس بلیک میلر کا فون آ گیا۔

میں نے ثمن سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی' لیکن اس میں کامیابی نہ ہو سکی۔ ثمن موجود نہیں تھی۔ جبکہ ڈیڈی کو شام کے چھ بجے اس شخص سے ملنا تھا۔ چنانچہ میں نے ڈیڈی کا تعاقب کیا۔ میں تنہا تھی اور گھبرائی ہوئی تھی' ایک جگہ پکڑی گئی۔ ڈیڈی نے مجھے اپنا تعاقب کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ میرے پاس آ گئے اور میں بوکھلا گئی۔ میں کوئی بات نہیں بنا سکی تھی ان سے۔ چنانچہ میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ میں ان کی اس پریشانی کو اچھی طرح جانتی ہوں۔

چند لمحات کے لیے ڈیڈی عجیب سے انداز میں مجھے دیکھتے رہ گئے۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں' آپ یقین کریں کہ وہ زندگی میں ایک دو بار ہی مجھ پر ناراض ہوئے ہیں' لیکن اس دن وہ بے حد ناراض ہوئے تھے۔ انہوں نے انتہائی سرد لہجے میں کہا۔

''صفورا! مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ یہ گھٹیا باتیں ہیں۔ میں پہلے بھی تمہیں منع کر چکا ہوں اور تم مسلسل میرا فون سن رہی ہو۔ کیا چاہتی ہو آخر۔ کیا یہ کہ میں تمہیں یہاں سے کہیں اور بھجوا دوں؟ یا کوئی اور سخت سلوک کروں تمہارے ساتھ۔ واپس گھر جاؤ' میں بعد میں تم سے بات کروں گا۔''

ڈیڈی کا لہجہ ایسا تھا کہ میری آنکھوں میں آنسو نکل آئے اور پھر میں ان سے پیچھے نہ جا سکی۔ اور واپس گھر آ گئی۔ سات ساڑھے سات بجے جب ڈیڈی گھر واپس آئے تو نارمل ہو چکے تھے انہوں نے بڑے پیار ومحبت سے مجھے سمجھایا کہ یہ سب کاروباری معاملات ہیں اور ان میں میری مداخلت مناسب نہیں ہے۔

لیکن میں بگڑ گئی۔ میں نے کہا۔ ''ڈیڈی میں جاہل نہیں ہوں کاروباری معاملات کو بھی اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ یہ تو بلیک میلنگ ہے' کھلی بلیک میلنگ۔'' بہر صورت سعدی جناب میرا خیال ہے کہ میری گفتگو طویل ہوتی جا رہی ہے۔ ڈیڈی نے اسے کسی طور بھی بلیک میلنگ تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ نہایت سخت ہو گئے اس سلسلے میں۔ انہوں نے دوسرے تمام فون کاٹ کر صرف ایک فون رہنے دیا اپنی خوابگاہ میں' اور اس کے بعد میں ان کی کوئی گفتگو نہیں سن سکی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ ڈیڈی اب بھی اس بلیک میلنگ کا شکار ہیں اور تیس چالیس ہزار روپے ماہانہ بڑی باقاعدگی سے اس بلیک میلر کو ادا کر رہے ہیں۔ یہ ڈیڈی کا معاملہ ہے میں بھی اس میں مداخلت نہ کرتی لیکن وہ بڑے پریشان رہتے ہیں اور میں ان کی پریشانی دور کرنا چاہتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے مس صفورا' آپ بالکل مطمئن رہیں' کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی طرح ہمیں صرف ایک بار وہ دن اور وہ تاریخ معلوم ہو جائے جب وہ بلیک میلر آپ کے ڈیڈی سے رقم وصول کرتا ہے۔''

''اور تو کسی طرح یہ ممکن نہیں ہے' لیکن میں ایک کوشش کر سکتی ہوں۔''

''وہ کیا؟''

''میں ایک انسٹرومنٹ بازار سے خرید لیتی ہوں اور اسے کسی بھی جگہ سیٹ کر لوں گی' اس پر ڈیڈی کی گفتگو سنتی رہوں گی اور جس دن بھی ڈیڈی کو اس بلیک میلر کا فون موصول ہوا' میں آپ کو اطلاع دے دوں گی۔''

''یہ نہایت ضروری ہے' بس ایک بار آپ کو یہ زحمت کرنا ہو گی' اس کے بعد کے معاملات ہم خود دیکھ لیں گے۔'' سعدی نے کہا اور صفورا نے گردن ہلا دی تھی۔ تب ثمن نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''تم مطمئن ہو صفورا؟''

''ہاں۔ بالکل۔'' صفورا نے جلدی سے کہا پھر ہینڈ پرس میں ہاتھ ڈالا اور نوٹوں کی کچھ گڈیاں نکال کر سعدی کے سامنے ڈال دیں۔ ''یہ پچیس ہزار روپے ہیں جناب عالی۔ آپ انہیں قبول فرمائیے۔ مزید بھی اخراجات ہوں گے اور وہ بھی ادا کر دوں گی۔''

''اوہ نہیں مس صفورا۔ ان کی جلدی نہیں ہے ابھی۔ آپ کا کام ہو جائے اس کے بعد ہم یہ رقم قبول کرنے کے مجاز ہوں گے۔''

''نہیں آپ رکھ لیجیے پلیز۔ میرے ڈیڈی کی پریشانی کے سامنے یہ رقم کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ میرا بہت بڑا بینک بیلنس ہے بے کار پڑے ہوئے ہیں۔ اگر ان میں سے کچھ ڈیڈی کی پریشانیاں دور کرنے میں کام آ جائیں تو مجھے ذرا بھی زحمت نہیں ہو گی۔ آپ انہیں رکھ لیں۔ میں آپ کی بے حد شکر گزار رہوں گی۔'' سعدی نے شانے ہلائے۔ ثمن نے اسے اشارہ کر دیا تھا کہ نوٹ قبول کر لیے جائیں۔ چنانچہ اس نے گڈیاں اٹھا کر میز کی دراز میں ڈال لیں' پھر اس نے صفورا کو اپنا فون نمبر دیا۔ صفورا نے اسے اپنی اسی چھوٹی سی نوٹ بک میں نوٹ کر لیا جس میں نہ جانے کون کون سی دل چسپ چیزیں درج ہوں گی۔ ان لوگوں نے ثمن اور صفورا کی تھوڑی سی خاطر مدارت کی۔ اس کے بعد ثمن نے اجازت چاہی۔

ثمن اور صفورا کے جانے کے بعد ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ڈائریکٹران سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

صفورا کے سلسلے میں غور ہونے لگا۔ باسط اعظمی کے بارے میں تفصیلات حاصل کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور یہ ذمہ داری ظفری کو سونپ دی گئی۔

''ٹھیک ہے میں اس شخص کے بارے میں تفصیلات معلوم کرلوں گا۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''اس دوران ہم صفورا کے ٹیلی فون کا انتظار کریں گے جو گفتگو صفورا نے اعظمی اور بلیک میلر کے درمیان بتائی ہے۔ اس پر غور کرو۔ یہ گفتگو کسی خاص سمت اشارہ نہیں کرتی۔''

''میرا خیال ہے بیکار سر کھپانے سے کوئی فائدہ نہیں' پہلے ہم ایک بار اس کی زیارت کر لیں اس کے بعد باقی معاملات بھی دیکھ لیں گے۔'' سعدی نے کہا اور تینوں اس بات پر متفق ہو گئے۔

ثمن ان کے لیے خاصی منفعت بخش ثابت ہو رہی تھی۔ شکیلہ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

''بھئی یہ بیگم جہاں آراء ہدایت پور اور ان کی صاحبزادی ثمن تو ہمارے لیے سونے کی کان ثابت ہو رہی ہیں۔ اچھی خاصی رقم کمالی ہم نے ان لوگوں سے۔ میرا خیال ہے اب اگر دو تین ماہ تک کوئی کیس نہ ملا تو گزارہ کیا جا سکتا ہے۔''

''پیرو مرشد و کاروبار بڑھانا بے حد ضروری ہے۔ دیکھتے ہیں پہلے اس سلسلے میں کوئی صحیح کام ہو جائے۔ اس کے بعد کیسز تو آتے رہیں گے۔ آپ دیکھیں تو سہی یہ ادارہ کس طرح چمکتا ہے۔''

''بے شک ایک شعر ہے شاعر کا۔'' مضطرب صاحب کی آواز دروازے سے سنائی دی۔

''دیکھیے مضطرب صاحب آپ خواہ مخواہ اچھی خاصی باتوں میں مداخلت کر کے بدشگونی نہ کیا کریں۔۔ وہ شاعر یقیناً مر چکا ہوگا۔ اور اگر نہیں مرا ہوگا تو نیم مردہ ہوگا۔ اپنے حالات کی وجہ

سے۔ چنانچہ اس کا شعر سنا کر آپ ہمیں بددل نہ کریں براہ کرم۔ براہ کرم۔''

''اوہو ہو ہو۔ اچھا اچھا ویسے واقعی یہ پیشگی ادائیگی والے کیسے مجھے بھی بے حد پسند ہیں۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ تشریف لے آیئے۔ وصول کر لیجیے اپنا حصہ کون منع کر رہا ہے آپ کو۔'' سعدی نے کہا اور مضطرب صاحب دونوں ہاتھ ملتے ہوئے اندر آ گئے۔

تین دن کے بعد ظفری نے رپورٹ پیش کی۔ باسط اعظمی ایک خوشحال انسان تھا۔ بہت زیادہ دولت مند نہیں تھا لیکن اتنا ضرور تھا کہ خوشحال لوگوں میں شمار کیا جا سکے۔ کاروں کا ایک بڑا شوروم تھا اس کا۔ اس کے علاوہ اون رنگنے کی ایک فیکٹری تھی جس میں تقریباً پچاس افراد کام کرتے تھے۔ آدھا دن یعنی صبح نو بجے سے لے کر بارہ بجے تک فیکٹری میں رہتا ہے' اس کے بعد شوروم میں' حلقہ احباب زیادہ وسیع نہیں ہے محتاط اور خشک طبیعت کا آدمی ہے۔ کوٹھی میں پانچ ملازم اور بیٹی ہے۔ ملنے جلنے والے نہ ہونے کے برابر ہیں۔

یہ تھی ظفری کی رپورٹ۔ لیکن اس سے کوئی خاص نتیجہ اخذ نہیں ہوتا تھا' اس کے باوجود سعدی نے ظفری کو مشورہ دیا کہ باسط اعظمی کا تعاقب جاری رکھا جائے۔ اور اندازہ لگانے کی کوشش کرے کہ اس کے اور مشاغل کیا ہیں؟ سعدی نے خود بھی اس ذمہ داری کا کچھ حصہ بانٹ لیا تھا اور بعض اوقات وہ خود بھی باسط اعظمی کا تعاقب کرتا تھا۔ میٹنگ میں کچھ اور باتیں بھی طے کی گئی تھیں۔ مثلاً اب ایک کار خرید لی جائے خواہ سیکنڈ ہینڈ کیوں نہ ہو۔ اس کے لیے سرمائے کے اشتراک کا فیصلہ بھی کر دیا گیا تھا۔ بہرصورت اس دن صبح ہی صبح جب کہ مضطرب صاحب دفتر کی جھاڑ پونچھ میں مصروف تھے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی اور مضطرب صاحب نے ریسیور اٹھا لیا۔

''کون صاحب بول رہے ہیں۔'' دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

''فدوی کو اضطراب احمد مضطرب کہتے ہیں۔''

''کیا یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ نہیں ہے۔''

''جی ہاں وہی ہے۔''

''پھر آپ یہاں کیا کر رہے ہیں'' نسوانی آواز نے کہا۔

''جی وہ میز کی نچلی سطح میں جالے لگ گئے ہیں' انہیں صاف کر رہا ہوں۔ ابھی چند لمحات قبل اگالدان دھو کر لایا تھا اور اس سے قبل۔۔۔۔''

''بس بس میں سمجھ گئی آپ چپڑاسی ہیں۔''

''کیا کہا؟ کیا کہا؟''

''چپڑاسی۔'' لڑکی کی ہنسی آمیز آواز سنائی دی۔

''ہوں ہوں۔ ہوں ہوں۔ یہ فون میں آپ کے سر پر دے ماروں یا اپنے سر پر۔ یعنی ایک شاعر کی ایسی تضحیک' ایک دوست اور ایک معاون کار کے لیے ایسا نازیبا لفظ' عزیزہ میں ان حضرات کا شریک کار ہوں' میرے بغیر ان کی گاڑی نہیں چلتی' سمجھیں آپ؟''

''سمجھ گئی' سمجھ گئی' کیا پانچ بجے کے بعد آپ یہاں پر نہیں ہوتے؟''

''شام کو پانچ بجے کے بعد۔۔۔؟'' مضطرب صاحب نے پوچھا۔

''جی ہاں اسی وقت کی بات کر رہی ہوں۔''

''ہوتا ہوں' یقیناً ہوتا ہوں۔'' مضطرب صاحب نے کہا۔

''جی نہیں کل ساڑھے پانچ بجے شام آپ موجود نہیں تھے۔ گھنٹی بجتی رہی تھی کسی نے فون ہی نہیں اٹھایا۔''

''ایں کل ساڑھے پانچ بجے۔'' مضطرب صاحب نے پر اضطراب انداز میں اپنا داہنا گال کھجایا۔ پھر بولے۔ ''جی ہاں جی ہاں نہیں ہوں گا۔ یقیناً نہیں ہوں گا۔''

''کہاں تھے آپ؟''

''وہ جو دوسری منزل کے فراز احمد ایڈووکیٹ ہیں نا۔ کسی مقدمے کی پیروی کے لیے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اور ان کا ملازم رحیم بخش کا فوری بڑا صاحب ذوق اور سخن فہم ہے' چنانچہ

کبھی کبھی جما لیتا ہے مشاعرہ اور بھی چند افراد آ جاتے ہیں۔ وہیں تھا کل۔ لیکن آپ کون خاتون ہیں؟''

''یہ سعدی ظفری وغیرہ نہیں آئے ابھی تک؟''

''نہیں ابھی نہیں آئے، بس پہنچنے والے ہیں۔''

''کم از کم کتنی دیر میں؟''

''بس پندرہ منٹ سے آدھے گھنٹے کے اندر اندر یا ممکن ہے اس سے پہلے بھی آ جائیں۔ آپ یوں کیجیے کہ مجھ سے گفتگو کرتی رہیے' بس اس دوران میں وہ پہنچ جائیں گے۔'' مضطرب صاحب نے کہا۔

''کیا گفتگو کروں آپ سے؟''

''شعر و سخن سے دل چسپی ہے آپ کو؟'' مضطرب صاحب نے پوچھا۔

''جی نہیں' کوئی خاص نہیں۔''

''عام ہی سہی' رات کے مشاعرے کا حال سناؤں آپ کو؟ مصرع طرح تھا۔

ع کیا خوب تسلی کے لیے گڑ کا ملیدہ۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے ملیدہ۔ اس مشکل زمین میں غزل کہنی تھی اور وہ بھی فی البدیہہ۔ ایک شاعر پر اس سے زیادہ نازک وقت اور کوئی نہیں ہوتا۔ لیکن شاعر تو صنف شاعری میں قدم رکھتے ہی زندگی پر خار داریوں۔۔۔۔ او ہو ہو ہو آ گئے یہ لوگ۔ معاف کیجیے گا۔ پھر کبھی سہی۔ میں ریسیور سعدی کو دے دوں۔''

''جی ہاں۔'' دوسری طرف سے کسی قدر سکون بھری آواز سنائی دی اور مضطرب صاحب نے ریسیور سعدی کے ہاتھ میں تھما دیا۔

''ہیلو۔'' سعدی نے کہا۔

''میں صفورا بول رہی ہوں سعدی صاحب۔''

''اوہ آپ کیسی ہیں مس صفورا؟''

''کل شام کو ساڑھے پانچ بجے میں سخت پریشان ہوگئی تھی۔ یمن کو بھی میں نے ٹیلی فون کیا تھا' وہ بھی نہیں ملی۔ خود بیگم جہاں آراء بھی کہیں گئی ہوئی تھیں۔ آپ یقین کریں شدید ذہنی کوفت اور الجھن کا شکار رہی رات بھر۔''

''خیریت تو ہے صفورا صاحبہ؟''

''فون ملا تھا' میں نے دوسرے فون پر سنا' پچیس ہزار روپے کا مطالبہ ہے۔ پہلے جسے اس نے بیمار بتایا تھا اس کی حالت نازک بتاتا ہے۔ کافی تلخ کلامی ہوئی ڈیڈی سے اور اس نے ایک عجیب وغریب دھمکی دی۔''

''کیا؟'' سعدی نے پوچھا۔

''کہنے لگا' دیکھو مسٹر اعظمی بعض سودے زندگی اور موت کی حیثیت رکھتے ہیں' تم بھول رہے ہو کہ اپنی ذرا سی ہٹ دھرمی سے تم سب کچھ کھو دو گے۔ تنہا رہ جاؤ گے اس دنیا میں' اور تنہائی کی زندگی گزارنا آسان کام نہیں ہے۔''

''ہوں۔'' سعدی نے کہا۔ ''اور کیا بات ہوئی مس صفورا؟''

''بس بالآخر ڈیڈی نے اس کا مطالبہ منظور کر لیا۔ آج شام کو ساڑھے پانچ بجے کارپوریشن کے بڑے گیٹ کے سامنے یہ رقم وصول کر لی جائے گی۔'' صفورا نے جواب دیا۔

''ویری گڈ صفورا۔ میرا خیال ہے آج سے ہمارا کام شروع ہوگیا۔ ویسے کام تو اسی دن سے شروع ہوگیا تھا جس دن سے آپ آئی تھیں۔ آپ کے ڈیڈی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لی گئی ہیں اور آج شاید وہ بلیک میلر بھی منظر عام پر آ جائے گا۔''

''خدا کرے آپ کامیاب ہو جائیں۔ میرے لائق کوئی اور خدمت ہو تو بتا دیں۔''

''بس ایک آخری بات اور بتائیں مس صفورا؟''

''جی فرمائیے۔''

''آپ کے ڈیڈی گھر سے جائیں گے یہ رقم لے کر یا وہیں دفتر وغیرہ سے؟''

''نہیں ساڑھے پانچ بجے کا وقت ایسا ہے کہ وہ دفتر ہی سے جائیں گے۔ آپ انہیں اعظمی موٹرز سے پک کر سکتے ہیں۔ یا اگر کوئی تبدیلی ہو تو میں آپ کو رنگ کروں۔''

''میرا خیال ہے تبدیلی ہوگی نہیں' آپ مطمئن رہیں۔ فون کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' سعدی نے کہا اور صفورا نے شکریہ کہہ کر فون بند کر دیا۔

شکیلہ اور ظفری اس دوران ٹیلی فون پر ہونے والی گفتگو سن کر ساری صورت حال کا اندازہ لگا چکے تھے۔ فون بند کرنے کے بعد سعدی اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''کیا حکم ہے سیون سیون زیرو۔'' ظفری نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''تعاقب' اسی وقت سے تعاقب' مسٹر اعظمی تمہارے کہنے کے مطابق اس وقت اپنی رنگائی والی فیکٹری میں ہوں گے تم سائے کی طرح ان کے پیچھے لگ جاؤ اور ان کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھو۔''

''او کے چیف۔'' ظفری نے کہا۔ اور سعادت مندی سے باہر نکل گیا۔

رنگائی کی فیکٹری سے نکل کر باسط اعظمی حسب معمول شوروم آیا اور ٹھیک پانچ بجے اس نے اپنی سیٹ چھوڑ دی' پھر وہ اپنی کار میں بیٹھ کر آہستہ خرامی سے چل پڑا۔ اس کے چہرے سے حزن وملال عیاں تھا۔ پریشانی بھی صاف محسوس ہو رہی تھی۔ ظفری موٹر سائیکل پر اس کا تعاقب کرتا رہا۔

ٹھیک ساڑھے پانچ بجے کارپوریشن کے بڑے گیٹ کے سامنے اس نے کار روک دی۔ دبلے پتلے بدن کا ایک مجہول سا شخص جس کے بدن پر بھکاریوں جیسے چیتھڑے جھول رہے تھے۔ آگے بڑھا اور بھیک مانگنے کے سے انداز میں کھڑکی پر دونوں ہاتھ رکھ کر جھک گیا۔

ظفری کی باریک بین نگاہوں نے اس لفافے کو دیکھ لیا تھا۔ جواب بھکاری کی گدڑی میں منتقل ہو چکا تھا۔ بھکاری دعائیں دیتا ہوا پیچھے ہٹ گیا اور کار برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔

اب باسط اعظمی کا تعاقب کرنے کا کوئی جواز نہیں رہ گیا تھا۔ چنانچہ ظفری نے موٹر سائیکل اس طرح فٹ پاتھ سے لگا کر کھڑی کر دی جیسے اس میں کوئی خرابی ہو گئی ہو۔ پھر وہ نیچے بیٹھ کر پلگ صاف کرنے لگا۔

اس کی نگاہیں اس فقیر قسم کے آدمی کا تعاقب کر رہی تھیں جو وہیں کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد ایک چوراہے پر اس نے ٹیکسی روکی۔ اور محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا ہوا ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ ظفری نے جلدی سے موٹر سائیکل اسٹارٹ کر دی تھی۔ ٹیکسی کا نمبر اس نے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا اور اس کے پیچھے چل پڑا۔

شہر کے ایک نواحی علاقے میں اوسط درجے کے ایک مکان کے سامنے ٹیکسی رک گئی اور فقیر قسم کا آدمی اندر داخل ہو گیا۔ ٹیکسی کے واپس جانے کے بعد ظفری نے اپنی موٹر سائیکل مکان سے خاصی دور ایک درخت کے ساتھ کھڑی کر دی۔ اب اسے اس مکان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا تھیں۔

مکان کے قرب و جوار میں بھی دوسرے مکانات تھے لیکن ذرا فاصلے پر نئی بستی آباد ہو رہی تھی۔ بہت سے پلاٹ خالی پڑے ہوئے تھے۔ قریب ترین مکان بھی تقریباً سو گز دور تھا۔ ظفری چند لمحات سوچتا رہا۔ اس کا ذہن کوئی صحیح فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ فوری طور پر اور کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی سوائے اس کے کہ مکان کی نگرانی کرے۔ اسے اب تک زبردست کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ اتنی آسانی سے یہاں تک پہنچ جانا تقدیر کی ہی بات تھی۔ بہر حال وہ اس علاقے میں گشت کرتا رہا۔ وہ مکمل طور پر اس مکان کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔

تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ اکا دکا افراد ہی اسے نظر آئے تھے۔ لیکن کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ پھر اس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ قرب و جوار کے علاقے پر نگاہ دوڑاتے ہوئے اس نے کئی بار چونے کی سفیدی پر کالی سیاہی سے لکھے ہوئے اس بورڈ کو دیکھا تھا جس پر اسٹیٹ ایجنسی لکھا ہوا تھا۔

نئے خیال کے تحت ظفری جلدی سے اسٹیٹ ایجنسی کی طرف چل پڑا۔ موٹر سائیکل اس نے ایجنسی کے سامنے روک دی۔ یہ سیمنٹ ڈپو اسٹیٹ ایجنسی اور سب کچھ تھا۔ تین آدمی یہاں بیٹھے ہوئے تھے جن میں ایک مالک لگتا تھا اور دوسرے یونہی۔ تینوں اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ظفری موٹر سائیکل کھڑی کر کے دکان پر پہنچ گیا۔ سلام دعا کے بعد اس نے کسی کرائے کے مکان کی بات کی۔ اور ان میں سے ایک نے مکان دکھانے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ ابتدائی باتوں کے بعد وہ شخص کھڑا ہو گیا۔ تینوں اس علاقے کے باشندے تھے اور یہاں سے پوری طرح واقف تھے۔ جو شخص ظفری کو مکان دکھانے لایا تھا اس کا نام اکرام تھا۔

ظفری دوستانہ انداز میں اس شخص سے باتیں کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ اکرام نے اسے دو مکان دکھائے اور ظفری اسے گھیر کر اس جگہ لے آیا جہاں اس کا مطلوبہ مکان موجود تھا۔

''یہ مکان خالی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''نہیں بابو صاحب۔ اس میں حاکم علی رہتا ہے۔''

''حاکم علی؟ نام تو سنا ہوا لگتا ہے۔''

''بس ایسا ہی آدمی ہے صاحب۔ جواء کھیلتا ہے اس مکان میں بدمعاش قسم کے لوگ بھی آتے ہیں۔ ایک پگلی بہن رہتی ہے۔ جو کبھی باہر نہیں نکلتی۔ بہت کم لوگوں نے اسے دیکھا ہے۔''

''کتنے عرصہ سے رہتے ہیں یہ لوگ یہاں۔''

''پتا نہیں صاحب۔ جب ہم نے ایجنسی کھولی تھی تو یہ لوگ یہیں تھے۔''

''حاکم علی کے بیوی بچے نہیں ہیں؟''

''میں نے کہا نا' اس بہن کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔''

''نوجوان بہن ہے؟''

"نہیں صاحب عمر رسیدہ ہے بے چاری۔ ایک یہ مکان ہے صاحب۔" اکرام نے ایک اور مکان دکھاتے ہوئے کہا۔ ظفری اس سے زیادہ معلومات حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال اس نے اکرام کو مطمئن کرنے کے لیے یہ مکان پسند کیا اور کرائے وغیرہ کی بات کر کے بولا کہ وہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ آئے گا اور مکان کی بات مکمل کرے گا۔

حاکم علی کے بارے میں اس سے زیادہ معلومات حاصل ہونا مشکل ہی تھیں۔ یہ بات طے ہو گئی تھی کہ وہ ایک جرائم پیشہ شخص تھا اور یہاں رہتا تھا۔ جواء وغیرہ کھیلتا تھا۔ بہرحال وہ کوئی بہت بڑا بلیک میلر نہیں تھا۔ نہ جانے اس نے باسط اعظمی کو کس چکر میں پھانسا ہوا تھا۔ یہاں تک تو جو کچھ معلومات حاصل ہو سکتی تھیں ہو گئی تھیں۔ اس سے آگے صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ اس نے باسط اعظمی کو کس چکر میں پھانسا ہوا ہے۔ کیا باسط اعظمی خود اس سلسلے میں تعاون کرے گا؟ ظفری تھوڑی دیر کے لیے سوچتا رہا۔ پھر موٹر سائیکل اسٹارٹ کر کے وہاں سے چل پڑا۔ اس وقت دفتر جانے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ گھر کی جانب چل پڑا۔

سعدی اور شکیلہ گھر پر ہی موجود تھے' مطلق صاحب کے ساتھ نشست جمی ہوئی تھی' خوش گپیاں ہو رہی تھیں' سعدی نے سنسنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھا اور ظفری نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

بہرصورت شام کے کھانے کے بعد فراغت ہو گئی' مطلق صاحب کو زیادہ چہکنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اور اس کے بعد وہ تینوں کمرے میں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ ظفری نے سعدی اور شکیلہ کو تمام رپورٹ دی' اور سعدی اور شکیلہ بھی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

"اس کا مقصد ہے کہ وہ بلیک میلر عام نوعیت کا ہے یعنی کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں ہے۔"

"بات صرف یہ رہ جاتی ہے سعدی کہ آخر اس نے باسط اعظمی کو کس چکر میں پھانسا ہے؟" شکیلہ بولی۔

"میں راستے میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ کیا باسط اعظمی خود بھی اس سلسلے میں تعاون کر

سکتا ہے؟" ظفری نے کہا۔

"میرا خیال ہے نہیں۔" سعدی نے جواب دیا۔

"کیوں؟ اگر اسے اس بلیک میلر سے نجات ملنے کی توقع ہو جائے تو کیا وہ ہم سے تعاون نہیں کرے گا؟"

"میں نے کہا نا نہیں' کیا تم مفورا کی باتیں بھول گئے؟"

"کون سی باتیں؟"

"باسط اعظمی نے کتنی سختی سے اسے منع کیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں کوئی چھان بین نہ کرے' اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باسط اعظمی اپنا راز اپنے سینے تک ہی رکھنا چاہتا ہے۔"

"پھر تو بڑی مشکل پیش آئے گی سعدی۔"

"ہاں' ظاہر ہے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے تو ہم نے پچیس ہزار روپے حاصل کیے ہیں۔ کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"سوچو' پھر سوچو۔" ظفری نے کہا اور سعدی گردن ہلا کر خاموش ہو گیا۔

تینوں ہی موجودہ پروگرام سے متفق ہو گئے تھے۔ سعدی نے ٹیلی فون پر باسط اعظمی کا نمبر ملایا اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ باسط اعظمی اس وقت اپنی رنگائی والی فیکٹری میں موجود تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"باسط بول رہا ہوں۔"

"میں آپ کا ایک نیا خادم بول رہا ہوں جناب' بس کچھ ایسی گفتگو کرنا چاہتا ہوں جو ممکن ہے آپ کو اس وقت پسند نہ آئے۔ لیکن مستقبل میں آپ یوں سمجھ لیجیے کہ ہم آپ کے لیے رحمت کے فرشتے ثابت ہوں گے۔"

"کیا بکواس ہے؟ کون ہو تم؟"

"نام تو اپنا نہیں بتا سکتا۔ صاحب البتہ اپنے یار کا نام بتا دوں تو آپ مجھے جان جائیں

گے۔ میرے یار کا نام حاکم علی ہے۔"

"کیا؟" باسط اعظمی کی آواز میں لرزش تھی۔

"جی ہاں حاکم علی۔"

"میں کہتا ہوں تم کون ہو اور کیوں مجھ سے بکواس کر رہے ہو؟"

"صاحب حاکم علی کچھ عرصے سے اپنا یار تھا' لیکن اب ہم نے یہ یاری ختم کر دی ہے۔ اس کی ساری حرکتیں ہمارے علم میں ہیں صاحب' اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ سسرا بڑے عرصے سے آپ کو پریشان کر رہا ہے۔ ہم یہ چاہتے ہیں صاحب کہ جو کچھ بھی آپ اسے دے چکے ہیں یا دیتے ہیں' اس کا دس پرسنٹ اگر آپ ہمیں دے دیں تو ہم آپ کو اس سے نجات دلا دیں گے۔ بس یہ بتائیں کہ ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں؟"

"تم کوئی بدمعاش اور فراڈ قسم کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ خواہ مخواہ مجھے پریشان کرنے کے لیے تم نے ٹیلی فون کیا ہے۔" باسط اعظمی کی آواز عجیب سی تھی۔

"تو پھر فون بند کر دیں صاحب' اگر اپنی بات میں کوئی جان نہیں ہے تو آپ کی مرضی اور اگر کچھ سمجھتے ہیں تو قاعدے کی بات کریں۔" سعدی نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا اور چند لمحات کے لیے دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"تم مجھ سے ملاقات کر سکتے ہو" تھوڑی دیر کے بعد باسط اعظمی نے پوچھا۔

"ضرور کر سکتے ہیں صاحب' جب اور جہاں حکم دیں۔" سعدی بولا۔

"میرے شوروم پر آ جاؤ' شام کو تین ساڑھے تین بجے کے قریب میں تم سے ملاقات کروں گا۔"

"جو حکم سرکار' پہنچ جائیں گے۔" سعدی نے کہا اور پھر تھوڑی سی رسمی گفتگو کے بعد فون بند ہو گیا۔ باسط اعظمی کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا جا رہا تھا' ایک دوسرا سیٹ رکھا ہوا تھا جس پر دوسری طرف سے ہونے والی گفتگو صاف سنائی دیتی تھی۔ وہ تینوں اس بات پر غور کرنے لگے۔

ظفری نے کہا۔

"یوں لگتا ہے جیسے باسط اعظمی اپنے اس بلیک میل ہونے سے زیادہ خوفزدہ نہ ہو یا کسی دوسرے کو اس میں شریک نہیں کرنا چاہتا ہو۔"

"بھئی یہ تو ظاہر ہے ظفری' اسے خوف ہوگا کہ اس کا راز ایک سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے تک پہنچ جائے گا۔ یہ ایک فطری چیز ہے۔ اور ظاہر ہے اسی خوف سے وہ کسی کو اپنا شریک راز بنانا نہیں چاہتا ہوگا۔ بہرصورت تم مل لو اس سے' لیکن ہوشیار رہنا صورت حال کچھ گنجلک معلوم ہوتی ہے۔" سعدی نے کہا۔

"میں ملوں اس سے؟" ظفری نے کہا۔

"ہاں جیسا تم کہو۔ مجھ سے کہتے ہو تو میں مل لیتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے سعدی اس سائڈ کو تو سنبھالو۔ ادھر حاکم علی کو میں دیکھتا ہوں۔" ظفری بولا۔

"ٹھیک ہے ایسا کر لیتے ہیں۔ میں ساڑھے تین بجے باسط اعظمی سے مل لوں گا۔" سعدی نے جواب دیا۔ شکیلہ ان دونوں سے متفق تھی' چنانچہ اس سلسلے میں مزید کوئی بات نہ ہوئی۔ شام کو ٹھیک ساڑھے تین بجے سعدی' باسط اعظمی کے شوروم پر پہنچ گیا۔ موقع کی مناسبت سے اس نے لباس عامیانہ پہنا تھا۔ بالوں کے اسٹائل میں تھوڑی سی تبدیلی کی تھی۔ اس طرح مکمل طور سے نہ سہی معمولی حد تک اس کی شخصیت بدل گئی تھی۔

شوروم بہت شاندار تھا۔ باسط اعظمی تک رسائی مشکل سے ہوئی۔ بہرحال اس نے سعدی کو بلا لیا۔ طویل و عریض کمرے میں وہ تنہا تھا۔ شریف صورت اور تھکا تھکا سا انسان۔ اس نے اداس نگاہوں سے سعدی کو دیکھا۔ اور گہری سانس لے کر کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ سعدی اطمینان سے بیٹھ گیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"نام میں کیا رکھا ہے صاحب کام کی بات بولو۔ میں نے فون پر آپ سے بات کی تھی۔" سعدی نے کہا۔

"ہاں اور تمہاری بکواس میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔" باسط نے سرد لہجے میں کہا۔

"لمبی چوڑی باتیں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں صاحب۔ آپ نے ہمیں بلایا ہے کوئی کام لینا ہے ہم سے تو بتاؤ۔"

"میں نے تمہیں صرف اس لیے بلایا ہے کہ تم سے اس بکواس کا مطلب معلوم کروں جو تم نے مجھ سے فون پر کی تھی۔"

"وہ بکواس تھی؟"

"سو فیصدی بکواس۔ میں کسی حاکم علی کو نہیں جانتا۔ اگر تمہارا کوئی ساتھی حاکم علی ہے اور اس نے تمہیں بلیک میلنگ کی کوئی کہانی سنائی ہے تو یقیناً وہ نشے میں ہوگا۔ میں اتنا معمولی انسان نہیں ہوں کہ کسی بلیک میلر سے نمٹ نہ سکوں۔ سمجھے تم؟"

"جی صاحب سمجھ گیا۔ لیکن ایک بات اور بتانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ حاکم علی سے اب اپنی چل گئی ہے۔ کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ آپ کچھ بھی کہیں ہمیں معلوم ہے کہ آپ اسے اچھی خاصی رقومات دیتے رہے ہیں۔" سعدی نے کہا۔

"بس میں تمہیں اس سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔" اعظمی نے کہا اور سعدی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"میں کسی مناسب وقت آپ کو فون کروں گا۔ اگر کوئی بات ذہن میں آ جائے تو۔۔۔۔ خدا حافظ۔۔۔۔" سعدی باہر نکل آیا۔

"ہاں اس نے ارادہ بدل دیا۔ بظاہر ایک سنجیدہ اور شریف سا انسان معلوم ہوتا ہے۔ تھکا تھکا سا، جیسے حالات سے پریشان ہو مالی حالت بہتر ہے۔ نہ جانے بلیک میلنگ کی وجہ کیا ہے؟" سعدی نے کہا۔

"پھر تمہیں بلانے کی وجہ کیا تھی؟" شکیلہ بولی۔

"ممکن ہے اس وقت وہ حاکم علی کا نام سن کر متاثر ہو گیا ہو اور بعد میں اس نے سوچا ہو کہ حاکم علی کے خلاف کوئی قدم اٹھا کر وہ کسی اور مصیبت میں نہ پھنس جائے۔"

"ہاں اس کا امکان ہے۔"

"پھر اب کیا کیا جائے؟" سعدی نے کہا اور تینوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

"حاکم علی۔ صرف حاکم علی۔ ہم اسے جال میں پھانس سکتے ہیں لیکن اس کے لیے خطرات مول لینا ہوں گے۔"

"ہاں، کچھ کام دکھانا ہی پڑے گا۔ کیوں مرشد۔ کیا ارادہ ہے؟" ظفری کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ایک بار اور حاکم علی کے ٹھکانے کا جائزہ لے لیا جائے اس کے بعد کوئی مناسب فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔"

اسی رات سعدی اور ظفری شوخ، عامیانہ قسم کے لباسوں میں ملبوس ہو کر حاکم علی کے مکان پر پہنچ گئے۔ حلیے میں معمولی سی تبدیلی کر لی گئی تھی۔ دروازے پر دستک ہوئی تو اندر سے حاکم علی نکل آیا۔ اس نے گہری نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ "کیا بات ہے بھائی، کس سے ملنا ہے؟"

"حاکم علی سے؟"

"میں ہی ہوں۔"

"امیر الدین نے تمہارا پتا بتایا تھا۔ امیر الدین چھٹی کو جانتے ہو نا؟"

"امیر الدین۔۔۔ چھٹی۔۔۔؟" حاکم علی پر خیال انداز میں بولا، پھر گردن ہلا کر کہنے لگا۔ "یاد نہیں آیا۔ بہر حال کام بتاؤ؟"

"کوئی کام نہیں حاکم علی بھائی۔ کھیل ہو رہا ہے نا آج کل؟" سعدی نے پوچھا اور حاکم علی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے چاروں طرف دیکھ کر کہا۔

"کیسا کھیل؟"

"شک کر رہے ہو؟"

"میں اجنبیوں سے بے تکلف نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ میں کسی امیر الدین کو نہیں جانتا۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔" حاکم علی اس انداز میں پیچھے ہٹا جیسے دروازہ بند کرنا چاہتا ہو لیکن سعدی نے اپنا پاؤں دروازے میں اڑا دیا۔

"کھیل تو اندر ہو رہا ہے۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا اور حاکم علی اسے گھورنے لگا۔

"پولیس کے آدمی ہو؟" اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔ پولیس کے ہوتے تو تمہیں صاف بتا دیتے۔ ویسے تم اپنے اتنے گہرے دوست کو بھول رہے ہو۔ امیر الدین نے تو کہا تھا کہ تم بہت با اخلاق آدمی ہو۔"

"میں کسی امیر الدین کو نہیں جانتا۔ سمجھے تم؟ اور تم یہ دھینگا مشتی مت کرو یہاں' اندر کوئی کھیل ویل نہیں ہو رہا۔ اگر تمہارا تعلق پولیس سے ہے تو جاؤ علاقے کے ایس ایچ او سے بات کرو۔ میرا نام حاکم علی ہے۔"

"حاکم علی' حاکم علی' ہمارا تعلق پولیس سے نہیں ہے دوست۔ ہم بہر طور تمہاری ہی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم نے ٹھیک سے ہم سے بات نہیں کی تو یقین کرو۔ بڑے نقصان میں رہو گے۔" سعدی نے بدستور دروازے پر پاؤں اڑائے اڑائے کہا۔

حاکم علی کے بارے میں جیسا کہ ظفری نے بتایا تھا' زیادہ لڑائی جھگڑائی کا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا اور یوں بھی کچھ مشکوک سی شخصیت تھی اس کی۔ نشے باز تھا۔ اس لیے زیادہ مدافعت نہیں کر سکا اور چند لمحات کے بعد اس نے انہیں اندر آنے کی اجازت دے دی' لیکن اس کا چہرہ بدستور غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ ایک چھوٹا سا صحن تھا' اس کے بعد دالان اور دالان کے بعد دو تین کمرے تھے' سامنے کا دروازہ کھلا ہوا تھا' اور دوسری طرف روشنی ہو رہی تھی۔

"کھیل ہو رہا ہے حاکم علی؟" سعدی نے پوچھا۔

"میں نے کہا نا کوئی کھیل نہیں ہو رہا۔"

"ہوتا تو ہے؟"

"ہاں ہوتا ہے' لیکن اس وقت نہیں ہو رہا۔" حاکم علی نے جواب دیا۔

"یقین کرو ہم شرافت سے کھیلنا چاہتے ہیں۔"

"شار پنگ کرتے ہو؟" حاکم علی نے سوال کیا۔

"نہیں سیدھا سادھا کھیل۔"

"امیر الدین کا نام کیوں لیا تھا تم نے؟ جبکہ میں کسی امیر الدین کو نہیں جانتا؟"

"بس یہ سمجھ لو کہ تم سے تعارف حاصل کرنے کے لیے' لیکن تم مانتے ہی نہیں۔"

"کیسے مانتا' جبکہ میں کسی امیر الدین کو جانتا ہی نہیں ہوں۔" اس کے علاوہ میں بیوقوف بھی نہیں ہوں' اتنا سمجھتا ہوں کہ تم جس انداز میں یہاں آئے ہو اس کا کوئی خاص مقصد ہے۔ جوا کھیلنے کے لیے بہت سے اڈے پڑے ہوئے ہیں۔ بہت بڑی بڑی جگہیں ہیں' حاکم علی کے ہاں ہی کیا رکھا ہوا ہے۔ اب بھی اگر تم اپنی آمد کا صحیح مقصد نہیں بتاؤ گے تو پھر میں بھی تم سے کوئی تعاون نہیں کر سکوں گا۔"

"بیٹھنے کی پیشکش کرو حاکم علی' کچھ کھلاؤ پلاؤ' کم از کم چائے ہی سہی' تو پھر تمہیں کام کی بات بتائیں' بس یوں سمجھ لو کہ تمہارا ہی فائدہ ہے' ویسے واقعی اندر کوئی نہیں معلوم ہوتا۔"

"ہاں' گیارہ بجے کے بعد لوگ یہاں آتے ہیں۔"

"اوہو یہ بات ہے' بہر حال اس اطلاع کا شکریہ! تو حاکم علی دراصل ہم تمہیں قتل کرنے آئے ہیں۔" ظفری نے انتہائی لاپروائی اور سکون کے ساتھ کہا۔ اور حاکم علی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ انتہائی ہونق نظر آ رہا تھا۔

دیر تک وہ سکتے کے سے عالم میں کھڑا رہا۔ پھر چیخ کر بولا۔ "حاکم علی کو مارنے والے مر گئے سالے۔ کیوں مارو گے مجھے۔ کیوں قتل کرنے آئے ہو؟ کس نے بھیجا ہے تمہیں؟"

''ارے ارے' یار کمال کے آدمی ہو۔ مذاق بھی نہیں سمجھتے۔ یہ صرف مذاق تھا۔'' سعدی نے کہا۔

''بس تم لوگ نکل جاؤ یہاں سے۔ میں نے تمہیں اندر بلا کر غلطی کی ہے۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ فوراً نکل جاؤ۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔''

''اچھا تو یوں بھی نہیں ہوگا حاکم علی۔ تمہاری شامت ہی آ گئی ہے۔'' سعدی نے اس بار بدلے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور ظفری کو اشارہ کر دیا۔ ظفری نے پیچھے ہٹ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ حاکم علی خوفزدہ نظر آنے لگا۔ وہ تھوک نگلتا ہوا پیچھے ہٹ رہا تھا اور پھر وہ دیوار سے ٹک گیا۔

سعدی اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ ''ہاں حاکم علی تم امیر الدین کو نہیں جانتے؟'' اس نے کہا۔

''یقین کرو۔ یہ نام میرے لیے اجنبی ہے۔ مگر اس نے تمہیں میرے پاس بھیجا بھی ہے تو کام بتاؤ۔ میری زندگی کے دشمن کیوں بن گئے تم؟'' حاکم علی خوفزدہ لہجے میں بولا۔

''کیا سیٹھ باسط اعظمی کا نام بھی تمہارے لیے اجنبی ہے؟'' سعدی نے پوچھا۔ اور حاکم علی چونک پڑا۔ اور پھر یکلخت اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اب اس پر خوف کی جگہ غصے کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

''او یہ بات ہے؟'' اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں یہی بات ہے۔''

''اور اب تم مجھے قتل کر دو گے؟'' تاکہ نصر وگھوسی کی اصلیت چھپی رہے' کیوں؟''

''نصر وگھوسی؟''

''ہاں سیٹھ باسط اعظمی۔ اور آج سے بیس بائیس سال قبل کا نصر وگھوسی۔'' حاکم علی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''تم اسے کب سے جانتے ہو حاکم علی؟'' سعدی نے پوچھا۔

''بچپن سے۔ تقریباً پینتالیس سال سے۔ گلے میں بستے ڈال کر کمیٹی کے اسکول میں

پڑھنے جاتے تھے۔ نہر پر بھینسوں کو نہلانے لے جاتے تھے۔ بیر کے درختوں کے ساتھ ہی بیر توڑ کر کھاتے تھے۔ آدھی زندگی ساتھ گزاری تھی ہم نے۔ وہ میرے چچا کا بیٹا ہے سمجھے تم؟'' حاکم علی نے کہا۔ سعدی اور ظفری دلچسپی سے اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔

''لیکن اب تم اسے بلیک میل کر رہے ہو؟''

''ہاں' وہ اسی قابل ہے' ذلیل کمینہ انسان' تم اس کے حمایتی بن کر آئے ہو' مجھے قتل کرنے۔ کر دو مجھے قتل اور مجھے قتل کرنے کے بعد اس کمرے میں بھی چلے جانا۔ وہاں ایک شخصیت اور موجود ہے جسے قتل کرنا ضروری ہوگا' سمجھے تم؟ جانتے ہو وہ شخصیت کون ہے؟ سیٹھ باسط اعظمی کی بیوی۔ اس کی بیٹی کی ماں اور میری بہن۔ میرے قتل کے بعد اسے قتل کرنا بھی ضروری ہے۔ ورنہ تمہارے آقا کو سکون نہیں ملے گا۔''

''تم جھوٹ بول رہے ہو' فریب کر رہے ہو حاکم علی۔ ہم آسانی سے فریب کھانے والوں میں سے نہیں۔ کون ہے وہاں' دکھاؤ'' اور حاکم علی پاؤں پٹختا ہوا اس کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ چند لمحات کے بعد وہ درمیانہ عمر کی ایک دبلی پتلی عورت کو گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا جو نیم دیوانی سی تھی۔ لیکن اس کے خدوخال میں اب بھی جاذبیت تھی اور ان میں صفورا کی شکل صاف جھلکتی تھی۔

''یہ ہے میری بہن غفوراں' نصر وگھوسی کی بیوی' سیٹھ باسط اعظمی کی منکوحہ اور اس کی ماڈرن بیٹی صفورا کی ماں' سمجھے تم؟ برادری میں سب کے سامنے بیٹھ کر بتیس روپے آٹھ آنے کے مہر پر اس نے اسے خدا کے نام کے ساتھ اپنی بیوی بنایا تھا' چار سال گزارے تھے اس کے ساتھ۔ معمولی سا اختلاف ہوا تھا اس سے تو وہ اپنی بیٹی کو لے کر پاکستان بھاگ آیا۔ کیا حالت ہوگئی تھی میری بہن کی' جینے کے لالے پڑ رہے تھے' سالوں علاج کرایا میں نے اس کا۔ ساری بھینسیں بک گئیں اور پھر میں اسے لے کر پاکستان آ گیا' محنت مزدوری کرتا اور اپنی بہن کو زندہ رکھنے کی کوشش میں مصروف رہتا۔ ایک ہی بہن اپنی کو زندہ رکھنے کی کوشش میں مصروف رہتا۔ ایک ہی بہن تھی میری' شادی بھی نہیں کی میں نے اس کی وجہ سے۔ کہاں کہاں لیے لیے گھومتا رہا۔ وہ اپنی بچی کے

لیے پاگل ہوگئی تھی اور مجبوراً میں نے اسے نشہ آور دوائیں کھلانا شروع کر دیں۔ میں خود بھی اس کا غم برداشت نہ کر سکا تھا بابو صاحب۔ قتل کر دو مجھے۔ لیکن پہلے یہ بتا دو کہ کیا میں قتل کیے جانے کے ہی قابل ہوں۔ وہ کم بخت بیس سال کے بعد مجھے ملا۔ پورے بیس سال کے بعد بابو صاحب' اور اب نصرو گھوسی سیٹھ اعظمی بن چکا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میری بہن بے قصور تھی۔ اتنی معمولی سی بات کی اتنی بڑا سزا دی ہے اس نے' تو وہ گڑگڑانے لگا' میرے پیروں پر پڑ گیا' کہنے لگا کہ اب وہ بہت بڑا آدمی ہے' سوسائٹی میں اس کی عزت ہے' میں اس عزت کو نیلام نہ کروں' اسے اپنا بہنوئی نہ کہوں' اس کی بیوی کو بیوی نہ کہوں۔ اس کی بیٹی اس کی ماں سے نہ ملنے دوں۔ ... وہ اس راز کی قیمت مجھے ادا کرنے پر رضامند ہوگیا۔ اس نے مجھے دھمکی دی کہ اگر میں نے زیادہ گڑبڑ کی تو وہ اپنے اثر رسوخ سے کام لے کر مجھے موت کے گھاٹ اتروا دے گا۔ میری بہن کو مروا دے گا' نجانے کیا کچھ کہا اس نے بابو صاحب۔ اور میں نے دیکھ لیا تھا کہ اس کے پاس پیشہ موجود ہے' یہ بھی دیکھ لیا تھا میں نے ان بیس سالوں میں کہ پیسے کے زور پر دنیا کا ہر کام ہو سکتا ہے۔ مجھے اپنی بہن عزیز تھی' اب تم چاہو تو اسے بلیک میلنگ سمجھ لو۔ میری بھی ضرورتیں تھیں۔ میری بہن نشے کی عادی ہو چکی ہے۔ ٹیکے لگوانے پڑتے ہیں اسے اور بھی بہت اخراجات ہیں میرے' جوا کھیلتا ہوں' خرچہ ہوتا ہے۔ اور میں زبان بند رکھنے کی قیمت وصول کرتا ہوں اس سے۔ اس طرح میرے انتقام کی آگ بھی پوری ہوتی ہے۔ باقی یہ بات میں جانتا ہوں کہ وہ ان تمام باتوں سے کتنا خوش ہے۔ چلو ٹھیک ہے' لیکن ایک بات سن لو' پہلے میری بہن کو قتل کر دو۔ اس کے بعد مجھے قتل کر دینا۔ کیونکہ میرے بعد اگر وہ زندہ رہ گئی تو اس کا کوئی پرسان حال نہ ہوگا' اس کا کوئی اور سہارا نہ ہوگا۔ قتل کر دو مجھے قتل کر دو۔'' حاکم علی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ظفری اور سعدی گہری گہری سانسیں لینے لگے۔ ان دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی' پھر سعدی نے حاکم علی کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں حاکم علی ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔ تمہاری بہن کو کوئی نقصان نہیں پہنچائیں

گے۔ لیکن تم بڑے بزدل انسان ہو اور اس کے ساتھ ساتھ شاید بے غیرت بھی۔''

''کیوں۔ میں بے غیرت کیوں ہوں؟''

''تم نے دولت قبول کر لی حاکم علی' برسرعام سیٹھ باسط اعظمی کی عزت اتار کر نہ رکھ دی' اسے اس کی اصل تصویر نہ دکھا دی۔ انسان دولت مند ہو جائے تو اپنی اصلیت کو کیوں بھول جاتا ہے۔ یہ تو تمہارا فرض تھا حاکم علی کہ تم دنیا والوں کو اس کی اصل تصویر دکھا دیتے۔ ماں کو بیٹی سے ملا دیتے۔ تم نے دولت قبول کر کے بے غیرتی کا ثبوت دیا ہے۔''

''مجبوری تھی بابو صاحب' مجبوری تھی' میں اپنی بہن کی زندگی چاہتا تھا۔ اس نے مجھے بھی تو دھمکی دی تھی کہ وہ مجھے مروا دے گا۔ تم یقین کرو میں برا آدمی نہیں ہوں۔ میں خود بھی اسے قتل کر سکتا ہوں۔ لیکن ہم گردن میں ہاتھ ڈال کر' گلے میں بستے لٹکائے' کمیٹی کے اسکول جایا کرتے تھے۔ لیکن اب میں یہ کام نہیں کر سکتا' کبھی نہیں کر سکتا۔'' حاکم علی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

''ہوں۔'' سعدی نے کہا۔ ''تم افسردہ نہ ہو۔ حاکم علی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم آئے تھے اس کی وجہ سے لیکن اب ہم تمہارے ساتھی ہیں' تمہیں ہم اس بوجھ سے آزاد کر دیں گے۔'' سعدی نے کہا اور حاکم علی انہیں متشکرانہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''چلو۔'' سمن نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔ مغورا بھی اس کے ساتھ تھی۔ تینوں نے ان کا استقبال کیا تھا۔

''یقیناً بہادر جاسوس' تم نے کوئی پوائنٹ حاصل کر لیا ہے ورنہ ملاقات کے لیے اتنا اصرار نہ ہوتا۔'' سمن آراء نے کہا اور ظفری نے گردن خم کر دی۔

''بلیک میلر پکڑا جا چکا ہے۔ شہزادی سمن آراء ہدایت پور۔'' ظفری نے کہا۔

''واقعی واقعی سچ بتاؤ۔'' سمن پر اشتیاق انداز میں بولی۔

''ہاں سمن بیٹھو' بلیک میلر کی گرفتاری کی خوشخبری کے ساتھ ساتھ ہی تمہیں ایک المیے سے بھی دوچار ہونا پڑے گا۔'' سعدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا مطلب' کیا مطلب؟" سمن تعجب سے بولی۔

"فرصت ہے تمہیں' خاصی بھاگ دوڑ کرنی ہوگی؟"

"ہاں' بالکل فرصت ہے۔" صفورا نے کہا۔

"مس صفورا اعظمی۔ آپ کو اپنی والدہ یاد ہیں۔" سعدی نے پوچھا۔ اور صفورا کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔ اس نے نفی کے انداز میں گردن ہلا دی پھر بولی۔

"میں بہت چھوٹی تھی جب ان کا انتقال ہو گیا تھا۔"

"یہ بات آپ کو آپ کے والد صاحب نے بتائی ہوگی؟"

"ہاں۔"

"آپ کے والد نے دوسری شادی کیوں نہیں کی؟"

"میری وجہ سے۔"

"بہت چاہتے ہیں وہ آپ کو؟"

"ہاں۔"

"آپ کے دوسرے عزیز بھی ہوں گے؟"

"عزیز کوئی نہیں ہے۔ ڈیڈی کے احباب مجھے بہت عزیز رکھتے ہیں۔"

"صفورا صاحبہ' ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ نے آپ کا کیس حل کر لیا ہے۔ لیکن حالات ایسے ہیں کہ آپ کے ڈیڈی کا بلیک ہوتے رہنا ہی بہتر ہے۔ دوسری شکل میں آپ لوگ بہت سی پریشانیوں کا شکار بھی ہو سکتے ہیں۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ پھر آپ نے کیا کیا ہمارے لیے؟" صفورا نے کہا۔

"ہم اپنا کام انجام دے چکے ہیں۔ لیکن بلیک میلنگ کی وجہ اگر آپ کو بتا دی گئی تو آپ برداشت نہ کر سکیں گی۔"

"آپ صرف اس بلیک میلر کو ختم کر دیں۔ وجہ خود بخود ختم ہو جائے گی۔"

"سوچ لیں صفورا صاحبہ۔" سعدی بولا۔

"نہ جانے آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"بلیک میلر کا نام حاکم علی ہے۔۔۔۔ اور وہ آپ کا ماموں ہے۔" سعدی نے کہا۔ سمن اور صفورا دونوں ہی ششدر رہ گئی تھیں۔ "اس کے بعد ضروری ہے کہ میں آپ کو پوری کہانی سنا دوں۔" سعدی بولا۔ اور پھر اس نے حاکم علی کی پوری داستان بیان کر دی۔ صفورا کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ بمشکل اسے اس کہانی پر یقین آیا تھا اور جب اسے یقین آیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"خدا کے لیے' خدا کے لیے مجھے میری امی کے پاس لے چلو۔ خدا کے لیے۔۔۔۔ خدا کے لیے۔۔۔۔" وہ سعدی کے پاؤں پڑ گئی تھی۔ سمن بھی رنجیدہ تھی۔

سعدی' شکیلہ اور سمن نے بمشکل اسے سنبھالا تھا۔ سمن بھی بہت پریشان نظر آ رہی تھی۔ اس نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ "معاملہ بہت نازک ہے۔ صفورا۔ اتنا نازک کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ انکل اعظمی کی ساری شخصیت۔۔۔۔"

"اس کے بعد بھی تم یہ بات کر رہی ہو سمن۔ کیا شخصیت ہے' اس دودھ والے کی' اس نے۔۔۔ اس نے میری ماں کے ساتھ۔ یہ سلوک کیا۔ اس نے۔۔۔۔ اس نے۔" صفورا غصے سے دیوانی ہو رہی تھی۔ اور پھر اسی جنون کے عالم میں اس نے فون پر جھپٹا مارا' ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کیے۔ اور دوسری طرف سے رابطہ قائم ہونے کے بعد بولی۔

"کون بول رہا ہے؟"

"باسط اعظمی۔" جواب ملا۔

"تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟" جواب دو۔" صفورا غرائی۔

"آپ۔۔۔ آپ کون ہیں خاتون؟" دوسری طرف ہکلائی ہوئی آواز ابھری۔

"باپ کا نام بتاؤ باسط اعظمی۔ یہ اعظمی کون ہے؟ کون تھا تمہارا باپ' جواب نہیں دو

گے؟"

"کون ہوتم؟ باسط اعظمی بری طرح گھبرایا ہوا تھا۔

"نصرو گھوسی' گھٹیا نسل کے ہو۔ نام بدل دیا۔ باپ بھی بدل دو۔ ورنہ باپ کے نام سے پہچان لیے جاؤ گے۔ عزت خاک میں مل جائے گی۔ لوگ جان لیں گے تمہیں۔ بتاؤ' میری ماں کہاں ہے؟ غفورن کہاں ہے؟ بتاؤ نصرو تمہاری بیوی کہاں ہے جسے تم ہندوستان میں چھوڑ آئے تھے؟"

صفورا تم۔۔۔ تم۔۔۔ یہ تم ہو؟ میں سمجھ گیا۔ اچھی طرح سمجھ گیا۔ تم اس [illegible] سے مل چکی ہو۔ شاید۔ تم صفورا تم۔۔۔ وہ بہت کمینہ۔۔۔"

"سنو۔ سنو باسط اعظمی۔ سنو میرے عظیم باپ۔ میری بات سنو۔ ان میں سے کسی کو برا بھلا کہنے سے قبل میری باتوں کے جواب دو۔ ورنہ۔۔۔ ورنہ۔۔۔ بہت برا ہوگا۔ اتنا برا کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"تم کہاں سے بول رہی ہو صفورا' مجھے بتاؤ۔"

"مجھے بتاؤ۔ حاکم علی میرا ماموں ہے؟" صفورا نے اس کی ان سنی کر کے کہا۔

"چند لمحات کے تذبذب کے بعد باسط اعظمی نے۔ "ہاں وہ تمہارا ماموں ہے۔ لیکن زبان بند رکھنے کے لیے وہ ذلیل مجھ سے۔۔۔"

"میری ماں کا نام غفورن ہے؟"

"ہاں۔"

"تم نصرو دودھ والے ہو؟"

"ہاں ہاں' یہ سب ٹھیک ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ لیکن۔۔۔ لیکن۔۔"

"ڈیڈی میری ماں زندہ ہے؟ آپ کو علم ہے۔ میری ماں زندہ ہے۔ اور آپ نے اس کے ساتھ جو کچھ کیا ہے۔ خدا بھی اسے معاف نہیں کرے گا۔ جھوٹی شان و عظمت کے لیے۔۔۔

میں آپ سے کچھ نہیں کہوں گی ڈیڈی۔ سوائے اس کے کہ اب۔۔۔ میں اپنی ماں کے پاس رہوں گی۔ مجھے آپ۔۔۔ میری ماں کے ساتھ۔۔۔" صفورا نے ٹیلی کریڈل پر پٹخ دیا۔ اس کی آنکھیں گہری سرخ ہو رہی تھیں۔ معمولی سے گھر میں اس وقت بڑی بڑی شخصیتیں جمع تھیں۔

بیگم جہاں آراء ہدایت پور' سیٹھ باسط اعظمی' سمن' ظفری اور سعدی۔ باسط اعظمی کی بے چین نگاہیں اس دروازے کی طرف جمی ہوئی تھیں جس کے دوسری طرف صفورا وغیرہ موجود تھیں۔ بالآخر صفورا اپنی ماں کے ساتھ باہر نکلی۔ شکیلہ ان کے ساتھ تھی۔ باسط کھڑا ہو گیا تھا۔

"صفورا۔ میری بچی۔ میری۔" وہ بے اختیار [illegible] نے اسے روک دیا۔

"باسط صاحب' پہلے اپنی بیوی سے ملیں۔ اب یہی صفورا تک پہنچنے کا راستہ ہیں۔ افسوس آپ نے ایک انسان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔"

"ہاں مجھے احساس ہے بیگم صاحبہ۔ غفورن کو میں نے ابتداء میں ایک معمولی سی بات پر چھوڑا۔ لیکن بعد میں جھوٹی انا اور نام و نمود کی خاطر۔ نصرو گھوسی کو باسط اعظمی بتانے کے لیے میں نے یہ سب کچھ کیا میں سخت شرمندہ ہوں۔ انتہائی شرمندہ ہوں۔"

"نصرف۔۔۔ نصرو ہے نا یہ؟ کہیں چلا گیا تھا رے تو۔ اتنی دیر میں واپس آیا ہے۔ کٹھو کہیں کے۔ دیکھو میری بیٹی آئی ہے۔ یہ اپنی صفو ہے۔ بڑی ہو گئی ایک دم۔ ہائے میرا نشہ ٹوٹ رہا ہے۔ میں مر رہی ہوں حاکم۔" غفورن نیم دیوانگی کے عالم میں بول رہی تھی۔

"سب کچھ لے آیا ہوں غفورن اب تجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ میں نے نوکری کر لی ہے۔ چل اپنے گھر چلیں۔ چل صفورا۔"

"چل۔ آجا صفو گھر چلیں آ جا۔" غفورن نے ایک ہاتھ سے باسط اعظمی کو پکڑا اور دوسرے سے صفو کو پکڑ لیا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا بیگم صاحبہ۔ تب ٹھیک ہو جائے گا حاکم بھائی۔ میں علاج

کراؤں گا غفور ن کا۔ میں اسے بالکل ٹھیک کر کے پیش کروں گا آپ کے سامنے میرا وعدہ ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے جاؤ۔‘‘ بیگم جہاں آراء نے کہا۔ اور باسط اعظمی اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ باہر نکل گیا۔

بیگم ہدایت پور کو باسط اعظمی نے ہی اس مسئلے میں گھسیٹا تھا۔ ان کی معرفت ہی معاملات طے ہوئے تھے۔ بہرحال حاکم علی کے گھر سے واپسی میں ’’من نے کہا۔

’’ثابت ہو گیا کہ یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کافی خطرناک ادارہ ہے۔ اسے [illegible] رہنا [illegible]

[illegible] مسکرانے [illegible]

☆......☆......☆

سعدی آٹھ دن کے بعد اسپتال سے واپس آیا تھا۔ یہ تمام دن بڑے پریشان کن گزرے تھے۔ دفتر کھلتا ضرور تھا لیکن دفتر میں کسی کا دل نہیں لگتا تھا۔ سب کا ذہن سعدی میں الجھا ہوا تھا۔ بہرحال وہ صحت یاب ہو کر آ گیا تھا۔ کراٹے کلب کے ماہانہ امتحان میں وہ زخمی ہو گیا تھا۔ تین پسلیوں میں چوٹ آئی تھی۔ ظفری مقابلہ چھوڑ کر بھاگ گیا تھا ورنہ دونوں کے بستر ساتھ ہوتے۔ ہاں ٹیٹو نے اپنے مقابل کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ شکیلہ بھی ٹھیک رہی تھی۔ بہرحال سعدی تو اسپتال چلا گیا تھا۔ ظفری نے اس کے بعد کراٹے کلب کا رخ نہیں کیا تھا۔ اسپتال اور پھر دفتر کی مصروفیت کا بہانہ تھا۔ مطلق صاحب اور بیگم صاحبہ کو بتایا گیا تھا کہ سعدی موٹر سائیکل سے گر پڑا ہے۔ پھر سعدی کو اسپتال سے فرصت مل گئی۔ چوٹ گہری نہیں تھی۔ پسلیوں پر ورم آ گیا تھا اور خون رک گیا تھا جو تحلیل ہو گیا اور اس کی حالت درست ہو گئی۔

دفتر کی پہلی میٹنگ میں صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد سعدی نے اعلان کیا کہ وہ صرف دماغ ہے۔ بدن نہیں۔ چنانچہ وہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا دماغی شعبہ سنبھالے گا اور ذہنی دوڑ کے لیے جسمانی تربیت ضروری نہیں ہے چنانچہ کراٹے کلب کی شمولیت ختم‘ ظفری بھلا کہاں پیچھے رہنے والا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ سعدی کا ساتھ دے گا۔ ٹیٹو نے کہا کہ بلیک بیلٹ ضرور حاصل کرے گا۔ شکیلہ نے بھی تربیت جاری رکھنے کا اعلان کیا تھا۔

’’ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی آمدنی اتنی ہے کہ ہم کراٹے کے لڑاکوں سے بھی کام لے سکتے

ہیں۔ بلکہ اب ضروری ہوگیا ہے۔ کہ اسٹاف بڑھایا جائے اور اس کے لیے علیحدہ دفتر قائم کیا جائے۔'' سعدی نے کہا۔

''میں متفق ہوں۔ اس کے علاوہ ہمیں کارکردگی بھی بڑھانی ہوگی۔'' ظفری نے کہا۔

''اس میں کوئی ہرج نہیں ہے۔'' شکیلہ نے منظوری دے دی۔ ان دنوں کوئی کیس نہیں تھا۔ اس لیے اس سلسلے میں کام شروع ہوگیا۔ اس دفتر کے بالکل سامنے والا دفتر حاصل کرلیا گیا اور پھر یہاں ''جاسوسوں'' کی نشت گاہ بنادی گئی۔ اس کے بعد جاسوسوں کی تلاش شروع ہوگئی۔ کام کے لوگوں کا ملنا آسان نہیں تھا۔ اس سلسلے میں سب کوشش کررہے تھے۔ پھر ٹیٹو نے دو افراد کی سفارش کی۔ یہ کرائے کلب کے لوگ تھے۔ لیکن اسی کے ہم پلہ ایک جادو تھا۔ اور دوسرا ڈنھل۔''

''بھائی لوگوں کی کھوپڑی خالی ہے۔ بھیجہ بھی بدن میں گھل مل گیا ہے لیکن اس خالی کھوپڑی میں جو چیز رکھ دو وہی رہے گی۔ یہ صرف عمل کریں گے۔ دونوں بلیک بیلٹ ہیں اور بیکار ہیں۔'' ٹیٹو نے ان کا تعارف کرایا۔

''قابل اعتماد ہیں؟''

''کسی اونٹ کی مانند!'' ٹیٹو نے اونٹ کے بارے میں ایک نیا انکشاف کیا۔

''تعلیم یافتہ ہیں؟''

''کچے تعلیم یافتہ ہیں۔ ڈنھل ہوٹل فریسکو میں روم ویٹر کے طور پر کام کرچکا ہے اس لیے اردو بھول گیا ہے اور بس انگریزی بولتا ہے۔ جادو نے بھی چھ سال اسکول پر احسان کیا ہے۔''

''تنخواہ؟'' سعدی نے پوچھا۔

''پیٹ بھر کھانا۔ کپڑا اور رہائش گاہ۔ باقی جھگڑوں میں نہیں پڑتے۔''

''گڈ! ان کی نوکری بھی ان کی تعلیم کی طرح کچی۔ دو چار ایسے اور مل جائیں تو لے آؤ ٹیٹو۔'' سعدی نے کہا۔ اس کے بعد ان لوگوں کی تربیت شروع ہوگئی۔ مضطرب صاحب نے سب سے زیادہ جاسوسی ناول پڑھے تھے ان دنوں اور واقعی کام کے آدمی بن گئے تھے۔ اس لیے ان

لوگوں کی تربیت کی ذمہ داری انہیں سونپی گئی تھی۔ اور وہ خود بھی اس دوسرے دفتر میں منتقل ہوگئے۔ اس کے علاوہ افسر خریداری بھی انہیں ہی بنادیا گیا۔ چنانچہ اس دوسرے دفتر میں انہوں نے ایسے انتظامات کیے کہ سعدی ظفری اور شکیلہ دنگ رہ گئے۔ الیکٹریشن کو بلا کر مضطرب صاحب نے جاپانی انٹرکام سیٹ نصب کرائے تھے اور اس طرح نصب کرائے تھے کہ کسی کو نظر نہ آسکیں۔ بس میز کے نیچے لگے بٹن دباؤ اور ضرورت پوری کرلو۔ بہرحال ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ ترقی کی منازل طے کررہا تھا اور بڑی عمدگی سے یہ جاسوسی کا ادارہ پروان چڑھ رہا تھا۔ بہت سی خریداریاں کی گئی تھیں اور زندگی بہت عمدگی سے گزرنے لگی تھی۔

پھر دو اور افراد کا اضافہ ہوگیا' ان میں ایک راشد تھا تعلیم یافتہ نوجوان' لیکن لاابالی فطرت کا مالک۔ بہت ذہین تھا اور یہ ظفری کی دریافت تھی۔ دوسرا قاسم تھا' یہ بھی اچھا خاصا پڑھا لکھا تھا۔ اور اس نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے اغراض و مقاصد سمجھ کر اپنی ملازمت کی پیشکش کردی تھی' گویا معقول ترین لوگوں کی اچھی خاصی تعداد جمع ہوگئی تھی۔

اس دوران چھوٹے موٹے بہت واقعات پیش آئے لیکن کوئی باقاعدہ کیس نہیں ملا تھا۔

اس دوپہر موسم خاصا گرم تھا۔ اور وہ لوگ اپنے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں بیٹھے ہوئے انگڑائیاں لے رہے تھے کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ ریسیور سعدی نے اٹھایا تھا۔ دوسری جانب سے کھردری سی آواز سنائی دی۔

''ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ؟''

''ہاں۔ فرمایئے کس سے ملنا ہے آپ کو؟''

''یہاں کے کسی ذمہ دار کارکن سے۔''

''آپ بے تکلفی سے اپنا مقصد بیان کرسکتے ہیں۔''

''اس ادارے کے بارے میں سنا ہے کہ معاوضہ لے کر لوگوں کی ہر طرح سے امداد کرتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟'' سوال کیا گیا۔

''یقیناً۔ بشرطیکہ اس امداد میں قانون کو الجھن پیش نہ آتی ہو۔ میرا خیال ہے ان الفاظ میں میرا مقصد واضح ہو جاتا ہے۔''

''ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' رات کو ساڑھے سات بجے فائزرس کی چھت پر مجھ سے ملاقات کرو۔''

''ہوٹل فائزرس؟'' سعدی نے سوال کیا۔

''ہاں۔ اسی کی بات کر رہا ہوں۔ فائزرس پر روف گارڈن ہے۔ اسی گارڈن میں آ جاؤ۔ میں تمہیں نہیں پہچانتا لیکن اگر تمہارے کوٹ کے کالر میں گلاب کی تین کلیاں لگی ہوئی ہوں تو میں تمہیں پہچان لوں گا۔''

''اتنے گھماؤ پھراؤ کی کیا ضرورت ہے۔ آپ مجھے اپنا نام بتایئے۔ میں اسی نام سے آپ کو تلاش کر لوں گا۔ حلیہ بھی بتا دیں تو بہتر ہے۔''

''پلیز اس سلسلے میں رد و قدح مت کرو۔ مجھ سے مل کر تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا کہ جو کچھ میں نے کیا وہ بہتر تھا۔''

''ٹھیک ہے مجھے اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں ہے آپ کوئی کیس میرے سپرد کرنا چاہتے ہیں؟'' سعدی نے پوچھا۔

''ہاں۔ اور تمہارے منہ مانگے معاوضے پر۔''

''بہت بہتر' میں شام سات بجے ہوٹل فائزرس کی چھت پر آپ سے ملاقات کروں گا۔'' ''خدا حافظ۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور سعدی نے فون بند کر دیا۔

ظفری موجود نہیں تھا۔ لیکن شکیلہ سامنے ہی بیٹھی ہوئی تھی۔

''ہمارے شایان شان۔'' سعدی نے جواب دیا۔

''ہوٹل فائزرس کی چھت پر؟'' شکیلہ نے پوچھا۔

''ہاں۔''

''اور کوئی بات نہیں بتائی؟''

''نہیں' ظاہر ہے ساری گفتگو فون پر ہی طے نہیں ہو جاتی۔'' سعدی نے جواب دیا۔

شام کو سات بجے وہ ایک خوبصورت لباس میں ملبوس ہو کر ہوٹل فائزرس پہنچ گیا۔ ہفتے کا آخری دن تھا۔ فائزرس کی چھت پر بہت رش تھا' یوں بھی موسم دن بھر سخت گرم رہا تھا۔ لیکن شام ٹھنڈی ہو گئی تھی اس لیے فائزرس میں آنے والوں نے چھت کا ہی انتخاب کیا تھا اور تقریباً تمام میزیں بھر چکی تھیں۔ فائزرس کی چھت کو گارڈن کی شکل دے دی گئی تھی اور یہاں مصنوعی طریقے سے گھاس اگائی گئی تھی۔ پھول لگائے گئے تھے اس لیے یہاں کا ماحول بے حد حسین ہو گیا تھا۔ چھوٹے چھوٹے تراشے ہوئے درختوں میں بجلی کے رنگین قمقمے جھانک رہے تھے اور ان کے درمیان لگی ہوئی میزوں سے نقرئی قہقہے ابھر رہے تھے بہت سے لوگ بیٹھنے کی جگہ حاصل نہ کر پانے کی وجہ سے کھڑے ہوئے مشروبات سے شغل کر رہے تھے۔ کچھ گھاس پر ہی بیٹھ گئے تھے۔ سعدی مختلف میزوں کے درمیان چکراتا پھرا۔

دس منٹ گزر گئے' اس کے کوٹ کے کالر میں گلاب کے تین ادھ کھلی کلیاں لگی ہوئی تھیں جو ملاقات کے خواہشمند کی فرمائش پر لگائی گئی تھیں لیکن ابھی تک کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ بہت سے لوگ مختلف تفریحات میں مشغول تھے۔ دفعتاً سعدی کے اوپر تیز روشنی پڑی اور وہ چونک پڑا۔

اس نے اس لڑکی کو دیکھ لیا تھا۔ جو نارنجی بلاؤز اور کالے اسکرٹ میں ملبوس بے حد اسمارٹ نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں پر سنہرے فریم کی عینک لگی ہوئی تھی اور ہاتھ میں کیمرہ لٹکا ہوا تھا۔

سعدی نے اس کی طرف دیکھا اور لڑکی نے رخ بدل لیا۔ جیسے اس بات کا اظہار کر رہی ہو کہ تصویر سعدی کی نہیں لی گئی بلکہ فلیش لائٹ کے جھماکے میں وہ بھی آ گیا ہے۔ لیکن یہ روشنی اتنی بھرپور تھی کہ سعدی کو یقین تھا کہ یہ تصویر اسی کی لی گئی ہے۔ آخر کیوں؟ اس نے دل ہی دل میں سوچا۔ ویسے لڑکی کو اس نے نگاہ میں رکھ لیا تھا۔ وہ اس بات کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

بہرطور وہ گھومتا رہا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے ویٹر سے ایک مشروب طلب کر کے فوری طور پر اس کی قیمت ادا کر دی اور پھر ایک دیوار سے ٹک کر اس کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتا رہا۔ اس کی نگاہیں اطراف میں بھٹک رہی تھیں۔ جب آدھے گھنٹے سے زیادہ گزر گیا تو اس کے ہونٹ مایوسی سے سکڑ گئے اس نے سوچا کہ یا تو کسی نے مذاق کیا ہے یا پھر اس کا ملاقاتی پہنچ نہیں سکا۔ جب ایک گھنٹہ گزر گیا تو اس نے وہاں سے واپسی کا فیصلہ کیا۔ اب وہ اس ملاقات سے مایوس ہو گیا تھا۔

وہ روف گارڈن کے نیچے جانے والے راستے کی جانب چل پڑا۔ تب ہی عقب سے وہ لڑکی اس کے قریب پہنچ گئی۔

''مسٹر پلیز!'' اس نے نرم اور مہین آواز میں کہا اور سعدی رک گیا۔ اس کے چہرے کے عضلات میں نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔

''جی فرمایئے۔''

''آپ واپس جا رہے ہیں؟''

''کیوں کیا خیال ہے آپ کا؟ اور تصویر بنانا چاہتی ہیں آپ میری؟'' سعدی نے کسی قدر خشک لہجے میں پوچھا۔

''اوہ نہیں' میں آپ کی اس مایوسی کو دور کرنا چاہتی ہوں۔'' لڑکی نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا مطلب؟'' سعدی چونک کر بولا۔

''میرے ساتھ آنا پسند کریں گے؟''

''نہیں۔ میں فضول قسم کی باتوں میں دلچسپی لینے کا عادی نہیں ہوں۔ ہاں اگر آپ مجھے اپنا مقصد بتا دیں تو میں اس بارے میں غور کر سکتا ہوں۔''

''اوہ گڈ۔ مقصد یہی ہے کہ آپ جس سے ملنے یہاں آئے تھے میں آپ کو اس

کے پاس پہنچانا چاہتی ہوں۔'' لڑکی نے جواب دیا اور سعدی گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

''بڑی ڈرامائی سچویشن پیدا کی ہے آپ لوگوں نے' کہاں ہیں وہ صاحب جو مجھ سے ملاقات کے خواہشمند تھے؟''

''اسی لیے عرض کر رہی ہوں۔'' میرے ساتھ آیئے۔''

''چلیے۔'' سعدی نے دونوں شانے ہلا کر کہا اور لڑکی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ ''یہ ایک گھنٹہ کس سلسلے میں ضائع کیا گیا ہے میرا؟'' راستے میں لڑکی کے ساتھ چلتے ہوئے اس نے سوال کیا اور لڑکی عجیب سے انداز میں سعدی کو دیکھنے لگی۔ پھر کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

''میں کیا عرض کر سکتی ہوں جناب' بس جو حکم تھا' میں نے اس کی تعمیل کی ہے۔''

''شاید میری تصویر بھی آپ نے اسی حکم کے تحت لی ہوگی؟''

''شاید؟'' لڑکی دلآویز انداز میں مسکراتی ہوئی بولی۔

''لیکن میں آپ کا یہ کیمرہ چھین کر فائرزس کی چھت سے نیچے بھی پھینک سکتا ہوں۔''

''ہاں ہاں۔ یہ کر سکتے ہیں آپ؟ لیکن کسی کی تصویر لینا اتنی بری بات تو نہیں ہے۔ اور پھر میں یہ بھی کہہ سکتی ہوں آپ سے کہ میں نے روف گارڈن کے مہمانوں کی تصویر لی تھی' فلیش لائٹ میں آپ بھی آ گئے۔''

''خیر آپ جو کچھ بھی کہنا چاہیں کہہ سکتی ہیں' لیکن میں تصویر لینے کی وجہ آپ سے نہیں پوچھوں گا بلکہ وہی شخص مجھے بتائے گا جس نے مجھ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ہے۔'' سعدی بولا۔

لڑکی روف گارڈن کے ایک نیم تاریک گوشے کی طرف جا رہی تھی۔ یہ گوشہ نیم تاریک اس لیے تھا کہ یہاں قرب و جوار میں کوئی درخت موجود نہیں تھا۔ جن کی مدھم روشنیاں روف گارڈن کے تمام حصوں کو منور کر رہی تھیں۔ بس یہی ایک گوشہ ایسا تھا جسے تاریک کہا جا سکتا تھا۔ ویسے مدھم روشنی یہاں بھی پہنچ رہی تھی۔ اور یہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کی شکلیں نمایاں طور پر دیکھی

جا سکتی تھیں۔

سعدی نے دیکھا کہ ایک خوبصورت میز کے گرد پڑی ہوئی چار کرسیوں میں سے صرف ایک کرسی پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ چست و چالاک بدن کا مالک' دراز قامت' قد کی لمبائی بیٹھے ہوئے کے باوجود نمایاں ہو رہی تھی۔ انتہائی نفیس تراش کا سوٹ پہنے ہوئے' لیکن انتہائی کرخت چہرے کا مالک' موٹے موٹے ہونٹ اور آنکھوں میں ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ میز پر رکھے ہوئے ہاتھوں کی تمام انگلیوں میں قیمتی انگشتریاں نظر آ رہی تھیں' جن سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ یقیناً قیمتی ہیروں کی انگوٹھیاں تھیں۔ اس کے عقب میں نیچی دیوار تھی جس کے پاس تین سیاہ سوٹوں میں ملبوس نوجوان کھڑے ہوئے تھے۔ وہ یقیناً ملازم قسم کے لوگ تھے اور اس طرح مودب کھڑے ہوئے تھے جیسے اس کی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کی بجا آوری کے لیے تیار ہوں۔

لڑکی اس کے نزدیک پہنچ کر جھکی۔

''آپ کا مطلوبہ شخص پرنس دلاور۔'' اس نے کہا اور کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گلاس کو میز پر رکھ کر عجیب سی نگاہوں سے سعدی کو دیکھا۔

''ہوں' کیا نام ہے تمہارا؟'' اس کی آواز میں بھیڑیوں جیسی غراہٹ تھی۔

سعدی کو اول تو اس کے دیکھنے کا انداز ہی پسند نہیں آیا تھا اور پھر اس کے تخاطب نے اس کی کھوپڑی اور بھی گھما دی اور وہ تلخ لہجے میں بولا۔

''تم ہی نے ٹیلی فون کیا تھا؟''

''نہیں۔ میرے اس خادم نے'' کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص نے پیچھے کی جانب اشارا کیا۔

''کیا بات تھی؟'' سعدی نے کھردرے اور سپاٹ لہجے میں پوچھا۔ وہ اسی طرح کھڑا

رہا تھا۔ کرسی پر بیٹھا ہوا شخص اسے گھورتا رہا۔ اور پھر اس نے سامنے رکھے ہوئے گلاس سے مشروب کے دو گھونٹ لیے اور بولا۔

''ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کیا چیز ہے؟''

''اس سلسلے میں وہاں آ کر معلومات حاصل کرو۔'' سعدی غرائی ہوئی آواز میں بولا اور واپسی کے لیے پلٹنے لگا۔

''ٹھہرو' کہاں چل پڑے؟ مجھے تم سے بات کرنی ہے' ادھر آؤ' بیٹھ جاؤ۔'' اس بار اس شخص نے اپنی آواز کو نرم بنانے کی کوشش کی تھی۔

سعدی چند لمحات اسے گھورتا رہا' پھر لاپروائی سے اس کے سامنے پڑی ہوئی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ لڑکی کے حلق سے ایک ہلکی سی آواز نکل گئی تھی۔ جو خوف ہی کی علامت کہی جا سکتی تھی۔

کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص نے ایک تیز آواز کے ساتھ مشروب کا گلاس میز کی سطح پر رکھ دیا اور دونوں کہنیاں میز پر رکھ کر تھوڑا سا آگے کو جھک آیا۔

''بہت خودسر اور مغرور معلوم ہوتے ہو۔''

''میرا انٹرویو لینے کے لیے بلایا تھا تم نے مجھے؟'' سعدی بولا۔

''نہیں۔ تم پرنس دلاور سے واقف نہیں ہو۔ اس لیے تمہارے انداز گفتگو میں یہ جرأت جھلک رہی ہے۔''

''شاید اس کی وجہ یہ بھی ہے مسٹر کہ میں ایک آزاد ملک کا آزاد شہری ہوں اور کسی پرنس ورنس کی برتری کو قبول نہیں کرتا۔ آپ کو اگر میری ضرورت تھی تو آپ نے مجھے یہاں طلب کیا' ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں یقیناً آپ جانتے ہوں گے ورنہ وہاں رنگ کیوں کرتے' ان دونوں باتوں کی روشنی میں اگر آپ مجھ سے کوئی گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے ورنہ میرا۔ یہاں رکنا آپ ہی کے حق میں نقصان دہ ہو سکتا ہے۔''

"بہت بول رہے ہو۔ یہ جاسوسی کا ادارہ ہے نا۔ تو لوگ بہت شاطر معلوم ہوتے ہو۔"

"آپ کا اندازہ درست ہے پرنس دلاور۔ ہم شاطر بھی ہیں اور قاتل بھی' سمجھے آپ؟" سعدی نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہوں' معاوضہ لے کر کام کرتے ہو؟"

"ظاہر ہے' فی سبیل اللہ یہ کام شروع نہیں کیا۔" سعدی نے جواب دیا اور کرسی پر بیٹھے ہوئے شخص نے پھر گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔ مشروب کے مزید تین چار گھونٹ لے کر اس نے گلاس خالی کیا اور پھر ایک انگلی اٹھا کر کسی کو اشارہ کیا۔ پیچھے کھڑے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص آگے بڑھ آیا۔ پرنس دلاور نے اپنا ہاتھ کھول دیا اور اس شخص نے نوٹوں کی کئی گڈیاں نکال کر پرنس دلاور کے سامنے ڈال دیں۔ پرنس دلاور نے بڑی حقارت سے ان نوٹوں کو سعدی کی جانب کھسکا دیا اور بولا۔

"یہ رکھو اور اگر مزید ضرورت ہو تو کاغذ کے یہ ٹکڑے تمہیں ادا کر دیے جائیں گے۔ ان کے عوض پرنس دلاور کا ایک کام کرنا ہے۔"

"جی فرمائیے۔"

"پرنس دلاور کے نام کے ساتھ اگر کوئی تم سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے اور اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کا خواہشمند ہو' تو تم اس کی اطلاع مجھے دو گے۔ سمجھے؟ وہ کیس تم نہیں لو گے۔ اور اس سلسلے میں جو کچھ تم سے کہا جا رہا ہے اس پر عمل کیا جائے۔ یہ ایک طرح سے پیشگی رقم ہے۔ اس سلسلے میں کوئی تردد نہ کرنا۔ تمہیں جتنی بھی رقم کی ضرورت ہو' جب بھی تم سے رابطہ قائم کر کے سوال کی جائے' تم مانگ سکتے ہو' بس اب جاؤ۔"

"لیکن پرنس دلاور ان نوٹوں کو قبول کرنے سے پہلے میں آپ سے کچھ سوالات ضرور کروں گا۔"

"رینا سے کر لو۔ رینا سے پوچھ لو۔" مغرور اور بد دماغ آدمی نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور لڑکی دو قدم آگے بڑھ آئی۔

"پلیز مسٹر' پلیز۔ آیئے میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔ براہ کرم نوٹ اٹھا لیجیے۔"

اچھی خاصی رقم تھی' یقیناً دس دس ہزار کے نوٹوں کی گڈیاں ہوں گی اور یہ گڈیاں چھ سات کی تعداد سے کم نہیں ہوں گی۔

سعدی سب کچھ کر سکتا تھا لیکن نوٹوں کو چھوڑنا اس کے بس کی بات نہیں تھی اور بہر حال یہ بات لڑکی سے معلوم ہو ہی جائے گی کہ یہ نوٹ اسے کس سلسلے میں دیے جا رہے ہیں۔ اگر کوئی گڑ بڑ ہوئی تو دوسری بات ہے اگر نہ ہوئی تو ان نوٹوں کو چھوڑنا حماقت۔ چنانچہ اس نے گڈیاں اٹھا کر لاپروائی سے جیبوں میں ٹھونس لیں اور پھر پرنس سے کچھ کہے بغیر لڑکی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ لڑکی اب کافی نرم نظر آ رہی تھی۔

"پرنس کی باتوں کی پروا مت کرنا۔ یہ ان کی عادت ہے۔"

"ہو گی۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" سعدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"تم بھی خاصے خود سر معلوم ہوتے ہو۔"

"لڑکی فضول باتوں سے پرہیز کرو' میرا موڈ خراب ہو گیا ہے' میں اس وقت کوئی نرم رویہ اختیار کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

"میری وجہ سے اپنے اس موڈ میں تبدیلی پیدا کر لو۔ پرنس سے ملنا ضروری تھا' ورنہ میں شاید خود ہی تم سے بات چیت کر لیتی۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"وہ آخر ہے کیا چیز؟"

"آؤ بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" لڑکی بولی۔ شاید اس کے لیے کوئی میز مخصوص تھی۔ کیونکہ جس گوشے میں وہ سعدی کو لے کر گئی تھی وہاں پڑی ہوئی میز خالی تھی اور اس پر ریزرو کی تختی

لگی ہوئی تھی۔

لڑکی نے وہ تختی الٹی کر کے رکھ دی اور سعدی کے لیے کرسی گھسیٹ دی۔ پھر اپنی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

"پرنس نے میرا نام تمہارے سامنے لیا۔ رینا ہے' میرا نام' اس طرح میرا تو تم سے تعارف ہو گیا۔ لیکن تمہارا نام مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔"

"سعدی۔" سعدی نے جواب دیا۔

"شکریہ مسٹر سعدی۔ پرنس دلاور عادل آباد کے پرنس ہیں' نواب علی ضرغام اس ریاست کے نواب تھے۔ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ پرنس دلاور ان کے ولی عہد ہیں۔ ڈی ڈی لمیٹڈ کا نام کسی طور پر پرنس کے کانوں تک پہنچا تھا۔ دراصل پرنس دلاور کے خلاف ایک سازش ہو رہی ہے اور اس سازش کے بانی کچھ اپنے ہی لوگ ہیں' ان سازشیوں نے شاید کسی طرح ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے نمائندے سے گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا اور یہ طے کیا کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے کارکنوں کو معاوضہ دے کر ان سے اپنے مفادات کی حفاظت کرائیں' ایک پرنس سے معاوضے کے سلسلے میں کسی قسم کی سودا بازی بالکل غیر مناسب ہو گی۔ آپ کو میں اپنے طور پر یہ پیغام دے رہی ہوں کہ اگر کوئی فرد یا کوئی شخص آپ سے پرنس کے خلاف امداد حاصل کر چکا ہے۔ یا کرنے والا ہے تو آپ اس سلسلے میں براہ راست دل چسپی نہیں لیں گے۔ بلکہ آپ کی دل چسپی پرنس کے لیے ہو گی۔ آپ پرنس کے مفادات کی حفاظت کریں گے' یہ آپ کے لیے مالی طور پر بھی سود مند ہو گا اور ویسے بھی۔ بس میں آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ ابھی تک آپ سے پرنس کے خلاف کوئی امداد حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے یا نہیں؟"

"ابھی تک نہیں کی گئی ہے' یہ میں اس لیے بتا رہا ہوں کہ پرنس دلاور نوٹوں کی چند گڈیاں میری جیب میں ٹھونس چکے ہیں لیکن اگر پرنس کے خلاف کسی قسم کی امداد حاصل کرنے کی

کوشش ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ذریعے کی گئی تو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ارکان یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ اس امداد کی نوعیت کیا ہے۔ اگر پرنس دلاور جارح ہوئے اور دوسرا مظلوم۔ تو معاوضہ کچھ بھی ہو' مظلوم کی حمایت کی جائے گی۔ اور اگر یہ سازش پرنس کے خلاف اپنے کسی مفاد کے تحت کی جا رہی ہے تو میرا وعدہ ہے کہ ہم پرنس کے مفاد کی نگرانی کریں گے۔"

"ان چکروں میں نہ پڑیں مسٹر سعدی۔ میں دوستانہ طور پر کہہ رہی ہوں۔ کام پرنس ہی کے لیے ہونا چاہیے۔"

"خیر وہ الگ بات ہے کام کی نوعیت معلوم ہونے کے بعد ہی میں اس کا فیصلہ کر سکوں گا۔"

"نہیں پلیز نہیں۔ مجھے اجازت دو کہ میں پرنس کو یہ اطلاع دے دوں کہ تم رام ہو گئے ہو۔"

"وہ تمہارا اپنا فعل ہے۔ ابھی تک تو میں رام ہی ہوں۔ لیکن جو حقیقت ہے وہ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے' اس وقت چونکہ پرنس کے رویے نے تمہارا ذہن بھی گرم کر دیا ہے اس لیے میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔ اور ہاں یہ ایک ٹیلی فون نمبر بھی رکھ لو' اگر کبھی مجھ سے گفتگو کی ضرورت پیش آ جائے تو اس فون پر تمہیں صرف میں ملوں گی۔"

"ٹھیک ہے" سعدی نے کہا۔ لڑکی نے اپنے پرس سے ایک چٹ نکال کر اس پر فون نمبر لکھا اور سعدی کی طرف بڑھا دیا۔ سعدی نے اسے دیکھے بغیر جیب میں رکھ لیا تھا۔

"اب بتاؤ کیا خدمت کروں تمہاری؟"

"کچھ نہیں شکریہ۔ میں مشروب پی چکا ہوں۔"

"میرے ساتھ کچھ اور سہی۔"

"نہیں بس شکریہ۔"

"مجھے احساس ہے کہ پرنس کے رویے کی وجہ سے تم اتنے بددل ہو گئے ہو ورنہ چہرے

مہرے سے تم کوئی بددماغ آدمی معلوم نہیں ہوتے۔ ویسے اب میں اپنے طور پر تم سے یہ سوال کر رہی ہوں کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کیا ہے؟"

"وہی جو تم لوگ سمجھے ہو۔ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ۔ لیکن بہرطور ملکی مفاد یا انسانی مفاد کے خلاف ہم کوئی کام نہیں کرتے۔"

"اس کے باوجود یہ ادارہ چلا رہے ہو؟" لڑکی نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔ اور بڑی خوش اسلوبی سے۔ اچھا' میں اس سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔" سعدی نے کہا۔ لڑکی نے گردن خم کر دی تھی۔ وہ اسی جگہ بیٹھی رہی۔ سعدی اپنی جگہ سے اٹھ کر واپس چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار برق رفتاری سے سڑکوں پر دوڑ رہی تھی اور اس کا ذہن پرنس دلاور میں کھویا ہوا تھا۔

اس شخص کا ہتک آمیز رویہ سعدی کو برا لگا تھا' لیکن پھر اس نے اپنا دماغ ٹھنڈا کر لیا۔ ساٹھ ستر ہزار کی رقم جیب میں موجود تھی۔ اس رقم کے حصول کے لیے ہر طرح کے لوگوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔

رات کو ظفری اور شکیلہ سے میٹنگ ہوئی اور طے کر لیا گیا کہ پرنس دلاور کی اپنی شخصیت کچھ بھی ہو یہ ستر ہزار روپے کی رقم حلال جائے گی اور مزید رقم کے ملنے کی امید کو چھوڑا نہیں جائے گا۔

سمن آراء ہدایت پور آ گئی تھیں۔ اتفاق سے دفتر میں ظفری رہ گیا تھا۔ اسی سے ملاقات ہوئی۔

"ہیلو دولہا میاں اکیلے بیٹھے ہو۔ دفتر تو بہت شاندار ہو گیا ہے تمہارا۔"

"شکریہ۔ اس وقت۔۔۔؟"

"اٹھو مجھے ہدایت پور چھوڑ آؤ۔ میری گاڑی کا حادثہ ہو گیا ہے۔ آٹو مکینک کے پاس چھوڑ دی ہے۔"

"اوہ۔ کوئی خطرناک حادثہ تو نہیں۔۔۔"

"ارے نہیں بس معمولی سا' میرے کہیں چوٹ نہیں آئی۔ اب تکلف نہ کرو مجھے جلدی ہے۔" اور ظفری اس سے انکار نہیں کر سکا۔ لاکھ جلدی کی لیکن ہدایت پور سے واپسی میں رات ہو گئی۔ اس وقت وہ شہر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ جب اس نے کسی کو سڑک کے عین درمیان دونوں ہاتھ اٹھائے کھڑے دیکھا۔ ظفری نے بریکوں پر دباؤ ڈال دیا۔ کوئی لڑکی تھی نوجوان بھی تھی اور خوبصورت بھی۔ لباس بہت عمدہ تھا لیکن بری طرح مسلا ہوا اور بے ترتیب۔ گاڑی رکتے ہی وہ ظفری کی طرف جھپٹی۔ "خیریت ہے محترمہ؟ یہاں اس ویرانے میں؟" ظفری نے کسی قدر حیرت سے کہا۔

"مجھے شہر کے کسی بھی علاقے میں چھوڑ دو۔ تمہاری بڑی مہربانی ہو گی۔" وہ لجاجت سے بولی اور ظفری کے جواب کا انتظار کیے بغیر عقبی دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ ظفری نے چند سیکنڈ گردن گھما کر اس کی شکل دیکھی اور پھر گہری سانس لے کر گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

"سنو' لمبی ڈرائیونگ سے آ رہے ہو۔ ایسا ہی لگتا ہے حلیے سے؟" لڑکی کی آواز ابھری۔

"ٹھیک ہے لیکن آپ کہاں سے آ رہی ہیں؟"

"میرے بارے میں کچھ مت پوچھو۔ لمبی ڈرائیونگ کرنے والے عموماً اپنے پاس کچھ کھانے پینے کی چیزیں بھی رکھتے ہیں۔ تمہارے پاس کافی یا کوئی اور ایسی چیز ہو گی۔ جو کھائی یا پی جا سکے۔"

"بدقسمتی سے میری ڈرائیونگ اتنی لمبی نہیں تھی کہ کھانے پینے کی کوئی چیز ساتھ رکھتا۔ آپ شاید بہت بھوکی ہیں؟"

"ہاں بہت بھوکی ہوں' سب سے پہلے کچھ کھلا دو۔ تمہاری بڑی نوازش ہو گی۔ پیسے میرے پاس موجود ہیں۔ بس کسی ایسی جگہ گاڑی روک دو جہاں کچھ کھانے کو مل سکے۔"

"کسی پریشانی کا شکار معلوم ہوتی ہیں آپ۔"

''ارے ہاں۔ ہاں۔ بس ہیرو بننے کی کوشش مت کرو۔ ذرا سی لفٹ دے دی ہے تو میری ذات پر مسلط مت ہو۔ مجھے بس کسی مناسب جگہ پر چھوڑ دو! میں اپنا بندوبست خود کرلوں گی۔'' ظفری نے ایک لمحے اس کا جائزہ لیا اور پھر خاموشی سے ونڈ اسکرین پر نظریں جمادیں۔ کسی مالدار گھرانے کی معلوم ہوتی تھی۔ الفاظ میں شستگی تھی۔ غالباً پڑھی لکھی تھی۔ نہ جانے کن حالات کا شکار ہے۔ بہرطور ظفری نے اپنے طور پر فیصلہ کرلیا۔ اس کے دل میں کوئی برائی تو تھی نہیں۔ لیکن لڑکی کے معیار کے مطابق اس نے لڑکی کو کوئی سڑک چھاپ چیز کھلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ایک عمدہ سے ریسٹورنٹ تک لے آیا۔

''یہ ایک ہوٹل ہے۔ اگر آپ۔۔۔۔''

''اوفوہ تم سمجھے نہیں۔ کیا میں اس حالت میں ہوں کہ کسی ہوٹل میں جاکر کھانا وغیرہ کھا سکوں؟''

''میں اندر سے کچھ لے آتا ہوں۔''

''نہیں پلیز۔ بس کوئی پھل فروٹ' کوئی بھی ایسی چیز جسے میں فوری طور پر اپنے معدے میں اتار سکوں۔ تم تصور نہیں کرسکتے کہ میں بھوک کی کس منزل میں ہوں۔''

''تو پھر دو لمحے انتظار کرلیجیے۔ میں آپ کو آپ کے شایان شان کھانا کھلاؤں گا۔''

ظفری نے جواب دیا اور کار آگے بڑھادی۔

چند لمحات کے بعد وہ اس مکان میں داخل ہورہا تھا' جو ان لوگوں نے خصوصی ضروریات کے لیے مختص کررکھا تھا۔ جب گاڑی مکان کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی تو دفعتاً لڑکی نے ظفری کی گردن پر کوئی وزنی چیز رکھ دی۔ ظفری نے پلٹ کر دیکھا وہ پستول کی نال تھی۔

''تم مجھے یہاں کیوں لے آئے ہو؟ شاید کچھ غلط فہمی ہوگئی ہے تمہیں۔ میں کوئی غلط لڑکی نہیں ہوں۔ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھوگے۔ میں تمہیں قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کروں گی۔''

''محترمہ آپ پرسکون رہیے۔ میں آپ کو کوئی تکلیف نہیں دوں گا۔ یہاں آپ کو کھانے

پینے کی چیزیں دستیاب ہوجائیں گی۔ اور پھر جہاں فرمائیں گی میں آپ کو چھوڑ دوں گا آپ بالکل مطمئن رہیں۔'' ظفری نے کار روک دی' انجن بند کیا اور نیچے اتر آیا۔

''آیئے! آپ بھروسہ کیجیے مجھ پر۔'' ظفری نے نرم گوئی سے کہا۔ اور لڑکی جلدی سے دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔

''اس کے باوجود مجھے افسوس ہے کہ میں یہ پستول ہاتھ سے نہیں رکھوں گی۔ دراصل میں جن حالات کا شکار ہوں' ان کے تحت مجھے کسی پر بھی اعتبار نہیں ہے۔''

''کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ چاہیں تو یہ پستول میری گردن پر رکھے رکھے سفر کرسکتی ہیں' آیئے۔'' ظفری نے جواب دیا اور اندر داخل ہوگیا۔ اس مکان میں کوئی نہیں رہتا تھا لیکن ضرورت کی تمام چیزیں یہاں موجود تھیں۔ ظفری اسے سیدھا کچن میں لے گیا۔ ریفریجریٹر میں بہت سی چیزیں موجود تھیں۔ یہ سب کچھ انتظام بھی بس خاص خاص مواقع کے لیے کیا گیا تھا کوئی بھی چیز ایسی نہیں تھی جو زیادہ دن رکھنے سے خراب ہوجاتی۔

لڑکی نے بدستور پستول ہاتھ میں رکھا اور ریفریجریٹر میں اسے جو کچھ نظر آیا اسے اٹھا کر حلق میں ٹھونسنے لگی۔ ظفری تھوڑے سے فاصلے پر کھڑا دیوار سے ٹکا اسے گھور رہا تھا۔

لڑکی کافی خوش شکل تھی۔ بڑی بڑی سی شریری آنکھیں کسی قدر بھورے سے بال' متناسب قد اور متناسب اعضاء چہرے کی کشادگی' روشن پیشانی' بلاشبہ اسے اچھے خاندان سے ظاہر کرتی تھی۔ ظفری کو اس پر کافی رحم آیا وہ جس انداز سے کھا رہی تھی اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ بہت ہی بھوکی تھی۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوگئی تو ظفری آہستہ سے بولا۔

''اگر آپ محسوس نہ کریں تو اب آرام سے تشریف رکھیں میں بہت اچھی کافی پلاؤں گا آپ کو۔ پستول اپنے پاس رکھیے یہ ضرورت کے وقت کام آئے گا آپ کے۔ بشرطیکہ اس کی ضرورت پیش آئے۔'' لڑکی اب کچھ نڈھال سی ہوگئی تھی۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ۔ درحقیقت تم اس وقت میرے لیے فرشتہ ہی ثابت ہوئے

ہو۔ خدا کے لیے میرے ساتھ کوئی بدتمیزی یا غیر انسانی حرکت کرنے کی کوشش مت کرنا۔ میں جن حالات کا شکار ہوں اگر تم انہیں سن لو تو دکھ ہوگا۔ یوں بھی کسی مظلوم کی مدد کرنا ثواب ہے۔''

''آپ بالکل مطمئن رہیں۔ جائیے جس کمرے میں چاہیں تشریف رکھیے۔ پستول آپ کا ساتھی ہے ہی۔ میں کافی بنا کر لاتا ہوں۔''

''نہیں۔ میں تمہیں تنہا کافی نہیں بنانے دوں گی۔ میرے سامنے کافی بناؤ میں یہاں بیٹھ جاتی ہوں۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ اور ظفری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''شاید آپ سمجھ رہی ہوں گی کہ میں کافی میں کوئی خواب آور دوا ملا کر آپ کو بے ہوش کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''ہاں۔ مجھے معاف کرنا۔ میرا یہی خیال ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے۔ آپ تشریف رکھیے میں کافی بناتا ہوں۔'' ظفری نے جواب دیا' اور پھر بہت ہی عمدہ کافی بنا کر اس کی ایک پیالی لڑکی کو پیش کر دی۔ دوسری پیالی خود لے کر وہ اس کے سامنے اسی طرح دیوار سے ٹک کر کھڑا ہو گیا۔

''اگر آپ باورچی خانے سے ہی رخصت ہو جانا چاہتی ہیں تو میں آپ کو نہیں روکوں گا۔ لیکن اگر مناسب سمجھیں تو آیئے کمرے میں چلیں کچھ بات چیت ہوگی ممکن ہے میں آپ کے کسی کام آسکوں۔'' لڑکی ایک لمحے تک سوچتی رہی اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار تھے۔ پھر اس نے گردن ہلائی اور کافی کی پیالی لیے ہوئے کچن کے دروازے سے باہر نکل آئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ صوفے پر آمنے سامنے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ لڑکی اب بھی چوکنی تھی اور پستول اس کی گود میں رکھا ہوا تھا۔ اس نے کافی کا آخری گھونٹ لیا اور شکریہ ادا کرنے کے بعد پیالی میز پر رکھ دی۔

''مجھے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تم واقعی شریف آدمی ہو۔ کیا نام ہے تمہارا؟''

''ظفری۔''

''مجھے سائرہ کہتے ہیں۔ بس عجیب و غریب حالات کا شکار ہوں۔ یوں سمجھو کہ کچھ ایسے لوگ دشمن ہو گئے ہیں جو بیحد خطرناک ہیں اور میں ان سے بآسانی نہیں نمٹ سکتی۔ بہت دور سے آئی ہوں۔ یہاں کچھ لوگوں سے ملنا چاہتی تھی لیکن اس شہر میں اجنبی ہوں اگر تم واقعی ایک شریف آدمی ہو تو انسانیت کے ناتے میری مدد کرو۔''

''کس سے ملنا چاہتی ہیں آپ؟'' ظفری نے پوچھا۔

''ایک فرم ہے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ۔ غالباً کوئی جاسوسی کا ادارہ ہے۔ میں اس فرم کے کسی رکن سے ملنا چاہتی ہوں۔ ان کا پتا میرے پاس موجود ہے۔'' لڑکی نے لباس میں ہاتھ ڈال کر ایک چٹ تلاش کی۔ ظفری متحیرانہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے شبہ ہو رہا تھا کہ کہیں یہ کوئی فراڈ نہ ہو۔ بھلا اس طرح ظفری کو ملنا اور پھر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا نام۔

بہرطور لڑکی نے اپنے پاس لکھا ہوا پتا اس کے سامنے کر دیا۔ ظفری نے اس پتے کو دیکھا اور گردن ہلاتا ہوا بولا۔

''اگر یہ کوئی ادارہ ہے یا کوئی فرم ہے تو آپ کے علم میں یہ بات ہوگی ہی کہ ان لوگوں سے صبح ہی ملاقات' ہو سکتی ہے۔''

''ہاں مجھے احساس ہے لیکن اگر تم چاہو تو میں تم پر اعتماد کر سکتی ہوں۔ بشرطیکہ تم بھی مجھ پر اعتماد کرو۔ میں کوئی غلط لڑکی نہیں ہوں کسی برے ارادے سے تم تک نہیں پہنچی۔ بس یوں سمجھ لو کہ میرے حالات' میری پریشانیاں مجھے اس وقت ہر قدم اٹھانے پر مجبور کر چکی ہیں۔ اگر تم مجھے اجازت دو تو میں رات تمہارے اس مکان کے کسی کمرے میں گزار لوں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے تم یہاں تنہا ہی رہتے ہو۔''

''ہاں یہی سمجھ لیں۔ ویسے اگر آپ چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے رات آپ یہاں گزار لیں۔ کل صبح گیارہ بجے میں آپ کو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر میں لے چلوں گا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' ظفری بولا۔

''گیارہ بجے کیوں؟ کیا یہ دفتر صبح نو بجے نہ کھل جاتا ہوگا؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''اگر نہیں کھلتا ہوگا تو کل ضرور کھل جائے گا۔'' ظفری نے جواب دیا۔

''کیا مطلب؟''

''کچھ نہیں۔ بس آپ اپنے لیے کمرے کا انتخاب فرمالیں بلکہ اگر مناسب سمجھیں تو اسی کمرے میں اپنا ٹھکانہ بنالیں اور دروازے وغیرہ اندر سے بند کرلیں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ میں اتفاقیہ طور پر آپ سے ملا ہوں کسی طور آپ کا دشمن نہیں ہوسکتا۔ آپ یہاں آرام سے وقت گزار سکتی ہیں لیکن براہ کرم مجھے الجھن میں چھوڑ کر یہاں سے فرار نہ ہوجایئے گا۔ میں آپ کو ہر قیمت پر اس فرم تک پہنچادوں گا۔''

''نہیں۔ میں فرار نہیں ہوں گی تم مجھے شریف آدمی معلوم ہوتے ہو لیکن۔۔۔ لیکن خدارا میرے بارے میں کسی سے ذکر مت کرنا۔ میرے دشمن میری تاک میں ہیں۔''

''بالکل مطمئن رہیے۔ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔'' ظفری نے جواب دیا۔

لڑکی نے ظفری کی ہدایت کے مطابق کمرے کا دروازہ اندر سے بند کرلیا۔ کھڑکیاں وغیرہ سب لاک کرلیں۔

ظفری باہر نکل آیا تھا۔ اس وقت اس عمارت سے کہیں جانا مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے گھر ٹیلی فون کیا۔ شکیلہ نے فون ریسیو کیا تھا۔ ظفری نے اسے تمام صورت حال بتائی اور اس سلسلے میں مشورہ کیا۔ سعدی بھی ٹیلی فون پر پہنچ گیا تھا۔ تمام صورت حال سننے کے بعد سعدی نے کہا۔

''میں شکیلہ کو بھیج رہا ہوں۔ شکیلہ اور تم اگر چاہو تو رات وہاں گزار سکتے ہو۔ صبح کو اسے لے کر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر پہنچ جاؤ۔ دفتر صبح ساڑھے آٹھ بجے کھل جائے گا۔'' سعدی نے جواب دیا اور ظفری نے فون بند کردیا۔

پھر وہ شکیلہ کا انتظار کرنے لگا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد شکیلہ بھی وہاں پہنچ گئی۔

''کہاں ہے وہ؟''

''کمرے میں بند ہے میرا خیال ہے اسے اس وقت ڈسٹرب کرنا مناسب نہ ہوگا۔ ویسے عجب وغریب لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ نہ جانے بے چاری کن حالات کا شکار ہے۔''

''کچھ اور نہیں بتایا اس نے اپنے بارے میں؟''

''نہیں کچھ نہیں۔''

''تمہیں پہچانتی تو نہیں؟''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ تمہیں دیکھ کر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا نام لے لیا ہو۔ صرف تمہاری ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے؟''

''ایسا لگتا تو نہیں۔ لیکن ابھی کوئی فیصلہ کن بات کہی بھی نہیں جاسکتی۔'' ظفری پرخیال انداز میں بولا۔

دوسری صبح تقریباً سات بجے ہوں گے کہ لڑکی کمرے سے باہر نکلی۔ پستول بدستور اس کے پاس موجود تھا۔ ظفری ابھی تک اپنے کمرے میں گھسا ہوا تھا۔ البتہ شکیلہ جاگ رہی تھی۔ اس نے دور ہی سے لڑکی کو دیکھ لیا۔ وہ چوروں کی طرح سامنے کے کمرے میں جھانک رہی تھی۔ شکیلہ کے قدموں کی آہٹ سنی تو چونک کر سیدھی ہوگئی اور پستول کا رخ اس کی طرف کردیا تھا۔

شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی ''ہیلو''۔ شکیلہ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ اور لڑکی اس کا جائزہ لینے لگی۔

''ہیلو'' وہ شکیلہ کو اوپر سے نیچے تک گھورتے ہوئے بولی۔

''عجیب مہمان ہیں آپ ہر دم پستول اپنے ساتھ رکھتی ہیں۔'' شکیلہ نے مسکرا کر کہا۔

''کون ہیں آپ؟'' کیا مسز ظفری ہیں؟''

''خدانخواستہ۔ ایسی فضول باتیں نہ کریں۔ آیئے میرا خیال ہے رات آپ سوئیں نہیں

سکیں؟"

"آپ۔آپ مجھے جانتی ہیں؟ آپ کو میرے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟ رات کو تو آپ یہاں موجود نہیں تھیں؟" لڑکی نے پے در پے سوال کر ڈالے۔

"ہاں۔رات کو میں یہاں موجود نہیں تھی۔ظفری نے مجھے بلوایا ہے۔اس نے کہا کہ ایک خاتون یہاں مہمان ہیں اس لیے میری یہاں ضرورت ہے۔اسی لیے میں صبح ہی یہاں پہنچ گئی" شکیلہ نے جواب دیا۔

"اوہ آپ ظفری کی کون ہیں؟"

"آیئے نہ باتیں بیٹھ کر کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ویسے میں ناشتہ تیار کر رہی تھی۔اگر آپ چاہیں تو میرے ساتھ کچن چلیں۔ورنہ بیٹھیں۔میں ناشتہ لے کر ابھی حاضر ہوتی ہوں" شکیلہ نے متانت سے کہا۔

"نہیں۔" میں آپ کے ساتھ کچن میں ہی چل رہی ہوں۔" لڑکی نے جواب دیا۔اور پھر وہ شکیلہ کے ساتھ کچن میں داخل ہو گئی شکیلہ تمام انتظامات کر چکی تھی۔یوں بھی یہاں تمام چیزیں موجود تھیں۔چنانچہ اس نے ناشتہ تیار کرنا شروع کر دیا اور جب کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو فضا میں پھیلنے لگی تو ظفری بھی دروازے میں نمودار ہو گیا۔

"آپ دونوں خواتین شاید خاموشی سے ناشتہ کرنے کا ارادہ کر چکی ہیں' لیکن صاحب ہم بلا کے تیز ہیں۔ناشتہ کمرے ہی میں لے آیئے تو بہتر ہے۔ورنہ آپ لوگوں کو کافی پریشانی سے دوچار ہونا پڑے گا۔" اس نے کہا۔

"چلو چلو لا رہی ہوں۔" شکیلہ نے جواب دیا۔اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے۔

ناشتے کے دوران سائرہ بار بار نگاہیں اٹھا کر کبھی ظفری کو دیکھتی اور کبھی شکیلہ کو۔اور جب اس کی نگاہیں شکیلہ سے ملیں تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔شکیلہ بھی مسکرا دی تھی۔

"کیوں کیا خیال آ گیا تھا؟" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس کیا بتاؤں۔جن حالات کا شکار ہوں ان کے تحت میری شخصیت ہی مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔آپ لوگ اچھے معلوم ہوتے ہیں۔نہ جانے میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں گے' پستول کے زور پر کھانے کو مانگا تھا۔ظفری صاحب سے۔پھر مہمان بن گئی اور ابھی تک آپ لوگوں کے سر پر سوار ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔تم یقیناً ایسے حالات کا شکار ہو گی کہ انسانوں پر سے تمہارا اعتبار اٹھ گیا ہو گا؟"

"ہاں۔کچھ ایسی ہی بات ہے۔لیکن مجھے معاف کیجیے گا کہ میں اپنے بارے میں آپ لوگوں کو تفصیل سے نہیں بتا سکوں گی ویسے میں نے اپنا نام آپ کو درست بتایا ہے۔آپ ناشتے کے بعد میرا آخری کام اور کر دیں۔مجھے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پہنچا دیں۔" لڑکی نے کہا۔

"یقیناً یقیناً' بالکل بے فکر رہو' ہم تمہاری اس خواہش کی بھی تکمیل کریں گے۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ناشتے سے فارغ ہو گئے۔پھر کافی دیر تک انتظار کیا گیا اور اس کے بعد شکیلہ اس کے لباس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اگر تم پسند کرو تو میں تمہارا یہ لباس استری کر دوں۔کافی مسلا ہوا ہے۔"

لڑکی نے جھجکتے ہوئے انداز میں شکیلہ کو دیکھا اور پھر بولی۔"اگر ایسا ہو جائے تو۔۔۔تو میں بے حد شکر گزار ہوں گی۔"

"آؤ۔" شکیلہ نے جواب دیا۔ظفری اسی جگہ بیٹھا رہا تھا تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی تو لڑکی کی شکل وصورت ہی بدلی ہوئی تھی۔مسلا کچلا لباس بہتر ہو چکا تھا' اس کا چہرہ بھی سنور گیا تھا بال سلیقے سے بنا لیے گئے تھے۔اس کے چہرے میں خاصی تبدیلیاں نظر آ رہی تھیں۔بلاشبہ وہ بے حد حسین اور معصوم سی نظر آ رہی تھی۔ظفری نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور لڑکی کے چہرے

پر شرم کے آثار دوڑ گئے۔

’’میں شرمندہ ہوں آپ سے مسٹر ظفری۔‘‘ اس نے کہا۔

’’ارے ارے بھئی ان تمام باتوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے آپ کی کسی بھی بات کا برا نہیں مانا۔ ہم آپ سے کہہ چکے ہیں کہ ہم نے آپ کو حالات کے ہاتھوں مجبور سمجھا ہے۔ اس لحاظ سے معافی تلافی کا کوئی ذکر نہیں ہونا چاہیے۔‘‘

’’بہت بہت شکریہ' سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کا کس طرح شکریہ ادا کروں؟‘‘

’’واہ مسلسل شکریہ ادا کیے جا رہی ہیں اور اب بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔ شکیلہ کہاں گئی؟‘‘

’’وہ آ رہی ہیں' شاید کچن گئی ہیں۔‘‘ لڑکی نے جواب دیا اور اسی وقت شکیلہ بھی اندر داخل ہو گئی۔

’’چلو اٹھو ظفری' میرا خیال ہے وقت ہو چکا ہے۔‘‘

’’ہاں یقیناً‘‘ ظفری نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کار میں بیٹھے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر جا رہے تھے۔ سب سے پہلے ان کا استقبال کرنے والا ٹیٹو تھا۔ جو اپنے مخصوص لباس سے ملبوس تیز نگاہوں سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ٹیٹو سے کوئی بات کیے بغیر اندر داخل ہو گئے۔ سائرہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا بورڈ پڑھ چکی تھی اور کسی قدر مطمئن نظر آ رہی تھی۔ سعدی نے اپنی کرسی سے کھڑے ہو کر سائرہ کا استقبال کیا تھا۔

’’میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے کسی ذمہ دار شخص سے ملنا چاہتی ہوں۔‘‘ اس نے کہا۔

’’تشریف رکھیے۔ آپ ایک ذمہ دار شخص کے سامنے ہی ہیں۔‘‘ اس نے کہا۔ اور سائرہ دونوں کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

’’آپ حضرات کا شکریہ' بے حد شکریہ۔ براہ کرم مجھے اپنا پتا دے دیجیے۔‘‘ اگر کبھی حالات نے میرے ساتھ کچھ انصاف کیا تو میں آپ سے دوبارہ ملنے کی کوشش کروں گی۔‘‘

’’حالات بڑے ستم ظریف ہوتے ہیں خاتون سائرہ۔ آپ کو اس بات کا تو یقین ہوگا

کہ میں اتفاقیہ طور پر آپ ہی کو ملا تھا' کسی باقاعدہ ادارے کے تحت آپ کے سامنے نہیں پہنچا تھا۔‘‘

’’ہاں یقیناً' لیکن اس بات کا یہاں کیا ذکر ہے۔‘‘ سائرہ نے تعجب خیز لہجے میں پوچھا۔

’’یہ پہلا اتفاق تھا۔ دوسرا اتفاق یہ ہے کہ میرا تعلق ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے ہے۔ یہ مسٹر سعدی ہیں' میں ظفری ہوں اور یہ مس شکیلہ ہیں۔ ہم تینوں ہی اس ادارے کے پروپرائٹر ہیں یعنی وہ جو اس ادارے کو چلا رہے ہیں اور جنہوں نے اس ادارے کی بنیاد ڈالی ہے۔‘‘

’’کیا؟‘‘ سائرہ کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں لیکن ان کے ہونٹوں پر انبساط بھری مسکراہٹ تھی' پھر اس نے سعدی کی طرف رخ کر کے کہا۔

’’کیا۔۔۔ کیا یہ سب درست ہے جناب؟ کیا۔۔۔ کیا ظفری صاحب درست کہہ رہے ہیں؟‘‘

’’خدا کی قسم یہ میری زندگی میں روشنی کی پہلی کرن ہے۔ ورنہ تاریکی کے علاوہ میری دنیا میں کچھ نہیں تھا۔‘‘ سائرہ نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ وہ اس دل چسپ اتفاق سے بڑی محظوظ ہوئی تھی' ظفری اور شکیلہ نے اپنی اپنی کرسیاں سنبھال لیں۔ سائرہ نے ادھر ادھر دیکھا' پھر کہنے لگی۔

’’باہر کا ماحول پر سکون ہوگا؟ میرا مطلب ہے کسی کی آمد کا کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔‘‘

’’آپ بالکل مطمئن رہیں' یہ ادارہ آپ کے لیے ایک مضبوط قلعے کی مانند ہے۔‘‘

’’شکریہ۔ میں سائرہ ضرغام ہوں' آپ نے ریاست عادل آباد کا نام تو سنا ہوگا۔ میں عادل آباد کے نواب علی ضرغام کی بیٹی ہوں۔‘‘

’’اوہ نواب علی ضرغام کا نام تو معروف ہے۔‘‘

’’ہاں بہت اچھے انسان تھے لیکن بدنصیبی نے انھیں انھی کے جال میں گرفتار کرا دیا۔ اور وہ موت کا شکار ہو گئے۔‘‘

’’گویا طبعی موت نہیں مرے نواب صاحب؟‘‘ سعدی نے پوچھا۔

’’جی نہیں' انھیں قتل کیا گیا ہے۔‘‘

”قاتلوں کے بارے میں جانتی ہیں؟“

”جی ہاں جانتی ہوں۔ اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں آپ کو پوری کہانی سناؤں گی۔ سعدی صاحب۔ دراصل ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا نام میں نے اپنی ایک شناسا سے سنا تھا۔ انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ کس طرح اس ادارے نے ان کی امداد کی تھی اور انھیں بہت بڑی مشکل سے بچا لیا تھا۔ میں نے ٹیلی فون پر آپ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن میرا ٹیلی فون ٹیپ کر لیا گیا تھا اور ایسے انتظامات کر دیے گئے تھے کہ میں براہ راست آپ لوگوں سے رابطہ قائم نہ کر سکوں۔ پھر میں نے کچھ خطوط لکھے آپ کو لیکن یہ خطوط بھی میرے دشمنوں نے ان لوگوں تک پہنچا دیے اور انھیں یہ علم ہو گیا کہ میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی معرفت ان کے خلاف کوئی کارروائی کرانا چاہتی ہوں۔ اور اس طرح میں آپ لوگوں سے رابطہ قائم نہیں کر سکی۔ اور ان لوگوں نے میرے خلاف وہ اقدامات کر لیے جنھوں نے مجھے بے بس کر دیا۔ میں آپ کو کچھ اور تفصیل بتاؤں گی کیونکہ میں زیادہ گھری لڑکی نہیں ہوں۔ اب تک اپنی ریاست ہی میں رہی ہوں۔ اس شہر میں بھی پہلی ہی بار آئی ہوں اور اس سے قطعی ناواقف ہوں۔ اس شہر میں ہمارے ایک عزیز بھی رہتے ہیں جو محکمۂ پولیس کے کوئی بڑے افسر ہیں۔ میں ان سے کبھی نہیں ملی۔ لیکن میرے ڈیڈی ان سے اکثر ملتے رہا کرتے تھے اور ان کے دوستوں میں سے تھے۔ لیکن۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ میں نہیں جانتی کہ وہ محکمۂ پولیس میں کیا عہدہ رکھتے ہیں۔ کہاں رہتے ہیں؟ کچھ بھی نہیں معلوم مجھے ان کے بارے میں۔“

”نام تو معلوم ہوگا آپ کو ان کا؟“ سعدی نے پوچھا۔

”ہاں۔ آفتاب احمد خان صاحب۔“ لڑکی نے جواب دیا۔ اور سعدی، ظفری اور شکیلہ ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ پھر سعدی نے ظفری اور شکیلہ کو ہلکا سا اشارہ کیا۔ مطلب یہ تھا کہ ابھی آفتاب احمد خان کے بارے میں کوئی تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ چند لمحات کے بعد سعدی نے کہا۔

”آپ براہ کرم اپنے بارے میں تمام تفصلات بتا دیں اور سنیں سائرہ صاحبہ! آپ کی

ان محسنہ یا دوست نے جنھوں نے آپ کو ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں تفصیل سے بتایا ہوگا۔ ہم ہر وہ کیس لے لیتے ہیں جو کسی قانون کے خلاف نہ جاتا ہو، آپ کا معاملہ تو خاص طور سے ہمارے لیے توجہ کا باعث ہے اس لیے کہ آپ تنہا پریشانی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ لیکن اب آپ کو یہ اطمینان دلایا جا سکتا ہے یہاں پہنچنے کے بعد آپ اپنے دشمنوں سے قطعی محفوظ ہو گئی ہیں۔ ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی کاروباری مسئلہ ہو یا نہ ہو، لیکن آ کر آپ ایک دوست کی حیثیت سے بھی ہم سے ہر تعاون کی توقع رکھ سکتی ہیں۔ اب آپ بالکل دل جمعی سے اپنے بارے میں بتائیے۔ ہم آپ کی ہر طرح سے مدد کریں گے۔“

”شکریہ۔ تقدیر نے پہلی بار روشنی کی ایک کرن دکھائی ہے میرے لیے یہ اتفاق ہی بڑی ڈھارس کا باعث ہے کہ میں اتفاقی طور پر ہی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے اہم لوگوں سے جا ٹکرائی۔ اس کا مقصد ہے کہ برے دور کی چڑھان ختم ہو گئی ہے اور سکون کے ڈھلان سامنے آ گئے ہیں۔“

”یقیناً یقیناً ایسا ہی ہے۔ ہاں تو آپ بتائیں گی ہمیں تفصیل؟“ سعدی نے کہا۔

”جی جی۔ ضرور۔ میں ذرا واقعات کی ترتیب کر لوں۔ بس یوں سمجھیے کہ ریاستوں کا جو حال ہو چکا ہے۔ وہ تو آپ کے علم میں ہوگا۔ نوابین بس اپنے دور کو پیٹ رہے ہیں ہر چند کہ وہ محاورہ صادق ہے کہ ہاتھی لاکھ لٹے پھر بھی سوا لاکھ کا۔ مالی پریشانیاں نہیں ہیں۔ بے پناہ جائیداد ہے۔ جس کی آمدنی اتنی ہے کہ نوابی برقرار رکھی جا سکتی ہے۔ بس وہ اختیارات چھن گئے ہیں۔ میری والدہ کا انتقال میرے بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ والد صاب ذرا دوسری فطرت کے مالک تھے۔ میرا مطلب ہے نوابی ان میں ختم نہیں ہوئی تھی۔ والدہ کے انتقال کا صدمہ یقیناً انھیں ہوا ہوگا، کیونکہ ایک طویل رفاقت رہی تھی، لیکن نوابیت نے ان کی کمی محسوس نہ ہونے دی اور والد صاحب تعیشات میں ڈوبے رہے تعیشات کا یہ سلسلہ نیا نہیں تھا بلکہ والدہ کی حیات میں بھی یہ جاری تھا جسے چاہا نواز دیا، جسے چاہا دھتکار دیا۔ جسے چاہا آسمان پر پہنچا دیا۔ وہ نہ جانے کون خاتون تھیں جو والد صاحب کی منکوحہ بھی تھیں، لیکن ان کا علم شاید میری والدہ کو بھی نہ تھا۔ یہ تو یقیناً انھیں پتا ہوگا کہ والد

صاحب صرف انھی پر اکتفا نہیں کرتے لیکن وہ یہ نہیں جانتی تھیں کہ ان کی کوئی سوکن بھی ہے۔ بہر طور وہ محترمہ تو کبھی سامنے نہ آسکیں‘ لیکن والدہ کے انتقال کے بعد ایک بچے کی پرورش والد صاحب نے کی۔ ہر چند کہ یہ پرورش محل خاص میں نہیں ہوئی تھی بلکہ اس سے ملحقہ ایک حصے میں ہوئی تھی لیکن دنیا یہ جان چکی تھی کہ پرنس دلاور نواب ضرغام ہی کی اولاد ہیں۔‘‘

’’کیا نام لیا آپ نے؟‘‘ ظفری بری طرح چونک پڑا۔ سعدی اور شکیلہ کی آنکھیں بھی ایک لمحے کے لیے حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

’’ہاں وہ پرنس دلاور ہی کے نام سے مشہور ہیں‘ میرے سوتیلے بھائی۔ عمر میں مجھ سے کافی بڑے ہیں اور شیطنت میں شاید شیطان سے بھی بڑے ہیں۔‘‘ سائرہ نے ان لوگوں کے چونکنے پر توجہ دیے بغیر کہا۔ لیکن ظفری‘ سعدی اور شکیلہ شدید حیرانی کا شکار ہو گئے تھے۔ انھیں بخوبی علم ہو گیا تھا کہ پرنس دلاور نے ان سے جس لڑکی کے بارے میں کہا تھا وہ یہی تھی اور اس کی وجوہات بھی تقریباً سامنے آچکی تھیں۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے رابطے کی کوششیں پرنس دلاور کے علم میں آچکی تھیں اور پرنس دلاور نے اسی لیے ان سے رابطہ قائم کر کے پہلے ہی سے ان کا منہ بند کر دیا تھا اور اپنی دانست میں وہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کا خطرہ ختم کر چکا تھا۔ بہر صورت انھیں سائرہ کی کہانی پر توجہ دینی پڑی۔ سائرہ کہہ رہی تھی۔

’’پرنس دلاور نے محل ہی میں تربیت پائی۔ والد صاحب چونکہ خود اپنی زندگی کو رنگین بنانے میں مصروف رہتے تھے اس لیے محلاتی معاملات پر ان کی نگاہ گہری نہ رہی۔ بہت عمدہ تندرستی تھی بڑی شاندار صحت کے مالک تھے۔ بے شمار افراد ان کی صحت برقرار رکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے یہ نہ سوچا کہ کون کس فطرت کا مالک ہے اور کس انداز میں ان کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ وقت گزرتا گیا۔ پرنس دلاور کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ ان کی حیثیت سے وہ ان کے ولی عہد نہیں تھے کیونکہ ان کی والدہ کی حیثیت مشکوک تھی اور خود کبھی نواب ضرغام نے اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا کہ پرنس دلاور کو محل میں ان کے بیٹے کی حیثیت حاصل ہے۔ بس وہ پرنس کی

پرورش کر رہے تھے اور پرنس کی تمام ضرورتیں پوری ہو جایا کرتی تھیں۔‘‘

’’محل کے دوسرے لوگوں کو بھی پرنس کی حیثیت کا پتا تھا وہ جانتے تھے کہ پرنس بس ایک لاوارث لڑکے کی حیثیت سے پرورش پا رہے ہیں اور ان کا کوئی عمل دخل ریاست میں نہیں ہے؟‘‘

’’خیر پھر ہم جوان ہو گئے پرنس عیاشیوں اور بدفطرتی میں علی ضرغام سے بہت آگے تھے۔ کیونکہ نواب صاحب نے نوابی شان بھی برقرار رکھی تھی اور جو کچھ کیا تھا وقار کے ساتھ کیا تھا۔ لیکن پرنس کی شہرت بہت بری ہے۔ عادل آباد میں وہ ایک خطرناک بھیڑیے کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ وہ میرے سوتیلے بھائی ہیں لیکن میرے اور ان کے درمیان اتنے فاصلے رہے کہ ہم کبھی ایک دوسرے کے قریب نہ آسکے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ دل ہی دل میں میرے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں۔ میری حیثیت بہر طور نواب ضرغام کی بیٹی کی تھی۔ میں ان کی اکلوتی اولاد ہوں۔ کوئی بھائی یا بہن نہیں ہے میرا۔ اس کا یہی مقصد تھا کہ نواب صاحب کی موت کے بعد تمام ریاستی اثاثے میری جانب منتقل ہو جاتے۔ والد صاحب قبلہ کو کبھی اس بارے میں کوئی تشویش نہیں ہوئی کہ میرا مستقبل کیا ہوگا؟ میرے ہمدردوں کی بڑی کمی رہی ہے سعدی صاحب۔ بہر طور مجھے بھی اس سلسلے میں کوئی تشویش نہیں تھی کیونکہ میرے والد صاحب حیات تھے اور میرے تمام مسائل بہر طور انھی کے شانوں پر تھے۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ سب کچھ ہو جائے گا۔ ایک رات انھیں قتل کر دیا گیا۔‘‘

’’صبح کو ان کے کمرے سے ان کی لاش برآمد ہوئی تھی۔ انھیں گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ محل میں کہرام مچ گیا۔ یعنی جو کچھ ہو سکتا تھا ہوا۔ ریاستی پولیس کے افسران نے لاش اپنی تحویل میں لے لی اور تحقیقات ہونے لگیں۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میرے خلاف محل میں کوئی سازش ہو سکتی ہے لیکن سعدی صاحب میرے کمرے سے منشیات برآمد ہوئیں‘ نشہ آور انجکشن نکلے اور کچھ ایسی دستاویزات نکلیں جن سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ نواب صاحب کی قاتل میں ہوں۔ جس پستول سے نواب صاحب کو قتل کیا گیا تھا اس کے دستے پر میری انگلیوں کے نشانات تھے۔

لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ وہ نشانات کس طرح پستول کے دستے پر پائے گئے۔ ممکن ہے کبھی میں نے اسے استعمال کیا ہو۔ مجھے نشانہ بازی کا شوق ہے اور میں بڑے اچھے نشانے لگا سکتی ہوں۔ اکثر میں اپنے شوق کی تکمیل اسی ریوالور سے کرتی رہتی تھی۔ بلاشبہ وہ نشانات میری انگلیوں کے تھے لیکن میں نے اپنے ڈیڈی کو قتل نہیں کیا تھا۔ صورت حال کچھ اس طرح ترتیب دی گئی کہ نواب صاحب کے کمرے میں میری تحریر میں کچھ خطوط نکلے۔ ان میں درج تھا کہ مجھے اتنی رقم دی جائے کیونکہ کوئی شخص مجھے بلیک میل کر رہا ہے لیکن یہ ساری کی ساری تحریریں جعلی تھیں بلیک میلر کے جو خطوط میرے کمرے سے ملے ان میں یہی درج تھا کہ اگر اسے رقم نہ ادا کی گئی تو میرے تمام معاملات نواب صاحب کے علم میں لے آئے جائیں گے۔"

"معاملات یوں تھے کہ میں عیاش طبع ہوں' نشہ آور ادویات کی عادی ہوں اور بڑی بڑی رقمیں مختلف سلسلوں میں نواب صاحب سے وصول کرتی رہی ہوں یہ سلسلے بلیک میلر کے بھی تھے یعنی میں اپنی بدنامی سے بچنے کے لیے بلیک میلروں کو بھی اچھی خاصی رقم ادا کرتی تھی اور نواب صاحب سے یہ رقومات وصول کرتی رہتی تھی۔ سارا کام انتہائی خوش اسلوبی سے کیا گیا تھا۔ ہر سطر مکمل تھی کہانی کی شکل جو بن گئی تھی۔ آپ اس کا اندازہ لگا چکے ہوں گے یعنی نشے میں میں نے نواب صاحب سے کچھ رقم طلب کی۔ نواب صاحب نے انکار کر دیا اور میں نے نشے کی کیفیت میں نواب صاحب کو قتل کر دیا۔ میں ایک عیاش طبع شہزادی تھی الزامات جس انداز میں سامنے آئے اس کی تردید کسی طرح ممکن نہیں تھی۔ مجھے میرے کمرے میں نظر بند کر دیا گیا اور نواب صاحب کی موت کی اطلاع عام کر دی گئی۔ پرنس دلاور نے منظر عام پر آ کر وہ واویلا کیا کہ لوگ کانپ اٹھے۔ اس نے کہا کہ وہ تو ایک ناکارہ مہرہ ہے۔ عضو معطل جس کی کوئی حیثیت نہیں ہے وہ نواب صاحب کا سوتیلا بیٹا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ اسے ریاست میں سے کچھ نہیں چاہیے۔ سارے کا سارا اثاثہ وقف کر دیا جائے۔ وہ بس نواب صاحب کے قاتلوں کی تلاش میں ہے اس نے اتنا رونا پیٹنا مچایا کہ سچ مچ تمام ہی لوگ متاثر ہو گئے اور پرنس دلاور کے بارے میں لوگوں کی رائے بہت اچھی

ہو گئی۔ پرنس دلاور ایک طرح سے تارک الدنیا ہی ہو گیا تھا گویا اس پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ میں اپنے مخالفوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی۔ میرا ذہن کبھی بھی پرنس کی طرف نہیں گیا تھا۔ ڈیڈی کی موت کا مجھے جو بھی صدمہ ہوتا کم تھا۔ میں خود ذہنی طور پر معطل ہو گئی تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرے خلاف سازش کس نے کی۔ نشہ آور ادویات میرے کمرے سے برآمد ہوئی تھیں لیکن آپ یقین کریں سعدی صاحب میں نے زندگی میں کبھی کوئی نشہ آور چیز دیکھی بھی نہیں ہے کبھی کسی بلیک میلر سے میرا سابقہ نہیں پڑا۔ بہر طور میں نظر بند رہی اور لوگوں کی رائے پرنس دلاور کے حق میں بہتر ہوتی گئی۔ کچھ لوگ مجھے اس قتل کی سزا دینے کے درپے تھے۔ لیکن یہ پرنس دلاور تھا جس نے انہیں سختی سے روکا اور سامنے آ کر کہا کہ کچھ بھی ہے سائرہ اس کی بہن ہے جب تک علی ضرغام کے بارے میں تحقیقات مکمل نہیں ہو جائیں گی اسے کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ وہ خود ان سارے معاملات کی نگرانی کرے گا اور اگر سائرہ قاتل ہوئی تو پھر وہ خاموش ہو جائے گا اور فیصلہ ان لوگوں کے ہاتھ میں چھوڑ دے گا جو اس سلسلے میں راست اقدام کرنے کے مجاز ہیں۔ میں نے چند روز تک خود کو ان حالات میں بے بس پایا اور خاموشی اختیار کر لی۔ لیکن اس کے بعد مجھے اس بات کا احساس ہوا کہ اس طرح تو میں بے موت ماری جاؤں گی لہٰذا میں نے اپنے طور پر کوششیں شروع کر دیں۔ میں نظر بند ضرور تھی لیکن میرے بھی کچھ دوست محل میں موجود تھے۔ ان کے ذریعے میں مختلف طریقوں سے عمل کرتی رہی اور پھر اسی دوران مجھے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوئیں۔ لیکن میرے دوست ان سازشوں کے سامنے کچھ نہ ثابت ہوئے۔ پرنس دلاور نے ہر راستہ بند کر دیا تھا۔ میں آپ کو اس کے بارے میں مختصراً بتا چکی ہوں۔ جب پرنس دلاور نے یہ دیکھا کہ میں اس سلسلے میں کچھ کرنے کی خواہشمند ہوں اور ایک معصوم لڑکی کی طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہیں بیٹھی تو اسے تھوڑی سی تشویش ہوئی۔ وہ اگر چاہتا تو فوری طور پر مجھے قتل کرا سکتا تھا۔ لیکن اس طرح بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتیں کیونکہ نواب صاحب نے کوئی وصیت نہیں چھوڑی تھی۔ پرنس دلاور کو اس کا علم تھا۔ تمام لوگ یہ جانتے تھے کہ وہ

صرف محل سے وابستہ ایک کردار کی حیثیت رکھتا ہے نواب صاحب کے بیٹے کی نہیں۔ اس حیثیت کو حاصل کرنے کے لیے اسے شدید محنت کرنا تھی۔ چنانچہ اس نے ایک اور پروگرام ترتیب دیا۔''

''ایک رات پرنس دلاور میرے سامنے عریاں ہو گیا۔ وہ میرے سامنے آیا اور مجھے اس سازش کی تفصیل بتاتے ہوئے اس نے کہا اب وہی ہوگا جو وہ چاہے گا۔ اس نے کہا کہ میں نواب صاحب کی جائیداد کی واحد حقدار نہیں بن سکتی۔ اور وہ کسی طور پر اس جائیداد میں میری شمولیت پسند نہیں کرے گا۔ اس نے کہا کہ وہ بھی نواب صاحب کا بیٹا ہے ساری عمر اس کے ساتھ ناانصافی ہوتی رہی ہے آخر اس کی ماں بھی نواب صاحب کی منکوحہ تھی۔ وہ کوئی بھی تھی لیکن بہر طور وہ نواب صاحب کا بڑا بیٹا ہے اور میں اس سلسلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ میں رونے لگی میں نے اس سے کہا کہ میں نے تو کبھی جائیداد وغیرہ کے بارے میں سوچا تک نہیں۔ اس نے میرے ڈیڈی کو کیوں قتل کر دیا؟ میں شور مچانے لگی تھی کہ اس نے میرا منہ بھینچ لیا۔ غالباً کلوروفام سے بھیگا ہوا رومال میرے چہرے پر رکھ دیا گیا تھا۔ میں بے ہوش ہو گئی اور پھر جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک بند گاڑی میں سفر کر رہی تھی۔ اس کے عقبی حصے میں کوئی نہیں تھا۔ جو کوئی بھی تھا ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔ غالباً کلوروفام میرے سسٹم پر زیادہ گہرا اثر نہیں ڈال سکا تھا۔ چنانچہ میں سمجھ گئی کہ صورت حال کیا ہے اور پھر میں نے فرار ہونے کی کوشش شروع کر دی۔ میرے ہاتھ پاؤں نہیں باندھے گئے تھے کیونکہ انھیں اطمینان تھا کہ میں گہری بے ہوشی کا شکار ہوں۔ چنانچہ میں آہستہ آہستہ کھسکتی گئی دروازے تک پہنچی گاڑی کا دروازہ پورے طور پر بند تھا۔ ذرا سی کوشش کرنے پر وہ کھل گیا اور میں اس گاڑی سے کود پڑی۔ میرے بدن پر کچھ خراشیں اور چوٹیں آئیں لیکن میں خود کو سنبھال کر وہاں سے چل پڑی۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کس سمت جا رہی ہوں۔ میں نے کھیتوں اور میدانوں میں چھپ چھپ کر طویل ترین سفر طے کیا۔ آپ تصور تک نہیں کر سکتے کہ مجھے اس دوران کتنی تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں۔''

''میں نے گندے جوہڑوں سے پانی پیا ہے اور ایسے پھلوں سے اپنے پیٹ کی آگ

بجھائی ہے جسے شاید جانور بھی کھانا پسند نہ کریں۔ مجھے جو بھی چیز ملی میں نے کھائی اور اپنا یہ سفر جاری رکھا۔ راستے میں کئی بار کچھ گاڑیاں ملیں لیکن میں اتنی خوفزدہ تھی کہ میں نے ان میں سے کسی سے بھی مدد کی درخواست نہیں کی۔ بالآخر مجھے ظفری صاحب نظر آ گئے اور میں نے ان سے درخواست کر ڈالی۔ یہ ہے میری کہانی۔'' سائرہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور پھر خاموش ہو گئی۔

ظفری' سعدی اور شکیلہ اس کی کہانی سے بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔ چند لمحات وہ سائرہ کو دیکھتے رہے جس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹپک رہے تھے۔

''لیکن پرنس دلاور نے آپ کو اس طرح اغوا کیوں کیا؟''

''میں جانتی ہوں۔ اب میں اتنی بیوقوف بھی نہیں ہوں مجھے یقین ہے کہ ریاست میں میرے فرار کی خبر اڑ چکی ہوگی۔ سب کو یہی بتایا گیا ہوگا کہ نواب صاحب کو قتل کرنے کے بعد گرفتار ہو گئی اور پھر موت کے خوف نے مجھے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔'' سائرہ نے جواب دیا۔

بات سمجھ میں آتی تھی اگر سعدی کی ملاقات پرنس دلاور سے نہ ہو چکی ہوتی تو شاید سائرہ کی کہانی میں کچھ شبہ ہوتا۔ لیکن اب یہ کہانی ان کی نگاہوں میں بالکل صاف تھی۔ سعدی نے پوچھا۔

''کیا خیال ہے مس سائرہ پرنس دلاور آپ کو کہاں لے جانا چاہتے تھے؟ اگر وہ آپ کو کسی ویرانے میں لے جا کر قتل کر دیتا اور آپ کی لاش کہیں چھپا دیتا تو اس کے راستے کا کانٹا تو صاف ہو جاتا آپ کبھی نہ ملتیں اور اس کے بعد وہی ریاست اور جائیداد کا وارث قرار پاتا۔''

''نہیں۔ اس کا کردار ہمیشہ ہی مشتبہ رہا ہے۔ ریاست کے لوگوں کی نگاہوں میں بھی اس نے کوئی مقام حاصل نہیں کیا بلکہ ایک برے آدمی کی حیثیت سے مشہور رہا ہے۔ جیسا کہ میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ والد صاحب نے کوئی وصیت نہیں چھوڑی کیونکہ انھوں نے اچانک ہی موت کو گلے لگا لیا تھا۔ اس لیے جائیداد فوری طور پر پرنس دلاور کے نام منتقل نہیں ہو سکتی تھی۔ ہاں اگر عوام کے سامنے مجھے ایک قاتلہ کی حیثیت سے پیش کر دیا جاتا تو عوام کی ہمدردیاں سمیٹ سکتا تھا وہ

مجھے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کا مجھے یقین ہے لیکن وہ ایسے حالات پیدا کرنے کا خواہشمند تھا کہ ریاست کا ایک ایک فرد مجھے اپنے باپ کی قاتلہ سمجھ لے۔ میں نہیں جانتی کہ اس نے میرے خلاف سازشوں کے کیسے کیسے جال بچھائے ہیں اور اس کا آئندہ پروگرام کیا ہے۔'' سائرہ نے کہا اور سعدی گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا۔

''بہرطور ہم اپنے وہی الفاظ دہرائیں گے مس سائرہ کہ اب آپ ایک مضبوط حصار میں پہنچ گئی ہیں ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہم پرنس دلاور کو شکست دے کر آپ کی پوزیشن صاف کر دیں گے لیکن ایک بات کا یقین ضرور دلا سکتے ہیں کہ پرنس دلاور اب آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اور ہم یہ کوشش کریں گے کہ اس سازش کو منظر عام پر لے آئیں۔''

''مجھے آپ لوگوں سے بڑی توقعات ہیں تقدیر نے مجھے آپ تک پہنچا دیا ہے یہ میری خوش بختی ہے، میں چاہتی ہوں کہ آپ میرے لیے کام کریں۔ میں جائیداد اور ریاست پر لعنت بھیجتی ہوں۔ لیکن اپنے باپ کی قاتل بن کر مشہور ہونا میں کبھی پسند نہیں کروں گی۔ اس کے بجائے میں موت پسند کروں گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو آپ پولیس کے ان افسر یعنی آفتاب احمد صاحب کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور مجھے ان سے ملا دیں۔'' سعدی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں نے کہا نا کہ ریاست سے نکلتے ہی آپ کی تقدیر کے ستارے چمک اٹھے ہیں اور مشکلات کا لمحہ لمحہ خاتمہ ہوتا جا رہا ہے آفتاب احمد صاحب ڈی آئی جی پولیس ہیں اور ہمارے بہترین کرم فرماؤں میں سے ہیں۔ آپ تھوڑا سا توقف کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد انھیں آپ سے ملا دیا جائے گا۔''

''کیا واقعی؟'' سائرہ کی آنکھوں میں مسرت کی چمک پیدا ہو گئی۔ ''کیا واقعی۔ کیا واقعی ایسا ہو سکے گا؟''

''ہاں یقیناً۔'' ٹھہریئے میں ڈی آئی جی صاحب کو ٹیلی فون کرتا ہوں۔'' سعدی بولا اور

ٹیلی فون اپنی جانب سرکا لیا پھر اس نے ڈی آئی جی آفس کے نمبر ڈائل کیے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ آپریٹر سے اس نے ڈی آئی جی سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی اور چند لمحات کے بعد آفتاب احمد سے رابطہ قائم ہو گیا۔

''سعدی بول رہا ہوں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے۔''

''اوہ کہو سعدی بیٹے خیریت؟''

''نواب ضرغام علی آف عادل آباد سے واقف ہیں آپ؟''

''کیوں نہیں۔ وہ میرے دوست بھی ہیں اور عزیز بھی۔''

''ان کے قتل کی اطلاع ہے آپ کو؟'' سعدی نے سوال کیا۔

''کیا؟'' ڈی آئی جی کی آواز میں شدید حیرت تھی۔

''اس کا مطلب ہے، نہیں ہے۔ بہرحال میں مختصراً عرض کروں گا نواب صاحب کافی دن پہلے قتل ہو گئے ہیں۔ ان کی اکلوتی صاحبزادی مس سائرہ ضرغام بھی دشمنوں کی سازشوں کا شکار ہو کر اتفاق سے ہم تک پہنچ گئی ہیں۔ انھوں نے آپ کا نام بتایا تو میں نے آپ سے رابطہ قائم کیا ہے۔''

''آہ بڑی روح فرسا خبر ہے میرے لیے۔ اور بڑی حیرت انگیز، مجھے اطلاع بھی نہیں مل سکی۔ ضرغام علی معمولی آدمی تو نہیں تھا۔ سائرہ کہاں ہے؟''

''موجود ہیں۔'' سعدی نے جواب دیا۔

''سعدی بیٹے۔ فون پر اس سے زیادہ بات مناسب نہیں ہے۔ تم سب میرا مطلب یہ ظفری وغیرہ اسے میری کوٹھی پر لے آؤ۔ میں فوراً کوٹھی پہنچ رہا ہوں۔''

''بہتر۔ میں پہنچ رہا ہوں۔'' سعدی نے جواب دیا۔ اور پھر ضروری تیاریوں کے بعد وہ چل پڑے۔ آفتاب احمد صاحب اپنی شاندار رہائش گاہ کے برآمدے میں ملے۔ وہ بے چینی سے ان لوگوں کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کی کار پورچ میں رکی تو وہ خود ہی آگے بڑھ آئے۔

دروازہ کھولا اور پھر سائرہ کو نیچے اتار کر سینے سے لگا لیا۔ سائرہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

"مجھے اپنی اس مجرمانہ غفلت کا احساس ہے بیٹی۔ مجھے بے حد شرمندگی ہے۔ مجھے یہ خبر نہیں مل سکی۔ اتنی بڑی اطلاع مجھے نہیں مل سکی۔ کسی اخبار نے یہ خبر نہیں چھاپی۔ کسی کو اس بارے میں خبر نہیں ہے۔" آفتاب احمد کہہ رہے تھے۔

"یہ بھی پرنس دلاور کی کوششیں ہوں گی انکل۔ وہ اپنے لیے میدان صاف رکھنا چاہتا تھا۔ اس نے یہ خبر اخبارات میں نہ آنے دی ہوگی۔ وہ بہت چالاک ہے۔" سائرہ نے روتے ہوئے کہا۔

"پرنس دلاور؟" آفتاب احمد صاحب نے چونک کر پوچھا۔ پھر بولے۔ "آؤ اندر آؤ۔ آؤ بیٹے بیٹھ کر باتیں کریں۔ آؤ سعدی تم لوگ بھی آ جاؤ۔ آہ یہ بہت بری خبر ہے میرے لیے۔ میرا دوست قتل کر دیا گیا اور مجھے خبر بھی نہیں ہو سکی۔ کیسے غم کی بات ہے۔ ایک ایک کو ٹھیک کر دوں گا۔ ایک ایک سے حساب لیا جائے گا۔ یہ خبر یہاں کیوں نہیں پہنچی۔ اخبارات کو اس کا علم کیوں نہیں ہوا۔ حکومت کے ارکان وہاں کیا کر رہے ہیں' سب کو ٹھیک کر دوں گا۔"

ڈی آئی جی صاحب سائرہ کو اندر لے گئے ان کے اہل خاندان بھی آ گئے تھے۔ تھوڑی دیر تک ہنگامہ رہا پھر ڈی آئی جی صاحب نے یہ کہہ کر ان لوگوں کو ٹال دیا کہ ابھی سائرہ یہیں ہے ایک اہم سلسلے میں اس سے بات چیت کرنی ہے اس کے بعد اسے ان لوگوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ پھر یہ سب کمرہ بند کر کے بیٹھ گئے۔ سائرہ کی سسکیاں اب بھی جاری تھیں۔ اپنے والد کے گہرے دوست کے سامنے آ کر اس کا غم تازہ ہو گیا تھا۔ اس لیے سعدی نے اس کی کہانی ڈی آئی جی صاحب کو سنائی اور وہ ششدر رہ گئے۔ پھر ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"وہ میرا دوست نہیں بھائی تھا سعدی۔ میں ایسی عبرت ناک سزائیں دلواؤں گا ان لوگوں کو موت کے بعد بھی یاد رکھیں۔ سائرہ بیٹے مجھے شدید رنج ہے جو گزر چکی ہے اسے واپس نہیں لایا جا سکتا لیکن تمہارے دشمنوں کو عبرت ناک سزائیں ملیں گی۔" پھر سعدی سے بولے۔ "مجھے اس

بارے میں تم لوگوں سے مشورہ کرنا ہے سعدی۔ تم مصروف تو نہیں ہو؟"

"نہیں جناب اس سے زیادہ اہم مصروفیت ہمارے لیے اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"سائرہ بیٹے اب تم آرام کرو۔ میں ایک بار پھر تم سے یہی کہوں گا کہ جو گزر چکا ہے اسے میں واپس نہیں لا سکتا' لیکن اس کے بعد تم بالکل محفوظ ہو۔ اپنے انکل کے پاس ہو تم' اب تمہیں دوسری تمام فکروں سے آزاد ہو جانا چاہیے۔ جاؤ چچی جان کے پاس جاؤ۔ لباس وغیرہ تبدیل کرو۔ اور آرام کرو۔ میری درخواست ہے تم سے بیٹے کہ خود کو سنبھالنے کی کوشش کرو' باقی تمام معاملات میں سنبھال لوں گا۔" وہ سائرہ کو اپنے ساتھ باہر لے گئے۔ سعدی' ظفری اور شکیلہ خاموش بیٹھے ان واقعات پر غور کرتے رہے۔

تھوڑی دیر کے بعد جب ڈی آئی جی صاحب واپس آئے تو ظفری نے اٹھ کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ ڈی آئی جی صاحب کا چہرہ بہت متفکر نظر آ رہا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے دونوں ہاتھ پیشانی پر رکھ لیے۔

"تم لوگ نہیں جانتے' وہ میرے لیے کس قدر اہم تھا۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ حکومت کے وہ ارکان جو وہاں انتظامی امور پر مامور ہیں' کیوں خاموش رہے اس سلسلے میں' نواب علی ضرغام اتنی معمولی شخصیت تو نہیں تھے کہ ان کی موت کی اطلاع اخباروں میں نہ چھپتی یا حکومت کے کانوں تک نہیں پہنچتی۔ اس سلسلے میں جو سازش کی گئی ہے۔ اس میں یا تو حکومت کے ارکان بھی شامل ہیں۔ یا پھر سازش اس طرح کی گئی ہے کہ ان کے کانوں تک خبر بھی نہیں پہنچ سکی۔"

"اس سلسلے میں تو ریاست ہی پہنچ کر معلومات حاصل کی جا سکتی ہیں' آفتاب صاحب' لیکن ہمارے پاس ایک اہم اطلاع ہے آپ کے لیے' جو بالکل خفیہ ہے اور سائرہ کو بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔" ڈی آئی جی صاحب چونک کر انھیں دیکھنے لگے۔

"کیا مطلب؟ کیا اطلاع ہے وہ؟"

”پرنس دلاور یہاں موجود ہے۔ جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ سائرہ اس دوران کسی کے ایماء پر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے اور اس کی کوشش کی اطلاع پرنس دلاور کو مل چکی تھی' چنانچہ سائرہ کے فرار ہونے کے بعد یقینی طور پر پرنس دلاور کو تشویش ہوئی ہوگی کہ کہیں سائرہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ نہ پہنچ جائے۔ یا ممکن ہے اس کے ذہن میں یہ خدشہ ہو کہ یہ اطلاع آپ تک بھی پہنچے گی۔ اس طرح اسے اپنے راز کے فاش ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ یہاں آ گیا۔ یہاں آ کر اس نے سب سے پہلے ہم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔“

”تم سے؟“ ڈی آئی جی صاحب چونک پڑے۔

”ہاں۔ اس نے ہوٹل فائزرس میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے کسی نمائندے کو طلب کیا' میں اس سے ملا تھا۔ بہت ہی خودسر اور بدتمیز قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے مجھ سے ملاقات کی اور ایک اچھی خاصی رقم مجھے پیش کی کہ سائرہ اگر مجھ سے ملاقات کی کوشش کرے اور مجھ سے اس سلسلے میں مدد چاہے تو میں پرنس دلاور کے مفادات کی نگرانی کروں اور سائرہ کی آمد کی اطلاع اسے دے دی جائے۔ اس نے اس سلسلے میں بہت بڑی رقم کی پیشکش بھی کی تھی مجھے' ویسے اس نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ صورت حال کیا ہے؟ بس اس نے یہی کہا تھا کہ کسی ایسی لڑکی کی اطلاع اسے دی جائے' جو پرنس دلاور کے خلاف کوئی کام کرانا چاہتی ہو۔“

”اوہ' اوہ' گویا تمہارا اس سے رابطہ ہے؟“

”میرا اس سے براہ راست رابطہ تو نہیں ہے لیکن اس کی ایک سیکریٹری جس کا نام ریتا ہے۔ اس نے مجھے ایک ٹیلی فون نمبر دیا ہے ابھی تک میں ریتا سے رابطہ قائم نہیں کر سکا لیکن اس ٹیلی فون کے ذریعے اس تک پہنچا جا سکتا ہے۔“

”کمال ہے' کمال ہے۔ ویری گڈ' ویری گڈ۔ اس کا مقصد ہے کہ تقدیر ہمارے لیے آسانیاں پیدا کر رہی ہے۔ بلاشبہ یہ اطلاع اہم ترین ہے' لیکن اب کیا پروگرام ہے تم لوگوں کا؟

مجھے مشورہ دو۔ علی ضرغام کی موت سے میرا ذہن بہت الجھ گیا ہے۔ میں اس سلسلے میں شرمندہ بھی ہوں اور پریشان بھی کہ مجھے اپنے اتنے اہم اور گہرے دوست کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا' اس کی موت کو اتنا عرصہ گزر گیا اور میں ابھی تک اس سے لاعلم ہوں اس کے خلاف ایسی خوفناک سازش ہوئی' وہ مر گیا اور مجھے پتا نہیں' سائرہ بیچاری مختلف مصیبتوں کا شکار رہی اور میں اس سے انجان رہا۔ مجھے اپنی اس افسوسناک غفلت پر ہمیشہ شرمندگی رہے گی۔“

”بہرطور سازش بہت گہری ہے ڈی آئی جی صاحب اس لیے ہم ہر بات کی توقع کر سکتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟“

”تم خود ہی سوچو' میرا ذہن تو ان حالات میں کام نہیں کر رہا۔“ ڈی آئی جی نے کہا۔

اس دوران ملازم کافی لے آیا تھا۔ کافی پیتے ہوئے شکیلہ آہستہ سے بولی۔

”میرے ناقص ذہن میں ایک تجویز آئی ہے آفتاب احمد صاحب اگر اس پر غور کر لیا جائے تو میں شکرگزار رہوں گی۔ میرا خیال ہے سعدی پرنس سے رابطہ قائم کر کے انھیں اپنے پاس سائرہ کے آنے کی اطلاع دیں اور پھر ہم سائرہ کو پرنس دلاور کے حوالے کر دیں اس کے ساتھ ہی ہم ایک ایسا جال بچھائیں کہ پرنس دلاور اصل حیثیت میں ہمارے جال میں پھنس جائے۔“ شکیلہ نے کہا۔

سعدی' ظفری اور آفتاب احمد صاحب گہری نگاہوں سے شکیلہ کو دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں گہری سوچ کے آثار تھے۔ پھر آفتاب احمد بولے۔ ”تم لوگ درحقیقت ذہین ہو اور اس قابل ہو کہ اس ادارے کو چلاؤ۔ شکیلہ نے جو خاکہ پیش کیا ہے اس کے نوک پلک سنوارے جا سکتے ہیں۔ ہمیں سوچنے کے لیے ایک راہ مل گئی ہے۔ آؤ سارے پروگرام کا ایک خاکہ بناتے ہیں۔“

”آپ لوگ اس سے متفق ہیں؟“ شکیلہ نے سعدی اور ظفری سے پوچھا۔

”بالکل چیف۔ میرے خیال میں بہترین تجویز ہے۔“ سعدی آہستہ سے بولا۔

"آفتاب احمد صاحب نے ایک بڑا کاغذ اور بال پوائنٹ منگوالیا اس کے بعد شکیلہ کی تجویز پر لحہ لحہ غور ہونے لگا ایک ایک نکتے کو زیرِ غور لایا جا رہا تھا۔ کافی دیر تک صورت حال پر غور ہوتا رہا۔ پروگراموں میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ پھر ڈی آئی جی صاحب دوسرے کمرے میں جا کر ایک تصویروں کا البم لے کر آئے جس میں نواب ضرغام کی بہت سی تصاویر تھیں۔ کچھ آفتاب احمد کے ساتھ اور کچھ تنہا۔ ان تصاویر پر غور کیا گیا اور تجویز کو آخری شکل دے دی گئی۔ سب کے چہروں پر تجسس تھا۔ آخر میں ڈی آئی جی بولے۔

"یہ تمھاری کسوٹی ہے سعدی' ظفری اور شکیلہ۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم اس پر پورے اترو گے۔ دوسرے تمام کام چھوڑ دو اور بڑی معذرت کے ساتھ آخری بات کہتا ہوں۔ اس کیس کی تکمیل کے بعد میں تمھیں ریاست عادل آباد سے ایک لاکھ روپے دلاؤں گا۔ گویا تمھاری مصروفیت کا چار گنا معاوضہ۔ دیگر اخراجات کے علاوہ۔"

"ہم اسے بخوشی قبول کریں گے جناب۔" ظفری نے جواب دیا۔ اور سعدی اور شکیلہ ہنس پڑے۔

"تو پھر بسم اللہ۔ یہ کیس میں تمھارے حوالے کرتا ہوں۔" آفتاب احمد نے کہا۔

اینگل روڈ کے چوراہے پر سعدی اپنی کار میں رینا کا انتظار کر رہا تھا۔ رینا کے دیے ہوئے فون پر رنگ کر کے سعدی نے اسے لڑکی کے پہنچنے کی اطلاع دے دی تھی۔ اسے فون پر بھی احساس ہو گیا تھا کہ رینا بہت پرجوش ہو گئی ہے۔

"کہاں ہے وہ؟ کیا وہ تمھارے پاس ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جا چکا ہے لیکن میں نے اس کا کیس بھی لے لیا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"تم سے ملنا چاہتا ہوں تا کہ بات چیت مکمل ہو جائے۔"

"ہوں۔ دس منٹ کے بعد مجھے دوبارہ رنگ کرو۔ میں انتظار کروں گی اور دس منٹ کے بعد رینا اسے اینگل روڈ کے چوراہے پر بلا لیا تھا۔ ابھی سعدی کو یہاں پہنچے ہوئے چار پانچ منٹ ہی گزرے تھے کہ اس نے سڑک کے دوسری طرف رینا کو ایک ٹیکسی سے اترتے دیکھا۔ ٹیکسی کا بل ادا کر کے وہ تیر کی طرح سعدی کی طرف لپکی۔ اور پھر وہ بے تکلفی سے سعدی کے برابر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تمھاری اطلاع میں کوئی فریب تو نہیں ہے۔"

"ہے۔" سعدی نے کہا۔ "لیکن معقول معاوضہ لے کر سارے فریب ختم کیے جا سکتے ہیں۔"

"اوہ مسٹر سعدی' پرنس دلاور کو آپ نہیں جانتے۔ دولت کے انبار ہیں ان کے پاس اور جس پر مہربان ہو جاتے ہیں ان کی تقدیریں بدل دیتے ہیں وہ اگر اس سلسلے میں آپ نے ان سے تعاون کیا تو آپ کو منہ مانگا معاوضہ ملے گا۔"

"میں پرنس سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"چلیے۔" رینا نے کہا اور سعدی نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ رینا نے اسے ایک علاقے کا پتا بتا دیا اور کار دوڑتی رہی۔ جس جگہ رینا اسے لے کر گئی تھی' وہ پرنس دلاور کے شایاں نہیں تھی لیکن سعدی نے اس پر تبصرہ نہیں کیا۔ ایک بلڈنگ کے دوسری منزل کے فلیٹ میں پرنس موجود تھا۔ اس وقت اس کا رویہ خراب نہیں تھا لیکن شکل پر رعونت طاری تھی' وہ کہاں جاتی۔ اس نے سعدی کو بیٹھنے کی پیشکش بھی کی تھی۔ سعدی شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ تب پرنس نے پوچھا۔

"کیا یہ اطلاع درست ہے؟"

"ہاں پرنس۔"

"کہاں ہے وہ؟"

"اس کا جواب ابھی نہیں دیا جا سکتا۔"

"کیوں؟" پرنس کی غراہٹ ابھری۔

"جو کہانی اس نے سنائی ہے پرنس، وہ بہت قیمتی ہے اور آپ ہم جیسے لوگوں کے بارے میں بخوبی جانتے ہوں گے۔ یہاں پرائیویٹ جاسوسوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ نہ جانے کیسی کیسی مشکلات سے گزرنا ہوتا ہے ہمیں۔ پولیس کے جھگڑے۔"

"اوہ صرف کام کی بات کرو۔" پرنس ہاتھ اٹھا کر غرایا۔

"کہانی کے تحت لڑکی آپ کے لیے بے حد قیمتی ہے پرنس۔ اور میں آپ کو یہ بھی بتادوں کہ اگر لڑکی آپ سے پہلے ہمارے پاس آجاتی تو ہم انتہائی خلوص سے اس کے لیے کام کرتے۔ پرنس آپ اپنی تمام ذمہ داریاں ہم پر ڈال سکتے ہیں۔ آپ کی مرضی اور پسند کے مطابق کام ہوگا۔ اب ہمیں اس لڑکی کے مفادات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"کہانی کیا تھی؟" پرنس دلاور نے پوچھا۔

"عادل آباد کے علی ضرغام کا قتل۔ سائرہ کے خلاف مواد۔ اس کی نظر بندی پھر اغواء اور اس کا فرار۔ اس نے پہلے بھی ہم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی تھی جسے آپ نے ناکام بنا دیا۔ اتنی تفصیل کافی ہے پرنس۔"

"ہوں۔" پرنس کے چہرے پر غور وفکر کے آثار پھیل گئے۔

"میں آپ کے لیے ایک اہم کام اور انجام دے چکا ہوں پرنس۔" سعدی بولا۔

"کیا؟"

"شاید یہ بات آپ کے علم میں نہ ہو کہ علی ضرغام کے تعلقات آفتاب احمد سے تھے اور آفتاب احمد ڈی آئی جی پولیس ہیں۔"

"اوہ ہاں۔" دلاور چونک پڑا۔

"سائرہ ڈی آئی جی سے ملنا چاہتی تھی۔ میں نے اسے روک لیا اور وعدہ کیا کہ میں

اسے بحفاظت ڈی آئی جی تک پہنچا دوں گا۔ میں نے خود ہی اس کے لیے رہائش کا بھی بندوبست کیا ہے اور اپنا ایک آدمی اس پر تعینات کر دیا ہے اور اسے ہدایت ہے کہ پرنس سائرہ کسی سے بھی ملاقات نہ کرنے پائے۔"

"ویری گڈ۔ ویری گڈ۔ عمدہ کام کیا ہے تم نے۔ تم اچانک مجھے پسند آگئے ہو۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

"بے بس بھی عنایت ہو جائے۔" سعدی سعادت مندی سے بولا۔

"پانچ۔ دو لاکھ تمہیں ابھی ادا کر دیے جائیں گے اور تین لاکھ کے لیے تمہیں کچھ اور جدوجہد کرنی ہوگی۔"

"میرا پورا ادارہ پرنس کا خادم ہوگا!"

"دوستی کے نتیجے میں بہت کچھ ملے گا اور غداری کا نتیجہ موت ہوگی۔ اس بات کا خیال رکھنا۔" پرنس نے کہا۔

"پرنس کی غلامی ہماری خوش بختی کا پیغام ہے۔"

"میں کچھ اہم ذمہ داریاں تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ انتہائی رازداری سے یہ کام انجام دو۔ ریاست سے میری طویل گمشدگی مناسب نہیں ہے۔ میرے پاس ذہین لوگوں کی کمی ہے۔ میرے پاس جو لوگ کام کر رہے ہیں وہ صرف مشین ہیں دماغ نہیں۔ تم میں مجھے یہ دونوں خوبیاں نظر آتی ہیں۔ صورت حال تم سمجھ چکے ہو۔ اور اس سے نتیجہ بھی اخذ کر چکے ہو گے۔ تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔ کام ہو جانے کے بعد تمہیں میری مستقل دوستی حاصل ہو جائے گی۔ ممکن ہے میں تم لوگوں کو ریاست ہی میں بلا لوں۔ بہرحال یہ بعد کی باتیں ہیں۔ ایک نگاہ مجھے سائرہ دکھا دو۔ میں اس کی تصدیق کر دوں تو پھر تم اسے لے کر کسی نہ کسی طرح ریاست آجاؤ۔ تمہارا اسٹاف بھی ساتھ ہوگا۔ وہاں میں تمہیں کچھ لوگوں کے سامنے پیش کر دوں گا اور تم ان لوگوں کے سامنے ایک

بیان دو گے۔"

"بیان کیا ہوگا پرنس؟" سعدی نے پوچھا۔

"تمھارا تعلق ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے ہے۔ جاسوسی کا ایک ادارہ ہے۔ لیکن تم لوگ غیر قانونی کام نہیں کرتے۔ کچھ عرصہ قبل پرنسس سائرہ نے تم سے رابطہ قائم کیا اور پوچھا کہ کیا تم لوگ پانچ لاکھ روپے قبول کر کے کسی کو قتل بھی کر سکتے ہو۔ تم نے انکار کر دیا تو پرنسس نے دوسری پیشکش کی وہ یہ تھی کہ اگر تم قتل نہیں کر سکتے تو اتنا تو کر سکتے ہو کہ کسی کو قاتل ثابت کر دو۔ یہ پیشکش تم نے قبول کر لی اور پرنسس نے تمھیں دو لاکھ روپے ادا کر دیے۔ اس کے بعد چند روز قبل وہ فرار ہو کر تمھارے پاس پہنچ گئیں اور انھوں نے تمھیں اپنے کام کے لیے آمادہ کر لیا۔ وہ اسی لیے تمھیں لے کر ریاست پہنچیں کہ اب تم اپنا کام کرو لیکن تم شریف لوگ ہو۔ کیا سمجھے؟"

"سمجھ گیا پرنس۔"

"سائرہ کو تم کس طرح شیشے میں اتارتے ہو وہ تمھارا کام ہوگا۔"

"آپ اس کی فکر نہ کریں۔" سعدی نے مستعدی سے کہا۔

"تم یہ کام انجام دے لوگے؟ کوئی الجھن تو نہیں ہوگی؟"

"پرنس بالکل مطمئن رہیں۔ کام من و عن ہوگا۔"

"اور مجھے یقین ہے کہ دنیا کا کوئی لالچ تمھیں مجھ سے غداری پر مجبور نہیں کرے گا۔ یہ بھی تم سن لو اچھی طرح۔ بہر طور سائرہ مر جائے گی اور اس کے بعد عادل آباد کی حکمرانی مجھے مل جائے گی۔ کوئی قوت میری راہ نہیں روک سکے گی۔ اس لیے صرف مجھ سے دوستی میں تمھیں فائدہ ہے۔"

"میں پرنس سے جو کچھ کہہ چکا ہوں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ پرنس کو اس پر بھروسہ کرنا چاہیے؟"

"میں نے اس پر یقین کر لیا ہے۔"

"لیکن پرنس مجھے ایک بات پر حیرت ہے؟"

"کیا؟"

"نواب علی ضرغام اتنی معمولی شخصیت کے مالک تو نہیں تھے کہ ان کی موت کی خبر اخبارات میں نہ چھپتی؟"

"اس سے تمھیں صرف یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہیے کہ میرے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔"

"دفاع بھی بے حد وسیع ہے۔ پرنس، بہر حال میں خادم ہوں۔" سعدی نے انکساری سے کہا۔ پھر بولا۔ "میری ایک اور درخواست بھی ہے پرنس۔"

"کہو کہو۔" پرنس دلاور کا موڈ بدل گیا تھا۔

"میں نے پرنس سے وفاداری کا عہد کیا ہے۔ اس وقت تک مجھ پر اعتبار کیا جائے جب تک پرنس کو میری کسی بات پر شک نہ ہو۔ اگر شک یقین میں بدل جائے تو بے شک مجھے گولی ماردی جائے لیکن کام مجھے میری مرضی سے کرنے دیا جائے۔"

"منظور ہے۔ تم اس پروگرام میں پوری طرح خود مختار ہوگے۔"

"تو پھر کیا حکم ہے آپ اسے دیکھنا پسند کریں گے؟" سعدی بولا۔ اور پرنس نے ملازم کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی۔ ملازم آیا تو اس نے رینا کو طلب کر لیا۔ پھر اس نے حکم دیا۔

"دو لاکھ روپے کے نوٹ لے آؤ۔" اور رینا گردن جھکا کر چلی گئی۔ سعدی مسمسی سی شکل بنائے بیٹھا رہا۔ رینا نے ایک بریف کیس لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

"قابل اعتماد لوگوں کی پرکھ ہے ہمیں۔ تین لاکھ کام ہونے کے فوراً بعد مل جائیں گے اور اس کے بعد انعامات جو تمھاری توقع سے کہیں زیادہ ہوں گے۔ رینا تمھاری ہدایت کے مطابق تمھارے ساتھ جائے گی اور اسے دیکھ لے گی۔ اس کے بعد تم اپنا کام شروع کر دو گے۔ میں آج

ہی ریاست واپس جارہا ہوں تاکہ وہاں کے معاملات سنبھالوں۔"

"بہتر پرنس۔ سب کچھ آپ کی ہدایت کے مطابق ہوگا۔" سعدی نے بریف کیس بند کرکے اپنی تحویل میں لے لیا۔ پھر پرنس کو سلام کرکے رینا کے ساتھ باہر نکل آیا۔ رینا مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔

"بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو پرنس کو اس طرح ٹریٹ کرلیں تم معمولی انسان نہیں معلوم ہوتے۔"

"تمھیں دوسری کار میں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ میں اسے ساتھ لے کر باہر آؤں گا تم تصدیق کرلینا۔" سعدی نے خشک لہجے میں کہا۔

"اوکے۔ اوکے۔" رینا سنبھل گئی۔ اسے بے تکلفی کا جواب اسی انداز میں نہیں ملا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں باہر نکل آئے۔ دو الگ کاروں میں تھے۔ رینا کی کار میں ایک ڈرائیور بھی موجود تھا۔ لیکن سعدی چوکنا تھا۔ بہت سی سڑکوں سے گزرتے ہوئے اس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ کوئی اور گاڑی تو اس کے تعاقب میں نہیں ہے لیکن ایسی گاڑی اس کی نگاہ میں نہیں آئی تھی۔

برائن اسکوائر کی ایک عمارت کے سامنے اس نے کار روک دی اتر کر اوپر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ نیچے اترا تو سائرہ اس کے ساتھ تھی۔ اس نے سائرہ کے لیے دروازہ کھولا اور اسے بٹھا کر چل پڑا۔ رینا کی کار بھی پیچھے لگ گئی تھی اور بہت پیچھے تین موٹر سائیکلیں اور ایک کار بھی اسٹارٹ ہوکر ان کے پیچھے چل پڑی۔ ان گاڑیوں میں اسپیشل پولیس کے افراد تھے جو پوری طرح مسلح اور چوکس تھے۔

سعدی نے ایک لمبی مسافت طے کی۔ پھر ایک بازار میں آیا ایک جنرل اسٹور سے سائرہ کے ساتھ خریداری کی پھر اس نے رینا کی کار واپس جاتے دیکھی تو وہ خود بھی واپس چل پڑا۔ کار برائن اسکوائر ہی گئی تھی۔ اور سائرہ کو ایک فلیٹ میں لے جایا گیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد ہی

ایک برقعہ پوش خاتون فلیٹ سے باہر نکلیں۔ ان کے ساتھ ایک مولانا تھے۔ دونوں نیچے پہنچے اور تھوڑے فاصلے پر کھڑا آٹو رکشہ اسٹارٹ ہوکر ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ دونوں اس میں بیٹھ کر چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد سعدی بھی نیچے آیا اور اپنی کار اسٹارٹ کرکے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے دفتر کی طرف چل پڑا۔ ہر چند کہ اب تک اس کا تعاقب نہیں کیا گیا تھا لیکن اس نے اب بھی اس کا خیال رکھا تھا اور دفتر پہنچنے تک اسے اس کا کوئی شبہ نہیں ہوا۔ دفتر میں شکیلہ اور ظفری بے چینی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے پرتپاک مسکراہٹوں سے اس کا استقبال کیا۔ سعدی نے بریف کیس ان کے سامنے رکھ دیا۔ نوٹوں سے بھرے ہوئے بریف کیس کو دیکھ کر مسرت کا اظہار کیا گیا۔ اس کے بعد سعدی نے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک ننھا سا ٹیپ ریکارڈر نکالا جس کے دو باریک تار سعدی کی جیب سے اس طرح باہر نکلے ہوئے تھے کہ پتا بھی نہیں چلتا تھا۔ سعدی نے کیسٹ ریورس کیا اور پھر اس کی آواز کھول دی۔ پرنس دلاور اور سعدی کی تمام گفتگو اس پر ریکارڈ تھی۔ ظفری اور شکیلہ حیرت اور دلچسپی سے یہ آوازیں سن رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیپ ختم ہوگیا۔

"اطمینان بخش۔" ظفری نے گردن ہلائی۔

"اب تم فوراً یہ امانت ڈی آئی جی صاحب کے سپرد کرآؤ۔" سعدی نے کہا۔

"اوکے چیف۔" ظفری مستعدی سے کھڑا ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ظفری کی کار پولیس ہیڈ آفس کی طرف دوڑ رہی تھی۔

عادل آباد کی سڑکوں، گلیوں، بازاروں میں سناٹا چھا گیا تھا چھوٹا سا شہر تھا تھوڑی سی آبادی۔ سات بجے دکانیں بند ہوجاتی تھیں اور لوگ اپنے گھروں میں آرام کرتے تھے۔ چند سینما گھر تھے اور چند ہوٹل جن میں بے فکرے آجاتے تھے۔ اور بس۔

لیکن نواب علی ضرغام کا محل بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ یہاں ابھی رات نہیں ہوئی تھی۔ موذب

ملازم ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ محل کے ایک خاص حصے میں کچھ زیادہ اہتمام تھا۔ ایک بڑے سے خوشنما ہال میں آبنوس کی لکڑی سے بنائی ہوئی طویل میز پڑی ہوئی تھی۔ اور اس کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر عادل آباد کے معززین بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی تعداد چودہ کے قریب تھی۔ سب کے چہروں پر سنسنی نظر آرہی تھی۔ میز پر پانی کے جگ اور گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اور ملازم ان کی کسی بھی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے تیار تھے۔ پھر ایک بغلی دروازے سے پرنس دلاور برآمد ہوا۔ سلک کے قیمتی قمیض پائجامے میں ملبوس تھا۔ بال منتشر تھے۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور آنکھیں متورم نظر آرہی تھیں۔ کچھ ہلکی ہلکی آوازیں ابھریں۔ پرنس دلاور نے ان لوگوں کو سلام کیا۔ سب نے بہ آواز بلند جواب دیا۔ پرنس دلاور تھکے تھکے سے انداز میں ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"بزرگو، دانشمندو، میں آپ لوگوں سے مخاطب ہوں۔ میں آپ کو تکلیف دینے کے لیے مجبور تھا۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا تھا۔ میرے لیے۔ میں اپنے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ دوسروں کے بارے میں آپ کو کچھ بتانے کا خواہش مند ہوں۔ آپ کی اجازت چاہتا ہوں۔"

"بتاؤ دلاور۔" ایک قوی ہیکل شخص نے کہا۔

"عطا خان، جاؤ اسے لے آؤ۔ جس حالت میں بھی ہے لے آؤ۔ تاکہ میرے بزرگ یہ نہ کہیں کہ کارروائی یکطرفہ رہی۔" دلاور نے ایک شخص سے کہا۔ اور وہ گردن جھکا کر باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک وہیل چیئر پر سائرہ کو اندر لایا گیا۔ اس کے ساتھ سعدی اور ظفری بھی تھے۔ سائرہ عجیب سی کیفیت میں نظر آرہی تھی۔ اس کی کرسی میز کے قریب رکھ دی گئی۔

"یہ عادل آباد کا ناموس ہے۔ میری بہن ہے یہ۔ سوتیلی ہی سہی لیکن نواب ضرغام کی بیٹی ہے۔ یہ اس وقت بھی نشے میں ہے پیتھیڈین کے انجکشن کے بغیر اس کی زندگی محال ہے۔ یہ ڈاکٹروں کی رپورٹیں ہیں۔ اس کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ یہ سات سال سے نشہ آور

ادویات استعمال کرتی ہے۔" دلاور نے چند کاغذات ان لوگوں کے سامنے رکھ دیے جن کا معائنہ کیا گیا۔ پھر دلاور موثر لہجے میں بولا۔

"قابل احترام بزرگو! اولاد اس قابل نہیں ہے کہ آپ لوگوں کے سامنے بیٹھ سکے۔ کچھ کہہ سکے۔ بزرگو مجھے اعتراف ہے کہ اب تک کی زندگی میں، میں ایک بدترین انسان رہا ہوں۔ میں آپ سے یہ وعدہ کر کے آپ کی ہمدردیاں بھی حاصل نہیں کرنا چاہتا کہ اب میں نے برائیاں چھوڑ دی ہیں۔ میرا خیال ہے میں پہلے سے بھی زیادہ برا ہو گیا ہوں اور جوں جوں وقت گزرتا جائے گا۔ میری ان برائیوں میں اضافہ ہوتا جائے گا کیونکہ ان خرابیوں کا پس منظر ہے میری ماں۔ نواب ضرغام کے نکاح میں تھی لیکن اس نے ساری زندگی ایک داشتہ کی حیثیت سے گزاری۔ میں ایک باپ کی جائز اولاد تھا لیکن لوگوں نے مجھے ہمیشہ شک کی نگاہ سے دیکھا۔ میری فطرت میں بغاوت پیدا ہو گئی۔ اپنے آپ سے اس ماحول سے۔ اور میں ساری دنیا سے انتقام لینے لگا۔ لیکن بزرگو پھر مجھے باپ مل گیا۔ اس نے مجھے سہارا دیا۔ وہ مجھے برائیوں سے بچنے کی تلقین کرنے لگا اور مجھے بہت عجیب محسوس ہوا۔ برائیاں مجھے بہت دور لے گئی تھیں۔ میں نے واپسی کا سفر شروع کیا۔ اور ممکن تھا کہ میں انسان بن جاتا۔ لیکن یہ سہارا بھی مجھ سے چھین لیا گیا۔ میں نے اسے دیکھا جو ناز و نعم سے پلی ہوئی تھی، قابل احترام تھی۔ سب اس کی عزت کرتے تھے لیکن در پردہ۔ وہ منشیات کی عادی تھی۔ اس کے سیاہ کرتوتوں نے اسے بلیک میلروں کے چکروں میں پھنسا دیا تھا اور اسے دولت کی ضرورت رہتی تھی۔ اس نے اسی دولت کے لیے میرا باپ مجھ سے چھین لیا۔ باپ میرے لیے اس کائنات کی سب سے قیمتی شے تھا۔ میں اس کی جدائی برداشت نہیں کر سکا۔ میں پاگل ہو گیا۔ میں نے باپ کے قاتل کو تلاش کیا۔ اور پا لیا اسے۔ لیکن اسے قاتل ثابت کرنا بہت مشکل تھا۔ پھر تقدیر نے یاوری کی اور مجھے کچھ ثبوت مل گئے۔ میں نے اسے نظر بند کر لیا۔ میں نے اپنے باپ کی موت کی اطلاع عام نہ ہونے دی کیونکہ مجھے خطرہ تھا کہ اس سلسلے میں مرکزی پولیس

مداخلت کرے گی اور اصل قاتل روپوش ہو جائے گا۔ یہ خطرناک عورت فرار ہو گئی۔ اس نے ایک ایسے ادارے سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی جس کے ارکان معاوضہ لے کر دوسروں کی مدد کرتے ہیں۔ لیکن ان شریف لوگوں نے صورت حال سے واقف ہو کر اس کے بجائے مجھ سے تعاون کیا۔ اور نتیجے میں یہ آپ کے سامنے ہے۔ میں اپنے باپ کی قاتلہ کے لیے سزا چاہتا ہوں۔ میں انصاف چاہتا ہوں۔"

پرنس دلاور کی آنکھوں میں آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر اس نے سعدی کو مخاطب کر کے کہا۔

"سعدی اپنا تعارف کراؤ۔ ان معززین کو صورت حال سے باخبر کرو۔"

سعدی اطمینان سے کھڑا ہو گیا۔ "حقیقت یوں ہے بزرگو ہم قانون کا احترام کرتے ہوئے لوگوں کی مدد کرتے ہیں لیکن ایسے لوگوں کی جو مظلوم ہوں۔ مجرم کو ہم خود سزا نہیں دیتے بلکہ قانون کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اس بار بھی خدا کے فضل سے ہم ایسا ہی کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پرنس سائرہ سے پہلے پرنس دلاور نے ہم سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ اگر اس کے خلاف کوئی کوشش کی جائے تو۔۔۔"

سعدی آہستہ آہستہ پوری کہانی سنانے لگا۔ پرنس دلاور کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ اس کی شخصیت ایکدم بدل گئی۔ وہ جنونی انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"یہ کیا بکواس کر رہا ہے تو؟" وہ دھاڑا۔

"بزرگو۔ سارے ثبوت موجود ہیں اور آخری ثبوت۔" سعدی نے دروازے کی طرف دیکھا۔ اسی وقت دروازے سے نواب علی ضرغام ڈی آئی جی آفتاب احمد خان اور چند پولیس افسروں کے ساتھ اندر داخل ہو گئے۔ اندر موجود لوگوں کے حلق سے تحیر بھری آوازیں نکل گئی تھیں۔

نواب صاحب نے قہر آلود نگاہوں سے دلاور کو دیکھا اور پھر زہریلے لہجے میں بولے۔ "میں آپ کو بتاؤں گا کہ اصل قاتل کون ہے؟"

"نواب صاحب آپ زندہ ہیں؟"

"ہاں۔ میں زندہ ہوں۔ میری جگہ میرے ایک جانثار آصف ملک نے اپنی جان دی ہے۔ آصف ملک اتفاق سے دلاور کے منصوبے سے آگاہ ہو گئے تھے۔ انھوں نے میک اپ کر کے میری جگہ لے لی تھی۔ اور وہ مظلوم اس وحشی درندے کی گولی کا نشانہ بن گئے تھے جو کچھ ہوا اس میں میری اپنی کوتاہیوں کا دخل تھا جس کی مجھے سزا ملی۔ دلاور میرا نہیں بلکہ اپنی آوارہ ماں کا بیٹا ہے۔ ہاں میں نے اس عورت سے نکاح کیا تھا لیکن وہ اس وقت ایک لڑکے کی ماں تھی اور یہ بات دلاور کو اچھی طرح معلوم تھی۔ اس نے مجھے راستے سے ہٹا کر میری بچی کو بھی اپنا نشانہ بنانے کی کوشش کی لیکن خدا نے اس کی حفاظت کی اور۔۔۔" نواب صاحب خاموش ہو گئے۔ پرنس دلاور نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی تھی۔ صورت حال کا اسے اندازہ نہیں تھا۔ فوراً ہی ایک زنجیر اس کی گردن میں آ پڑی تھی جس تیزی سے وہ باہر نکلا تھا اسی تیزی سے اندر آ پڑا۔ دروازے میں ٹیٹو نظر آیا تھا۔ پرنس نے پھر سنبھالا لیا اور ٹیٹو پر ٹوٹ پڑا لیکن اسے چھٹی کا دودھ ہی یاد آ گیا تھا۔ ٹیٹو کے دو تین ہاتھوں نے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ پھر ڈی آئی جی آگے بڑھے اور اپنا تعارف کراتے ہوئے بولے۔

"میں پرنس دلاور کو نواب علی ضرغام کے قتل کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں۔ ان کے وکیلوں کو اجازت ہے کہ وہ عدالت سے رجوع کریں۔ تمام ثبوت پیش کیے جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی میں ایک غمناک خبر آپ کو اور سناتا ہوں۔ نواب علی ضرغام قتل ہو چکے ہیں۔ اور ان کا قاتل دلاور ہی ہے۔ اس کا فرار اعتراف کی حیثیت رکھتا ہے نواب صاحب کے میک اپ میں یہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ایک رکن راشد ہیں جنھیں ضرورت کے تحت یہ روپ دیا گیا تھا تاکہ دلاور انھیں دیکھ کر کوئی اور پینترا نہ بدل سکے۔ نواب صاحب میرے دوست اور دور کے عزیز بھی تھے۔ دلاور نے اپنی مجرمانہ کوششوں سے ان کی موت کی خبر بھی چھپائی۔ اس سلسلے میں اس کی اعانت کرنے والوں کے خلاف بھی پوری کارروائی کر لی گئی ہے۔ اور وہ سب لوگ گرفتار ہو چکے ہیں۔

سائرہ اپنے باپ کی تمام دولت اور جائیداد کی واحد حقدار ہے۔ حکومت نے اس کی سرپرستی کے لیے ایک ادارہ قائم کر دیا ہے جو اس وقت تک اس کی سرپرستی کرے گا جب تک سائرہ کی شادی نہ ہو جائے اور وہ کسی مضبوط پناہ میں نہ پہنچ جائے۔ اس کے علاوہ پرنس سائرہ کی اجازت سے میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے ارکان کو ان کی کاوشوں کا معاوضہ ایک لاکھ روپے متعین کرتا ہوں جو انھیں ریاست کے خزانے سے ادا کیے جائیں گے۔"

"ایک سوال کی اجازت جناب عالی۔" عادل آباد کے ایک معزز شخص نے پوچھا۔

"جی فرمائیے۔"

"کیا پرنس سائرہ واقعی منشیات کی عادی ہیں؟"

"جی نہیں۔ سعدی نے اپنی کہانی میں پوری تفصیل آپ کو سنا دی ہے۔ وہ سب دلاور کا فراڈ ہے۔ اس وقت بھی اس نے پرنس کو ایک انجکشن کے ذریعے نڈھال کرنے کی کوشش کی تھی لیکن۔ یہ انجکشن انھوں نے نہیں لیا تھا۔ پرنس نے نڈھال ہونے کی اداکاری کی ہے۔ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ براہ کرم پرنس کھڑی ہو جائیے۔" سائرہ کھڑی ہو گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

دلاور کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دی گئی تھیں۔ پولیس افسران اسے لے کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

☆......☆......☆

فائنل میٹنگ تھی اور اس میں نئے دفتر میں نیا کاروبار شروع کرنے کے سلسلے میں آخری بات چیت ہونے والی تھی۔ اس سے قبل دو دن تک میٹنگ ہوتی رہی تھی اور کوئی فیصلہ نہیں ہو پایا تھا۔ اس دوران زاہد صاحب نے کچھ اور پیشکشیں کی تھیں لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کی تھیں کیونکہ اندیشہ تھا کہ زاہد صاحب کی یہ فیاضی مسز تیز سے چھپی نہ رہ سکے گی اور بالآخر دفتر سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے' اس لیے معاملہ اسی دفتر تک محدود رکھا گیا تھا۔ پہلے دن کی میٹنگ میں طے کر لیا گیا تھا کہ زاہد صاحب کے سر پر اس وقت تک دست شفقت رہے گا جب تک یہ دفتر اپنے نام نہ کر لیا جائے۔

شکیلہ نے اس بارے میں مخلصانہ پیشکش کر دی تھی۔ "آپ حضرات اس کی فکر نہ کریں۔ یہ کام بندی انجام دے لے گی۔"

"ہمیں۔ یقین ہے تم کامیاب رہو گی۔ بہرحال کاروبار کا مسئلہ ہے۔ دفتر کے اخراجات کا بھی خیال رکھنا ہو گا۔ آج کل تو خیر فراغت ہے کوئی دقت نہ ہو گی لیکن آنے والے وقت کے لیے ہمیں کچھ نہ کچھ بندوبست ضرور کرنا ہو گا' اس لیے کسی کاروبار کی ابتداء بھی ضروری ہے۔"

دو دن تک بحث ہوتی رہی تھی لیکن کوئی تجویز منظور نہیں ہو سکی تھی۔ سب نے اپنا اپنا موقف پیش کیا تھا۔ بہرحال فیصلہ کیا گیا تھا کہ تیسرے دن کی میٹنگ میں آخری فیصلہ کر لیا جائے گا۔

چنانچہ آخری رکن یعنی شکیلہ کے پہنچنے کے بعد دفتر کا دروازہ بند کر لیا گیا تھا اور تینوں اس

خوبصورت میز کے گرد پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے جس پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا اور بہت سے ڈیکوریشن پیس سجے ہوئے تھے۔

"دو دن کی میٹنگوں کی رپورٹ؟" شکیلہ نے کہا۔

"حاضر ہے۔" سعدی نے ایک فائل نکال کر درمیان سے کھول دیا۔

"سناؤ سعدی' لیکن مختصراً۔"

"زیر نگاہ کاروبار' نمبر ۱' امپورٹ' ایکسپورٹ۔ اغراض' سرمایہ' تجربہ' کام کی خشکی۔ اور گدھے کی طرح محنت۔ چنانچہ کینسل۔ نمبر ۲' اسٹیٹ بروکر۔ کاروبار میں الجھنیں بہت ہیں۔ مقابلہ سخت ہے۔ کینسل۔ نمبر ۳' کسی دور دراز کی زمین کی فروخت یا کسی پروجیکٹ کی بکنگ۔ اعتراض۔ قابل دست اندازی پولیس ہے۔ اخبار میں اشتہار دینا ضروری ہوگا۔ ہرچند کچھ رقم ہاتھ آجائے گی لیکن پھر پولیس سے بھی چھپنا پڑے گا اور ان سے بھی جن کی بکنگ ہو چکی ہوگی' کینسل۔ نمبر ۴' ریکروٹنگ ایجنسی چھپی چھپی ادھار قرض لے کر رزق کی تلاش میں پریشان لوگوں کے ساتھ یہ مذاق انسانیت کے ساتھ بہت بڑا مذاق ہے۔ فوراً کینسل۔

"پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ۔ قابل غور۔!

سعدی نے تمام کاغذات پڑھ ڈالے اور خاموش ہو گیا۔ ظفری اور شکیلہ آنکھیں بند کیے کچھ سوچ رہے تھے۔ پھر شکیلہ نے کہا۔

"وہی معاملہ ہے ہمارے ہاں کے لوگ ابھی ایسے اداروں پر بھروسہ کرنے کے قابل نہیں ہوئے ہیں۔ حکومت پرائیویٹ جاسوسوں کو اچکا سمجھتی ہے اور ان کے خلاف جاسوسی ہونے لگتی ہے۔ اور پھر ہمارے ہاں ایسے مسائل بھی نہیں ہیں کسی حصے میں چوری ہو جاتی ہے تو پولیس نہایت اطمینان سے چور کو پڑوس کے کسی مکان سے نکال لاتی ہے۔ دوسرے معاملات کو نمٹانے کے لیے ہر علاقے میں دادا موجود ہوتے ہیں۔ بڑے لوگوں نے بھی اپنے مسائل کے حل کے لیے ایسے دادا پال رکھے ہیں، جو ان کے لیے زخمی ہوتے ہیں' جیل جاتے ہیں اور یوں ان کے مسائل

حل ہو جاتے ہیں۔

"پھر کیا کیا جائے شکیلہ؟"

"صرف ایک حل ہے اس کاروبار کو شروع کرنے کا۔ میرے خیال میں اس سے بہتر تجویز دوسری نہیں پیش کی جاسکتی۔"

"ارشاد۔ ارشاد۔" سعدی اور ظفری نے زوردار آواز میں کہا اور اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ شکیلہ کچھ بولتے بولتے رک گئی۔

"یہ کون آمرا؟" ظفری ہونٹ سکوڑ کر بولا۔

"زاہد کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔" شکیلہ دانت پیس کر بولی۔

"کیا کیا جائے؟"

"بلاؤ' بھگتیں گے منحوس کو۔ برے وقت آیا ہے۔" سعدی نے کہا اور آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ لیکن ایک نئی شکل نظر آئی تھی۔ بکھرے بال' بڑھی ہوئی داڑھی' ڈھیلا کرتا ڈھیلا پائجامہ' کالی واسکٹ' پاؤں میں چپل' چہرے پر وحشت۔

"فرمایئے؟" سعدی نے کہا۔ وہ دروازے پر ہی کھڑا ہوا تھا۔ نووارد نے جھک کر سعدی کی بغل میں سے سر نکال لیا۔ سعدی اس بے تکی حرکت پر بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

عجیب الخلقت شخص اندر جھانک رہا تھا۔ پھر وہ سعدی کو نظر انداز کر کے دفتر میں گھس آیا۔ شکیلہ اور ظفری بھی اسے تعجب سے دیکھنے لگے تھے' آنے والے کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں۔

"آہا ہا تو مشاعرہ ہو رہا ہے۔" اس نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"جی۔" شکیلہ منہ پھاڑ کر بولی۔

"سہ فرقی مشاعرہ۔ بھئی واہ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے چار۔"

"دیوانے صاحب آپ کیسے تشریف لائے ہیں' اس بارے میں بتانا پسند کریں؟"

"جی ہاں جی ہاں۔ خادم بھی شاعر ہے۔ بس مشاعروں کی بو سونگھ لیتا ہے اور میاں

ایسے مشاعرے تو بڑے قابل قدر ہوتے ہیں' جہاں شاعروں اور سامعین کا ہجوم نہ ہو بلکہ شعراء خود ہی اپنے دل کی بھڑاس نکال رہے ہوں۔ بھئی واہ۔ ہاں تو ارشاد۔"

"جی۔" ظفری بھی متحیرانہ انداز میں بولا۔

"بھئی شعر و شاعری میں تکلف مناسب نہیں ہوتا' کون اپنی غزل پیش کر رہا تھا؟"

"ہوں' غزل۔" سعدی نے انھیں گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں' میں نے خود ارشاد ارشاد کی آواز سنی تھی۔" نو وارد بولے۔

"خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ۔ تو اسی لیے آپ نے دروازہ دھڑ دھڑانا شروع کر دیا تھا۔"

"بھئی ظاہر ہے' شاعر کے لیے ہم ذوق بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ جانے' یہاں کس کام سے آیا تھا لیکن مشاعرے کی بو سونگھ لی اور یہاں چلا آیا۔"

"اوہ' اسم شریف کیا ہے آپ کا؟"

"جی وہ خادم کو اضطراب احمد مضطرب کہتے ہیں۔" آنے والے حضرت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بڑی مسرت ہوئی آپ سے مل۔" سعدی نے ان کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا اور اضطراب احمد مضطرب صاحب نے لپکا کر اپنا ہاتھ سعدی کے ہاتھ میں دے دیا لیکن سعدی نے اس کا پنجہ انتہائی مضبوطی سے پکڑ لیا تھا پھر وہ انھیں اسی طرح پکڑے پکڑے دروازے کے باہر آیا اور انھیں باہر دھکیل کر دروازہ پھر اندر سے بند کر لیا۔ شکیلہ اور ظفری ہنس پڑے تھے۔

"قصور ہمارا بھی نہیں ہے۔ یہ حماقتیں خود ہمارے سر آ لگتی ہیں' میرا خیال ہے میں نے جو تجویز پیش کرنے کی بات کی تھی اور اس پر آپ لوگوں نے ارشاد، ارشاد فرمایا تھا تو یہ حضرت ادھر گزرتے ہوئے رک گئے اور سمجھے کہ کوئی مشاعرہ ہو رہا ہے۔"

"خدا کی پناہ ہی ہے بس' کیا کہا جائے' بیچارے مطلق صاحب ہیں جو دل چاہتا ہے کہہ لیتے ہیں اور پھر ایسی بھیک مانگنے والی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ بس دل پسیج جاتا ہے اور داد دیے

بغیر نہیں بنتی۔ خاص طور سے بیگم صاحبہ کے سامنے تو ان کی یہی خواہش رہتی ہے کہ ان کے ہر شعر پر سر پیٹا جائے' حالانکہ سر پیٹنے کا یہ کام ہمارے بجائے خود بیگم صاحبہ کر لیتی ہیں۔" ظفری نے کہا اور سب قہقہے لگانے لگے۔

"خیر خیر یہ غیر سنجیدگی ہمارے درمیان کہاں سے گھس آئی' بتاؤ شکیلہ کیا کہہ رہی تھی تم۔"

"بھئی میں نے تمام حالات و واقعات پر غور کیا ہے اور چند نکتے تلاش کیے ہیں اس سلسلے میں میں جانتی ہوں کہ میں اور میرے رفقاء کوئی ایسا سنجیدہ کاروبار نہیں کر سکتے' جس سے ہماری ذہنی قوتیں زائل ہو کر رہ جائیں۔ نہ ہم کوئی چیز مینوفیکچر کر سکتے ہیں۔ امپورٹ ایکسپورٹ ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ اسٹیٹ بروکری' چھی چھی چھی۔ اور زمین کی فروخت وغیرہ بھی' کم از کم ہم ان لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکتے جو اپنی تمام تر پونجی جو نہ جانے ان لوگوں نے کس کس طرح جمع کی ہوتی ہے کہ ہمارے پاس آئیں ایک گھر کی آس میں۔ اور اس کے بعد ہم ان کی پونجی لے کر رفو چکر ہو جائیں۔ پولیس کے پھندے میں ہم پھنسنا نہیں چاہتے۔ ریکروٹنگ ایجنسی بھی قابل نفرت چیز ہے' گویا یہ سب چیزیں یا یہ سارے کام ہمارے بس کے نہیں ہیں جبکہ بلا سرمایہ کاروبار انھی میں سے کوئی ہو سکتے ہیں۔ اب رہ گیا پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ۔ تو اس کے لیے نہ حکومت کی طرف سے اجازت ہے اور نہ ہم اس سلسلے میں کوئی خاص تجربہ رکھتے ہیں۔ البتہ ہماری اپنی ذہانت ہمیں صرف اس کام کے لیے فٹ پاتی ہے۔ میرا طلب ہے لوگوں کی مختلف مسائل میں امداد ہمارا ذریعہ آمدنی بھی بن سکتی ہے اور یقیناً یہ قابل دست اندازی پولیس بھی نہیں ہے' البتہ اس کے لیے ہمیں انتہائی سائنٹیفک راستے اختیار کرنا ہوں گے۔"

"بیشک پیر و مرشد بیشک۔ لیکن یہ سب ہو کیسے؟"

"یہی تو تجویز میرے ذہن میں آئی ہے اور میں اسی بارے میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ مثلاً آج کل پروفیسروں کا کاروبار زوروں پر ہے' پروفیسر فلاں اور فلاں' جادو کا کمال دکھانے والے' جنات کو بوتل میں بند کرنے والے' جنات کو بوتل سے نکالنے والے اور نہ جانے کیا کچھ

کرنے والے' قسمت کا حال' دلوں کے بھید' شادی' محبت' کراماتی انگوٹھی اُلّو درکار ہیں اور نہ جانے کیا کیا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ یہ کاروبار بڑے زبردست چل رہے ہیں' جغادری قسم کے لوگ لمبی لمبی داڑھیاں لگائے' کفنیا پہنے' دفتر بنا بنا کر بیٹھے ہیں' برابر میں چار چار ٹیلیفون رکھے ہیں اور ان ٹیلیفونوں پر وہ تعویز لکھوا رہے ہیں' لیکن انداز وہی پرانا اختیار کیا گیا ہے۔ ہم تعویز گنڈوں کا کاروبار نہیں کریں گے۔ البتہ اگر پروفیسر ڈی' ڈی ٹی' ایم' اوڈی' ایف' اوڈی وغیرہ وغیرہ جو انتہائی سائنسی ذرائع سے انسانی مسائل حل کرنے کے ماہر ہوں' اپنا ایک اشتہار اخبارات میں چھپواتے ہیں اور لوگوں کی ہر طرح مدد کرتے رہیں تو کیسی رہے گی۔''

''کک' کیا مطلب؟'' سعدی نے دل چسپی سے پوچھا۔

''ہاں ہاں' یہ پروفیسر سائنٹیفک انداز میں روحانی اور جسمانی علاج کرتے ہیں' مثلاً روٹھی ہوئی محبوبہ ہو یا بگڑی ہوئی تقدیر' دانا دشمن ہو یا نادان دوست' بے وفا بیوی ہو یا آوارہ مزاج شوہر بھلا کوئی تنہا ان سارے مسائل کو کس طرح حل کر سکتا ہے۔ اگر پروفیسر ڈی ڈی ٹی اپنے موکلوں کی ٹیم کے ساتھ' ان تمام مسائل کو حل کرنے کی ٹھان لیں تو بھلا لوگ کیوں نہ رجوع ہوں گے۔''

''اوہ' ونڈرفل' گویا روحانیت بھی اور جسمانیت بھی' یعنی متوجہ کیا جائے گا۔ ایسے اشتہارات کے ذریعے اور پھر ان کے مسائل کا حل اپنی کاوشوں سے کیا جائے گا۔'' ظفری نے کہا۔

سعدی دل چسپی سے شکیلہ کو دیکھ رہا تھا' پھر ان تینوں نے ہاتھوں پر ہاتھ مارے۔''

''ویری گڈ۔ ویری گڈ۔ بہترین ترکیب ہے۔''

''تو پھر طے؟''

''بالکل طے۔''

''ٹھیک ہے' اس طرح یہ جاسوسی کا ادارہ بھی ہو گیا اور ایک روحانی جگہ بھی' جہاں لوگ اپنے اپنے مسائل لے کر آ سکتے ہیں۔'' ظفری نے کہا۔

''بھئی ویسے تو روحانیت سے کسے انکار ہو سکتا ہے' بڑے بڑے معاملات بزرگوں اور تارک الدنیا لوگوں چٹکی بجاتے حل کر دیتے ہیں لیکن درحقیقت اس حقیقت کی زندگی میں انسان کا مسئلہ حقیقت سے بہت قریب ہوتا ہے' لوگ اس حقیقت کو نظر انداز کر کے روحانیت کے سلسلے میں متوجہ ہو جاتے ہیں اور اپنی ان الجھنوں کا حل ان ذرائع سے چاہتے ہیں' اگر ہم یہ دونوں ذرائع یکجا کر دیں تو میرا خیال ہے ہمارا کاروبار چلنا چاہیے۔ تم سمجھ رہے ہو نا۔؟'' شکیلہ نے پوچھا۔

''بیشک بیشک۔'' دونوں نے گردن ہلائی۔ ''ہم تو آپ کو پیرومرشد تسلیم کر ہی چکے ہیں سرکار عالی۔'' ظفری اور سعدی نے شکیلہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور شکیلہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بس بس یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے تمہاری شکلیں مصنوعی ہو جاتی ہیں۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم دونوں کتنے پہنچے ہوئے ہو۔ کم از کم میرے لیے یہ جملے مت استعمال کیا کرو' مجھے احساس ہوتا ہے کہ تم لوگ مجھے بے وقوف بنا رہے ہو۔''

''ارے توبہ توبہ۔ پیرومرشد توبہ توبہ۔'' دونوں گال پیٹنے لگے اور شکیلہ ہنس پڑی۔

''اچھا اب سنجیدگی سے۔ تو یہ مسئلہ طے؟''

''ہاں۔'' دونوں نے جواب دیا۔

''تو پھر آؤ' اشتہار بنا لیا جائے۔ اور اشتہار بن گیا۔ سرخی تھی:

''مسئلہ''

روٹھی ہوئی محبوبہ کا ہو' یا بگڑی ہوئی تقدیر کا۔ دانا دشمن کا ہو یا نادان دوست کا' بے وفا بیوی کا ہو یا آوارہ مزاج شوہر کا' آپ تنہا اسے حل نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے کسی مددگار کی ضرورت ہوگی اور آپ کے مددگار ہیں پروفیسر ڈی ڈی ٹی' جو آپ کے مسائل کے حل کے لیے اپنے موکلوں کے ساتھ موجود ہیں' آپ کو کوئی بھی مسئلہ درپیش ہو آپ پروفیسر ڈی ڈی ٹی سے اس پتے پر رابطہ قائم کیجیے۔ اس کے بعد دفتر کا پتا لکھا ہوا تھا۔

اشتہار پاس ہو گیا اور طے کر لیا گیا کہ دوسرے دن سے اسے ایک ماہ کے لیے بک کرا دیا جائے۔ چند ساعت مزید اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر دوسرے مسائل زیر بحث آ گئے۔

"دفتری معاملات کے لیے ہمیں کیا کچھ کرنا ہوگا؟"

"بھئی اس طویل و عریض دفتر کے لیے کئی پورشن بنائے جا سکتے ہیں اور یہاں اپنی سیٹنگ کی جا سکتی ہے۔ مثلاً میں اس کیبن میں رہوں گی۔ ظفری وہیں سامنے والے کیبن میں رہے گا اور سعدی آپ کونے والے کیبن میں۔ مختلف مسائل والے مریض ہمارے پاس آئیں گے۔ اب ہم یوں کرتے ہیں کہ اپنے اپنے سیکشن بانٹ لیتے ہیں۔" شکیلہ نے تجویز پیش کی۔

"بالکل ٹھیک ہے' لیکن یہ بتائیے کہ اگر ہم تینوں ہی افسر ہو گئے تو پھر موکلوں کو میرا قصد ہے کلائنٹ کو اٹینڈ کرنے والا کون ہوگا؟" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں یہ تو ہے' اس کے لیے ہمیں سوچنا پڑے گا۔" شکیلہ نے پر خیال انداز میں کہا۔

"کیوں نہ ایک چپڑاسی رکھ لیا جائے" ظفری نے پیشکش کی۔

"چپڑاسی۔" سعدی اور شکیلہ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیا ابھی ہم کسی چپڑاسی کی تنخواہ کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ ہمارے پاس کچھ سرمایا موجود ہے لیکن کسی چپڑاسی کی باقاعدہ تنخواہ اور دفتر کے دیگر اخراجات اس وقت تک برداشت نہیں کیے جا سکتے جب تک کہ کاروبار کی ابتداء نہ ہو جائے۔" سعدی نے کہا۔

"میرے پاس اس سلسلے میں ایک تجویز موجود ہے۔" شکیلہ بولی۔

"وہ کیا؟"

"دراصل اس وقت یہ دفتر تین افراد پر مشتمل ہے یعنی اس کا اسٹاف تین آدمی ہیں۔ میں' ظفری اور سعدی' ہم میں سے ایک پروفیسر ڈی ڈی ٹی ہوگا۔ دوسرا اٹینڈنٹ اور تیسرا چپڑاسی۔ ایک ایک دن کی سروس ہوگی۔ یعنی آج ظفری چپڑاسی ہے۔ سعدی پروفیسر ڈی ڈی ٹی اور میں اٹینڈنٹ۔ تو کل چپڑاسی کا عہدہ سعدی کے پاس ہوگا۔ ظفری پروفیسر ڈی ڈی ٹی ہوں گے اور میں

اٹینڈنٹ۔ ہاں اگر کوئی زنانہ مسئلہ ہو تو پھر پروفیسر ڈی ڈی ٹی کوئی خاتون بھی ہو سکتی ہیں۔ گویا ون ڈے سروس ہو گئی چپڑاسی کی۔ اس طرح چپڑاسی کا کام بھی چل جائے گا۔" شکیلہ نے کہا۔ اور ظفری اور سعدی ہنس پڑے۔

"بات تو قاعدے کی ہے شکیلہ صاحبہ۔ لیکن چپڑاسی کے فرائض ذرا مشکل ہی ہو جائیں گے اور خاص طور سے اس لیے کہ آپ کا کیریکٹر اس میں نہیں نکلتا۔ ہاں اگر کسی چپڑاسن کو دروازے سے باہر کرسی دے کر بٹھا دیا جائے تو پھر اس کاروبار کے مختلف مراحل ہمارے سامنے آئیں گے' یعنی وہ کاروباری بھی یہاں اندر آ سکتے ہیں جن کا ہمارے کاروبار سے کوئی تعلق نہ ہو۔"

"اگر ایسا ہے تو میں تیار ہوں' بلکہ آپ ایسا کریں یہ پوسٹ مستقل مجھے دے دیں۔" شکیلہ نے فراخدلی سے کہا۔ اور ظفری' سعدی پھر ہنس پڑے۔

"ٹھیک ہے شکیلہ صاحبہ' لیکن پوری بلڈنگ میں ہنگامہ ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے پہلے تو بلڈنگ کے افراد ہی اپنے اپنے مسائل لے کر آ جائیں گے۔"

"تو یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ ہمیں اس کے علاوہ اور کیا چاہیے؟"

"نہیں نہیں بھئی' اس طرح دفتر کی ریپوٹیشن خراب ہو جائے گی۔ لوگ ہمیں شک کی نگاہ سے دیکھنے لگیں گے اور ہم ایسا نہیں چاہتے۔"

"پھر پھر یوں کریں کسی چپڑاسی کا بندوبست ہی کر لیں لیکن صورتحال ایسی ہونی چاہیے کہ وہ بھی ہماری ہی طرح افلاک زدہ ہو' مسائل کا مارا ہوا۔ ہم اس سے بات کر لیں گے پہلے' کہ دیکھو بھائی یہاں سب کچھ مل سکتا ہے سوائے تنخواہ کے' چنانچہ اگر تنخواہ کی ضرورت ہے تو کوئی اور دروازہ دیکھو' ورنہ اگر صرف ملازمت چاہیے تو ہم سب حاضر ہیں۔ اسی وقت دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔ اور یہ پھر تینوں چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔

"اب کون آ گیا؟" سعدی نے پر خیال انداز میں کہا۔

"دیکھو دیکھو جو کوئی بھی ہو اسے بلاؤ۔" ظفری نے کہا۔ اور سعدی ایک بار پھر

دروازے کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے دروازہ کھولا اور ٹھنڈی سانس لے کر سامنے کھڑے ہوئے اضطراب احمد مضطرب کی شکل دیکھنے لگا۔ وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھک گیا۔

"بندہ اس خدمت کے لیے حاضر ہے۔"

"کیا مطلب؟" سعدی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"فرمایئے تنخواہ مانگنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہاں کون سے بیوی بچے بیٹھے ہیں جو تنخواہ کی ضرورت ہو۔ دو وقت کی روٹی درکار ہوتی ہے۔ جو کہیں نہ کہیں سے فراہم ہو ہی جاتی ہے۔ بس شعر و ادب کی خدمت ہمارا شعار اولین ہے اور اگر اس کے لیے کوئی پرسکون ماحول مہیا ہو جائے تو سبحان اللہ۔"

"اندر تشریف لایئے۔" سعدی نے گردن سے اشارہ کر کے کہا اور اضطراب احمد مضطرب گردن جھکائے اندر تشریف لے آئے۔ ان کی باچھیں اب بھی کھلی ہوئی تھیں۔ پہلے نکال دیے جانے پر انھیں ذرا بھی ناگواری نہیں ہوئی تھی شاید۔ یہ دونوں بھی متعجبانہ انداز میں انھیں دیکھنے لگے۔

"ہوں تو آپ دروازے کے باہر کھڑے ہوئے تھے؟"

"جی ہاں۔"

"کیوں؟"

"بس لگن کہیے، شوق کہیے۔ خیال تھا اندر مشاعرہ ہو رہا ہے۔ چنانچہ یہ دروازے کی چابی کا سوراخ ہے نا، اس سے کان لگائے اکڑوں بیٹھا ہوا تھا۔ آپ حضرات کی تمام گفتگو سن چکا ہوں اور اپنی درخواست اس ملازمت کے لیے پیش کرتا ہوں۔"

"مضطرب صاحب آپ کو علم ہے اس طرح کسی کی گفتگو سننا جرم ہے؟"

"جی ہاں جی ہاں، اخلاقیات کا سارا سبق پڑھا ہے میں نے۔ پر کیا کروں۔ شوق انسان کو ذلیل و رسوا کرتا ہے۔ میں اپنے اس شوق کی تسکین کے لیے یہاں بیٹھ گیا تھا کہ ممکن ہے

کوئی اچھا شعر سننے کو مل جائے، یقین فرمایئے اگر کوئی مصرع طرح ہوتا تو اس چابی ہی کے سوراخ سے آپ کو اپنا شعر بھی سنا دیتا، مگر یہاں میں نے کچھ اور ہی گفتگو سنی چنانچہ بہتر تو اب یہ ہوگا کہ آپ لوگ سنجیدگی سے میرے بارے میں غور کریں۔ مجھ جیسا کارکن آپ کو دوسرا نہیں مل سکتا۔" اضطراب احمد مضطرب نے کہا۔

"تشریف رکھیے، تشریف رکھیے۔" شکیلہ نے ایک کرسی کی جانب اشارہ کر کے کہا اور مضطرب صاحب بیٹھ گئے۔

"اگر آپ واقعی سنجیدگی سے یہ ملازمت کرنے کے خواہاں ہیں تو اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔" شکیلہ بولی۔

"ہاں ہاں میں نے عرض کیا نا، کہ میں بھی ایک بے مقصد سا آدمی ہوں، شعر و سخن سے رابطہ قائم کر لیا اور زندگی سے بے نیاز ہو گیا۔ کھانے پینے کی کوئی فکر نہیں ہے، اسی طرح لباس اور چھت کا بھی مجھ جیسے آدمی کو بھلا اور کسی چیز کی کیا طمع ہو سکتی ہے؟ آپ لوگ ذرا دلچسپ محسوس ہوئے اس لیے سوچا کہ کیوں نہ آپ کے ساتھ ہی شریک ہو جاؤں۔"

"تو آپ نے ہماری ساری باتیں سن لیں؟"

"جی ہاں یقیناً، اور اس بات سے بڑی دل چسپی لے رہا ہوں کہ آپ انسانی مسائل کا علاج اپنے مخصوص طریقہ کار سے کریں گے۔ سعدی، ظفری اور شکیلہ کے چہرے پر چند لمحات کے لیے الجھن پھیل گئی تھی۔ ویسے یہ دروازہ تو بڑا منحوس تھا، اس کا کوئی نہ کوئی بندوبست تو کرنا پڑے گا، اتنے عمدہ آفس میں اس قسم کی غلط بات کہ یہاں کی باتیں باہر سن لی جائیں، گو اس سلسلے میں مضطرب صاحب کی اپنی کوششیں شامل تھیں لیکن یہ کوششیں کسی کی بھی ہو سکتی تھیں، اور بھلا آوازیں اس طرح باہر کیوں جائیں۔ کمرے کو ساؤنڈ پروف کرانا ضروری تھا۔ بلکہ ایک طرح سے یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ مضطرب صاحب نے ایک طرح سے ان لوگوں کے لیے اس بات کی نشان دہی کی تھی کہ یہ ساری باتیں باہر کے لوگ بھی سن سکتے ہیں۔ انھوں نے اپنی اصلاح کرنے کا فیصلہ

کرلیا۔لیکن فی الوقت مسئلہ مضطرب صاحب کا تھا۔

"تو جناب آپ کا انٹرویو ہو جائے۔" شکیلہ نے کہا۔

"بسرو چشم' بسرو چشم۔"

"تعلق کہاں سے ہے؟"

"کرہء ارض سے۔" مضطرب صاحب نے جواب دیا۔

"ماشاء اللہ ماشاء اللہ۔بڑی خوشی ہوئی' تعلیمی حیثیت کیا ہے؟"

"بے حیثیت ہوں' ورنہ کسی دفتر میں چپڑاسی کی جگہ کیوں تلاش کرتا؟"

"مزید خوشی ہوئی' مزید خوشی ہوئی۔دونوں صفتیں ماشاء اللہ نہایت موزوں ہیں۔ گھر کے افراد خانہ' میرا مطلب ہے گھر والی اور بچے وغیرہ؟"

"صرف تصور میں ہیں' عملی طور پر ان میں سے کسی کی بھی صورت نہیں دیکھ سکا۔"

"اوہو گویا غیر شادی شدہ۔"

"شاد تو کبھی نہ ہو سکا صرف شدہ ہوں' کیوں کیا خیال ہے؟"

"سبحان اللہ' سبحان اللہ' شعر کہہ دیا آپ نے مضطرب صاحب۔"

"اماں ابھی کہا کیا ہے۔آپ نے اس کا موقع ہی کہاں دیا' بقول شاعر ہم تو۔۔۔۔"

"ہاں آں آں آں۔۔۔ابھی نہیں' ابھی آپ کی ملازمت پکی نہیں ہوئی' اس لیے شعر شاعری سے پرہیز فرمائیے۔جی تو آپ کی طرف سے مزید شرائط کیا ہوں گی؟"

"کچھ نہیں' بس خادم کو صاحب ذوق حضرات کی تلاش ہے' حاضر خدمت رہوں گا۔ کبھی کبھی ایک آدھ غزل پیش کر دیا کروں گا یا کوئی ایسا شعر جو نا قابل ہضم ہو اور ذہن و دل میں کھول رہا ہو آپ کی خدمت میں ارسال کر دیا کروں گا۔تنخواہ کا مسئلہ جیسا کہ آپ نے طے کیا ہے نہ ہونے کے برابر ہوگا' یعنی اگر مل گئی تو مل گئی' نہ ملی تو کوئی ہرج نہیں ہے۔خون دل خون جگر پی کر گزارہ کر لیا کروں گا اور اس کا حصول کم از کم آپ سے نہ ہوگا۔چنانچہ ذرا غور فرمائیے کہ مجھ سے

بہتر آدمی آپ کو کون مل سکے گا؟"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے' بلاشبہ آپ تمام صفات پر پورے اترتے ہیں مضطرب صاحب' باقی رہا غزلوں کا مسئلہ تو ہم اس کا معقول بندوبست کر دیں گے۔"

"بخدا اس کے علاوہ اور کچھ درکار نہ ہوگا۔" مضطرب صاحب نے فرمایا۔

"تو ٹھیک ہے' رہائش کا کیا مسئلہ ہے؟"

"غرض کیا نا شہر کے فٹ پاتھ' گھنے درخت اور ایسی تمام جگہیں رہائش کے طور پر نہایت موزوں ہوتی ہیں رہا کھٹکا نہ چوری کا۔دعا دیتا رہوں رہزن کو' والا مسئلہ ہے' نہ کوئی سامان ہے نہ اور کوئی الجھن۔کپڑے میلے ہو جاتے ہیں تو ارجنٹ دھلوا لیتا ہوں ایک گھنٹے کے لیے تہمد ادھار مل جاتا ہے' باقی سارے مسائل اس روئے زمین پر حل ہو ہی جاتے ہیں۔"

"قیام کے لیے یہ دفتر کیسا رہے گا؟"

"ہا۔یہ جنت ارضی۔یہ بے نظیر جگہ' مگر یہ میرے وجود کی سانسوں سے آلودہ ہو جائے گی' میں اس کے قابل تو نہیں ہوں۔" مضطرب صاحب نے مضطربانہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے ہم آپ کو اس قابل بنا دیں گے۔مضطرب صاحب' یہ سمجھ لیجیے آپ کی نوکری پکی۔اب آپ ہم سے سوالات کر سکتے ہیں۔"

"سوال۔سوال کیا کروں' ساری زندگی ہی ایک سوال ہے جس کا جواب تلاش کرتے کرتے انسان کی عمر گزر جاتی ہے اور جب اسے جواب ملتا ہے تو وہ کسی کو بتانے کے قابل نہیں رہتا۔" مضطرب صاحب نے بتایا' اور یہ تینوں پھر سر دھننے لگے۔

"آپ کی ڈیوٹی یہ ہوگی مضطرب صاحب' جیسا کہ آپ ہماری گفتگو سننے کا جرم کر چکے ہیں' لیکن جسے اب جرم کا نام نہیں دیا جا سکتا۔تو میں عرض کر رہا تھا کہ آپ کی ڈیوٹی یہ ہوگی کہ ہمارے لیے چائے وغیرہ کا بندوبست کریں' دفتر کی صفائی کا خیال رکھیں' اور جب ہمارے کلائنٹ آئیں تو آپ ان پر ہماری حیثیت کا رعب ڈالیں انھیں یہ باور کرائیں کہ ہم بڑے ہی صاحب فن

ہیں اور اپنے فن کا ثانی نہیں رکھتے۔"

"بخدا یہ سارے کام میں بہ آسانی کرلوں گا۔ آپ قطعی فکر نہ کریں' آپ یقیناً میری اس حیثیت سے مطمئن ہوں گے۔"

"بس تو پھر آج سے آپ ہمارے چوتھے رکن بن گئے۔"

"سبحان اللہ' سبحان' زہے نصیب آیا یہاں کسی اور مقصد سے تھا' لیکن وہی جو کہتے ہیں آگ لینے جائیں اور پیغمبری مل جائے۔"

"خدانخواستہ ایسی کوئی بات نہیں ہے مضطرب صاحب تو آپ اپنے اسٹول صدارت سنبھال لیں' وہ رکھا ہوا ہے کونے میں۔ آپ اسے لے کر پہنچ جائیں باہر دروازے پر۔"

"بسر و چشم' بسر و چشم۔" مضطرب صاحب کونے کی طرف بڑھ گئے اور اپنا اسٹول لے کر باہر نکل گئے ان کے باہر جاتے ہی وہ تینوں پھر ہنس پڑے تھے۔

"لو بھئی کام بن گیا' تقدیر کس طرح ساتھ دے رہی ہے' ایسی نایاب چیز ہاتھ لگی ہے کہ مسئلہ ہی حل ہو گیا۔"

"ہاں مگر عجیب و غریب' ہم نے اس کے بارے میں چھان بین کے بغیر ہی اسے رکھ لیا۔"

"ارے چھوڑو چھان بین دان بین کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ مجھے تو کام کا آدمی لگتا ہے اور پھر سوچو تو سہی کتنا نفیس انسان ہے۔ ہمارے سارے مسائل حل کر دیئے اس نے' ابھی سے کاروبار شروع ہو گیا' حالانکہ اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اور پھر یہاں کون سی دولت رکھی ہے جو کوئی لوٹ کر لے جائے گا جیسا ہے سب چل رہا ہے' یوں سمجھ لو کہ ہمیں اپنے ہی جیسا ایک اور مل گیا۔"

"لیکن ایک اور مسئلہ بھی تو ہے۔" شکیلہ بولی۔

"وہ کیا؟"

"معاوضے کے طور پر ہمیں اس کی بھی غزلیں سننی پڑیں گی۔"

"ہرگز نہیں' اس کا بندوبست میں نے سوچ لیا ہے۔" ظفری کہنے لگا۔

"کیا؟"

"ارے اپنے مطلق صاحب کس کام آئیں گے۔ وہ بھی بے چین یہ بھی بے چین۔ وہ مطلق یہ مضطرب۔ دونوں کی جوڑی ملا کر ہم لوگ رفو چکر ہو جایا کریں گے اور پھر دیکھیں گے کہ دونوں میں سے کون جیتتا ہے اور کون ہارتا ہے۔" ظفری نے کہا اور دفتر میں قہقہے مچل اٹھے۔

جمعرات آگئی' مطلق صاحب چلتے ہوئے الٹی میٹم دے گئے تھے کہ میاں رات کی تیاری کر رکھنا اور سارے انتظامات مکمل ہونے چاہئیں۔ ابھی تک بیچارے مضطرب صاحب دفتر میں ہی قیام پذیر رہے تھے اور گھر کا رخ نہیں کیا تھا لیکن دوسرے دن چونکہ دفتر کی چھٹی تھی اس لیے یہ لوگ مضطرب صاحب کو اپنے ساتھ ہی لے آئے' ویسے مضطرب صاحب کی توقع سے کہیں زیادہ اچھی نوکری مل گئی تھی۔ کیونکہ حالات ان لوگوں کے بھی اچھے تھے' چنانچہ مضطرب صاحب کو نیا لباس سلوا دیا گیا جو ان کی توقع سے کہیں بہتر تھا۔ اس کے علاوہ انھیں جیب خرچ کے پیسے بھی دے دیئے گئے۔ کھانے کا سلسلہ بھی کر دیا گیا۔ بلڈنگ کے آخری کونے میں ایک چھوٹا سا ریستوران تھا جس میں مضطرب صاحب کے لیے بندوبست کر دیا گیا۔

مضطرب صاحب ان تینوں کے ساتھ ہی گھر واپس آئے تھے۔ مطلق صاحب شاید شام کی تیاریوں کے سلسلے میں کہیں گئے ہوئے تھے۔ بیگم صاحبہ نے حسب معمول محبت سے ان کا استقبال کیا۔ باورچی خانے سے نفیس نفیس خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔

اپنے مضطرب صاحب نے یہ جگہ اچھی خاصی پسند کی' بالآخر سعدی اور ظفری انھیں لے کر ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ مضطرب صاحب نے کمرے کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور بولے۔ "یہ محترمہ آپ کی والدہ ہیں؟"

"ہاں' ابھی والد صاحب قبلہ سے بھی آپ کی ملاقات ہو جائے گی۔"

"یقیناً۔ یقیناً۔"

''آپ کے ہم ذوق ہیں۔''

''کیا مطلب؟''

''شاعر ہیں۔ مطلق تخلص کرتے ہیں۔''

''سبحان اللہ واللہ آپ نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی۔''

''بس محفوظ رکھی تھی۔'' ظفری سادگی سے بولا۔

''بھلا کیوں؟''

''بس ایسے ہی اب وہ آپ کو اپنی غزلیں سنائیں گے اور آپ انھیں۔''

''واہ واہ بخدا اگر ایسا ماحول مل جائے تو سارے دلدر دور ہو جائیں گئے کہاں ہیں وہ حضرت؟'' مضطرب صاحب نے پوچھا۔

''بس آتے ہی ہوں گے۔'' ظفری نے جواب دیا اور اسی وقت مطلق صاحب بیرونی دروازے سے اندر آتے دکھائی دیے۔ ان کے ہاتھوں میں پھلوں کی ٹوکری تھی۔ مضطرب صاحب کی نگاہ ان پر گئی۔ لپکے لپکے گئے اور پھلوں کی ٹوکری ان کے ہاتھ سے لے لی۔

''ارے ارے۔ کک' کیا۔ کیا حرکت ہے؟ اچکے ہو میاں؟'' مطلق صاحب اچھل پڑے۔

''حضرت غلام ہوں' مرید ہوں آپ کا' جو کچھ سنا ہے اگر وہ درست ہو تو آپ تو' آپ تو آنکھوں میں بٹھائے جانے کے قابل ہیں۔''

''ٹوکری تو دے دو بھائی' ستر روپے کے پھل لایا ہوں۔'' مطلق صاحب نے ٹوکری ان کے ہاتھ سے جھپٹتے ہوئے کہا۔

''فدوی آپ پر یہ بار برداشت نہیں کر سکتا' جہاں کہیں پہنچا دوں۔''

''شکریہ شکریہ۔ یہ بار تو میں بار بار اٹھاتا ہوں۔ آپ ایک بار میری مدد کر کے کیا کریں گے۔''

''سبحان اللہ سبحان اللہ' پتا چل گیا' پتا چل گیا حضرت کہ آپ کیا ہیں؟'' مضطرب صاحب سینہ کوبی کرتے ہوئے بولے۔

''مگر بھائی میرے بارے میں تو آپ کو پتا چل گیا کہ میں کیا ہوں' خود آپ کیا ہیں؟''

''عرض کیا نا خادم ہوں۔''

''بیگم صاحبہ نے رکھا ہے؟''

''جج جی نہیں۔ میں سعدی اور ظفری میاں کے ساتھ آیا ہوں' ان کا خادم ہوں' بس یوں سمجھ لیں۔'' مضطرب صاحب نے کہا۔

سعدی اور ظفری نے انھیں سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ گھر پر اس کاروبار کا قطعی کوئی تذکرہ نہیں کیا جائے گا۔ مضطرب صاحب کو تھوڑے بہت حالات بتاتے ہوئے انھوں نے کہا تھا کہ وہ ابھی تک طالب علموں کی حیثیت سے اپنے بزرگوں سے روشناس ہیں۔ کیوں کہ بزرگ چاہتے ہیں کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کریں' لیکن وہ حالات کو جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ زندگی بغیر کسی کاروبار کے نامکمل رہتی ہے۔ اس عمر میں ہی اگر کچھ اپنے آپ کو بنا لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ ورنہ پھر مشکلات ہی مشکلات پیش آتی رہتی ہیں' اس لیے ہم یہ کاروبار کر رہے ہیں۔ البتہ آپ گھر والوں کو یہ بالکل نہ بتائیں کہ ہمارا کاروبار کیا ہے۔ اور مضطرب صاحب اچھی طرح سمجھ گئے تھے۔

ظفری اور سعدی بھی پہنچ گئے۔ مطلق صاحب بڑے پیار سے انھیں ملے اور پھر یاد دہانی کراتے ہوئے بولے۔ ''میاں یاد ہے نا؟''

''کیا؟'' شکیلہ نے بیچ میں لقمہ دیا۔

''آج کی رات ساز دل پر درد چھیڑا جائے گا اور نہ جانے کیا کیا ہوگا؟''

''اے سبحان اللہ سبحان اللہ۔'' ان تینوں کے بجائے مضطرب صاحب لچکتے مٹکتے ہوئے بولے۔

''بھئی یہ کیا چیز اٹھا لائے ہو تم لوگ۔''

"آپ کے لیے ہے۔ آپ بھی کیا یاد کریں گے۔"

"اچھا اچھا ذرا اندر ہو آؤں' پھر آن کے بیٹھوں گا تم لوگوں کے پاس۔ جب تک آرام کرو اور حضرت آپ بھی۔" مطلق صاحب نے مضطرب صاحب سے کہا اور مضطرب صاحب گردن ہلاتے ہوئے ان لوگوں کے پاس آ گئے۔

"بھئی سبحان اللہ' خوب ہیں یہ اپنے حضرت مطلق۔" انھوں نے کہا' اور ایک طرف جا بیٹھے۔ تھوڑی دیر کے بعد مطلق صاحب آ گئے' باقاعدہ تعارف ہوا۔ مضطرب صاحب کے بارے میں یہ جان کر کہ وہ بھی شاعر ہیں مطلق صاحب کو خوشی ہوئی تھی۔ اور اس کے بعد یہ دونوں شعرائے کرام نجانے کہاں کہاں کے شعراء کی باتیں کرنے لگے۔

سعدی' ظفری اور شکیلہ کو سکون مل گیا تھا۔ ظفری اپنی اس کوشش سے بہت خوش تھا' وہ تینوں کمرے سے باہر نکل آئے۔

"کیسی رہی؟" ظفری نے پوچھا۔

"بھئی واقعی بہت عمدہ' یہ تو یوں کہنا چاہیے کہ کھیل ہی بدل گیا' اب تو ہماری جمعرات کی ڈیوٹی ختم ہو گئی' جس کے لیے ہم لوگ نت نئے طریقے سوچا کرتے تھے۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"یقیناً۔" سعدی بھی خوش نظر آ رہا تھا۔

رات کے کھانے پر حضرت مضطرب بھی شامل تھے۔ مطلق صاحب تو بہت ہی متاثر تھے ان سے اور بار بار کہہ رہے تھے۔ "بھئی ظفری میاں تم تو ہو ہی ہیرے' لیکن ہیرے ہی تلاش کرتے ہو' یہ اضطراب احمد مضطرب بھی بہت خوب چیز ہیں اور بہت خوب کہتے ہیں۔ تو پھر جلدی سے تیار ہو جاؤ' کھانے کے بعد مشاعرہ جمے گا۔"

"ٹھیک ہے مطلق صاحب۔" میں نے جواب دیا اور کھانے کے بعد مطلق صاحب کی مخصوص نشست گاہ میں محفل مشاعرہ جمی۔ دل چسپ بات یہ تھی کہ بیگم صاحبہ بھی موجود تھیں۔ بس کبھی کبھی موڈ میں آ جاتی تھیں تو مطلق صاحب کو برداشت کر لیتی تھیں۔ مطلق صاحب نے فرمائش

کی کہ ابتداء مضطرب صاحب کریں۔

"یقیناً یقیناً' بسر و چشم' حاضر ہوں عرض کیا ہے:

میں نے چھوڑا شہر کیوں کر جس سے چاہو پوچھ لو

تذکرے ہیں اس کے گھر گھر جس سے چاہو پوچھ لو"

"اماں سبحان اللہ' ادھار بہت بڑھ گیا ہوگا' ہمیں معلوم ہے۔ ہمیں معلوم ہے۔" مطلق صاحب نے فقرہ چست کیا اور مضطرب صاحب آداب کرنے لگے۔

ع میرے زخم سر کی تفصیلات پوشیدہ نہیں

کس طرف سے آئے پتھر جس سے چاہو پوچھ لو

"میاں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے پبلک نے مارے ہوں گے۔ ہم بھی انھی مراحل سے گزر چکے ہیں' ہمیں سب معلوم ہے' کیوں بیگم؟"

"چپ نہیں رہو گے تم۔" بیگم صاحبہ غصیلے لہجے میں بولیں۔

"آں ہاں ہاں چپ ہو گئے چپ ہو گئے۔" مضطرب صاحب اشعار سناتے رہے اور مطلق صاحب ان پر تبصرہ کرتے رہے۔ پھر اس کے بعد مطلق صاحب کی باری آئی' مطلق صاحب کے بعد مضطرب صاحب کی۔ اور یوں یہ دونوں آپس میں الجھ کر باقی سب کو فراموش کر بیٹھے۔ اور یوں ان تینوں کو باہر نکلنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔

باہر نکل کر تینوں نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔ یہ دلچسپ مشغلہ اگر ساری رات بھی جاری رہا تو اب ان پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ ظفری کی نشست گاہ میں آ گئے اور کاروباری امور پر گفتگو کرنے لگے۔

اشتہار مسلسل شائع ہو رہا تھا۔ اس دوران زاہد صاحب دو تین چکر لگا چکے تھے اور شکیلہ کی ڈیوٹی تھی کہ زاہد صاحب پر بدستور دست شفقت رکھتی رہے۔ چنانچہ زاہد صاحب جب بھی آتے' شکیلہ کے کیبن میں پہنچا دیے جاتے۔ اور شکیلہ ایک آدھ گھنٹہ انھیں بٹھا کر ان کے آنسو خشک

کرتی اور پھر وہ وہاں سے چلے جاتے۔ یہ دفتر کی اجرت قرار پائی تھی۔ ویسے بھی اتنا عمدہ دفتر کہاں ملتا ہے، جس میں ٹیلیفون بھی ہو، اعلیٰ درجے کا فرنیچر بھی اور جہاں بیٹھ کر انسان کم از کم خود کو کسی دفتر میں محسوس کرے۔

غالباً اشتہار شائع ہونے کا یہ پانچواں دن تھا۔ جب جناب مضطرب نے بڑے مضطربانہ انداز میں دروازہ کھولا اور اندر گھس آئے۔

"آ گئی۔" انھوں نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بتایا۔

"کون آ گئی؟"

"ایک خاتون ہیں، بھاری بھرکم، دراز قامت، آنکھیں سیپیوں کی مانند، جس میں سیاہ موتی جلوہ افروز ہیں، ہونٹ یاقوت کی طرح ترشے ہوئے، ننھی سی ٹھوڑی میں چاہِ زنخداں... اور... اور..."

"بس بس، مضطرب صاحب یہ تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ مار کھا جائیں گے آپ۔" ظفری نے کہا۔

"کیوں کیوں؟" مضطرب صاحب حیرت سے بولے۔

"اگر آپ نے ان خاتون کو اتنا گھور کر دیکھا ہو گا تو یقیناً ان کے مزاج درست نہ ہوں گے۔ مگر وہ ہیں کون؟"

"وہ۔ وہ پروفیسر ڈی ڈی ٹی سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"ہوں، اجنبی شکل ہے؟"

"قطعی اجنبی۔ ہاتھ میں بڑا سا پرس لیے ہوئے ہیں۔ سفید رنگ کی ساڑھی باندھے ہوئے ہیں، جس کی کناری پر سنہرا کام ہو رہا ہے۔"

"لے آیئے لے آیئے، خدا کی پناہ آپ کی آنکھیں ہیں یا کیمرہ، آپ نے تو ذرا سی دیر میں ان کی مکمل تصویر اتار لی۔"

"میاں شاعر کی نگاہ چیل کی نگاہ سے کم نہیں ہوتی۔ مضطرب صاحب نے جواب دیا اور

آفس سے باہر نکل گئے۔ پھر وہ بڑے احترام سے ان خاتون کو اندر لائے۔ یہ احترام بھی بس کچھ احمقانہ انداز تھا۔ جھکے جھکے چل رہے تھے اور ایک ہاتھ ان خاتون کے سامنے پھیلا رکھا تھا۔ طے یہ ہوا کہ انھیں ظفری کے کمرے میں پہنچایا جائے۔

ظفری نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور بڑے احترام سے انھیں بیٹھنے کی پیشکش کی۔ خاتون اپنا پرس میز پر رکھ کر بیٹھ گئی تھیں۔

وہ تھکی تھکی سی اور اداس نظر آ رہی تھیں۔ گو اچھا خاصا میک اپ کیے ہوئے تھیں، عمر پینتالیس اور چالیس کے درمیان ہو گی، بدن بھاری بھرکم تھا لیکن دراز قامتی کی وجہ سے موٹاپا چھپا ہوا تھا۔

"فرمایئے خاتون کیا خدمت کی جا سکتی ہے آپ کی؟"

"پروفیسر ڈی ڈی ٹی۔" خاتون نے ظفری کی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں ان سے آپ کی ملاقات کرا دی جائے گی لیکن اس سے پہلے کچھ کوائف آپ کو بتانا ہوں گے۔"

"پہلے تو میں آپ کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں کہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں اور یہ مسٹر ڈی ڈی ٹی کیا بلا ہیں؟"

"بلائے بے درماں ہیں معزز خاتون جس کے گلے پڑ جائیں چھڑانا مشکل ہو جائے۔ نو عمری کا عالم ہے، لیکن تجربہ سمندر کی طرح وسیع، دنیا کے ہر مسئلے کا حل ہمارے پاس موجود ہے۔ آپ یقین کریں خاتون ہماری خدمات حاصل کر کے آپ اتنا سکون محسوس کریں گی کہ تصور سے بھی باہر ہو گا آپ کے۔" ظفری نے کہا اور نو وارد خاتون دل چسپی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"نو عمر تو تم بھی ہو، مگر گفتگو خوب کر لیتے ہو۔"

"جی آپ کی دعا سے، گفتگو بھی ایک فن ہے لیکن ہم میں خوبی یہ ہے کہ ہم صرف ایک فن کے ماہر نہیں ہیں بلکہ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ ہم ہر فن مولا ہیں۔ بہرصورت ابھی تو یہ

الفاظ ہماری زبان پر ہیں لیکن لطف تو تب ہوگا' جب یہ جملے آپ خود کہیں گی۔"

"اگر ایسا ہوا تو یقین کرو میری بڑی مشکلات حل ہو جائیں گی۔ میں بڑی پریشانی کے عالم میں ہوں۔"

"کوئی فکر نہ کریں خاتون' آپ کی پریشانی اب ہماری پریشانی ہے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہم آپ کی پریشانی کا حل دریافت کر لیں۔"

"میں اس سلسلے میں مزید کچھ تفصیلات جاننا چاہتی ہوں۔"

"جی ہاں جی ہاں۔ حاضر ہوں' فرمایئے؟"

"یہ آپ کے پروفیسر صاحب جو ہیں' روحانی علاج کرتے ہیں۔ میرا مطلب ہے دعا تعویز اور گنڈوں کا سلسلہ ہے یا اس کے علاوہ بھی کچھ اور۔"

"سب کچھ' جس طرح کے حالات ہوں' پروفیسر صاحب انہی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔"

"آپ سمجھے نہیں۔ میرا مطلب ہے بعض معاملات تو ایسے ہوتے ہیں جنہیں دعاؤں اور تعویذوں کے ذریعے درست کیا جاتا ہے۔ بعض کے لیے عامل کی ضرورت ہوتی ہے تو کیا آپ لوگ عمل کرنے کے قائل بھی ہیں؟"

"سو فیصدی' بلکہ دو سو فیصدی۔ "عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی۔" ظفری نے کہا۔

"بس بس کوئی شعر نہ سنائیں۔" خاتون نے کہا۔ لیکن کیبن کے دوسری طرف سے آواز آئی تھی۔ "یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری۔"

شعر بھلا نامکمل کیسے رہتا۔ دروازے کے باہر حضرت مضطرب موجود تھے۔

"یہ کون ہے؟" خاتون نے پوچھا۔

"اوہ کوئی نہیں۔ میں نے آپ سے عرض کیا نا' پروفیسر صاحب عجیب و غریب صفات

کے مالک ہیں۔ موکلوں کی ایک پوری ٹیم ہے ان کے ساتھ جو ہر وقت یہاں موجود رہتے ہیں۔ اب دیکھنے میں یہاں آپ کو صرف دو تین افراد نظر آئیں گے' لیکن کیا آپ جانتی ہیں کہ اس وقت اس جگہ تقریباً ایک درجن افراد ہمارے اردگرد موجود ہیں۔"

"واقعی!" خاتون نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"تجربہ بھی ہو جائے گا آپ کو لیکن پہلے آپ ہمیں اپنا مسئلہ بتائیں۔"

"دیکھو میں اپنے کام کے سلسلے میں مکمل رازداری چاہتی ہوں' میں تقریباً سات سال یورپ رہی ہوں لیکن یہ پرانی بات ہے' اس وقت بھی یورپ میں جاسوسی کے پرائیویٹ ادارے موجود ہوا کرتے تھے اور لوگوں کی مشکلات ان کے ہاتھوں بآسانی حل ہو جایا کرتی تھیں۔ تمہارا اشتہار کچھ اس قسم کا تھا' میں نے یہی اندازہ لگایا۔ چنانچہ میں صرف یہ معلوم کرنے چلی آئی کہ تم بھی ہاتھ دیکھ کر قسمت کا حال بتاتے ہو یا تعویز گنڈوں اور پانی کی بوتلوں سے علاج کرتے ہو۔ اگر یہ سارا سلسلہ ہے تو تب تو پھر مجھے یہاں میرے مسئلے کا حل نہیں مل سکے گا' لیکن اگر اس کے برعکس بھی کچھ ہے تو میرا خیال ہے میں مناسب جگہ آئی ہوں۔"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے خاتون' میں نے آپ سے ڈھکے چھپے الفاظ میں پہلے ہی عرض کر دیا ہے کہ ہم تو مددگار ہیں لوگوں کے' ضرورت مند کی کوئی بھی ضرورت ہو' ہم ہر طرح اسے پورا کر دیتے ہیں اور یہ ہماری ذمہ داری بن جاتی ہے۔"

"رازداری کے بارے میں کیا خیال ہے؟" خاتون نے پوچھا۔

"قطعی۔ یوں سمجھ لیں کہ ہمارے بدن سے کھال اتار لی جائے' لیکن ہم اپنے کلائنٹ کا راز کسی دوسرے پر ظاہر نہیں کریں گے۔"

"اس کی ضمانت دی جائے گی۔" خاتون نے پوچھا۔

"سو فیصدی' جس طرح آپ پسند کریں۔"

"پھر تو ٹھیک ہے۔ مگر اب مجھے پروفیسر صاحب کے سامنے پیش کردہ میں اپنا معاملہ

انھی کو بتاؤں گی۔"

"بہت بہتر۔ میں ذرا پروفیسر کو آپ کے بارے میں تھوڑی سی تفصیل بتا آؤں' مسئلے کا حل وہی تلاش کریں گے۔" ظفری نے کہا اور خاتون نے گردن ہلا دی۔

وہ آرام سے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھیں۔ ظفری اٹھ کر سعدی کے کمرے میں پہنچ گیا اور اسے مختصر طور پر ان خاتون کے بارے میں تفصیل بتا دی۔ سعدی سنبھل کر بیٹھ گیا تھا۔ شکیلہ کو منع کر دیا گیا تھا کہ ابھی وہ اس طرف نہ آئے' جتنے افراد کم سے کم لوگوں کی نگاہوں میں آئیں اتنا ہی بہتر ہوگا۔ چنانچہ خاتون سعدی کے پاس پہنچا دی گئی۔

سعدی کو دیکھ کر انھوں نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں تھیں "کمال ہے' تم لوگ تو واقعی بالکل نوعمر ہو' بہرصورت چہروں سے ذہین نظر آتے ہو' خدا کرے میری مشکل کا حل بن جاؤ۔"

"آپ تشریف رکھیے' آپ کا تعارف؟" سعدی نے پوچھا۔

"بس تم مجھے مسز جمالی کہہ سکتے ہو۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ مسٹر جمالی اسی بلڈنگ کی تیسری منزل پر اپنے دفتر میں بیٹھتے ہیں۔"

"اوہو' جمالی سنز' اس کا بورڈ ہم نیچے دیکھ چکے ہیں؟"

"جی ہاں۔ وہ میرے شوہر ہیں مسز جمالی نے بتایا۔

"اوہو' تب تو آپ سے مل کر مزید خوشی ہوئی۔" سعدی نے کہا۔

"مگر مجھے اپنے مسئلے کا حل درکار ہے۔"

"جی فرمائیے۔"

"آپ کے اسسٹنٹ مجھے یہ یقین دلا چکے ہیں کہ میرے مسئلے کو یقینی طور پر راز داری سے رکھا جائے گا اور کسی بھی قیمت پر اس راز کو افشا نہیں کیا جائے گا۔"

"آپ یہ یقین اپنے دل میں رکھیں خاتون اور اب بالکل بے تکلفی سے فرمائیں کہ مشکل کیا ہے؟"

"جمالی صاحب۔" خاتون نے گہری سانس لے کر کہا۔ "جمالی ایک اوباش فطرت انسان ہیں' میں آپ کو اپنا سمجھ کر سب کچھ بتا رہی ہوں حالانکہ یہ باتیں عام لوگوں کو بتانے کی نہیں ہیں۔ شادی سے قبل وہ کچھ نہ تھے' ایک نکھے اور ناکارہ سے نوجوان جن سے میری شناسائی ہو گئی۔ اور اس شناسائی نے مجھے اس حد تک پاگل کر دیا کہ میں ان کے لیے سب کچھ ترک کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ میرے والدین نے اس شادی کی شدید مخالفت کی۔ لیکن میں نے غریب جمالی کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ میں نے اسے اس دنیا میں تنہا نہیں چھوڑا۔ میرے پاس دولت تھی۔ دنیا کی ہر شے موجود تھی' مجھے صرف جمالی کی شخصیت سے پیار تھا لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ وہ روپ بدل کر میرے سامنے آیا ہے۔ شادی ہو گئی میں نے اپنوں کی مخالفت مول لی اور ایک طویل عرصے تک ان سے جدا رہی' لیکن گوشت سے ناخن بھلا کہاں جدا رہتے ہیں۔ بالآخر وہ مجھ سے دوبارہ آملے۔ میں جمالی کے ساتھ مطمئن اور مسرور تھی لیکن پھر کچھ ایسی باتیں ہوئیں جو مشکوک تھیں' مجھے احساس ہوا کہ جمالی وہ کچھ نہیں ہے جو نظر آتا ہے۔ وہ میرے علاوہ بھی دوسری عورتوں سے راہ و رسم رکھتا ہے۔ میں نے کئی مرتبہ اس کا تعاقب کیا' اسے پکڑنے کی کوشش کی' لیکن وہ اتنا چالاک ہے کہ کبھی میرے شکنجے میں نہیں آیا۔ اس نے ہمیشہ مجھ پر نگاہ رکھی۔ بلکہ میرا تو یہ خیال تھا کہ اس نے ملازموں کو کچھ دے دلا کر مجھ پر نگرانی کے لیے مقرر کر دیا تھا اور ملازم میرے بارے میں اسے ساری رپورٹیں دیا کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جمالی پہلے سے اپنی تیاریاں مکمل کر لیتا تھا اور جب میں اس کا تعاقب کرتی تھی تو وہ اس طرح انجان بن جاتا تھا جیسے کسی اہم کام سے نکلا ہو۔ میں تین دفعہ ملازم بدل چکی ہوں لیکن وہ ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی چکر چلا کر ملازموں کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتا ہے۔"

"خدا کی پناہ اس قدر چالاک شخص۔" سعدی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں' اس سے بھی زیادہ چالاک۔ آپ لوگ تصور نہیں کر سکتے۔"

"یقیناً مسز جمالی یہ مرد بس کیا کہوں میں اس کو۔" سعدی نے کہا اور مسز جمالی سعدی کو گھورنے لگیں۔

"مرد تو خیر آپ بھی ہیں۔ مگر میں ہر ایک مرد کے کردار پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گی۔ مردوں اور عورتوں میں سب یکساں نہیں ہوتے۔"

"بے شک بے شک ہم ان مردوں میں سے نہیں ہیں۔" ظفری نے لقمہ دیا۔

"خیر یہ تو آپ کی بیگم ہی بتا سکتی ہوں گی۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ تو میں کہہ رہی تھی کہ جمالی نہایت کامیابی سے مجھے بے وقوف بناتے رہے ہیں لیکن میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میں اس شخص پر اعتبار نہیں کر سکتی۔"

"بیشک آپ کو کرنا بھی نہیں چاہیے بیگم صاحبہ' دراصل یہ مردوں کی ذات بڑی عجیب ہوتی ہے۔" ظفری بولا۔ پھر سعدی نے کہا۔

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ مسز جمالی کہ آپ کو یہ شبہ کس طرح ہوا؟"

"کس طرح؟ آپ کیا سمجھتے ہیں' عورت دنیا کی کسی بھی بات کو نہ سمجھے لیکن اپنے شوہر کے چال چلن سے خوب واقف رہتی ہے' طرح طرح کے سینٹ لگائے جاتے ہیں۔ نئے نئے لباس سلوائے جاتے ہیں' طرح طرح کے فیشن کیے جاتے ہیں۔ کھوپڑی پر چند بالوں کو اس خوبصورتی سے سجایا جاتا ہے کہ دیکھنے والے ان سے متاثر ہوں۔ یہ ساری حرکتیں کس لیے؟ گھر میں آنے کے بعد وہی کرتے پاجامے میں ملبوس رہتے ہیں۔ شیو بڑھی ہو تو کوئی بات نہیں' گھر سے جاتے وقت یہ تمام انتظامات ہوتے ہیں' میں کہتی ہوں مرد اگر شادی شدہ ہو تو وہ اپنی بیوی کے علاوہ اور کس کے لیے اتنا بن سنور سکتا ہے۔"

"بالکل درست' پڑوسن کے لیے۔ سو فیصدی پڑوسن کے لیے یا پھر کوئی گرل فرینڈ۔ یقینی طور پر آپ کا شبہ درست ہے۔ کسی مفکر کا قول ہے کہ مرد اگر گھر سے جاتے وقت بالوں کے سنوارنے پر خاص توجہ دینے لگے تو سمجھ لو کہ اس کے حالات بہتر نہیں رہے۔"

"بالکل میں تم سے متفق ہوں۔ ارے کیا کیا بتاؤں' ایک بات ہو تو بتاؤں۔ اخراجات حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں' گھر میں تو اتنے اخراجات ہوتے نہیں' گھر سے باہر' خدا کی پناہ کوئی

حساب کتاب ہی نہیں اور پھر کتنی بار میں نے دفتر ٹیلی فون کیا' پتا چلا صاحب سو رہے ہیں۔ ایک مرتبہ میں پہنچ گئی' ملازم نے مجھے بھی بتایا کہ صاحب سو رہے ہیں۔ جب میں وہاں پہنچی تو پتا چلا صاحب تشریف ہی نہیں رکھتے۔ میں نے بھی اس ملازم کو کھڑے کھڑے نکال دیا اور کہرام مچا دیا۔ مگر جمالی صاحب بس میں کیا کہوں کیسی تھس فطرت کا مالک ہے یہ شخص' توبہ میری' تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

"بس اب آپ کچھ نہ کہیں بیگم صاحبہ' ہم ساری صورتحال سمجھ گئے ہیں۔ اب آپ یہ بتائیے کہ ہم سے کیا چاہتی ہیں؟"

"اس شخص کے چال چلن کی مکمل رپورٹ اور اگر یہ کسی جال میں پھنسا ہے تو اپنی مدد؟"

"بسر و چشم ہم حاضر ہیں۔"

"لیکن آپ کا طریقہ کار کیا ہوگا؟"

"سب سے پہلے تو ہم اپنے طور پر جمالی صاحب کے چال چلن کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے' ان کی نگرانی کریں گے۔ ہر وقت ان پر نگاہ رکھیں گے۔ آپ یہاں تشریف لائی ہیں' بڑا اچھا کیا آپ نے۔ لیکن آئندہ آپ یہاں نہ آئیں۔ ہمارا آپ کا رابطہ کسی اور ذریعے سے ہوگا اور ہم جمالی صاحب کا تمام کچا چٹھہ معہ ثبوت کے آپ کے سامنے پیش کر دیں گے۔ اس کے بعد پھر دوسرا عمل شروع ہوتا ہے۔ یعنی اگر جمالی صاحب کسی جال میں پھنسے ہوئے ہیں تو انہیں اس جال سے نکالنا' یہ کام بھی ہم باحسن انجام دے لیں گے۔ اس سلسلے میں ہمارے دو طریقہ کار ہیں۔ پہلے تو ہم اس شخص کو سمجھانے کی کوشش کریں گے جس نے آپ کے حقوق پر ڈاکا ڈالا ہے' اور اگر وہ اس طرح سے نہ مانا تو وہاں سے دعاؤں اور تعویزوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ آپ یقین فرمایئے ہمارے دیے ہوئے تعویز ملکہ الزبتھ نے بھی خلوص دل سے قبول کیے تھے۔ آپ کو کیا پتا حالات کیا کیا رنگ دکھا چکے ہیں۔ اور یہ جو لیڈی ڈائنا کا مسئلہ ہے نا' بس یوں سمجھیں کہ راز داری کی وجہ سے ہم آپ کو نہیں بتا سکتے ورنہ بڑے بڑے کھیل کھیلے گئے ہیں اس

سلسلے میں بھی۔"

"اوہ تو گویا آپ یورپ بھی رہ چکے ہیں؟"

"رہ چکے ہیں، رہتے ہی وہیں تھے۔ یورپ، امریکہ، فرانس ہمارے پسندیدہ ممالک ہیں۔ آپ نہیں سمجھتیں یہ انگریز کتنے توہم پسند ہوا کرتے ہیں۔ اکثر ہم سے تعویز لے جایا کرتے تھے اور نہایت احترام سے انھیں استعمال کرتے تھے۔"

"اوہ تو کیا انھیں فائدہ بھی ہوا؟"

"فائدہ۔ ارے بیگم صاحبہ وہ تو ہمیں یہاں آنے نہیں دے رہے تھے۔ یہ تو بس ہمارا اپنا ہی دل چاہا کہ اپنے ملک میں جائیں، وہاں جا کر خدمت خلق کریں سو اس وجہ سے ہم یہاں آ گئے۔" مسز جمالی بہت زیادہ متاثر ہو گئی تھیں، پھر انھوں نے سب سے زیادہ کارآمد بات کی۔

"اس سلسلے میں مجھے آپ کو کیا معاوضہ دینا ہوگا؟"

"بس یہی مسئلہ ہے جس میں ہمارے ملک کے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ خاتون سوچا جائے تو زندگی کے اتنے اہم مسائل دولت کے ترازو میں نہیں تولے جا سکتے۔ دل کا سکون اور محبت حاصل کرنے کے لیے فرہاد جوئے شیر نکال لایا تھا۔ مجنوں نے صحرا گردی کرتے کرتے جان دے دی تھی نجانے کیا کچھ کیا تھا ان لوگوں نے۔ محبت کے رشتے بہت نازک ہوتے ہیں، ٹوٹ جائیں تو پھر کبھی نہیں جڑتے۔ اس سلسلے میں دولت کا خرچ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یوں بھی ہم نہایت سائنٹیفک انداز میں اپنے کام کا آغاز کریں گے اس سلسلے میں جو اخراجات ہوں گے وہ آپ کو پہلے ادا کرنا ہوں گے اور ہمارا معاوضہ کام ہونے کے بعد۔"

"میں بخوشی تیار ہوں، آپ یہ بتایئے فی الوقت میں آپ کو کیا پیش کر دوں؟"

"میرا خیال ہے پانچ ہزار روپے کا ایک چیک عنایت فرما دیں آپ، لیکن ابتدا ہوگی، اگر معاملات ایسے ہوئے کہ ہم انھیں بآسانی ڈیل کر سکے تو پھر آپ کو مزید تکلیف نہ دی جائے گی لیکن جوں جوں حالات آگے بڑھتے رہے آپ سے اس سلسلے میں اخراجات طلب کیے جاتے

رہیں گے۔"

"اخراجات کی آپ پرواہ نہ کریں۔ مجھے اپنے سہاگ کی ضرورت ہے۔ میں چاہتی ہوں جمالی ان تمام جھگڑوں سے نکل آئے اور صرف میرا ہو کر رہ جائے۔ اس کے لیے میں بہت کچھ خرچ کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ایک بار پھر کہتی ہوں کہ آپ اخراجات کی پرواہ نہ کریں اور اس کیس پر پوری پوری توجہ دیں۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں، براہ کرم آپ یہ کیس رجسٹر کرا دیں، میں نے اسے پوری طرح سمجھ لیا ہے اور اب اس سلسلے میں میں آپ کو پوری رپورٹیں دیتا رہوں گا۔" سعدی نے کہا اور ظفری نے ان خاتون کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ ایک بار پھر وہ انھیں لے کر اپنے کیبن میں پہنچ گیا۔

اس نے مسز جمالی کا نام لکھا، ٹیلی فون نمبر لکھا اور پھر مسز جمالی نے اپنے ہینڈ بیگ سے چیک بک نکال کر پانچ ہزار روپے کا چیک کاٹ دیا۔

"یہ چیک کیش تو ہو جائے گا نا؟"

"دیکھیے ایسی باتیں کر کے مجھے ذہنی الجھنوں کا شکار نہ کریں، میں کوئی گری پڑی حیثیت کی مالک نہیں ہوں کروڑ پتی تھے میرے والد کروڑ پتی تھے۔" مسز جمالی نے کہا۔

"یقیناً یقیناً" آپ کا رکھ رکھاؤ آپ کا سلیقہ اس بات کا مظہر ہے کہ آپ بہت بڑے خاندان کی خاتون ہیں، بہرحال آپ مطمئن رہیں ہم بہت جلد آپ کو رپورٹ پیش کریں گے۔"

"کم از کم کب تک؟"

"ہمیں دو دن دیجیے۔ ان دو دنوں کے اندر ہم کچھ نہ کچھ معلومات یقیناً فراہم کر لیں گے۔" ظفری نے جواب دیا۔ اور مسز جمالی اٹھ گئیں۔ باہر نکلیں تو ظفری انھیں دروازے تک چھوڑنے آیا۔ مضطرب صاحب بڑے اضطراب سے ہاتھ مل رہے تھے۔ چلتے چلتے انھوں نے بڑبڑاہٹ کے انداز میں ایک شعر دھکیل دیا جو مسز جمالی کی سمجھ میں تو نہیں آ سکا تھا لیکن ظفری نے سن

لیا تھا۔

مضطرب صاحب کو باہر لے جا کر اسٹول پر بٹھا دیا گیا اور اندر سے دروازہ بند کر لیا گیا تھا۔ یہ سخت خفیہ میٹنگ تھی اور اس کے لیے شکیلہ کے کیبن کا انتخاب کیا گیا تھا' کیونکہ وہ اس دفتر کے آخری کونے میں تھا اور یہاں سے ہونے والی گفتگو دروازے پر بیٹھے ہوئے مضطرب صاحب کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ ویسے انھیں آج تک مضطرب صاحب کی اس صفت پر حیرت تھی کہ دروازے سے باہر ہونے کے باوجود انھوں نے ان کی باتیں کس طرح سن لی تھیں۔ اس سلسلے میں تجربات بھی کر کے دیکھے گئے اور مشترکہ طور پر یہ طے پایا کہ اتنے تیز کان صرف مضطرب صاحب کے ہو سکتے ہیں' اور کسی کے نہیں ہو سکتے' کیونکہ عام لوگ' یہ باتیں اتنی آسانی سے نہیں سن سکتے تھے۔ بہر صورت اس بات پر بھی متفقہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ ایسی باتیں جو چوتھے آدمی سے چھپائی جانی ہوں' اتنی آہستہ آہستہ کی جائیں کہ وہ مضطرب صاحب کے کانوں تک نہ پہنچ سکیں۔ بہت سے معاملات ہوتے تھے اور اس وقت بھی اہم مسئلہ ہی درپیش تھا' نئے کاروبار کی نئی کلائنٹ کے بارے میں غور و خوض ہو رہا تھا۔ درمیان میں پانچ ہزار روپے کا چیک رکھا ہوا تھا۔

''اور دل چسپ بات یہ ہے کہ جمالی سنز کا دفتر اوپر ہی موجود ہے۔ پہلے تو یہ غور کرنے کی بات ہے کہ جمالی سنز' گویا جمالی صاحب' صاحب اولاد ہیں۔ اس کا مقصد ہے کہ ان کی عمر بھی اچھی خاصی ہوگی۔'' سعدی نے کہا۔

''ہاں یقیناً' بہر صورت پہلے تو جمالی سنز کا ایک چکر لگایا جائے اور دیکھا جائے کہ دفتر کیسا ہے۔ اس کے بعد ان کی ظاہری حالت پر غور کیا جائے تاکہ ان کی حیثیت کے بارے میں پتا چل جائے۔''

''ٹھیک ہے وہ میں ابھی دیکھے لیتا ہوں۔'' ظفری نے جواب دیا۔ ''مگر اب مسئلہ یہ ہے کہ اس کے بارے میں کیا پروگرام ترتیب دیا جائے؟''

''بھئی سب سے پہلے تو اس چیک کے کیش ہونے کا مسئلہ ہے۔ اگر چیک کیش ہو جاتا

ہے تو پھر یقیناً' بہتر مستقبل کی امید کی جا سکتی ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ مسز جمالی پیسوں کے معاملے میں ذرا لاپرواہ نظر آتی ہیں۔ بیس پچیس ہزار آسانی سے دے جائیں گی۔'' ظفری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اگر ہم پہلے ہی کیس میں اتنا کما لیتے ہیں تو پھر بآسانی اس دفتر پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔'' سعدی نے کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن مسز جمالی کا کام بھی تو کرنا ہوگا۔''

''ارے کام تمام کر دیں گے تم پریشان کس لیے ہو؟'' شکیلہ نے گردن ہلا کر کہا۔

''پروگرام؟''

''ابھی نہیں۔ پہلے ذرا جمالی صاحب کی شخصیت کا جائزہ لے لیا جائے' پھر ان کی قربت حاصل کر کے بیگم صاحبہ کے ان شبہات کو تقویت پہنچائی جائے۔ لیکن یہ کام ہمیں نہایت ہوشیاری سے کرنا ہوگا۔'' شکیلہ نے کہا۔ اور سعدی گردن ہلانے لگا۔

''مجھے یقین ہے آفت جہاں آرا' آپ یہ کام بآسانی کر لیں گی۔''

''اچھا خیر تو یوں کرتے ہیں' کام کی ابتدا ابھی سے کیے لیتے ہیں۔''

''جی حکم!''

''میرا خیال ہے یہ کیس آپ میرے چارج میں دے دیں۔'' شکیلہ نے پیش کش کی۔

''بہت مناسب۔ اس کیس میں آپ پروفیسر ڈی ڈی ٹی قرار پائی ہیں۔''

''ٹھیک ہے' اب آپ لوگوں کو میرے احکامات پر عمل کرنا ہوگا۔'' ظفری براہ کرم اس کرسی سے ہٹ جاؤ' وہ کرسی باس کی کرسی ہے۔'' شکیلہ نے کہا اور ظفری بڑے ادب سے کرسی سے ہٹ گیا اور کرسی شکیلہ کے لیے خالی کر دی۔ تب شکیلہ کرسی پر آ کر بیٹھ گئی پھر اس نے سعدی کو حکم دیا۔ ''مسٹر سعدی ذرا جائیے اور جمالی سنز کا چکر لگا آئیے بلکہ بہتر تو ہوگا کہ آپ جمالی صاحب سے ملاقات بھی کر لیں۔ مسئلہ کچھ بھی ہو' ان سارے معاملات کو طے کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔''

"بہت بہتر، ابھی جاؤں چیف۔"

"ہاں ابھی جایئے۔" اور سعدی اس جگہ سے اٹھ گیا' پانچ ہزار کا چیک شکیلہ نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا کیونکہ وہ چیف تھی۔

توقع کے مطابق آفس نہایت شاندار تھا۔ سعدی نے دروازے پر کھڑے ہوئے چپڑاسی سے جمالی صاحب کے لیے پیغام بھجوایا' وہ ان سے ملنا چاہتا تھا۔ لیکن جمالی صاحب کے پاس کچھ افراد بیٹھے ہوئے تھے اس لیے چپڑاسی نے اس سے معذرت کر لی اور وہ انتظار کے لیے بیٹھ گیا۔ اس دوران وہ دفتر کا جائزہ لیتا رہا تھا۔ سات افراد پر مشتمل دفتر تھا اور اس کمرے سے کافی بڑا جس میں یہ لوگ مقیم تھے' اچھے انداز میں ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا۔ فرنیچر بھی بہت اعلیٰ قسم کا اور صاف ستھرا تھا' اور کارکن بھی نہایت سلیقہ مند' دو لڑکیاں تھیں جن میں سے ایک ٹائپسٹ تھی اور دوسری شاید دفتری امور کی دیکھ بھال پر متعین تھی۔ دونوں سر جھکائے اپنے کاموں میں مصروف تھیں۔ جمالی صاحب کے آفس کا دروازہ بہت ہی خوبصورت شیشے کا بنا ہوا تھا اور ایک چپڑاسی وہاں بھی فروکش تھا۔ اس سے کم از کم اس دفتر کے بارے میں ایک اچھا تاثر قائم ہوتا تھا۔

سعدی دفتر کے کاروبار کے بارے میں معلومات کرتا رہا اور اسے علم ہو گیا کہ جمالی صاحب غیر ممالک سے ایئر کنڈیشنر اور فرج منگوا کر یہاں فروخت کرتے ہیں۔ اس کاروبار کی نوعیت بھی ایسی تھی جس سے ان لوگوں کی مالی حیثیت کا اندازہ ہوتا تھا۔ بہرصورت اسے تقریباً ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ دو تین افراد جمالی صاحب کے کمرے سے نکل آئے تھے' پھر چپڑاسی نے دوبارہ اس کی درخواست جمالی صاحب تک پہنچائی اور جمالی صاحب نے اسے طلب کر لیا۔

جیسا کہ مسز جمالی نے بتایا تھا جمالی صاحب نفاست پسند طبیعت کے مالک تھے۔ ان کا کمرہ شیشے کی طرح صاف شفاف تھا۔ فرش پر اعلیٰ درجے کا قالین' لمبی چوڑی میز جس پر گرد کا کوئی ذرہ نہیں تھا۔ میز پر اعلیٰ درجے کے ڈیکوریشن پیس رکھے ہوئے تھے۔ دو ٹیلیفون موجود تھے۔ جمالی صاحب ایک نہایت نفیس سوٹ میں ملبوس اس طرح کرسی پر بیٹھے تھے جیسے کہیں مہمان آئے ہوں۔

انھوں نے گہری نگاہوں سے سعدی کو دیکھا اور پھر سر کے ہلکے سے اشارے سے اسے کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ سنہری فریم کی عینک ان کی ناک پر جمی ہوئی تھی۔ ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسی ہوئی تھیں اور وہ کسی قدر مضطرب محسوس ہوتے تھے۔

"جی فرمایئے کیا خدمت کر سکتا ہوں میں آپ کی؟"

"بس جناب یونہی ملاقات کے لیے آ گیا تھا' بڑی تعریف سن رکھی تھی آپ کی' دیکھنے آ گیا۔"

"کیا مطلب؟" جمالی صاحب ناک چڑھا کر بولے۔

"عرض کیا نا' میں نفاست پسند لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہوں۔ چرچے ہیں آپ کے تو شہر میں۔ ویسے کاروبار کیسا چل رہا ہے۔" سعدی نے پوچھا اور جمالی صاحب عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

"کاروبار جیسا چل رہا ہے اور جو کچھ چرچے ہیں میرے بارے میں ان سے آپ کو کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ آپ اپنی آمد کا مقصد بتایئے؟"

"کمال ہے صاحب' ہر آدمی کسی مقصد ہی سے تو کسی کے پاس نہیں آتا۔ بعض اوقات انسان کا دل انسان سے ملنے کے لیے چاہتا ہے' کیا انسانیت کوئی حیثیت نہیں رکھتی؟"

"میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"

"کچھ نہیں' کچھ نہیں۔ بس آپ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا' لیکن آپ کی نفیس طبیعت میں ایک خامی ہے' ایک چھوٹی سی خامی۔"

"میں کہتا ہوں دفتری اوقات میں میرا وقت ضائع کرنے کا حق کس نے دیا ہے آپ کو؟ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں' جس کام سے آئے ہیں مجھے وہ بتایئے اور اگر کوئی کام نہیں ہے تو براہ کرم میرا وقت ضائع نہ کیجیے میں اتنا فالتو وقت نہیں رکھتا۔"

"کمال ہے صاحب' یعنی اب تو یہ کہنا پڑے گا' بقول اپنے حضرت مضطرب کے' مگر یا

نہیں مضطرب صاحب نے اس موقع کے لیے کچھ کہا بھی ہے یا نہیں۔ خیر اشعار ادھار رہا' ہاں جمالی صاحب اور کیا کیا مشاغل ہیں آپ کے؟"

جمالی صاحب اب باقاعدہ ہیجان میں مبتلا ہو گئے تھے۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹک گئے اور سعدی کو گھورنے لگے۔ پھر وہ دوبارہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور پھاڑ کھانے والے انداز میں بولے۔ "میری بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر آپ مذاق فرمانے کے لیے تشریف لائے ہیں تو براہ کرم واپس چلے جائیے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے دفتر میں کوئی ہنگامہ آرائی ہو۔ میں آپ کے ساتھ سخت سلوک بھی کر سکتا ہوں۔ آپ مجھے چرب زبانی سے مرعوب نہیں کر سکتے۔ میں دفتری اوقات میں عام لوگوں سے ملنے کا عادی نہیں ہوں۔"

"اچھا اچھا' تو کیا گھر میں حاضر ہو سکتا ہوں۔" سعدی نے پوچھا۔

"مگر بھائی حاضری کا مقصد بھی تو کچھ ہو۔"

"میں نے کہا نا حضرت میں نہ تو مقصد پرست ہوں' نہ مطلب پرست' محبت سے آیا تھا' محبت سے بیٹھنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر میں چلا جاؤں گا۔ اتنی سی بات کو آپ نے افسانہ بنا دیا ہے۔" سعدی نے ہاتھ ہلاتے ہوئے کہا۔

جمالی صاحب نروس ہو کر کرسی سے ٹک گئے اور خاموشی سے سعدی کو گھورنے لگے۔

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم کیا چاہتے ہو' تاہم جیسا کہ تم کہہ رہے ہو بیٹھے رہو' میرا کیا جاتا ہے؟"

"جی ہاں بیٹھا ہوا ہوں۔" سعدی نے کہا اور جمالی صاحب نے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھا لیا۔ لیکن اسی وقت دوسرے ٹیلیفون پر کوئی کال آ گئی تھی۔ انھوں نے ریسیور اٹھا لیا اور کاروباری گفتگو کرتے رہے اس کے بعد یہ سلسلہ منقطع کر کے ریسیور رکھ دیا اور سعدی کو گھورنے لگے۔

"آپ کا دل بھر گیا ابھی یا نہیں؟"

"جی ہاں' تھوڑا تھوڑا سا بھر گیا ہے لیکن ابھی طبیعت سیر نہیں ہوئی' اگر آپ پریشان

ہیں تو پھر مجھے اجازت دیجیے۔ میں نے عرض کیا تھا نا کہ بس ملنے آیا تھا اور کوئی خاص بات نہیں تھی۔ براہ کرم آپ اس بارے میں کوئی اور بات نہیں سوچیں۔" سعدی نے کہا اور اٹھ کر کمرے سے نکل آیا۔ واپسی پر اس نے اردلی کے ہاتھ میں پانچ روپے کا نوٹ تھمایا تھا۔ اور اردلی نے دانت نکال دیے تھے۔

"ارے نہیں صاحب اس کی کیا ضرورت ہے؟"

"رکھ لو بھئی رکھ لو۔ یہ خوشی سے دے رہا ہوں میں تمھیں' اب تو اکثر آنا جانا ہوتا رہے گا۔"

"ضرور صاحب ضرور۔" اردلی نے گردن جھکا کر سلام کیا اور سعدی وہاں سے نکل آیا۔ واپس آ کر اس نے شکیلہ کو مکمل رپورٹ دی تھی۔

"ہوں تو دو لڑکیاں بھی ہیں دفتر میں؟"

"ہاں مگر شکل و صورت کی بیکار' کوئی ان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا۔"

"ٹھیک ہے اس کا مقصد کہ مسز جمالی کو صرف شبہ ہے مگر ظفری صاحب اس شبہ کو یقین میں بدلے بغیر کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ کیا کاروبار بتایا تھا تم نے جمالی سنز کا؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"ریفریجریٹرز ائیر کنڈیشنرز باہر کے ممالک سے منگواتے ہیں اور یہاں سپلائی کرتے ہیں۔"

"ہوں اچھی بات ہے۔ بہر صورت ہم اپنی پہلی کلائنٹ کو مایوس نہیں کریں گے۔ اس سلسلے میں آج رات کو گھر پر ایک میٹنگ رکھی جائے گی اور وہاں ہم عمل کا فیصلہ کریں گے۔"

"او کے باس۔" دونوں نے کہا اور نشست برخاست ہو گئی۔

مضطرب صاحب شاید کوئی شعر گنگنا رہے تھے۔ چند لمحات کے بعد وہ اندر آ گئے۔

"بھئی چائے وغیرہ کی ضرورت تو محسوس نہیں ہو رہی آپ حضرات کو؟"

"ہو رہی ہے مضطرب صاحب۔ بڑا اضطراب سا پھیل رہا ہے دل میں۔ جائیے چائے منگوا لیجیے۔" شکیلہ نے کہا اور مضطرب صاحب خوش خوش باہر دوڑے۔ چلے گئے۔

رات کی خفیہ میٹنگ میں تمام امور طے ہو گئے اور دوسرے دن اس سلسلے میں عمل شروع کر دیا گیا۔ ظفری نے شام کو جمالی صاحب کی مکمل مصروفیات کی رپورٹ پیش کر دی تھی اور اس رپورٹ کو پیش کرنے کے بعد دوسرے دن اس سلسلے میں ابتداء کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔

اس دن شکیلہ علی الصبح گھر سے نکل گئی تھی۔ ظفری اس کے ساتھ تھا۔ سعدی براہ راست دفتر جانے کا پروگرام رکھتا تھا۔ ظفری نے شکیلہ کو اسی جگہ چھوڑ دیا جو جمالی صاحب کی گزرگاہ تھی۔ اس نے جمالی صاحب کی کار کا رنگ اور نمبر وغیرہ بتا دیا تھا۔ چنانچہ شکیلہ مستعد تھی۔ ظفری اس سے کچھ فاصلے پر اس کارروائی کی تکمیل دیکھنے کے لیے موجود تھا۔

وقت مقررہ پر ظفری نے سیٹی بجائی۔ سامنے ہی بلیو رنگ کی کار آ رہی تھی۔ شکیلہ نے پریشان انداز میں اپنا پرس ہلایا اور کار اس کے بالکل سامنے آ کر رک گئی۔

وہ جھجکتے ہوئے سے انداز میں آگے بڑھی۔ جمالی صاحب اسے دیکھ کر حیرت زدہ سے رہ گئے۔ اتنی خوبصورت اور نفاست پسند لڑکی شاید انھوں نے زندگی میں اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی۔

”جی معاف کیجیے گا‘ راہ میں چلنے والوں کو اس طرح پریشان کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ لیکن میری بدبختی ہے کہ مجھے جلدی پہنچنا ہے۔ اور یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ادھر سے کوئی سواری ملنے کا امکان ہی نہیں ہے۔“

”ہاں ہاں تشریف لائیے۔ تشریف لائیے‘ آپ جہاں کہیں میں وہاں آپ کو پہنچا دوں۔“ جمالی صاحب نے خوش اخلاقی سے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

”آپ کو یقیناً زحمت ہو گی لیکن مجھے کورٹ روڈ چھوڑ دیں۔ بڑی نوازش ہو گی آپ کی۔“

”کمال ہے‘ اس میں نوازش کی کیا بات ہے۔ میں ادھر ہی جا رہا ہوں۔“ جمالی صاحب نے کہا اور شکیلہ شکریہ ادا کر کے ان کے برابر بیٹھ گئی۔

آج کے اس پروگرام کے لیے اس نے مکمل تیاریاں کی تھیں۔ اس کے بدن پر نفیس تراش کا سوٹ تھا اور کپڑوں پر نہایت مست کن خوشبو لگی ہوئی تھی۔ بال بہت نفیس انداز میں

سنوارے گئے تھے۔ گویا جمالی صاحب کی ہلاکت کے تمام سامان مکمل کر لیے گئے تھے۔

”خاتون‘ ایک مختصر سی ملاقات میں انسان کسی سے اتنا بے تکلف تو نہیں ہو سکتا‘ لیکن آپ کی نفیس شخصیت کو دیکھ کر میں بہت متاثر ہوا ہوں‘ کیا تھوڑا سا تعارف ہو سکتا ہے آپ سے؟“ جمالی صاحب نے پوچھا۔

”کیوں نہیں‘ میرا نام شمسہ ہے۔ تعلیم ختم کر چکی ہوں اور اب کوئی مشغلہ نہیں ہے۔ بس ایک کام سے نکلی تھی لیکن کنوینس کا معاملہ کبھی درست نہیں ہو سکتا۔“

”یقیناً‘ یقیناً۔ ویسے آپ رہتی کہاں ہیں؟“

”بہرام اسکوائر کے پاس میرا ایک چھوٹا سا مکان ہے۔“

”والد حیات ہیں؟“

”نہیں‘ میں بہت چھوٹی تھی جب میرے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ والدہ حیات ہیں‘ ایک بھائی ہیں جو سعودیہ میں ہیں۔ یوں پرامن زندگی گزر رہی ہے۔ کورٹ روڈ پر میری ایک دوست ایک فرم میں کام کرتی ہے اس سے ملنے جا رہی تھی۔“ شکیلہ نے کہا۔

”آپ کی نفاست پسندی نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ خادم کو فراز جمالی کہتے ہیں۔“

”بے تکلفی کی معافی چاہتی ہوں جناب‘ لیکن آپ کا نام بے حد خوبصورت ہے۔“ شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”شکریہ مس شمسہ۔“

”آپ کام کیا کرتے ہیں؟“

”میں ایک چھوٹی سی فرم کا مالک ہوں جو ریفریجریٹر اور ایئر کنڈیشنز وغیرہ امپورٹ کرتی ہے‘ اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو تشریف لائیے۔ یہ میرا کارڈ ہے۔“ جمالی صاحب نے طوفانی انداز میں پیشقدمی شروع کر دی اور اپنا خوبصورت کارڈ نکال کر شکیلہ کو دے دیا۔

شکیلہ ظاہر ہے اسی مقصد کے لیے نکلی تھی۔ اس نے بڑی چاہ سے یہ کارڈ وصول کیا اور

کہنے لگی۔

"میں بھی آپ کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوئی ہوں۔ اتفاق ہے کہ آپ ہی کی کار نظر آ گئی' حالانکہ میں لفٹ لے کر سفر کرنے کی قائل نہیں ہوں۔ لیکن اس وقت بس ایسی ہی ذہنی الجھن سی تھی لیکن کیا معلوم' بعض اوقات ایسی الجھنیں کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔" شکیلہ کے لہجے میں خوابناک سی کیفیت پیدا ہو گئی۔

"طوفان۔" جمالی صاحب نے اسے غور سے دیکھا اور وہ چونک پڑی۔

"مم میرا مطلب ہے۔ میرا مطلب ہے۔" اس نے جھینپنے کی اداکاری کی اور جمالی صاحب کھو سے گئے۔

"تو پھر کب تشریف لا رہی ہیں آپ؟"

"جب آپ حکم دیں۔" شکیلہ نے محبوبانہ لہجے میں کہا۔

"میری خواہش تو یہ ہے کہ آپ آج لنچ میرے ہی ساتھ کریں۔" جمالی صاحب نے شکیلہ کے سراپے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کے گھر؟"

"نہیں دفتر میں۔" جمالی صاحب بولے اور شکیلہ نے اقرار کر لیا۔ راستے میں چند اور رسمی سی باتیں ہوئیں اس کے بعد جمالی صاحب نے اسے کورٹ روڈ پر چھوڑ دیا۔ شکیلہ کی پہلی ہی کوشش بے حد کامیاب رہی تھی۔

دوپہر کو وہ جمالی صاحب کے خوبصورت دفتر میں پہنچ گئی۔ جمالی صاحب نے تقریباً تمام ہی چپراسیوں کو اس کے بارے میں ہدایت کر دی تھی۔ چنانچہ اسے جمالی صاحب تک پہنچنے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ جمالی صاحب نے بہترین ہوٹل سے بہترین کھانے کا بندوبست کیا تھا۔ کھانے کے دوران وہ مسکراتے ہوئے بولے۔ "کیا انوکھا اتفاق ہے۔ یوں لگ رہا ہے جیسے آج۔ تقدیر نے مجھے آپ سے ملانے کے لیے ساری تیاریاں کر رکھی تھیں۔"

"جمالی صاحب' میں بھی محسوس کر رہی ہوں کہ اس چند لمحاتی ملاقات کا تاثر بڑا گہرا ہے۔"

"خدا کرے یہ اور بھی گہرا ہو جائے۔" جمالی صاحب آرزومندانہ انداز میں بولے۔

"میں نہیں سمجھی۔"

"میں اس سے زیادہ کچھ سمجھا بھی نہیں سکتا مس شمسہ' اگر ملاقاتیں ہوتی رہیں تو بھی تفصیل سے اپنے بارے میں عرض کروں گا۔" جمالی صاحب نے کہا۔

"کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں۔"

"بتائیے۔"

"میرا خیال ہے مس شمسہ ابھی زور نہ دیں۔ آپ بور ہوں گی۔ یوں بھی زندگی کا رونا ہے' ہر شخص اپنی حسین ترین زندگی میں کسی ایسے بدنما حادثے کا شکار ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل ہو جاتا ہے لیکن میں اس پہلی ملاقات میں آپ کے ذہن کو کسی تکدر کا شکار نہ ہونے دوں گا۔ پھر کبھی۔" جمالی صاحب بولے اور شکیلہ نے گردن ہلا دی۔

کافی دیر تک وہ جمالی صاحب کے ساتھ رہی' پھر شکیلہ نے اجازت مانگی۔

"اگر کوئی خاص مصروفیت نہ ہو تو میرے ساتھ ہی چلیے گا۔ شام میں تین چار بجے تک نکلیں گے۔ میں آپ کو آپ کی رہائش گاہ پر چھوڑ دوں گا۔"

"نہیں جمالی صاحب ذرا سا دنیا کا بھی خیال کرنا ہے' اتنی جلد بازی نہ کریں۔" شکیلہ نے ادائے محبوبانہ اختیار کر رکھی تھیں اور جمالی صاحب شانے اچکانے کے سوا کچھ نہ کر سکے۔

"جیسا آپ کا حکم' میں تو تعمیل حکم کے لیے ہوں شمسہ۔" جمالی صاحب نے پر محبت لہجے میں کہا۔ اور پھر وہ شکیلہ کو رخصت کرنے کے لیے باہر تک آئے۔ شکیلہ ان کے سامنے ہی بلڈنگ کی سیڑھیاں اتر کر نیچے چلی گئی تھی اور جب اس نے محسوس کر لیا کہ جمالی صاحب کا کوئی آدمی اس کے

تعاقب میں نہیں ہے تو وہ واپس دفتر پہنچ گئی۔

سعدی اور ظفری دفتر میں موجود تھے۔ ظفری نے شکیلہ کا مکمل طور پر تعاقب کیا تھا۔ چنانچہ پیرومرشد کو زبردست مبارکباد دی گئی۔ شکیلہ نے مختصراً اپنی رپورٹ سنا دی تھی۔

''گڈ۔ اس کا مقصد ہے کہ اس دل چسپ کیس پر انتہائی موثر انداز میں کام شروع ہو چکا ہے۔ تو چیف اب کیا حکم ہے؟'' سعدی نے پوچھا۔

''میرا خیال ہے دو دن اور گزر جانے دو' اس دوران اگر مسز جمالی رابطہ قائم کریں تو ان سے کہا جائے کہ کام ہو رہا ہے۔ اور بہت جلد تفصیلات پیش کر دی جائیں گی۔ تیسرے دن مسز جمالی کو میرے بارے میں مکمل رپورٹ پیش کر دی جائے' میری ایک تصویر ان تک پہنچا دی جائے اور ان سے کہا جائے کہ یہ خاتون ہیں جو مسٹر جمالی کو شیشے میں اتار رہی ہیں۔''

''ویری گڈ۔'' سعدی اور ظفری نے اس تجویز سے اتفاق کیا تھا۔

مسز جمالی نے واقعی دو دن تک رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ البتہ تیسرے دن جب یہ لوگ خود ہی ساری تیاریاں مکمل کر کے انھیں ٹیلی فون کرنے کا ارادہ کر رہے تھے' مسز جمالی خود ہی دفتر میں تشریف لے آئیں۔ شکیلہ حسب معمول جمالی صاحب کے دفتر میں موجود تھی لیکن ان لوگوں کو ابھی اس بات کی نشاندہی نہیں کرنی تھی۔

مسز جمالی کا استقبال بڑے احترام سے کیا گیا اور وہ سعدی کے پاس آ بیٹھیں۔

''میں آپ لوگوں کے فون کا انتظار کرتی رہی' اور جب میں نے آپ کی طرف سے کوئی اطلاع نہ پائی تو مجبور ہو کر یہاں آ گئی۔''

''آپ ہمیں ٹیلی فون کر لیتیں۔ ہم تو خود آج آپ سے رابطہ قائم کرنے والے تھے۔ دراصل جیسا کہ آپ سے عرض کیا گیا تھا کہ یہاں نہایت سائنٹفک بنیادوں پر کام شروع کیا جاتا ہے' چنانچہ ہم پہلے اس کالی بھیڑ کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے تھے جو آپ کی خوشیوں پر ڈاکا ڈالنے میں مصروف ہے۔''

''اوہ کوئی پتا چلا؟'' مسز جمالی نے بے چینی سے پوچھا۔

''پتا۔ یہ دو دن جس قدر مصروفیت سے گزرے ہیں اس کا آپ تصور نہیں کر سکتیں مسز جمالی ہم نے انتہائی کوشش کر کے یہ سب کچھ کیا ہے۔''

''اوہ میں بے چینی سے منتظر ہوں۔ مجھے بتایئے' کیا ایسی کوئی بات پتا چلی آپ کو؟'' مسز جمالی نے پوچھا۔ اور سعدی نے جیب سے شکیلہ کی وہ تصویر نکال کر مسز جمالی کے سامنے رکھ دی جو خصوصی طور پر اسی مقصد کے لیے تیار کی گئی تھی۔

مسز جمالی نے یہ تصویر دیکھی اور ان کے چہرے پر ہیجان کے تاثرات نظر آنے لگے۔

''یہ کون ہے؟''

''شمسہ کہلاتی ہیں یہ خاتون ابھی مکمل تفصیلات نہیں مل سکیں۔ یہی ہیں جو آپ کے سہاگ پر ڈورے ڈالنے میں مصروف ہیں۔ آج کل ہر جگہ یہ مسٹر جمالی کے ساتھ دیکھی جاتی ہیں اور معاملات کچھ ضرورت سے زیادہ ہی گہرے معلوم ہوتے ہیں۔ ہم مسلسل ان خاتون کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے ہیں۔ بہت جلد ان کا پتا چل جائے گا۔''

''ہوں۔ گویا میرا شبہ درست نکلا؟''

''نہ صرف درست نکلا' بلکہ آپ یقین فرمائیں مسز جمالی کہ آپ انتہائی تباہ کن حالات کا شکار ہونا جا رہی ہیں۔ اگر آپ بروقت اس سلسلے میں قدم نہ اٹھاتیں تو ایک دن آپ کو شدید صدمے سے دوچار ہونے پڑتا۔ جب مسٹر جمالی آپ کے سامنے کھل کر آ جاتے اس وقت بات بنائے نہ بنتی۔ مسز جمالی آپ ان بھیانک لمحات کا تصور نہیں کر سکتیں۔ اف ایک ایسی عورت کے لیے یہ بات کس قدر غمناک ہو گی جس نے اپنے شوہر کی زندگی کی تعمیر کے لیے شدید محنت کی' مدد کی اور وہ شوہر جو اس کی وجہ سے ایک مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوا اس کی عنایتوں اور نوازشوں کو بھول کر دوسری لڑکیوں کے چکر میں پڑ گیا۔ مسز جمالی انسانی ناطے سے بھی ہمیں آپ سے بیحد ہمدردی ہے۔ دولت تو آنی جانی چیز ہے۔ آپ ہمیں جو معاوضہ ادا کر رہی ہیں' آپ یقین فرمایئے

ہم اسے اپنے لیے جائز نہیں سمجھتے' کیونکہ یہ انسانی ہمدردی کا معاملہ ہے' لیکن بس مجبوریاں ہمارا کاروبار بھی نیا نیا ہے اس لیے آپ کو زحمت دیے بغیر چارہ کار بھی نہیں ہے' لیکن ہم وہ نہ ہونے دیں گے جو ہونے جا رہا ہے۔"

مسز جمالی کی آنکھیں ڈبڈبا آئی تھیں۔ اس نے اپنے پرس سے رومال نکالا اور آنسو خشک کرنے لگی۔

"نہیں مسز جمالی آپ روئیں گی نہیں' جب تک ہم دونوں زندہ ہیں آپ کو رونے نہیں دیں گے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں' آج شام تک اس لڑکی کا کھوج نکال لیا جائے گا۔ ویسے میرا خیال ہے آپ اپنے طور پر بھی اس کی تصدیق کریں۔ آج شام کو ساڑھے چار بجے آپ تشریف لا سکتی ہیں؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔"

"مگر آپ یہاں نہ آئیں' گاڑی تو ہوگی آپ کے پاس؟"

"جی ہاں موجود ہے۔"

"گاڑی جمالی صاحب کی نگاہ میں آ سکتی ہے۔" ظفری نے تشویشناک انداز میں گال کھجاتے ہوئے کہا۔

"بہرصورت آپ یوں کریں کہ اس بلڈنگ کے بالکل سامنے جو گلی ہے آپ اپنی گاڑی وہاں کھڑی کر دیں' اور جمالی صاحب کی کار جس وقت باہر نکلے آپ اچھی طرح اس کا جائزہ لیں۔ لیکن خدارا کوئی جذباتی قدم اٹھانے کی کوشش نہیں کریں۔ میرا خیال ہے یہ خاتون روزانہ شام کو جمالی صاحب کے ساتھ کہیں جاتی ہیں۔ آپ اپنی آنکھوں سے ان کا جائزہ لے سکتی ہیں۔"

"کس وقت؟" مسز جمالی نے غرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تقریباً ساڑھے چار بجے۔"

"ٹھیک ہے میں اس وقت یہاں آ جاؤں گی لیکن تم مجھے گلی کے اس حصے میں ملنا۔" مسز

جمالی نے ظفری سے کہا اور ظفری نے سینے پر ہاتھ رکھ کے گردن جھکا دی۔

"خادم حاضر ہے' جو بھی خدمت ہو سکے گی' انجام دوں گا۔"

"تم نے واقعی میرے لیے شدید محنت کی ہے۔ اب تم مجھے یہ اور بتا دو کہ تمھارا مکمل معاوضہ کیا ہوگا؟"

"مسز جمالی آپ ہمیں شرمندہ کر رہی ہیں۔ کاش مسائل اتنے زیادہ نہ ہوتے تو یہ کیس معاوضے پر کام کرنے کا نہیں تھا۔ بہرصورت رسمی گفتگو سے کیا فائدہ؟ میرا اپنا خیال ہے کہ کم از کم اس میں پچیس ہزار روپے خرچ ہو جائیں گے' اور ہمیں فوری طور پر کچھ رقم کی ضرورت ہے کیا آپ اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکیں گی؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں؟" میں تمھیں بیس ہزار کا چیک کاٹ دیے دیتی ہوں۔ معاوضہ مکمل لے لو لیکن جیسا کہ تم نے کہا ہے کہ تمھارے دل میں بھی انسانیت کا درد ہے' خدارا میری بھرپور مدد کرنا۔"

"آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ہماری زندگی میں جمالی صاحب اور وہ لڑکی اپنی ان مذموم کوششوں میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اگر ہم ناکام رہے تو آپ یقین فرمائیں ہم وہ کر بیٹھیں گے جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں۔" سعدی نے پرجوش لہجے میں کہا اور مسز جمالی کی آنکھیں پھر بھر آئیں۔

"آپ لوگوں کا سہارا تو میرے لیے بہت بڑا سہارا بن گیا ہے۔ میں بھی اس دنیا میں انسانوں کو ترسی ہوئی ہوں۔" اس کے ساتھ ہی انھوں نے پرس نکال لیا تھا اور پھر بیس ہزار کا چیک سعدی کے ہاتھ میں پہنچ گیا جسے قبول کرتے ہوئے سعدی کے ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ نئے کاروبار کی یہ پہلی آمدنی غیر متوقع تھی کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ بہرصورت جو کچھ ہو رہا تھا نہایت کامیابی سے ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد مسز جمالی رخصت ہو گئیں اور سعدی اور ظفری ایک دوسرے سے لپٹ گئے۔

"ارے بھائی' یہ تو۔ یہ تو۔"

"مگر یار کیا یہ پیسہ جائز ہے؟" ظفری نے پوچھا۔

"ظفری پٹڑی سے اتر رہے ہو۔" سعدی نے ظفری کو گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا ماضی بھولے جا رہے ہو' انسانیت' محبت' ہمدردی' شرافت' سوچ لو ظفری سوچ لو۔"

"سوری سعدی واقعی انسانی فطرت بہت عجیب ہے جب زمانہ ہمیں پیس رہا تھا تو ہم ہر شخص کی طرف ملتجیانہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ہمیں ہمدردوں کی تلاش تھی۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے ساری دنیا میں ایک بھی انسانیت کا ہمدرد نہ ہو۔ لیکن کیا کریں' شاید ہماری فطرت میں کوئی کچا پن ہے' جس کی وجہ سے ہم آج بھی انسانوں سے ہمدردی کرنے لگتے ہیں۔"

"سوری سعدی سوری۔" ظفری نے جواب دیا اور سعدی خلاء میں گھورنے لگا۔

شکیلہ کو آج کے پروگرام سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ اسی وقت دوبارہ جمالی صاحب کے پاس پہنچ گئی۔ جب جمالی صاحب کے اٹھنے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی تھی۔ جمالی صاحب اسے دیکھ کر کھل اٹھے تھے۔ شکیلہ نے بوجھل آنکھیں اٹھا کر انھیں دیکھا اور کہنے لگی۔

"جمالی صاحب بڑی الجھنوں کا شکار ہو کر رہ گئی ہوں۔ دل چاہتا ہے زیادہ تر وقت آپ ہی کے ساتھ گزاروں۔ ادھر سے گزری تو خود کو آپ کے پاس آنے سے باز نہ رکھ سکی۔ آپ یقیناً اب گھر جانے کی تیاریاں کر رہے ہوں گے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں شمسہ۔ بھلا آپ کی معیت سے بڑھ کر میرے لیے اور کیا اہم ہو سکتا ہے۔ آیئے چلتے ہیں۔ کہیں بیٹھ کر تھوڑا سا وقت گزاریں گے۔ اس کے بعد میں آپ کو آپ کی مطلوبہ جگہ چھوڑ دوں گا۔"

"چلیے۔" شکیلہ نے کہا اور دونوں نیچے اتر آئے۔ جمالی صاحب نے اپنی کار نکالی اور شکیلہ ان کے برابر بیٹھ گئی۔ یہ دونوں تیز رفتاری سے آگے بڑھ گئے تھے۔ لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھے کہ تھوڑے ہی فاصلے پر سامنے ایک گلی میں بیگم جمالی ظفری کے ساتھ موجود ہیں۔ بیگم جمالی

نے شکیلہ اور جمالی صاحب کو دیکھا اور ان کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو گئیں۔ انھوں نے کار اسٹارٹ کرنے کی کوشش کی لیکن ظفری نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"آپ وعدہ کر چکی ہیں کہ جذباتی نہیں ہوں گی۔" ظفری آہستہ سے بولا۔ اور مسز جمالی نے تھکے تھکے انداز میں سوئچ آف کر دیا۔

"میں۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔ میں بالکل برداشت نہیں کر سکتی۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"مسز جمالی' جب آپ نے ہم لوگوں کی خدمات حاصل کی ہیں تو آپ کو ہماری ہدایات پر عمل کرنا ہوگا۔ ورنہ ہمارے لیے بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ آپ کو وعدہ کرنا ہوگا مسز جمالی کہ صرف چند روز اور انتظار کریں گی۔ اس دوران آپ کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں ہونی چاہیے۔ مسٹر جمالی کو قطعاً یہ احساس نہ ہو کہ آپ ان حرکات سے واقف ہیں۔ ہم اس طرح سارا کھیل ختم کر دیں گے کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکیں گی۔"

"مجھے یقین نہیں آتا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ شخص اتنا بے وفا اتنا ناسپاس ہو سکتا ہے۔"

"مرد کی ذات ہم سے پوچھیے۔ ہم سے پوچھیے مسز جمالی کہ ہم لوگوں کے سوچنے کا انداز کیا ہوتا ہے۔ ہم عورت کو ایک کھلونے سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے۔ بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا کہ آپ انتظار فرمائیں۔ آپ توقع رکھیں ہم ضرور آپ کے مسئلے کو حل کر دیں گے۔" ظفری نے بمشکل تمام مسز جمالی کو ٹھنڈا کیا اور ان سے یہ وعدہ لے لیا کہ وہ کسی طور مسٹر جمالی پر اپنے غصے کا اظہار نہیں ہونے دے گی۔

لیکن اس رات تینوں جب سر جوڑ کر بیٹھے تو ظفری نے صورت حال بتاتے ہوئے کہا۔

"حالات بہت تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ میرے خیال میں انھیں جلد از جلد کنٹرول کر لینا چاہیے۔ مسز جمالی بے حد جذباتی ہو رہی ہیں اس جذباتیت میں وہ کوئی ایسا خوفناک قدم نہ اٹھا لیں جس سے ہماری پول بھی کھل جائے۔"

میرے خیال میں اب اس ڈرامے کا ڈراپ سین جلد از جلد ہو جانا چاہیے۔"

"ہوں۔" شکیلہ پرخیال انداز میں بولی۔ "ٹھیک ہے ظفری میں تم سے متفق ہوں۔ میں بھی یہ نہیں چاہتی کہ کسی بھری پڑی سڑک پر مسز جمالی اپنی کار مسٹر جمالی کی کار سے دے مارے اور میرا سر بھی پھٹ جائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں کوئی موثر کارروائی ہو جانی چاہیے۔" تینوں غور وخوض کرتے رہے اور بالآخر ایک موثر فیصلے پر پہنچ گئے۔

"تو آؤ کہ راز پنہائی افشائے عقیدت کرتی ہوں۔
دامان زبان خاموشی لبریز شکایت کرتی ہوں۔
تنگ آئے ہجوم درماں سے اظہار جرأت کرتی ہوں۔
میں تم سے محبت کرتی ہوں میں تم سے محبت کرتی ہوں۔

جان سے پیارے جمالی:

بالآخر میں اس اعتراف سے خود کو باز نہ رکھ سکی کہ میں تمھاری محبت سے سرشار ہوں۔ تم نے جو پیش کش کی ہے مجھے منظور ہے بس جب میں نے اعتراف شکست کر لیا تو اب یہ تم پر منحصر ہے کہ جب چاہو مجھے اپنے قدموں میں جگہ دے دو۔!

تمھاری شمسہ

خوشبو میں بسا ہوا یہ خط جمالی کی جیب سے نکلا تھا۔ مسز جمالی ان دنوں باقاعدہ مسٹر جمالی کے کوٹ کی جیبوں کی تلاشی لیتی تھیں۔ اس خط نے انھیں شدید ذہنی ہیجان میں مبتلا کر دیا تھا۔ شدت غم سے ان کا دل ودماغ بے قابو ہونے لگا تھا۔ لیکن اپنے ہمدردوں کی ہدایات انھیں یاد تھیں۔ بے چین ہو کر نکل کھڑی ہوئیں اور سعدی اور ظفری کے دفتر میں آ کر دم لیا۔

شکیلہ ان دنوں بھول کر بھی دفتر کا رخ نہیں کرتی تھی۔ کیونکہ اس طرح معاملات بگڑ جانے کا خدشہ بھی ہو سکتا تھا۔ حضرت مضطرب نے اضطراب کے عالم میں مسز جمالی کو آتے دیکھا اور فوراً اندر اطلاع پہنچا دی۔

سعدی اپنے کیبن میں بیٹھ کر زور زور سے بڑبڑانے لگا۔ ظفری گردن جھکا کر بیٹھ گیا اس طرح انھوں نے مسز جمالی کا استقبال کیا تھا۔ جونہی مسز جمالی اندر داخل ہوئیں۔ ظفری نے ایک دم ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ مسز جمالی اپنی ہی الجھن میں تھیں۔ پہلے تو توجہ نہ دے سکیں لیکن پھر جب سعدی کے کیبن سے عجیب وغریب بڑبڑاہٹ کی آوازیں سنیں تو ان کے کان بھی اس طرف متوجہ ہو گئے۔

"ناممکن۔۔۔ ناممکن۔۔۔ یہ نہیں ہوگا۔ ہاں بیشک یہ عمل قابل نفرت ہے لیکن وہی ہونا ہے جو ہونا چاہیے' ہوگا۔ ہوگا۔ وہی ہوگا۔ باطل کے تمام پردے چاک ہو جائیں گے۔ حق بلند ہوگا حق۔ حق حق۔"

مسز جمالی متحیرانہ انداز میں ظفری کو دیکھنے لگیں۔ پھر بولیں "یہ سعدی صاحب کو کیا ہو گیا؟" انھوں نے سرگوشی کے سے انداز میں پوچھا اور ظفری ایک ٹھنڈی سانس لے کر انھیں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے مسز جمالی کو دروازے کے قریب چلنے کا اشارہ کیا اور نزدیکی صوفے پر آ بیٹھا۔

"تشریف رکھیے مسز جمالی' آج آپ کے سلسلے میں آخری قدم اٹھا لیا گیا ہے۔"

"مگر یہ سعدی صاحب کو کیا ہو گیا؟"

"عمل کر رہے ہیں۔ آخری عمل۔ ابتداء ہم نے سائنٹیفک انداز میں کی تھی کام نہیں بنا تو ہم نے روحانی عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور سعدی صاحب اس سلسلے میں آخری عمل کر رہے ہیں۔ پیر ومرشد کو شاید کچھ الہام ہوا تھا' کوئی ایسی بات جس نے انھیں بے چین کر دیا تھا کہ وہ لڑکی اب خطرناک حدود میں داخل ہو گئی ہے۔ شاید وہ مسٹر جمالی سے آخری معاملات طے کر لینا چاہتی ہے۔ اس لیے اب یہ وقت نہیں ہے کہ اسے سمجھایا جائے یا اس کے خلاف کوئی ایسی کارروائی کی جائے جس سے آپ کا سہاگ محفوظ رہ سکے۔ اس کے بارے میں مزید معلومات جو حاصل ہوئیں ہیں وہ یہ ہیں کہ وہ ایک بہت بڑے پولیس افسر کی لاڈلی اکلوتی بیٹی ہے اور اس کے باپ نے اسے

اجازت دے رکھی ہے کہ وہ جسے اپنا ساتھی بنانا چاہے بنا لے۔ چنانچہ پیرو مرشد پروفیسر ڈی ڈی ٹی صاحب نے اس سلسلے میں روحانیت کا سہارا لیا ہے اور یقیناً اس کا کوئی اچھا نتیجہ نکلے گا۔''

''خدا کی پناہ' میں تو آپ لوگوں پر حیران ہوں۔ اتنی کم عمری میں آپ لوگوں نے کیا کیا کمالات حاصل کر لیے ہیں۔ پروفیسر کا خیال درست ہے۔ یہ دیکھو یہ خط جمالی صاحب کی جیب سے نکلا ہے۔''

''خط۔'' ظفری اچھل پڑا اور اس نے جلدی سے مسز جمالی کے ہاتھ سے وہ خط کھینچ لیا جو شکیلہ نے نہایت چالاکی سے لکھ کر جمالی صاحب کی جیب میں سرکا دیا تھا اور بیچارے جمالی صاحب کو اس کے بارے میں علم نہیں تھا اور یہ خط مسز جمالی کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ خط پڑھ کر ظفری نے ایک گہری سانس لی اور آنکھیں بند کر کے جھومنے لگا۔

''آپ نے دیکھا نا مسز جمالی' روحانیت ان کی جاگیر نہیں ہوتی جو لمبے لمبے چغے پہنے رہتے ہیں۔ داڑھیاں بڑھائے رکھتے ہیں اور دنیا کو دکھانے کے لیے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ سچے دل سے کوئی بھی عمل کیا جائے کارآمد ہوتا ہے۔ آپ مطمئن رہیں مسز جمالی اس عمل کا کوئی نہ کوئی نتیجہ نکلے گا' لیکن صبر' تحمل' ضبط' یہ تینوں چیزیں آپ کے لیے بہترین ہتھیار ثابت ہوں گی۔ آپ جائیں۔ ممکن ہے کوئی فیصلہ کن بات جلد از جلد ہو جائے۔''

''میں بہت پریشان ہوں۔'' مسز جمالی نے کہا۔

''مجھے اندازہ ہے' ہم لوگ آپ سے کچھ کم پریشان نہیں ہیں۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔'' ظفری نے کہا اور مسز جمالی گھر واپس آ گئیں حالانکہ بے چینی اور اضطراب انھیں سکون نہیں لینے دے رہا تھا۔ اس وقت شام کے تقریباً پانچ بج رہے تھے جب کسی نے ان کی کوٹھی میں داخل ہو کر ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ آنے والے کو دیکھ کر مسز جمالی ششدر رہ گئی تھیں۔ بھلا وہ اس خطرناک لڑکی کو کیوں نہ پہچانتیں جو ان کی زندگی میں طوفان لانے کا سبب بنی تھی۔ ہاں وہ شمسہ ہی تھی۔ مسز جمالی نے طنزیہ انداز میں اسے دیکھا۔ شمسہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا' اس کی آنکھوں

کی کیفیت بھرائی بھرائی سی تھی۔

''آپ مسز جمالی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''جی ہاں'' میں ہی ہوں جو آپ کی راہ کا کانٹا بنی ہوئی ہوں' تشریف لائیے۔'' مسز جمالی طنزیہ انداز میں بولی اور شمسہ آگے بڑھ آئی۔

''مسز جمالی براہ مہربانی مجھ پر طنز نہ کریں۔ پلیز میری بات سنیں' میں اپنے جرم کا اقرار کرنے آئی ہوں۔ اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے آئی ہوں۔ میں نے آپ کی پرسکون دنیا میں ہلچل مچانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے آپ کے سہاگ پر ڈاکا ڈالنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن اچانک آج نجانے کیا ہوا مجھے احساس ہوا کہ میں عورت ہوں اور ایک عورت کو دوسری عورت کا حق غصب نہیں کرنا چاہیے۔ بیشک مسز جمالی مجھے آپ کے درد کا بھرپور احساس ہو گیا۔ میں مسز جمالی آپ کا درد ختم کرنے آئی ہوں۔ میں شرمسار ہوں اور آپ کو بتانے آئی ہوں کہ تمہاری زندگی میں وہ نہیں ہو سکے گا جو مسٹر جمالی چاہتے ہیں۔ میں ان کی دنیا سے نکل جاؤں گی اور اب کبھی ان کے راستے میں نہیں آؤں گی' آپ کو مجھ پر بھروسہ کر لینا چاہیے۔''

مسز جمالی کا دل دھک سے ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر پروفیسر ڈی ڈی ٹی کا اسسٹنٹ انھیں صورتحال نہ بتا دیتا تو شاید اس لڑکی کی بات پر یقین نہ کرتیں' لیکن اب ان کے اندر تھرتھراہٹ پیدا ہو گئی تھی انھیں یقین آ گیا تھا کہ یہ اسی عمل کا نتیجہ ہے جو پروفیسر ڈی ڈی ٹی ہنگامی حالات میں کر رہے تھے۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ بولتیں' باہر سے مسٹر جمالی کی آواز سنائی دی۔ ان کے آنے کا وقت ہو چکا تھا۔

''ارے بھئی کہاں ہیں آپ بیگم؟'' یہ کہتے ہوئے وہ ڈرائنگ روم میں گھس آئے۔

لیکن شمسہ کو دیکھ کر ان کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ ان کے چہرے پر ایک دم خوف کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

''تت تت تم۔ یہ۔ یہ''

"ہاں ہاں فرمایئے کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ ان کے بارے میں؟" مسز جمالی نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"م م میرا مطلب ہے یہ خاتون۔۔ شم شم شمسہ۔" مسٹر جمالی بوکھلاہٹ میں بکواس کرنے لگے تھے۔ تب شمسہ اٹھی اور اس نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

"آپ کو شرم آنی چاہیے جمالی صاحب ایک اتنی حسین اور محبت کرنے والی خاتون کے شوہر ہونے کے باوجود آپ نے مجھے سبز باغ دکھائے۔ آپ نے مجھے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی۔ جمالی صاحب آپ انتہائی بیچ اور گھٹیا انسان ہیں۔ میں آپ جیسے لوگوں کی صورت پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔ میں مسز جمالی کو بتانے آئی تھی کہ مسٹر جمالی نے کس طرح مجھے دھوکا دینے کی کوشش کی تھی، لیکن خدا کا شکر ہے کہ مکار جمالی اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا۔ میں جا رہی ہوں جمالی صاحب، اور آئندہ اگر آپ کا سایہ بھی میرے قریب سے گزرا تو آپ کے حق میں بہت برا ہوگا، بہت ہی برا اتنا برا کہ آپ تصور نہیں کرسکتے۔"

شکیلہ نے زمین پر تھوک دیا اور جمالی صاحب اپنی جگہ ساکت کھڑے رہ گئے۔ شکیلہ غصیلے انداز میں باہر نکل گئی تھی۔

"آیئے تشریف رکھیے، جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا۔" مسز جمالی کی آواز ابھری اور جمالی صاحب کے چہرے پر شرمندگی کے آثار ابھر آئے۔

دوسرے دن تقریباً ساڑھے دس بجے مسز جمالی لدی پھندی سعدی اور ظفری کے دفتر میں داخل ہوئیں۔ مٹھائی کے دو بڑے بڑے ڈبے مضطرب صاحب کے ہاتھوں میں تھما دیے گئے تھے اور مسز جمالی پھولوں کے دو ہار لے کر اندر پہنچی تھیں۔ انھوں نے ایک ہار سعدی کو پہنایا اور دوسرا ہار ظفری کی گردن میں ڈال دیا پھر ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کل کی صورتحال کے بارے میں بتانے لگیں۔ "آپ کا عمل جادو کا عمل تھا۔ مسٹر ڈی ڈی ٹی۔ جمالی بہت شرمندہ ہیں اور آئندہ سے انھوں نے میرے ساتھ وفادار رہنے کا عزم کیا ہے۔ دیکھتی ہوں کب تک یہ سلسلہ چلتا ہے۔

میں تو آپ کی معتقد ہوگئی ہوں۔ میرے لائق کوئی بھی خدمت ہو آپ بلاتکلف فرمادیا کریں۔"

"بہت بہت شکریہ مسز جمالی۔ آپ کا کام ہوگیا ہمیں اس سے زیادہ مسرت کس بات کی ہوسکتی ہے۔ ہاں اگر کوئی اور ضرورتمند آپ کی نگاہ میں آئے تو اسے ہم تک ضرور پہنچادیں۔"

"یقیناً یقیناً آپ بالکل بےفکر رہیں۔" مسز جمالی نے کہا۔ اور ان سے اجازت لے کر چلی گئیں۔

ظفری اور سعدی ان کے جانے کے بعد قہقہے لگنے لگے تھے۔ تیسرے کیبن سے شکیلہ بھی نکل آئی اور غصیلے انداز میں انھیں دیکھنے لگی۔

"ہوں میرا ہار کہاں ہے پروفیسر ڈی ڈی ٹی صاحب؟"

"ہار۔ نہیں نہیں مس شکیلہ ہم آپ کی جیت پر خوشی منا رہے ہیں۔ ہار کا آپ کیا کریں گی اماں مضطرب صاحب یہ آپ مٹھائی کے ڈبے کیوں کھول رہے ہیں۔" سعدی نے آواز لگائی اور مضطرب صاحب نے جلدی سے مٹھائی کا ڈبہ بند کردیا۔

"لایئے لایئے ادھر لے آیئے اور ہاں چائے بھی۔" سعدی نے کہا۔ مضطرب صاحب نے بغیر منہ کھولے گردن ہلائی اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ "گویا وہ پہلے ہی ہاتھ صاف کر چکے ہیں۔" سعدی نے ڈبہ کھولتے ہوئے کہا اور تینوں ہنس پڑے۔

☆......☆......☆

مضطرب صاحب پر بہت برا وقت آپڑا تھا۔ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کی نوکری ویسے تو ہر لحاظ سے اچھی تھی مگر مطلق صاحب جان کو اٹک گئے تھے۔ مضطرب صاحب ٹھہرے پیدائشی شاعر اور پیدائش کے بعد ہی سے انہوں نے تمام شعراء کرام کو اپنے خاندان میں شامل رکھا تھا۔ جب آپس کا معاملہ ہے تو پھر کسی کی کوئی بھی چیز اپنی سمجھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ہر شاعر کا شعر ان کی ملکیت تھا۔ اور وہ کسی میں بھی اپنا تخلص شامل کرلیا کرتے تھے۔ بعد میں چند مشاعروں میں پڑھ کر جب انڈوں اور ٹماٹروں کا سامنا کرنا پڑا تو بحالت مجبوری ان بدذوقوں کے لئے کچھ اپنی طرف سے کاوشیں بھی شروع کردیں۔ الٹا سیدھا کہہ لیا کرتے تھے۔ لیکن اس پر بھی کہیں نہ کہیں سے کچھ اپنا لینے میں کچھ حرج نہیں تھا۔ مشاعروں میں تو خیر بہت کم ہی موقع ملتا تھا۔ عموماً ان مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے جن میں کوئی باقاعدہ شاعر نہیں ہوتا تھا۔ وہاں چل جاتی تھی لیکن جب سے مطلق صاحب کا ساتھ ہوا تھا بری طرح مارے گئے تھے۔ مطلق صاحب بیچارے کیونکہ خود بھی اسی میدان کے شہسوار تھے اس لیے دوسرے کو پکڑنا ان کے لیے زیادہ آسان ہوتا تھا۔ عام لوگوں کی نسبت ہر شعر ہر نظم ہر غزل مصیبت کا شکار رہتی تھی مطلق صاحب کی وجہ سے۔ مگر واسطہ ایسا ہوگیا تھا کہ اب مطلق صاحب واحد ہی تھے جو مضطرب صاحب کا کلام سن لیتے تھے۔ صرف اس لئے کہ بعد میں مضطرب صاحب مطلق صاحب کا کلام سنیں اور اس شعر و شاعری کا نتیجہ جھگڑے پر ہی نکلتا تھا۔ اور دونوں میں اچھا خاصہ اختلاف ہوجاتا تھا۔ لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ یہ اختلاف دیرپا نہیں

ہوتا تھا۔ ایک مصرعہ مضطرب صاحب کے ذہن میں آگیا تھا لیکن یہ مصرعہ ثانی تھا۔ اور مصرعہ اولیٰ ابھی تک غائب تھا۔ سعدی نے کسی کام سے بھیجا تھا۔ کام تو خیر انہوں نے کرلیا تھا لیکن بدنصیبی تھی کہ اسی وقت یہ مصرعہ ثانی رقص کرتا ہوا ان کے ذہن کے پنڈال میں آپہنچا تھا۔ اور وہ مصرعہ اولیٰ کے چکر میں پڑ گئے تھے۔ کام ختم کر کے واپس پلٹے بس اسٹاپ پر پہنچے جہاں انہیں بس میں سوار ہوکر ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پہنچنا تھا۔ لیکن بس اسٹاپ پیچھے رہ گیا اور وہ آگے نکلے چلے آئے۔ مصرعہ اولیٰ کے لئے ذہن میں بے شمار خاکے فٹ ہو رہے تھے۔ اور بے خیالی میں اس جہان فانی کو نظرانداز کر چکے تھے۔ جس میں انھیں فنا ہونے میں چند ہی گز کی کسر باقی رہ گئی ورنہ وہ اس کار سے یقیناً ٹکرا جاتے۔ اور اس بری طرح ٹکراتے کہ مصرعہ ثانی غریق رحمت ہوجاتا۔ کار والے نے پوری طرح بریک لگائے تھے۔ اور مضطرب صاحب اچھل کر ایک سمت ہوگئے تھے۔ وہ وحشت بھری نگاہوں سے کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے اس شخص کو دیکھ رہے تھے جو خونی نگاہوں سے خود انہیں دیکھ رہا تھا۔۔۔

"اچھی طرح جانتا ہوں۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"جی۔۔۔؟" مضطرب صاحب گھگیائے ہوئے انداز میں بولے۔

"خودکشی کرنا چاہتے تھے۔۔۔"

"جی ہاں۔۔۔ جی ہاں۔۔۔ بفضل تعالیٰ۔۔۔" مضطرب صاحب نے کہا۔

"تو اور کوئی گاڑی نہیں ملی تھی آپ کو۔۔۔"

"گاڑی۔۔۔ اوہو اوہو۔۔۔" مضطرب صاحب کو اچانک بس اسٹاپ یاد آگیا تھا۔ جسے وہ پیچھے چھوڑ آئے تھے۔

"کسی پاگل خانے سے بھاگے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔۔۔"

"بدزبانی نہ فرمایئے۔۔۔ جو کچھ ہوا ہے اس کے لئے معافی طلب کی جاسکتی

ہے۔۔۔۔۔۔"

"میں کہتا ہوں بیچ سڑک پر اونٹ کی طرح گردن اٹھائے کہاں جار ہے تھے۔۔۔۔"

"وہ کمبخت مصرعہ اولیٰ۔۔۔اولیٰ۔۔۔اولیٰ۔۔۔"

"خوب۔۔۔خوب۔۔۔۔خوب۔۔۔اچھی طرح جانتا ہوں۔" اس شخص نے پہلے جیسے انداز میں کہا۔

"حضور والی کیا جانتے ہیں۔۔۔۔"

"اب راستے سے ہٹو گے یا گاڑی چڑھا دوں۔ سڑک سنسان ہے کسی کو اندازہ بھی نہیں ہونے پائے گا۔۔۔۔"

"جناب عالی شرمندہ ہوں اور معذرت چاہتا ہوں۔۔۔۔"

"کہاں جارہے ہو۔۔۔۔؟"

"بس حضور ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ جارہا تھا۔ مصرعہ ثانی ذہن میں آچکا ہے مصرعہ اولیٰ نے ایسا پریشان کیا کہ دنیا سے بے خبر ہوگیا۔ اور اسی بے خبری کے عالم میں سڑک پر آنکلا۔ آپ کو زحمت ہوئی۔ واقعی میں اس کے لئے دلی شرمندگی محسوس کر رہا ہوں۔۔۔۔"

"گھوم کر آؤ۔۔۔۔" ڈرائیور نے کہا اور اپنے برابر کا دروازہ کھول دیا۔ غالباً مضطرب صاحب کے ٹھنڈے مزاج سے متاثر ہوگیا تھا مضطرب صاحب جھجکتے ہوئے اس کے برابر کار میں آ بیٹھے۔ اور ڈرائیونگ کرنے والے نے کار آگے بڑھا دی۔ انتہائی قیمتی اور شاندار سوٹ میں ملبوس تھا۔ تھری پیس سوٹ بہترین ٹائی بس شاندار شخصیت تھی اس کی۔ لیکن چہرے پر کچھ عجیب سے آثار نظر آتے تھے۔ جس کا کوئی صحیح تجزیہ مضطرب صاحب نہیں کر سکے۔ اس شخص نے کہا۔

"شاعری کرتے ہو۔۔۔؟"

"جی۔۔۔۔بس تک بندی کر لیتا ہوں۔۔۔۔"

"میں بھی شاعر ہوں۔۔۔۔۔" اس نے کہا اور مضطرب صاحب اچھل پڑے۔"

"جی۔۔۔۔" انہوں نے کہا لیکن ان سے زیادہ زور سے ڈرائیونگ کرنے والا اچھلا تھا۔ اور اس کے بعد اس کے حلق سے کئی آوازیں نکل گئی تھیں۔ اور پھر اس نے کار کو ایک بار پھر پورے پورے بریک لگائے اور مضطرب صاحب کا سر شیشے سے جا ٹکرایا۔ وہ وحشت زدہ انداز میں اس شخص کو دیکھنے لگے جو گاڑی کو نیوٹرل گیئر میں ڈال کر اپنی جگہ پھدک رہا تھا اور ادھر سے ادھر کروٹیں سی بدل رہا تھا۔

"کک۔۔۔۔کیا ہوا۔۔۔۔کک۔۔۔۔کیا ہوا۔۔۔۔؟" مضطرب صاحب نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"اولیٰ۔۔۔۔اولیٰ۔۔۔۔" وہ صاحب بدحواسی سے بولے اور پھر ایک دم کار میں کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ لیکن سر چھت سے ٹکرایا۔ اور وہ پھر بیٹھ گئے۔ ساتھ ساتھ ہی ایک اور کراہ ان کے منہ سے نکلی تھی۔ پھر انہوں نے اپنے نیچے ہاتھ ڈال کر ایک [illegible] نکال لیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگے۔ مضطرب صاحب حیرانی سے تکتے ہوئے۔ کار [illegible] تھے۔ اور ڈرائیونگ کرنے والے کی آنکھوں میں ایک بار پھر خون کی جھلکیاں نظر آنے لگی تھیں۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا۔۔۔۔"

"کک۔۔۔۔کیا ہوا۔۔۔۔مم۔۔۔۔میں سمجھا نہیں؟" مضطرب صاحب نے کہا۔

"ابے کیا سمجھاؤں عجب جاہل آدمی ہو۔ گاڑی کے سامنے اس طرح آئے کہ ستیاناس ہوگیا۔ پتہ نہیں سوٹ کہاں کہاں سے جلا ہوگا۔۔۔۔"

"مم۔۔۔۔مگر جناب یہ ہوا کیسے۔۔۔۔؟"

"اماں ہوتا کیسے اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔۔ جیسے ہی تم گاڑی کے سامنے آئے میں نے

پورا بریک لگایا۔ یاد ہی نہیں رہا تھا کہ سگار منہ میں لگا ہوا ہے۔ اچھل کر نیچے گر پڑا۔ اور پھر تمہاری بکواس میں اس کا دھیان ہی نہیں رہا کئی جگہ سے جل گیا ہوں۔۔۔"

"اوہ۔۔۔۔ میں از حد شرمندہ ہوں جناب۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا۔ اب اس کا کیا تدارک کر سکتا ہوں۔" مضطرب صاحب نے کہا اور وہ صاحب گہری گہری سانسیں لینے لگے۔ پھر بولے۔

"بری طرح جل گیا ہوں۔۔۔ بری طرح جل گیا ہوں۔۔۔۔۔"

"کسی ہسپتال کی طرف چلئے گا۔۔۔۔۔" مضطرب صاحب بولے۔

"بیکار ہے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ خواہ مخواہ مذاق اڑے گا۔" انہوں نے سگار دوبارہ منہ سے لگا لیا اس کے دو تین گہرے گہرے کش لئے اور پھر دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔

"نام کیا ہے آپ کا۔۔۔؟" انہوں نے پوچھا۔

"فدوی کو مضطرب کہتے ہیں۔۔۔"

"میرا نام رمضان علی رمز ہے۔۔۔"

"آہا ہا خدا۔۔۔ کتنا۔۔۔ کیا۔۔۔۔ کیا مصرعہ ہے۔ رمضان علی رمز حضور رمز۔۔۔۔۔؟"

"تخلص ہے میرا۔" ان صاحب نے کہا۔

"بھئی سبحان اللہ۔۔۔ اسے کہتے ہیں تقدیر کی رہنمائی۔ یوں ملتے ہیں دو بڑے شاعر آپس میں۔ رمضان صاحب آپ بھی شاعری کرتے ہیں۔۔۔"

"ایسی ویسی۔۔۔ میں نے دنیا کی کئی زبانوں میں نظمیں کہی ہیں۔۔۔"

"سبحان اللہ سبحان اللہ۔ تو حضور ہو جائے ایک نشست مضطرب صاحب بولے اور رمضان علی رمز نے گردن ہلا دی۔ اس کے بعد یہ پہلی نشست کسی عمدہ سے چائے خانے کے علاوہ

اور کہاں ہو سکتی تھی۔ جو پہلا ریسٹورنٹ رمضان علی رمز کو نظر آیا اسی کے سامنے گاڑی روک دی گئی۔ رمضان علی رمز صاحب کے منہ سے بار بار سی سی کی آوازیں نکل جاتی تھیں۔ لیکن اخلاقاً وہ ان جلتے ہوئے حصوں کی جانب ہاتھ نہیں لے جاتے تھے جہاں سوزش ہو رہی تھی۔ ریسٹورنٹ میں نشست جم گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے تعارف حاصل کیا۔ مضطرب صاحب بہت زیادہ مرعوب ہو رہے تھے۔ کہنے لگے۔

"حضور سے مل کر جس قدر مسرت ہو رہی ہے نا قابل بیان ہے۔ یہ میری خوش بختی ہے کہ ایک ایسے شاعر ہفت زبان سے ملاقات ہوئی جو اپنی مثال آپ ہے۔ حضور کا قیام کہاں رہا ہے۔۔۔؟"

"میں نے آدھی زندگی یورپ میں گزاری ہے۔ بڑے بڑے شعراء کرام کے ساتھ۔۔۔"

"اوہو۔۔۔ یعنی یعنی انگریزی میں بھی شعراء کرام ہوتے ہیں۔۔۔۔"

"ہاں پوئٹر۔۔۔ پوئٹر۔۔۔۔"

"آپ کسی بہت بڑے شاعر سے متاثر ہیں۔۔۔۔؟"

"کیوں نہیں۔ کئی ایسے شاعر ہیں جو میرے پسندیدہ ہیں۔ مثلاً سڈنی پوئٹر۔" رمضان علی رمز نے کہا۔ مضطرب صاحب کے فرشتوں نے بھی کبھی سڈنی پوئٹر کا نام نہیں سنا تھا۔ رمضان علی رمز کہنے لگے۔

"ویسے تو یل بریٹر بھی اچھا کہتا ہے مگر سڈنی پوئٹر کا کوئی جواب نہیں۔۔۔"

"بے شک بے شک۔۔۔ جسے آپ نے پسند فرمایا وہ بھلا کیا چیز ہوگا۔" چائے آگئی اور مضطرب صاحب بڑی نفاست سے رمضان علی رمز کے لئے اور اپنے لئے چائے بنانے لگے۔ انہوں نے پوچھا۔

''ویسے حضور کا موضوع کیا ہے۔۔۔؟''

''جی۔۔۔'' رمضان علی رمز نے مضطرب صاحب کو گھورا۔۔۔''

''میرا مطلب ہے شاعری میں کون سی صنف کے ماہر ہیں آپ۔۔۔؟''

''اوہو۔۔۔اچھا۔۔۔اچھا۔۔۔ہاں۔۔۔ہاں۔۔۔بالکل بالکل۔۔۔۔ اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔'' رمضان علی رمز نے کہا۔ مضطرب صاحب کچھ نہ سمجھے تھے بلکہ سوالیہ نگاہوں سے رمز صاحب کو دیکھ رہے تھے۔ رمز صاحب نے کہا۔

''ویسے مجھے کلاسیکل شاعری پسند ہے۔''

''جی۔۔۔یقیناً یقیناً۔۔۔کلاسیکل شاعری کا تو کوئی جواب ہی نہیں ہوتا۔ مگر یہ بڑے شاعروں کا کام ہے۔ ویسے حضور نے اردو میں بھی شاعری کی ہوگی۔۔۔؟''

''کیوں نہیں کیوں نہیں۔۔۔مگر ایسی شاعری جو شاید آپ لوگوں کے لئے الجھی ہوئی ہو۔۔۔''

''مثلاً کوئی ایک آدھ شعر مرحمت ہو جائے۔۔۔'' مضطرب صاحب نے عقیدت مندانہ نگاہوں سے رمز صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا اور وہ کوئی شعر موزوں کرنے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔

''اس کا شیوہ نہ تھا چناخ چھنن''

''ہم ہی کر بیٹھے تھے پٹاخ چھنن''

رمضان علی رمز نے کہا اور مضطرب صاحب میز سے کھڑے ہو گئے۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سینہ پیٹتے ہوئے واہ واہ کر رہے تھے۔ اور قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے لوگ گھبرائی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ رمضان علی رمز صاحب بھی اس کیفیت پر بوکھلا گئے کھڑے ہوئے اور پھر سی کی آواز منہ سے نکال کر اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ مضطرب صاحب بدستور سینہ کوبی کر

رہے تھے اور چناخ چھنن پٹاخ چھنن کی گرداں کئے جا رہے تھے۔

''اچھی طرح سمجھتا ہوں'' رمضان علی رمز صاحب نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا اور بمشکل تمام اضطراب صاحب کو نیچے بٹھایا۔ مضطرب صاحب بدستور اس شعر کی تعریف کر رہے تھے۔ اور اب رمضان علی رمز صاحب کو احساس ہوا تھا کہ درحقیقت یہ وحشیانہ انداز میں داد دی جا رہی ہے۔ وہ انکساری سے گردن جھکا کر مسکرانے لگے۔ پھر بولے۔

''میرا اسٹائل یہی ہے مسٹر مضطرب۔۔۔''

''بھئی سبحان اللہ کیا چناخ چھنن پٹاخ چھنن ہے۔ بڑی معنویت ہے۔ ان دونوں جملوں میں۔ جو صرف صاحب علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔۔۔''

''یقیناً یقیناً۔۔۔ویسے آپ کا اپنا انداز کیا ہے۔۔۔؟''

''یہی تو بدقسمتی ہے۔ کہ ذہن و دل دونوں مل کر رہ گئے ہیں۔ کیا حادثہ ہوا تھا سڑک پر۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میں آیا ہی اس لئے تھا کہ آپ سے ملاقات ہو جائے۔ بلکہ اس دنیا میں آمد کی وجہ بھی شاید یہی تھی۔'' مضطرب صاحب نے کہا۔

''آپ بہت شاندار آدمی ہیں مضطرب مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔ ویسے کلاسیکل شاعری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔۔۔؟''

''لاجواب۔۔۔بہترین۔۔۔کوئی جواب نہیں اس کا۔۔۔۔۔''

''تو پھر آپ بھی کچھ عنایت فرما دیں۔۔۔'' رمضان علی رمز صاحب نے کہا اور مضطرب صاحب مدہم انداز میں مسکرانے لگے۔ اس سے اچھا موقع اور بھلا کہاں مل سکتا تھا۔ یہ ولایت پلٹ بھلا دیسی شاعروں کے بارے میں کیا جانتا ہوگا۔ جس کا شعر دل چاہے اپنا ڈالو اور سنا ڈالو۔ اس کا تعلق تو سڈنی پوئٹر اور ویل بریز سے ہے۔ بھلا یہ مقامی شاعروں کے بارے میں اتنی تفصیلات کہاں سے جانتا ہوگا۔ کوئی کلاسیکل شعر ہی سنانا چاہئے مضطرب صاحب نے سوچا اور پھر

بولے۔

"سنئے گا۔" رمضان علی رمز متوجہ ہو گئے تو مضطرب صاحب نے کہا۔

"یہ گلی کوئی لائے گن تو میں گاؤں گن تیرے گھنگرو۔"

"یہ گلی لگن کوئی لائے گن تو میں گاؤں گن تیرے گھنگرو۔"

"کبھی باجے چھن کبھی باجے چھن کبھی باجے چھن تیرے گھنگرو۔"

رمضان علی رمز صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ مضطرب صاحب نے پھر شعر پڑھا۔

"کئی گزارے سن تیرے کم تھا سن کے لئے تھے سن تیرے گھنگرو۔"

"کبھی باجے چھن کبھی باجے چھن کبھی باجے چھن تیرے گھنگرو۔"

رمضان علی رمز سے بھی برداشت نہ ہو سکا۔ اپنی جگہ سے اٹھے اور مضطرب صاحب کو گریبان سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ دونوں دیر تک چمٹے کھڑے رہے تھے۔ اور قرب وجوار میں بیٹھے ہوئے لوگ آہستہ آہستہ اپنی کرسیاں چھوڑنے لگے تھے۔ پہلے انہوں نے سمجھا کہ شاید ریسٹورنٹ میں ایک پاگل گھس آیا ہے۔ لیکن اب یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ دونوں ہی ہیں۔ اور اس کے بعد یہ کیا ہنگامہ کریں گے اس کا اندازہ بھی کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ بہت سے لوگ خاموشی سے ہوٹل سے باہر نکل گئے تھے۔ رمضان علی رمز صاحب نے کہا۔

"صاحب آپ تو صاحب کمال ہیں۔ کمال کر دیا واہ۔۔۔۔ واہ۔۔۔۔ واہ۔۔۔۔ واہ" بہت دیر تک ان لوگوں کی نشست رہی رمضان علی رمز صاحب مضطرب صاحب کے بہترین دوست بن چکے تھے۔ پھر بھلا یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ وہ مضطرب صاحب کو ان کے مطلوبہ ٹھکانے پر چھوڑنے نہ آتے۔ راستے میں مضطرب صاحب نے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے بارے میں تھوڑی سی تفصیلات بتائی تھیں۔ اور رمضان علی رمز صاحب اس بات پر مصر ہو گئے تھے کہ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ

کے ارکان سے ملاقات کریں۔ تھوڑی دیر کے بعد مضطرب صاحب رمضان علی رمز کے ساتھ ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پہنچ گئے۔ سعدی، ظفری اور شکیلہ بیٹھے ہوئے کسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ مضطرب صاحب نے باآواز بلند سلام کیا اور سب چونک کر رمضان علی رمز کی جانب متوجہ ہو گئے۔ جن کے چہرے پر مسرت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔

"لیڈیز اینڈ جینٹل مین میں اپنا تعارف آپ سے کرا دوں۔ میرا نام رمضان علی رمز ہے۔ شعر وشاعری سے دلچسپی رکھتا ہوں اور مسٹر مضطرب کا گہرا دوست ہوں آپ لوگوں کا تذکرہ سن کر دل آپ سے ملنے کے لئے بھی چاہا اور ادھر چلا آیا۔ اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آپ کا ادارہ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ ہے۔ جو معلومات مجھے مضطرب صاحب سے ملی ہیں ان کے تحت میں یہ بات آسانی سے کہہ سکتا ہوں۔۔۔۔"

"تشریف رکھیے جناب۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" سعدی نے ظفری کو آنکھ مارتے ہوئے کہا۔ شکیلہ بھی دلچسپ نگاہوں سے اس پاسنگ شو کو دیکھ رہی تھی۔ جو نجانے کہاں سے مضطرب صاحب پکڑ لائے تھے۔ رمضان علی رمز بے تکلفی سے ان لوگوں سے گفتگو کرنے لگے۔

"پرائیویٹ جاسوسی کے بارے میں مجھ سے زیادہ معلومات شاید آپ لوگوں کو بھی حاصل نہ ہوں۔ میں نے عمر کا بہت بڑا حصہ لندن میں گزارا ہے۔ ہوٹلنگ کا کاروبار تھا میرا۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ کے بے شمار جاسوسوں سے میری گہری دوستی تھی۔ اور ان میں بہت سے ایسے جاسوس تھے جن سے میرا براہ راست واسطہ رہ چکا ہے۔۔۔۔"

"یقیناً یقیناً۔۔۔۔ مثلاً رمز صاحب۔" ظفری نے پوچھا۔

"اوہو۔۔۔۔ اوہو۔۔۔۔ آپ کو جمی کارٹر کے بارے میں ضرور معلوم ہوگا۔۔۔۔"

"جمی کارٹر۔" سعدی نے حیرانی سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

"میرا خیال ہے رمضان علی رمز صاحب شاید نک کارٹر کے بارے میں کہنا چاہتے

ہیں۔"

"یقیناً یقیناً میں اسے پیار سے جمی کارٹر ہی کہا کرتا تھا۔۔۔"

"سب کے سامنے تو نہیں کہتے تھے آپ؟" ظفری نے رازداری سے پوچھا۔

"نہیں عموماً میں اسے اکیلے میں جمی کارٹر کہا کرتا تھا۔"

"خدا کا شکر ہے ورنہ ہم آپ سے محروم ہو جاتے۔" ظفری نے گہری سانس لے کر کہا۔ رمضان علی رمز صاحب پتہ نہیں ظفری کی بات سمجھے تھے یا نہیں۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے پوچھا۔

"تو یہاں آپ کا پرائیویٹ جاسوسی کا کاروبار کیسا چل رہا ہے۔۔۔؟"

"بس خدا کا شکر ہے، بہت کم جرائم ہوتے ہیں ہمارے ملک میں یورپ کی نسبت۔۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔ وہاں تو لوگ تفریحاً ایک دوسرے کو قتل کر دیا کرتے تھے بلکہ بعض اوقات وہاں قتل قتل کھیلا جاتا تھا۔ ہم نے بھی کئی قتل کیے ہیں۔" رمضان علی رمز صاحب نے کہا اور سب چونک پڑے۔

"آپ قاتل ہیں۔۔۔؟"

"ایسے ویسے چٹکیاں بجاتے قتل کر دیا کرتے تھے اور پھر پولیس کو چیلنج کر دیا جاتا تھا دراصل ان پرائیویٹ جاسوسوں سے ہماری دوستی اسی بنیاد پر ہوئی تھی کہ وہ ہم سے پوچھتے تھے کہ ہم نے قتل کیسے کیا اور ہم انہیں ایسے باریک نکتے کو سمجھاتے تھے کہ وہ سر پیٹتے رہ جاتے تھے۔" کافی دیر تک رمضان علی رمز صاحب وہاں بیٹھے اپنی قتل و غارت گری کی داستانیں سناتے رہے۔ اور اس کے بعد ظفری نے مضطرب صاحب کو اشارہ کیا کہ انہیں وہاں سے لے ہی جائیں ورنہ اچھا نہیں ہوگا لیکن مضطرب صاحب اپنے اس گہرے دوست کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ایک دوسرے کے پتے لئے گئے۔ کسی موقع پر کام آنے کا وعدہ کیا گیا۔ اور اس کے بعد رمضان علی رمز صاحب ڈی

ڈی ٹی لمیٹڈ سے باہر نکل آئے۔

رات کے سناٹے میں ایک دلدوز چیخ ابھری۔ اور شازیہ رمضان علی کی آنکھ کھل گئی۔ نیند غنودگی کی کیفیت میں تھی کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ چیخ کی آواز کیسی تھی۔ وہ دوسری آواز کا انتظار کرتی رہی۔ لیکن پھر آواز سنائی نہیں دی تھی۔ چنانچہ وہ دوسری بار سو گئی لیکن صبح ہنگامہ خیز تھی۔ ملازمہ نے زور زور سے دروازہ پیٹا۔ تو رمضان علی رمز اور شازیہ کی آنکھ کھل گئی۔ دروازہ کھولا گیا تو ملازمہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ بتایا۔

"گل خان کو قتل کر دیا گیا ہے بیگم صاحب۔۔۔"

"کیا" شازیہ رمضان علی کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ گل خان ان کا چوکیدار تھا اور بہت اچھا آدمی تھا۔ رمضان علی رمز صاحب ملازمہ کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ شازیہ ملازم کے ساتھ باہر نکل آئی۔ اور رمضان علی رمز صاحب غسل خانے میں گھس گئے۔ شازیہ نے گل خان کی لاش دیکھی اس کے جسم پر چھریوں کے آٹھ نشانات تھے۔ اور پورا جسم خون سے لہو زار بنا ہوا تھا۔ شازیہ کو چکر آ گئے۔ بمشکل تمام اپنے آپ کو سنبھالا۔ ملازموں سے کہا کہ پولیس کو ٹیلیفون کریں اور بھاگ دوڑ ہونے لگی۔ رمضان علی رمز صاحب نے شیو بنایا بڑے اہتمام سے صبح کا لباس تبدیل کیا اور ناشتے کے کمرے میں آ گئے۔ شازیہ اپنے کمرے ہی میں تھی۔ ملازموں سے انہوں نے کہا کہ ناشتے وغیرہ کا بندوبست ابھی تک کیوں نہیں ہوا۔ صورتحال چونکہ ان کے علم میں بھی آ چکی تھی۔ لیکن ان کی لاپرواہی قابل دید تھی۔ بالآخر شازیہ وہاں پہنچ گئی۔

"آپ کو ناشتے کی سوجھی ہے یہاں جان پر بنی ہوئی ہے بیچارہ گل خان۔ آٹھ وار کئے گئے ہیں اس پر چھریوں کے۔ آپ اسے دیکھنے تک نہیں گئے۔"

"بیگم یورپ میں ہم نے جو کچھ دیکھا ہے۔ اس کے بعد ایسی کوئی چیز ہمارے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔"

"پھر وہ پاگل پن کی باتیں۔ مصیبت بن جائے گی۔ یورپ میں اور یہاں میں بہت فرق ہے۔" رمضان علی رمز پراسرار انداز میں مسکرانے لگے تھے۔ پولیس فوراً ہی پہنچی تھی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد پولیس انسپکٹر ناشتے کے کمرے میں آگیا اور [illegible] رمضان علی رمز اور شازیہ رمضان علی رمز سے تعارف حاصل کیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"لاش تحویل میں لے لی گئی ہے۔ بڑی بیدردی سے آپ کے چوکیدار کو قتل کیا گیا ہے۔ آپ لوگوں کا اس سلسلے میں بیان لینا ہے۔"

"آپ ناشتہ کر چکے ہیں انسپکٹر؟" رمضان علی رمز نے پوچھا۔ اور انسپکٹر چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔ بغور دیکھتا رہا پھر بولا۔

"جی ہاں شکریہ۔"

"تشریف رکھیے ایک پیالی چائے ہو جائے ہمارے ساتھ۔۔۔۔"

"آپ بہت مطمئن ہیں جناب۔ آپ کا چوکیدار قتل کر دیا گیا ہے اور آپ کے چہرے پر شکن تک نہیں ہے۔ بلکہ شاید آپ نے باقاعدہ شیو بھی بنایا ہے۔"

"ولایت میں یہ ساری چیزیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں آپ کو بڑے دلچسپ حالات کا سامنا کرنا ہوگا انسپکٹر۔ قاتل آپ کے سامنے ہے۔ لیکن آپ کو ثبوت حاصل کرنے کے لئے دانتوں پسینے آجائیں گے۔" رمضان علی رمز نے کہا اور شازیہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ انسپکٹر نے چونک کر پوچھا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"ایک پیالی چائے پئیں ہمارے ساتھ۔ بہت کچھ سمجھا دیں گے آپ کو۔۔۔۔"

"جی نہیں میں ڈیوٹی پر ہوں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"جو کہنا تھا وہ کہہ دیا۔ قاتل آپ کے سامنے ہے۔ آپ ثبوت مہیا کیجئے۔"

"کون ہے اس کا قاتل؟" انسپکٹر نے پوچھا۔ اور رمضان علی رمز صاحب نے سینے پر ہاتھ رکھ کر گردن جھکا دی۔

"خادم نے یہ قتل کیا ہے۔ اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ ہمارے خلاف ثبوت حاصل کریں۔" رمضان علی رمز صاحب نے کہا اور انسپکٹر انہیں گھورتا رہا۔ پھر خاموشی سے باہر نکل گیا شازیہ نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں کہتی ہوں تمہارا دماغ بالکل ہی خراب ہو چکا ہے۔ موت کو گلے لگانے کی فکر میں ہو۔ یہ کیا بکواس کر رہے تھے تم۔" رمضان علی رمز صاحب ہنس پڑے اور بولے۔

"بس ایسے ہی دلچسپ کھیل کھیلنا ہمارا دلچسپ مشغلہ ہے بیگم۔ اب یہ انسپکٹر ہمارے خلاف ثبوت حاصل کرے گا اور ناکام ہو کر استعفیٰ دے دے گا۔" رمضان علی رمز صاحب نے کہا۔

لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ انسپکٹر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ واپس آیا۔ اور اس نے رمضان علی رمز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دو۔ اور باہر لے جا کر گاڑی میں بٹھا دو۔" پولیس کانسٹیبلوں نے اپنے آفیسر کے حکم پر عمل کیا اور رمضان علی رمز صاحب جھلا کر بولے۔

"کک۔۔۔۔ کیا مطلب ہے یہ؟ کیا بدتمیزی ہے یہ؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ کیا بدتمیزی ہے؟ کیا کر رہے ہیں آپ لوگ؟" لیکن انسپکٹر ہدایت دے کر باہر نکل گیا تھا۔ اسے لاش کے بارے میں تفتیش مکمل کرنا تھی۔ چنانچہ پولیس کانسٹیبل رمضان علی رمز صاحب کو کھینچتے ہوئے باہر لائے اور انہیں پولیس کی گاڑی میں بٹھا دیا گیا۔ شازیہ رمضان علی سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اس کے۔ انسپکٹر تفتیش کرتا رہا پھر لاش اٹھوا دی گئی۔ اور رمضان علی رمز صاحب کو پولیس اسٹیشن لے جایا گیا۔ گھر میں تمام ملازم سہمے ہوئے تھے۔ شازیہ رمضان علی رمز خود یہاں کے معمولات سے ناواقف تھی۔ زندگی میں ایسے حالات کبھی پیش نہیں آئے تھے۔ ساٹھ سال

یورپ میں رہ کر واپس آئی تھی اور اس دوران یہاں کے تمام معاملات سے بے خبر ہوگئی تھی۔ باپ کا بھی انتقال ہو چکا تھا اور کوئی رشتہ دار بھی موجود نہیں تھا۔ بس ایک عجیب سی زندگی گزر رہی تھی۔ لیکن رمضان علی رمز کی حرکتوں سے وہ یورپ میں بھی نالاں رہی تھی۔ اور یہاں آکر بھی رمضان علی رمز اس کے لئے مصیبت ہی بنے رہے تھے۔ پورا دن گزر گیا رمضان علی رمز کا کوئی پتہ نہیں چلا تھا۔ شازیہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ شام کے تقریباً پانچ بجے تھے کہ کوئی صاحب بنگلے پر پہنچے اور انہوں نے رمضان علی رمز کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ شازیہ کو اطلاع ملی تو اس نے آنے والے کو اندر بلوایا۔ آنے والے صاحب بہت ہی نازک قسم کے آدمی تھے۔ انہوں نے شازیہ رمضان علی کو فرشی سلام کئے تو شازیہ رمضان علی نے پوچھا۔

"جی فرمایئے آپ کو رمضان صاحب سے کیا کام ہے۔۔۔؟"

"محترمہ عالیہ وہ میرے دوست ہیں۔ ہمارے درمیان شاعری کا رشتہ ہے۔ خوب کہتے ہیں چھنن چناخ پٹاخ چھنن۔۔۔واہ۔۔۔۔۔واہ۔۔۔۔واہ۔۔۔۔واہ۔۔۔۔" شازیہ نے نفرت بھرے انداز میں آنے والے صاحب کو دیکھا اور بولیں۔

"جی ہاں اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ان کے گہرے دوست ہوں گے۔ کیا نام ہے آپ کا۔۔۔؟"

"عاصی کو مضطرب کہتے ہیں۔" آنے والے صاحب نے ایک بار پھر جھک کر کہا۔

"وہ مصیبت کا شکار ہو گئے ہیں اپنی حماقتوں کی وجہ سے براہ کرم آپ ہی ہماری کچھ مدد کیجئے آپ رمضان سے دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں۔"

"جی کیا ہوا میرے دوست کو۔۔۔؟" مضطرب صاحب نے چونک کر پوچھا۔

"ایک قتل کے جرم میں انہوں نے اپنے آپ کو گرفتار کرالیا ہے۔" شازیہ رمضان علی نے کہا اور مضطرب صاحب دھم سے صوفے پر بیٹھ گئے۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے شازیہ کو دیکھ

رہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"بخدا کچھ نہیں سمجھے ہم۔۔۔۔؟"

"ہماری کوٹھی میں ہمارے چوکیدار کو قتل کر دیا گیا اور رمضان علی صاحب نے اس قتل کی ذمہ داری اپنے شانوں پر قبول کر لی۔ پولیس انہیں تھانے لے گئی ہے۔ کوئی پتہ نہیں چل سکا اس کے بعد سے اب تک۔۔۔۔"

"اوہو۔۔۔۔اوہو۔۔۔۔۔تت۔۔۔۔تو۔۔۔تت۔۔۔۔تو انہوں نے قتل کر دیا۔ کیا قتل کرنے سے پہلے انہوں نے چٹکیاں بجائی تھیں۔" مضطرب صاحب نے پوچھا۔

"جی۔۔۔؟" شازیہ رمضان علی آنکھیں پھاڑ کر بولیں۔

"نن نہیں میرا مطلب ہے۔ میرا مطلب ہے۔ اوہو پھر۔ پھر آپ کیا کریں گی۔۔۔"

"دیکھئے ہم بڑے عذاب کا شکار ہو گئے ہیں۔ کوئی ایسا شناسا کوئی ایسا ہمدرد نہیں ہے ہمارا جو ہمارے لئے کچھ کر سکے۔ آپ اگر واقعی ان کے دوست ہیں تو ان کی مدد کیجئے۔ وہ نیم دیوانے آدمی ہیں بس خواہ مخواہ ڈینگیں ہانکنے کے شوقین۔ پولیس انسپکٹر سے بھی انہوں نے کہہ دیا کہ انہوں نے چوکیدار کو قتل کیا ہے اور اب جس مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں اس سے نکلنا مشکل ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں میں کیا کروں۔" مضطرب صاحب کے ذہن میں فوراً ہی کاروبار آگیا تھا۔ کہنے لگے۔

"میرے خیال میں آپ فوراً ہی ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ سے رابطہ قائم کیجئے۔۔۔۔"

"جی۔۔۔۔؟" شازیہ نے پوچھا۔

"جی ہاں یہ پرائیویٹ جاسوسی کا ادارہ ہے۔ بڑے بڑے کارنامے سرانجام دے چکا ہے۔ صحیح معنوں میں چٹکیاں بجاتے حقیقت حال کا انکشاف یہ ادارہ کرتا ہے۔ آپ اگر مناسب سمجھیں تو اس سے رجوع کریں۔"

"تو پر آپ ہی اس سلسلے میں میری مدد کیجئے گا۔۔۔۔"

"اس وقت تو دفتر بند ہو چکا ہوگا۔ کل صبح ساڑھے دس بجے اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کو ان لوگوں کے پاس لے چلوں یا آپ خود تشریف لے آیئے۔"

"نہیں میں تو کچھ بھی نہیں جانتی۔۔۔۔اب آپ ہی میری مدد کیجئے گا۔۔۔"

"تو پھر ٹھیک ہے کل دس بجے میں حاضر ہو جاؤں گا اور ساڑھے دس بجے آپ کو ان لوگوں سے ملا دوں گا۔ آپ گفتگو کر لیجیے۔ معقول معاوضے پر وہ سارے کام سرانجام دیتے ہیں۔"

"پیسوں کیا آپ بالکل فکر نہ کریں۔ کیا نام بتایا تھا آپ نے اپنا۔۔۔۔؟"

"عاصی کو مضطرب کہتے ہیں۔" مضطرب صاحب نے اسی انداز میں لہک کر کہا اور شازیہ دانت پیسنے لگی پھر بولی۔

"تو پھر کل دس بجے تشریف لے آیئے آپ۔ میں ان کے لئے بے حد پریشان ہوں۔ نجانے اب کیا بنے گا ان کا؟" یہ بات تو مضطرب صاحب کو معلوم نہیں تھی کہ رمضان علی رمز صاحب کا اب کیا بنے گا؟ پتہ نہیں یہ قتل انہوں نے کیا بھی ہے کہ نہیں؟ ویسے جو گفتگو انہوں نے کی تھی اس سے یہ انداز ہوتا تھا کہ ہوسکتا ہے تقریباً انہوں نے یہ قتل بھی کر ڈالا ہو۔ دوسرے دن دفتر ہی میں سعدی ظفری اور شکیلہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور انہوں نے ساری صورتحال ان لوگوں کو بتائی تھی۔ سب کے سب آنکھیں پھاڑ کر رہ گئے تھے۔

"کیا واقعی آپ سچ کہہ رہے ہیں مضطرب صاحب۔۔۔۔؟"

"جی حضور والا اور اب میں ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کے لئے کیس لینے جا رہا ہوں۔ براہ کرم تنخواہ کے علاوہ کمیشن کا بھی خیال رکھیئے گا۔۔۔"

"جایئے جایئے ذرا بلا کر تو لایئے ان محترمہ کو۔ ویسے یار ظفری تم اگر مناسب سمجھو تو ذرا پولیس اسٹیشن جا کر رمضان علی رمز کا جائزہ تو لے لو کون سا علاقہ بتایا آپ نے مضطرب

صاحب۔۔۔؟" اور مضطرب صاحب سعدی کو علاقے کی تفصیلات بتانے لگے۔ سعدی نے کہا۔

"تب پھر انسپکٹر۔۔۔۔۔ کے پاس چلے جاؤ۔ یقینی طور پر یہ کیس اسی کے پاس ہوگا۔" سعدی نے ظفری سے کہا اور ظفری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"یار کیس تو آ جانے دو۔ اس کے بعد جا کر دیکھ لیں گے۔ رمضان علی رمز کے ساتھ جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا ہوگا۔" سعدی بے اختیار ہنس پڑا تھا۔ شکیلہ بھی مسکرانے لگی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"تمہارے خیال میں کیا قتل واقعی اس نے کیا ہوگا؟"

"اللہ بہتر جانتا ہے۔" ظفری نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور پھر مضطرب صاحب کو دیکھ کر بولا۔

"وقت ہو رہا ہے مضطرب صاحب۔ آپ تشریف لے جایئے۔"

"بسم اللہ۔ کسی نیک کام کے لئے جاتے ہوئے خدا کا نام ضرور لینا چاہیے۔ میرا مطلب ہے کہ رزق آ رہا ہے تو اس کا شکر ادا کرنا ہی مناسب ہوتا ہے۔"

"جائیں۔" ظفری نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔ اور مضطرب صاحب باہر نکل گئے۔

رمضان علی رمز کو پولیس اسٹیشن پر اتار لیا گیا۔ اور ایک کمرے میں لے جا کر بٹھا دیا گیا۔ ان کے ہونٹوں پر ایک دلکش مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور وہ صورتحال کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ انسپکٹر راستے ہی میں کہیں چلا گیا تھا۔ ظاہر ہے اس قتل کے سلسلے میں اسے ایس پی صاحب کو تفصیلی رپورٹ پیش کرنا تھی۔ چنانچہ تقریباً تین گھنٹے رمضان علی رمز صاحب کو اسی طرح گزارنے پڑے۔ پہلے تو نان تمام معمولات سے دلچسپی لیتے رہے اس کے بعد بے چینی کا احساس ہوا اور پھر انہوں نے ایک آدمی سے پوچھا۔

"سنیئے مسٹر ادھر آیئے۔" ان کے انداز میں حکم سا تھا۔ کانسٹیبل ان کے قریب پہنچ گیا۔

"یہ کوئی طریقہ کار ہے آپ لوگوں کا۔ آپ نے یورپ کے پولیس اسٹیشن نہیں دیکھے۔"

"نہیں صاحب ہم کبھی یورپ نہیں گئے۔"

"ایک چکر لگائیے وہاں کا۔ تربیت تو ہونی چاہیے ہر محکمہ کی۔ نجانے آپ لوگ کیسے ہیں۔ یورپ میں پولیس اسٹیشن بھی انتہائی اعلیٰ معیار کے ہوتے ہیں۔ آپ نے مجھے اس طرح بٹھا رکھا ہے۔ کتنی دیر ہوگئی ہے مجھے یہاں بیٹھے ہوئے۔"

"بات کیا ہے صاحب۔۔۔۔؟ منہ سے۔"

"بھئی اب میں گھر جانا چاہتا ہوں۔۔۔۔"

"یہاں کیا سیر کرنے آئے تھے؟" کانسٹیبل نے سوال کیا۔

"ایک طریقہ کار ہوتا ہے جرم کی تفتیش ہوتی ہے۔ وہ آپ کے افسر اعلیٰ کہاں ہیں۔"

انسپکٹر بھی اتفاق سے اسی وقت وہاں پہنچا تھا کافی تھکن ہوگئی تھی اسے جھلایا ہوا بھی سا تھا۔ رمضان علی رمز کے سامنے پہنچا اور بولا۔

"جی اب آپ اپنا بیان دے دیجئے۔"

"میاں کیا بیان دیں۔ تین گھنٹے سے اسی جگہ بٹھا کر رکھا ہے ہمیں۔ یہ بدتمیزی نہیں ہے کیا؟ آپ لوگوں کو غالباً صحیح تربیت نہیں ملی۔"

"جی ہاں یہی بات ہے۔ اب آپ اپنی سنائیے کیوں قتل کر دیا اس بیچارے چوکیدار کو۔۔۔"

"آپ ہی کو بتانا ضروری ہے یہ۔۔۔۔"

"ہاں بتانا تو ہمیں ہی ہوگا۔ برادرم اور اب بتا ڈالو تو زیادہ اچھا ہے۔ کیا فائدہ ڈرائنگ روم دکھا دیا جائے آپ کو۔۔۔۔"

"کیا مطلب۔۔۔۔" رمضان علی رمز بولے۔

"قتل کیوں کیا ہے تم نے؟ کیا دشمنی تھی تمہاری اس چوکیدار سے۔۔۔۔؟"

"اگر یہ سب ہم نے تمہیں بتا دیا تم کس بات کی تنخواہ لو گے انسپکٹر۔ یہ تشویش کرنا تمہارا کام ہے۔"

"بات تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو دوست۔ چلو ٹھیک ہے کالے خان اے کالے خان۔"

انسپکٹر نے باہر رخ کر کے کسی کو آواز دی۔ اور ایک لمبا چوڑا کانسٹیبل اندر آ گیا۔

"یہ حضرت قاتل ہیں اپنے چوکیدار کو ہلاک کر دیا ہے انہوں نے۔ اور کہتے ہیں کہ تفتیش ہمیں کرنی ہے۔ چنانچہ لے جاؤ انہیں ذرا سولہ نمبر کا چھتر گھما دو اور ان سے معلوم کرو کہ انہوں نے یہ قتل کیوں کیا ہے۔۔۔۔؟"

"جی صاحب۔" کانسٹیبل نے اٹینشن ہو کر کہا اور اس کے بعد رمضان علی رمز کو لے کر اس کمرے سے باہر نکل آیا۔ رمضان علی نے راستے میں کہا۔

"میاں یہ ہاتھ تو کھول دو۔ اور ہاں تفتیش ذرا کس طرح کرو گے۔ یہ چھتر کیا چیز ہے۔۔۔؟"

"بڑی عمدہ چیز ہے۔ اچھے اچھوں کی زبان کھلوا دیتا ہے سولہ نمبر کا ہے خاص طریقے سے بنوایا گیا ہے۔"

"گڈ ویری گڈ۔ ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہاں پولیس کا طریقہ کار کیا ہے؟ یورپ میں تو بہت ہی انوکھے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں۔" پھر جب سولہ نمبر کا چھتر کالے خان کے ہاتھ میں آیا اور کالے خان رمضان علی کے سامنے پہنچا تو وہ حیرانی سے بولے۔

"یہ۔۔۔۔ یہ۔۔۔۔ اس کا کیا مطلب ہوا؟ اور مطلب ان کی سمجھ میں آ گیا۔ رمضان علی رمز صاحب دھاڑ سے نیچے گرے تھے اور اس کے بعد انہوں نے نجانے کیا کیا بکنا شروع کر دیا۔ کالے خان نے صحیح طریقے سے انہیں مقامی پولیس اسٹیشنوں سے روشناس کرا دیا تھا اور رمضان علی رمز کے حواس خراب ہوتے جا رہے تھے۔ کالے خان نے ان کی ٹھیک ٹھاک ٹھکائی کی اور اس کے بعد بولا۔

"ہاں رمضان علی خان صاحب اب ذرا بتا دیجیے چوکیدار سے کیا دشمنی تھی آپ کی؟"

"نہایت نامعقول اور بد اخلاق لوگ ہیں آپ۔ یورپ میں پولیس مجرموں کے ساتھ بڑا شریفانہ طریقہ اختیار کرتی ہے۔۔۔"

"وہ یورپ کی پولیس ہے۔ یہاں کی بات کریں اور بار بار یورپ کا حوالہ نہ دیں ورنہ آپ کو یہیں کھڑے کھڑے یورپ پہنچا دیں گے۔"

"بھلا وہ کس طرح؟" رمضان علی نے پوچھا۔ اور کالے خان انہیں بتانے لگا کہ اس کمرے میں یورپ کی سیر کیسے کرائی جاتی ہے۔ رمضان علی رمز کے حواس اب خراب ہوتے جا رہے تھے۔ وہ بار بار احتجاج کرتے تھے۔ لیکن یہاں صورتحال واقعی بالکل مختلف تھی۔ تب انہوں نے کہا۔

"میاں ہمارا دماغ خراب ہے کہ قتل کریں گے اور پھر اعتراف بھی کر لیں گے۔ ہم تو۔۔۔ ہم تو دراصل یہاں کی ہر شے سے روشناس ہونا چاہتے تھے سو ہم نے سوچا کہ ذرا پولیس اسٹیشن بھی دیکھ لیا جائے۔ آپ یقین کیجیے بھلا ہمارا اس قتل سے کیا واسطہ؟" لیکن یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ رمضان علی رمز نے انسپکٹر صاحب کے سامنے اقبال جرم کیا تھا۔ اور اب انہیں وہی بیان یہاں بھی دینا تھا۔ چنانچہ وقفے وقفے سے انہیں یورپ کی سیر کرائی جانے لگی۔ اور وہ بری طرح نڈھال ہو گئے۔ لیکن یہ سب کچھ انہوں نے خود ہی خود پر مسلط کیا تھا۔ اب بھلا اس سے چھٹکارا اتنی آسانی سے تو نہیں مل سکتا تھا۔

مضطرب صاحب شازیہ کو ساتھ لئے ہوئے ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ پہنچ گئے۔ سعدی ظفری اور شکیلہ نے ان دونوں کا استقبال کیا تھا۔ شازیہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ رسمی گفتگو کے بعد اس نے اپنا مدعا ظاہر کر دیا۔

"میرے شوہر بس خبطی قسم کے آدمی ہیں۔ انہیں ڈینگیں مارنے کا شوق ہے۔ ہر شعبے

سے اپنے آپ کو متعلق ظاہر کر دیتے ہیں۔ شعر و شاعری کا شعبہ ہو تو وہ خود کو بہت بڑا شاعر ثابت کرتے ہیں۔ حالانکہ میٹرک فیل ہیں۔ لیکن اپنے آپ کو سات زبانوں کا ماہر کہتے ہیں ایک بھی زبان صحیح طریقے سے نہیں آتی۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ۔۔۔ کہ۔۔۔" شازیہ خاموش ہو گئی۔

"لیکن آپ لوگوں کا تعلق کہاں سے ہے۔۔۔؟"

"کافی عرصے پہلے میری شادی ہوئی تھی اور میں رمضان علی رمز کے ساتھ لندن چلی گئی تھی۔ وہاں ہم لوگوں نے طویل عرصہ گزارا۔ میرے والد نے کافی جائیداد میرے نام چھوڑی تھی۔ پھر ہم لندن سے یہاں واپس آ گئے اور یہیں رہنے لگے۔ ابھی ہم نے کسی قسم کے کاروبار کا آغاز نہیں کیا تھا۔ بس جائیداد کی آمدنی آ جاتی ہے۔ اور اچھی خاصی گزر بسر ہو جاتی ہے۔ ویسے بھی میں رمضان علی پر بھروسہ نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ فضول قسم کے آدمی ہیں۔ یہ سارا مسئلہ بھی انہوں نے بس ڈینگیں ہانکنے کے لئے اپنے سر لے لیا ہے۔ خدا کے لئے آپ ان کی زندگی بچا لیجیے۔ کہیں قتل کے الزام میں پھانسی پر ہی نہ لٹک جائیں۔ بہت ہی احمق قسم کے آدمی ہیں۔ میں۔۔۔ میں آپ کا بے حد شکریہ ادا کروں گی اگر آپ اس سلسلے میں میری مدد کریں تو۔۔۔"

"محترمہ ہماری فیس پچیس ہزار روپے ہوتی ہے۔ اگر آپ یہ رقم ادا کر سکتی ہیں تو ہمیں خوشی ہو گی۔ کام باقاعدہ ہو جائے گا۔ لیکن اس کے باوجود اگر آپ مالی مشکلات کا شکار ہوں تو آپ کو مجبور نہیں کریں گے۔"

"نہیں نہیں یہ پچیس ہزار میں اپنے ساتھ لائی ہوں۔ لیکن آپ فوری طور پر کچھ کیجیے۔ بات کہیں آگے نہ بڑھ جائے۔" پچیس ہزار روپے کے نوٹ ظفری کے حوالے کر دیئے گئے اور تینوں شازیہ کے سامنے بچھنے لگے۔ بھلا اب کیا مجال تھی کہ اس کیس میں کسی قسم کی ٹال مٹول کی جاتی۔ فوراً ہی تیاریاں کی گئیں۔ پولیس اسٹیشن کے بارے میں معلومات حاصل ہو گئی تھیں۔ انسپکٹر جاوید وہاں کا انچارج تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے شازیہ بیگم کو ساتھ لے کر پولیس اسٹیشن ہی کا رخ

کیا گیا۔ مضطرب صاحب دوستی بھی نبھا رہے تھے کیشن مل جانے کی امید بھی تھی۔ چنانچہ وہ سب سے پیش پیش تھے۔ پولیس اسٹیشن پہنچنے کے بعد باقی لوگوں کو تو باہر ہی بٹھا دیا گیا سعدی اور ظفری انسپکٹر جاوید سے ملے انسپکٹر جاوید ان کا شناسا تھا۔ بہت عرصے سے ان لوگوں کا پولیس افسران سے واسطہ رہتا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا۔

"کہیے حضرات ڈی ڈی ٹی لمیٹڈ کیسا چل رہا ہے۔۔۔؟"

"یار بس تم لوگوں کی دعائیں چاہئیں اور تعاون بھی۔۔۔"

"ہم نے تو کبھی انکار نہیں کیا۔ کوئی خاص بات ہے۔۔۔؟"

"ہاں۔ رمضان علی رمز۔" ظفری نے جواب دیا اور انسپکٹر ہنس پڑا۔

"جانتے ہو اسے۔۔۔؟"

"اچھی طرح۔۔۔"

"تو پھر یہ کیا چیز ہے یار۔۔۔؟ اپنی سمجھ میں نہیں آیا۔۔۔"

"ایک احمق اور خبطی سا آدمی جسے ڈینگیں مارنے کا شوق ہے۔۔۔"

"لیکن اس کی کوٹھی میں قتل ہوا ہے اور اس نے چھوٹتے ہی اپنے قاتل ہونے کا اعتراف کیا ہے۔۔۔"

"تم خود سوچو انسپکٹر جاوید کوئی قاتل اس طرح آسانی سے ایک اعتراف کر لیتا ہے۔۔۔؟"

"ہاں بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن تفتیش تو کرنی ہی ہے کام چل رہا ہے۔۔۔"

"بس اسی سلسلے میں تھوڑی سی تفصیلات مجھے چاہیئے تھیں۔ ویسے وہ خود اب کیا کہتا ہے۔۔۔؟"

"اب تو ٹھیک ہو گیا ہے۔ ابتداء میں اس نے سب کو یورپ دکھایا تھا۔ بعد میں ہم نے

اسے ڈرائنگ روم دکھا دیا۔" انسپکٹر جاوید نے کہا اور ہنس پڑا۔

"ارے باپ رے مار لگائی ہے۔۔۔؟"

"ایسی ویسی۔۔۔ دیکھ لو ذرا۔۔۔"

"نہیں یار براہ کرم اب اسے ہاتھ نہ لگانا۔ بیوقوف آدمی ہے تمہیں خود بھی اندازہ ہوگا اس نے یہ اعتراف کر کے اپنے آپ کو کسی مصیبت میں ڈال لیا ہے۔ ویسے گل خان چوکیدار کے قتل کے بارے میں کچھ اور تفصیلات معلوم ہو سکیں۔۔۔؟"

"ہاں تھوڑی بہت۔۔۔ ایس آئی ایک ڈیرے پر گیا ہے۔ کچھ معلومات حاصل کرنے کے لئے اس کی رپورٹ کا انتظار ہے۔ گل خان کے کچھ شناسا ایک ڈیرے پر رہا کرتے ہیں۔ ٹرک اڈہ ہے۔ جہاں اس کے کچھ جاننے والے رہتے ہیں۔ ایس آئی کی رپورٹ ملی تو تمہیں اطلاع دوں گا۔ لیکن فی الحال یار اسے چھوڑنے کے لئے مت کہنا۔ میں نے ایس پی صاحب کو بھی اس کے بارے میں رپورٹ دے دی ہے۔"

"ملا دو ذرا۔۔۔"

"مل لو۔ لاک اپ میں ہے۔" انسپکٹر جاوید نے کہا۔ شازیہ کو بھی ساتھ لے لیا گیا تھا۔ تمام ہی لوگ تھے۔ شازیہ نے رمضان علی رمز کو دیکھ کر ایک دلدوز چیخ ماری۔ رمضان علی رمز کا چہرہ مختلف زاویوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور اس وقت وہ درحقیقت بڑے اسرار و رموز کا شکار نظر آ رہے تھے۔ مضطرب صاحب کو دیکھ کر انہوں نے دکھ بھرے انداز میں کہا۔

"مسٹر مضطرب عجیب ہے یہ آپ کا دیس بھی۔ اس کے لئے کوئی شعر یاد نہیں آ رہا اور یہ پولیس ہے۔ یہ تو قصائیوں کا اڈہ ہے۔ میاں ہمیں یہاں سے نکال لے چلیے۔ ایک تازہ غزل سنائیں گے آپ کو۔۔۔"

"آپ فکر نہ کریں رمضان علی رمز صاحب ہم سب کوشش کر رہے ہیں۔ ویسے آپ

نے اس قتل کا اعتراف کیوں کرلیا؟'' رمضان علی رمز صاحب نے مسکرانے کی کوشش کی لیکن ہونٹ سوجے ہوئے تھے۔ اس لئے عجیب عجیب شکلیں بننے لگیں بولے۔

''بس ایک تجربہ تھا۔ لیکن بہتر نہ ثابت ہوا۔ خیر دیکھیں گے وقت کیا کہتا ہے؟'' ان لوگوں کو تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے ہٹا دیا گیا۔ شازیہ کی آنکھوں میں مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے کہا۔

''تقدیر میں یہ سب کچھ بھی لکھا تھا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔۔۔''

''آپ مطمئن رہیں شازیہ بیگم اب یہ ذمہ داری ہماری ہے اور یہ وعدہ بھی کیا جاتا ہے آپ سے کہ رمضان علی رمز صاحب کو مزید کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔''

''ہائے کمبختوں نے مار مار کر ان کا تو ڈیزائن ہی بدل دیا ہے۔'' شازیہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

''اب انہیں کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا۔ لیکن گل خان کے بارے میں تھوڑی سی تفصیلات آپ سے بھی درکار ہیں۔'' وہ سب رمضان علی رمز کی کوٹھی پر پہنچ گئے اور پھر گل خان کے بارے میں شازیہ بیگم سے تفصیلات معلوم کی جانے لگیں۔ سعدی اور ظفری اب اپنے کام کے لئے سنجیدہ ہوگئے تھے۔ گل خان کے کمرے کی تلاشی نہیں لی جاسکی تھی کیونکہ پولیس نے اسے سیل کردیا لیکن شازیہ بیگم سے جو تھوڑی بہت تفصیلات معلوم ہوئی تھی انہیں پر کام کرنے کے لئے سعدی اور ظفری نکل کھڑے ہوئے۔ مضطرب صاحب بھی ان کے ساتھ تھے۔ جبکہ شکیلہ کو شازیہ بیگم کے پاس چھوڑ دیا گیا تھا۔

رمضان علی رمز کو جس حال میں دیکھا گیا تھا اس سے شازیہ بیگم بڑی بے چین ہوگئی تھیں۔ ان کے گالوں پر بار بار آنسو لڑھک آتے تھے۔ پیشانی پر ہاتھ مار مار کر آہیں بھر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں۔

''ہائے ابا تم مر گئے میرے لئے مصیبتیں ہی مصیبتیں چھوڑ گئے۔ اب دیکھو کتنے واپس آتے ہیں کہاں کہاں ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہے ارے کچھ تو دیکھ لیتے ابا یوں میری تقدیر تو نہ پھوڑتے۔''

''بیگم صاحبہ مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ آخر رمضان علی رمز صاحب نے اس قتل کی ذمہ داری کیوں قبول کرلی؟'' شکیلہ نے پوچھا۔

''ان کی بات نہ کرو بہن' صدر امریکہ قتل ہوئے تھے تو ہر ایک سے یہی کہتے پھر رہے تھے کہ یہ قتل انہوں نے کیا ہے۔''

''آخر کیوں۔۔۔؟''

''ارے اب کیا بتاؤں؟ تم اس ادارے میں کیا کرتی ہو۔۔۔؟''

''لیڈی ایڈوائزر ہوں۔''

''کیا واقعی آپ لوگ رمضان علی رمز کو بچالیں گے۔۔۔؟''

''اگر وہ گل خان کے قاتل نہیں ہیں تو آپ اطمینان رکھیں ہم لوگ انہیں بچالیں گے۔''

''رمضان علی کسی کو قتل کریں گے؟ شیو کرتے وقت گال پر چرکہ لگ جائے تو بے ہوش ہوجاتے ہیں۔''

''مگر انہوں نے اس قتل کا اعتراف کیوں کیا۔۔۔؟''

''دیوانے ہیں جھوٹ بولنے کا شوق پاگل پن کی حد تک ہے۔ آہ ان کے جھوٹ نے تو مجھے برباد کیا۔''

''میں بھی نہیں بیگم صاحبہ۔۔۔؟''

''کیا بتاؤں تمہیں بہن۔۔۔۔ کیا نام ہے تمہارا۔۔۔؟''

"شکیلہ۔۔۔۔"

"ہاں شکیلہ بہن غلطی ابا کی بھی ہے۔ خود تو قبر میں جا کر سکون سے مر گئے اور مجھے۔۔۔"

"ہوا کیا تھا۔۔۔؟"

"اماں مرحومہ دولت کی چمک میں بینائی کھو بیٹھی تھیں۔ خود ایک غریب گھرانے کی خاتون تھیں ابا کھاتے پیتے تھے شادی ہوئی تو اماں کی آنکھیں پھٹ گئیں دولت دیکھ کر دیوانی ہو گئیں اوقات سے بڑھ کر حرکتیں کرتی رہیں سارے غریب رشتہ داروں کو بھول گئیں کسی کو خاطر میں ہی نہیں لاتی تھیں۔ میں اکلوتی تھی ساری دنیا کے چونچلے کر ڈالے میرے لئے۔ جوان ہوئی تو رشتے آنے لگے انسانوں ہی کے رشتے تھے ایک سے ایک پڑھا لکھا عالی نسب مگر اماں کسی شہزادے کی تلاش میں تھیں رشتے آتے رہے اور وہ انہیں ٹھکراتی رہیں لوگ کہنے لگے عارفہ بیگم پاگل ہو گئی ہیں۔ یہ پاگل پن بڑھتا رہا۔ رشتے آنا بند ہو گئے۔ کہیں ذکر بھی ہوتا تو لوگ کہتے کہ اس گھر میں رشتہ لے جانا ذلیل ہونا ہے۔ مگر اماں کو ہوش نہ آیا۔ بیمار ہوئیں۔ مر گئیں۔ میری عمر بڑھتی گئی۔ لوگ مجھ سے میرے بچوں کے بارے میں پوچھنے لگے یہاں شادی ہی نہیں ہوئی تھی۔ ابا اشتہار بازی پر اتر آئے اب صورت حال کی نزاکت کا احساس ہوا تھا۔ جہیز بھی بہت کچھ دینے پر راضی تھے۔ شازیہ بیگم نے گہری سانس لی اور خاموش ہو گئیں۔

"پھر کیا ہوا۔۔۔؟"

"رشتہ آ گیا۔۔۔"

"کس کا۔۔۔؟"

"رمضان علی رمزکا۔۔۔"

"اشتہار کے جواب میں۔۔۔"

"ہاں۔ بتایا گیا کہ لڑکا لندن میں رہتا ہے۔ کاروبار کرتا ہے اپنا ہوٹل کھول رکھا ہے۔"

"پھر کیا ہوا۔۔۔؟"

"شادی ہو گئی اور رمضان علی لاکھوں روپے نقد کا جہیز لے کر مجھے لندن لے گئے۔ کچھ دن ہوٹل میں رکھا ہنی مون مناتے رہے پھر اوقات کھلی۔"

"وہ کیا۔۔۔؟"

"لندن میں ہوٹل تھا مگر مکان نہیں تھا۔ تین دوستوں کے ساتھ ایک گندے سے کمرے میں رہتے تھے۔ بعد میں مجھے بھی وہیں لے گئے ایک آدمی کم کر دیا گیا اور مجھے اس کی جگہ دے دی گئی۔ کیا بتاؤں بہن کیا زندگی گزاری دو سال تک۔ اسی جہنم میں گزارا کیا' کیا زندگی تھی وہاں کی بھی' ابا کو خط میں کبھی نہ لکھا کہ کیسے گزر بسر ہو رہی ہے' ہمیشہ رمضان علی سے تقاضا کرتی رہی کہ کوئی ڈھنگ کا فلیٹ خرید لو یا اپنے ہوٹل ہی میں لے چلو' مگر کبھی ہوٹل نہ لے گئے' کچھ شک ہوا وہ بھی پورے دو سال کے بعد' ایک دن رمضان علی کا پیچھا کرتی ہوئی ان کے ہوٹل پہنچی' اے بہن کیا بتاؤں دیکھ کر دل کی کیا حالت ہوئی' سڑک کے کنارے چھتری لگی ہوئی تھی' جس کے نیچے تین ڈبے سجے ہوئے تھے' وہاں کی زبان میں یہ بب کہلاتے ہیں' رمضان علی ایک بب کے مالک تھے' اپنے اعلیٰ پائے کے فائیو اسٹار میں پہنچے کپڑے اتار کر ایپرن باندھا' برتن صاف کرنے لگے' چائے بنائی' چیزیں سنبھال کر رکھنے لگے اور پھر کھڑے ہوئے اس چھتری کے نیچے' گاہکوں کے انتظار میں' یہ تھا ان کا ہوٹلنگ کا کاروبار' وہاں اس شان سے پہنچے تھے جیسے لندن کے شہزادے ہوں' شاہی خاندان سے براہ راست رابطہ ہو' یہ ہوتا ہے بہن چمک دمک دیکھنے کا نتیجہ' دل خون ہو کر رہ گیا' باپ بوڑھے تھے' کیا خبر دیتی انہیں' کچھ پیسے منگوائے یہ کہہ کر کہ رمضان علی کو کاروبار میں گھاٹا ہوا ہے' کچھ رقم لگانی ہے ابا نے فوراً بھیج دیئے اور ان پیسوں سے ایک ایسی رہنے کی جگہ خرید لی جہاں سر چھپایا جا سکے' یہاں اللہ کا دیا سب کچھ موجود تھا اور وہاں جانوروں کی سی زندگی گزار رہی تھی' لیکن

گزارا کیا' ابا میاں نے کئی بار لندن آنے کی کہی مگر میں نے انہیں ہمیشہ منع کر دیا اور کہا کہ میں خود آ رہی ہوں اسی طرح ٹالتی رہی' بھرم رکھنا چاہتی تھی ان رمضان علی کا' زمانے بھر کے جھوٹے' دنیا بھر سے تعلقات تھے ان کے' کبھی کسی لارڈ کے ہاں دعوت میں جا رہے ہیں تو کبھی کسی اعلیٰ سرکاری عہدے دار کے ہاں تقریب میں اور جب بھی پیچھا کیا چند لفنگے دوستوں کے ساتھ کبھی ساحل پر بیٹھے ہوئے پایا اور کبھی کسی چھوٹے سے بار روم میں شراب پیتے ہوئے' یہ ہیں رمضان علی خان ڈوبنگئے اور یہ ہے انکی دلیری' بس بہن گزارا کیا' مشرقی لڑکی ہر حال میں جیتی ہے اور پھر میرا تو خانہ خراب میرے والدین نے کیا تھا' اپنی غلط سوچوں کی بنیاد پر' پھر بھی باپ کو دکھ دینا مناسب نہ سمجھا' یہاں تک کہ بیچارے مر گئے اور اس کے بعد میری قوت برداشت بھی جواب دے گئی۔ میں نے کہا دیکھو رمضان علی' وطن واپس چلو ورنہ پھر میرا تمہارا ساتھ چھوٹ جائے گا' نجانے کیا کیا جتن کئے اور یہاں لے آئی' یہ مکان خریدا' کاروبار ہے' جائیداد ہے' اللہ کا دیا سب کچھ چھوڑ گئے ہیں میرے ابا مگر ساتھ میں رمضان علی رمز کو بھی چھوڑ گئے ہیں' جن کی باتیں مجھے ہی برداشت کرنا پڑتی ہیں' نجانے کس کس سے کیا کیا کہہ دیا کرتے ہیں۔ اے ہر فن مولا ہیں۔ شعر و شاعری کی بات کرو تو بہت بڑے شاعر' پتہ نہیں کہاں کہاں سے اوٹ پٹانگ شعر اٹھا لاتے ہیں' سائنس کی بات کرو تو ان سے بڑا سائنسدان اس روئے زمین پر اور کوئی نہیں ہے' نجانے کیا کیا ایجادات کر ڈالی ہیں' پہلے خلائی اسٹیشن کا مشورہ انہوں نے ہی حکومت امریکہ کو دیا تھا اور وہ لوگ ان کا آئیڈیا لے دوڑے' کبھی طب کی بات کرو تو ان سے بڑا ڈاکٹر نہیں' نجانے کیا کیا الا بلا خرید لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر مرض کی دوا ان کے پاس ہے مگر اپنے مرض کی کوئی دوا انہیں نہ ملی۔" شکیلہ کے پیٹ میں قہقہے مچل رہے تھے مگر بات اتنے غمناک انداز میں کہی جا رہی تھی کہ ہنسنے کا موقع نہیں تھا' بیگم صاحبہ روتے ہوئے کہنے لگیں۔

"اور اب مصیبت میں پھنس گئے ہیں' ارے ان سے بڑا قاتل بھلا کون ہو سکتا ہے؟

ان سے بڑا جاسوس بھی لندن میں کوئی نہیں تھا' سینکڑوں مسئلے چٹکیاں بجاتے حل کر دیئے' قتل تو انکے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے' مکھی ماری نہیں زندگی میں' کہیں کوئی کیڑا نکل آئے تو پلنگ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مجھے آوازیں دے کر کہتے ہیں ذرا جھاڑو لانا کیڑا مارنا ہے' جھاڑو بھی لے آؤں تو کیڑا خود نہیں مار سکتے بھلا وہ کسی کو کیا قتل کریں گے؟"

"بیگم صاحبہ کوئی ایسا اشارہ جس سے گل خان کے قتل پر روشنی پڑ سکے۔۔۔؟"

"کیا کہوں بہن؟' میں تو کچھ بھی نہیں جانتی۔ گل خان چوکیدار کافی دن سے ہمارے ہاں ملازم تھا' کبھی کبھی جاننے والے آتے جاتے رہتے تھے۔ بیچارہ سیدھا سادھا شریف آدمی تھا' کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ کوئی اسے قتل بھی کر سکتا ہے۔"

شکیلہ کافی دیر تک بیگم صاحبہ سے باتیں کرتی رہیں اور پھر انہیں تسلی دے کر وہاں سے واپس چل پڑی تھی' لیکن کوئی فیصلہ کرنا مشکل کام تھا۔

ادھر سعدی اور ظفری پچیس ہزار روپے حلال کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے' مضطرب صاحب نے اپنے کمیشن کا مسئلہ الگ پیش کر دیا تھا' یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی' بہت سوچ بچار کیا اور سوچتے رہے کہ رمضان علی رمز کو کس طرح بچایا جا سکتا ہے' ایک بار پھر انسپکٹر جاوید کے پاس جانا ہوا تھا' انسپکٹر جاوید نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب وہ بے وقوف آدمی بھوں بھوں کر کے رو رہا ہے اور بار بار کہتا ہے کہ اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔"

"کیا جانتا ہے۔۔۔؟" ظفری نے پوچھا۔

"یہ ایک بار بھی نہیں بتایا۔۔۔"

"اور کوئی خاص بات۔۔۔؟"

"شاعر بھی ہے الٹے سیدھے اشعار سنا رہا تھا' ویسے کالے خان سے جان نکل رہی ہے

وہ تو شاید یہاں مشاعرہ ہی کر ڈالتا اگر میں کالے خان کو اس کی کوٹھری کے سامنے ڈیوٹی پر تعینات نہ کر دیتا' رو رو کر اشعار پڑھ رہا ہے۔۔۔"

"یار اب مار پیٹ مت کرنا بالکل ویسے وہ قاتل نہیں ہے' ہم لوگ بھی کوشش کریں گے کہ اصل قاتل ہاتھ آ جائے۔۔۔"

"ایس آئی' ٹرک اڈے پر معلومات حاصل کرنے گیا تھا مگر کوئی پتہ نہیں چل سکا' گل خان کے کچھ شناسا وہاں موجود ہیں' لیکن ایسی کوئی بات کسی طور پر پتہ نہیں چل سکی جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ اس کا قاتل کون ہے؟' خاص طور سے ایک آدمی ہے گلاب خان جس سے ہمیں معلومات حاصل کرنا تھیں وہ اس وقت موجود نہیں ہے غالباً رات تک آئے گا' ہو سکتا ہے کچھ اور معلومات حاصل ہو ہی جائیں۔" ظفری نے سعدی کی طرف دیکھا اور سعدی نے ظفری کو آنکھ مار دی۔ تھوڑی دیر وہ انسپکٹر جاوید کے پاس بیٹھے رہے اور اس کے بعد اسے مزید ہدایات دے کر باہر نکل آئے۔ ظفری نے کہا۔

"گلاب خان کو تو جانتے ہو نا تم۔۔۔؟"

"ہاں بھئی وہی جو پہلے بیگم جہاں آراء ہدایت پور کے ہاں ڈرائیور کی حیثیت سے ملازم تھا۔۔۔"

"ہاں اور بعد میں انہوں نے اسے ایک ٹرک انعام میں دیا تھا کسی واقعے کے بعد۔۔۔"

"بالکل وہی۔۔۔"

"میری یہاں ٹرک اڈے پر بھی اس سے ملاقات ہو چکی ہے۔ دو تین بار' بہت اچھا آدمی ہے۔۔۔"

"ہو سکتا ہے گل خان کے بارے میں کچھ اس سے پتہ چل جائے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے چلیں ٹرک اڈے۔۔۔؟" ظفری نے پوچھا۔

"ہاں چلتے نہیں ہو سکتا ہے وہ آ گیا ہو۔۔۔"

دونوں وہاں سے چل پڑے' بیچارے رمضان علی رمز کے بارے میں انکے دل میں بڑی ہمدردیاں تھیں' چنانچہ کچھ دیر کے بعد وہ ٹرک اڈے پہنچ گئے' یہاں کا ماحول ان کا شناسا تھا' بڑے بڑے ہوٹل جن میں چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں' بنچیں بچھی ہوئی تھیں' لوگ کھانے پینے میں مصروف تھے' زور زور سے پشتو گیت بج رہے تھے اور کہیں کہیں سے مستانہ وار چیخیں سنائی دے جاتی تھیں' گلاب خان کے دفتر کے بارے میں ان دونوں ہی کو معلوم تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ وہاں پہنچ گئے' دور ہی سے گلاب خان انہیں نظر آ گیا تھا' دونوں ہاتھ پھیلا کر ان کی طرف لپکا اور ان دونوں کو اپنی بغل میں رکھ لیا۔

"ارے ارے گلاب خان پسلیاں توڑ ڈالو گے کیا' کہو کیا حال ہیں تمہارے۔۔۔؟"

"ٹھیک ہوں یار' تم لوگ ادھر کیسے آ گیا' ٹرک پر کوئی مال بک کرانا تھا کیا۔۔۔؟"

"نہیں گلاب خان' ہم تمہاری تلاش میں آئے تھے۔۔۔"

"ارے تو پھر آؤ بیٹھو یار' میرے دفتر میں چلو' ابھی چینک منگاتا ہے۔۔۔" گلاب خان نے کہا اور ان دونوں کو ساتھ لئے ہوئے اپنے دفتر میں جا بیٹھا۔ اس نے زور سے آواز لگائی۔

"اوئے راول خاناں' ابی جاؤ یارا ہمارا دوست آیا ہے' ابی اس کے واسطے چینک لاؤ بڑھیا والا۔۔"

"کہو گلاب خان' کیسا چل رہا ہے تمہارا ٹرک۔۔۔؟"

"خدا کا فضل ہے بھائی صاحب' ابی بیگم صاحب نے میرے اوپر جو مہربانی کیا' میں ان کا احسان زندگی بھر نہیں بھول سکتا' میرے پاس اب دو ٹرک ہو گیا اور ابی تیسرا ٹرک کا بات چیت چلتا ہے۔۔۔"

''تھوڑے دن کے بعد تو تم بہت دولت مند ہو جاؤ گے گلاب خان۔۔۔''

''یارا دوستوں کا دعا چاہیے دولت بہت ہے ہمارے پاس۔۔۔'' گلاب خان نے کہا اور پھر بولا۔

''ابی تم بولتے تھے کہ ہمارے پاس کسی کام سے آیا' کوئی خاص بات ہے کیا۔۔۔؟''

''ہاں گلاب خان' ایک بہت اہم بات ہے۔۔۔''

''تو یارا بولو' ابی گلاب خان کا سر حاضر ہے تمہارے واسطے۔۔۔''

''گلاب خان' گل خان نامی کسی آدمی کو جانتے ہو تم۔۔۔'' ظفری نے پوچھا اور گلاب خان چونک پڑا' اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اٹھ کر سامنے کا دروازہ بند کرتے ہوئے بولا۔

''ابی یار' کیسا بات کیا تم نے' تم گل خان کو کیسے جانتا ہے۔۔۔؟''

''تو کیا تم گل خان کو جانتے ہو۔۔۔؟''

''ایک گل خان کو تو ہم جانتا ہے جو بیچارہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا' جوان آدمی تھا' ابی کونسا اس کا عمر تھا' بہت شریف آدمی تھا مگر خانہ خراب لوگ نے اسے قتل کر دیا۔'' سعدی اور ظفری کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے وہ چونکی نگاہوں سے گلاب خان کا چہرہ دیکھنے لگے پھر انہوں نے کہا۔

''اسی گل خان کی بات کر رہے ہیں ہم گلاب خان۔۔۔''

''یارا اپنے ہی وطن کا باشندہ تھا' ابی تم کو کیا بتائے ہم کو اس کے بارے میں سن کر کتنا دکھ ہوا۔۔۔''

''تمہیں اس کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔۔۔ گلاب خان۔۔۔؟''

''یارا' اور کا چکر بہت لمبا چلتا ہے' ابی ہمارا خاندانی دشمنی کے بارے میں تو تم لوگوں نے سنا ہی ہوگا' پشتوں چلتا ہے' نسلیں خراب ہو جاتا ہے' خدا جانے یہ سلسلہ کب ختم ہوگا' اس سلسلے میں تو خانہ خراب کر کے رکھ دیا ہے۔''

''گلاب خان' گل خان کہاں رہتا تھا۔۔۔؟''

''یارا' ہمارے کو صحیح بات نہیں معلوم' کسی گھر میں چوکیداری کرتا تھا۔۔۔''

''اور اسے قتل کر دیا گیا۔۔۔''

''ہاں' بس یہ ہم کو معلوم ہوا کہ وہ شامل خان اس سے اپنا دشمنی وصول کر لیا۔۔۔''

''شامل خان کون ہے۔۔۔؟''

''ابی وہی تو تمہارے کو بتانے جاتا تھا' شامل خان' روزہ خان کا بھتیجا ہے۔۔۔''

''اور یہ روزہ خان کون ہے۔۔۔؟''

''وہ سامنے بورڈ دیکھو' روزہ خان کا بورڈ لگا ہوا ہے' اس کا پاس چھ ٹرک ہے۔۔۔''

''اوہو' شامل خان اس کا بھتیجا ہے۔۔۔؟''

''ہاں' ابی تھوڑا دن پہلے ملک سے واپس آیا' ہمارے کو تو معلوم نہیں تھا' ہمارا ایک کلینر ہے اس سے شامل خان کا دوستی ہوا' شامل خان نے کلینر کو بولا کہ وہ دشمنی لینے اور آیا ہے اور گل خان کو قتل کرے گا۔''

''اوہو' شامل خان نے یہ بات کہی اس سے۔۔۔؟''

''ہاں' ابی ہم نے کوئی توجہ نہیں دیا' مگر گل خان کے بارے میں ہمیں تشویش تھا' ہم یہ سوچتا تھا کہ اگر ہمارے معلوم ہو جائے کہ گل خان کدھر ملازم ہے تو ہم اس کو بولے کہ وہ اور سے بھاگ جائے' پر یارا ہم بھی مصروف آدمی ہے' پتہ نہیں چلا کہ گل خان کدھر نوکری کرتا ہے' پھر شامل خان لگا رہا اور ہم نے پچھلی رات اس کو واپس آتا ہوا دیکھا' یارا اس کا لباس خون میں ڈوبا ہوا تھا اور وہ سیدھا روزہ خان کے پاس آیا تھا' روزہ خان آج صبح اس کو اپنے ٹرک کے ذریعے نکال دے گا' یہ بات ہمارے کو پتہ چل چکا ہے۔۔۔''

''شامل خان نے گل خان کو قتل کیا ہے۔۔۔''

"کتنی بار بولے یار' کتنی بار بولے تمہارے کو۔۔۔؟"

"شامل خان ہے کہاں۔۔۔؟"

"روزہ خان کے اڈے پر' ابی تھوڑی دیر پہلے ہم اس کو اور دیکھا وہ دوسرا کپڑا پہنے ہوئے تھے۔۔۔"

"ہوں' مگر تم اس بات کو دعوے سے کہہ سکتے ہو گلاب خان۔۔۔؟"

"یارا دعویٰ' ہمارے پاس نہیں ہے' ابی ہمارے پاس کوئی دعویٰ نہیں' ہم تم کو جو بولا' تمہارا سمجھ میں آئے ٹھیک ہے نہ سمجھ میں آئے تو ابی ہم خود کوئی دشمنی نہیں مول لے سکتا۔۔۔"

"گلاب خان' تم ہمیں شامل خان کی صورت دکھا سکتے ہو۔۔۔؟"

"ابی کیسے دکھا سکتا ہے یار؟' ابھی اور دیکھو' وہ دیکھو' دیکھو تمہارا تقدیر اچھا ہے' وہ شامل خان ہے' وہی ہے شامل خان۔۔۔" انہوں نے ایک لمبے چوڑے آدمی کو دیکھا جو بہت عمدہ قسم کے شلوار سوٹ میں ملبوس ایک طرف سے آ رہا تھا۔

"یہ ہے شامل خان' روزہ خان کا بھتیجا۔۔۔"

"ہوں' ٹھیک ہے گلاب خان تمہارا بے حد شکریہ۔۔۔ ظفری تم چلے جاؤ میں یہاں موجود ہوں۔۔۔" ظفری نے سعدی کو اشارہ کیا' دونوں باہر نکل آئے' تب سعدی نے ظفری سے کہا۔

"فوراً اس سلسلے میں انسپکٹر جاوید سے رابطہ قائم کرو باقاعدہ پولیس فورس کے ساتھ آنا ہے' انسپکٹر جاوید کو یہ بھی بتانا کہ اسمگلنگ کا کچھ مال بھی پکڑا جا سکتا ہے۔" سعدی نے یہ بات صرف اس لئے کہہ دی تھی کہ انسپکٹر جاوید کو خود بھی اس کارروائی سے کوئی دلچسپی پیدا ہو جائے' ویسے بھی یہ ساری کارروائی ایک طرح سے ہوائی حیثیت رکھتی تھی' لیکن ظفری نے کچھ اس طرح انسپکٹر جاوید کو روزہ خان کے اڈے پر چھاپہ مارنے کے لئے آمادہ کیا کہ انسپکٹر جاوید خود بھی اس کے لئے پوری طرح تیار ہو گیا۔

سعدی نے البتہ' رات کے تقریباً ایک بجے تک ان لوگوں کا انتظار کیا اور وہیں وقت گزارتا رہا' اس نے شامل خان کو روزہ خان کے اڈے ہی میں جاتے ہوئے دیکھا تھا' گویا روزہ خان نے اپنے بھتیجے کو اسی جگہ رکھا تھا' رات کے ایک بج کر دس منٹ پر پولیس نے روزہ خان کے اڈے کا محاصرہ کر لیا اور اتنی تعداد میں وہاں چھاپہ مارا گیا کہ روزہ خان کے اڈے سے کسی کو بھی نکلنے کا موقع نہیں مل سکا' ظفری اور سعدی کی نشاندہی پر شامل خان کو گرفتار کر لیا گیا' لیکن ایک حیران کن بات یہ بھی ہوئی کہ سعدی نے جو اطلاع انسپکٹر جاوید کو بھجوائی تھی وہ بھی بالکل درست ثابت ہوئی' اسمگلنگ کا کافی سامان روزہ خان کے اڈے سے برآمد ہوا تھا' جسے اندرون ملک بھیجا جانے والا تھا اور اس طرح روزہ خان کو بھی گرفتار کرنا پڑا' شامل خان کو گرفتاری کے بعد پولیس ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا تھا' یہاں تلاشی کے دوران اس کے خون آلود کپڑے بھی حاصل کر لئے گئے تھے اور یہ ایک بہترین ثبوت تھا' اس قتل کے سلسلے میں' بعد میں گل خان کے خون کا جو نمونہ حاصل کیا گیا تھا وہی خون شامل خان کے لباس پر بھی پایا گیا' شامل خان نے بڑی دلیری سے اس بات کا اعتراف کر لیا تھا کہ وہ اپنی خاندانی دشمنی کا بدلہ لینے کے لئے گل خان کو قتل کرنے آیا تھا اور اب وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا ہے چنانچہ اسے اپنی گرفتاری کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔

بیچارے رمضان علی رمز کی رہائی تو اسی وقت عمل میں آ گئی تھی' جب یہ بات شامل خان نے تسلیم کی تھی کہ وہ گل خان کا قاتل ہے' سعدی' ظفری' شکیلہ اور مضطرب صاحب ہی رمضان علی رمز کو لے کر ان کے گھر پہنچے تھے اور شازیہ بیگم نے ان لوگوں کا دلی شکریہ ادا کیا تھا' مضطرب صاحب نے کہا۔

"حضور قبلہ' رمضان علی رمز صاحب ہم نے تو اپنی دوستی نباہ دی۔۔۔"

"اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔" رمضان علی رمز نے کہا۔

"سمجھ میں نہیں آتا آپ کیا اچھی طرح جانتے ہیں۔۔۔؟" مضطرب صاحب نے کسی

قدرے بے چینی سے کہا اور شازیہ بیگم مسکراتے ہوئے بولیں۔

''آپ محسوس نہ کریں مضطرب صاحب یہ ان کا تکیہ کلام ہے۔۔۔''

''جی ہاں' میں اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔'' مضطرب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا' سعدی' ظفری اور شکیلہ قہقہہ مار کر ہنس پڑے تھے۔

وہاں سے رخصت ہو گئے' مضطرب صاحب نے بڑے نیاز مندانہ انداز میں کہا۔

''حضور اب تو میں کمیشن کا حقدار ہو چکا ہوں۔۔۔''

''اچھی طرح جانتا ہوں۔۔۔'' سعدی آنکھیں نکال کر بولا اور مضطرب صاحب نے شرما کر گردن جھکا لی۔

☆......☆......☆